

پس تو اللہ ہی کی خالص عبادت کیا کر

اضواء التوحید

شمع توحید کے نقلی و عقلی دلائل کا مجموعہ

تالیف

فضیلۃ الشیخ ابی عبد الصبور عبد الغفور دامنی حفظہ اللہ

مقدمہ

فضیلۃ الشیخ عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

تصدیر

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ناشر: مدرسہ دار السنۃ تگران آباد مکران بلوچستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

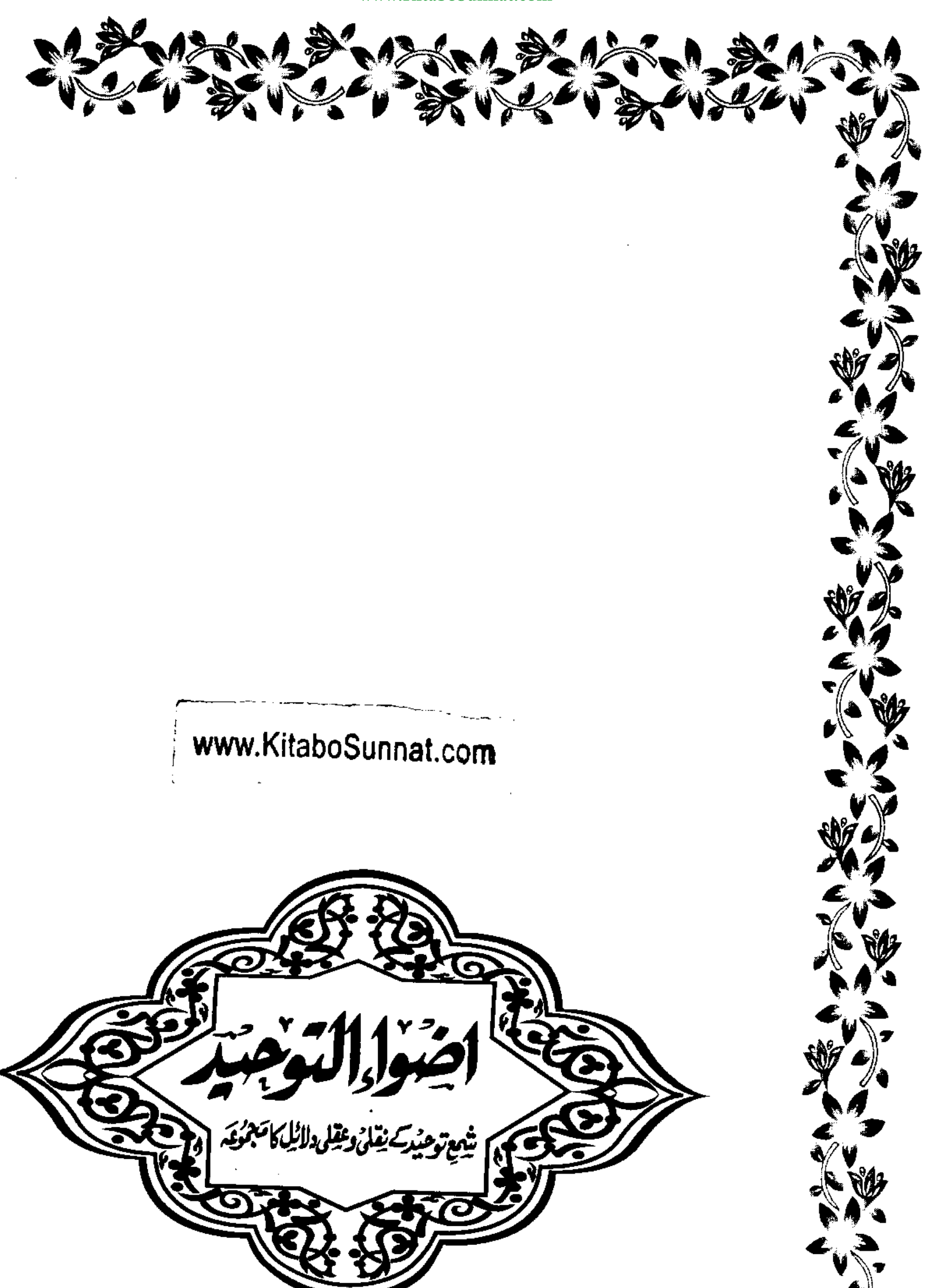
- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com


www.KitaboSunnat.com
اضواء التوحید
شمعِ توحید کے نقلی و عقلی دلائل کا مجموعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ---------- اضواء التوحید

مؤلف ---------- (فضیلۃ الشیخ) ابی عبد الصبور عبد الغفور دامنی حفظہ اللہ (فاضل مدینہ یونیورسٹی)
مہتمم مدرسہ دار السنۃ تگران آباد مکران
امیر جمعیت اہل حدیث مکران ڈویژن، بلوچستان

مقدمہ ---------- فضیلۃ الشیخ عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

تصدیر ---------- صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

تعداد ---------- 3000

اشاعت اول ---------- 05-05-2010

ناشر ---------- مدرسہ دار السنۃ تگران آباد مکران بلوچستان

تعاون ---------- جمعیت اہلحدیث سندھ

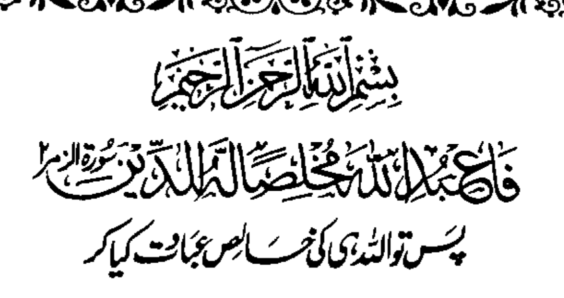
قیمت ---------- 800



☆ مدرسہ دار السنۃ تگران آباد تمپ 0321-2867751
☆ المعهد السلفي للتعليم والتربية کراچی 021-4610381
☆ المعهد الديني پنجگور مکران 0855-612229
☆ جامعہ ابی بکر الاسلامیہ گلشن اقبال کراچی 021-4993313
☆ الجامعۃ الستاریۃ الاسلامیہ گلشن اقبال کراچی 021-4980877
☆ الجامعۃ السلفیۃ دعوۃ الحق کوئٹہ 081-2880280 -1
☆ الجامعۃ الاسلامیۃ السلفیۃ چاہ سر تربت 0852-411105
☆ جمعیۃ الدعوۃ الخیریۃ تربت مکران 0321-3591211
☆ دار السلام شوروم لاہور 042-7232400

☆ مدرسہ تعلیم القرآن الندور بلیدہ 0852-623114
☆ مرکز القرآن والسنۃ الخیری پنجگور 642201
☆ مدرسۃ دار التوحید تسپ پنجگور 611115
☆ راشدی مسجد اہل حدیث موسیٰ لین کراچی۔
☆ مدرسۃ دار التوحید اورماڑہ 0863-310145
☆ محمدی مسجد اہل حدیث چاکیواڑہ کراچی۔
☆ مکہ ہوٹل لیاری کراچی۔ 021-2526585
☆ فضلی بک سپر مارکیٹ اردو بازار کراچی
☆ مکتبہ رحمانیہ بوہرہ پیر کراچی

☆ حرمین پبلی کیشنز کراچی 0333-3030804



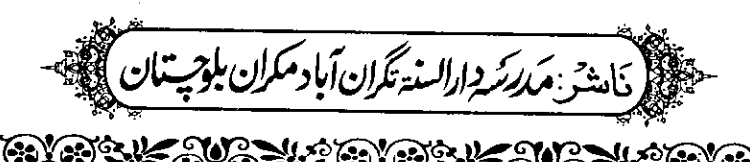
اضواء التوحید

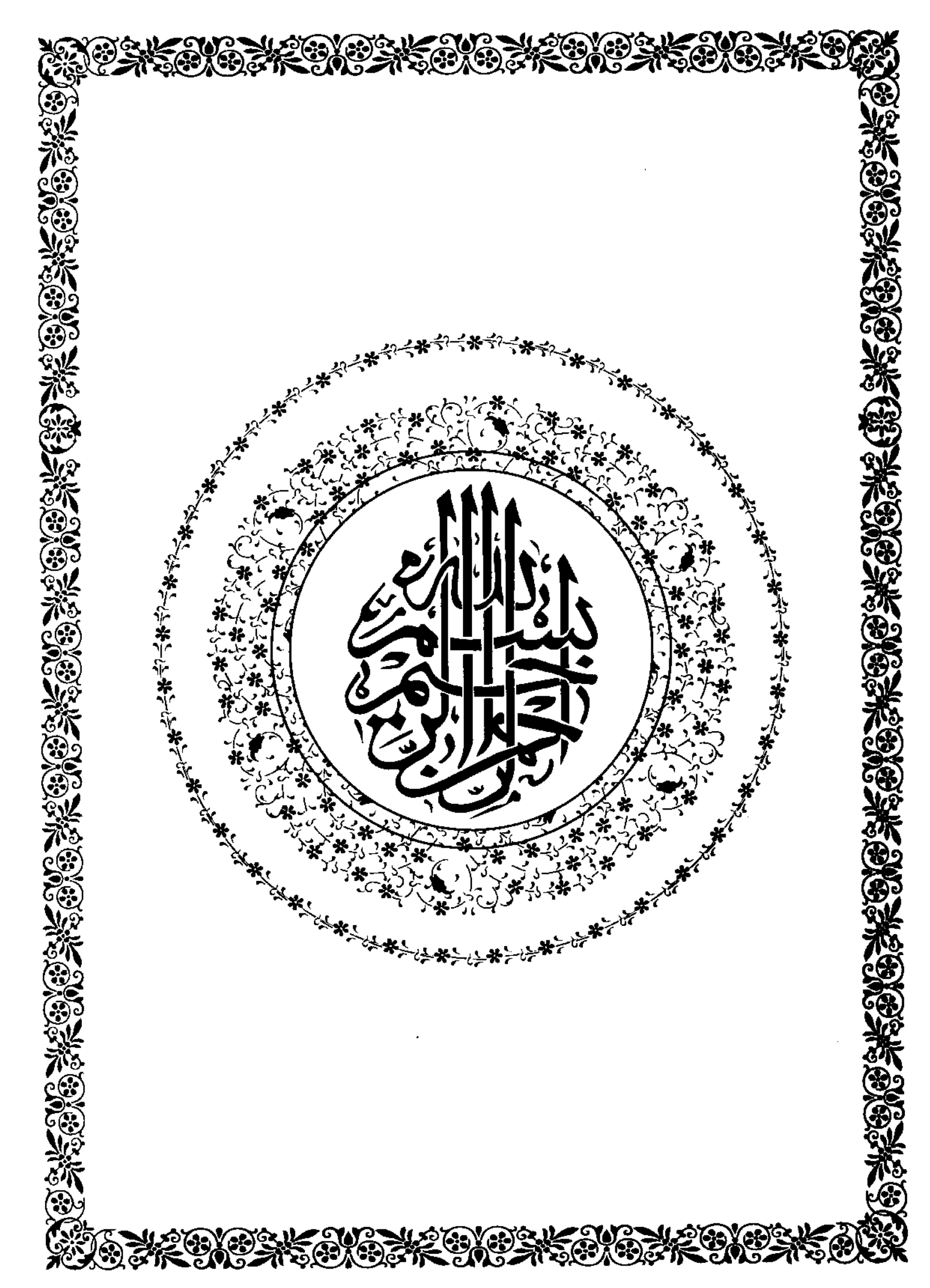
شمعِ توحید کے نقلی و عقلی دلائل کا مجموعہ





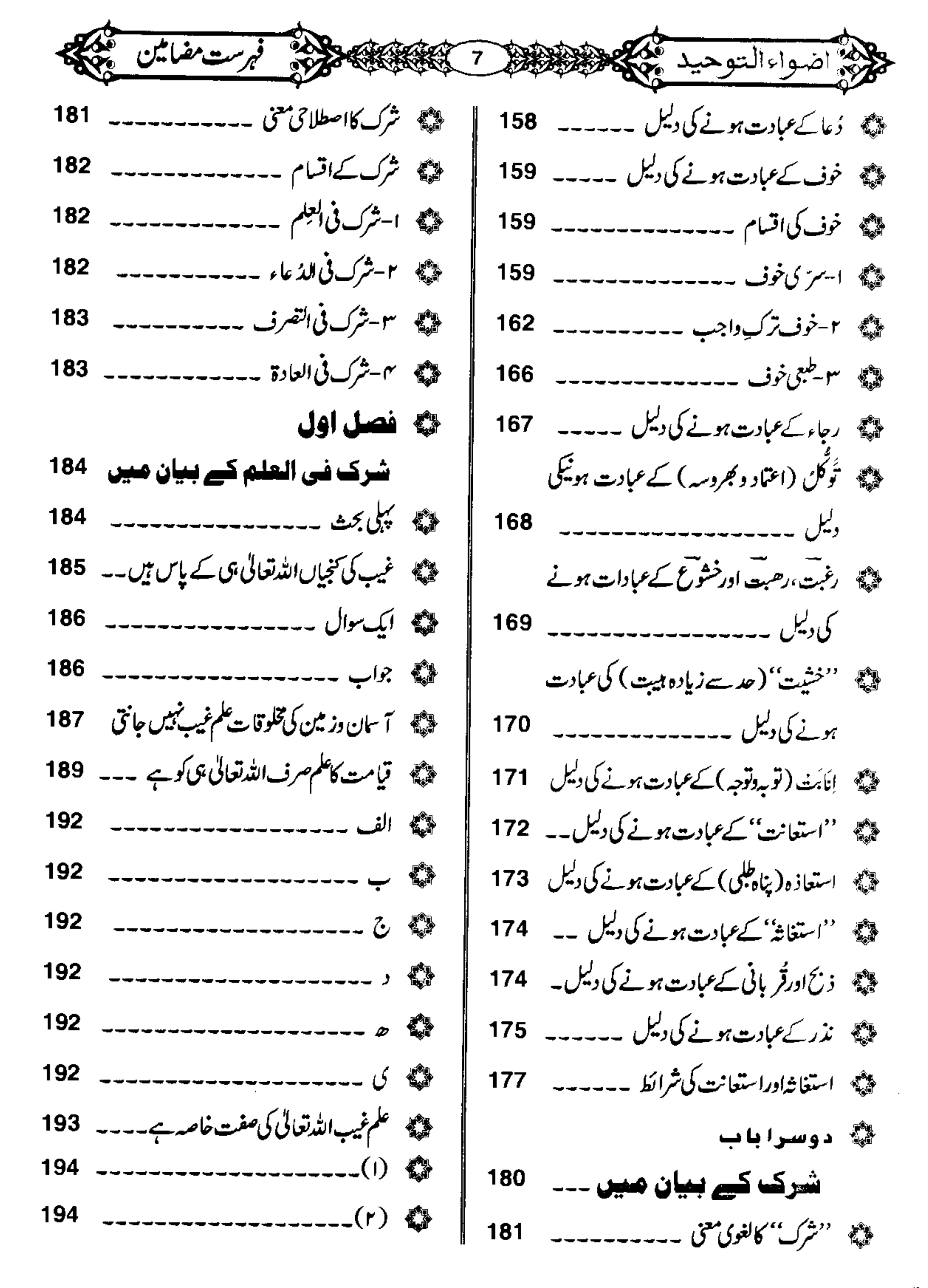


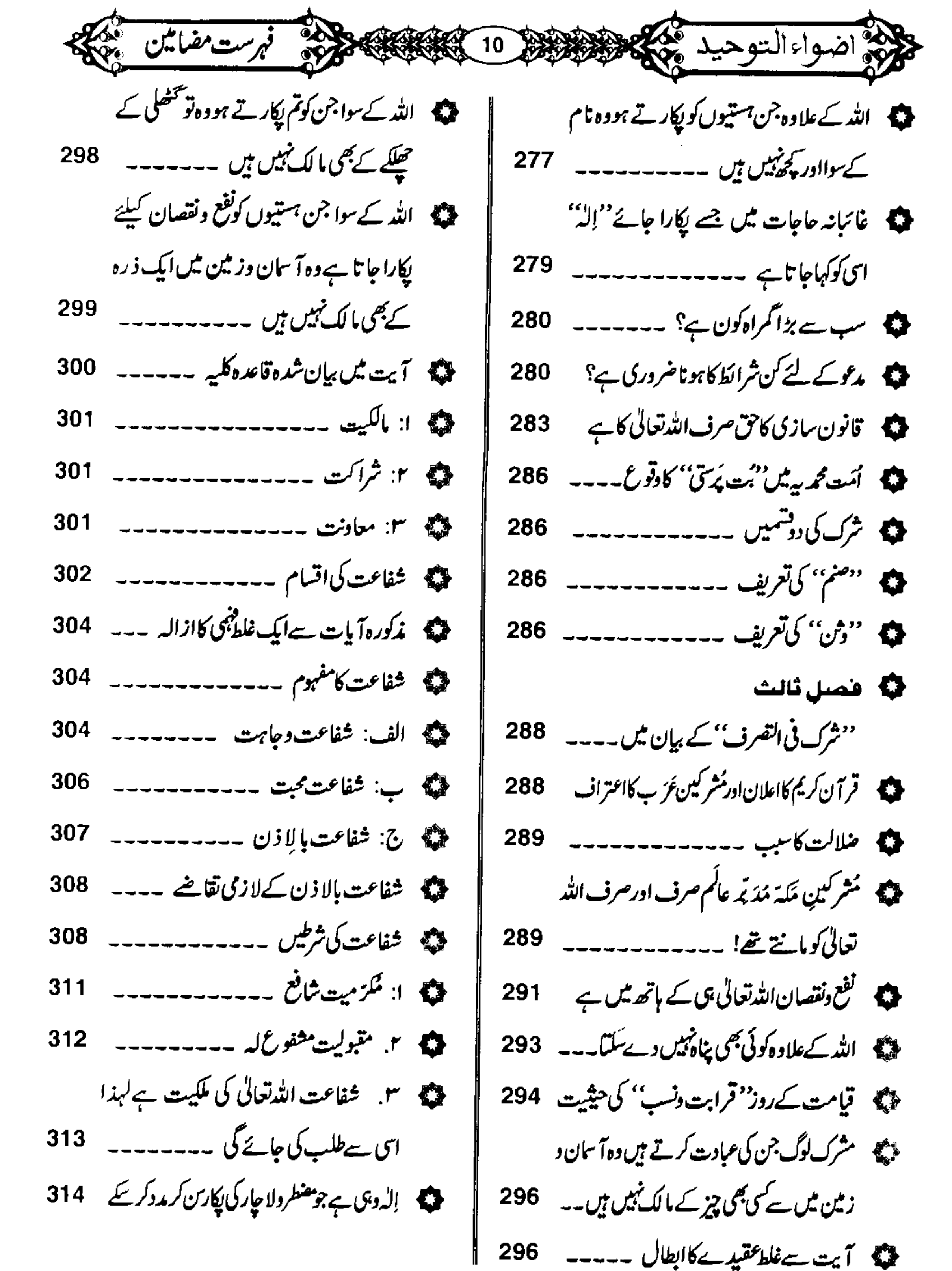


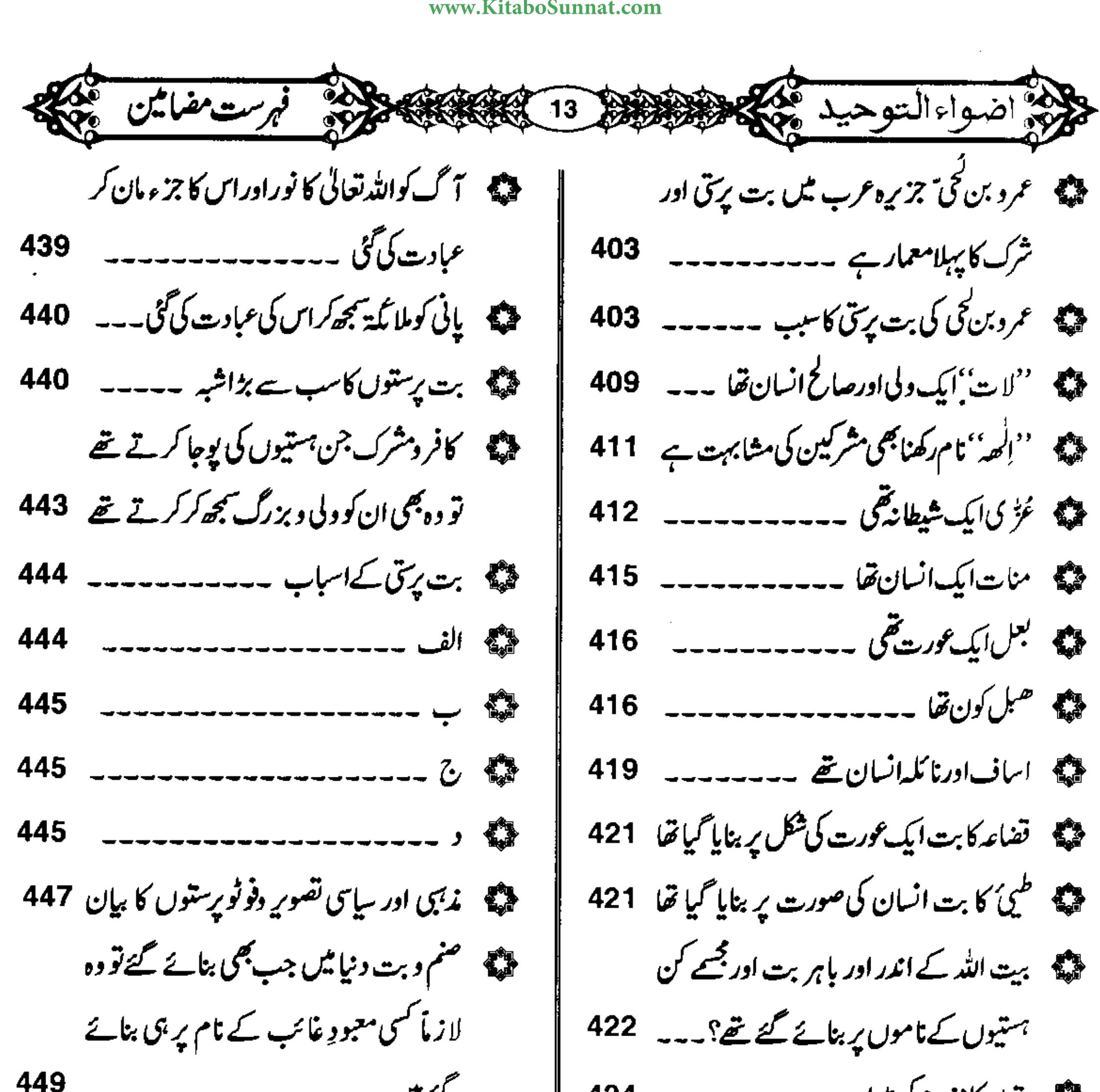

بسم اللہ الرحمن الرحیم

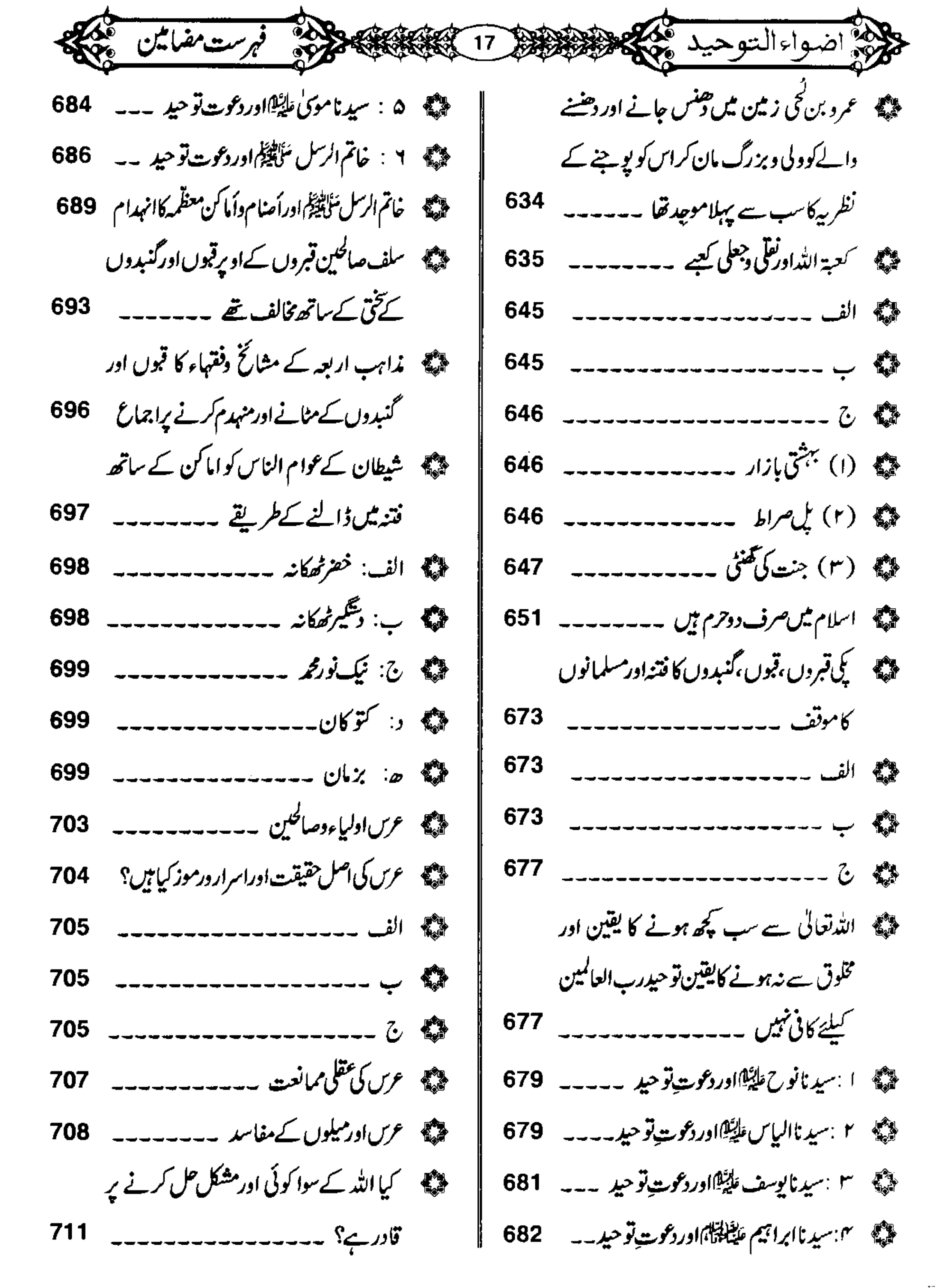


فہرس









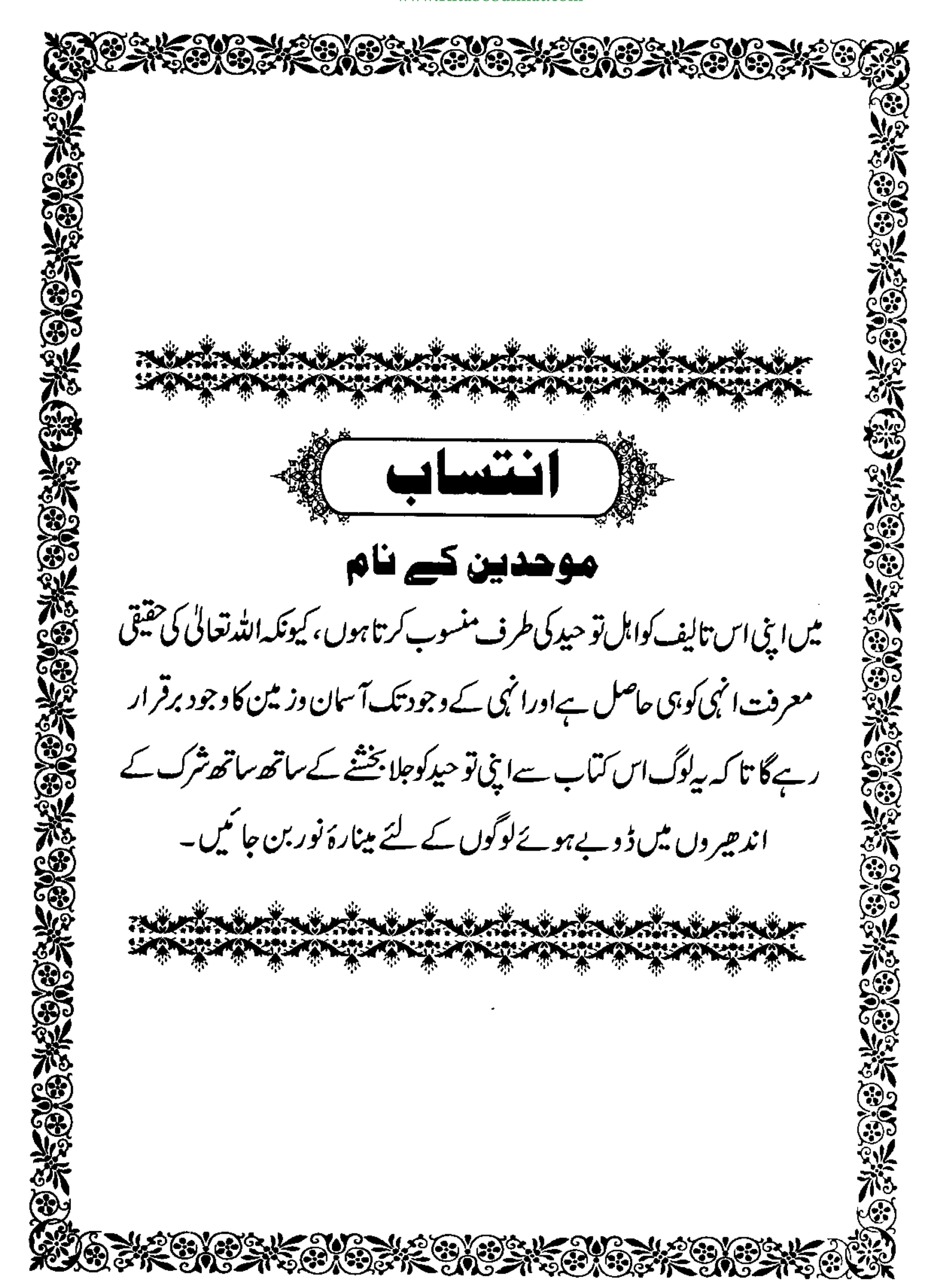


آٹھواں باب

شرک کی قباحتوں کا بیان 801

نواں باب

مشرک پیشواؤں اور ان کے پیروکاروں کا بیان -------- 819



انتساب

موحدین کے نام

میں اپنی اس تالیف کو اہل توحید کی طرف منسوب کرتا ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت انہی کو ہی حاصل ہے اور انہی کے وجود تک آسمان و زمین کا وجود برقرار رہے گا تا کہ یہ لوگ اس کتاب سے اپنی توحید کو جلا بخشنے کے ساتھ ساتھ شرک کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے لئے مینارۂ نور بن جائیں۔



تقدیم

(فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ تعالیٰ)

ان الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ، ونستغفرہ ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا، ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ، ومن یضلل فلاھادی لہ ،وأشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، وأشھد أن محمدا عبدہ ورسولہ .

﴿ یَاأَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ ①

﴿ یَاأَیُّھَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ﴾ ②

﴿ یَاأَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ أَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴾ ③

أما بعد:

فان أصدق الحدیث کتاب اللہ، وأحسن الھدی ھدی محمد ﷺ ، وشر الامور محدثاتھا، وکل محدثۃ بدعۃ ، وکل بدعۃ ضلالۃ ، وکل ضلالۃ فی النار .

قارئین کرام! آپ کے ہاتھوں میں جو عظیم کتاب ہے، یہ ہمارے انتہائی فاضل دوست اور بھائی فضیلۃ الشیخ عبدالغفور دامنی حفظہ اللہ ومتعنا بطول حیاتہ کی تالیفِ لطیف ہے،اس عظیم سفرِ مبارک کا نام ''اضواء التوحید'' ہے جس سے کتاب کا موضوع سمجھ میں آرہا ہے،یعنی: عقیدۂ توحید۔

آج کے پرفتن دور میں کسی بھی انسان کی سب سے بڑی خوشبختی ،اللہ تعالیٰ کی توحید اور اکرم الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مطہرہ ومبارکہ کے ساتھ صحیح اور راسخ تعلق قائم ہونے میں ہے، بلکہ جب معاشرہ کی ایک کثیر تعداد شرک وبدعت کی دلدل میں دھنسی دکھائی دیتی ہے تو یہ مبارک تعلق کسی کرامت سے کم محسوس نہیں ہوتا ،(ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء)

---

① سورۃآل عمران: ۱۰۲

② سورۃالنساء: ۱

③ سورۃالاحزاب: ۷۰، ۷۱



توحید کے ساتھ تعلق کئی مراحل طے کر کے پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے، پہلا مرحلہ فہمِ صحیح ہے (نفیاً و اثباتاً)؛ لقولہ تعالیٰ: ﴿ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ﴾ دوسرا مرحلہ اعتقادِ جازم (نفیاً و اثباتاً)؛ لقولہ تعالیٰ: ﴿ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ ولقولہ تعالیٰ: ﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ﴾ تیسرا مرحلہ مقتضائے توحید پر عمل کرنا ہے (نفیاً و اثباتاً)؛ لقولہ ﷺ: ''حق الله على العباد أن يعبدوه ولا يشركوا به شيئا'' چوتھا مرحلہ لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دینا ہے؛ لقولہ تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾

مذکورہ مفاہیم کے ساتھ تعلق ہی درحقیقت مقصدِ تخلیق کی تکمیل ہے؛ لقولہ تعالیٰ: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ ہر شخص خواہ وہ حاکم یا محکوم، عالم ہو یا عامی کی عملی سیاست، توحید کی اقامت کیلئے جدوجہد کرنا ہے۔

توحید ہی انبیاء و مرسلین کی اول و آخر دعوت ہے، تمام عبادات کا مقصود و مطلوب، احقاقِ توحید ہے، ہم مسلمانوں کیلئے دنیوی کامیابی، حقیقی توحید ہی کی مرہونِ منت ہے(قولوا لا إله إلا الله تفلحوا) جبکہ آخرت میں کامیابی پانا کا ی کا محور توحید ہی ہے، چنانچہ جنت کا صلہ اہلِ توحید کا حق ہے جبکہ جہنم کی وعید توحید کے باغیوں کیلئے ہے۔

عقیدۂ توحید اساسِ اسلام، بلکہ اصلِ اسلام، بلکہ عینِ اسلام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث میں اسے روزِ آخرت، نجات کا محور و مدار قرار دیا گیا ہے۔①

جبکہ ''مسندِ احمد'' اور کتبِ ''سنن'' کی ایک حدیث جو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، میں رسول اللہ ﷺ نے اسے دینِ اسلام کا سر بتلایا ہے۔ اور یہ بات مسلَّم ہے کہ سر کی سلامتی، بقیہ جسم کی سلامتی کا ثبوت ہے، جبکہ سر بریدگی سے بقیہ جسم محض ایک مردار سا ڈھانچہ رہ جاتا ہے۔

ایک حدیث میں توحید کو وہ چابی کہا گیا ہے جس سے جنت کا بند دروازہ کُھل جائے گا، ایک اور حدیث میں اس بندہ کو کہ جو اس قدر گناہوں میں ملوث رہا کہ اس زمین کا اُجلا دامن سیاہ ہوگیا، توحید کی برکت سے نہ صرف ان گناہوں کی بخشش کی نوید سنا دی گئی، بلکہ ان گناہوں کی جگہ رحمت و فضل کے خزانے لٹا دیئے گئے۔②

ایک اور حدیث جو ''حدیثِ بطاقہ'' کے نام سے معروف ہے، کا مضمون ہے کہ ایک بندہ کے توحیدِ خالص کے اقرار و اعتراف اور شرک سے بچے رہنے کی برکت سے گناہوں کے ننانوے رجسٹر ہلکے اور ماند پڑ گئے۔

---

① مسند احمد

② سنن ترمذی: رقم: ۳۵۴۰ وصححہ الحاکم ۱/۶۰، ۴۹۲۵ ووافقہ الذہبی



ایک اور حدیث میں ان ستر ہزار خوش نصیب افراد کا ذکرِ خیر موجود ہے جنہیں توحید کے عظیم الشان عقیدے پر کاربند اور مستقیم رہنے کی وجہ سے بغیر کسی حساب اور بلا کسی عذاب کے پروانۂ نجات تھما کر ''جنات النعیم'' کی وراثت سونپ دی جائے گی۔①

ایک اور حدیث میں بمصداقِ فرمانِ رسول ﷺ ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ'' ان لوگوں کے لئے جنت میں داخلے کی بشارت موجود ہے جنہیں وقتِ مرگ، توحید کی کامل معرفت کے ساتھ ''لا الٰہ الا اللہ'' (جو کہ سب سے بڑا کلمۂ توحید ہے) پڑھنے کی توفیق میسر آ گئی۔ ②

عقیدۂ توحید صرف آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں کی ہی ضمانت نہیں، بلکہ دنیا کی فلاح، سعادت وسیادت، غلبہ وحکمرانی اور استحکام معیشت کا علمبردار بھی ہے۔ فلاح کا یہ پروگرام تو رسول اللہ ﷺ نے کوہِ صفا پر دی گئی اپنی پہلی دعوت جو صرف عقیدۂ توحید کے اپنانے پر مشتمل تھی میں پیش فرما دیا تھا۔''قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ تُفْلِحُوا'' اسکے علاوہ آیتِ استخلاف، اور ''سورۃ القریش'' وغیرہ کا مضمون بھی اسی حقیقت پر شاہدِ عدل ہے۔

الغرض عقیدۂ توحید دونوں جہانوں کی سعادتوں کا سرچشمہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور جنوں کی بھلائی، بہتری اور خیر خواہی کا فیصلہ فرماتے ہوئے، توحید کو انکا مقصدِ تخلیق قرار دیا، اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں توحید کو '' حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ '' ''اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق'' قرار دیا گیا ہے۔

شرک کی مذمت: توحید کے مذکورہ فضائل ومحاسن کے برعکس شرک کی بڑی مذمت وشناعت بیان ہوئی ہے، چنانچہ شرعی نصوص سے یہ ثابت ہے کہ شرک ظلم عظیم ہے، مشرک کیلیے گناہوں کی بخشش اور توبہ کی قبولیت کی کوئی صورت اور گنجائش نہیں، شرک کرنے والے پر علی الاطلاق جنت کا داخلہ حرام ہے، شرک کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جھونک دیا جائے گا، پھر کبھی باہر نہ نکل سکے گا ﴿ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴾ شرک کرنے والا مغضوب اور ضال ہے، شرک کرنے والا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے نزدیک لعنت و پھٹکار کا مستحق ہے، شرک کرنے والے شخص کا ہر چھوٹا، بڑا شرک اللہ تعالیٰ کی غیرت کو للکارنے کے مترادف ہے، شرک کرنے والا شخص انسان ہونے کے باوجود دنیا کی ہر مخلوق حتیٰ کہ حقیر سے حقیر کیڑے سے اخس، ارذل اور احقر ہے:

﴿ أُولٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴾ ③ ﴿ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ﴾ ④

---

① رواہ البخاری
② صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند احمد
③ سورۃ البینۃ: ٦
④ سورۃ التین: ٥



حضرات! مسئلہ توحید وہ اہم مسئلہ ہے جسے پڑھانے، سکھانے، سمجھانے، عمل کرنے اور کرانے، اور اس کے ساتھ ساتھ توحید کی ضد یعنی شرک کی بیخ کنی کرنے، نیز ارض اللہ اور اللہ کے بندوں کے قلوب واذہان کو اس کی غلاظتوں، نجاستوں اور نحوستوں سے پاک صاف کرنے کے لئے ہر دور میں انبیاء ورسل علیہم الصلوات والتسلیمات تشریف لاتے رہے۔ انبیاء کی اس مقدس وپاکیزہ جماعت کی ہر ہستی نے بلا استثناء توحید کی دعوت کو اپنا اولین وآخرین مشن بنالیا، اور یہی رب کائنات کا امر بھی تھا:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ ①

''اور ہم نے ہر قوم میں اپنا رسول بھیجا، (اس دعوت کے ساتھ) کہ لوگو! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور ہر طاغوت سے بچ جاؤ''

نیز فرمایا: ﴿ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ ②

''اور آپ سے قبل ہم نے جو بھی رسول بھیجا، اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبودِ حق نہیں ہے پس میری ہی عبادت کرو''

اس مقدس سلسلے کی آخری کڑی امام الانبیاء، اکرم الخلائق، سیدِ ولدِ آدم محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے، جن کی پوری حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مطہرہ عقیدۂ توحید کی خدمت سے عبارت ہے۔ چنانچہ کوہِ صفا سے ''قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا'' کی صدائے توحید بلند ہوئی اور یوں ایک عظیم الشان مشن کا باقاعدہ آغاز ہوگیا، اور پھر مکہ مکرمہ کی پوری دعوتی زندگی، اور مدینہ منورہ کی مکمل دعوتی وجہادی زندگی کا ایک ایک لحہ ولحظہ اس بے مثل عقیدہ کی دعوت وپرچار میں صرف ہوا۔ کم وبیش چوبیس (۲۴) غزوے اور اسی (۸۰) مقامات پر جہادی بعثتیں اور یلغاریں محض توحید کی خاطر عمل میں آئیں، اور بالآخر جب توحید کا یہ عظیم داعی، حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں موت کی دہلیز پر کھڑا ہے تو گڑگڑا، گڑگڑا کر اپنے پروردگار سے یہ دعا فرمارہا ہے ''اے اللہ میری قبر کو پوجا گاہ اور میلہ گاہ نہ بنانا، اے اللہ یہود ونصاریٰ پر اپنی لعنتیں نازل فرما کہ جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا''

قرآنِ حکیم کی ہر ہر آیت کا مضمون توحید پر مشتمل یا توحید کا متقاضی ہے، اسی مبارک اساس پر رسول اللہ ﷺ کا ہر معطر وپاکیزہ فرمان قائم ہے۔ دینِ اسلام کے تمام اعمال وعبادات کا اساسی نکتہ توحید ہی ہے، ہر عمل سے توحید کی سربلندی اور اعلائے کلمۃ اللہ ہی مقصود ہے، دینِ اسلام سے ثابت شدہ تمام اذکار واوراد کی روح عقیدۂ توحید ہے،

---

① سورۃ النحل: ۳۶ ② سورۃ الانبیاء: ۲۵



بلکہ اس عالم کونی کی ہر شئ خواہ ایک ذرۂ بے مقدار ہو یا وسیع وعریض آسمان وزمین، سب کا وجود توحید باری تعالیٰ کا مظہرِ اتم ہے

وفي كل شئ له آية ― تدل على انه واحد

بقائے کائنات، بقائے موحدین پر موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کائنات کی بقاء، توحید اور اہلِ توحید کی بقاء کے ساتھ مشروط ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ النَّاسِ '' یعنی قیامت بدبخت ترین لوگوں پر قائم ہوگی، ایک حدیث میں ''شرار'' کی جگہ ''حثالة'' کا لفظ وارد ہوا ہے، جسکا معنی ''بیکار'' اور ''ردی'' قسم کے لوگ ہیں بدبخت ترین اور انتہائی ردی لوگ وہ ہیں جو توحید کے باغی اور شرک کے کیچڑ میں لت پت ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اور حدیث میں ''شرار'' یا ''حفالة'' کی جگہ ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو عقیدۂ توحید سے عاری ہونگے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالُ فِي الْاَرْضِ اللّٰه اللّٰه'' یعنی اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک اس زمین میں اہلِ توحید موجود ہیں، گویا اہلِ توحید کی بقاء، اس کائنات کے بقاء کو مستلزم ہے۔ اور جب توحیدِ خالص کے نور سے منوّر آخری انسان دنیا سے اٹھ جائے گا تو باقی شرار اور حثالۃ رہ جائیں گے جن پر قیامت کی ہولناکیاں ٹوٹ پڑیں گی، یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''وہ لوگ کائنات کے سب سے بدترین لوگ ہیں جن پر قیامت قائم ہوگی''

ہم نے آغازِ کلام میں عرض کیا تھا کہ تعلق بالتوحید، عصرِ حاضر کی سب سے بڑی خوش نصیبی ہے، اللہ رب العزت ہر دور میں اپنی خلق پر حجت قائم کرنے کیلئے ایسے افراد پیدا فرماتا ہے جن کی زندگیاں خدمتِ توحید کیلئے وقف ہوتی ہیں، جن کی ذات ظلماتِ شرک وبدعت میں منارۂ نور کی حیثیت سے متعارف ہوتی ہے، ہم بفضلہٖ تعالیٰ، مؤلف کتاب شیخ عبدالغفور دامنی حفظہ اللہ کو اسی سلسلۂ مبارکہ کے اعیان میں شمار کرتے ہیں، کتابِ ھذا ہمارے اس دعویٰ کی بھرپور تصدیق کرے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

کتاب ''اضواء التوحید'' اسلوب کے اعتبار سے سلفی فکر کی پوری ترجمانی کرتی ہے، چنانچہ تمام مسائل کے اثبات کیلئے، نیز ملحدین کے الحاد کے رد کیلئے قرآن وحدیث کے دلائل پر اکتفاء کیا گیا ہے، یہ بات معلوم ہے کہ عقیدہ کا مأخذ عقلیات وآراء نہیں بلکہ خالص قرآن وحدیث ہے ﴿ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾

نیز یہ بات بھی اس کتاب کے محاسن میں شمار ہوگی کہ آیاتِ قرآنی کی تفسیر کیلئے کلامِ سلف سے پوری پوری راہنمائی لی گئی ہے جو کہ انتہائی مستحسن ومبارک منہج ہے۔ فجزاه الله عنا وعن المسلمين خير الجزاء.

شیخ حفظہ اللہ بذاتِ خود مختلف علاقوں کے مختلف مراکزِ شرک کا ملاحظہ فرما چکے ہیں، کتاب ھذا میں اس تعلق سے ان کے مشاہدات کا بھی جا بجا ذکر ملے گا اور صرف ذکر ہی نہیں بلکہ بتقاضہ ﴿ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ دلائل کے ساتھ علمی مناقشہ ومحاسبہ بھی ملے گا۔

ہم شیخ عبدالغفور حفظہ اللہ کی درازیٔ عمر، وفورِ صحت اور اضافۂ علم وعمل کیلئے دعا گو ہیں، اور قارئین سے بھی ملتمس ہیں کہ وہ شیخ کی صحت کیلئے دعا کرتے رہیں، تاکہ توحید وسنت جیسے مبارک موضوعات پر ان کی دیگر تالیفات بھی منظر عام پر آسکیں، واللہ تعالیٰ ولی التوفیق.

ہم جمیعت اہل حدیث سندھ کی طرف سے اس کتاب کی اشاعت کو اپنے لئے باعثِ سعادت تصور کرتے ہیں، اس کتاب یا شیخ کی دیگر کتب یا کسی بھی کتاب کی اشاعت سے کوئی تجارت مقصود نہیں ہے بلکہ خدمتِ توحید مطلوب ہے، لہذا اس کتاب کی طباعت کے حقوقِ طبع بحق جمیعت محفوظ نہیں ہیں، بلکہ کوئی بھی ادارہ یا فرد جب اور جہاں چاہے طبع کرواسکتا ہے، اللہ رب العزت ہمارے قلوب کو نورِ توحید سے منور فرمادے، نیز نشرِ توحید کے جذبہ سے معمور فرمادے۔ بوقتِ موت ہماری زبانوں پر کلمۂ توحید ''لا إلٰہ إلا اللہ'' جاری ہو: ﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ﴾ اور اس کلمہ کی شہادت میں ایسا خلوص شامل ہو جائے جو روزِ قیامت نبی ﷺ کی شفاعت کا ذریعہ بن جائے ''اسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال لاإله إلا الله خالصا من قلبه''

اس کتاب کی تیاری کے مختلف مراحل میں ہمارے المعهد السلفي للتعليم والتربية کے بہت سے طلبہ کی مساعی شامل ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے اور مزید خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ایک ایک حرف کو مؤلف اور جملہ مساہمین اور ان کے والدین واساتذہ کیلئے صدقۂ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنادے، نیز اس عمل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی برکت حاصل ہو جائے کہ یہ بہت سے عباد وبلاد کی خیر ومنفعت کا باعث بن جائے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ عباد وبلاد کی اصلاح، تحقیقِ توحید کے بغیر ممکن نہیں، اور تحقیقِ توحید مذکورہ چار امور کو اپنا لینے سے ہی ممکن ہے: (۱) توحید کا صحیح فہم (نفیاً واثباتاً) (۲) اعتقادِ جازم (۳) مقتضائے توحید پر پوری طرح عمل (۴) باخلاصِ قلب نشرِ توحید کیلئے جدوجہد۔

یہی منہجِ انبیاء ہے، یہی اسوۂ رسول ﷺ ہے، اور یہی ہمارے دین کی سیاست کا مرکز ومحور ہے، لیکن یہ مقامِ تأسف ہے کہ ان خطوط پر کام نہیں ہو رہا، ہر فرد یا جماعت (إلا ماشاء اللہ) اپنی اپنی مزعومہ ترجیحات وخواہشات کے مطابق مصروفِ عمل ہے، کسی کی سوچ کا محور محض سیاست ہے، وہ بھی پاکستان کی سیاست، جو غلاظت کے ڈھیر سے کم



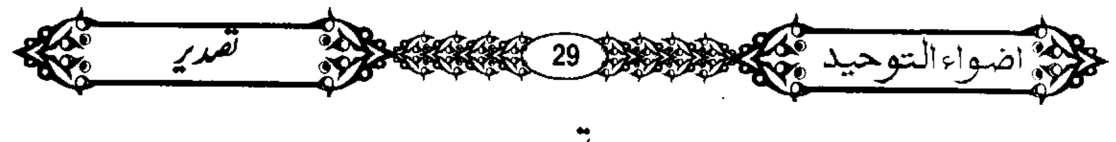
نہیں ،کوئی اپنی من پسند تشریحات کی روشنی میں اور مخصوص اہداف کو حاصل کرنے کیلئے جہاد کا پروگرام لئے بیٹھے ہیں، کوئی صرف فضائلِ اعمال کی دعوت لئے مصروفِ گشت ہیں، کسی کی تنظیم سازی کا مقصد محض خدمتِ خلق ہے۔ان امور سے اپنے اپنے ناموں اور جھنڈوں کی سربلندی تو نظر آتی ہے لیکن خدمتِ توحید کا مبارک پروگرام دکھائی نہیں دیتا۔

کاش! ہماری قوم اتنی سی بات سمجھ جائے کہ ہر معاملے کی کامیابی ،اللہ رب العزت کی توفیق ہی سے ممکن ہے اور یہ توفیق ،توحیدِ خالص ہی سے میسر آسکتی ہے؛ کیونکہ توحید اللہ تعالیٰ کا حق ہے ،اگر ہم اپنے خالق و مالک کے حق کی ادائیگی کیلئے کوشاں ہو جائیں تو اللہ رب العزت ہمارے تمام امور وحقوق سنوار دے گا،اور اگر ہم نے حقِ توحید ضائع کردیا تو اللہ رب العزت ہمارے تمام حقوق ضائع کردے گا۔

کاش! جتنی جھو اور سرمایہ ہم اپنے مزعومہ نعروں اور خود ساختہ پروگراموں کو دیتے ہیں ،اس کا عشرِ عشیر خدمتِ توحید کو دے دیں ،تو اللہ تعالیٰ کی رضاء کے ساتھ ساتھ ،محض اسی کی توفیق سے اسلام کے نام کو آسمانوں کی رفعت حاصل ہو جائے ۔وهو تعالىٰ ولي التوفيق وبنعمته وفضله تتم الصالحات ،وأصلي وأسلم على نبيه وحبيبه محمد وعلى آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين.

کتبہ/ عبداللہ ناصر رحمانی

۱۰مئی ۲۰۰۸



تصدیر

(حافظ صلاح الدین یوسف ﷾)

استمداد و استغاثہ لغیر اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں سے مافوق الاسباب طریقے سے مدد مانگنا، اس کا نام شرک ہے، جس کے مرتکب پر جنت حرام ہے اور اس کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہے۔

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ ①

یہ غیر اللہ پتھر کی مورتی ہو، قبر کی ڈھیری ہو، کسی زندہ یا مردہ بزرگ کی چوکھٹ ہو، کسی فرشتے یا جن کا یا کسی فوت شدہ شخص (نبی اور ولی) کا تصور ہو۔ ان میں سے جس کسی کو بھی مافوق الاسباب طریقے سے حاجت روائی و مشکل کشائی پر قادر سمجھتے ہوئے مدد طلب کی جائے گی، شرک ہوگا کیونکہ اس سے مدد طلب کرنے والے کا عقیدہ ہے کہ وہ اس کے دلوں کے بھیدوں سے آگاہ ہے، وہ دور اور نزدیک سے اس کی فریاد سننے پر قادر ہے، وہ عالم الغیب ہے، وہ نفع ونقصان پہنچانے پر قادر ہے، اسے کائنات میں ہر قسم کا تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ حالانکہ یہ ساری صفتیں صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہیں، اللہ کے سوا یہ صفات کسی کے اندر بھی نہیں، حتی کہ اللہ کی سب سے زیادہ برگزیدہ مخلوق اور مقربانِ بارگاہِ الٰہی انبیاء ورسل ﷤ کو بھی یہ مقام حاصل نہیں، چہ جائیکہ ہر ایک کو یہ مقامِ رفیع حاصل ہو۔

اور اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانے ہی کا نام شرک ہے، مجوسیوں نے اللہ کی ذات میں شرک کا ارتکاب کیا، ایک کے بجائے دو خالق تسلیم کیے، ایک خالقِ خیر اور دوسرا خالقِ شر۔ ایک کا نام ان کے ہاں یزدان اور دوسرے کا نام اہرمن ہے۔ لیکن اہل شرک کی زیادہ تعداد وہ ہے جو قائل تو ایک ہی خالق کی ہے یعنی توحیدِ ربوبیت کی وہ قائل رہی ہے اور ہے، لیکن اللہ کی صفات میں وہ اللہ کی مخلوق کو بھی شریک کر لیتی ہے یعنی وہ توحیدِ الوہیت اور توحیدِ اسماء وصفات کو ماننے کیلئے تیار نہیں، گویا وہ صفاتِ الٰہی میں غیر اللہ کو شریک ٹھہرا کر شرک کا ارتکاب کرتی ہے۔

دونوں ہی قسم کے افراد مشرک ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ ایک ذاتِ الٰہی میں شرک کرتا ہے دوسرا صفاتِ الٰہی میں، بلکہ دیکھا جائے تو دوسرا فریق پہلے کی نسبت زیادہ گمراہ ہے کیونکہ پہلا فریق تو کائنات میں صرف دو خداؤں کو متصرف اور مدبر مانتا ہے جبکہ دوسرا فریق تو متعدد افراد کو متصرف الامور تسلیم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو دو معبودوں کی بھی نفی کرتا ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ ②

① سورۃ المائدۃ: ۷۲
② سورۃ الانبیاء: ۲۲



''اگر کائنات (زمین وآسمان) میں دومعبود (متصرف الامور) ہوتے تو آسمان وزمین کا سارانظام درہم برہم ہوجاتا''

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے واضح ہوا کہ متصرف الامور ہستی صرف ایک ہی ہے، دونہیں، اگر دو ہوتیں تو نظامِ عالم قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ جب بااختیار ہستی دو بھی نہیں تو دو سے زیادہ لاتعداد مشکل کشا، حاجت روا، اور متصرف الامور ہستیاں کس طرح ممکن ہیں؟ اور ان گنت مقتدر ہستیوں کی موجودگی میں نظامِ عالم فساد اور بگاڑ سے کیوں کر محفوظ رہ سکتا تھا؟

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ دوسرا نظریہ، پہلے نظریہ سے زیادہ گمراہ کن ہے لیکن ہیں دونوں نظریے یکسر غلط اور قرآن کریم کی صراحت کے یکسر خلاف۔

لیکن بدقسمتی سے دوسرا زیادہ گمراہ کن نظریہ اپنانے والوں میں مسلمانوں کی اکثریت بھی شامل ہے اور یوں قرآن کریم کی اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت ہوجاتی ہے:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴾ ①

''اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت مشرک ہے''

انہی نام نہاد نسلی مسلمانوں کی اصلاح کیلئے، جو مشرکانہ عقیدہ وعمل کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، زیرِ نظر کتاب ''اضواء التوحید'' تالیف کی گئی ہے جو مدینہ یونیورسٹی کے فاضل اور بلوچستان جیسے دورافتاعلاقے سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ مولانا عبدالغفور دامنی رحمہ اللہ کی علمی کاوش ہے۔

اس فاضلانہ اور محققانہ تالیف میں مسئلہ توحید اور اس کے مالہ وماعلیہ پر نفیاً اور اثباتاً مفصل گفتگو کی گئی ہے، اثباتاً کا مطلب، ان دلائل کی تفصیل ہے جو توحید کے اثبات میں قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہیں۔ فاضل مؤلف رحمہ اللہ نے پوری وضاحت سے ان دلائل قرآنیہ وحدیثیہ کو بیان کیا ہے، اور نفیاً کا مطلب، ان دلائل کا ردّ ہے جو مشرکانہ عقیدوں کے اثبات کیلئے پیش کیے جاتے ہیں جو دراصل یہودیانہ دجل وتلبیس اور معنوی تحریفات کے بدترین نمونے ہیں، فاضل مؤلف نے ان استدلالات کا تاروپود بھی بکھیر کر رکھ دیا ہے، ان کی معنوی تحریفات کا پردہ بھی خوب چاک کیا ہے اور ان کے صریح مشرکانہ عقیدوں کے واضح نمونے بھی پیش کیے ہیں۔

کسی مسئلہ کی توضیح کیلئے بیک وقت دونوں پہلو نہایت ضروری ہیں مثبت بھی اور منفی بھی۔ کلمۂ اسلام لا إلٰہ الا اللہ

① سورۃ یوسف:۱۰۶



جو دراصل کلمۂ توحید ہے، نفی اور اثبات دونوں چیزوں پر مشتمل ہے ''کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے'' یعنی غیر اللہ کی معبودیت کی نفی اور صرف اللہ کے معبودِ برحق ہونے کا اثبات۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِاسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ﴾ ①

''جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا، اس نے مضبوط کڑا تھام لیا......''

تمام انبیاء کی دعوت کا محور بھی یہی دو نکتے رہے، ایک کا اثبات، دوسرے کی نفی۔

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ ②

''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (اور یہی کہا کہ) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو''

﴿ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْا اِلَى اللهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ﴾ ③

''وہ لوگ جو طاغوت کی عبادت سے بچتے اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، ان کیلئے خوشخبری ہے''

دعوت اِلی اللہ کی بھی، جو امت مسلمہ کی سب سے بڑی خصوصیت ہے، دو بنیادیں ہیں، امر بالمعروف اور نھی عن المنکر۔ ایک میں اثبات ہے دوسرے میں نفی۔ سب سے بڑا معروف توحید اور سب سے بڑا منکر شرک ہے۔ توحید کا اثبات امر بالمعروف میں اور شرک کی تردید نھی عن المنکر میں داخل ہے۔

فاضل مؤلف عبدالغفور دامنی ﷾ نے اسی قرآنی اصول کے مطابق دونوں پہلوؤں سے مسئلۂ توحید کو خوب نکھارا ہے، اس کا صاف اور منور چہرہ بھی پیش کیا ہے اور اس کے روئے آبدار کو مسخ کرنے والے داغ دھبوں کو بھی دور کیا ہے، توحید کی صراطِ مستقیم کو بھی واضح کیا ہے اور اس کے راستے کے کانٹوں اور جھاڑ جھنکار کو بھی صاف کیا ہے اور اس پر وادئ پُر خار کے آبلہ پاؤں کیلئے توحید کا وہ چشمۂ صافی پیش کر دیا ہے جس کو اہل زیغ باطل کے گرد وغبار کے جھکڑوں سے آلودہ کرنے کی ناپاک کوششیں کرتے چلے آئے ہیں۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

جزاه الله أحسن الجزاء عن الإسلام والمسلمين. (آمین)

صلاح الدین یوسف

مدیر: شعبۂ تحقیق وتالیف دارالسلام لاہور

مئی ۲۰۰۹ء

① سورة البقرة:٢٥٦ ② سورة النحل:٣٦ ③ سورة الزمر:١٧



بسم الله الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم و علی آله و صحبه اجمعین.

سب سے پہلے میں اپنے پروردگار اور رب العزت کی تعریف کرتا ہوں میرے پروردگار کے مجھ ناچیز پر بہت احسانات ہیں، اگر پوری زندگی بھی اس کی عبادت میں گزاردوں تب بھی حق شکر گزاری ادا نہیں ہوسکتا، پروردگار کا مجھ پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے مجھے اپنے دین حق، دین اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا:

یہ بات معلوم ہے کہ دین اسلام میں سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ، مسئلہ توحید ہے بلکہ یہ تو بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے لیکن میں نے دیکھا مسلمانوں کی اکثریت توحید کے فہم سے بابلد ہے، اور اسی بناء پر شرک و بدعات میں مبتلا ہے، چنانچہ میں نے اپنے پروردگار کے حضور دولت ایمان کے شکریہ کے طور پر مسئلہ توحید کی توضیح کا عزم کیا، میں نے اس کتاب کا نام "اضواء التوحید" رکھا ہے، اللہ تعالیٰ میری یہ ادنی سی دینی خدمت قبول فرمالے، یہ بھی میرے پروردگار کا مجھ پر احسان ہے کہ اس نے مجھے اس کام کی توفیق دی۔

اظہار تشکر

حدیث نبوی

من لایشکرِ الناس لایشکرِ اللہ ①. (صحیح) ترجمہ: جو لوگوں کی قدر نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی بھی قدر نہیں کرتا۔

کے تحت میں بہت زیادہ ممنون و مشکور ہوں اپنی جماعت کے جید عالم دین، عظیم خطیب، شیخ الحدیث علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ (امیر جمعیت اہل حدیث سندھ و رئیس المعهد السلفی للتعلیم والتربیة) کا کہ جنہوں نے میری پہلی کتاب "شرح ارکان ایمان" کی طرح اس کتاب کی طباعت کا بھی انتظام فرمایا اور طباعت سے قبل کتاب کی تصحیح میں بھرپور تعاون فرمایا، شیخ صاحب حفظہ اللہ نے اپنے ساتھیوں جناب شیخ داؤد شاکر (نائب مدیر معہد السلفی) جناب سعد بن عبدالعزیز، جناب مولانا زبیر بن اسمٰعیل اور جناب شیخ ذیشان حفظہ اللہ کو ایک طرح سے وقف کر دیا میں ان ساتھیوں کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے پوری توجہ اور لگن سے اس کتاب کی تصحیح و طباعت کی امور میں حصہ لیا، فجزاھم اللہ خیرا عنی و عن جمیع المسلمین.

اس تعاون کے ساتھ ساتھ شیخ حفظہ اللہ کی حوصلہ افزائی و ہمت افزائی اور ان کی محبت و شفقت کو میں کبھی نہیں بھلا سکتا، حقیقت یہ ہے کہ شیخ صاحب حفظہ اللہ کی رفاقت و صحبت سے خدمت دین خصوصاً خدمت توحید کا ایک نیا جذبہ و ولولہ

① رواه الترمذی، کتاب البر و الصلة، باب ماجاء فی الشکر لمن أحسن إلیک / وقال حدیث صحیح و اللفظ له/ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی شکر المعروف / وصححه الألبانی أیضاً.

اپنے اندر محسوس کرتا ہوں، میں نے شیخ صاحب حفظہ اللہ کے ساتھ حالیہ رفاقت وصحبت سے ان کے عقیدہ ومنہج سلف سے انتہائی معرفت، گہرائی ووابستگی اوراس کی نشر وتبلیغ کے عظیم جذبہ کا خود مشاہدہ کیا ہے، بلا مبالغہ شیخ صاحب حفظہ اللہ اس وقت پاکستان میں منہجِ سلف کے امین اوراوراس کی نشر وتبلیغ کے سرخیل ہیں۔ **بارک اللہ فی علمه وعمله وجهوده فجزاه الله خيرا في الدنيا والآخرة .**

وجہ تألیف

تمہید:

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

لايأتي زمان الاالذی بعده شر منه. ① (صحيح بخاری) ترجمہ: کہ ہر آنیوالا دور پہلے دور سے بدتر ہوگا۔

یہی وجہ ہے سکہ زمانہ جوں جوں عہد نبوی ﷺ سے دور ہوکر قیامت کے قریب ہوتا جارہا ہے نئے نئے فتنے چاہے ان کا تعلق معاشرتی زندگی سے ہو یا خالصتا عقائد ونظریات سے ہوسیلاب رواں کی طرح پھیلتے جارہے ہیں اورلوگ بڑی تیزی سے ان فتنوں کا شکار ہورہے ہیں دین اسلام میں ایمانیات (عقائد) کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جنت کا داخلہ اوراعمال کی قبولیت کا دارو مدار عقائد کی صحت وصواب پر موقوف ہے خیر القرون اور سلف صالحین کے دور مسعود میں مسلمانوں کے نزدیک عقائد ونظریات کی یہ اہمیت دلوں میں راسخ تھی اور مسلمانوں کے عقائد ونظریات ہر قسم کے فتنہ وفساد اور بگاڑ وخرابی سے بالکل پاک وصاف تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی حدیث

يصبح الرجل مؤمنا ويمسى كافرا ويمسى مؤمنا ويصبح كافرا ② (صحيح مسلم) یعنی فتنوں کے دور میں صبح میں ایک شخص مؤمن ہوگا اور شام تک کافر ہو چکا ہوگا اور شام مین مؤمن ہوگا اور صبح تک کافر ہو چکا ہوگا۔

کے مصداق آج مسلمانوں میں عقائد ونظریات کے حوالہ سے بھی بہت بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔

توحید جو عقائد میں بنیادی حیثیت کا عقیدہ ہے بلکہ تمام انبیاء کرام کی دعوت کا اساسی نقطہ رہا ہے، میں بھی بگاڑ اور فساد آچکا ہے۔اور شرک جیسا بدترین اور کینسر کی طرح مہلک مرض آج مسلمانوں میں سرایت کر چکا ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان:

---

① رواه البخاری : كتاب الفتن باب لايأتي زمان الاالذی بعده شر منه .

② رواه مسلم : كتاب الايمان ،باب الحث على المبادرة بالاعمال قبل تظاهر الفتن/الترمذی كتاب الفتن، باب ماجاء ستكون فتن كقطع الليل المظلم.

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ ﴾ ① ترجمہ: کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کی اکثریت مشرک ہے۔

آج غیر مسلموں پر نہیں بلکہ خود مسلمانوں پر پوری طرح فٹ آ رہا ہے۔ شیطان لعین نے بنی آدم کے اغواء واضلال کی جو قسم کھائی تھی آج وہ اس میں کامیاب وکامران نظر آ رہا ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ② ترجمہ: اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا کہ مومنوں کی ایک جماعت کے سوا وہ اس کے پیچھے چل پڑے۔

اس تمہید کے بعد اب قارئین کرام کے اذھان واعیہ کو ان اسباب ومحرکات کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ جن کی وجہ سے یہ کتاب ''اَضواء التوحید'' معرض وجود میں آئی۔

(۱) اہمیت توحید:

برادران اسلام! ''توحید'' سب سے بڑا فریضہ اور سب سے پہلا واجب اور سب سے بڑا امامور بہ ہے۔ بلکہ انس وجن کی تخلیق کا مقصد ہے، تمام انبیاء کرام کی دعوت کا سب سے پہلا اور اساسی نقطہ ہے۔ جنت میں داخلہ کی بنیاد ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ ③ ترجمہ: اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے تھے انکی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کرو۔

کیونکہ امن وسکون کا مرکز ہی یہی توحید ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ ④ ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کیلئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔

(۲) قباحت شرک:

شرک علی الاطلاق سب سے بڑا گناہ ہے اور اعظم ترین منھی عنہ ہے شرک کی موجودگی میں بندہ کا نہ تو کوئی عمل قابلِ قبول ہے، نہ ہی اس کی بخشش ہے اور نہ ہی اس کیلئے جنت کا داخلہ ہے، مشرک تو دائمی جہنمی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ (۵) ترجمہ: تحقیق جو شریک ٹھہراتا ہے ساتھ اللہ کے تو یقیناً حرام کر دی اللہ نے اوپر اسکے جنت اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے اور نہیں ہے ظالموں کیلئے کوئی مددگار۔

---

① سورۃ یوسف: ۱۰۶. ② سورۃ سبا: ۲۰. ③ سورۃ الانبیاء: ۲۵.
④ سورۃ الانعام: ۸۲. (۵) سورۃ المائدۃ: ۷۲



میں نے توحید کی اس اہمیت اور شرک کی اس اسقدر قباحت کو کتاب وسنت کے ادلہ سے جانا اور پھر میری نظر پاکستان کے نام نہاد مسلم معاشرہ پر پڑی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اسلام کے نام پر معرض وجود آنیوالی مملکت جسے اسلامی مملکت کہا جاتا ہے، میں حقیقی توحید عنقا ہے اور ہر طرف شرک وبدعت کا سیلاب رواں ہے، ہر شہر و ہر بستی میں شرک کے اڈے قائم ہیں اور سر عام غیر اللہ کی پوجا پاٹ ہو رہی ہے۔

تو میں نے غیرت توحید کی بنیاد پر ایک کتاب بنام ''اضواء التوحید'' لکھنے کا عزم کیا، یہ میری اس تالیف کا بنیادی سبب ہے۔

برادران اسلام! میں ذرا تفصیل سے آپ کے سامنے اپنے مشاہدات وتجربات پیش کرنا چاہتا ہوں تا کہ کتاب ہذا کا سبب تالیف آپ پر واضح ہو سکے۔

(۳) مشاہدات مراکز شرک:

مجھ بندہ ناچیز پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ مجھے زمانہ طالب علمی سے ہی فطرتی طور پر شرک وبدعت، قبر پرستی وشخصیت پرستی اور دیگر خرافات سے نفرت رہی ہے، میرا طالب علمی کا اکثر وبیشتر زمانہ سندھ اور پنجاب میں گذرا ہے۔ بحث وتمحیص اور کسی بھی بات کی تہہ تک جانے کی میری عادت مجھے سندھ وپنجاب کے تقریباً تمام بڑے بڑے شرک وبدعات کے اڈوں (مزارات درگاہیں) تک لے گئی چنانچہ مجھے شرک کے ان مراکز میں شرک وبدعات کا بچشم خود مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا۔

جن مزارات ودرگاہوں پر مجھے جانے کا اتفاق ہوا وہ یہ ہیں (۱) درگاہ علی ہجویری (لاہور پنجاب) جسے قبر پرست داتا دربار کہتے ہیں۔(۲) درگاہ عثمان مروندی المعروف لعل شہباز قلندر (سہون، سندھ) (۳) درگاہ خواجہ غلام فرید (کوٹ مٹھن پنجاب) (۴) درگاہ شاہ عبداللطیف بھٹائی (ہالہ، سندھ) (۵) درگاہ عبدالخالق (سکھر سندھ) (۶) درگاہ خواجہ غلام صدیق (شھدادکوٹ، سندھ) (۷) درگاہ خواجہ عبدالحمید (تھلہ تحصیل صادق آباد پنجاب) (۸) درگاہ امام رضا (مشھد ایران) وغیرہ

برادران اسلام! ان درگاہوں اور مزارات میں شرک وکفر اور بدعات وخرافات کے علاوہ بے حیائی وبرائی اور مرد وزن کے اختلاط کے جو مناظر میں نے دیکھے ہیں۔ الامان والحفیظ، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ زبان انہیں بیان کرنے سے اور قلم انہیں لکھنے سے شرماتی ہے، شریعت کا کھلم کھلا انکار وبغاوت اور مذاق واستہزاء جو میں نے ان جگہوں پر دیکھا ہے واللہ کہیں اور نہیں دیکھا، اور جب بھی میں ان شرکیہ اماکن واڈوں پر جایا کرتا تھا تو اپنے ساتھ کچھ رفقاء اور ساتھیوں کو لیجایا کرتا تھا تا کہ ان مشرک وقبر پرستوں کے ان بدعات ورسوم اور شرکیہ اقوال وافعال کے نقل وحفظ میں میرے معین ومددگار بن جائیں، لیکن اللہ جانتا ہے جتنی دیر وہاں رہا ڈر ہی لگا رہا کہ کہیں اللہ کا عذاب ان پر نازل نہ ہو جائے جس کی لپیٹ میں ہم بھی آ جائیں۔

ایک مرتبہ میں اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ لاہور میں (علی ہجویری) کی درگاہ پر گیا وہاں میں نے ایک عجیب بات دیکھی، اس دربار کی دو منزلیں ہیں۔ اور دونوں منزلوں میں علی ہجویری کی قبر ہے اوپر والی منزل میں جو قبر ہے وہ نچلی منزل والی قبر کے عین اوپر ہے، ایک شخص کی دو قبریں اور وہ بھی دو الگ الگ منزلوں میں، یا للعجب۔ ایک اور منظر ملاحظہ فرمائیں دونوں قبروں کو ریشمی کپڑوں، ہاروں اور پھولوں سے سجایا ہوا تھا اور ماحول عطر، گلاب اور عود ہندی کی خوشبوؤں سے مہلک رہا تھا اور لوگ جوق در جوق باری باری حاضر ہو رہے تھے کوئی سجدہ کر رہا تھا، کوئی رکوع کر رہا تھا اور کوئی عقیدت سے قبر کو چوم رہا ہے اور کوئی قبر کے غلافوں کو چھو کر اپنے جسم پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اگر کوئی اجنبی شخص جو قبر پرستی کی ان خرافات سے نا آشنا ہو یہ منظر دیکھے تو ورطہ حیرت میں پڑ جائے اور سوچنے لگے گا کہ کیا یہ کسی مردہ کی قبریں ہیں کہ لوگ ان کی عبادت کر رہے ہیں یا دولھا دولھن سوئے ہیں اور لوگ انہیں مبارکباد پیش کر رہے ہیں؟؟ اصل بات یہ ہے کہ مشرک عقل کے اندھے ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ ① ترجمہ: اور جو لوگ بے عقل ہیں ان پر وہ (کفر و ذلت) کی نجاست ڈالتا ہے۔

چنانچہ میرے ساتھ اس ''سفر'' میں ہمارے بزرگ اور جید عالم دین شیخ عبدالغفار رضا مرانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) بھی شامل تھے ہم اوپر والی درگاہ یا منزل پر گئے کھلی آنکھوں سے قبر پرستوں کے شرکیہ اعمال، رکوع، سجدہ، دعاء و مناجات، قبر کو چھو کر اپنے جسم پر ہاتھ پھیرنا اپنی پیشانی اور خدوخال قبر پر رگڑنا نذر و نیاز پیش کرنا اور طواف کرنا جیسے مناظرِ شرک و بدعت دیکھے تو غیرت توحید یہ سب کچھ برداشت نہ کر سکی اور بے ساختہ میری زبان سے نکلا: اللہ کے بندو! یہ غیر اللہ کی عبادت ہے جو کہ صریح شرک ہے اس سے رک جاؤ۔ میرے یہ الفاظ سن کر ایک شخص جو قبر کے مجاوروں کا دلال اور پالتو بدمعاش محسوس ہو رہا تھا، انتہائی کرخت اور بلند آواز سے چیخا، کون ہے یہ؟ کہاں سے آیا ہے؟ یہاں مسئلہ مت پیدا کرو، لوگوں کو اپنا کام کرنے دو، ادھر سے شیخ عبدالغفار رضا مرانی رحمہ اللہ بڑے جرائتمندانہ بے باکانہ اور زوردار انداز میں بول اٹھے: کہنے والا صحیح کہتا ہے یہ عقائد و اعمال اللہ تعالیٰ کی توحید کے منافی ہیں اور صریح شرک ہیں جو کچھ یہاں ہو رہا ہے یہ سب شریعت کے ساتھ کھلی بغاوت ہے، بس پھر کیا تھا، ہر طرف سے لوگ بول اٹھے، شور و غل شروع ہو گیا اور ایک ہنگامہ سا کھڑا ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے ہماری حفاظت فرمائی کہ قبر کے مجاوروں اور ذمہ داران نے سمجھا کہ شاید یہ مخالفین زیادہ لوگ ہیں اسلیئے جھگڑے و فساد کے پھیلنے کے ڈر سے انہوں نے معاملہ کو ٹھنڈا کر دیا اور ہمیں آرام سے نیچے بھیج دیا، اس طرح ہم بحفاظت وہاں سے نکل آئے۔

(۴) توحید و شرک کی حقیقت سے عدم واقفیت:

''اضواء التوحید'' کی تالیف کے محرکات میں سے ایک اہم محرک یہ بھی ہے کہ میں نے دیکھا کہ لوگ توحید و شرک کی

① سورۃ یونس: ۱۰۰۔

حقیقت سے ناواقف ہیں، حتیٰ کہ بعض اہل علم حضرات کو میں نے دیکھا کہ وہ بھی توحید وشرک کی حقیقت کی معرفت نہیں رکھتے عوام الناس کی طرح وہ بھی توحید کو صرف اس عقیدہ میں محدود کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتا ہے اور مخلوق سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا نیز خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے'' حالانکہ یہ توحید کی حقیقت نہیں ہے، یہ ''توحید'' تو مشرکین مکہ'' (جن کا مشرک ہونا منصوص ہے) میں بھی موجود تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ ①

ترجمہ: اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو بول اٹھیں گے کہ اللہ نے۔

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ﴾ ②

ترجمہ: (ان سے) پوچھو کہ تم کو آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جاندار کو پیدا کرتا ہے اور جاندار سے بے جان کو کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ۔

اہل مکہ کے اس عقیدہ ونظریہ کے باوجود انہیں مشرک وکافر کہا گیا، ان سے قتال وجدال کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ ان کا یہ عقیدہ مکمل توحید نہیں ہے

اسی طرح میں نے دیکھا کہ لوگ شرک کی حقیقت کو بھی نہیں جانتے وہ سمجھتے ہیں کہ شرک صرف بت پرستی، سورج و چاند کو سجدہ کرنے کا نام ہے، اور سمجھتے ہیں جس نے پتھروں اور لکڑیوں کی بنی ہوئی مورتیوں اور بتوں کو توڑ ڈالا اس نے شرک کا خاتمہ کردیا۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہیں گے کہ غیر اللہ کو خالق، رازق، مالک اور محیی و ممیت ماننا شرک ہے۔ حالانکہ ان کی اکثریت انبیاء و اولیاء اور اپنے دیگر پیروں تک کو خالق و مالک، رازق، محیی و ممیت جانتی اور سمجھتی ہے۔ شرک سے نفرت کا اظہار کرنے والے توحید کے دعویداروں کا عمل یہ ہے کہ غیر اللہ سے استغاثہ پر مشتمل تعویذ لکھتے اور دیتے ہیں، مثلاً:

(۱) یا میکائیل ،یا جبرئیل، یا دردائیل.

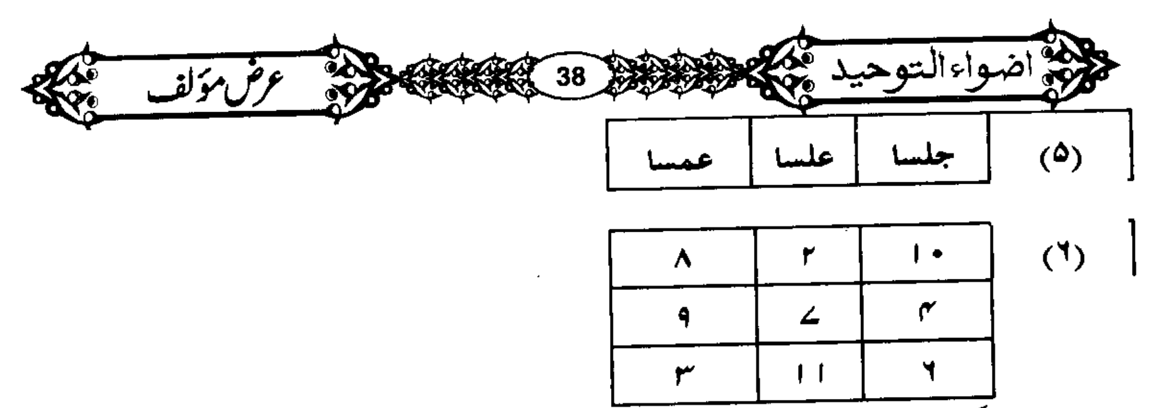
(۲) ناد علیا مظهر العجائب تجده عونا لک فی النوائب......

(۳) فرعون ،هامان، شداد، ابلیس بحق علیقاملیقا طلیقا.

(۴) یا بدّوح تبدو حب من البدّوح فی البدّوح.

---

① سورة لقمان: ۲۵.
② سورة یونس: ۳۱



(۵)

عمسا	علسا	جلسا

(۶)

۸	۲	۱۰
۹	۷	۴
۳	۱۱	۶

جن کی مکمل تفصیل ترتیب ونقشہ کے ساتھ آگے (باب ششم میں) آ رہی ہے۔

آخر آپ بتائیے اگر بت پرستی اور لکڑی وجھنڈوں کے آگے جھکنا شرک ہے اور یقیناً شرک ہے تو پھر ان حضرات کے یہ عقائد واعمال بھی توتوحید نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ شرک سے نفرت کا اظہار کرنیوالے توحید کے دعویداروں اسی طرح شرک سے اظہارِ نفرت کے باوجود یہ لوگ اپنے اولیاء کے قبور کے پاس ایک مخصوص انداز میں مراقبہ اور چلہ کشی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان مراقبوں اور چلہ کشیوں سے ان اولیاء و بزرگانِ دین کے قبور سے فیض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔

اسی طرح ان کا عقیدہ ہے کہ بندہ عبادت اور ریاضت کے مختلف مراحل طے کرتے کرتے ظاہر میں بندہ اور باطن میں اللہ ہوجاتا ہے، اور یہ کہ ایک خاص مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہوجاتا ہے اور عالم سفلی اور علوی اس پر منکشف ہوجاتا ہے، حتی کہ وہ دلوں کے بھیدوں پر بھی مطلع ہوجاتا ہے (والعیاذ باللہ من ذلک)

ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ، چنانچہ میں نے عوام الناس اور نام نہاد مولوی حضرات کو توحید وشرک کی حقیقت سے آگاہ کرنے کا عزم کیا اور اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کر کے ''اضواء التوحید'' کا کام شروع کیا۔

(۵) کتمان علم سے برأت:

کتمان علم ایک موجب لعنت جرم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ० أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴾ ①

ترجمہ: جو لوگ (اللہ کی) کتاب سے (ان آیتوں اور ہدایتوں) کو جو اس نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے اور ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں ایسے لوگوں سے اللہ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کیلئے دکھ دینے والا

① سورۃ البقرۃ: ۱۷۴......۱۷۵۔

عذاب ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اور بخشش چھوڑ کر عذاب خریدا یہ (آتش) جہنم کی کیسی برداشت کرنیوالے ہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴾ ①

ترجمہ: جو لوگ ہمارے حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد سے) چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے ان کو لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے ایسوں پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

من سئل عن علم علمه ثم كتمه الجم يوم القيامة بلجام من نار ② (حسن)

ترجمہ: جو کوئی کسی ایسے علم سے متعلق سوال کیا جائے جو وہ جانتا ہے اور وہ اس کو چھپاتا ہے تو وہ قیامت کے دن جہنم کی لگاموں سے لگام دیا جائے گا۔

شرک وبدعات اور دیگر خرافات کے ذاتی مشاہدات وتجربات اور توحید وشرک کی حقیقت سے عدم واقفیت کی بناء پر مسلمانوں کو شرک وبدعات اور خرافات نے مبتلا پا کر خاموشی اور چشم پوشی اختیار کرنا احقاق حق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ کرنا کتمان علم وحق نہیں تو اور کیا ہے؟

جبکہ یہ بات معلوم ہے کتمان علم موجب لعنت وعذاب جرم ہے، چنانچہ اپنے آپ کو اسی وعید شدید کا مصداق بننے سے بچاتے ہوئے "اضواء التوحید" لکھنے کا عزم صمیم کر لیا۔

اللہ تعالیٰ مجھ سے اپنی توحید کا یہ ادنیٰ سی خدمت قبول کر لے اور اسے میرے اخروی نجات کا ذریعہ بنا دے، اور میری اس کتاب کے نفع کو عام کر دے، اور اسے اپنے بندوں کی ہدایت واصلاح کا سبب بنا دے۔ اللهم استجب.

قارئین سے التماس

قارئین کرام! کثرتِ مشاغل، قلتِ فرصت اور عدمِ معاونت اور خاص کر طبیعت کی مسلسل ناسازی کی وجہ سے کتاب ہذا

---

① سورة البقرة: ۱۵۹.

② رواه الترمذی، كتاب العلم، باب ماجاء فی كتمان العلم واللفظ له وحسنه الترمذی/ابو داؤد، كتاب العلم، باب كراهية منع العلم. سكت عنه ابو داؤد وصححه الألبانی.

کی کماحقہ مراجعت ونظر ثانی نہ کر سکا اس لئے ممکن ہے کہ آپ کتاب میں عربی عبارات کے ترجموں میں بعض مقامات پر جھول محسوس کریں یا املائی غلطیاں پائیں جو کہ عموماً واقع ہو جاتی ہیں بالخصوص پہلی طباعت میں تو میری معذرت پہلے سے ہی قبول فرمالیں۔

البتہ معذرت کے ساتھ ساتھ چند وجوہ بھی آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) میری مادری زبان کیونکہ اردو نہیں ہے اس لئے اس کتاب میں جو تعبیرات میری اپنی ہیں وہ یقیناً اخطاء سے خالی نہیں ہوں گی۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ قرآنی آیات کا ترجمہ تو مختلف تراجم قرآن (جو بھی دستیاب ہوا) سے نقل کیا گیا ہے، البتہ احادیث، اقوال سلف وخلف بالخصوص اقوالِ مفسرین اور دیگر عربی عبارات کا ترجمہ لفظی کے بجائے بامحاورہ کیا گیا ہے تاکہ معنی ومفہوم سمجھنے میں آسانی ہو اس لئے اگر کسی لفظ کا ترجمہ نہ ہو سکا ہو تو اس کی وجہ یہی بامحاورہ ترجمہ کرنا ہے۔ ہاں البتہ اگر ترجمہ عربی عبارت سے معنی ومفہوم کے اعتبار سے مطابقت نہ رکھتا ہو اور عدم مراجعت کی وجہ سے تصحیح نہ ہو سکی ہو تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں، ان شاء اللہ ہم دوسری طباعت میں اپنی اس کوتاہی وغلطی کی اصلاح کرلیں گے۔

(۳) مصادر ومراجع یعنی حوالہ جات کے تعلق سے میں نے اپنی تمام تالیفات میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ صحاح وسنن وغیرہ کتب احادیث جو کہ کتب اور ابواب پر مشتمل ہیں، میں نے کتاب اور باب کا حوالہ دیا ہے جلد وصفحہ کا نہیں، کیونکہ کسی بھی کتاب کے مختلف طباعتوں میں بسا اوقات جلد وصفحہ نمبر تبدیل ہو جاتا ہے۔

اور بعض وجوہ کی بناء پر کہیں کہیں ایسی کتب میں بھی جلد وصفحہ نمبر دیا گیا ہے تو اس پر بھی مکمل اعتماد نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ طباعت کے فرق سے جلد وصفحہ نمبر تبدیل ہو گیا ہو۔ البتہ جو کتب ایسی نہیں ہیں مثلاً: مسانید وغیرہ تو میں نے ان میں اسم راوی اور حدیث نمبر کا اہتمام کیا ہے۔

ملاحظہ: بعض کتب حدیث میں نسخوں کے اختلاف سے کتب وابواب کے نام تبدیل ہو جاتے ہیں مثلاً: صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ہیں: کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ اور بعض نسخوں میں ہے، کتاب الجمعۃ باب فی فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ۔ اسی طرح بخاری کے بعض نسخوں میں ہے: باب فی الجنائز اور بعض نسخوں میں ہے کہ کتاب الجنائز۔

اور مسلم، ابوداؤد اور جامع ترمذی وغیرہ کے نسخوں میں بھی اس قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً: جامع ترمذی کے بعض نسخوں میں ابواب کا لفظ ہے، اور بعض میں کتاب کا۔ اس لئے ممکن ہے کہ مصادر ومراجع میں اس قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے تو اگر آپ کے پاس اس کتاب کا کوئی اور نسخہ ہو تو اس کی طرف مراجعت کریں۔



دلائل میں احادیث صحیحہ کا اہتمام

یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کرلیں کہ عقائد وعبادات کی بنیاد ٹھوس، قوی اور مضبوط دلائل پر ہونا ضروری ہے ہماری یہ کتاب ''اضواء التوحید'' کیونکہ عقیدہ کی کتاب ہے، اس لئے ہم نے اس کتاب میں دلائل صرف اور صرف کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ اور بالخصوص مرفوعہ کو بنایا ہے میں نے اپنی محنت وتحقیق کی بناء پر حتی الامکان ضعیف احادیث سے مکمل اجتناب کیا ہے۔حتی کہ دوران مراجعت پروف ریڈنگ کے وقت تحقیق کے بعد کئی احادیث کو جب کہ ان کے ضعف کا علم ہوا کتاب سے خارج کردیا۔

باقی جہاں تک اقوال سلف وخلف وائمہ متقدمین ومتاخرین اور مفسرین وغیرہ کا معاملہ ہے تو ہم نے انہیں اصالۃً اور بطورِ دلائل کے نہیں بلکہ محض شواہد ومؤیدات کے طور پر ذکر کیا ہے، کیونکہ اصل میں دلائل صرف اور صرف قرآن واحادیث صحیحہ وحسنہ ہیں؛ اس لئے کہ یہی دو چیزیں ہی وحی الٰہی ہیں، جو کہ اصل دین ہے۔

البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ بسا اوقات ایک حدیث متعدد کتب میں مختلف اسانید سے مروی ہوتی ہے، کسی ایک سند میں یا ان تمام اسانید کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح یا حسن ہوتی ہے، اب اگر اس حدیث کی کسی ایک سند میں ضعف ہو تو اس سے صحت یا حسن حدیث پر کوئی حرف نہ آئے گا۔

اس لئے قارئین سے گزارش ہے کہ ''اضواء التوحید'' میں موجو کسی حدیث کے متعدد مراجع میں سے کسی مرجع میں سند کے ضعف کو دیکھ کر اصل حدیث پر ضعف کا حکم لگانے میں عجلت سے کام نہ لیں۔اصل حدیث جس مرجع سے لیا گیا ہے وہ صحیح ہے۔کیونکہ میں نے اس کتاب میں مدعا (دعویٰ) کے ثبوت کیلئے بطورِ دلیل کسی بھی حدیث کی کتاب سے کوئی بھی ایسی حدیث ذکر نہیں کی جسے معتبر محدثین میں سے کسی محدث نے صحیح یا کم از کم حسن نہ کہا ہو۔

حدیث پر صحت وضعف کا حکم لگانے کے میدان میں متقدمین علماء کے اقوال کو ترجیح دیتا ہوں البتہ اگر متاخرین میں سے کسی کا قول ادلہ وقرائن کی روشنی میں مضبوط ہو تو اسے راجح سمجھتا ہوں.

صحت وحسن حدیث کے متعلق یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر کسی حدیث کی سند صحیح یا حسن ہو تو عموماً وہ حدیث صحیح یا حسن ہوتی ہے، حتی کہ بہت سے محدثین حضرات کی اصطلاح ہے کہ وہ صحت حدیث کا حکم لگاتے ہوئے کہتے ہیں ''اسنادہ صحیح'' جیسے امام دارقطنی اور محققین مسند احمد، مسند ابوداؤد طیالسی اور مسند ابی یعلی وغیرہ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ بسا اوقات یہ محدثین کسی حدیث کے متعلق کہتے ہیں ''اسنادہ صحیح'' حالانکہ وہ حدیث صحیحین (بخاری ومسلم) میں موجود ہے، کہ جس کی تحقیق وتعلیق کی ضرورت واحتیاج ہی نہیں، نیز یہی معاملہ حدیث حسن کا ہے، کہ محدثین حدیث پر حسن ہونے کا حکم لگاتے ہوئے کہتے ہیں: ''اسنادہ حسن''



تو واقع میں وہ حدیث حسن ہی ہوتی ہے، مگر یہ حکم اکثری ہے کلی نہیں، کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی حدیث کی سند تو صحیح یا حسن ہوتی ہے لیکن اس کا متن صحیح یا حسن نہیں ہوتا۔

ان اصطلاحات کی کچھ تفصیل کتاب ''صلاۃ الرسول'' کے مقدمہ میں بیان کر چکا ہوں وہاں پر مراجعت کریں۔

ملاحظہ: اپنے قارئین کے افادہ کیلئے ہم نے اپنی اس کتاب ''اضواء التوحید'' میں مندرجہ تمام احادیث پر تصحیح و تحسین کے اعتبار سے حکم لگانے کا التزام کیا ہے یاد رہے کہ یہ التزام صرف احادیث مرفوعہ کے تعلق سے ہے، موقوف روایات اور اقوالِ سلف کے تعلق سے نہیں، صرف احادیثِ مرفوعہ کے تعلق سے اس التزام کی وجہ یہ ہے کہ ہم عقائد و عبادات کے اثبات کیلئے دلیل صرف وحی الٰہی (قرآن وحدیث) کو ہی سمجھتے ہیں غیر معصوم کے اقوال و آراء، افکار و اجتہادات دلیل نہیں ہو سکتے نیز اپنے قارئین کے اطمینانِ قلب اور فوری افادہ کیلئے ہم نے یہ طریقہ کار اختیار کیا ہے کہ حدیث کی مکمل تخریج تو حاشیہ میں دی ہے البتہ تصحیح و تحسین کا حکم حدیث کے فوراً بعد بریکٹ میں درج کر دیا ہے تاکہ قاری حدیث پڑھتے ہی حدیث کی تصحیح و تحسین کو جان لے اور اسے اطمینانِ قلب حاصل ہو جائے، البتہ کیونکہ صحیح بخاری و مسلم کی احادیث کی صحت پر علماءِ اُمت کا اجماع ہو چکا ہے اس لئے صحیح بخاری و مسلم کی احادیث کی نہ تو صحت و حسن کے اعتبار سے تحقیق کی ضرورت ہے اور نہ ہی تصحیح و تحسین کا حکم لگانے کی ضرورت ہے، چنانچہ جو احادیث صحیح بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک کتاب کی ہے تو حدیث کے ذکر کے بعد اس کتاب کا نام صراحت کے ساتھ بریکٹ میں درج کر دیا گیا ہے، مثلاً: حدیث اگر صحیح بخاری و مسلم دونوں کی ہے تو بریکٹ میں اس طرح (صحیح بخاری و مسلم) لکھا گیا ہے، اور اگر حدیث صرف صحیح بخاری کی ہے تو بریکٹ میں اس طرح (صحیح بخاری) لکھا گیا ہے، اور اگر حدیث صرف مسلم کی ہے تو بریکٹ میں اس طرح (صحیح مسلم) لکھا گیا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی احادیث کے ساتھ یہ اہتمام اس لئے کیا گیا ہے کہ تاکہ کوئی اس وہم کا شکار نہ ہو جائے کہ شاید ہم صحیح بخاری و مسلم کی احادیث پر تصحیح و تحسین کا تعلیق لگا کر حکم لگا رہے ہیں۔ حاشا و کلا۔

ہاں البتہ اگر حدیث سنن و مسانید وغیرہ کتب کی ہے اور صحیح ہے تو بریکٹ میں اس طرح (صحیح) لکھا گیا ہے، اور اگر حسن ہے تو بریکٹ میں اس طرح (حسن) لکھا گیا ہے۔





بسم اللهِ الرحمن الرحيم

مقدمة المؤلف

الحمدلله الذى أنزل على عبده الفرقان وأزاح به شبه أهل الزيغ والطغيان الذين مضوا سبيل الغى والخسران والصلاة والسلام على أفضل الرسل إلى الإنس و الجان ، محمد صلى الله عليه وسلم حامل لواء التوحيد والإيمان ما حى الشرك و الردة و البدعة و الأوثان ، و على آله وأصحابه الذين صادموا أهل الشرك و الكفر بالحجة والبرهان وجاهدوا فى سبيل الله بالسيف والسنان وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الميزان۔





فہرست ابواب کتاب 'اضواء التوحید'

یہ کتاب بنام ''اضواء التوحید'' ایک مقدمہ اور دس ابواب پر مشتمل ہے۔

مقدمہ: مقدمہ میں چند بنیادی اور ضروری اصطلاحات اور تعریفوں کا ذکر کیا گیا ہے جن پر کتاب کے اصل مقصود تک پہنچنے کا دارومدار ہے۔

ابوابِ عشرہ: ابوابِ عشرہ میں مندرجہ ذیل عظیم القدر مضامین کا بالتفصیل احاطہ کیا گیا ہے۔

پہلا باب: ''عبادت'' کے بیان میں۔

دوسرا باب: ''شرک'' کے بیان میں۔

تیسرا باب: ''اولیاء اور صالحین کی عبادت'' کے بیان میں۔

چوتھا باب: ''اَصنام'' (بتوں) کے بیان میں۔

پانچواں باب: ''آیات الامثال'' کے بیان میں۔

چھٹا باب: ''فتنۂ قبور'' (عرس وغیرہ) کے بیان میں۔

ساتواں باب: ''واسطہ'' اور ''وسیلہ'' کے بیان میں۔

آٹھواں باب ''شرک کی قباحتوں'' کے بیان میں۔

نواں باب: ''مشرک پیشواؤں اور ان کے پیروکاروں'' کے بیان میں

دسواں باب: ''عقلی دلائل سے توحید باری تعالیٰ کے اثبات'' کے بیان میں



علمِ توحید کی فضیلت

سب سے پہلے یہ حقیقت معلوم ہونی چاہئے کہ ''توحید'' کا علم اپنی ہمہ جہت معرفت، قدر ومنزلت اور رُتبہ کے اعتبار سے علی الاطلاق تمام علوم سے اشرف، ارفع اور افضل ہے اور اس کا درجہ تمام شرعی واجبات میں سے اول ترین واجب کا ہے۔ اس لئے کہ علم توحید اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت، ربوبیت اور الوہیت نیز اس کے اسماء وصفات ایسے مقدس اور عالی قدر مباحث پر مشتمل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر سب سے پہلی شہادت خود ذات باری تعالیٰ نے دی ہے، پھر فرشتوں اور دوسرے اصحاب علم نے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①

اللہ کی گواہی ہے کہ کوئی معبود برحق نہیں ہے بغیر اس کے اور فرشتوں اور اہلِ علم کی (بھی یہی گواہی ہے) اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

نیز انسانیت کی طرف مبعوث ہونے والے تمام انبیاء ورسل کی دعوت وتبلیغ کا مرکزی واساسی موضوع ''توحید'' ہی رہا ہے۔ اس کے علاوہ باقی جملہ مسائل کی حیثیت ثانوی رہی ہے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ②

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی (ایسا) رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے (یہ) وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں تم سب پس میری ہی عبادت کرو۔

''توحید'' کی تعریف

توحید کا ایک لغوی معنی ہے اور ایک اصطلاحی، ذیل میں ہم ان دونوں معانی کی الگ الگ وضاحت کرتے ہیں تاکہ قارئین کے علم وعقیدہ کو جلا نصیب ہو جائے۔

---

① سورۃ آل عمران: ۱۸
② سورۃ الانبیاء: ۲۵



''توحید'' کا لغوی معنی:

کتب لغت میں ''توحید'' کا معنی ایک ہی لفظ میں سمو دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہوتا ہے: ''اَلْاِفْـــرَادُ'' یعنی کسی بھی شی کو اکیلا اور تنہا کر دینا۔

توحید کا اصطلاحی مفہوم:

شرعی اصطلاح میں توحید کی یوں تعریف کی گئی ہے۔

''افراد الله تعالیٰ بالعبادة'' یعنی اللہ تعالیٰ کو عبادت کی جمیع اقسام میں اکیلا تسلیم کرنا۔

توحید کی اقسام

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، الوہیت اور اس کے اسماء وصفات کے اعتبار سے توحید کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ توحید ربوبیت، ۲۔ توحید الوہیت، ۳۔ توحید اسماء وصفات۔ ذیل میں ان تینوں قسموں کی تشریح بیان کی جاتی ہے۔

۱- توحید ربوبیت:

اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ اعتراف واقرار کرنا کہ تنہا وہی پوری کائنات کا خالق، رازق، مدبر، مالک، رب اور متصرف ہے۔ اسے توحید ربوبیت کہتے ہیں۔ دہریوں، کمیونسٹوں اور ملحدوں کے علاوہ سبھی لوگوں کو توحید کی اس قسم کا اعتراف رہا ہے، حتیٰ کہ عرب کے کٹر مشرکوں کو اپنے کفر وشرک کے باوجود اس کا قائل پایا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے توحید ربوبیت کے متعلق مشرکین عرب کے اقرار کو یوں نقل فرمایا ہے۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْ مَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ①

آپ کہہ دیجئے کون آسمان وزمین سے رزق پہنچاتا ہے یا کون کان اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور کون جاندار کو نکالتا ہے بے جان سے اور بے جان کو نکالتا ہے جاندار سے؟ اور کون ہر کام کا انتظام کرتا ہے؟ (جواب میں) وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ، تو کہئے کہ پھر کیوں نہیں بچتے ہو؟

ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے:

① سورۃ یونس: ۳۱



قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ٥ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ٥ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ٥سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ٥ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ٥ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ①

آپ کہہ دیجئے کہ (اچھا) زمین اور اس پر جو (بستے ہیں) کس کے ہیں، اگر تم جانتے ہو؟ وہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ کے ہیں۔ تو کہہ دیجئے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے ہو، آپ کہہ دیجئے کہ (اچھا) ساتوں آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟ تو ضرور وہ یہی جواب دینگے کہ (یہ سب) اللہ کا ہے۔ آپ کہیئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ کہیئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھوں میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اس کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے سکتا اگر تم جانتے ہو؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ یہ سب اللہ کی ہی (صفات ہیں)۔ آپ کہہ دیجئے کہ پھر تم کدھر سے جادو کر دیئے جاتے ہو؟

۲- توحید الوهیت:

الوہیت کا معنی ہے عبادت کرنا، پرستش اور پوجا کرنا یا کسی کو معبود تسلیم کرتے ہوئے اس کے لئے بندگی و نیاز کا اظہار کرنا، اس لحاظ سے توحید الوہیت کا مطلب یہ ہوگا کہ عبادت کی تمام اقسام اور شکلوں کی مستحق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بھی ہستی یا شئی کے سامنے کسی بھی حالت میں انتہا درجہ کی عاجزی کے ساتھ دعا اور التجا کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز اور قربانی دینا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہونا، اس کو سجدہ و رکوع کرنا، اس سے خوف و طمع رکھنا، اس سے مدد اور غوث طلب کرنا، اس کے نام کی قسم کھانا اور اس کے غصہ و ناراضگی سے اس طرح ڈرنا جس طرح اللہ سے ڈرا جاتا ہے یہ سب کام توحید الوہیت کے منافی ہیں۔ اس لیئے کہ ان جملہ امور کی مستحق صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ذات ہی ہے اور اسی کا نام ''توحید الوہیت'' ہے۔ بت پرستی اور قبر پرستی کی نجاست اور پلیدی سے جن لوگوں نے اپنے روح کو بدبودار کر رکھا ہے ان کے شرک کا تعلق توحید کی اسی قسم سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ توحید الوہیت ہی وہ نعمت ہے جس سے کائنات کے اکثر گروہ محروم رہے ہیں اور دنیا و آخرت کا عذاب ان کا مقدر بنا ہے اور مستقبل میں بھی اکثر لوگ اس نعمت سے محروم ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ توحید الوہیت کے خاص الخاص عقیدہ کی توضیح و تشریح اور اس کے برکات و ثمرات کے بیان نیز اس سے انحراف کے خوفناک نتائج کے اظہار کیلئے ہی یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

① سورة المؤمنون: ۸۴ ...... ۸۹



۳- توحید اسماء و صفات:

''توحید اسماء وصفات'' کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں وارد ہونے والے اللہ تعالیٰ کے جملہ اسماء حسنٰی اور اس کی تمام صفات کو من وعن تسلیم کیا جائے اور ان میں کسی کو بھی شریک نہ تصور کیا جائے۔ بطور مثال: رحمٰن، رحیم، غفار، وہاب، قہار، سمیع، بصیر، ید، وجہ اور استواء علی العرش وغیرہ کو ان کے ظاہری معانی پر محمول کیا جائے۔ ان کے سمجھنے کے لئے کسی بھی قسم کی تاویل، تشبیہ، تمثیل، تکییف اور تعطیل وغیرہ کا سہارا نہ لیا جائے۔ ان جملہ صفات کی اصل حقیقت و کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا جائے، اسماء وصفات کی بابت سلف صالحین کا مسلک یہی ہے۔

ماتحت الاسباب

''ماتحت الاسباب'' سے مراد وہ شی ہے جس کا وجود اور حصول ظاہری اسباب و ذرائع سے ممکن ہو۔ اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اسباب ظاہری طور پر خود مؤثر ہوتے ہیں ایسا ہرگز نہیں، بلکہ ان ظاہری وسائل کے اندر جو بھی تاثیر ہے اس کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے مثال کے طور پر ایک شخص گولی لگنے سے مر جاتا ہے تو یہ نہ کہا جائے کہ گولی بذات خود ہلاکت کا اثر رکھتی ہے، بلاشبہ اس آدمی کی موت کا ظاہری سبب یہی گولی بنی ہے مگر گولی کے اندر موت و ہلاکت کی جو تاثیر موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے، یہ ہے ''ماتحت الاسباب'' کا مطلب۔

ایک ذهنی مُغالطه:

ممکن ہے کہ شرک و بدعت کی تباہ کن بیماری سے اپنی روح و عقل کو بیکار کر دینے والا کوئی شخص یہ مغالطہ ڈالنے کی کوشش کرے کہ آپ حضرات یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں! تو پھر تم لوگ اپنی بیماری کا علاج کرانے کے لئے حکیموں، ڈاکٹروں اور سنیاسیوں کے پاس کیوں جاتے ہو؟ کیا تمہارے اپنے عقیدہ کی رو سے تمہارا یہ طرز عمل شرک کے دائرہ میں نہیں آتا؟ بعض جاہلوں کی طرف سے یہی مغالطہ ایک دوسرے اسلوب سے پیدا کیا جاتا ہے کہ بھائی! جب حکیموں اور ڈاکٹروں کی بنائی ہوئی گولیوں اور شربت سے قبض یا کوئی دوسری مرض زائل ہو سکتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مشکلات و مصائب اور دیگر حاجات میں ولی یا بزرگ فریاد رسی یا ازالۂ مشکلات نہ کر سکیں، ایسا کیوں؟

اس کا ازاله:

مذکورہ بالا مغالطہ کے ردّ کے لئے عرض ہے کہ اس میں شک نہیں ہے کہ ہم اطباء و حکماء کے پاس علاج کیلئے ضرور جاتے

ہیں کہ شریعت مطہرہ میں علاج ومعالجہ کی نہ صرف اجازت موجود ہے بلکہ حکم بھی موجود ہے، تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارا ان کے پاس جانا صرف ان کی زندگی تک محدود ہوتا ہے۔ کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے اطباء کی قبروں کا رخ کیا ہو، ان سے علاج دریافت کیا ہو یا بعداز مرگ ان سے کسی قسم کا کوئی طبی مشورہ حاصل کیا ہو؟ یا ان کی پختہ یا کچی قبروں سے شربت اور گولیاں حاصل کرنے کا عزم کیا ہو، جواب یقیناً نفی میں ہی ہوگا۔ اس لئے کہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حکیم اور ڈاکٹر جب تک زندہ ہے، مریض کا آلات کے ذریعے نبض دیکھنے، مریض کی ذاتی بیان کردہ حقیقت کے سننے یا اس کے ترجمان کی طرف سے بیان شدہ حالات سے مرض کی تشخیص کرسکتا ہے اور تشخیص کے مطابق علاج تجویز کرسکتا ہے۔ جب کہ بعداز مرگ وہ ان تمام صلاحیتوں سے محروم ہوجاتا ہے۔ جن ظاہری اسباب کی مدد سے وہ اپنی طبابت کے امور سرانجام دیتا تھا وہ کلی طور پر اس سے مفقود ہوجاتے ہیں، اسی لئے تو کوئی بھی بعداز مرگ ان کے پاس علاج ومعالجہ کیلئے نہیں جاتا۔

بعینہٖ یہی حال ہے اولیاء اللہ اور بزرگان امت کا، کہ جب تک وہ زندگی سے بہرہ ور ہیں، لوگوں کے مختلف دینی اور دنیوی مسائل کو اللہ کی طرف سے عطا شدہ علم ودانش کے ذریعے حل کرسکتے ہیں، اسی طرح اگر ان کے پاس کوئی شخص کسی نفع کے حصول کیلئے یا کسی نقصان اور مصیبت سے بچنے کیلئے جائے تو یہ حضرات اس کی حاجت برآری کیلئے اپنے ہاتھوں کو دعا کے لئے اللہ کی جناب میں لمبا کرسکتے ہیں، رہی قبولیت، تو یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے۔ چاہے تو قبول فرمالے اور چاہے تو ردّ فرما دے۔ لیکن مرنے کے بعد یہ اللہ کے ولی اور صالحین ظاہری اسباب وذرائع کے منقطع ہوجانے کی وجہ سے نہ تو کسی کو نفع دینے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی کو کوئی مضرت پہنچاسکتے ہیں۔

خلاصہ: خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنائے گئے اسباب ومسببات کے ماتحت شریعت مطہرہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے اگر کوئی تدبیر کی جائے تو وہ عنداللہ جائز، صحیح اور مشروع ہے، لیکن ظاہری وسائل واسباب سے تعلق نہ رکھنے والے مسائل اور معاملات میں نفع کی امید اور ضرر کے ازالے کا عقیدہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے سے (خواہ وہ نبی مرسل ہو یا اللہ کا ولی) ایسا اعتقاد رکھنا خالص شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسباب ومسببات کے سلسلہ سے تعلق رکھنے والی بعض اشیاء میں نفع کی اور بعض میں نقصان کی خاصیت اور تاثیر پیدا کی ہے۔ مثلاً روٹی میں بھوک مٹانے کی، پانی میں پیاس بجھانے کی، اور ہوا، غذا اور لباس میں انسانی زندگی کی بنیادی حاجات کی تکمیل کی خصوصیات ودیعت فرمادی ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس زہر کی مختلف اقسام سم الفار، رسکپور اور دار چکنا وغیرہ میں ہلاکت اور بربادی کی تاثیر پیدا کردی ہے، اسی طرح بندوق، توپ اور بم کے ذریعے داغے گئے زہریلے مواد، اور تلوار، خنجر اور چھری وغیرہ کی تیز دھاروں میں یہ خاصیت رکھدی ہے کہ جس کو ان ہلاکت خیز اشیاء سے نشانہ بنایا جائے گا وہ مرجائے گا۔ مذکورہ بالا نقصان دہ اشیاء کی اصل تاثیر تو وہی ہے جو بیان کی گئی ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ ان اشیاء کے اثر کو زائل کردے جیسا کہ اس نے اپنے



خلیل علیہ السلام پر نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ کو بے اثر کر دیا تھا تو اس مالک الملک کو اس پر بھی کلی اختیار اور قدرتِ کاملہ حاصل ہے۔

لہٰذا طبیبوں، ڈاکٹروں اور سنیاسیوں کی طرف مرض کی تشخیص اور اس کے علاج و معالجہ کیلئے رجوع کا معاملہ ظاہری اسباب سے استفادہ کے زمرہ میں داخل ہے جس کی شریعت میں واضح اجازت موجود ہے۔ ایسا کرنا تو تلقینِ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت شمار ہوگا نہ کہ شرک

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: ماانزل الله داءً الا انزل له شفاءً① (صحیح بخاری)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو بھی بیماری پیدا فرماتا ہے اس کے لئے دواء بھی ضرور پیدا کر دیتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

عن اسامة بن شريك قال: قالت الأعراب: يارسول الله الانتداوی قال: نعم يا عباد الله! تداووا، فان الله لم يضع داء إلا وضع له شفاء أودواء إلا داءً واحدا، قالوا: يا رسول الله وماهو؟ قال: الهرم ②(صحیح)

اسامہ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ اعرابیوں نے کہا، اللہ کے رسول! کیا ہم دواء کر لیا کریں؟ آپ نے فرمایا ہاں، اے اللہ کے بندو! دوائی استعمال کر لیا کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے اس کیلئے علاج اور شفاء کو بھی ضرور تخلیق فرما دیا ہے۔ ماسوا ایک مرض کے، انہوں عرض کیا، اللہ کے رسول! وہ ایک مرض کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا، بڑھاپا۔

حقیقت یہ ہے کہ شرعی اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے ظاہری اسباب کو وسیلہ بنانا اور ان کے ذریعے کوئی تدبیر اختیار کرنا قطعی طور پر "توکل" کے خلاف نہیں ہے۔ جس طرح کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو مصر میں داخل ہونے کی یہ تدبیر بتلائی کہ مصر میں داخل ہوتے وقت سب کے سب اکٹھے ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ ایک ایک کر کے مختلف دروازوں سے شہر کے اندر داخل ہونا۔

قرآن کریم میں اسی تدبیر کے متعلق ارشاد ہے:

---

① رواه البخاری ج۷ ص ۱۵۸، كتاب الطب، باب ماانزل الله داء الا انزل له شفاء

② جامع الترمذی ج۳ ص ۲۵۸، كتاب الطب، باب ماجاء فی الدواء والحث عليه وقال الترمذی حديث حسن صحيح وصححه الألبانی أيضا /
مستدرک حاكم ج۴ ص۱۹۷ كتاب الطب، إن الله لم ينزل داءً إلا انزل له شفاءً



يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ وما أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ①

اے میرے بیٹو! ایک ہی دروازہ سے داخل نہ ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ اور میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو تم سے ٹال نہیں سکتا۔

یہ ایک تدبیر تھی سیدنا یعقوب علیہ السلام کے خیال میں مختلف مکروہات، مثلاً شبہ جاسوسی اور نظر بد وغیرہ سے بچنے کی۔ تاکہ ان کے بیٹوں کو کوئی نظر بد نہ لگ جائے یا انہیں اجنبی اور پردیسی سمجھ کر جاسوسی کے شبہ میں گرفتار نہ کرلیا جائے۔ قربان جایئے! سیدنا یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو تدبیر بھی سکھاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی انہیں تقدیر کا درس بھی دیدیتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہوجائے کہ تدبیر بذات خود مؤثر نہیں ہوتی، اس کو کارگر یا ناکام کرنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ②

اور میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا، اختیار تو بس اللہ ہی کا ہے۔

اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ ظاہری اسباب کو تصرف میں لانا "توکل" کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو سیدنا یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو ہرگز تدبیر کی راہ نہ بتلاتے، بلکہ ان کو محض توکل کرنے کا امر فرماتے۔ مگر سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو تدبیر اور تقدیر دونوں کی تعلیم دی، کہ میرے بیٹو! ہمارا کام صرف تدبیر کرنا ہے رہا تقدیر کا معاملہ تو وہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جیسا اس کے علم میں مناسب ہے ویسا ہی کرے گا۔

ظاہری اسباب و وسائل کو بروئے کار لانے، ان کے مطابق حتی الامکان تدبیر کرنے اور اپنے نفع کی امید اور نقصان سے بچاؤ کیلئے ان کو تصرف میں لانے کا جواز ہی نہیں بلکہ "امر" درج ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

عن جعفر بن عمرو بن امية عن ابيه عمرو بن امية الضمری رضی الله عنه، انه قال: يا رسول الله! ارسل راحلتی واتوكل فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم: بل قيدها وتوكل ③ (حسن)

جعفر بن عمرو بن امیہ اپنے باپ عمرو بن امیۃ الضمری سے بیان کرتا ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں اپنی سواری کو کھلا چھوڑ دوں اور توکل اختیار کرلوں؟ آپ نے فرمایا (نہیں) بلکہ اسے باندھو اور پھر توکل کرو۔

امام ذہبی رحمہ اللہ اس حدیث کی سند کے متعلق اپنی تحقیق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت: سنده جيد ④

میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ اس حدیث کی سند عمدہ ہے۔

---

① سورة يوسف: ٦٧ ② سورة يوسف: ٦٧

③ مستدرک حاکم ج/٣ ص ٦٢٣، كتاب معرفة الصحابة / ذكر عمرو بن امية الضمری الكنانی رضی الله عنه/ صحيح الجامع الصغير وزيادت، رقم الحديث: ٢٣٣٢ وقال حسن. ④ التلخيص للذهبی، حاشيه مستدرک حاکم ج ٣ ص ٦٢٣



مافوق الاسباب

عالم اسباب سے قطع نظر اگر کسی انسان کو غیر مانوس اور نامعلوم طریقہ سے کوئی فائدہ یا نقصان پہنچے تو اسے ''مافوق الاسباب'' کہا جاتا ہے۔ایسے نفع ونقصان کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے گی۔

مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو زہر دے کر، یا بندوق، تلوار اور چھری مار کر یا دریا میں غرق کر کے یا دہکتی آگ میں پھینک کر ہلاک کر دیتا ہے تو ان جملہ قسم کی اموات کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ یہ سب کچھ عالم اسباب کے تحت ہوا۔ان جملہ اسباب و ذرائع کا خالق اور ان میں مذکورہ بالا تاثیرات کو تخلیق و پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے، وہ اپنی لامحدود قوت واختیار کے تحت چاہے تو ان تاثیرات کو زائل بھی کر سکتا ہے، جیسا کہ اس نے نمرود اور اس کی قوم کی تیار کردہ آگ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے ''برداً و سلاماً'' گلزار بنادیا، چنانچہ اس بارے میں امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ یوں لکھتے ہیں:

حدثنا ابن حميد قال :ثنا سلمة عن ابن اسحاق قال:أجمع نمرود وقومه في ابراهيم فقالوا: ﴿حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ﴾أي: لاتنصروها منه الا بالتحريق بالنار ان كنتم ناصريها①

''ابواسحق سے مروی ہے، ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں نمرود اور اس کی قوم جمع ہوئی اور انہوں نے کہا:''اسے (ابراہیم علیہ السلام) جلادو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو'' اگر تم اپنے معبودوں کی مدد کرنا چاہتے ہو تو اسے (ابراہیم علیہ السلام) آگ میں جلادو''

اسی طرح اس نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چلنے والی چھری کے اثر کو ختم کر دیا، جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ذبح کرنے کے عزم سے ان کے گلے پر چھری کو چلایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے کھانے، پینے جیسی دیگر بنیادی ضروریات کو انسانی زندگی کی بقاء واستحکام کیلئے ''سبب'' بنایا ہے۔لیکن ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جن میں ان اسباب کے استعمال کے بغیر بھی انسانی زندگی کا ثبوت ملتا ہے۔قرآن کریم میں اللہ عزوجل نے ''اصحاب کہف'' کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ان کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک غار کے اندر تقریباً تین سو نو سال تک کھانے پینے کے بغیر زندہ رکھا ہے، ان کی اس طرح زندگی کو''مافوق الاسباب'' کے تحت سمجھا جائے گا۔بعینہٖ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ حیران کن معاملہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ہے، احادیث مطہرہ اور قرآن کریم کی نصوص صریحہ سے ان کا زمین سے آسمانوں کی طرف اٹھالیا جانا ثابت ہے۔جملہ اہل اسلام کے عقیدہ کے مطابق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام زمین سے اٹھالئے جانے سے اب تک زندہ ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی زندہ رہیں گے، نیز ان کی یہ زندگی طعام وشراب کے اسباب کے بغیر ہی برقرار ہے۔

انسانی زندگی میں''مافوق الاسباب'' واقعات کی بہت ساری امثال اور نظائر موجود ہیں جن کا احاطہ کرنا مقصود نہیں۔صرف

① تفسير الطبري ١٦/ ٣٠٥

چند ایک مثالیں بیان کر دی ہیں تا کہ قارئین کو بات سمجھنے میں آسانی ہو جائے کیونکہ مثالوں سے بند عُقدے بھی کھل جاتے ہیں۔
اب قارئین کرام کو یہ بات معلوم ہو چکی ہوگی کہ جس نفع یا نقصان کے ساتھ ظاہری اسباب و وسائل کا تعلق نہ ہو بلکہ وہ ان کے استعمال و تصرف کے بغیر ہی وجود پذیر ہو گئے ہوں ایسے نفع یا نقصان کا ربط اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی قدرت کا نام ''مافوق الاسباب'' ہے۔ ایسی زبردست قدرت جو اسباب کی محتاج نہ ہو صرف اللہ عزوجل کی ذات ہو سکتی ہے۔ کوئی بھی مخلوق چاہے وہ کتنی ہی مضبوط اور جسیم و طاقتور ہو اس سے ایسے کرشموں کا صدور یا اختیار تصور کے بھی خلاف ہے۔

اس ساری بحث سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ ایسے امور و معاملات جو انسانی وسائل و اسباب کی دسترس سے باہر ہوں جن میں انسانی تصرف و اختیار کا ادنیٰ سا بھی تعلق نہ ہو ان کی بابت غیر اللہ سے نفع کی امید رکھنا یا متوقع نقصان کے ازالہ کے لئے ان کی طرف رجوع کرنا کھلا شرک ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ''عبادت'' کی تعریف میں اس پوری بحث کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

العبادة عبارة عن الاعتقاد والشعور بان للمعبود سلطة غيبية فوق الاسباب يقدر بها على النفع والضر①

''عبادت'' معبود کے بارہ میں اس شعور اور عقیدہ کا نام ہے کہ اسے ماورائے اسباب بھی ایسی مخفی قوت حاصل ہے کہ وہ نفع اور نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے۔

زندہ اولیاء کی دعاؤں کی قبولیت سے دھوکہ

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ان نیک اور صالح بندوں سے جو زندہ ہوتے ہیں کے پاس اپنی بعض حاجات کی تکمیل کیلئے دعا کراتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا ہے اور سائل کی مراد پوری ہو جاتی ہے جس سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ سائل کی یہ مراد اللہ کے ولی نے خود پوری کی ہے یا اپنے اثر و رسوخ سے اس نے اللہ سے پوری کرا کے دی ہے۔ عوام الناس کا یہ خیال جلد ہی اس عقیدہ میں بدل جاتا ہے کہ (معاذ اللہ) ان اولیاء اللہ اور بزرگان دین کو اس کارخانہ عالم میں تصرف اور اختیار حاصل ہے۔ اس عقیدہ کے پیدا ہوتے ہی وہ ان کو مشکل کشا، حاجت روا، فریادرس اور غریب نواز و داتا کے اسماء والقابات سے موسوم کرنے لگ جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان ولیوں اور بزرگوں کی وفات کے بعد عوام الناس اپنی جملہ امیدوں اور آرزؤں کا مرکز ان کی قبروں کو بنا لیتے ہیں پھر سالانہ عرسوں، میلوں اور محفلوں کا وہ ناجائز اور ناپاک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ اللہ کی امان!
میں ضروری سمجھتا ہوں کہ دعا کی قبولیت اور عدم قبولیت کے بارہ میں چند بنیادی اور ضروری باتیں تحریر کروں تا کہ قبر پرستی جیسے منحوس اور تباہ کن پلید مرض کا علاج ہو سکے۔

الف۔ ''دعا'' کا مفہوم شریعت، لغت اور عرف میں صرف اتنا ہے کہ کوئی بندہ اپنی ذات کے لئے یا کسی دوسرے انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی جناب میں درخواست و التجاء کرے اور عجز و نیاز کا اظہار کرے کہ اے اللہ! تو اپنی رحمت اور مہربانی سے میرے یا

① مدارج السالکین ج ۱ ص ۴۰

فلاں شخص کے فلاں کام کو پورا کردے۔ظاہر ہے اس دعائیہ عمل میں بندے کا عمل دخل صرف اتنا ہے کہ اس نے اپنے پروردگار سے التجاء کی ہے۔رہا مراد کا پورا ہونا، تو اس میں دعا کرنے والے کا ذرہ بھر بھی دخل نہیں ہے۔

ب- پھر یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی ہر دعا کو قبول فرمائے یا وہ ہر دعا کے قبول کرنے پر (معاذ اللہ) مجبور ہو۔قرآن کریم سے بڑھ کر اور کوئی قطعی ویقینی دلیل نہیں ہو سکتی۔اسی طرح انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیم کی مقدس ہستیوں سے بڑھ کر کسی کی ذات اللہ کی جناب میں مقبول نہیں ہو سکتی۔مگر اس کے باوجود بہت سے انبیاء علیہم السلام کی کئی دعائیں اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوئیں۔اس بات کی شہادت تاریخ کی کوئی کتاب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مقدس ترین کتاب قرآن کریم دیتی ہے۔قرآن حکیم میں سیدنا نوح علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کنعان کیلئے مانگی تھی، تاکہ عظیم ترین طوفان میں غرقابی سے محفوظ رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم رسول کی دعا قبول نہیں فرمائی۔اس کا تفصیلی ذکر اسی کتاب کے ''شرک فی العلم'' کے باب میں ہوگا۔(ان شاء اللہ)

اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کی ہدایت اور بخشش کیلئے اپنے رب کے حضور دعا مانگی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی اس دعا کو منظور نہ فرمایا، باوجودیکہ اس رسول محترم کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت ہی اونچا ہے۔

بعینہ اسی طرح سید الانبیاء والمرسلین خاتم الانبیاء سیدنا محمد کریم ﷺ نے بھی اللہ رب العالمین کے حضور اپنے چچا ابوطالب کی نجات ومغفرت کیلئے دعا فرمائی مگر قبول نہ ہوئی۔اس کی تفصیل قرآن کریم کی سورۃ التوبہ میں موجود ہے۔آپ ﷺ نے منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی بن سلول کی مغفرت کے لئے دعا کی، صرف دعا ہی نہیں بلکہ آپ نے اس کا جنازہ بھی پڑھایا اور بطور کفن اپنا پیراہن بھی عطا کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی دعا کو اس منافق کے بارہ میں قبول نہ فرمایا اور آئندہ کے لئے آپ ﷺ کو ایسے بدباطن لوگوں کے لئے دعا کرنے سے منع فرمادیا، ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ①

''اور ان میں سے جو کوئی مرجائے اس پر کبھی بھی نماز نہ پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے۔''

اور فرمایا:

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ②

''آپ ان کیلئے استغفار کریں خواہ ان کیلئے استغفار نہ کریں، اگر آپ ان کیلئے ستر بار (بھی) استغفار کرینگے تب بھی انہیں اللہ نہیں بخشے گا۔یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اسکے رسول کیساتھ کفر کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

① سورة التوبه ۸۴
② سورة التوبة ۸۰

غزوۂ احد کے موقع پر کفار نے رسالت مآب سیدنا محمد ﷺ کے چہرہ مبارک کو شدید زخمی کر دیا۔ جس کی وجہ سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک لہولہان ہوگیا۔ تب آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں ہاتھ بلند کر کے ان مشرکین مکہ کے خلاف ان الفاظ کے ساتھ بددعا فرمائی۔

عن انس شجَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم أحد فقال: کیف یفلح قوم شجوا نبیھم فنزلت: "لیس لک من الامر شیئ اویتوب علیھم اویعذبھم فانھم ظالمون" ① (صحیح بخاری)

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اُحد کے دن نبی ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی کر دیا گیا تو آپ نے فرمایا، بھلا وہ قوم کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے جس نے اپنے نبی کا چہرہ لہولہان کر دیا، تو آیت نازل ہوئی۔ ''آپ کو اس امر میں کوئی دخل نہیں (اللہ) خواہ ان کی توبہ قبول کرے خواہ انہیں عذاب دے اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔''

ایک روایت میں آیت کریمہ ''لیس لک من الامر شیء اِلیٰ قولہ فانھم ظالمون'' کا سبب نزول اس طرح بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے مشرکین مکہ کے بڑے بڑے لیڈروں میں سے کچھ ایسے اشخاص کے نام لیکر بددعا فرمائی تھی جن کی رسول دشمنی، اسلام دشمنی اور اہل اسلام سے عداوت وایذاء رسانی کا سلسلہ برداشت کی حد سے بھی بہت باہر ہوگیا تھا۔

صحیح بخاری میں اس کی تفصیل اس طرح مذکور ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعو علی صفوان بن امیۃ، وسھیل بن عمرو، والحارث بن ھشام، فنزلت: لیس لک من الامر شیءٌ "الی قولہٖ فانھم ظالمون" ② (صحیح بخاری)

نبی ﷺ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے خلاف بددعا کیا کرتے، اس پر آیت نازل ہوئی، ''آپ کو اس امر میں کوئی دخل نہیں............اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ نے جن نامزد مشرک قائدین کے خلاف بددعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسی بددعا سے منع فرمایا تھا یہ سب اللہ علیم وخبیر کی حکمت وہمہ دانی کے عین مطابق تھا کہ مذکورہ بالا حدیث میں تینوں نامزد اشخاص فتح مکہ کے موقع پر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے اور آپ ﷺ کے صحابی ہونے کے عظیم اعزاز سے سرفراز ہوئے۔

حافظ ابن الحجر العسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

والثلاثۃ الذین سَمّاھم قد اسلموا یوم الفتح ولعل

یہ تینوں جن کا نام آپ ﷺ نے (اپنی بددعا میں) لیا تھا،

① رواہ البخاری، کتاب المغازی باب لیس لک من الامر شیء اویتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون۔

② رواہ البخاری، کتاب المغازی، باب لیس لک من الأمر شیء الیٰ قولہ فانھم ظالمون۔



هـذا السـرُّ فـي نـزول قـولـه تعالىٰ ليس لک من الامر شيءٌ ①

فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے۔شاید کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''لیس لک من الامر شیءٌ'' میں یہی راز پوشیدہ تھا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی امت کیلئے دعا فرمائی کہ میری امت آپس میں جنگ وجدال اور قتل وغارتگری نہ کرے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس دعا کو قبول نہ فرمایا، جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کا ذکر موجود ہے۔

اخبرني عامر بن سعيد عن ابيه ......وسألتهُ ان لايجعل بأسهم بينهم فمنعنيها ② (صحيح مسلم)

مجھے عامر بن سعید نے اپنے باپ کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''......اور...... میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری امت کو باہمی قتل وغارت سے محفوظ فرما، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول نہ فرمائی۔''

قرآن کریم اور سنت مطہرہ کی ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غنی، حمید اور ہمہ دان ہے۔ وہ اپنی حکمت کے تحت دعائیں قبول فرماتا ہے۔ (معاذ اللہ) وہ مجبور نہیں ہے کہ ہر دعا قبول کرے۔ اس نے تو اپنے برگزیدہ بندوں انبیاء ورسل کی بعض دعاؤں کو بھی اپنی حکمت کے تحت قبول نہیں فرمایا۔

ج- اللہ تعالیٰ چاہے تو ابلیس ملعون کی دعا کو بھی قبول فرمالے۔ چہ جائے کہ اس کی ذریت دعا کرے اور وہ اس کی قبولیت سے محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ سے کون پوچھ سکتا ہے کہ وہ راندہ درگاہ ملعون ابلیس اور اس کے مددگاروں کی دعاؤں کو بعض اوقات کیوں قبول کر لیتا ہے؟

قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ ابلیس ملعون نے رب تعالیٰ کی جناب سے ملعون قرار دیئے جانے اور راندہ درگاہ ہونے کے بعد یہ دعا کی تھی کہ اے میرے رب! مجھے قیامت کے روز تک مہلت اور زندگی دیدے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ③

(ابلیس نے) کہا اے میرے پروردگار! مجھے ان کے دوبارہ جی اٹھنے تک زندہ رکھ۔

---

① فتح الباري ج ٧ ص ٣٦٦

② رواه مسلم، كتاب الفتن، باب هلاک هذه الامة بعضهم ببعض/و اللفظ له/ الترمذي ، كتاب الفتن، باب سؤال النبي صلى الله عليه وسلم ثلاثاً في امته

③ سورة الحجر: ٣٦

ابلیس ملعون کا مقصد اس دعا سے یہ تھا کہ وہ موت سے بچ جائے اس لئے اس نے کہا کہ مُردوں کے دوبارہ جی اٹھنے تک مجھے زندگی عطا کر دی جائے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو کلی طور پر قبول نہیں فرمایا بلکہ جزوی طور پر منظور کر لیا کہ اس کو طویل ترین حیات دیدی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس مردود کے جواب میں فرمایا:

فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ o إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ① جا تجھے مہلت دیدی جائے گی روز موعود تک۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے بڑے دشمن ابلیس کی دعا کو کلی طور پر نہ سہی جزوی طور پر تو ضرور قبول فرمایا ہے، کہ اسے عمر طویل کا ''مطلوب'' عطا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ صرف اپنے وفاداروں، انسانوں، جنوں اور شیاطین کی دعاؤں کو سنتا اور قبول نہیں کرتا بلکہ وہ تو اپنی تمام مخلوق کی دعاؤں کو سنتا اور اپنی حکمت و مشیت کے تحت اگر چاہے تو قبول فرماتا ہے۔

ھ دعا کیلئے ضروری اور لازم نہیں ہے کہ اپنے سے اعلیٰ اور افضل انسان سے کرائی جائے بلکہ اپنے سے ادنیٰ اور کم درجہ انسان سے بھی دعا کی درخواست کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے لئے سیدنا اویس قرنی رحمہ اللہ سے دعا اور استغفار کرانے کی ترغیب دی تھی حالانکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صحابی ہونے، خلیفہ دوئم ہونے اور بے شمار مناقب و درجات کی وجہ سے سیدنا اویس قرنی رحمہ اللہ تابعی سے بدرجہا افضل اور ارفع ہیں۔ صحیح مسلم میں اس کی تفصیل یوں وارد ہے۔

عن اسير بن عمرو قال كان عمر بن الخطاب رضي الله عنه اذا اتى عليه امداد اهل اليمن سألهم أفيكم اويس بن عامر؟ حتى اتى على اويس رضي الله عنه، فقال، انت اويس بن عامر؟ قال نعم قال: من مراد؟ ثم من قرن؟ قال نعم، قال: فكان بك برص فبرأت منه الاموضع درهم قال: نعم قال: لك والدة قال: نعم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: يأتي عليكم اويس بن عامر مع امداد اهل اليمن من مراد ثم من قرن، كان به برص فبرأ منه الاموضع درهم، له والدة هو بهابر، لو اقسم على الله لابرهٗ فان استطعت ان يستغفر

اسیر بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس اہل یمن کے قافلے آتے تو ان سے دریافت فرماتے کیا تمہارے اندر اویس بن عامر موجود ہے؟ بالآخر آپ کی ملاقات اویس رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ آپ نے ان سے پوچھا: 'کیا آپ ہی اویس بن عامر ہیں؟' انہوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: آپ کا تعلق (قبیلہ) مراد کی (شاخ) قرن سے ہی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپ نے سوال کیا: کیا آپ کو برص تھی، جو ٹھیک ہوگئی صرف ایک درہم جتنا جگہ باقی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا آپ کی والدہ موجود ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ تب آپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ

① سورة: ص: ٨٠، ٨١



لک فافعل "فاستغفرلی، فاستغفر له. ①
(صحیح مسلم)

تمہارے پاس اصل یمن کے قافلوں میں اویس بن عامر آئینگے جن کا تعلق (قبیلہ) مراد کی (شاخ) قرن سے ہوگا۔ اسے برص لاحق ہوئی ہوگی جو ایک درھم جگہ کے سوا ٹھیک ہوگئی ہوگی، اس کی والدہ ہوگی جس کے ساتھ ان کا سلوک نہایت ہی فرمانبردارنہ ہوگا، اگر وہ اللہ پر قسم ڈالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کرے گا۔ (اے عمر!) اگر تجھے اپنے لیے ان سے دعا کا موقع مل جائے تو دعا ضرور کرا لینا، لہٰذا آپ میرے لیے دعا فرمائیں۔ چنانچہ سیدنا اُویس قرنی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی۔

اسی طرح ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمرہ کا ارادہ کیا جب وہ مکہ مکرمہ کیلئے عازم سفر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا:

عن عمر أنه استأذن النبي ﷺ في العمرة فقال: أي أخي أشركنا في دعائك ولا تنسانا. ②(صحيح)

اے میرے بھائی ہمیں اپنی دعاؤں میں شامل کرنا اور ہمیں نہ بھلا دینا۔

ایک ضروری وضاحت:

اس مضمون سے یہ مفہوم ہرگز اخذ نہ کیا جائے کہ

الف- اللہ کے نبیوں، رسولوں، ولیوں اور صالحین کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی، ایسا ہرگز نہیں بلکہ انبیاء و رسل مستجاب الدعوات ہوتے ہیں، اسی طرح اللہ کے اولیاء بھی اللہ کے ہاں مقبول و محترم ہوتے ہیں، مگر اس سب کچھ کے باوجود اللہ تعالیٰ کبھی کبھی کسی دعا کو اپنی حکمت و مشیت کے تحت قبول نہیں فرماتا، جس طرح کہ بیان شدہ قرآن وحدیث کی مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے۔

ب- نیز یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابرار، واشرار، اتقیاء وفجار اور صالحین و بدکردار افراد کی دعاؤں کی قبولیت یا عدم قبولیت کا ایک ہی پیمانہ ہے معاذ اللہ، حاشا وکلا:

ہمارا مقصود و مدعا یہ بیان کرنا ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ صالح اور نیک بندوں کی دعائیں ہمیشہ اور ہر صورت میں قبول ہوتی رہیں اور "العیاذ باللہ" اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کے قبول کرنے پر مجبور ہو۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جملہ اولیاء و صالحین کی دعا کو ان کے مدمقابل لوگوں کی نسبت زیادہ قبول کرتا ہے، لیکن وہ قبول کرنے پر مجبور نہیں، چاہے تو اپنے علم و حکمت کے تحت اسے رد بھی فرما دے۔

① رواه مسلم، كتاب فضائل الصحابه باب من فضائل اويس القرني.
② رواه الترمذي، كتاب الدعوات، باب (١١٠) وقال حديث حسن صحيح / واللفظ له/ابو داؤد، كتاب الصلاة، باب الدعاء وسكت عنه.

اللہ تعالیٰ غالب و برتر ذات ہونے کے ناطے بدکاروں، بدراہوں اور شیطان کے مددگاروں کی دعاؤں کو بھی قبول فرماتا ہے۔اس نے تو ابلیس مردود کی دعا کو بھی قبول فرمالیا تھا۔اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں، اپنے اسماء وصفات اور افعال میں وحدہ لاشریک ہے اس سے اس کے کسی فعل کی بابت کوئی بھی فرو پوچھ نہیں سکتا، اس ذات عالی نے اپنا تعارف یوں کرایا ہے۔

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ② — اس سے کچھ باز پرس نہیں کی جاسکتی اور اوروں سے باز پرس کی جاتی ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ کسی نیک اور صالح شخص کی دعا کا قبول ہو جانا ہرگز اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہ مشکل کشا، حاجت روا یا فریادرس کے منصب پر فائز ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ جیسے اپنے نیک بندوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازتا ہے ویسے ہی وہ کبھی کبھی اپنے دشمنوں اور شیطان کے حواریوں کی دعاؤں کو بھی منظور کر لیتا ہے۔دعا کی قبولیت کے ثمرہ میں اگر کوئی عبد صالح یا کوئی ولی اللہ مشکل کشا ہو جاتا ہے تو کیا اللہ کا دشمن بھی اپنی کسی دعا کی قبولیت کے نتیجے میں فریادرس اور حاجت روا ہو جائے گا؟ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

کسی چیز سے حاجات کا پورا ہونا اسکی مشروعیت کا سبب نہیں بن سکتا

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگوں کی بعض حاجتیں اور مسائل کسی سبب سے پورے ہو جاتے ہیں تو وہ اس سبب کے جائز یا ناجائز کی بحث میں پڑے بغیر اس کے مشروع اور جائز ہونے کے قائل ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جس سبب سے کسی انسان کا کوئی مقصد یا حاجت پوری ہوئی ہو وہ شریعت میں بھی جائز ہو جائے، بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک سبب کے ذریعے مصیبت رفع یا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے مگر وہ سبب غیر مشروع رہتا ہے۔مذکورہ بالا نکتہ کو ہم درج ذیل روایت سے واضح کرتے ہیں:

عن ابی سعید الخدری قال: دخل رجلان علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسألاہ فی ثمن بعیر، فاعانھما بدینارین فخرجا من عندہٖ فلقیھما عمر فقالا واثنیامعروفا وشکرا ماصنع بھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدخل عمر علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہٗ بماقالا فقال النبی

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ دو شخص اللہ کے رسول کے پاس اونٹ خریدنے کیلئے رقم مہیا فرمانے کی درخواست لیکر حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دو دینار کی معاونت فرمائی۔دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر باہر نکلے تو ان کی ملاقات (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک کا احسان مندی

---

② سورۃ: الانبیاء: ۲۳

صلى الله عليه وسلم: لكن فلان اعطيتهٔ مابين العشرة الى المائة فلم يقل ذلك، ان احدهم يسألني فينطلق بمسئلته متأبطها وماهي الانار "فقال عمر: تعطينا ما هو نار قال: يأبون الا ان يسألوني ويأبى الله لي البخل ① (حسن)

اور شکریہ کے کلمات سے ذکر کیا (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی باتوں کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مگر فلاں شخص کو میں نے دس سے لے کر سو تک دیئے، اس نے تو ایسا نہیں کہا۔ ان لوگوں میں سے ایک شخص اپنا سوال لے کر آتا ہے، پھر اپنی ضرورت حاصل کر کے اسے چھپانے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ وہ تو آگ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ ہمیں آگ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: لوگ ضرورت بے ضرورت مجھ سے سوال کرتے ہیں اور اللہ نے میرے لیے "بخل" کو ناپسند فرمایا ہے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ کبھی کبھی کوئی حاجت مند اپنی ضرورت کیلئے سوال کرتا ہے اور اس کے سوال سے وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے مگر بنیادی طور پر اس کیلئے سوال کرنا ہی حرام اور ناجائز ہوتا ہے۔

اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ ابوالمعالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وليس كل من قضيت حاجته بسبب يقتضي ان يكون السبب مشروعا مأموراً به فقد كان صلى الله عليه وسلم يسأل في حياته المسألة فيعطيها لايرد سائلاً وقد تكون المسألة محرمة في حق السائل ①

کسی سبب کے ذریعے اگر کسی کی کوئی ضرورت پوری ہوگئی ہے تو اس کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ وہ سبب بھی مشروع اور اللہ کی طرف سے مامور بہ بن جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی زندگی میں لوگ اپنی ضروریات کا سوال کرتے تھے چونکہ آپ کسی بھی سائل کو رد نہ کرتے تھے اس لیے آپ لوگوں کے سوال کے مطابق ضرور دیتے تھے، حالانکہ بعض اوقات یہی "سوال کرنا" سائل کے لیے ناجائز ہوتا ہے۔

قبر پرست اور مُردوں کے عبادت گذار عام طور پر مذکورہ بالا فریب کا شکار ہو کر اپنی آخرت کو برباد کر بیٹھتے ہیں وہ کہتے

① مسند ابی یعلی الموصلی / مسند ابی سعید الخدری / مسند احمد الرقم: ١٠٩٤٦ مسند ابی سعید الخدری/أسناده صحیح .قال الهیثمی رجال أحمد رجال الصحیح. رقم الحدیث: ١٣٢٢ و اللفظ لابی یعلیٰ.

① غاية الامانی ج ٢ ص ٢٧٩



ہیں کہ ہم نے اپنی جن حوائج اور ضروریات کے لیے انبیاء، اولیاء اور صلحاء کی قبور کا رخ کیا ہے یا ان سے سوال کیا ہے ہماری وہ جملہ حاجات پوری ہوکر رہی ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قبر پرستی یا اموات پرستی غلط عمل نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر اموات سے مدد طلب کرنا یا ان کو اپنی مشکلات رفع کرنے کیلیئے پکارنا ناجائز ہوتا تو ان کروڑ ھا لوگوں کی حاجات پوری نہ ہوتیں جو رات دن ان کو پکارتے، ان کی قبروں کا رخ کرتے اور ان کے نام کی نذر و نیاز اور قربانی وغیرہ کا عمل کرتے رہتے ہیں۔

مسلمانو!

یاد رکھو! کہ قبر پرستی یا مردہ پرستی سے انسانی مسائل و مشکلات اور حاجات کا پورا ہو جانا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ اللہ کے سوا کسی بھی زندہ و مردہ شیٔ کو مدد کیلیئے پکارنا جائز ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بنائی ہوئی کائنات میں لاتعداد اور بے شمار اسباب پیدا کر رکھے ہیں جن کے ذریعے آسمان و زمین کے چھوٹے بڑے حادثات ظاہر ہوتے رہتے ہیں، ان اسباب کا علم صرف اللہ کو ہی ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ حاجات جو پوری ہوئی ہیں ان کا اصل سبب مُردوں کو پکارنا یا ان سے امداد طلب کرنا ہی ہو۔ بلکہ لاکھوں دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں، لہٰذا جو سبب اللہ کے نزدیک حرام، مہلک اور ناجائز ہے اسے اس بات کی دلیل بنا لینا کہ مُردوں کو پکارنا، ان سے مرادیں مانگنا وغیرہ جائز ہے، نہایت ہی تباہ کن نظریہ ہے۔ اہل ایمان کو تو ہر صورت میں شریعت کے حکموں کا پابند رہنا چاہیئے، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے جن امور کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کے ادا کرنے میں ہی لوگوں کا فائدہ ہے۔ اور جن امور سے منع کیا ہے ان سے احتراز و اجتناب میں ہی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کی جملہ اقسام سے پاک رہنے کا حکم دیا ہے تو مسلمانوں کو شیطان کی فریب کاریوں اور چالبازیوں کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔

اللہ کے رسولوں کی تعلیم صاف، واضح اور روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اس میں مصالح کی تعلیم ہے اور مفاسد سے اجتناب کا حکم ہے۔ فلاسفہ کی منہ شگافیوں کی طرح دین میں کوئی کجی یا گنجلک موجود نہیں ہے۔ فلسفی حضرات لوگوں کو مادہ اور اسباب کی دنیا کے چکر میں پھنسائے رکھتے ہیں تاکہ لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی برتر ذات پر یقین مستحکم نہ ہو۔ وہ صرف مادی اسباب کو ہی مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے رہے ہیں۔ ان کی تعلیم سراسر ذہنی پیچیدگیوں اور فکری مغالطوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ جبکہ اللہ کے رسولوں کی تعلیم عام فہم، سادہ، اور دل و دماغ کو اپیل کرنے والی ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ ابوالمعالی آلوسی فرماتے ہیں:

واما ان المستغيثين قد نالوا مقصدهم ممن استغاثوا به من الاموات كالانبياء والاصفياء	اگر انبیاء، اولیاء اور اصفیاء جیسی فوت شدہ شخصیات سے اپنی حاجات طلب کرنے والوں کی حاجات پوری ہوجاتی ہیں تو



والأولياء فمثل ذلك لايدل على مشروعية الاستغاثة كماذكره الشيخ، فان الاسباب التي يخلق الله بها الحوادث في الارض والسماء لايحصيها على الحقيقة الاهو، اما أعيانها فبلاريب وكذلك انواعها ايضا لايضبطها المخلوق لسعة ملكوت الله سبحانه و تعالىٰ ولهذا كانت طريقة الانبياء عليهم السلام انهم يأمرون الخلق بما فيه صلاحهم وينهون عما فيه فسادهم ولا يشغلونهم في الكلام بأسباب الكائنات كما يفعل المتفلسفة فان ذلك كثيرا لتعب قليل الفائدة أوموجب للضرر ①

اس طرح کے واقعات اموات کو پکارنے کے مشروع و جائز ہونے پر دلیل نہیں بن سکتے جیسا کہ شیخ نے بیان فرمایا ہے۔ اس لیے کہ اللہ کے پیدا کردہ اسباب جن سے آسمان وزمین کے حوادث ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کا پورا شمار اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ رہے وہ اسباب جو ظاہر ہیں ان کی جملہ اقسام کا بلاشک وشبہ مخلوقات میں سے کوئی بھی حساب نہیں لگا سکتا، اس لیے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بادشاہت لامحدود و بے کنار ہے۔ اسی بناء پر انبیاء علیہم السلام کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق کو ایسی باتوں کا حکم دیتے جن میں ان کا مفاد مضمر ہوتا، اور انہیں ایسے امور سے منع کرتے جن میں اللہ کی مخلوق کی تباہی، بربادی یا بگاڑ کا اندیشہ ہوتا تھا۔ وہ فلسفیوں کی طرح اللہ کی مخلوق کو کائنات کے (ظاہر و پوشیدہ) اسباب کی بحث وجستجو میں یا ان کے بارہ میں بیکار کلام میں مصروف نہیں رکھتے تھے جیسا کہ فلاسفر کا ہر دور میں شیوہ رہا ہے ان فلسفیوں کا طریقہ کار فائدہ سے یکسر خالی مشقت اور نقصان سے بھرپور ہوتا ہے۔

حرام اور ممنوعہ دعاؤں سے حاجات کے پورا ہو جانے کے اسباب

قارئین کرام! گذشتہ بحث سے آپ کو بخوبی اس امر کا علم ہوگیا ہے کہ مصائب ومشکلات میں یا دوسری حاجات کے لیے فوت شدگان کو پکارنا، ان سے مدد طلب کرنا یا ان سے امداد ونصرت کی امید وابستہ کرنا اور ان سے دعا وسوال کا تعلق قائم کرنا حرام اور ناجائز ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی شریعت نے منع کیا ہے۔

ایک اِشکال:

واقعاتی منظر پر غور کرنے والے ہر انسان کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب قبر پرستی اور مردہ پرستی

① غاية الاماني ج ۲ ، ۲۸۰

ازروئے شریعت حرام اور شرک ہے۔ نیز فوت شدہ اولیا اللہ اور صالحین کو مدد کے لیے پکارنا اور ان سے اپنی حاجت برآری کیلئے دعا کرنا شرک ہے اور حرام و ناجائز عمل ہے۔ تو ایسا کرنے والوں کی حاجات کیوں پوری ہو جاتی ہیں اس کی کیا توجیہ ہے؟

ازالۂ اشکال:

سب سے پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قبر پرست، آستانہ پرست اور مردہ پرست لوگ جن مقاصد و حاجات کیلئے مُردوں سے دعائیں کرتے ہیں یا ان کو مدد کیلئے پکارتے ہیں وہ اکثر و بیشتر اپنے مقاصد کے حصول میں خائب و خاسر اور نامراد ہی رہتے ہیں۔ ساری زندگی شرک کے ایک اڈے سے دوسرے اڈے کا رخ کرتے رہتے ہیں۔ انہیں کسی بھی پل سکون نہیں ملتا، وہ اپنی مرادوں کے پانے کیلئے جہاں تک بس چلتا ہے، مختلف معبودان باطلہ کے مزاروں، خانقاہوں اور عبادت گاہوں کی زیارت کرتے رہتے ہیں جو اس امر کی دلیل ہے کہ ان کی حاجات پوری نہیں ہوتی ہیں۔ شرک کے دلال اور کفر کے تاجر مجاور حضرات اپنی خودساختہ کرامات کے شیطانی جال میں عوام الناس کو ایسا پھنساتے ہیں کہ وہ مرتے دم تک خاک مرقد چومتے، چاٹتے اور چھانتے رہتے ہیں پھر بھی ہمت نہیں ہارتے، بالآخر اپنی مرادیں تشنۂ تکمیل چھوڑ کر دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔

البتہ کبھی کبھی مشرکوں کی بعض حاجات پوری بھی ہو جاتی ہے، جس سے ان کی خوش فہمی اور بدعقیدگی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری قبر پرستی اور مُردوں سے امداد طلبی سے راضی ہے۔ تبھی تو اس نے اس عمل کے طفیل ہماری مراد کو پورا کیا ہے۔ نیز ان کا یہ خیال بھی پختہ عقیدہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ مُردوں کو پکارنا، ان سے دعا و سوال کرنا ہی حاجات کی تکمیل کا سبب بنا ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کی حاجات کے پورا ہو جانے کے اسباب دوسرے ہوتے ہیں جن کی حقیقت و حکمت اور تعداد کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ ہم اپنے ناقص علم و فہم کے مطابق ان کثیر التعداد اسباب میں سے چند ایک کا بطور نمونہ ذکر کرتے ہیں تا کہ اس اشکال کا دفعیہ ہو سکے۔

الف: اضطرار:

قبروں، آستانوں اور مزاروں کے پاس بیٹھ کر یا دور سے فوت شدہ انبیاء، اولیاء اور صالحین کو پکارنے والا اور ان سے اپنی دعا کے ذریعے مدد طلب کرنے والا شخص کبھی بے حد مجبور، مقہور اور لاچار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی نہایت درجہ کی اضطراری اور لاچاری حالت کے پیشِ نظر مدد فرما دیتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ قبر کے پاس یا دور بیٹھ کر غیر اللہ کو پکارنا اس کے نزدیک جائز اور مشروع ہے یا مذکورہ قبر یا میت کا اس میں کوئی دخل ہے یا اللہ تعالیٰ ایسی دعا و نداء کرنے والے سے راضی ہے بلکہ اس کی وجہ سائل مذکور اور مدد خواہ کی وہ اضطراری حالت ہے جس کا اللہ کو علم ہے۔ ایسی اضطراری حالت میں اگر کوئی بت پرست بھی اپنے بت کے سامنے بیٹھ کر امداد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کی حاجت کو پورا فرما سکتا ہے اگر چہ بت پرستی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام کبیرہ گناہوں میں



سے شدید ترین اور بدترین جرم ہے۔ مضطر و مجبور انسان کی تکلیف کو اللہ تعالیٰ اس کی اچھی یا بری دعا کے عوض فوراً رفع کر دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ ① (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو بے قرار کی (فریاد) سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔

اس آیت میں خطاب مسیح پرستوں، مریم پرستوں اور ہر قسم کے روح پرستوں اور پیر پرستوں سے ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ ہمیشہ بندہ کے حسب مرضی فریاد قبول ہی کر لیتا ہے اور ہمیشہ مصیبت کو دور ہی کر دیتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کبھی فریاد سنی جاتی اور دعا قبول ہوتی ہے تو یہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ کسی اور کی طرف سے نہیں ہوتی۔ لہٰذا بتوں، قبروں اور مُردوں سے کی جانے والی دعاؤں کے بعد اگر کوئی حاجت پوری ہوتی ہے تو اللہ کی جانب سے ہوتی ہے۔ اس میں ذرہ بھر بھی غیر اللہ کا دخل نہیں ہوتا۔

ب: دنیا و آخرت کا خسارہ:

اگر کسی قبر پرست یا روح پرست کی کسی ولی اور بزرگ کے مزار و آستانہ کے قریب کی جانے والی نداء و پکار سے کوئی حاجت پوری ہو جاتی ہے تو یہ مُردوں سے امداد طلبی کے جواز کی دلیل نہیں ہو جاتی بلکہ الٹا اس قبیح عمل کے نتیجہ میں وہ عذاب دائمی اور قہر الٰہی کا موجب ہوگا۔

اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے توبہ و انابت کی توفیق میسر نہ ہو سکی تو یہی مدد اور حاجت کشائی اس کے لیے ہلاکت کا موجب بن جائے گی جو بالآخر اسے ذلت آمیز، المناک اور دائمی جہنمی عذاب کی طرف دھکیل دے گی، کیونکہ ناجائز اور حرام دعاؤں سے بھی مقاصد تو دستیاب ہو جاتے ہیں مگر بعد میں یہی حاصل شدہ مقاصد و حاجات دعا کرنے والوں کی تباہی کے سبب بن جاتے ہیں۔

جیسا کہ بعض تاریخی روایات میں آیا ہے کہ بلعام بن باعوراء نے بنی اسرائیل کے خلاف جو بددعا کی تھی وہ قبول تو ضرور ہوگئی مگر اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی ایمان کی دولت سلب کر لی اور اسے کتے کی مثل بنا دیا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم قد استجیب لبلعام بن باعوراء فی قوم موسی المؤمنین وسلبه الله الایمان. ② موسیٰ علیہ السلام کی ایماندار قوم کے خلاف بلعام بن باعوراء کی بددعا تو قبول ہوگئی مگر اللہ نے اس سے ایمان سلب کر لیا۔

ان کے علاوہ اور بہت سے لوگوں نے ناجائز اور غیر مشروع دعائیں خود کی یا کروائی ہیں جن سے ان کے دنیوی

---

① سورة النمل: ۶۲
② اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۴۵



مطالب ومقاصد تو مہیا کر دیئے گئے مگر وہ خود ان غلط دعاؤں سے حاصل شدہ حاجات کے گرداب میں پھنس کر رہ گئے۔ لہٰذا اگر قبر پرستوں یا غیر اللہ کے پجاریوں کی حاجات پوری ہو جاتی ہیں تو یہ ان کی اخروی ہلاکت کا ذریعہ ضرور بن جاتی ہیں کہ انہیں توحید کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہیں ملتی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے شرک کے مبلغ، علمبردار اور عامل بن کر رہ جاتے ہیں جو ان کی آخرت کی بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔

ج: فتنہ:

بعض اوقات لوگ اللہ تعالیٰ سے ایسے سوال کر بیٹھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہوتے۔ خاص طور پر وہ سوالات جن میں اللہ تعالیٰ پر جرأت کا اظہار ہو یا شرعی حدود و قیود سے تجاوز کا ارتکاب۔ ایسے سوالات کے باوجود بھی کبھی اللہ تعالیٰ سائلین کی حاجات پوری کر دیتا ہے مگر لوگوں کے حق میں ان حاجات کا پورا ہو جانا بہتر نہیں ہوتا بلکہ فتنہ و آزمائش کا سبب بن جاتا ہے۔ مثلاً ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دنیا کی لذات اور اس کی نعمتوں اور آسائشوں کا سوال کرتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ پس جو لوگ ایسا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کبھی ان کے سوال کے مطابق مطلوب تو عطا کر دیتا ہے مگر یہی مطلوب ان کیلئے آخرت کی بدنصیبی اور تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ①

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے پروردگار ہمارے! ہمیں دنیا ہی میں دیدے اور ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

عن ابن عباس قال: كان قوم من الاعراب يجيئون الى الموقف فيقولون اللهم اجعله عام غيث وعام خصب وعام ولادحسن لايذكرون من أمر الاخرة شيئاً فانزل الله فيهم فمن الناس من يقول ربنا آتنا فى الدنيا وماله فى الآخرة من خلاق②

سیدنا ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اعرابی لوگ عرفات کے میدان میں آ کر یوں دعا کرتے، اے اللہ! اس سال کو بارش، سرسبزی اور خوبصورت اولاد کا سال بنا دے۔ آخرت کے معاملہ میں کسی بات کا ذکر نہ کرتے تھے۔ ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں (سب کچھ) دیدے اور ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

---

① سورہ: البقرۃ: ۲۰۰
② تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۲

مذکورہ بالا دعا سے ملتی جلتی دعا کفار و مشرکین بھی کیا کرتے تھے، قرآن کریم نے ان کی دعا کو نقل فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ①

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہمارا حصہ روزِ حساب سے پہلے ہی دیدے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا انكار من الله تعالىٰ على المشركين في دعائهم على انفسهم بتعجيل العذاب فان القط هو الكتاب وقيل هو الحظ والنصيب ②

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکوں کی مذمت بیان کی گئی ہے جو اپنے لیے جلدی عذاب آ جانے کی دعا کرتے تھے، (آیت میں وارد لفظ) قِطَّ کتاب کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور حصہ ونصیب کے معنی میں بھی۔

یعنی لفظ قِطّ کتاب اور حصہ ونصیب دونوں معانی میں مشترک طور پر استعمال ہوتا ہے۔ آیتِ مذکورہ میں ان دونوں معانی کو مراد لیا جاسکتا ہے کہ اے ہمارے رب ہماری کتاب اور اعمال نامہ یا لکھا ہوا مقدر ہمیں روز جزا وسزا سے قبل ہی دیدے یا ہمارے حصہ کی روزی، رزق اور دنیاوی آسائش ولذت ابھی ہی عطا کردے۔ ظاہر ہے کہ اگر انہیں سب کچھ دنیا میں فراہم ہوجاتا ہے تو آخرت کی بدنصیبی اور محرومی ان کیلئے لازم ہوجاتی ہے۔

جو قوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کا شکار ہوتی ہے اگر وہ اس آزمائش میں کامیاب نہیں ہو پاتی تو تباہی و بربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یوم السبت (ہفتہ کے دن) میں مچھلیوں کے شکار سے منع فرمادیا تھا، پھر ان کی آزمائش کا دور شروع ہوگیا، جس کی تفصیل کتب تفسیر میں موجود ہے، کہ مچھلیاں ہفتہ کے دن کے علاوہ باقی دنوں میں پانی کی انتہائی گہرائیوں میں غائب رہتیں مگر ہفتہ کے روز پانی کی بالائی سطح پر نمودار ہوجاتیں جس سے وہ سخت پریشانی کا شکار ہوگئے کہ ہفتہ کے روز مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضگی اور غضب کا نشانہ بنتے ہیں اور اگر اس روز حکمِ ربانی کی اطاعت کرتے ہوئے مچھلیوں کا شکار نہیں کرتے تو باقی دنوں میں مچھلیاں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے بھوک اور افلاس کی نذر ہوتے ہیں۔ اس پریشان کن صورتحال سے نبرد آزما ہونے کیلئے انہوں نے ایک حیلہ سوچا تاکہ رزق کا حصول بھی ممکن ہوسکے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا بھی اندیشہ نہ رہے۔ تب انہوں نے دریا کے کنارے کنارے بڑے بڑے تالاب بنا دیئے جن کو لمبی لمبی نالیوں کے ذریعے دریا سے جوڑ دیا۔ اب ہفتہ کے دن میں وہ ان نالیوں کے ذریعے پانی کی سطح پر تیرنے والی مچھلیوں کو بڑے تالابوں میں جمع کردیتے تھے، اور (ہفتہ) کے علاوہ باقی ایام میں ان کا شکار کرتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مکر وحیلہ کی پاداش میں

① سورة: ص: ١٦
② تفسير ابن كثير ج ٤ ص ٢٩

عبرتناک عذاب میں مبتلا کردیا۔ان کی شکل وصورت مسخ کردی، اور انہیں بندروں اور خنزیروں کی شکل دے کر نیست ونابود فرما دیا۔ یہ تو دنیا کا عذاب تھا جس سے وہ دوچار ہوئے اور آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں زیادہ ہے اور نہ ختم ہونے والا۔

اندازہ کیجئے اللہ تعالیٰ کی آزمائش کا کہ اس نے بنی اسرائیل کو جس دن میں مچھلیوں کے شکار سے باز رہنے کا حکم دیا تھا، مچھلیاں بھی اسی دن دریا کے کناروں اور پانی کے بالائی حصہ پر اس طرح جمع ہو کر نمودار ہو جاتی تھیں کہ ان کا شکار انتہائی آسان نظر آتا تھا، مگر اجازت کے دنوں میں وہ بالکل غائب ہو جاتی تھیں۔گویا کہ دریا مچھلیوں کے وجود سے ہی محروم ہے! درحقیقت یہ سارا عمل بنی اسرائیل کی آزمائش کیلئے تیار کیا گیا تھا جو بالآخر ان کی دنیا وآخرت کے اُجاڑ کا سبب بن گیا۔

قرآن مجید میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمان الٰہی ہے:

وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ①

اور آپ ان سے اس بستی (والوں) کی بابت دریافت کیجئے جو سمندر کے کنارہ پر تھی جبکہ وہ لوگ سبت کے بارہ میں (احکام سے) تجاوز کر رہے تھے (اور) جب کہ ان کے ہفتے کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہوتی تھیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ہم نے ان کی آزمائش اس طرح سے کی، اس لیے کہ وہ نافرمانی کر رہے تھے۔

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں:

ای نختبرھم باظھار السمک لھم علی ظھر الماء فی الیوم المحرم علیھم واخفائھا عنھم فی الیوم الحلال لھم صیدہ، ②

یعنی: ہم جس روز ان کے لیے شکار کی ممانعت تھی مچھلیوں کو ان پر ظاہر کر کے اور جس دن ان کے لیے شکار حلال تھا مچھلیوں کو ان سے غائب کر کے ان کی آزمائش کرنا چاہتے تھے۔

۵: آخرت سے حرمان:

جادوگری، طلسم بازی اور فریب نظری کے جو بھی اثرات ہوتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوتے ہیں، ان افعال سے جادوگروں، شعبدہ بازوں اور منتر پڑھنے والوں کے بہت سے دنیوی اغراض ومقاصد پورے ہو جاتے ہیں۔مگر باین ہمہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناجائز اور حرام ہیں۔ان کا شمار کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے۔ان کاموں سے جو کچھ بھی حاصل ہوتا

① سورۃ الاعراف: ۱۶۳ ② تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۷، واللفظ لہ/ . تفسیر الطبری ج ۹ ص ۶۳

ہے اس کا تعلق ان لوگوں کی دنیا سے ہے، رہی آخرت تو وہ اس میں ناکام ونامراد رہتے ہیں، جس کا اعتراف خود یہ لوگ بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابوالمعالی آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ثم سبب قضاء حاجة بعض هولاء الداعين الا دعية المحرمة ان الرجل منهم قد يكون مضطراً ضرورة لو دعا الله بها عند وثن لاستجيب لصدق توجهه الى الله تعالىٰ وان كان تحرى الدعاء عند الوثن شركا، ولو كان قد استجيب له على يدالمتوسل به صاحب القبر اوغيره لاستغاثته، فانه يعاقب على ذلك ويهوى به في النار اذا لم يعف الله عنه كما لوطلب من الله مايكون فتنة كما ان ثعلبة لماسأل النبي صلى الله عليه وسلم ان يدعوله بكثرة المال ونهاه النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك مرة بعد مرة فلم ينته حتى دعاله كان ذلك سبب شقائه في الدنيا والآخرة فكم من عبددعا دعاء غير مباح فقضيت حاجته في ذلك الدعاء وكان سبب هلاكه في الدنيا والآخرة، تارة بان يسأله مالايصلح له مسألتهٗ كما فعل بلعام بن باعوراء وثعلبة وخلق كثير، دعوا بأشياء فحصلت لهم وكان فيها هلاكهم وتارة بأن يسأل على الوجه الذى لايحبه الله، كما قال سبحانه وتعالىٰ "ادعوا ربكم تضرعاً وخفية انه لايحب المعتدين فهو سبحانه وتعالىٰ لايحب المعتدين في صفة الدعاء

پھر حرام دعاؤں کے ذریعے حاجات طلب کرنے والوں کی بعض حاجتوں کے پورا ہوجانے کا سبب یہ بھی ہے کہ بعض اوقات دعا کرنے والا شخص بے حد مجبور ولاچار ہوتا ہے۔ اس قدر کہ اگر وہ بت کے پاس بیٹھ کر بھی ایسی دعا کرے تو اس کی دعا قبول کرلیجاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ پورے انہاک سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اگرچہ بت کے پاس بیٹھ کر دعا کرنا شرک ہے۔ ظاہری طور پر اس کی دعا قبر والے یا کسی دوسرے وسیلہ کے سبب قبول ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنی حاجت برآری کیلئے اسی وسیلہ کو پکارا ہے مگر اسے ایسا کرنے پر سزا دی جائے گی اور اگر اللہ نے توبہ کی توفیق نہ دی تو اپنے اس عمل کے ذریعے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ کبھی سائل اللہ سے ایسی مراد مانگتا ہے جسے اللہ تعالیٰ پورا کرکے اُسے آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے جیسا کہ ثعلبہ نے نبی ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ اس کیلئے دولت مندی اور بے پناہ ثروت کی دعا کریں، آپ ﷺ نے اسے بارہا ایسی دعا کرانے سے روکا مگر وہ باز نہ آیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا کردی جو بالآخر اس کی دنیا وآخرت کی بدبختی کا سبب بن گئی۔ کتنے ہی ایسے انسان ہیں جو ناجائز دعائیں کرتے ہیں جن سے وہ مراد تو پالیتے ہیں مگر ان کی یہی (بامرادی) ان کی دنیا وآخرت کی بربادی کا باعث بن جاتی

ولا فی السوال ولکن حاجتهم قد تقضیٰ کاقوام ناجوا الله تعالیٰ بمناجاة بها جرأة علی الله واعتداءً لحدوده، واعطوا طلبتهم فتنة ولما یشاء الله سبحانه وتعالیٰ، بل اشد من ذلک الست تری السحر والطلسمات والعین، وغیر ذلک من المؤثرات فی العالم باذن الله، قد تقضی بها کثیر من اغراض النفوس ومع ذلک فقد قال سبحانه وتعالیٰ ﴿ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهُ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ فانهم معترفون بانه لاینفع فی الآخرة وان صاحبه خاسر فی الآخرة وانما یتشبثون بمنفعة فی الدنیا غیر①

ہے کہ انہوں نے ایسی چیز طلب کر لی ہوتی ہے جو ان کیلئے قطعاً نامناسب تھی، جس طرح کہ بلعام بن باعوراء اور ثعلبہ جیسے بہت سے لوگوں نے حاجات طلب کیں، جو پوری کر دی گئیں۔ مگر ان حاجات کے پورا ہوتے ہی وہ ہلاکت کا شکار ہو گئے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ سے ایسے سوال کیئے جاتے ہیں جو اسے پسند نہیں ہوتے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''تم اپنے رب سے دعا کرو عاجزی کی ساتھ اور چپکے چپکے، بیشک وہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' پس اللہ تعالیٰ دعا وسوال کے حدود وآداب سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا لیکن اس کے باوجود بھی کبھی ایسے لوگوں کی حاجات پوری کر دیتا ہے جس طرح کہ بعض لوگ اللہ سے ایسی دعا کرتے ہیں جس میں اللہ پر جرأت اور آدابِ دعا سے تجاوز کا اظہار ہوتا ہے ان کی مراد کو بھی اللہ تعالیٰ آزمائش کیلئے یا اپنی کسی مشیت کے تحت پورا کر دیتا ہے۔ بلکہ وہ آزمائش سے بھی کہیں زیادہ سخت مہلک مصلحت کے تحت ان کی حاجات برآری فرماتا ہے۔ کیا آپ جادوگروں، شعبدہ بازوں اور نظر بندوں کو نہیں دیکھتے جن کے عمل میں تاثیر اللہ کے حکم سے ہوتی ہے۔ ان کی دلی اغراض پوری ہو جاتی ہیں جبکہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ یقیناً جانتے ہیں کہ جس نے بھی اسے (جادو) کو خریدا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ یقیناً انہوں نے اپنے لیے بہت بری چیز کا سودا کیا ہے۔ کاش وہ جانتے، ان جادوگروں کو بخوبی علم ہے کہ یہ عمل آخرت

---

① اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۴۸- ۳۴۹ ...../ غایة الامانی ج ۲ ص ۲۸۰- ۲۸۱، واللفظ له.



میں کوئی فائدہ نہیں دے گا اور ایسا عمل کرنے والا شخص
آخرت میں برباد ہوگا۔ بس وہ اس کے دنیوی مقاصد سے
ہی چمٹے ہوئے ہیں اور کچھ نہیں!

اللہ تعالیٰ کبھی بت پرستوں کی حرام و ناجائز دعاؤں سے ان کی حاجات کو پورا کر دیتا ہے، جس سے بت پرست اس خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بت پرستی کے عمل سے (معاذ اللہ) راضی ہے۔ اور وہ خود ان سے بھی محبت کرتا ہے۔ جبھی تو اس نے ہماری حاجات کو پورا کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ شیطان کے ہتھکنڈوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ شیطان اور اس کی ذریت اولادِ آدم کو توحید سے ہٹانے اور شرک کا خوگر بنانے کیلئے بتوں کے اندر داخل ہو کر کلام کرتی ہیں اور بت پرستوں کو بعض مخفی اور پوشیدہ امور کے متعلق خبریں دیتے ہیں اور بعض اوقات شیاطین بت پرست لوگوں کی مرادوں کو بھی پورا کر دیتے ہیں، چونکہ بت پرست اپنی حاجت برآری کیلئے بتوں کو پکار رہے ہوتے ہیں، اس لیے مطلوبہ حاجات کے حل ہو جانے کے بعد ان کو پختہ یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ بتوں نے کیا ہے۔ یا یہ کہ بتوں کو ہماری حاجات اور مرادوں کے پورا کرنے میں کچھ نہ کچھ دخل ضرور حاصل ہے۔ حالانکہ بت کے پجاریوں کو اس حقیقت کا بخوبی علم وادراک ہے کہ بت دیکھنے اور سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اس کے باوجود وہ بتوں کو اپنی مرادیں پوری کرنے والا سمجھتے ہیں۔ حیرت ہے کہ جو دعا سن نہیں سکتا اور دعا کرنے والے کی حالت کا مشاہدہ بھی نہیں کر سکتا وہ دعا کی قبولیت میں سبب کیسے بن سکتا ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ بتوں کے سامنے یا قبروں پر پیش کی جانے والی حاجات کو پورا تو اللہ تعالیٰ کرتا ہے، تاہم ان حاجات کے پورا ہونے میں بتوں اور قبروں کو سبب ہونے کا درجہ حاصل ہے، اس لیے ہم ان کو پکارتے ہیں تاکہ ان کے توسل سے ہماری مرادیں مکمل ہو جائیں۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ بات عین حق اور صواب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شیء پر قدرت رکھتا ہے، وہ تو سب کچھ کر سکتا ہے، سبب کے ساتھ بھی اور بغیر سبب کے بھی۔ تاہم یہ ایک کھلا شرعی دستور ہے کہ اگر کسی چیز کے حصول کے لیے استعمال کیا جانے والا سبب حرام ہو تو اس کے نتیجہ سے برآمد ہونے والی شیء بھی حرام ہوتی ہے۔ جیسا کہ زہر خوری کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے امراض کا معاملہ ہے۔ ان امراض کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے، ان کے لیے سبب زہر کا استعمال بنتا ہے۔ کیا کوئی صحیح الدماغ شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی زہر کو ان امراض کے پیدا ہونے کا سبب بنایا ہے لہٰذا زہر کا پینا اور کھانا جائز و مشروع ہے۔ پھر اسی کو دلیل بنا کر وہ زہر کھانا شروع کر دے؟

جس طرح زہر سبب ہونے کے باوجود ہر عقل سلیم کے نزدیک ناقابل استعمال اور مہلک شیء ہے، بعینہٖ اسی طرح بت اور



قبر وغیرہ بھی سبب ہونے کے باوجود شریعت اور فطرت سلیمہ کے نزدیک ایک حرام اور تباہ کن سبب ہے جس سے اجتناب کرنا زہر کے اجتناب سے بھی زیادہ ضروری ہے۔اس لیے کہ زہر سے تو صرف دنیا کا خسارہ ہوتا ہے جبکہ بت پرستی اور قبر پرستی کے سبب سے دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ لازم ہو جاتا ہے، پھر آخرت میں تو اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کی ابدالآباد المناک سزاؤں کا موجب!

خلاصہ کلام:

حرام اور ممنوع دعاؤں کی متعدد صورتیں ہوتی ہیں۔کبھی یہ دعا براہ راست غیر اللہ سے ہوتی ہے۔اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی شیء کو کارخانہ حیات میں متصرف تسلیم کرتے ہوئے یا اسے مالک کائنات کی جناب میں صاحب اثر ورسوخ سفارشی اور کارساز جانتے ہوئے اس سے دعا کی جاتی ہے۔جیسا کہ نصاری بی بی مریم علیہا السلام کو یا والدۃ الالٰہ کہہ کر پکارتے ہیں۔اور کبھی دعا کرنے والے کی دعا اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔مگر وہ اپنی دعا کی قبولیت کیلئے ایسی چیزوں کو بطور وسیلہ پیش کرتا ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہوتیں اور نہ ہی وہ ان سے راضی ہوتا ہے۔لیکن داعی کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور ان کے طفیل میری حاجات کو پورا کر دے گا۔جیسا کہ بت پرست لوگ اپنے بتوں کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کو پکار کر اُس سے مانگتے ہیں۔اور بعض اوقات دعا کرنے والا شخص دعا تو اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہے مگر اپنی دعا میں ایسے کلمات استعمال کرتا ہے جن میں دعا کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی بلکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی برتر و بالا ذات پر جرأت کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دعا کے آداب وحدود سے بھی تجاوز کو اختیار کیا گیا ہوتا ہے۔ان مذکورہ صورتوں سے ممنوعہ اور محرمہ دعاؤں کا احاطہ مقصود نہیں ہے۔بطور مثال چند ایک کا ذکر کیا ہے۔ان کے علاوہ بھی ناجائز دعاؤں کی کئی ایک شکلیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق نے رائج کر رکھی ہیں۔یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ان متذکرہ بالا دعاؤں کے حرام اور ناجائز ہونے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ دعا کرنے والوں کی بعض حاجات کو بھی پورا کر دیتا ہے جو اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ان دعاؤں کے فوائد بہت تھوڑے بلکہ کالعدم ہوتے ہیں، جبکہ نقصانات اور دنیوی واخروی وبالات کا احاطہ کرنا ہی مشکل امر ہے۔

برادرانِ اسلام!

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اسلام میں فوائد اور منافع کا دارومدار قطعاً مادی وسائل یا غیر مادی اسباب پر نہیں ہوتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ فوائد و منافع کے اسباب کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر فائدہ کا سبب شرعاً جائز اور مباح ہے تو وہ حاصل ہونے والا فائدہ بھی جائز و مشروع ہوگا اور اگر فائدہ و منفعت جس سبب سے حاصل ہوا ہے وہ خود ہی شریعت مطہرہ کے نزدیک حرام ہے تو بلا شک و تردد وہ فائدہ اور منافع بھی حرام ہوگا۔لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے فوائد و منافع کے حصول کیلئے جائز اسباب کو

تلاش کریں اور ان جملہ اسباب سے دور رہیں جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ خواہ ان کے استعمال سے فوائد حاصل بھی ہو جائیں۔ اس لیے کہ حرام سبب کا فائدہ کم اور نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے اور عقلمند شخص کبھی ایسی چیز کو اختیار نہیں کر سکتا جس کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو۔ نیز مسلمانوں کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک امر تکوینی ہوتا ہے اور ایک امر تشریعی۔ ان دونوں کے مابین فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔ مثلاً جملہ مضرت رساں اشیاء کی تخلیق و پیدائش اس کے امر تکوینی کے تحت ہوئی ہے۔ کفر، شرک، نفاق، زہریلے جانور اور موذی اشیاء وغیرہ کو اس نے اپنے امر تکوینی کے تحت تخلیق فرمایا ہے، جبکہ ان جملہ جسمانی و روحانی ایذاء رساں اشیاء سے پرہیز و اجتناب کا حکم اس کے امر تشریعی سے تعلق رکھتا ہے۔ مسلمان کو ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کے امر تشریعی کی طرف دھیان دینا چاہیے اور اسے ہی اپنی زندگی کا دستور العمل بنا لینا چاہیے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوالمعالی آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وقد يجرى لعباد الاصنام احياناً من هذا الجنس المحرم مايظنون انه محبة من الله بما تفعله الشياطين لاعوانهم فاذا كان الاثر قد يحصل عقب دعاء من يتيقن انه لم يسمع الدعاء فكيف يتوهم انه هوالذى تسبب فى ذلك او ان له فيه فعلا، واذا قيل أن الله يفعله بذلك السبب فإذا كان السبب محرماً لم يجز كا الامراض التى يحدثها الله عقب أكل السموم، وقد يكون الدعاء المحرم فى نفسه دعاءً لغير الله، وأن يدعو الله مستشفعاً بغيره اليه كما تقول النصارى، يا والدة الاله. وقديكون دعاءً لله لكنه توسل اليه بمالا يحب ان يتوسل به اليه كما يفعل المشركون يتوسلون الى الله بأوثانهم، وقديكون دعاء الله بكلمات لاتصلح ان يناجىٰ به الله اويدعى بها لمافى ذلك من الاعتداء فهذه

بعض اوقات بت پرستوں کی حاجات ان ناجائز طریقہ ہائے دعا سے پوری ہو جاتی ہیں جسے یہ اپنے ساتھ اللہ کی محبت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ شیطانوں کی کارستانی ہوتی ہے۔ جسے وہ اپنے مددگاروں کیلئے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ یہ حاجت برآری ان دعاؤں کا نتیجہ نظر آتی ہے جسے بت پرست لوگ اپنے اپنے بتوں کے سامنے کرتے ہیں (اس لیے وہ اس بدعقیدگی کا شکار ہوتے ہیں) حالانکہ دعا کرنے والے کو اس بات کا پختہ یقین ہے کہ بت دعا سن ہی نہیں سکتے، جب معاملہ اسی طرح ہے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ بت حاجت برآری میں سبب کی حیثیت رکھتے ہوں یا انہیں کسی قسم کا دخل حاصل ہو؟ اگر یہ کہا جائے کہ حاجت کو پورا تو اللہ تعالیٰ کرتا ہے مگر وہ کرتا اسی سبب سے ہے، (تو ہم کہیں گے کہ) چونکہ سبب ہی حرام ہے تو دعا کیوں کر جائز ہو سکتی ہے؟ جس طرح زہر خوردنی کے سبب اللہ تعالیٰ امراض پیدا کر دیتا ہے (اسی طرح حرام دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ حاجات بھی پوری کر دیتا ہے



الادعية ونحوها وان كان قديحصل لصاحبها احياناً غرضه، لكنها محرّمة لمافيها من الفساد الذى يربو على منفعتها كما تقدم، ولهذا كانت هذه فتنة فى حق من لم يهده الله وينور قلبه، فيفرق بين امر التكوين وامر التشريع ويفرق بين امر القدر وأمر الشرع ويعلم ان الاقسام ثلاثة، امور قدرها الله وهو لا يحبها ولايرضاها فان الأسباب المحصلة لهذه تكون محرمة موجبة لعقابه وأمور شرعها فهو يحبها من العبد ويرضاها، ولكن لم يعنه على حصولها فهذه محمودة عنده مرضية وان لم توجد والقسم الثالث ان يعين الله على مايحبه منه. ①

جو اپنے سبب ہی کی طرح حرام ہوتی ہیں) اور کبھی حرام دعا غیر اللہ کیلئے ہوتی ہے کہ دعا کرنے والا اپنی حاجت برآری کیلئے غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں سفارشی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ جیسے نصاری ''اے معبود کی والدہ'' کہہ کر دعا کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات دعا تو اللہ سے کی جاتی ہے مگر وسیلہ ایسی چیز کو بنا لیا جاتا ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہوتا، جیسے مشرک لوگ اللہ کے سامنے اپنے بتوں کو وسیلہ بنا لیتے ہیں۔ اور کبھی ممنوعہ دعا ایسے کلمات سے کی جاتی ہے جن کے ذریعے اللہ سے دعا کرنا ہی مناسب نہیں ہوتا کہ یہ کلمات حدود دعا اور آداب التجا کے بالکل منافی ہوتے ہیں۔ اس طرح کی ناجائز اور حرام دعاؤں سے اگرچہ بعض اوقات حاجات تو پوری ہوجاتی ہیں مگر ان کی حرمت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ ان سے فائدہ بہت کم ملتا ہے۔ مگر نقصان اور بربادی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی دعائیں ان لوگوں کی آزمائش کا سبب بن جاتی ہیں جن کا دل نور ہدایت سے محروم ہوتا ہے۔ پس وہ امر تکوینی اور امر تشریعی کے مابین امتیاز نہیں کر سکتے اور نہ ہی انہیں تقدیری معاملات کو تشریعی امور سے ممتاز کرنے کی صلاحیت حاصل ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ امور کی تین قسمیں ہیں۔ کچھ امور تو ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی رضا اور محبت ان کے ساتھ شامل نہیں ہوتی، ان امور کو وجود میں لانے والے اسباب حرام ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاحق ہونے

---

① اقتضاء الصراط المستقيم ص ۳۵۴۔ ۳۵۵، واللفظ له/ "غاية الامانى ج۲ ص ۲۷۵، ۲۷۶



والے عذاب کا باعث، اور بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن کا
اللہ نے حکم دیا ہوتا ہے اور بندہ سے ان کے صدور کو وہ پسند کرتا
ہے۔لیکن وہ ان کے حصول میں بندہ کی مدد نہیں کرتا، اس
کے باوجود یہ امور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب
ہوتے ہیں۔خواہ ان کا صدور نہ بھی ہو سکے۔اور تیسری قسم
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ امور کے صدور وظہور میں
اپنے بندہ کی مدد فرماوے۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ مفہوم بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ جس شخص کی دعا اللہ تعالیٰ کی جناب میں قبول ہوگئی ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کی مطلوبہ حاجت بھی پوری ہوگئی ہے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے شخص سے راضی ہے یا اسے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کا اعزاز نصیب ہوگیا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی ایسی دعا کو پسند بھی کرتا ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو دعا کرنے والے ہر شخص کی دعا کو قبول کرے۔خواہ دعا کرنے والا نیکوکار ہو یا بدکار، ایماندار ہو یا بے ایمان، بندہ غرض پرست ہو یا وفاشعار واطاعت گزار، صراط مستقیم کا راہی ہو یا شیطان کا مددگار! کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے پوچھنے کی ہمت رکھے؟ دعا کی قبولیت میں نیک اور صالح کی شرط نہیں ہے۔تاہم اتنا ضرور ہے کہ صالح انسان کی دعا کی قبولیت موجب رحمت ہوتی ہے۔جبکہ بے ایمان و بدکردار شخص کی دعا فتنہ وآزمائش کا باعث۔قرآن کریم میں نافرمان لوگوں کیلئے خیر و برکات کے دروازے کھول دیئے جانے کا ذکر موجود ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ①

پھر جب اس چیز کو جس کی انہیں نصیحت کی جاتی تھی وہ جھٹلاتے رہے تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اس پر جو انہیں ملا تھا اترانے لگے تو ہم نے ان کو دفعتہً پکڑ لیا اور وہ دھک سے رہ گئے۔

سرکش اور نافرمان لوگوں کو ان کی بے راہ روی اور تکذیب کے باوجود جب تمام تر ناز ونعمتوں سے ہمکنار کر دیا جاتا ہے تو وہ اپنی اس جھوٹی خوشحالی اور کامیابی پر بے حد اتراتے ہیں، وہ اس خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا طرز عمل، انداز حیات اور طریقہ عبادت بڑا پسند ہے جس کے صلہ میں اس نے ہمیں دنیوی راحتوں سے مالا مال کر دیا ہے۔حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ اپنی کتاب التوسل والوسیلہ میں اس موضوع پر نہایت ہی ولپذیر علمی کلام فرماتے ہیں،

① سورۃ الأنعام:۴۴



جس میں اہل بصیرت کے لیے بڑے نکات موجود ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

وليس مجرد كون الدعاء حصل به المقصود يدل على انه سائغ في الشريعة، فإن كثيرا من الناس يدعون من دون الله من الكواكب والمخلوقين ويحصل مايحصل من غرضه وبعض الناس يقصد الدعاء عند الاوثان والكنائس وغير ذلك، ويدعو التماثيل التي في الكنائس ويحصل مايحصل من غرضه وبعض الناس يدعون بأدعية محرمة باتفاق المسلمين ويحصل مايحصل من غرضه فحصول الغرض ببعض هذه الامور لايستلزم اباحتهٔ وان كان الغرض مباحا فان ذلك الفعل قديكون فيه مفسدة راجحة على مصلحته والشريعة جاء ت بتحصيل المصالح وتكميلها وتعطيل المفاسد وتقليلها والافجميع المحرمات من الشرك والخمر والميسر والفواحش والظلم قد يحصل لصاحبه به منافع ومقاصد، لكن لما كانت مفاسدها راجحة على مصالحها نهى الله ورسوله عنها كما أن كثيرا من الامور كالعبادات والجهاد وانفاق المال قد تكون مضرة لكن لما كانت مصلحته راجحة على مفسدتهاأمربه الشارع فهذا اصل يجب اعتباره ولايجوزان يكون الشيء واجبا اومستحبا الا بدليل شرعي يقتضي ايجابه او استحبابه، والعبادات لاتكون الا واجبة او

محض کسی دعا کے ذریعے مراد مل جانے سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ یہ دعا شریعت کی نظر میں بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ اکثر لوگ اللہ کے علاوہ ستاروں اور دوسری مخلوقات کو پکارتے ہیں، اس سے ان کی کچھ مرادیں پوری ہو جاتی ہیں اور کچھ لوگ دعا کیلئے بتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کلیساؤں کا رخ کر کے ان کے اندر رکھے ہوئے بتوں کو پکارتے ہیں جس سے ان کی بعض اغراض مہیا ہو جاتی ہیں اور بعض لوگ ایسی دعائیں کرتے ہیں جن کے عدم جواز اور حرمت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ بایں ہمہ ان کے کچھ مطالب پورے ہو جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا چند صورتوں کے اختیار کرنے سے حاجات کا پورا ہو جانا قطعاً ان کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا۔ خواہ حاصل شدہ غرض اور حاجت بذاتہ مباح ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ان جملہ اعمال وافعال کی خرابی کا پہلو زیادہ راجح ہوتا ہے۔ شریعت کا نزول خوبیوں کے حصول اور ان کی تکمیل کیلئے ہوا ہے۔ اور خرابیوں کے خاتمے یا ان میں تخفیف پیدا کرنے کیلئے ہی شریعت کا ورود ہوا ہے۔ دیکھا جائے تو شرک، شراب، جوا اور جملہ قسم کی بے حیائیوں کے ذریعے سے ان کے استعمال کرنے والے کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے مگر چونکہ ان کے نقصانات کا پلڑا فوائد کے پلڑے سے زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان سے منع کیا ہے۔ جس طرح کہ عبادات، جہاد اور مال خرچ کرنے سے قدرے نقصان بھی ہوتا ہے، مگر چونکہ ان امور کا فائدہ ان کیلئے نقصان



مستحبۃ فمالیس بواجب ولا مستحب فلیس بعبادۃ والدعاء للہ تعالیٰ عبادۃ ان کان المطلوب بہ امرا مباحا ①

کی نسبت سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے اللہ نے ان کا حکم دیا ہے۔ یہ ایک بنیادی اصول ہے اس کا خاص خیال رکھا جائے۔ کسی چیز کے واجب یا مستحب ہونے کیلئے ایسی شرعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے وجوب یا استحباب کا تقاضا کرتی ہو۔ جملہ قسم کی عبادات یا تو واجب ہوتی ہیں یا پھر مستحب اور جو کام نہ واجب ہو اور نہ مستحب تو وہ عبادت ہی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا عبادت ہے۔ بشرطیکہ مطلوب کام مباح ہو۔

دنیوی راحتیں بے ایمانی کی حالت میں مل رہی ہوں تو خیر نہیں ہوتیں بلکہ فتنہ و آزمائش کا جال ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ اچانک ایسا پکڑتا ہے کہ توبہ کی مہلت بھی نہیں مل سکتی۔

خلاصہ یہ کہ دعا کبھی عبادت ہوتی ہے، جس پر دعا کرنے والے کو اجر و ثواب ملتا ہے۔ اور کبھی دعا کی ضمن میں سوال ہوتا ہے جس کے قبول ہو جانے سے داعی کی وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے اگر یہ دعا ناجائز اور ممنوع طریقوں سے کی گئی ہے تو اس کے نتیجہ میں پوری ہو جانے والی حاجت داعی کیلئے وبالِ جان بن جاتی ہے۔ اس سے یا تو دنیا و آخرت کا عذاب چکھنا پڑ جاتا ہے یا پھر داعی کا آخرت میں درجہ گھٹا دیا جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں داعی کیلئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ اسی بات کو امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ پوری وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

فلیس کل من اجاب اللہ دعائہٗ یکون راضیا عنہ ولا محبالہ ولا راضیا بفعلہ فانہ یجیب من البر والفاجر، والمؤمن والکافر، وکثیر من الناس یدعو دعاء یعتدی فیہ اویشترط فی دعائہٖ اویکون مما لایجوز ان یسأل فیحصل لہ ذلک اوبعضہٗ فیظن ان عملہ صالح مرضی للہ، ویکون بمنزلۃ من أُملی لہ وامد بالمال والبنین وھو یظن ان اللہ تعالیٰ یسارع لہ فی الخیرات، وقد قال تعالیٰ: فلما نسوا ماذکروابہ

ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس انسان کی دعا قبول کرے وہ اس کے فعل سے بھی راضی ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو نیک و بدکار اور ایماندار و بے ایمان کافر کی بھی دعا قبول کر لیتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسی دعائیں کرتے ہیں جو حدودِ دعا سے متجاوز ہوتی ہیں یا ان میں شرط کو داخل کر دیتے ہیں یا ایسی چیز کا سوال کرتے ہیں جس کا طلب کرنا ہی حرام ہوتا ہے مگر اس کے باوجود دعا کرنے والے کی مراد یا اس کا کچھ حصہ اسے مل جاتا ہے جس سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرا عمل صالح ہے اور اللہ کے

① (التوسل والوسیلۃ ص ۹۱-۹۲)



فتحنا علیهم ابواب كل شيء، فالدعاء قد يكون عبادة فيثاب عليه الداعي، وقد يكون مسألة تقضي به حاجته ويكون مضرة عليه إما ان يعاقب بما يحصل له اوتنقص به درجته فيقضي ويعاقب على ماجرأ عليه من إضاعة حقوقه واعتداء حدوده ①

نزدیک پسندیدہ ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ اس انسان کی طرح ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ مہلت دیتا اور مال واولاد کی نعمتوں سے نوازتا ہے جس سے اس کا یہ خیال پختہ ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے خیر و برکات فوراً دے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''پس جب وہ اس چیز کو جس کی انہیں نصیحت کی جاتی تھی جھٹلاتے رہے تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے'' لہٰذا دعا کبھی عبادت ہوتی ہے جس کے صلہ میں دعا کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور کبھی دعا میں کسی چیز کی طلب ہوتی ہے جو پوری کردی جاتی ہے۔ لیکن اس کا پورا ہوجانا داعی کیلئے نقصاندہ ہوتا ہے کہ وہ مراد پالینے کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہوجاتا ہے یا اس کا درجہ کم کردیا جاتا ہے مراد پوری ہوجاتی ہے اور وہ سزا کا بھی مستحق ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے دعا کے حقوق وآداب کو برباد کرنے کی جرأت کی ہوئی ہے۔

وقتی فوائد کا حصول عبادتِ غیر اللہ کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا

عارضی فوائد ومنافع کا حصول لوگوں کی بہت بڑی تعداد کو شرک جیسی مہلک اور تباہ کن بیماری کا شکار بنا رہا ہے۔ قبر پرستی کو جائز قرار دینے والے لوگ برملا طور پر یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنی مشکلات ومصائب کے ازالہ کیلئے یا اپنی جھولیوں کو فوائد ومنافع سے بھرنے کیلئے جب بزرگوں، ولیوں اور اللہ کے نیک وصالح بندوں کو پکارتے ہیں یا ان کی قبروں کی خاک پاک کو بیماروں کی شفا کی غرض سے لیجاتے ہیں یا بیماروں کو ان کی قبروں کی زیارت کراتے ہیں یا ان کے آستانوں کے حضور نہایت عاجزی سے گڑ گڑا کر اولاد کی طلب کرتے ہیں اور بزعم خویش اولیاء اللہ کے بابرکت قدموں سے فیضیاب ہونے والے چشموں، تالابوں اور ندی ونالوں کا پانی تبرک اور شفا کی غرض سے پیتے اور اپنے بیماروں کو پلاتے ہیں اور اس سے مخصوص امراض کے ازالہ کیلئے غسل کرتے ہیں تو ہمارے یہ جملہ امور بیکار اور بے نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ ایسا کرنے سے ہمیں مطلوبہ منافع مل جاتے ہیں۔۔۔!

① اغاثة اللهفان ج ١ ص ٢٣٤ واللفظ له/ غاية الأماني ٢/ ٣٣٥

قبر پرستوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اپنی مشکلات کے ازالہ کیلئے جب بھی کسی ولی یا بزرگ کا نام لیکر مدد کیلئے پکارتے ہیں وہی ولی اور بزرگ بذات خود مدد کیلئے پہنچ جاتا ہے اور مدد کے طالب مصیبت زدہ انسان کی دستگیری کرتا ہے۔ان کا یہ بھی خیال ہے کہ ہم مدد کیلئے آنے والے ولی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے مزارات سے حاصل کی جانے والی خاک سے بیماروں کو شفا بھی میسر ہوتی ہے۔اولاد طلب کرنے والوں کو ان کی مراد مل جاتی ہے۔اسی طرح ولیوں اور بزرگوں کے تبرکات سے مالا مال چشموں، تالابوں اور کنوؤں کے پانی پینے اور اس سے غسل کرنے سے بہت سے امراض کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔لہٰذا یہ کہنا کہ غیر اللہ سے کوئی مدد حاصل نہیں ہوتی بالکل غلط بات ہے۔قبر پرست اپنے دعویٰ کی تائید میں یہی بات پیش کرتے ہیں کہ ہم نے جب بھی اپنی مرادوں کو آستانوں، مزاروں اور ولیوں کی تربتوں پر پیش کیا ہے تو ہماری مطلوبہ اغراض اور مرادیں ضرور مکمل ہوئی ہیں۔تو پھر ہم کیسے یہ مان لیں کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا بے کار اور بے نتیجہ عمل ہے؟

ولیوں اور بزرگوں کو غائبانہ حاجات میں پکارنے ان کی قبروں کی خاک کو چاٹنے، ان سے اولاد طلب کرنے اور ان سے منسوب چشموں کے پانی کو پینے اور غسل کرنے سے اگر فوائد حاصل ہوتے بھی ہیں تو یہ فوائد پہنچانے والی ذات کون سی ہے؟ اللہ یا غیر اللہ! اور یہ فوائد حاصل اس طرح ہو بھی جاتے ہیں تو اس کے اسباب کیا ہیں؟ تو یہ ایک مستقل بحث ہے جس کی کچھ تفصیل اسی مقدمہ میں پہلے بیان ہو چکی ہے۔مزید تفصیل فتنہ قبور کے باب میں بیان ہوگی۔(ان شاء اللہ)

یہاں صرف اس امر کی نشاندہی کرنا مقصود ہے کہ مان لیا کہ وقتی فوائد حاصل ہو جانے، مشکلات زائل ہو جانے اور مرادیں مل جانے سے غیر اللہ کی اہمیت قبر پرستوں کے ہاں 'مُسلم' ہو چکی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس طرح غیر اللہ سے مدد طلب کرنا، مشکلات کے ازالہ کیلئے ان کو پکارنا، ان کی قبور سے فیض و برکات کی امید وابستہ کرنا اور ان کے ناموں سے منسوب چشموں تالابوں سے شفا طلبی کرنا، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کی روشنی میں جائز بھی ہے یا نہیں؟

اس لیے مسلمانو!

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ کسی شیء سے فائدہ کا حصول ایک علیحدہ معاملہ ہے اور اس فائدہ کے حصول کا شرعی جواز یا عدم جواز یہ ایک علیحدہ امر ہے۔ضروری نہیں ہے کہ ہر فائدہ جائز بھی ہو۔دیکھا جائے تو دنیا میں بہت سے مفادات اور منافع ایسے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی نظر میں حرام اور ناجائز ہیں، اس کے بے شمار شواہد اور مثالیں موجود ہیں۔ہم قارئین کرام کے لیے بطور نمونہ چند مثالوں کو پیش کرتے ہیں کہ مثالوں سے گنجلک (پیچیدہ) امور کی بہتر توضیح اور تشریح ہو سکتی ہے۔

الف- چور اور راہزن گروہ یا افراد چوری اور ڈاکہ زنی کرتے ہیں تو انہیں اپنے اس عمل کے ذریعے کافی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔



وہ بلا کسی طویل محنت اور کسب کے لاکھوں کروڑوں روپے کے مالک بن جاتے ہیں اور لوٹے ہوئے مال واسباب سے عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں، رہنے سہنے کیلئے عالیشان محلات، سفر کیلئے پرتعیش گاڑیاں اور زندگی بسر کرنے کیلئے ہر قسم کی اعلیٰ سہولیات جمع کر لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ معمولی مفاد نہیں ہے لیکن کیا کوئی صاحب بصیرت اور عقل سلیم رکھنے والا شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ چونکہ چوری اور ڈاکہ زنی سے مفادات حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسا کرنا شرعاً، اخلاقاً اور قانوناً جائز ہے۔۔۔۔؟ نہیں۔ اور ہر گز نہیں!

ب- زانی: زنا کرتا ہے تو اس کو بھی وقتی طور پر فائدہ ملتا ہے کہ اپنی شہوت کی آبیاری کے بعد اسے یک گونہ تسکین مہیا ہو جاتی ہے۔ اور پھر کبھی اس کی حرام کاری کے نتیجہ میں کوئی بچہ بھی پیدا ہو جاتا ہے جسے حرامی کہا جاتا ہے، چونکہ قصور ان دو افراد کا ہوتا ہے جن کے ناجائز ملاپ سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے اس لیے ایسے بچے کو قتل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اگر یہی بچہ بڑا ہو کر اللہ کی مشیت سے معاشرہ کی اصلاح و بہبود کیلئے کارگر ثابت ہو جائے اور لوگوں کے دینی و دنیوی امور میں رشد و ہدایت اور تعمیر و اصلاح کے فرائض سرانجام دینے لگے تو ظاہر ہے کہ اس سے امت کو بہت بڑا مفاد حاصل ہوگا۔ اب دیکھیے کہ زنا کے عمل سے زانی کو تسکینِ شہوت نصیب ہوئی اور اس کے نتیجہ میں تولد پانے والے بچے سے بھی معاشرہ کو مفادات مل گئے مگر اس سب کچھ کے باوجود کوئی غیرت مند اور اللہ کا خوف رکھنے والا شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ زنا چونکہ فوائد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا یہ جائز ہے؟ مسلمان تو دور کی بات ہے کوئی غیر مسلم بھی ایسا کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا، اب دیکھیے کہ زنا کے عمل سے انفرادی اور بعض اوقات اجتماعی و معاشرتی مفادات حاصل ہوتے ہیں لیکن عملِ زنا کی شریعت، قانون اور اخلاقِ آدمیت کی نظر میں ذرہ بھر بھی وقعت نہیں ہے بلکہ سب کے نزدیک یہ حرام ناجائز اور مبغوض ترین عمل ہے۔

ج- اس سلسلے میں سامری کا عجیب وغریب واقعہ بھی پڑھ لیجئے جب فرعون اپنے لاؤلشکر سمیت مصر سے جناب موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کے تعاقب کیلئے بحیرہ قلزم کی طرف روانہ ہوا جب دونوں لشکر بحیرہ قلزم کے ساحل پر ایک دوسرے کے قریب ہو گئے تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو ہلاک و برباد کرنا تھا اور اپنے پیارے نبی موسیٰ علیہ السلام اور اس کی مظلوم و محکوم قوم بنو اسرائیل کو نجات سے سرفراز فرمانا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی (عصا) کو سمندر پر مارو، سمندر آپ کیلئے اور آپ کی قوم کے لیے صحیح وسلامت گذر جانے کا راستہ فراہم کر دے گا۔ چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جب اپنی لاٹھی سمندر کی سطح پر ماری تو سمندر نے اللہ کے حکم سے سیدنا



موسیٰ علیہ السلام اور انکی قوم کے لیے گذرگاہ فراہم کردی۔ دائیں بائیں پانی ہٹ گیا، درمیاں میں خشک اور کشادہ راستہ نمودار ہوگیا جس پر چلتے ہوئے اللہ کا عظیم نبی موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ساتھ لیے ہوئے نجات پا گیا۔ اسی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں:

فَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ٥ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ ٥ وَأَنجَيْنَا مُوسَى وَمَن مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ٥ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ①

پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارو، چنانچہ وہ دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسے بڑی پہاڑی اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس مقام کے قریب پہنچا دیا اور ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کو بچالیا اور پھر دوسرے فریق کو غرق کر دیا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ دریا سے پار ہوگئے، تو چونکہ آپ کو مستقبل کا یہ علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے جملہ لشکریوں اور حواریوں کو یہاں اسی دریا کے اندر ہی غرق کرنا ہے اور انہیں دریا عبور نہیں کرنے دینا۔ اس لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دریا کو دوبارہ اصلی حالت میں رواں دواں کرنے اور راستہ بند کرنے کی نیت سے دوسری دفعہ عصا مارنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ②

اور آپ اس دریا کو پرسکون حالت میں چھوڑ دیں۔ ان لوگوں کا لشکر غرق ہوکر رہے گا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو دریا پار کرتے فرعون اور اس کے لشکر نے بچشم خود دیکھا تو ارادہ کیا کہ ہم بھی دریا کے درمیان بن جانے والے راستے پر چل پڑیں۔ راستہ ان کے سامنے خشک موجود تھا مگر راستے کے دائیں بائیں پہاڑیوں کی مانند پانی کی دیواروں پر خطرناک لہروں اور موجوں نے ان سب کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ انہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے دریا کے اندر داخل ہوتے ہی دریا مل جائے اور پھر ہم اس میں غرق ہوکر رہ جائیں۔ (واقعی ہوا بھی ایسے ہی) اس لیے فرعون اور اس کا لشکر دریا میں داخل ہونے سے ہچکچا رہا تھا مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو یہیں غرق کرنا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا جبرئیل علیہ السلام کو ان لوگوں کو دریا میں داخل ہوجانے کی تحریک دینے کیلئے مقرر فرمایا، سیدنا جبرئیل علیہ السلام ایک گھوڑے پر سوار ہوکر فرعون کے گھوڑے کے سامنے سے دریا کے خشکی کے راستے پر چل پڑے۔ فرعون کے گھوڑے نے اپنے سامنے ایک گھوڑے کو جاتے دیکھا تو وہ بھی فوراً اس کے پیچھے چل پڑا۔ باقی لشکر نے اپنے سردار کو خشک راستہ کی طرف بڑھتے دیکھا تو انہوں نے بھی دیر نہ کی، اپنے گھوڑوں کو فرعون کے گھوڑے کے پیچھے لگا دیا جب فرعونی لشکر دریا کے بالکل درمیان میں پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو

① سورۃ الشعراء: ٦٣ تا ٦٦ ② سورۃ الدخان: ٢٤

مل جانے اور رواں دواں ہو جانے کا حکم دیا۔ اس طرح فرعون اپنے پورے اعوان وانصار سمیت دریا میں غرق ہو گیا۔

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کی نجات وسلامتی کا واقعہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مذکور ہوا ہے، کہیں مفصل تو کہیں اجمال کے ساتھ۔ ہماری بحث کا تعلق اس واقعہ سے نہیں ہے۔ ہماری بات کا تعلق اس واقعہ میں بیان ہونے والے سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے سے ہے، جس کے آثار سے سامری کا کردار سامنے آتا ہے۔ تفصیل اس کی یوں ہے۔

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی کے بعد سیدنا جبرئیل علیہ السلام اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بنی اسرائیل کے پاس پہنچے تو سامری نے سیدنا جبرئیل علیہ السلام کو گھوڑے پر سواری کی حالت میں دیکھ لیا۔ چنانچہ سامری نے سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں کے نیچے آنے والی مٹی کو اٹھا لیا اور اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ کچھ زمانہ کے بعد جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مقررہ وقت میں تورات حاصل کرنے کیلئے کوہ طور پر تشریف لے گئے تو سامری نے ان کی عدم موجودگی میں سونے اور زیورات کا ایک بچھڑا بنا لیا اور اس کے اندر سیدنا جبرئیل علیہ السلام کی گھوڑے کے سموں والی مٹی ڈال دی جس سے بچھڑے نے مخصوص آواز نکالنا شروع کر دی۔ لوگ اس آواز کی وجہ سے سامری کے فریب کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے اس گوسالہ کو اپنا 'الٰہ' اور 'معبود' تسلیم کر لیا اور باقاعدہ لوگوں نے اس بچھڑے کی پرستش کرنا شروع کر دی۔ قرآن کریم میں اس واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي①

(موسیٰ علیہ السلام نے کہا) اے سامری تیرا کیا حال ہے! وہ بولا مجھے ایسی چیز نظر آئی جو دوسروں کو نظر نہ آئی، سو میں نے (اس) فرستادہ کے نقش قدم سے ایک مٹھی (خاک) اٹھالی تھی، میں نے وہ مٹی اس قالب کے اندر ڈال دی تھی اور میرے دل کو تو یہی بات بہت بھاتی تھی۔

آیت مذکورہ میں سامری کے قول "بصرت بمالم یبصروا" کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں:

عن ابن عباس قال کان السامری رجلا من اھل باجر وکان من قوم یعبدون البقر، وکان حب عبادۃ البقر فی نفسہ، وکان قد اظھر الإسلام مع بنی اسرائیل وکان اسمہ موسی بن ظفر وفی روایۃ عن ابن عباس قال کان من کرمان، وقال قتادۃ:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سامری باجر کا باشندہ تھا، اس کا تعلق گائے پرست قوم سے تھا، خود اس کے دل میں بھی گاؤ پرستی کی محبت موجود تھی۔ اگرچہ اس نے بنی اسرائیل کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کر رکھا تھا۔ اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ سامری کا

① سورۃ طٰہٰ ۹۵، ۹۶



کان من قریۃ سامرا قال بصرت بمالم یبصروا بہ ای رأیت جبریل حین جاء لھلاک فرعون فقبضت قبضۃ من اثر الرسول ای من اثر فرسہ ھذا ھو المشھور عند کثیر من المفسرین او اکثرھم ①

تعلق 'کرمان' سے تھا، قتادہ کا بیان ہے کہ سامری کا تعلق ''سامرا'' بستی سے تھا۔ سامری کا اپنے قول ''مجھے ایسی چیز نظر آئی جو اوروں کو نظر نہ آئی'' سے مقصد یہ ہے کہ میں نے فرعون کی ہلاکت کیلئے آنے والے فرشتہ جبرئیل کو دیکھا تھا تو میں نے رسول کے نقش قدم سے مٹی اٹھائی تھی یعنی میں نے سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں کے تلے والی مٹی اٹھائی تھی۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت کی یہی تفسیر مشہور ہے۔

سامری کے قول ''فقبضت قبضۃ من اثر الرسول'' کی تفسیر میں امام ابن جریر رحمہ اللہ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے مشہور تابعی سیدنا مجاہد رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا ہے:

وقال مجاھد: ''فقبضت قبضۃ من اثر الرسول'' قال من تحت حافر فرس جبریل'' ②

مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ''فقبضت قبضۃ من اثر الرسول'' کا مطلب یہ ہے کہ سامری نے کہا کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سُم کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی تھی۔

اب دیکھئے کہ سامری نے سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں کے نیچے سے مٹی اٹھائی اور اسے سونے کے بنے ہوئے گوسالہ کے بے جان قالب کے اندر ڈالدی جس سے یہ بے جان گوسالہ مخصوص آواز نکالنے لگا، اس کے اندر کیا راز تھا اور کونسی حکمت کارفرما تھی؟ اس کا علم تو اللہ لطیف وخبیر کو ہی ہے۔ بہرحال اس سامری فریب کاری سے خود سامری مشرک قوم کا سربراہ بن کر ابھرا، اسے اس قوم کے ہاں عزت اور احترام مل گیا اور قوم کو بھی سامری کے کہنے پر ایک 'الٰہ' اور 'معبود' مل گیا جسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ گوسالہ سازی سے سامری کو جو مفاد حاصل ہوا اور اس کی پرستش سے الٰہ طلب قوم کی جو مراد پوری ہوئی اور انہیں ایک معبود مجسم ومتشکل انداز میں مل گیا جس سے ان کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس طرح قوم کو بھی ایک طرح کا غیر معمولی فائدہ نصیب ہوگیا۔ لہٰذا ان اجتماعی وانفرادی فوائد کا تقاضا ہے کہ گوسالہ پرستی اور بطور الٰہ گوسالہ سازی ایک جائز عمل ہے۔۔۔؟ یا یہ کہ تبرکات کی مٹی موثر بالذات مشکل کشا اور معبود کا درجہ رکھتی ہے؟ یا متبرک مٹی وغیرہ جس شی کے اندر ڈالدی جائے تو وہ چیز معبود بن جانے کی صلاحیت رکھتی ہے؟ حاشا وکلا ایسا عقیدہ ہرگز جائز نہیں ہے۔

① تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۶۳
② تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۶۳

وقتی مفادات کا حصول جواز کی دلیل نہیں ہوتا بلکہ یہ دیکھا جانا چاہیے کہ حاصل شدہ مفادات اوران کے ذرائع کی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں کیا اہمیت ہے؟ ایسا کرنے سے انسان سامری مزاج فریب کاروں اور دین کے غاصبوں کے ہر مکر و حیلہ سے محفوظ رہ سکتا ہے۔؟

د۔ رسولِ اکرم ﷺ نے قیامت کی علامات میں سے ایک علامت خروج الدجال بھی بیان فرمائی ہے۔آپ ﷺ نے دجال کے فتنہ کے متعلق امت کو پوری طرح باخبر فرمایا ہے۔ یہ دجال قرب قیامت میں ظاہر ہوگا۔لوگوں کو مختلف الانواع طریقوں سے گمراہ کرے گا، اس کے پاس اس کی خودساختہ جنت اور جہنم بھی ہوگی اوراس کے مستحق افراد کے گروہ بھی۔ دجال کے جملہ مکروحیلوں میں سے چند ایک کا بیان کیا جاتا ہے۔ وہ لوگوں کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ میں رب العالمین، تمہارا خالق اورتمہارا الٰہ ومعبود ہوں، مجھے اپنا رب تسلیم کرو، دجال آسمان کی طرف منہ کر کے حکم دے گا: اے آسمان مینہ برسا۔تو آسمان فوراً بارش برسا دے گا۔ زمین سے کہے گا کہ اے زمین اپنے پوشیدہ خزانوں کو باہر نکال دے تو اسی وقت زمین خزانے نکالنا شروع کردے گی۔ ایک حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ دجال ایک ویران، غیر آباد، کھنڈر نما جگہ پر گذرتے ہوئے کہے گا کہ اے زمین اپنے خفیہ ومدفون خزانوں کو باہر نکال دے تو فی الفور زمین اس کے حکم کی تعمیل کرے گی۔خزانے دجال کے پیچھے اس طرح چل پڑیں گے کہ جس طرح شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے پیچھے چل پڑتی ہیں۔لوگ دجال کے مکروفریب اوراس کے فتنے کا شکار ہوکراس کی مزعومہ الوہیت وربوبیت پر ایمان لانا شروع کردینگے۔

صحیح مسلم میں سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث فتنہ دجال کی بابت وارد ہوئی ہے۔آپ بھی پڑھیئے اوراندازہ کیجئے کہ دجال کا فساد کس قدر تباہ کن ہوگا اوراس کا شکار ہونے والے لوگ کتنے بدنصیب ہونگے۔

عن النواس بن سمعان رضی الله عنه قال: ذکر رسول الله صلی الله علیه وسلم الدجال ذات غداة فخفض ورفع حتی ظنناه فی طائفة النخل، فلما رحنا الیه عرف ذلک فینا، فقال ماشانکم؟ قلنا یا رسول الله ذکرت الدجال غداة، فخفضت فیه ورفعت حتی ظنناه فی طائفة النخل فقال غیر الدجال اخوفنی علیکم ان یخرج وانا فیکم فانا

سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کو رسول اللہ ﷺ نے دجال کا ذکر کیا، کبھی تو آپ نے اسے بہت حقیر ظاہر کیا اور کبھی اس (کے فتنہ) کو بہت بڑا بیان کیا۔ یہاں تک کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ وہ (دجال) نخلستان کے کسی حصہ میں موجود ہے۔ جب ہم شام کو آپکے پاس حاضر ہوئے تو آپ آثار سے ہماری حالت پہچان گئے، فرمایا: تمہارا کیا حال ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ



حجيجهُ دونكم وان يخرج ولست فيكم فامرؤ حجيج نفسه، والله خليفتي على كل مسلم، انه شاب قطط عينهُ طافئة كاني أشبههُ بعبد العزى بن قطن، فمن ادركه منكم فليقرأ فواتح سورة الكهف انه خارج خَلَّةً بين الشام والعراق، فعاث يمينا وعاث شمالاً، يا عباد الله فاثبتوا قلنا يا رسول الله وما لبثهُ في الارض؟ قال اربعون يوماً يوم كسنة، ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر ايامه كأيامكم قلنا يا رسول الله فذلك اليوم الذي كسنة اتكفينا فيه صلاة يوم؟ قال: لا اقدروا له قدرهُ قلنا يا رسول الله وما اسراعه في الارض؟ قال: كالغيث استدبرته الريح فيأتي على القوم فيدعوهم فيؤمنون به ويستجيبون له فيأمر السماء فتمطر، والأرض فتنبت فتروح عليهم سارحتهم اطول ما كانت ذراً وأسبغه ضروعاً وأمَدَّهُ خواصر، ثم يأتي القوم فيدعوهم فيردون عليه قوله فينصرف عنهم فيصبحون ممحلين ليس بايديهم شيئ من اموالهم، ويمر بالخربة فيقول لها: اخرجي كنوزك فتتبعه كنوزها كيعاسيب النحل ① (صحيح مسلم)

آپ نے دجال کا ذکر کیا، کبھی تو آپ نے اسے بہت معمولی ظاہر کیا اور کبھی اس (کے فتنے) کو بہت بڑا بیان فرمایا جس سے ہمیں یہ گمان لاحق ہوا کہ وہ اسی نخلستان کے کسی حصہ میں موجود ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا، مجھے تم پر دجال کے علاوہ دوسری باتوں کا زیادہ خوف ہے۔ اگر دجال میری موجودگی میں نکلتا ہے تو تم سب کی طرف سے تنہا میں اس کا مقابلہ کروں گا اور اگر وہ نکلا اور میں تم میں موجود نہ ہوا تو ہر مسلمان اپنا دفاع خود کرے گا۔ اور اللہ ہر ایک مسلمان پر میرا خلیفہ اور نگہبان ہے، دجال گھونگریالے بالوں اور ابھری ہوئی آنکھ والا نوجوان ہے۔ میں اسے عبدالعزی بن قطن کا ہم شکل قرار دے سکتا ہوں۔ لہٰذا تم میں سے جو دجال کو پائے اسے چاہیے کہ وہ اس پر سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے۔ وہ یقیناً شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور اپنے دائیں بائیں فساد برپا کردے گا۔ اللہ کے بندو ایمان پر قائم رہنا۔ ہم نے عرض کیا اللہ کے رسول وہ زمین پر کب تک رہے گا؟ فرمایا چالیس روز، ایک دن ایک سال کے برابر اور ایک دن مہینہ برابر اور ایک دن ہفتہ برابر اور بقیہ دن یونہی جیسے یہ دن ہیں۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ! جو دن ایک سال کے برابر ہوگا اس میں ہمیں ایک ہی دن کی نماز کفایت کر جائے گی؟ فرمایا نہیں، تم اس کا اندازہ کر لینا، ہم نے عرض کیا اللہ کے رسول! اس کی رفتار زمین پر کتنی ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اس بارش کی طرح جسے پیچھے سے ہوا اڑا رہی ہو۔ وہ ایک قوم کے پاس

① رواہ مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب 'ذکر الدجال و صفعه و مامعه'



آئے گا تو انہیں دعوت دے گا وہ اس پر ایمان لائیں گے اور
اسکی بات کو قبول کرینگے۔ آسمان کو حکم دے گا وہ پانی برسائے
گا اور زمین کو حکم دے گا تو وہ (سبزہ) اگائے گی، انکے چرنے
والے جانور شام کو واپس آئیں گے تو پہلے سے زیادہ انکے
کوہان لمبے ہونگے۔ اور تھن بھرے ہوئے ہونگے۔ پھر
دوسری قوم کی طرف آئے گا انہیں بھی دعوت دے گا، وہ اس
کی بات نہ مانیں گے، ان سے واپس چلا جائے گا، اس کے
جاتے ہی قوم پر قحط سالی اور خشکی مسلط ہو جائے گی، ان کے
پاس ان کے اموال میں سے کچھ بھی نہ رہے گا۔ دجال ویران
زمین پر سے گذرے گا اور کہے گا اے زمین! اپنے خزانے
نکال، پس مال نکل کر اس کے پاس جمع ہو جائے گا جیسا کہ
شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پاس جمع ہو جاتی ہیں۔

حدیث پوری طرح واضح ہے۔ آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ دجال کے فتنے کا شکار ہونے والوں کو زمین و آسمان کے خزائن و کنوز ملیں گے، ان کے جانوروں میں برکات کا ظہور ہوگا۔ کیا کوئی مسلم یہ کہہ سکتا ہے کہ چونکہ دجال کا ظہور بے شمار لوگوں کیلئے خیر و برکت کا موجب بنے گا۔ لہٰذا دجال منبع خیر و برکت ہے یا وہ داتا و مشکل کشا ہے۔ (معاذ اللہ)

ایسا کوئی بھی نہیں کہہ سکتا، بلکہ دجال کا وجود و ظہور جمیع امت مسلمہ کے نزدیک شر و فساد کا موجب ہے، جس سے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی پناہ طلب فرمائی ہے۔ اور اپنی امت کو بھی فتنہ دجال سے اللہ کی پناہ طلب کرنے کی تلقین کی ہے۔

دجال پر ایمان لانے والوں کیلئے (فوائد و منافع) کی فہرست مذکورہ حدیث سے اخذ کیجئے، پھر غور فرمائیے کہ کیا ان فوائد کی بنا پر دجال سے محبت کا اظہار کیا جائے؟ نہیں بالکل نہیں۔ یہ جملہ فوائد اپنے اصل دجال کی طرح مہلک، تباہ کن، اور ایمان سوز ہیں، قبر پرستوں کے مفاد پرور نظریہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کتنے حرام اور ناجائز امور کا اختیار کرنا امت کیلئے لازم ہو جائے، حتیٰ کہ ابلیس لعین کے بعد سب سے بڑے کافر عدو اللہ دجال سے محبت کرنا بھی ایک دینی ضرورت بن جائے (العیاذ باللہ)

و - شرابی انسان کو شراب نوشی سے وقتی طور پر فائدہ ملتا ہے۔ اس کے جسمانی و اعصابی تناؤ کو تسکین مل جاتی ہے۔ اسی طرح جواری انسان کو بھی جوا کھیلنے سے بعض اوقات غیر معمولی فوائد حاصل ہو جاتے ہیں، شراب اور جوئے کے اندر فوائد کا وجود

قرآن سے ثابت ہے مگر اس تنبیہ کے ساتھ کہ فوائد کی نسبت ان سے لاحق ہونے والا جسمانی نقصان اور روحانی خسارہ بہت ہی زیادہ ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ①

(لوگ) آپ سے شراب اور جوئے کی بابت دریافت کرتے ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کیلئے فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدوں سے کہیں بڑا ہے۔

کیا قرآن کریم کی اس تصریح کے بعد کہ شراب اور جوئے میں کچھ فوائد بھی ہوتے ہیں،کسی شخص کا یہ کہنا درست ہوگا کہ شراب اور جوئے فوائد حاصل کرنے کا ایک مسلمہ ذریعہ ہیں۔لہٰذا ان کو اختیار کرنا شرعی طور پر صحیح ہے؟ ثابت ہوا کہ محض فائدہ کسی چیز کے جواز کی دلیل نہیں ہوتا بلکہ اس فائدے اور اس کے ذرائع کی شرعی حیثیت کا جاننا از حد ضروری ہے کہ بہت سی چیزیں اپنے فائدوں کے باوجود حرام اور ناجائز قرار دی گئی ہیں۔

ھ- جملہ مذکورہ بالا فوائد کی طرح واقعی بت پرستوں اور قبر کے پجاریوں کو بھی قبر پرستی اور بت پرستی کے ذریعے کچھ فوائد تو ضرور حاصل ہوتے ہیں،اس لیے کہ نذر و نیاز،ذبح وسجود،مجاورت واعتکاف اور دعاؤں وغیرہ سے کوئی ظاہری اور وقتی فائدہ نہ ملے تو بت پرستی اور قبر پرستی کا وجود ہی باقی نہ رہے۔

بے حد گریہ وزاری مدفون یا بت سے معنون شخص کی صورت کو ذہن میں جما کر اسے حاضر کرنے کی دماغی ریاضت اور مسلسل بتوں اور قبروں کی مجاورت اور چلہ کشی واعتکاف نشینی سے بت پرستوں اور قبر پرستوں کو کوئی نہ کوئی کیفیت اور شیطانی حالت ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔کیونکہ شیطان ان بتوں اور قبروں کے اندر داخل ہو کر کلام کرتے ہیں اور عقیدتمندوں کو بعض غیبی معاملات کی خبریں پہنچاتے ہیں جس سے بت پرستوں اور قبر پرستوں کا ان بتوں اور قبروں کے ساتھ اعتقاد مزید پختہ ہو جاتا ہے۔

بتوں اور قبروں سے ظاہر ہونے والے شیطانی اعمال واقوال کی بابت عقیدتمندوں کا نظریہ مختلف ہوتا ہے۔بعض کے نزدیک یہ کلام بت اور قبر کا مدفون بنفس نفیس کر رہا ہوتا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ بتوں سے معنون وصالحین یا قبر کے اندر مدفون برگزیدہ ہستی کی روحانیت کا کمال ہے،کوئی کہتا ہے کہ یہ ملائکہ ہیں جو بول رہے ہیں اور کوئی ان بتوں اور قبروں کے متعلق کچھ اور عقیدہ رکھتا ہے اور عقیدتمندوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بتوں سے کلام سنتے ہی انہیں اپنا اللہ اور معبود سمجھ لیتے ہیں، وہ اس بحث میں پڑتے ہی نہیں ہیں کہ کلام کرنے والا کون ہے۔

اکثر اہل ارض انہی اوہام وخیالات کی وجہ سے بت پرستی اور قبر کی پوجا وغیرہ کی لعنت میں مبتلا ہیں۔چنانچہ بت پرستی

① سورۃ البقرۃ: ۲۱۹

کے اسباب ومحرکات کاذکر کرتے ہوئے امام ابن قیم ؒ لکھتے ہیں:

ومن اسباب عبادتها ایضاً ان الشیاطین تدخل فیها وتخاطبهم منها وتخبرهم ببعض المغیبات وتدلهم علی بعض مایخفی علیهم وهم لایشاهدون الشیاطین فجهلهم وسقطهم یظنون ان الصنم نفسه هو المتکلم المخاطب وعقلا ئهم یقولون: تلک روحانیات الاصنام، وبعضهم یقول: انها الملا ئکة ، وبعضهم یقول: انها العقول المجردة " وبعضهم یقول:هی روحانیات الاجرام العلویة وکثیر منهم لایسأل عماعهد بل اذا سمع الخطاب من الصنم اتخذه الٰها ولایسأل عماوراء ذلک وبالجملة فاکثر اهل الأرض مفتونون بعبادة الاصنام والأوثان ①

بت پرستی کے اسباب میں سے یہ بھی ایک سبب ہے کہ شیاطین بتوں کے اندر داخل ہو کر کلام کرتے ہیں اور بت پرستوں کو بعض مخفی امور کی بابت خبریں دیتے ہیں، شیطان بت پرستوں کو نظر نہیں آتے ، پس جاہل اور بے عقل لوگ یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ کلام کرنے اور خطاب کرنے والے خود بت ہی ہیں، جبکہ ان میں سے عقلمندوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ بتوں کی ارواح ان سے مخاطب ہوئی ہیں اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے ان سے کلام کیا ہے اور بعض کا یہ نظریہ ہوتا ہے کہ کلام کرنے والی قوت عقل محض ہے اور کچھ لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اجسام علویہ کی ارواح ان سے ہم کلام ہوئی ہیں۔ اور اکثریت تو کلام کرنے والی ہستی کی تحقیق کرتی ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ بتوں سے کلام سنتے ہی انہیں معبود قرار دیدیتی ہے کلام کے پس منظر کے متعلق کسی قسم کی چھان بین انکے نزدیک ضروری ہے ہی نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اکثر لوگ بتوں اور مجسموں کی عبادت میں اس طرح مبتلا ہوجاتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ شیطان بتوں کے اندر داخل ہو کر کلام کرتے ہیں اور بت پرستوں کو بعض مخفی امور کے متعلق باخبر کرتے ہیں، جس سے ان کا یہ گمان قوی سے قوی تر ہوجاتا ہے کہ یہ سب بتوں کی کرامات، کرشمے برکات وفیوض اور ان کی روحانیت ہیں، ایسا خیال کرتے ہوئے ان کے دل ودماغ اور روح کو حد درجہ تسکین حاصل ہوتی ہے۔ وہ پوری محبت اور دل کے خلوص کے ساتھ ان کی پرستش و پوجا میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ حقیقت میں یہ سب کچھ بت پرستوں اور قبر پرستوں کے لیے بہت بڑا فتنہ ثابت ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ بت پرست لوگ بتوں کی عبادت اور ان کی حفاظت پر اپنی جان، مال، اولاد اور اپنا وطن تک سب کچھ قربان کردیتے ہیں۔ یہی حال قبر پرستوں کا ہے کہ وہ بھی اپنے معبودانِ باطلہ کی قبور پر سب کچھ قربان کردیتے ہیں، ان قبور پر خرچ ہونے والے مصارف واخراجات سے ایک ملک کی غریب ومسکین عوام کی اچھی خاصی کفالت ہوسکتی ہے۔

① اغاثة اللهفان ج۲ ص ۲۲۰

ظاہر ہے کہ بت پرستوں اور قبر پرستوں کو بتوں اور قبروں کی عبادت، ان کے سامنے اللہ سے بڑھ کر گریہ وزاری اور ان کے حضور اعتکاف، مجاورت اور چلہ کشی سے کوئی فائدہ نہ ملتا ہوتا تو وہ کبھی بھی بتوں اور قبروں کے نام پر یہ سب کچھ قربان نہ کرتے۔ نیز ہم دیکھتے ہیں کہ بت پرستوں کی اپنے مخالفوں کے ساتھ پیدا ہو جانے والی نفرت وعداوت کی بھینٹ ان کے اپنے ہم مسلک وہم مشرب افراد چڑھ جاتے ہیں جو اپنے بتوں کی حمایت میں فریق مخالف کے ہاتھوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں یا ان کے اموال ومتاع میں مخالفوں کے ہاتھوں نقصان واقع ہو جاتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جان و مال کے اس اتلاف کی وجہ سے ان کی اپنے بتوں سے نفرت پیدا ہو جاتی کہ ان کے نام نہاد معبودوں کی وجہ سے یہ نقصانات اٹھانے پڑے ان معبودوں نے اپنے ماننے والوں کو بے بسی کی موت اور نقصان کے حوالے کر دیا۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا بلکہ بت پرست ایسے نازک اور اندوہناک مواقع پر بھی ایک دوسرے کو اپنے بتوں کی عبادت وتعظیم پر صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ان کی نصرت وعبادت پر بڑی سے بڑی مشکلات ومصائب برداشت کرنے کا عزم باندھتے ہیں۔

اپنی مشکلات کے علاوہ انہیں ماضی کے بت پرستوں کے واقعات مصائب اور ان پر ان کے مخالفین کی طرف سے مسلط کی جانے والی ہلاکتوں اور بربادیوں کے حالات واخبار بھی معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان سب کی بربادی و ہلاکت بت پرستی اور بتوں کی حمایت کی وجہ سے ہوئی ہے۔ مگر پھر بھی یہ لوگ بتوں کی تعظیم سے متنفر نہیں ہوتے، بلکہ ایسے واقعات کے بعد ان کی اپنے بتوں کے ساتھ محبت ووابستگی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ یہ سب اس امر کی دلیل ہے کہ انہیں اپنے بتوں سے کوئی نہ کوئی فائدہ تو ضرور مل رہا ہے جس کی امید پر یہ لوگ اپنے جان، مال اور اپنی اولاد کی تباہیوں کو برداشت کرنے کی ہمت اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولولم تكن الفتنة بعبادة الأصنام عظيمة، لما اقدم عبادها على بذل نفوسهم وأموالهم وأبنائهم دونها فهم يشاهدون مصارع إخوانهم وماحل بهم ولايزيدهم ذلك الا حبالها وتعظيما، ويوصي بعضهم بعضا بالصبر عليها، وتحمل أنواع المكاره في نصرتها وعبادتها وهم يسمعون أخبار الأمم التي فتنت بعبادتها وما حل بهم من عاجل العقوبات

اور بت پرستی کا فتنہ بڑا مضبوط فتنہ نہ ہوتا تو بتوں کے پجاری اپنے بتوں کی حمایت میں اپنی جان، مال اور اپنی اولادوں کا نذرانہ پیش نہ کرتے، وہ اپنے دینی بھائیوں کی (مخالفوں کے ہاتھوں) ہلاکتوں اور ان کو لاحق ہونے والے مصائب کو دیکھتے ہیں پھر بھی ان کی اپنے بتوں سے محبت میں کمی نہیں آتی، وہ نہ صرف محبت میں بڑھ جاتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کو بتوں کی مدد اور عبادت پر جمے رہنے اور ہر قسم کی مصیبت پر صبر کرنے کی تلقین



ولا یثنیھم ذلک عن عبادتھا ①

کرتے ہیں۔ وہ سابقہ بت پرست قوموں کے اندوھناک حالات اوران پر لاحق ہونے والی دنیوی ہلاکتوں کی خبریں بھی سنتے ہیں پھر بھی بت پرستی سے اجتناب نہیں کرتے۔

بیان شدہ تحقیق سے یہ حقیقت صاف ظاہر ہوجاتی ہے کہ بت پرستوں کی گمراہی اور ضلالت کا سرچشمہ خود یہی بت ہیں، اس لیے کہ شیطان جب ان بتوں کے اندر داخل ہوکر کلام کرتے ہیں اور لوگوں کو مخفی اور نامعلوم امور کے متعلق اطلاعات فراہم کرتے ہیں تو بت پرستوں کو بعض خفیہ امور کی نشاندھی کے علاوہ اپنے کامیاب ہونے اور راہِ راست پر چلنے کی بشارت مل جاتی ہے۔ظاہر ہے کہ یہ وقتی طور پر ایک بڑا فائدہ ہے جو انہیں ملتا ہے گو حقیقت اور واقع میں اس فائدہ کا کوئی وجود نہیں ہے۔ صرف عقیدتمندوں کی خوش فہمی اور ناعاقبت اندیشی کی حد تک یہ فائدہ ہوتا ہے۔اور فائدہ تو فائدہ ہی ہوتا ہے اگرچہ محض تصور و خیال تک ہی محدود کیوں نہ ہو۔

اسی ظاہری اور خیالی فائدہ کی بنا پر بت پرستوں کا اعتقاد اپنے بتوں سے اس قدر قوی ہوجاتا ہے کہ وہ ان کی خاطر اپنی جان، مال، اولاد، وطن حتی کہ اپنی حیا، غیرت اور حمیت کو قربان کردیتے ہیں، بتوں سے یہ عقیدت، محبت اوران کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کردینے کا جذبہ اگر کسی چیز کی دلیل ہوسکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ بتوں نے ان کو راہ راست سے ہٹا کر ضلالت اور بدعقیدگی کا خوگر بنادیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو سرچشمہ ضلالت وگمراہی قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بتوں کی پرستش کے گناہ سے اپنے اور اپنی اولاد کے تحفظ کی دعا فرمائی کہ

وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۝ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ ②

اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو اس سے بچائے رکھ کہ ہم لوگ بتوں کی پوجا کرنے لگیں، اے میرے پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے گمراہ کرنے کی نسبت اصنام (بتوں) کی طرف کی ہے حالانکہ بت تو جماد ہوتے ہیں، یعنی جسم بلا روح وقوت، ارادہ اور اختیار سے یکسر محروم، تو وہ لوگوں کو بدراہ کرنے کی صلاحیت کیسے رکھ سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بتوں کی پوجا پاٹ، ان کے حضور گریہ وزاری، ان کی رضا کی خاطر محنت، ریاضت، مجاورت، اعتکاف اور چلہ کشی سے اوران کے نام نذر ونیاز، ذبح وقربانی اور دوسرے طریقہ ہائے بندگی کے اختیار کرنے سے بت پرستوں کو (وقتی مفادات) حاصل ہوتے ہیں، جسکے نتیجہ میں بت پرستوں کی اپنے بتوں کے ساتھ محبت، عقیدت اور فدائیت اس حدتک بڑھ

① اغاثة اللهفان ج ۲ ص ۲۲۱
② سورة ابراهيم: ۳۶

جاتی ہے کہ وہ ان کے بغیر زندگی کا تصور ہی نہیں کر سکتے، بت ان کی موت وحیات، نفع اور نقصان، خوشی اور غمی کے جمیع احوال میں (مدار) کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو بت پرستوں کی گمراہی اور ضلالت میں بتوں کا بنیادی کردار ہے بلکہ وہ سرچشمہ ضلالت نظر آتے ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے ضلالت کی نسبت بتوں کی طرف بالکل صحیح اور واقع کے عین مطابق ہے۔

بت پرستوں کی طرح قبر پرستوں کا بھی اپنے اولیاء، مشائخ اور صالحین کے متعلق یہی عقیدہ ہے کہ مشکلات ومصائب میں گھر کر جب ہم ان کو پکارتے ہیں تو قبر میں مدفون ولی، شیخ اور برگزیدہ ہستی بنفس نفیس خود آ کر ہماری حاجات کو پورا کر دیتی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ حاجت برآری کرنے والا کون ہے؟ ان لوگوں کا یہ نظریہ مضبوط ہو جاتا ہے کہ غائبانہ حاجات میں مخلوق کو پکارنا اور ان سے نفع کی امید رکھنا جائز ہے، حالانکہ ان کا یہ عقیدہ سراسر باطل ہے۔ ضرورتیں تو بت پرستوں کی بھی بتوں کو پکارنے سے پوری ہو جاتی ہیں۔ تو کیا قبر پرست لوگ بت پرستی یا ان کو مدد کے لیے پکارنے کو شرعی طور پر جائز کہہ سکتے ہیں؟ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قبر پرستوں کے اس عقیدہ کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فان زعم أحد أن حاجته قضيت بمثل ذلك وانه مثل له شيخه، ونحو ذلك فعباد الكواكب والاصنام ونحوهم من اهل الشرك يجرى لهم مثل هذا، كما قد تواتر ذلك عمن مضى من المشركين وعن المشركين فى هذا الزمان، فلولا ذلك ماعبدت الاصنام ونحوها قال الخليل عليه السلام "واجنبني وبني ان نعبد الاصنام، رب انهن اضللن كثيرا من الناس" [1]

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی حاجات خود شیخ تشریف لا کر پورا کر دیتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ تو یہی خیالات اور نظریات تو مشرکین سابقین اور موجودہ مشرکین سے متواتر طریقہ سے منقول ہیں (وہ یہی کہتے ہیں کہ بت سے معنون اشخاص خود آ کر ان کی مدد کرتے ہیں اور ان کی حاجات کو پورا کرتے ہیں) یہ عقائد نہ ہوتے تو بتوں کی پرستش ہی نہ ہوتی، اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت ہوتی۔ سیدنا خلیل علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو اس سے بچائے رکھ کہ ہم مورتیوں کی پوجا کرنے لگیں، اے میرے پروردگار ان مورتیوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔''

یہاں سے ایک اور مسئلہ کی نشاندھی بھی ہو جاتی ہے کہ جب یہ امر واقعی ہے کہ شیطان بتوں کے اندر داخل ہو کر کلام کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت، تعظیم اور بزرگی سے ہٹا کر بتوں کی پرستش، محبت اور ان سے لازوال عقیدت کی ضلالتوں میں ہمیشہ کیلئے مبتلا کر دیتے ہیں، تو ان سے کیا بعید ہے کہ وہ مشائخ، اولیاء اور صالحین کی قبور میں داخل ہو کر قبر پرستوں کی آخرت کی بربادی کا انتظام نہ کرتے ہوں اور انہیں شرک کا پکا عامل نہ بناتے ہوں؟

[1] الزیارۃ ص: ۴۴۳



اس لیے وہ مولوی، مشائخ اور صوفیاء حضرات جو اولیاء اور صالحین کی قبروں پر مہینوں، ہفتوں اور ایام و ساعات ''اعتکاف'' بیٹھتے ہیں اور اپنی روحوں کو بزعمِ خود فوت شدہ بزرگوں کی ارواح سے ملا کر نہایت توجہ اور انہماک کے ساتھ منت و زاری، محنت و ریاضت، مراقبے، مکاشفے اور فوت شدہ مشائخ کی صورتوں کو اپنے قلب و ذہن میں خوب جما کر چلہ کشی کے اعمال سرانجام دیتے ہیں۔ ان پر تکلف اعمال و افعال کے نتیجے میں ان لوگوں کو کچھ ''کیفیات'' اور ''احوال'' حاصل ہو جاتے ہیں، جنہیں یہ حضرات ''فیض قبور'' اور بعض اوقات ''کشف قبور'' کا نام دے دیتے ہیں اور بڑی خوشی سے عوام الناس میں اپنے اور اپنے مشائخ کے ''صاحب الکرامات'' ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ حالانکہ ان جملہ غیر شرعی امور کے اختیار کرنے سے ان پر طاری ہو جانے والی کاہنانہ کیفیات و حالات کا تعلق کرامت سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ ایحاء، القاء کے یہ جملہ ہتھکنڈے شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ①

اور جو (ان کی طرف) کان لگائے رہتے ہیں اور ان کے اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں۔

اور فرمان ہے:

فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ②

پس ہم نے تمہیں بھی گمراہ کیا اور ہم خود بھی گمراہ تھے۔

اور ارشاد ہے:

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ③

اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کو پٹی پڑھا رہے ہیں، تاکہ وہ تم سے بحث کریں اور اگر تم ان کا کہا ماننے لگو تو یقیناً تم (بھی) مشرک ہو جاؤ گے۔

کیونکہ اگر ان چیزوں کا تعلق اللہ کی شریعت ''اسلام'' سے ہوتا تو سب سے پہلے رسول اکرم ﷺ ان کو اختیار فرماتے اور امت کو ان کے کرنے کی تلقین، ترغیب اور تاکید فرماتے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ④

اے (ہمارے) پیغمبر جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے، یہ (سب) آپ (لوگوں تک) پہنچا دیجئے، اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں۔

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا مشرکینِ اوائل اور موجودہ مشرکین کے ان جملہ طریقوں اور اعمال و افعال کے وجود سے خالی ہونا ہی ان کے غیر شرعی ہونے کی واضح ترین دلیل ہے۔

---

① سورة الشعراء: ٢٢٣
② سورة الصٰفٰت: ٣٢
③ سورة الانعام: ١٢١
④ سورة المائدہ: ٦٧



نیز ان اعمال کے غیر شرعی ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ جن کے افضل ترین ''قرن'' ہونے کی شہادت خود رسالت مآب ﷺ نے عطا فرمائی، وہ سب کے سب مشرکوں کی اختیار کردہ ان ''اصطلاحات'' سے غافل اور بے خبر نہ ہوتے۔ ان کا ان اصطلاحات سے ناواقف ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ سب طریقے بعد کے گمراہ لوگوں کی ایجاد ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں بدعت کی تعریف اور اس کی تعیین کرتے ہوئے آیت لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَا إِلَيْهِ کے تحت فرماتے ہیں:

واما اهل السنة والجماعة فيقولون فى كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضى الله عنهم هو بدعة لانه لو كان خيرا لسبقونا اليه لانهم لم يتركوا خصلة من خصال الخير الا وقد بادروا إليها ①

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ جو قول وفعل صحابہ رضوان اللہ علیہم سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ قول وفعل بہتر ہوتا تو وہ ہم سے پہلے اسے اختیار کر چکے ہوتے، صحابہ کرام تو نیکی کے ہر کام میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے والے تھے۔ (وہ اس نیکی کے کرنے میں تاخیر کے نام سے ہی بے خبر تھے)

اللہ تعالیٰ کبھی کبھی کُفار کی دعاؤں کو بھی قبول کر لیتا ہے

سامری نے سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سُموں کے نیچے سے جو مٹی اٹھائی تھی اسے اس نے بنی اسرائیل سے حاصل کردہ زیورات سے بنائے گئے گوسالہ کے قالب میں ڈال دیا تھا جس کے نتیجے میں بے جان گوسالہ کے اندر سے آواز نکلنا شروع ہوگئی۔ اس کی کچھ تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سامری کے اس عمل میں سیدنا ہارون علیہ السلام کی دعا کا دخل تھا۔ وہ اس طرح کہ فرعون اور اس کے تمام لشکر کی بحیرہ قلزم میں غرقابی اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کی نجات و کامیابی کے بعد جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تورات حاصل کرنے کیلئے تشریف لے گئے تو اپنے پیچھے اپنے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ متعین کر کے گئے تھے، فرعونی لشکر سے ملنے والے مالِ غنیمت (جن میں بڑی مقدار زیورات کی تھی) کے متعلق سیدنا ہارون علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس سب مال غنیمت کو شریعت اور دستور کے مطابق گڑھا کھود کر آگ کے سپرد کر دیا جائے، آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی، اس لیے کہ سابق امتوں کیلئے مال غنیمت کا استعمال ممنوع تھا، بس اسے جلا دیا جاتا تھا۔ اسی اثناء میں سیدنا ہارون علیہ السلام کی نظر سامری کے پاس سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نیچے سے اٹھائی ہوئی مٹی پر پڑی، تو آپ نے سامری کو اسے بھی پھینک دینے کا حکم ارشاد فرمایا۔ سامری نے

① تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۵۶

جواب میں کہا کہ میں یہ چیز اس شرط پر پھینکوں گا کہ آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ اسے پھینک دینے کے بعد اللہ تعالیٰ وہ چیز بنا دے جس کے بنانے کی میں (سامری) خواہش رکھتا ہوں۔ سامری کی خواہش گوسالہ بنانے کی تھی، دل کے راز اور چھپے ہوئے ارادوں کا علم تو اللہ کو ہی ہوتا ہے۔ سیدنا ہارون علیہ السلام کو سامری کے خبث باطن کا علم نہ تھا، اس لیے آپ نے اس کی شرط کے مطابق دعا فرما دی۔ اس کے بعد سامری نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس مٹی سے بچھڑا بن جائے۔ چنانچہ وہ گوسالہ بن کر آواز نکالنے لگا۔ لوگوں نے اسے اپنا سچا معبود اور الٰہ تصور کر کے اس کی عبادت شروع کر دی۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'التفسیر' میں اس مضمون کی طویل روایت نقل فرمائی ہے۔ ذیل میں اس کا کچھ حصہ درج کیا جاتا ہے:

فلما رأى قوم موسى انه لم يرجع اليه فى الأجل ساء هم ذلك وكان هارون قدخطبهم وقال: انكم قدخرجتم من مصر ولقوم فرعون عندكم عوارى وودائع لكم فيهم مثل ذلك وأنا ارى ان تحتسبوا مالكم عندهم، ولا أحل لكم وديعة استودعتموها ولا عارية ولسنا براڈين اليهم شيئاً من ذلك ولا ممسكيه لأنفسنا فحفر حفيراً وامر كل قوم عندهم من ذلك من متاع أوحلية ان يقذفوه فى ذلك الحفير ثم أوقد عليه النَّارَ، فاحرقهُ، فقال لايكون لنا ولالهم، وكان السامرى من قوم يعبدون البقر جيران لبنى اسرائيل ولم يكن من بنى اسرائيل فاحتمل مع موسى وبنى اسرائيل حين احتملوا فقضي له ان رأى اثراً فقبض منه قبضة، فمرّبهارون فقال له هارون عليه السلام ياسامرى! ألا تلقى مافى يدك وهو قابض لايراه احدٌ طوال ذلك، فقال هذهِ قبضة من اثر الرسول الذى جاوزبكم البحر، ولا ألقيها بشيءٍ الا ان

جب موسیٰ علیہ السلام (کی قوم پر تیس (۳۰) دن گذر گئے مگر آپ) وعدہ کے مطابق واپس نہ آئے تو قوم افسردہ سی ہوگئی۔ (اس دوران میں) سیدنا ہارون علیہ السلام نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ مصر سے چلے تھے تو تمہارے پاس فرعون کی قوم کا کچھ قرض اور امانتیں تھیں۔ اور ان کے پاس بھی تمہارے رہن کردہ مال تھے۔ میرا خیال ہے کہ تم اپنے اموال کی بابت اللہ کے ہاں اجر کے طلب گار بن جاؤ۔ مگر ان لوگوں کی تمہاری طرف رہنے والی امانتوں اور قرضوں کو میں کسی صورت میں تمہارے لیے حلال نہیں کر سکتا۔ ان اموال میں سے کچھ بھی ہم ان کو واپس لوٹانے سے قاصر ہیں اور خود اپنے پاس بھی اسے نہیں رکھ سکتے۔ پس آپ نے ایک گڑھا کھدوایا اور قوم کے ان تمام افراد کو جن کے پاس فرعونی قوم کے زیورات اور دوسرا ساز و سامان تھا حکم دیا کہ وہ یہ سب کچھ اس گڑھے کے اندر ڈال دیں پھر آپ نے اس پر آگ لگا دینے کا حکم دے دیا چنانچہ یہ سب کچھ جل کر خاکستر ہوگیا، تب آپ نے فرمایا کہ یہ مال قوم فرعون کو واپس ملا اور نہ ہمارے تصرف میں رہا۔ سامری بنی اسرائیل سے



تدعو الله اذا ألقيتها ان يكون ما أريد، فالقاها ودعاله هارون، فقال: أريد أن تكون عجلاً فاجتمع ماكان في الحفيرة من متاع أو حلية أونحاس، اوحديد فصار عجلاً أجوف ليس فيه روح له خوار ①

نہیں تھا بلکہ وہ بنی اسرائیل کی ایک ہمسایہ قوم کا فرد تھا جو گاؤ پرست تھی، جب موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے مصر کو خیر باد کہا تو یہ بھی ان کے ساتھ مصر سے نکل پڑا تھا۔ اتفاق سے اس کی نظر (جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے) نشانِ قدم پر پڑ گئی، تو اس نے وہاں سے مٹی کی ایک مُشت اٹھالی، سیدنا ہارون علیہ السلام کے قریب سے گذرنے لگا تو سیدنا ہارون علیہ السلام نے فرمایا 'سامری! تو نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیز نہیں پھینکی؟ اس نے اب تک اسے چھپا رکھا تھا، کسی بھی شخص کو اتنے عرصے تک اس کا علم نہ ہوسکا۔ سامری کہنے لگا یہ اس رسول کے گھوڑے کی خاکِ قدم کی ایک مُشت ہے جس نے تمہیں دریا عبور کرایا ہے۔ میں اسے بالکل نہیں پھینکوں گا۔ اِلا یہ کہ آپ دعا کریں کہ پھینکنے کے بعد یہ وہ کچھ بن جائے جس کے بنانے کا میں ارادہ رکھتا ہوں۔ سامری نے وہ پھینک دیا، سیدنا ہارون علیہ السلام نے بھی دعا فرمادی۔ تب سامری نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اس سے بچھڑا بن جائے، چنانچہ گڑھے میں موجود عام سامان زیورات، پیتل اور لوہے وغیرہ سے بچھڑا بن گیا۔ اندر سے کھوکھلا، روح سے محروم مگر وہ آواز نکالنے لگا۔

اب غور فرمائیے کہ سامری ایک کافر شخص تھا اور جب اس نے سیدنا ہارون علیہ السلام سے دعا کرنے کی درخواست کی تھی تو اس وقت بھی اس کی نیت میں فتور تھا، مگر اس کے باوجود سیدنا ہارون علیہ السلام کی اس کے لیے کی گئی دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ حالانکہ وہ دلوں کے بھیدوں اور باطنی کیفیات کو بخوبی جاننے والا ہے۔ کافر کے حق میں دعا کی قبولیت اس کے طرز حیات کی پسندیدگی کی موجب نہیں ہوتی، بلکہ یہ "دعاءِ مستجاب" اس کے لیے عذاب، آزمائش، مہلت اور ڈھیل کا سبب بن جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح سامری کے حق میں اللہ کے نبی کی دعا مزید مہلت اور آزمائش کی حکمت کے تحت مقبول ہوئی۔ اس بات کی تائید

① تفسير النسائي ج ٢ ص: ٥٦- ٥٧ تفسير سوره طه.



ابن کثیر میں وارد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے درج ذیل قول سے ہوتی ہے:

عن ابن عباس انما أراد هارون ان يجتمع الحلى كله في تلك الحفيرة، و يجعل حجراً واحداً حتى اذا رجع موسى عليه السلام رأى فيه مايشاء، ثم جاء ذلك السامرى فالقى عليها تلك القبضة التي أخذها من اثر الرسول وسال من هارون ان يدعوالله ان يستجيب له في دعوةٍ، فدعاله هارون وهولايعلم مايريد، فاجيب له، فقال السامرى عندذلك اسأل الله ان يكون عجلا فكان عجلا له خوارٌ أى صوت استدراجاً، وامهالاً ومحنةً واختباراً ①

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدنا ہارون علیہ السلام کا ارادہ تھا کہ تمام زیورات کو گڑھے میں یکجا کر کے (آگ لگا کر) ایک ڈلا بنا دیا جائے، سیدنا موسیٰ علیہ السلام واپس آ جائینگے تو وہ اس کے متعلق خود مناسب فیصلہ فرمائینگے۔ بس اسی دوران سامری نے وہ مٹھی لا کر ڈال دی جو اس نے رسول (جبرئیل علیہ السلام) کے گھوڑے کے نشان قدم سے اٹھائی تھی، اور اس نے سیدنا ہارون علیہ السلام سے اپنی دعا کی قبولیت کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی، چونکہ سیدنا ہارون علیہ السلام کو سامری کے ارادے کا علم نہیں تھا، اس لیے آپ نے دعا فرما دی۔ چنانچہ سامری نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ اس (گڑھے میں جمع شدہ تمام اشیاء) سے بچھڑا بن جائے، چنانچہ اس سے بچھڑے کی سی آواز والا ایک بچھڑا بن گیا، جو ڈھیل، مہلت، پریشانی اور آزمائش کا باعث ٹھہرا۔

آپ ہماری اس کتاب میں یہ بات کئی مرتبہ پڑھ چکے ہیں کہ کافر، بے دین اور مشرک انسان کی اپنے حق میں دعا یا اس کے لیے کسی عبد صالح کی طرف سے کی گئی دعا کی قبولیت اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔ حرام اور ناجائز دعاؤں کی قبولیت کے اسباب کے بیان میں مذکورہ بالا امر کا مفصل ذکر گذر چکا ہے۔

یہ بات عقیدہ کی رو سے مُسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کی ذات سے راضی ہے نہ ان کے دین و مذہب سے، مگر وہ ذات کریم مجبور، لاچار اور مضطر کافر کی اضطراری حالت میں کی گئی دعا کو قبول فرما لیتی ہے۔ دعا کرنے والا کتنا ہی مبغوض اور ناپسندیدہ شخص ہی کیوں نہ ہو جب وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مدد کے لیے پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو پورا کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں دعا کرنے والا آزمائش، اور مزید ڈھیل کا شکار ہو جاتا ہے۔ سامری کے حق میں سیدنا ہارون علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا تعلق بھی اسی قبیل سے ہے، جیسا کہ ابھی آپ نے پڑھا ہے۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص: ۱۶۲

اسی طرح تاریخی روایات میں ایک واقعہ کا ذکر ہے جو ہمارے اس موقف کی تائید کرتا ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں مسیحیوں نے مسلمانوں کے ایک علاقہ پر حملہ کر دیا، مسلمان قلعہ میں محصور ہو کر رہ گئے۔ مسلمانوں کے پاس قلعہ کے اندر خورد ونوش کا وسیع سامان موجود تھا، وہ محاصرہ کی وجہ سے حملہ آوروں کی ماتحتی یا غلامی کو قبول کرنے کیلئے بالکل تیار نہ تھے، اس دوران حملہ آور مسیحی لشکر کے پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ لشکری پیاس کی وجہ سے جان بلب ہونے کو آئے تو انہوں نے قلعہ کے باہر سے مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس پانی نہیں ہے۔ اگر آپ لوگ ہمیں قلعہ کے اندر سے پانی حاصل کرنے دیں تو ہم محاصرہ ختم کر دینگے، اور واپس چلے جائینگے۔ مسلمانوں نے مسیحیوں کے اس پیغام پر باہم مشاورت کی کہ ہم ان کے لیے قلعہ کے دروازے کھول دیں یا نہ؟ آخر میں فیصلہ یہ ہوا کہ ہمیں کسی بھی صورت میں حملہ آوروں کے لیے دروازے نہیں کھولنے چاہئیں اور نہ ہی انہیں پانی مہیا کرنا چاہیے۔ دونوں صورتوں میں قلعہ بند مسلمانوں کی جان، مال اور عزت کے ضیاع کا قوی تر امکان ہے، چنانچہ مسیحیوں کی اس پیشکش اور مطالبے کو ٹھکرا دیا گیا، بیان کیا جاتا ہے کہ مسیحی لشکر مسلمانوں سے مایوس ہوا تو اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے دعا کی، اور اللہ تعالیٰ سے پانی طلب کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو قبول کرتے ہوئے آسمان سے بارش نازل فرمائی۔ جس سے حملہ آور مسیحی کافروں کو حیاتِ نو مل گئی۔ اس واقعہ سے کمزور ایمان لوگوں کا ''ایمان'' متزلزل ہونے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدد کیوں فرمائی۔ ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے کیوں نوازا، انہیں پانی کی نعمت مہیا فرما کر تازہ دم کیوں کر دیا، جو اس کے دین کے دشمن ہیں اور اس کے ماننے والوں کی جان، مال اور ناموس کو تباہ کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں، اور انہوں نے مسلمانوں پر ان کے اپنے علاقہ کو تنگ کر دیا ہے؟ قریب تھا کہ کمزور عقیدہ لوگ شیطان کے اغوا (بہکاوے) کا شکار ہو جاتے اور شک وشبہ کا بیج دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی ڈال دیتے۔

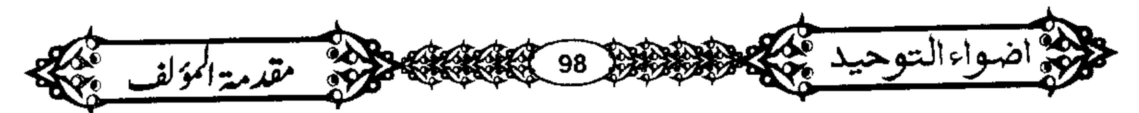
حاکم وقت کو بعض مسلمانوں کے اس قلق واضطراب اور شک وارتیاب کا علم ہوا تو اس نے اس کے تدارک کیلئے اپنے وقت کے بہت بڑے عالم سے رجوع کیا، اور درخواست کی کہ اس فتنہ کے خاتمہ کیلئے کوئی تدبیر ضرور فرمائی جائے۔ عالم نے لوگوں کے جمع کرنے کا حکم دیا، لوگ جمع ہو گئے تو اس عالم ربّانی نے اپنے ہاتھ بلند کر کے اللہ کے حضور تمام عجز ونیاز سے یوں دعا کی: اے اللہ! تو نے ان کفار کی دعا قبول فرماتے ہوئے انہیں جو پانی پلایا ہے ہمیں اس کے متعلق پورا یقین ہے کہ تجھے ان کی ذات سے محبت ہے اور نہ ان کے مذہب سے، مگر چونکہ کفار بھی تیرے بندے ہیں اور تو نے ہر ذی روح کی روزی کا ذمہ اٹھایا ہے، اس لیے تو نے پانی مہیا کیا ہے۔ اور پھر ان لوگوں نے مضطر ہو کر تجھے پکارا ہے اور تو مضطر انسان کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ اس لیے تو نے ان درماندہ لوگوں کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا ہے۔

اے اللہ! ہماری دعا ہے کہ ان کفار میں اپنا قدرت کا کرشمہ ظاہر فرما، اہل ایمان کے قلوب کو اطمینان عطا فرما، کمزور

ایمان لوگوں کے دلوں میں اپنے ایمان کو مضبوط فرما تا کہ وہ ایمان پر ثابت قدم ہو جائیں، اور کسی فتنہ و آزمائش کا شکار نہ ہو جائیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حملہ آور مسیحی لشکر پر تیز و تند آندھی کا عذاب مسلط فرمایا جس سے وہ ہلاک اور برباد ہو گئے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ ابوالمعالی آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فليس كل من متعه الله برزقٍ ونصرٍ اما اجابة لدعائه واما بدون ذلك يكون لمن يحبه الله ويواليه، بل هو سبحانه يرزق المؤمن والكافر والبر والفاجر، وقديجيب دعائهم ويعطيهم سؤالهم في الدنيا وما لهم في الاخرة من خلاق، وقد ذكر ان بعض الكفار من النصارى، حاصروا مدينة للمسلمين، فنفد ماؤهم العذب، فطلبوا من المسلمين ان يزودوهم بماءٍ عذب ليرجعوا عنهم، فاشتور ولاة المسلمين، وقالوا، بل ندعهم حتى يضعفهم العطش فنأخذهم، فقام اولئك فاستسقوا، ودعوا الله فسقاهم فاضطرب بعض العامة فقال الملك لبعض العارفين ادرك الناس، فأمر بنصب منبرله، وقال: اللهم انا نعلم ان هولاء من الذين تكفلت بأرزاقهم كما قلت في كتابك وما من دآبة في الأرض الا على الله رزقها، وقدعوك مضطرين وانت تجيب المضطر اذا دعاك فاسقيتهم لما تكفلت به من رزقهم ولما دعوك مضطرين، لا لانك تحبهم ولاتحب دينهم، والآن فنريد ان ترينا فيهم آية تثبت به الايمان في قلوب عبادك المؤمنين

اللہ تعالیٰ نے جس انسان کو اس کی دعا کے سبب یا بغیر کسی دعا کے رزق یا فتح مندی سے نواز رکھا ہے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ انسان اللہ کا ولی یا اس کا محبوب بندہ ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو مؤمن، کافر، نیک اور بدکار سبھی کو رزق عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کی دعاؤں کو قبول کرتا اور ان کی آرزؤں کی تکمیل کر دیتا ہے۔ لیکن آخرت میں ان کو کچھ بھی حصہ نہیں ملے گا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ مسیحی کافروں نے مسلمانوں کے ایک شہر کا محاصرہ کر لیا، دوران محاصرہ کفار کے پاس میٹھے پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے مسلمانوں سے اپنے محاصرہ کو اٹھا لینے کی پیشکش کے ساتھ میٹھا پانی طلب کیا۔ مسلمان قائدین نے باہمی مشاورت کے بعد فیصلہ کیا کہ ہمیں ان لوگوں کو پیاسا چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ پیاس سے جان بلب ہو جائیں گے تو ہم ان کو گرفتار کر لینگے، چنانچہ یہ لوگ مسلمانوں سے مایوس ہو کر کھڑے ہو گئے اور اللہ سے پانی کیلئے دست دعا بلند کر دیئے، نتیجۃً اللہ تعالیٰ نے انہیں پانی عطا فرمایا، اس واقعہ سے کمزور ایمان لوگوں میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ حاکم نے ایک عالم سے درخواست کی کہ آپ لوگوں کی پریشانی کا کوئی تدارک کریں، عالم نے ایک منبر نصب کرنے کا حکم دیا، عالم نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر دعا کی کہ اے اللہ! ہم جانتے ہیں کہ یہ کفار بھی ان ذی



فأرسل الله عليهم ريحاً أهلكتهم، اونحو هذا ①

روح میں سے ہیں جن کی روزی کا ذمہ تو نے خود اٹھا رکھا ہے، جیسا کہ تو نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ''اور کوئی جاندار زمین پر ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمہ اس کا رزق نہ ہو'' اور پھر ان لوگوں نے مجبور ہو کر تجھ سے دعا کی ہے۔ یقیناً جب بھی کوئی مضطر انسان تجھے پکارتا ہے تو اس کی مدد کرتا ہے۔ اے اللہ! تو نے ان کے روزی رساں ہونے اور ان کے لاچاری و اضطرار کی دعا کو قبول کرنی کی وجہ سے پانی مہیا کیا ہے، تجھے ان کی ذات سے محبت ہے، نہ ان کے دین سے۔ اے اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ان کے اندر اپنی قدرت کا نشان دکھا دے تا کہ تیرے ایماندار بندوں کا ایمان قوی ہو جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ہلاکت خیز آندھی یا اس جیسی کوئی قدرت ظاہر فرمائی جس سے وہ سب کے سب نیست و نابود ہو گئے۔

برادرانِ اسلام! یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ حرام اور ناجائز دعاؤں کے نتیجے میں بعض اوقات دعا کرنے والوں کی حاجات پوری ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کافروں اور بے دینوں کے حوائج و مسائل بھی کبھی دعا سے اور کبھی بغیر دعا کے پورے ہو جاتے ہیں، مگر پوری ہو جانے والی حاجات و اغراض کی نسبت وہ نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے جو ان کو اٹھانا پڑتا ہے۔ بعض اوقات تو دعا کرنے والے کو اپنی دعا کے ناجائز اور حرام ہونے کا علم ہو جاتا ہے اور کبھی تو اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔ اس طرح دعا کرنے والے کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے نہ اسے توبہ و انابت کا موقعہ میسر ہوتا ہے۔ بلکہ وہ آخر دم تک اپنے حق بجانب ہونے کی خوش فہمی کا شکار رہتا ہے۔ علامہ ابو المعالی آلوسی فرماتے ہیں:

دعاءً محرما يحصل معه ذلك الغرض، ويورثهم ضررًا اعظم منه، وقد يكون الدعاء مكروها ويستجاب له ايضاً ثم هذا التحريم والكراهة وكذلك انواع من الداعين السائلين قديدعون

اسی طرح مختلف قسم کے دعا کرنے اور سوال کرنے والے لوگ ہوتے ہیں جو ناجائز دعا کرتے ہیں، تب بھی ان کی حاجات پوری ہو جاتی ہیں۔ مگر ان کی تکمیل شدہ اغراض ان کے لیے بہت بڑے نقصان کا باعث بن جاتی ہیں۔ بعض

① غاية الاماني ج ۲ ص ۳۲۴ واللفظ له/ اقتضاء الصراط المستقيم ص ۴۵۶، ۴۵۷



قد یعلمه الداعي وقد لا یعلمه علی وجه یعذر فیه① اوقات دعا مکروہ ہونے کے باوجود مقبول ہو جاتی ہے۔ داعی کو کبھی تو حرام اور مکروہ دعا کا علم ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں۔ لیکن یہ ایسی لاعلمی نہیں کہ اسے قابل عفو قرار دیا جاسکے۔

غلو سے منع

عقیدہ کے معاملہ میں اعتدال اور توسط کی راہ سے تجاوز ہو جائے اور افراط وتفریط کا غلط مسلک اختیار کر لیا جائے تو افراد و جماعتوں کی آخرت برباد ہو جاتی ہے۔ اعتدال تو جمیع امور میں مطلوب ہے مگر عقیدہ کی صحت مندی کیلئے اس کا ہونا ازحد ضروری ہے، جہاں انبیاء کرام اور اولیاء اللہ عظام کی شان میں تقصیر یا ان سے بغض وعداوت بربادئ ایمان کا سبب بنتی ہے وہاں ان اللہ کے عظیم بندوں کی حد سے زیادہ تعظیم اور محبت کے نام پر (معاذ اللہ) ان کی طرف صفات الٰہیہ کو منسوب کرنا بھی خرمن ایمان کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔

دنیا میں بعض فرقے اور گروہ ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے انبیاء کی توہین وتقصیر کو اپنا من پسند مشغلہ بنا دیا اور انبیاء سے دشمنی اور بغض وعداوت کی تمام حدوں کو پھلانگ گئے، ان فرقوں کا سرخیل طبقہ "یہود" ہے جس نے اللہ کے نبیوں زکریا و یحیٰ علیہما السلام کو قتل کرنے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹی تہمتیں عائد کر کے حوالۂ دار کرنے تک کی سازشوں کے مرکزی وکلیدی کردار ادا کرنے کی بھرپور عملی جدوجہد کی اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کو (معاذ اللہ) مشرک اور جادوگری کی تہمت سے متہم کیا، ان کے علاوہ سیدنا نوح، سیدنا لوط اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم پر نہایت بدبودار الزامات عائد کیے۔ اس طرح یہ گروہ اللہ تعالیٰ کے غضب، اسکی لعنت اور اس کے دائمی عذاب کا حقدار ٹھہرا۔ یہ تھا وہ طبقہ جس نے تقصیر وتوہین انبیاء کو اپنا مشن سمجھ لیا۔ اس کے مدمقابل ایسے گروہ، جماعتیں اور افراد کثرت سے دنیا میں پیدا ہوئے، اور اب بھی منظر عالم پر موجود ہیں جنہوں نے غلط طریقوں اور جھوٹی محبت کی آڑ میں آ کر انبیاء اللہ اور اولیاء کرام کو عبدیت کے پسندیدہ مقام سے اٹھا کر منصب الوہیت وربوبیت پر فائز کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی صفات عُلیا کا حقدار غیر اللہ کو قرار دیکر بدترین غلو اور شرمناک جسارت کا ارتکاب کیا، اس طرح ایسے جملہ سابقہ اور موجودہ گروہوں نے اپنے ایمان کی بربادی اور آخرت کے دائمی عذاب کا سودا کر لیا۔

غلو انتہائی مہلک کبیرہ گناہ ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے انتہائی واضح الفاظ میں اس عمل سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

① غاية الاماني: ج ٢ ص ٢٨١

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ①

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی من مانی باتوں پر نہ چلو، جو پہلے (خود بھی) گمراہ ہو چکے ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور راہِ راست سے (بہت) بھٹک چکے ہیں۔

اور فرمایا:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ②

اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں کوئی بات حق کے سوا نہ کہو۔

چونکہ غلو سے سابقہ امتیں تباہ و برباد ہو گئیں، ان کے عقائد میں نہایت درجہ کا ضعف و اضمحلال پیدا ہو گیا تھا اور امت مسلمہ میں بھی اس تباہ کن جریمہ کے داخل ہونے کا خدشہ تھا، اس لیے ناصح الامین سیدنا محمد مصطفی ﷺ نے اپنی امت کو اس سے بچنے کی سخت ترین تاکید فرمائی۔ آپ کا ارشاد ہے:

عن ابن عباس قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والغلو فی الدین فانما أهلک من کان قبلکم بالغلو فی الدین ③ (صحیح)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا، خبردار! دین میں غلو سے بچتے رہنا، تم سے پہلی امتیں دین میں غلو کو اختیار کرنے سے برباد ہو گئیں۔

اور آپ نے فرمایا:

عن ابی هریرة قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الیهود والنصاری اتخذوا قبور انبیائهم مساجد ④ (صحیح مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کی لعنت ہو یہود اور نصاریٰ پر کہ جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا دیا۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

حدثنی جندب قال: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ألا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون

جندب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: خبردار! تم سے پہلی امتوں نے اپنے نبیوں

① سورة المائدة: ۷۷ ② سورة النساء: ۱۷۱

③ مسند احمد رقم الحدیث: ۳۲۴۸ اسناده صحیح، مسند ابن عباس / سنن النسائی، کتاب الحج، باب 'التقاط الحصی'، رقم الحدیث: ۳۰۵۷ صححه الألبانی۔

④ رواه مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور، واتخاذ الصور فیها و النهی عن اتخاذ القبور مساجد'



قبور انبیائهم وصالحيهم مساجد ألا فلاتتخذوا القبور مساجد، إني أنهاكم عن ذلك ① (صحیح مسلم)

اور نیک بندوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنالینا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔

اور ایک مقام پر آپ ﷺ نے امت سے یوں خطاب فرمایا:

عن ابن عباس انه سمع عمر رضي الله عنه يقول على المنبر سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول لا تطروني كما أطرت النصارى عيسى ابن مريم فانما أنا عبده فقولوا عبدالله ورسوله ② (صحيح بخاری)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا، تم مجھے حد سے زیادہ نہ بڑھا دینا جس طرح نصاری نے عیسیٰ ابن مریم (کی شان) کو حد سے زیادہ بڑھا دیا، میں تو اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو۔

ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا:

عن يحيىٰ بن سعيد قال كنا عند علي بن الحسين فجاء قوم من الكوفيين فقال علي يا اهل العراق احبونا حب الإسلام سمعت ابي يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أيها الناس لا ترفعوني فوق قدري فان الله اتخذني عبدا قبل ان يتخذني نبياً، فذكرته لسعيد بن المسيب فقال: وبعدما اتخذه نبيا ③ (صحيح)

یحیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ ہم علی بن حسین کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ کوفیوں کی ایک جماعت آ گئی۔ علی رحمہ اللہ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، اے اہل عراق! تم ہم سے اسلام والی محبت کیا کرو، کیونکہ میں نے اپنے ابا کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ 'لوگو! مجھے میری شان سے زیادہ نہ بڑھاؤ، اس لیے کہ اللہ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے اپنا بندہ بنایا ہے (یحیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ) میں نے یہ حدیث سعید بن المسیب کو بیان کی تو آپ نے مزید الفاظ یہ بیان کیے، "اور نبی بنانے کی بعد بھی اللہ نے آپ کو اپنا بندہ قرار دیا ہے۔"

---

① رواه مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب النهى عن بناء المساجد على القبور و اتخاذ الصور فيها والنهى عن اتخاذ القبور مساجد

② رواه البخارى، كتاب احاديث الانبياء باب واذكر فى الكتاب مريم اذا انتبذت من أهلها

③ أخرجه الحاكم فى المستدرك ١٩٧/٣ كتاب معرفة الصحابة، وقال هذا حديث صحيح الإسناد / و قال الذهبى فى التلخيص: صحيح/ التلخيص بهامش المستدرك ١٩٧/٣.

ایک حدیث آپ ﷺ نے اپنی امت کو سابقہ امتوں کی نقالی سے منع فرماتے ہوئے یہ پیشن گوئی بھی کی کہ امت مسلمہ میں بعض لوگ یہود ونصاری کی ہو بہو موافقت کرینگے، شرک، بدعات، خرافات اور غلو کے تمام مکروہ اعمال کو بلا چوں وچرا اختیار کرلینگے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

عن ابی واقد الليثی قال ان رسول الله صلی الله عليه وسلم لما خرج إلی حنين مر بشجر المشركين يقال لها ذات انواط يعلقون عليها أسلحتهم قالوا يارسول الله :إجعل لنا ذات انواط كما لهم ذات انواط فقال النبی ﷺ سبحان الله هذا كما قال قوم موسیٰ اجعل لنا إلها كما لهم آلهة والذی نفسی بيده لتركبن سنة من كان قبلكم.①

(حسن)

ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب حنین کی طرف روانہ ہوئے تو آپ ﷺ کا گذر مشرکوں کے ایک ذات انواط نامی درخت سے ہوا جس پر مشرک اپنا اسلحہ لٹکایا کرتے تھے تو کچھ لوگ (نومسلم) کہنے لگے: کہ اللہ کے رسول ہمارے لیے بھی مشرکوں کے ذات انواط کی طرح کا ایک ذات انواط مقرر کردیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ یہ بات تو بالکل قوم موسیٰ کی بات کی طرح ہے انہوں نے بھی موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ مشرکوں کے معبود کی طرح کوئی ہمارا بھی معبود بنادیجئے، قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے تم ضرور اپنی پہلی اُمتوں کے نقش قدم پر چلو گے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے پہلی اُمتوں کے بارہ میں دریافت کیا:

قلنا :يارسول الله اليهود والنصاریٰ؟قال فمن؟②

(صحيح بخاری ومسلم)

کہ ان سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں یا کوئی اور؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اور کون ہو سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہود ونصاری کا اپنے انبیاء وصالحین کی شان میں اختیار کردہ غلو موجود تھا، آپ کو خدشہ تھا کہ میری امت کہیں ان ملعون ومبغوض قوموں کی راہ پر نہ چل پڑے اور وہ آپ ﷺ کو بالخصوص اور اولیاء وصالحین کو بالعموم مقام عبدیت سے بلند کر کے مقام الوہیت پر فائز نہ کردے، اس لیے آپ ﷺ نے بار بار تاکیدی فرمان ارشاد فرمائے اور اپنی امت کو ایسی محبت سے منع کیا۔ اور اس کے نتائج بد سے آگاہ فرمایا جو ایمان کی دولت کو تباہ برباد کردیتی ہے۔

① رواه الترمذی، كتاب الفتن، باب ماجاء لتركبن سنن من كان قبلكم، حسنه الترمذی وصححه/احمد، رقم الحديث: ٢١٧٩٤ / مسند أبی واقد الليثی اسناده، إسناده صحيح.

② رواه البخاری، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبی ﷺ "لتتبعن سنن من كان قبلكم"/ مسلم، كتاب العلم، باب اتباع سنن اليهود والنصاریٰ.



رسولِ مقبول ﷺ نے جس خطرہ کی نشاندھی امت کے لیے فرمائی، بدقسمتی سے اس کا ظہور امت کے بعض ناعاقبت گروہوں میں ہو کر رہا، قوم یہود ونصاری نے سیدنا عزیر علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو معاذ اللہ، اللہ کے بیٹے قرار دیا، اور دوسرے انبیاء وصالحین کو اللہ کی صفات سے متصف جانا، اس طرح ان قوموں نے اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضگی، اس کی لعنت اور اس کے دائمی عذاب کو دعوت دی۔ بالکل مذکورہ بالا قوموں کی طرح امت محمدیہ علی صاحبہا الف تحیۃ وتسلیم کے غالی گروہوں نے نبی اکرم ﷺ کی شان میں آپ ﷺ کی واضح ممانعت کے باوجود حد درجہ غلو اختیار کیا، آپ کو معاذ اللہ مقام الوہیت سے بھی برتر قرار دیدیا اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو آپ ﷺ کی ذات میں سمودیا، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ان لوگوں نے اولیاء وصالحین کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک وسہیم بلکہ اللہ کی ذات سے بے نیاز کر دینے والا قرار دیدیا۔ ہم دنیا بھر کے غالیوں کے غلو کا احاطہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کی چنداں ضرورت ہے۔ تاہم قارئین کرام کے سامنے چند ایک غالیوں کے غلو کے نمونہ جات پیش کرتے ہیں تاکہ انہیں اس قوم کی بے باکی، جرأت وجسارت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے واضح فرامین کے خلاف "بے پناہ ہمت" کا اندازہ ہو جائے۔ اور اللہ کی صفت حلیم پر ان کا ایمان مزید مضبوط ہو جائے۔

برصغیر کے چند غالیوں کے غلو کے نمونے

بریلویوں کے امام احمد رضا خان صاحب، مشہور ولی اللہ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی شان میں غلو کرتے ہوئے اپنی کتاب "حدائقِ بخشش" میں لکھتا ہے:

'ذی تصرف بھی ہے، ماذون بھی ہے، مختار بھی ہے
کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر ①

اندازہ فرمائیے کہ جب ساری کائنات کا مدبر، مختار اور متصرف الامور شیخ عبدالقادر ہیں تو پھر کائنات کے باسیوں کو اللہ تعالیٰ کی (العیاذ باللہ) ضرورت ہی کیا باقی رہ سکتی ہے؟ پھر تو وہ اپنی نمازوں، قربانیوں اور حج وعمروں میں اللہ تعالیٰ سے مناجات، اس سے مغفرت کی دعائیں اور حمد وثنا پڑھنے کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کرینگے۔ بلکہ وہ جنازہ کی نمازوں میں "اللّٰھم اغفر لہ" کے بجائے "یا عبدالقادر اغفر لہ" کہنا چاہینگے، معلوم نہیں کہ قرآن وسنت کی کس نص سے مذکورہ بالا اوصاف شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو ودیعت ہوئے ہیں؟ حد ہوگئی غلو کی۔

① حدائق بخشش حصہ اول ص ۳۰/ درمنقبت حضور غوثِ اعظم.



احمد رضا خان صاحب اپنی کتاب میں سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے بارے میں اپنی عقیدت کا اظہار یوں بھی کرتا ہے:

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کُن اور سب کُن مَکُن حاصل ہے

مطلب بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''کن فیکون'' کی اختیارات اولاً محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا ہوئے، اور پھر یہ تمام اختیارات رسول اللہ ﷺ کی طرف سے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی ذات میں منتقل ہو گئے۔ معاذ اللہ۔ اب جبکہ احمد رضا خان صاحب کے مطابق ''کن فیکون'' کے جملہ اختیارات شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو حاصل ہو چکے ہیں تو پھر لیل ونہار، اور شمس وقمر کی کیا مجال ہے کہ وہ سیدنا جیلانی رحمہ اللہ کی اجازت وامر کے بغیر اپنا ظہور کر سکیں۔ اسی لیے تو احمد رضا خان صاحب اپنی مایہ ناز کتاب ''الامن و العلی'' میں بڑے فخر وابتہاج سے لکھتا ہے کہ:

'آفتاب طلوع نہیں ہوتا جب تک حضور سیدنا غوث اعظم پر سلام نہ کر لے۔ ①

اللہ کی پناہ! کس قدر توحید الوہیت پر بے باکانہ جسارت کا اظہار ہے، قرآن کریم تو کہتا ہے کہ کائنات کی ہر شی حتی کہ گھٹتے بڑھتے سائے بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور سب کے سب اسی تنہا ذات کے مطیع ہیں۔۔۔!

اسی طرح رضا خانی جماعت میں سے ایک شخص رسالت مآب ﷺ سے ''محبت'' کی آڑ میں اللہ رب العالمین کی توحید اور اس کی بے مثل اور بے مثال عظمت پر یوں ڈاکہ ڈالتا ہے:

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا مدینہ میں مُصطفیٰ ہو کر

اندازہ کیجئے کہ یہ کس قدر سنگین غلو ہے۔ فرقِ مراتب سے محروم زندیق نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ایک ذات قرار دیا ہے کہ عرش پر مستوی ذات اللہ تعالیٰ خود ہی رسول بن کر مصطفیٰ ﷺ کے روپ میں مدینہ میں جلوہ گر ہوا۔ مدینہ میں آ کر (معاذ اللہ) اس کی ولادت ہوئی، باپ، دادا اور والدہ کی شکل میں ددھیالی اور ننھیالی خاندانوں کی طرف منسوب ہوا، اس کی ازواج، اولاد، اور عترت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کو پتھر مارے گئے، اس کے دانت مبارک شہید ہوئے، اس کے سامنے اس کی اولاد نے وفات پائی، (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

سچ فرمایا ہے رسول کریم ﷺ نے، خبردار! دین میں غلو سے بچتے رہنا کہ سابقہ امتیں بھی اپنے غلو کے باعث ہلاک و برباد ہو گئیں۔ ''محبت'' کا یہ اظہار بدترین کفر اور عظیم ترین جسارت کی واضح مثال ہے۔

① الامن والعلیٰ ص ۸۵



مفکر اسلام جناب حافظ صلاح الدین یوسف صاحب نے اپنی کتاب ''قبر پرستی'' میں برصغیر کے غالیوں کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ آپ بھی پڑھیں اور غور کریں کہ غلو نے ان مذہبی شاعروں کے شعور و ادراک اور ان کی عقل و بصیرت، دل، آنکھ اور کان کو کس طرح مفلوج کر دیا ہے کہ دل، آنکھ اور کان کی صلاحیت رکھنے کے باوجود معرفتِ رب کی نعمت سے محروم ہو چکے ہیں۔

ایک غالی کہتا ہے:

شریعت کا ڈر ہے نہیں صاف کہہ دوں
حبیب خدا خود خدا بن کے آیا۔
ہمارا نبی تو بشر ہی نہیں
خدا ہے تجھے کیا خبر ہی نہیں
مقام اس نبی کا تو عرش بریں ہے
خدا نہ کہے جو وہ کافر لعین ہے
کیا فرق ہے عزیزو! حضرت میں اور خدا میں
وہ بھی اللہ ہے یارو، یہ بھی اِلٰہ ہے یارو ①

غور فرمایئے! کیا اس سے بڑھ کر اور کوئی کفر ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول دونوں ایک ہی ذات ہیں۔ اللہ بھی معبود ہے، اور نبی بھی معبود ہے۔ اور نبی کو معبود نہ کہنے والا ملعون اور کافر ہے۔ یہ غالی کہتا ہے کہ اگر مجھے شریعت کا کوئی ڈر نہ ہوتا (گویا یہ غالی اعتقاد تو یہی رکھتا ہے البتہ اس عقیدہ کو صریح کفر سمجھتے ہوئے زبان سے نہیں کہہ رہا) یہ صاف دلیل ہے کہ شریعت مطہرہ کی تعلیمات ان کفریہ عقائد کے یکسر منافی ہیں، جبھی تو وہ پہلے اس شریعت سے جان چھڑانے کا اعلان کرتا ہے جس کی متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ ② وہ اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔

---

① قبر پرستی ص ۶۸

② سورة التوبة: ۳۳



شریعت کو اللہ تعالیٰ نے ''ہدایت'' اور ''سچا دین'' قرار دیا ہے۔ لہٰذا جو شخص اس سرچشمہ ہدایت سے انحراف کر کے خود ساختہ عقیدہ مشتہر کرتا ہے، یقیناً وہ سبیل المومنین سے منحرف، رسول کا باغی اور اللہ تعالیٰ کی حمایت و نصرت سے محروم ہو کر وادی ضلالت کا گمراہ مسافر بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کی پیروی کرنے والوں کیلئے ہی اخروی بدنصیبی اور دنیوی ضلال سے تحفظ کی ضمانت مہیا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ﴾ ① پھر اگر تم کو میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا اور نہ محروم رہے گا۔

اس وعدہ الٰہی سے ثابت ہوا کہ جمیع معاملات میں بالعموم اور عقائدی امور میں بالخصوص شریعت کی اتباع کرنے والا ہی ضلال سے محفوظ اور ایمان سے معمور ہے۔ جبکہ شریعت کی ہدایت کے خلاف طبل جنگ بجانے والا نام نہادی ''عاشق'' جھوٹا، کافر اور ملعون ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت، کبریائی اور شراکت و حصہ داری سے پاک وحدانیت پر غالیوں کے شرمناک حملوں کی چند ایک مثالیں اور بھی دیکھئے، اور قربان جائیے اللہ تعالیٰ کی صفت ''حلیمی'' پر کہ وہ اپنے ان گستاخوں کا جلد مواخذہ نہیں فرماتا، بلکہ انہیں دنیوی نعمتوں سے متمتع کر رہا ہے جو یقیناً ان لوگوں کیلئے بہت بڑی آزمائش، مہلت اور ڈھیل ہے۔ ملاحظہ کیجیئے غلو کے نمونے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی شان میں مدح سرا غالی کہتے ہیں:

المدد یا غوث اعظم المدد دستگیر
تیری نگاہ در کار ہے، پیران پیر
اٹھا پھر درد سینے میں مگر اس کی دوا تم ہو
نہ ہوتا ڈر قیامت کا تو کہہ دیتا خدا تم ہو
یا غوث اعظم بہر خدا سن عرض میں بدکار دی،
تدھ باجھ میرا کون ہے لے سار جو بیمار دی
امداد کن، امداد کن از بندِ غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا ②

---

① سورۃ طٰہٰ: ۱۲۳

② بحوالہ قبر پرستی ص ۶۹



اب ذرا ایک نظم ملاحظہ فرمائیے جسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی شان میں مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں غلو کی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی گئی۔ اس نظم کا ایک ایک ٹکڑا رب العالمین کی عظمت و وحدانیت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ ایسے غلو اور بدبودار و زہریلے عقیدہ کی تو مشرکین اوائل کی ہاں بھی مثال نہیں ملتی۔

خدا کے فضل سے ہم پر ہے سایہ غوث اعظم کا
ہمیں دونوں جہان میں ہے سہارا غوث اعظم کا۔
ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے؟ بغداد والے کے
بلائیں ٹال دینا کام کس کا؟ غوث اعظم کا۔
جہاز تاجراں گرداب سے فوراً نکل آیا
وظیفہ جب انہوں نے پڑھ لیا یا غوثِ اعظم کا
گئے اک وقت میں ستر مریدوں کے یہاں آقا
سمجھ میں آ نہیں سکتا مُعمہّ غوث اعظم کا
شفا پاتے ہیں صدہا جان بلب امراض مہلک سے
عجب دارالشفاء ہے آستانہ غوث اعظم کا
بِلَادُاللّٰہِ مُلکی تحتَ حُکمِی سے یہ ظاہر ہے
کہ عالم میں ہر اک شے پر ہے قبضہ غوث اعظم کا
فَحُکمِی نَافِذٌ فِی کُلِّ حَالٍ سے ہوا ظاہر
تصرف انس و جن سب پر ہے آقا غوث اعظم کا

ہوا موقوف فوراً ہی برسنا اہل محفل پر
جو پایا ابر باراں نے اشارہ غوث اعظم کا

جو حق چاہے وہ یہ چاہیں جو یہ چاہیں وہ حق چاہے
تو مٹ سکتا ہے پھر کس طرح چاہا غوث اعظم کا

فقیہوں کے دلوں سے دھودیا ان کے سوالوں کو
دلوں پر ہے بنی آدم کے قبضہ غوث اعظم کا

وہ کہہ کر قُم باذنِ اللہ جلا دیتے تھے مردوں کو
بہت مشہور ہے احیائے موتی غوث اعظم کا

فرشتے مدرسے تک ساتھ پہنچانے کو جاتے تھے
یہ دربار الٰہی میں ہے رتبہ غوث اعظم کا

لعاب اپنا چٹایا احمد مختار نے ان کو
تو پھر کیسے نہ ہوتا بول بالا غوث اعظم کا

رسول اللہ نے خلعت پہنایا برسر مجلس
بجے کیوں کر نہ پھر عالم میں ڈنکا غوث اعظم کا

ہمارا ظاہر و باطن ہے ان کے آگے آئینہ
کسی شئ سے نہیں عالم میں پردہ غوث اعظم کا ①

---

① ماہنامہ'رضائے مصطفیٰ' گوجرانوالہ جلد ۱۵ شمارہ ۶، مئی سن ۱۹۷۳ء بحوالہ 'قبر پرستی' ص ۲۹۔

مذکورہ بالا نظم کے ایک ایک شعر کو بار بار غور سے پڑھیئے اور پھر اس کو اللہ علیم و حکیم کی طرف سے مُنزّل کتاب قرآن مجید اور رسول اکرم ﷺ کی احادیث مطہرہ پر پیش کیجئے، آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان جملہ اشعار میں اللہ احکم الحاکمین کی جملہ صفات کو اس کی مردہ مخلوق کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ ایسی جرأت اور بے باکی تو مشرکین مکہ کے پاس بھی نہ تھی۔ مشرکین مکہ کائنات کا مدبر، خالق، مالک، مشکل کشا اور جملہ مخلوق کا حاکم و آقا صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کو مانتے تھے۔ ان کا شرک بتوں کو اللہ کے ہاں مقرب، محبوب اور ماذون مانتے ہوئے ان کی پوجا کی حد تک محدود تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں ''قرب'' عطا کروے گی، جیسا کہ قرآن میں ان کا قول مذکور ہے:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى ﴾ ①

ہم تو ان کی پرستش بس اس لیئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں۔

قرآن کریم شہادت دیتا ہے کہ مشرکین مکہ شدید ترین مصائب میں خالصتاً اللہ تعالیٰ کو مدد کیلئے پکارتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّى إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ﴾ ②

وہ وہی (اللہ) ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں لیئے لیئے پھرتا ہے۔ چنانچہ جب تم کشتی میں (سوار) ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) لوگوں کو ہوائے موافق کے ذریعے سے لیکر چلتی ہیں اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں کہ (ناگہاں) ایک تھپیڑا ہوا کا آتا ہے اور ان کے اوپر ہر طرف سے موجیں اٹھتیں چلی آتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ (بس اب) ہم گھر گئے (تو اس وقت) اللہ کو خالص کر کے پکارتے ہیں۔

نیز قرآن کریم اس امر کی بھی گواہی دیتا ہے کہ مشرکین مکہ ''توحید فی التکوین'' یعنی توحید فی الربوبیت کے قائل تھے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ﴾ ③

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔

مزید ارشاد فرمایا:

① سورة الزمر: ٣
② سورة يونس: ٢٢
③ سورة العنكبوت: ٦١

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ﴾ ①

اور اگر آپ ان سے پوچھئے کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا، پھر اس سے زمین کو خشکی کے بعد تر و تازہ کر دیا، تو بھی یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ نے۔

مشرکین سے کائنات کی تخلیق اور اس کی تسخیر کی بابت سوال اور ان کے جواب کو قرآن کریم کی سورۂ لقمان آیت: ۲۵، سورۃ الزمر آیت: ۳۸، سورۃ الزخرف آیت: ۹ اور سورۃ الزخرف آیت: ۸۷ میں بیان کیا گیا ہے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب شدید مشکلات کے وقت خالص اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اور وہ بتوں کو قرب الٰہی کا 'وسیلہ' تصور کرتے ہوئے پوجتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بالکلیہ مخلوق (غیر اللہ) کیلئے مختص نہیں کرتے تھے۔ مگر موجودہ دور کے غالی مشرکوں نے تو شرک اور غلو کی انتہا کر دی ہے۔ انہوں نے محبت کے لبادے میں انبیاء، اور صالحین کو کائنات کا مالک، متصرف اور لوگوں کا معبود اور مشکل کشا قرار دیدیا ہے۔

سخت تعجب ہوتا ہے کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف بلا سند منسوب قول (جس کا اوپر نظم میں تذکرہ آیا ہے) "بلاد الله مُلكي تحت حكمي، فحكمي نافذ في كل حال" کا تو اتنا اعتبار کر لیا گیا ہے کہ کائنات کی ہر ایک شیٔ پر ان کے قبضہ کو اور جن و انس پر ان کے تصرف کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس قول کی نسبت ہی شیخ جیلانی رحمہ اللہ کی طرف بذات خود محتاج تحقیق و دلیل ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

(۱)

﴿ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ﴾ ②

اللہ (وہ ہے کہ) کوئی معبودِ برحق اس کے سوا نہیں وہ زندہ ہے۔ سب کو سنبھالنے والا ہے۔ اسے نہ اُونگھ آتی ہے نہ نیند، اس کی مِلک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

(۲)

﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴾ ③

اور آپ کہہ دیجئے کہ ساری حمد اسی اللہ کے لیئے ہی ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے، اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے۔ کمزوری کی وجہ سے اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجئے۔

---

① سورة العنكبوت: ٦٣
② سورة البقرة: ٢٥٥
③ سورة الاسراء: ١١١



(۳)

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴾ ①

آپ کہہ دیجئے تم انہیں پکارو جنہیں تم اللہ کے سوا (شریک) سمجھ رہے ہو۔ وہ ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ اور نہ اُن کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے۔ اور نہ ان میں سے کوئی بھی اللہ کا مددگار ہے۔

(۴)

﴿ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۝ ذَٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴾ ②

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا کر دیا چھ دنوں میں۔ پھر وہ مستوی عرش ہوا اس کے سوا کوئی نہ تمہارا مددگار ہے اور نہ سفارشی، سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ آسمان سے زمین تک وہی ہر امر کی تدبیر کرتا ہے پھر (یہ امر) اس کے پاس پہنچتا ہے ایک ایسے دن میں جس کی تعداد تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کی ہوگی۔ وہی جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا۔ زبردست ہے، رحیم ہے۔

(۵)

﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَٰهِ النَّاسِ ﴾ ③

آپ کہہ دیجئے کہ میں انسانوں کے پروردگار کی، انسانوں کے بادشاہ کی، انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں۔

(۶)

﴿ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴾ ④

اور تم پروردگارِ عالم کے چاہنے کے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے۔

اور اس طرح کی دیگر سینکڑوں آیات واضحات کی طرف نہ تو کوئی توجہ ہے اور نہ ہی ان کا کوئی اعتبار، مخلوق کے ایک بے سند

① سورة سبا: ۲۲
② سورة الم السجدة: ۴، ۵، ۶
③ سورة الناس: ۱، ۲، ۳
④ سورة التكوير: ۲۹



قول جو کہ قرآنی آیات کے صریح معارض بھی ہے، اس قدر اہمیت اور خالق ارض وسماء، شہنشاہ عالم، صاحب العزو الجبروت اللہ رب العالمین کے سینکڑوں فرامین مقدسہ سے اعراض اور ان کا عدمِ اعتبار نہیں تو اور کیا ہے۔ فیا للعجب

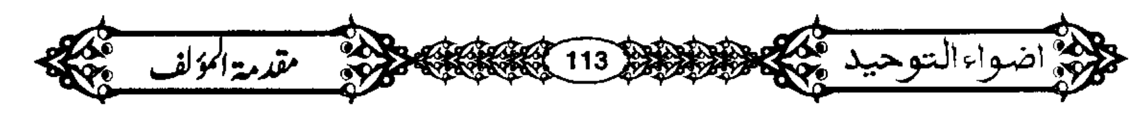
یہ طرزِ عمل فرامین الٰہیہ کی توہین واستخفاف نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ایک ایک صفت کی غیر اللہ کی طرف نسبت کر دی جائے اور لوگوں کو یہ باور کرا دیا جائے کہ (العیاذ باللہ) اب اللہ تعالیٰ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کائنات کے سبھی امور پر حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ پر بھی (العیاذ باللہ) شیخ عبد القادر جیلانی کا قبضہ ہے؟ کیا اس سے بڑھ کر اور کوئی کفر ہو سکتا ہے؟

قارئین کرام اوپر والی نظم پر ذرا غور فرمائیے:

☆ بلائیں ٹال دینا غوث اعظم کا کام ہے۔
☆ دونوں جہانوں میں ہمیں ان کا سہارا ہے۔
☆ عالم میں ہر ایک شئی پر غوث اعظم کا قبضہ ہے۔
☆ سب جن وانس پر ان کا تصرف ہے۔
☆ بنی آدم کے دلوں پر غوث اعظم کا قبضہ ہے۔
☆ اللہ کی مشیت غوث اعظم کی مشیت کے ماتحت ہے۔
☆ ہمارا ظاہر و باطن ان کے آگے آئینہ کی مانند ہے۔
☆ غوث اعظم کا احیاء موتی بہت مشہور ہے۔ اور
☆ عالم میں کسی شئی کا ان سے پردہ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا نظم میں بیان شدہ ''عقائد'' کی یہ فہرست از روئے ایمان، کسی مخلوق کی صفت شمار ہو سکتی ہے؟ کیا اس سے بڑھ کر اللہ ذوالجلال کی جناب میں گستاخی، بے ادبی اور اس کے اعلیٰ ترین بے مثل اور بے مثال مرتبہ کے ساتھ استہزاء وتمسخر اور بے قدری کی کوئی اور صورت ہو سکتی ہے۔؟

سبحان اللہ عما یقول الظالمون، ونعوذ باللہ من ھذہِ الکفریات



خواجہ غلام فرید کی شان میں غلو

سابقہ ریاست ''بہاولپور'' (اب صوبہ پنجاب) میں ایک پیر خواجہ غلام فرید ہو گذرے ہیں۔ان کا اکثر قیام ''چاچڑاں'' نامی شہر میں رہا ہے۔جب کہ ان کی وفات ڈیرہ غازی خان کے ایک قصبہ ''کوٹ مٹھن'' میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔اس وقت پاکستان کے شہرہ آفاق معابد میں سے ان کی مزار کو مشہور عبادت گاہ کا درجہ حاصل ہے۔خلق کثیر روزانہ اس پیر کی قبر پر سجدہ، طواف، رکوع اور ذبح و نیاز پیش کرتی ہے۔اس کے غالی مریدوں میں سے ایک مرید اپنے پیر خواجہ غلام فرید کے وطن ''چاچڑاں'' اور اس کے مدفن ''کوٹ مٹھن'' کے متعلق یوں رطب اللسان ہے:

میری لاکھ جانیں قربان اس پر
جو یثرب سے چاچڑ نشیں بن کے آیا ①

اس شعر میں خواجہ غلام فرید کو سیدالانبیاء سیدنا محمد مصطفی ﷺ کا مثل بنا کر پیش کیا گیا ہے،یعنی یثرب (مدینہ منورہ) سے رسول اکرم ﷺ خواجہ صاحب کی شکل میں آئے اور ''چاچڑاں'' شہر میں سکونت پذیر ہو گئے۔(العیاذ باللہ) اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کو بدعقیدہ اور گستاخ کہنے والوں کا کیا عجب انداز ہے۔ایک دوسرا غالی یوں اظہار عقیدت کرتا ہے:

چاچڑ وانگ مدینہ ڈسے کوٹ مٹھن بیت اللہ
ظاہر دے وچ پیر فریدن، باطن دے وچ اللہ ②

اپنے آپ کو رسول اللہ کا محب اور عاشق کہلانے والوں اور اہل التوحید کو گستاخ، بدعقیدہ اور بے ادب کا الزام لگانے والوں کا حال دیکھئے کہ انہیں خواجہ غلام فرید اللہ اور رسول نظر آتا ہے۔اس کے وطن چاچڑاں کو مدینہ منورہ سمجھتے ہیں اور خواجہ غلام فرید کے مدفن کوٹ مٹھن کو بیت اللہ (مکہ مکرمہ) کا اعزاز عطا کرتے ہیں۔غالی مرید کے اس قول میں صاف اعلان ہے کہ مسلمانوں کو حج کیلئے مکہ مکرمہ کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے۔وہ حج کرنا چاہیں تو چاچڑاں اور کوٹ مٹھن کا سفر اختیار کریں۔حقیقت یہ ہے کہ چاچڑاں،کوٹ مٹھن،لواری اور سیہون (سندھ) کے مصنوعی حجوں کا آغاز انہی بدباطن غالیوں کی کارستانی ہے۔ملتان شہر کے شیخ بہاؤالدین زکریا کے مزار کا حج تو سندھ اور پنجاب کے مریدوں کا ایک محبوب ترین اور مقدس ترین عمل ہے۔ان مزارات پر حج کے جملہ مناسک کی ہو بہو ادائیگی ہوتی ہے۔

① بحوالہ قبرپرستی' ص ۶۹
② بحوالہ قبرپرستی' ص ۶۹



پیر جماعت علی شاہ کی شان میں غلو

صوبہ پنجاب کے ضلع سیالکوٹ میں ''علی پور'' کے نام سے ایک شہر آباد ہے۔اس شہر میں ایک پیر جماعت علی شاہ کے نام سے ہوگذرے ہیں،ان کا مزار بھی ایک معبد بن چکا ہے۔ جہاں شرک، بدعت اور ظلم وغلو سے لبریز ہزار ہا خرافات کا ارتکاب ہوتا ہے۔پیر صاحب سے جھوٹی محبت اور باطل عشق کے نام پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات حقہ کے ابطال کا درس دیا جاتا ہے،لوگوں کو اللہ رحیم وکریم کی رحمت سے مایوس کر کے پیر جماعت علی شاہ کی مشکل کشائی اور دستگیری کا معتقد بنایا جاتا ہے۔انہی پیر صاحب کا ایک مرید اپنے پیر کی عظمت وشان بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

؎ تجھے میں تو مشکل کشا ہی کہوں گا
میری تجھ سے مشکل کشائی ہوئی ہے ①

دوسرا عاشق اٹھ کر اپنے عشق ومحبت کا یوں اظہار کرتا ہے:

؎ تم ہو مختارِ دوعالم دافع رنج و بلا
دین و دنیا میں شہا ہے بادشاہی آپ کی

؎ تم ہو حل المشکلات اور دافع رنج و بلا
ہے دو عالم میں شہا عقدہ کشائی آپ کی ②

شاعر نے پیر جماعت علی شاہ کو ملک الناس، رب الناس اور الٰہ الناس کا اعزاز عطا کیا ہے،اور اللہ تعالیٰ کو ''رب العالمین'' کے منصب سے (العیاذ باللہ) معزول کر کے پیر جماعت علی شاہ کو اس عہدہ جلیلہ کا جائز حقدار قرار دیا ہے، باقی اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے:

﴿وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ ③

اور اگر اللہ تجھے کوئی دکھ پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا (بھی کوئی) نہیں۔مگر وہی ذات (اللہ) اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر شئی پر قادر ہے۔ وہ غالب ہے اپنے بندوں کے اوپر، اور وہ بڑا صاحب حکمت، بڑا باخبر ہے۔

① نقل از اشتہارات شائع کردہ ناظم انجمن حزب النعمان لاہور در مدح پیر جماعت علی شاہ رسالہ، انوار الصوفیہ ماہ جون سن ۱۹۲۹ء ص ۹
② نقل از اشتہارات شائع کردہ ناظم انجمن حزب النعمان لاہور در مدح پیر جماعت علی شاہ رسالہ، انوار الصوفیہ ماہ جون سن ۱۹۲۹ء ص ۹
③ سورۃ الانعام: ۱۷



اور فرماتا ہے:

﴿أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ﴾ ①

(یہ معبود بہتر ہیں) یا وہ جو بیقرار کی (فریاد) سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔

اور رسول اکرم ﷺ جو یہ دعا کرتے ہیں:

اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منک الجد. ② (صحیح بخاری)

اے اللہ! تو جو نعمت دینا چاہے کوئی اسے روک نہیں سکتا اور جس سے تو روک لے اسے کوئی بھی نہیں دے سکتا۔

تو ان جیسے جملہ قرآنی آیات اور نبوی فرمودات اوراذ کار و دعوات کا پیر جماعت علی شاہ کے مریدوں کے ہاں یہ مفہوم ہے کہ پیر جماعت علی شاہ جب تک دنیا میں نہیں آئے تھے تو واقعی مشکل کشا، دافع رنج و بلا ذات اللہ تعالیٰ تھی مگر پیر جماعت علی شاہ کے تشریف لانے کے بعد دنیا کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی (العیاذ باللہ) ضرورت ہی نہیں رہی۔ اب پیر صاحب دافع رنج و بلا، کاشف غم و ہم اور مجیب الدعوات ہیں! صحیح عقیدہ سے انحراف نے کس قدر انسان کو گمراہ اور زندیق بنا کر رکھ دیا ہے۔

پیر جماعت علی شاہ کے مسکن و مدفن کے متعلق ان کا ایک مرید یوں رطب اللسان ہے:

مدینہ بھی مُطہّر ہے مقدس ہے علی پور بھی
اِدھر جاؤ تو اچھا ہے اُدھر جاؤ تو اچھا ہے ③

یہ ہے غلو کا کمال کہ شاعر نے اپنے پیر کے مسکن علی پور کو مدینۃ النبی ﷺ کا ہم رتبہ و ہم پلہ قرار دیدیا ہے۔ اور بڑے فخر اور ابتہاج کے ساتھ لوگوں کو اختیار دیتا نظر آتا ہے کہ مدینہ جاؤ یا علی پور، ثواب اور فضیلت برابر نصیب ہوگی۔ اب یہ جانے والے کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ مدینہ کا رخ کرتا ہے یا علی پور کا عزم کرتا ہے۔ مگر یہ تو ظاہر ہے کہ جب دونوں شہر مقدس، مطہر اور عزت و مرتبہ میں برابر ہیں تو لوگ دور والے شہر مدینہ کی طرف جانے پر علی پور کی طرف رخت سفر باندھنے کو ترجیح دیں گے۔ اور یہی مطلوب ہے ان غالی مریدوں کا۔ یہ چاہتے ہیں کہ جب لوگوں کا تعلق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے منقطع کر دیا ہے تو مکہ و مدینہ سے ان کی محبت کو بھی دلوں سے کھرچ دیا جائے تاکہ توحید کی معمولی سی کرن بھی ان کی مردہ عقل اور مخمور بصیرت تک پہنچنے نہ پائے۔

پیر جماعت علی شاہ کا ایک چوتھا عاشق ان کے شہر علی پور کو مدینہ منورہ کے ہم پلہ کہہ دینے پر راضی ہی نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب پیر صاحب دافع رنج و بلا، مختار دو عالم، دین و دنیا کے بادشاہ اور دو عالم کے شاہ مشکل کشا ہیں تو ان کے آستانہ کو مدینہ

---

① سورۃ النمل: ۶۲
② رواہ البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلاۃ.
③ رسالہ، انوار الصوفیہ ص ۹ بابت ستمبر سن ۱۹۲۰ء

کے برابر قرار دینے سے ان کی کماحقہ تعریف نہیں ہوسکتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ علی پور کو بیت اللہ الحرام کے مقابل اعزاز ملتا، چنانچہ وہ اس کمی کو پورا کرتے ہوئے حقِ عقیدت یوں ادا کرتا ہے:

تیرا آستان ہے وہ آستاں کہ حریف بیت حرام ہے
تیری بارگاہ ہے وہ بارگاہ کہ جو قبلہ گاہِ انام ہے

اس شعر میں شاعر نے علی پور کو خود بیت اللہ الحرام ہی کا حریف و مدمقابل اور لوگوں کا قبلہ قرار دیا ہے۔ لوگوں کو کھلی آزادی مل گئی ہے کہ وہ چاہیں تو اپنی نمازوں میں بیت اللہ کی طرف منہ کیا کریں اور چاہیں تو سیالکوٹ کے شہر علی پور کی طرف!
(استغفر اللہ العظیم)

پیر جماعت علی شاہ کے مریدوں نے اپنے پیر کو جب الٰہی قہر و جبروت، مالک ارض و سماء اور اللہ جل شانہ کے اوصاف سے متصف کردیا ہے تو خود بخود علی پور کا درجہ بیت اللہ کے مساوی ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وزیر کو وزیر کا محل، مشیر کو مشیر کا محل اور بادشاہ کو اس کے شایانِ شان محل ملا کرتا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ پیر جماعت علی شاہ ہوں تو لوگوں کے مشکل کشا، دونوں عالم کے مختار اور بادشاہ، مگر ان کا شہر علی پور سیالکوٹ کا ایک قصبہ یا شہر قرار پائے یہ تو ناقدری کی بات ہوئی۔ لہٰذا مریدوں نے بیک جنبش قلم علی پور کا درجہ بیت اللہ الحرام کے شہر مکّہ کے ہم پلّہ کردیا ہے! اللھم لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا۔

معین الدین چشتی اجمیری کی شان میں غلو

برصغیر کے مشہور صوفی بزرگ معین الدین اجمیری کا مزار بھی پاک و ہند کے قبر پرستوں کا اہم ترین معبد ہے۔ مشرکوں کی اصطلاح میں یہ مزار مرجع خلائق ہے۔ انسانوں کی بہت بڑی تعداد اس بزرگ کے حلقہ ارادت سے وابستہ ہے۔ اس مزار اور اس کے ساتھ عقیدت رکھنے والوں کا معیار کافی بلند ہے۔ وہ اپنے پیر کے آستانہ اور ان کی تربت کو مکہ اور مدینہ کے مشابہ یا ہم پلّہ قرار دینے کو پسند ہی نہیں کرتے بلکہ وہ تو اس جنت کو بھی تربتِ معین الدین سے کمتر اور ہیچ تصور کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے انبیاء، صدیقین، شہداء اور ابرار و اتقیاء کیلئے تیار فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ ①

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیئے ان کی مہمانی کیلئے فردوس کے باغات ہوں گے، ان میں وہ ہمیشہ رہینگے (اور) نہ وہ ان سے کہیں اور نکلنا چاہیں گے۔

---

① سورۃ الکھف: ۱۰۸

اسی جنت کے متعلق ایک حدیث قدسی بھی وارد ہے:

عن ابی هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "قال الله تعالىٰ: اعددت لعبادی الصالحين ما لاعين رأت، ولا اذن سمعت، ولا خطر على قلب بشر، واقرؤوا ان شئتم "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" (السجدة: ١٧) ① (صحيح بخاری ومسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے جو تیار کیا ہے اسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا تصور پیدا ہو سکا ہے۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: "پس کسی کو علم نہیں جو (سامان) آنکھوں کی ٹھنڈک کا ان کے لیئے مخفی ہے یہ صلہ ہے ان کے (نیک) اعمال کا۔"

لیکن معین الدین چشتی اجمیری کا مرید ایسی کسی جنت کا خواہشمند ہے نہ طلبگار، وہ کھلم کھلا جنت الفردوس پر اجمیری کی تربت کو ترجیح دیتا نظر آتا ہے۔ کہتا ہے:

خدا سے میں نہ مانگوں گا کبھی فردوسِ اعلیٰ کو
مجھے کافی ہے یہ تربت معین الدین چشتی کی

آپ نے خوب اندازہ فرمالیا ہے کہ معین الدین چشتی اجمیری کا محب اور عاشق اپنے پیر کی قبر کی خاک کے بدلہ میں "جنت الفردوس" کی مہمانی کو اور اس کی ابدی نعمتوں کو "کم قیمت" اور "بے فائدہ" شئی باور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے جنت الفردوس کی طلب اب بھی نہیں ہے اور آئندہ بھی کبھی اس کا سوال نہیں کروں گا۔ یہ ہے غلو کی کارستانی کہ انسان اس کے چکر میں آ کر ابدی سعادت، لافانی خوشحالی اور نہ ختم ہونے والی اللہ کی رحمت کی طلب سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو یا اپنی امت کو یہ تو کبھی نہ فرمایا کہ تم میری تربت سے وابستہ ہو چکے ہو اب تمہیں جنت کی ضرورت نہیں ہے! کیا جناب معین الدین چشتی کی تربت کا اور خود ان کی ذات کا مرتبہ معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اور آپ کی تربت سے بھی بلند ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے تو اپنی امت کو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اور بیان فرمایا ہے کہ تم نہ مانگو گے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

① رواہ البخاری، کتاب التفسير، سورة السجدة، باب "فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة أعين" واللفظ له/ مسلم کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها.

انه من لم یسأل الله یغضب علیه. ① (حسن)

جو اللہ سے سوال نہیں کرتا، اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

نیز رسالت مآب ﷺ نے اپنی امت کو یہ تلقین فرمائی ہے کہ اللہ سے جب بھی مانگو تو اس کی جنت الفردوس کو مانگا کرو، فرمایا یہ بڑا ہی اعلیٰ مقام ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

عن ابی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: فاذا سألتم الله فاسئلوه الفردوس فانه أوسط الجنة، وأعلی الجنة اراه فوقه عرش الرحمن ومنه تفجر أنهار الجنة. ② (صحیح بخاری)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تم اللہ سے سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کیا کرو۔ اس لئے کہ یہ جنت الفردوس جنت کے درمیان میں اور جنت کے بلند ترین مقام پر واقع ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے، اور اسی جنت الفروس سے ہی باقی جنت کی طرف جانے والی نہریں پھوٹتی ہیں۔

دونوں حدیثوں کا مطلب بڑا واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، حاجات کو طلب کرنا، پھر بالخصوص جنت الفردوس عطا کرنے کی اس سے درخواست کرنا شریعت میں مطلوب ہے۔ مگر غالی طبقہ نے ان دونوں چیزوں سے اپنے استغناء کا اظہار کیا ہے۔ برصغیر کے چند غالیوں کے غلو کے نمونے بیان کیئے ہیں۔ سب کا احاطہ کیا جائے تو کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہوگی۔ اور عبرت وموعظت کیلئے نمونہ ہی کافی ہوتا ہے۔

تیجانیوں کا غلو

''تیجانیہ'' صوفی طریقوں میں سے ایک ''طریقہ'' ہے۔ افریقی ملکوں میں اس سلسلہ کا کافی زور ہے۔ برصغیر پاک وہند میں موجود صوفی طریقوں کی طرح اس طریقہ کا بھی اپنا ایک جداگانہ تشخص ہے۔ اعمال، اذکار اور اوراد میں اس طریقہ کے پیروکاروں میں بھی غلو کا عنصر داخل ہے۔

تیجانی فرقہ میں ''صلاۃ الفاتح'' کے نام سے ایک خودساختہ درود کا بڑا غلغلہ ہے اس درود میں رسول اللہ ﷺ سے محبت کے اظہار کیلئے حد سے زیادہ غلو کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ معنوی خرافات کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ بھی غیر واضح ولا یعنی ہیں اور

---

① رواه الترمذی ج ۵ ص ۱۲۶ کتاب الدعوات باب ۲ حسنه الألبانی.
ابن ماجه: ج ۲ ص ۱۲۵۸ کتاب الدعاء باب فضل الدعاء
مستدرک الحاکم: ج ۱ ص ۴۹۱ کتاب الدعاء باب من لایدعو الله
تصحیفات المحدثین: ج ۳ القسم الثانی ص ۷۸۸ باب مایشکل من صَبِیح، و صُبَیح، و صُبح
② صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب درجات المجاهدین فی سبیل الله.



فصاحت و بلاغت کے ادنیٰ ترین معیار پر بھی پورا نہیں اترتے ،صلاۃ الفاتح کی عبارت یہ ہے:

اللهم صل على محمد الفاتح لما اغلق، والخاتم لما سبق ناصر الحق بالحق، الهادى الى صراطك المستقيم وعلى آله حق قدره ومقداره العظيم .①

اے اللہ! رحمت نازل کر ہمارے آقا و مشکل کشا پر جو احوال گزشتہ کے خاتم ،حق کی حق کے ساتھ نصرت کرنے والے، اور تیری سیدھی راہ کے پیشوا ہیں۔ اوران کی آل پر بھی ان کی قدر اور مقدار عظیم کے مطابق۔

اس درود کے متعلق طریقہ تیجانیہ کے بانی و مؤسس احمد بن محمد تیجانی سمیت جملہ مریدین و متوسلین طریقہ تیجانیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اجر و ثواب اور فضیلت کے اعتبار سے اس درود کا مرتبہ قرآن کریم سے کئی گنا زیادہ ہے۔ چنانچہ مؤسس طریقہ تیجانیہ احمد بن محمد تیجانی کے بلا واسطہ شاگرد اور مرید اکبر علی حرازم اپنی کتاب ''جواہر المعانی'' میں اپنے مرشد واستاذ کا قول یوں نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ''صلاۃ الفاتح کی ایک مرتبہ کی تلاوت قرآن کریم کے چھ ہزار دفعہ کی تلاوت وقرأت کے ثواب سے بھی زیادہ اجر کی حامل ہے۔'' ذیل میں ''جواہر المعانی'' کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے تا کہ قاری کو اس طائفہ کی جرأتِ غلو کا اندازہ ہو سکے۔ صاحبِ ''جواہر المعانی'' رقم طراز ہے:

فلما رأيت الصلاة التى فيها المرة الواحدة بسبعين الف ختمة من دلائل الخيرات تركت صلاة الفاتح لما اغلق...... (الى آخره، واشتغلت بها وهى: "اللهم صلى على سيدنا محمد وعلى آله صلاة تعدل جميع صلاة اهل محبتك وسلم على سيدنا محمد و على آله سلاماً يعدل سلامهم لما رأيت فيها من كثرة الفضل ثم امرنى بالرجوع صلى الله عليه وسلم إلى صلاة الفاتح لما اغلق، فلما امرنى بالرجوع اليها سألته صلى الله عليه وسلم عن فضلها، اخبرنى اولاً بان المرة الواحدة منها تعدل من القرآن ست مرات، ثم أخبرنى ثانيا ان

جب میں نے ''دلائل الخیرات'' میں ذکر شدہ درود کو دیکھا جس کی ایک مرتبہ کی تلاوت ستر ہزار ختم ''دلائل الخیرات'' کے برابر بیان کی گئی تھی تو میں نے " صلاة الفاتح لما أغلق.. " الخ کو ترک کر دیا، اور ''دلائل الخیرات'' والے درود کو پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ جو یہ ہے، ''اے اللہ ہمارے آقا اوران کی آل پر رحمت نازل فرما جو تیرے جملہ اہل محبت کی رحمت کے مساوی ہو۔ اور سلام نازل فرما ہمارے آقا اوران کی آل پر جو تیرے سبھی محبوبوں کے سلام کے برابر ہو۔'' اس لیئے کہ مجھے اس درود میں زیادہ فضیلت نظر آئی۔ لیکن مجھے (میرے مرشد) آپ ﷺ نے دوبارہ ''صلاۃ الفاتح'' پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نے مجھے اس کا حکم دیا تو میں

① أحزاب وأوراد التيجانى. بحواله 'الفكر الصوفى' ص ۵۴۴



المرة الواحدة تعدل من كل تسبيح و قع في الكون، ومن كل ذكر ومن كل دعاءٍ كبير أو صغير ومن القرآن ستة الآف مرة لانه من الأذكار. ①

نے آپ ﷺ سے اس کی فضیلت کے متعلق دریافت کیا۔تو آپ نے پہلے یہ فرمایا کہ "صلاۃ الفاتح" کو ایک مرتبہ پڑھ لینا چھ مرتبہ قرآن ختم کرنے کے برابر ہے۔پھر دوسری دفعہ فرمایا کہ اسکا ایک مرتبہ پڑھ لینا کائنات میں پڑھی جانے والی ہر تسبیح ہر چھوٹی بڑی دعا اور خود قرآن کے چھ ہزار مرتبہ کے ختم کے برابر ہے۔اس لیئے کہ قرآن بھی ایک ذکر ہے۔

مذکورہ بالا عبارت مزید کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہے۔کیونکہ عبارت اپنے مفہوم و معنی میں بالکل واضح ہے۔اس میں بڑی جرأت سے یہ عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ "صلاۃ الفاتح" کو ایک دفعہ پڑھ لینے سے چھ ہزار دفعہ قرآن پاک کے ختم کی فضیلت اور اجر و ثواب سے بھی زیادہ ثواب ملتا ہے۔۔۔!

قارئین کرام اندازہ کیجئے کہ کیا جس کلام کا مقابلہ عرب و عجم کے فصحاء و بلغاء نہ کر سکے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس جیسے معجز بیان کلام کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی انفرادی و اجتماعی وسعتوں سے محال اور ناممکن قرار دیا ہو۔نیز جسے رسول اکرم ﷺ نے "احسن الکلام" کا لقب عطا کیا ہو۔اس کے متعلق "کمتری" کا اور اپنے خود ساختہ بے ربط کلام کے متعلق افضلیت کا دعوی اور عقیدہ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کے کلام "قرآن مجید" کی توہین اور استہزا نہیں ہے؟

کہاں اللہ غالب و دانا کا وہ کلام جس نے اپنی محیر العقول حکمت و عرفان اور بے مثل فصاحت و بلاغت کی بابت جن و انس اور تا قیامت آنے والے فصحاء و بلغاء کو چیلنج کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اس کلام کا مقابلہ کسی جن اور انسان کے بس کا معاملہ ہے ہی نہیں! ارشاد الہی ہے:

﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ ②

آپ کہہ دیجئے کہ اگر (کل) انسان و جنات اس بات کیلئے جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں، (تب بھی) اس جیسا نہ لاسکیں گے اور خواہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔

اور کہاں بے بس و درماندہ مخلوق کا لایعنی اور حکمت و دانش سے کورا کلام جسے عام عربی دان شخص بھی۔بے ربط اور بے مغز قرار دیدے! اس کے باوجود بھی خود ساختہ کلام کی فضیلت کا عقیدہ عقل و فہم سے بالاتر ہے، اور پھر جس ہستی پر کلام اللہ کا نزول ہوا ہے ان کا اس کے متعلق یہ ارشاد ہے:

---

① جواهر المعاني و بلوغ الأماني' ج ١ ص ١٣٥، ١٣٦

② سورة الاسراء: ٨٨



اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم الانزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملائكة وذكرهم الله فيمن عندهٗ .①
(صحيح مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں جمع ہوتی کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت کیلئے اور اسے ایک دوسرے کو سمجھانے کیلئے۔ مگر نازل ہوتا ہے ان پر سکون اور ڈھانپ لیتی ہے انہیں رحمت اور انہیں گھیر لیتے ہیں فرشتے اور ان کا ذکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے ہاں۔

اور فرمانِ رسول اللہ ﷺ ہے:

عن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة والذی يقرأ القرآن و يتتعتع فيه وهو عليه شاق فله أجران .② (صحيح مسلم)

عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم کو پوری مہارت کے ساتھ پڑھنے والا (قیامت کے روز) نیک اور معزز کاتبین فرشتوں کے ہمراہ ہوگا۔ اور جو شخص قرآن کریم کو مشقت کے ساتھ اور اٹک اٹک کر کے پڑھتا ہے اسے دوہرا ثواب نصیب ہوگا۔

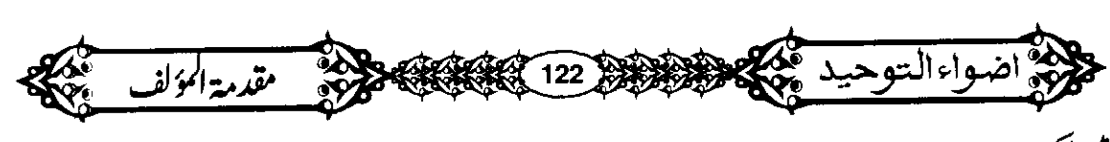
کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں متعدد آیات اور بہت زیادہ احادیث وارد ہوئی ہیں، جو قرآن کریم کے اعلیٰ، اولیٰ اور افضل کلام ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ''صلاۃ الفاتح'' کی فضیلت بلکہ افضلیت کا دعویٰ تیجانی صوفیوں نے جو کیا ہے اس کی بنیاد قرآن کریم کی کونسی نص ہے؟ اور اگر اس کی فضیلت تمام اذکار، ادعیہ حتیٰ کہ کلام اللہ پر بھی ثابت ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کی راہنمائی اپنے کس قول کے ذریعے فرمائی ہے؟ اگر نہیں فرمائی تو کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ ''صلاۃ الفاتح'' کا درجہ کلام اللہ کے چھ ہزار ختم سے بھی بلند تر ہے! کیا ایسا کہنا (العیاذ باللہ) اللہ پر افتراء باندھنے اور رسول اللہ کی تکذیب کے مترادف نہیں ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار!

صحیح بخاری میں ''فضائل القرآن'' کے تحت ایک باب ''فضل القرآن علی سائر الکلام'' کے عنوان سے موجود ہے۔ اس

---

① رواه مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر.

② رواه مسلم: كتاب الفضائل القرآن :باب فی الماهر بالقرآن والذی يتتعتع فيه واللفظ له./البيهقی فی السنن الكبرىٰ : كتاب الصلاة : باب المعاهد على قراءة القرآن /شرح السنة : كتاب فضائل القرآن:باب فضل تلاوة القرآن/ المصنف لابن ابی شيبة كتاب فضائل القرآن/ فی الماهر بالقرآن :رقم الحديث ١٠٠٨٥ / الترمذی: كتاب فضائل القرآن أو ثواب القرآن: باب ماجاء فی فضل قارئ القرآن، وقال حديث حسن صحيح. /مسند ابن الجعد :رقم الحديث : ٩٥٦/ صحيح ابن حبان ، كتاب الرقائق ،ذكر فضل الله جل وعلا علىٰ الماهر بالقرآن بكونه مع السفرة وعلى من يصعب عليه......الرقم: ٧٦٣



میں ایک حدیث ہے۔

عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مثل الذی یقرأ القرآن کا الاترجۃ طعمھا طیبٌ وریحھا طیبٌ والذی لایقرأ القرآن کالتمرۃ طعمھا طیبٌ ولا ریح لھا. ① (صحیح بخاری)

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو (مؤمن) قرآن کا قاری ہے اسکی مثال اترجۃ (میٹھے میٹھے مالٹے) کی سی ہے۔خوشبو بھی اچھی اور مزہ بھی اچھا اور جو (مؤمن) قرآن کا قاری نہیں ہے اس کی مثال اس کھجور کی سی ہے جس کا مزہ عمدہ لیکن اس میں خوشبو نہیں ہے۔

یعنی کلام اللہ ''قرآن مجید'' باقی جملہ کلاموں سے افضل اعلیٰ اور اولیٰ ہے، اس کے پڑھنے والا درجہ کے اعتبار سے باقی کلاموں کے شائق اور قاری سے نہایت ہی عالی قدر ہے۔جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات غالب، بے مثل ومثال اور جملہ اوصاف حمیدہ سے متصف ہے، اسی طرح اس کی صفت کلام کا مظہر ''قرآن مجید'' بھی جملہ مراتب واوصاف عالیہ کا مستحق ہے۔لہٰذا اس کے پڑھنے والے کا درجہ بھی عظیم الشان ہے۔

صاحب دلائل الخیرات کا غلو

اس سے پہلے کہ ہم ''دلائل الخیرات'' کے ان غلو آمیز کلمات کا ذکر کریں جو واضح طور پر اللہ رب العالمین کی توحید سے ٹکراتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دلائل الخیرات کی اس کے پڑھنے والوں کے ہاں اہمیت اور ''عظمت شان'' بیان کردیں کہ وہ کس قدر عقیدت، محبت اور اہتمام کے ساتھ اس کی قرآءت کرتے ہیں۔

جن حضرات کے قلب ودماغ میں دلائل الخیرات کی محبت جاگزین ہے اور پورے خلوص کے ساتھ وہ اس کے خودساختہ فضائل ومناقب کے معتقد ہیں، اور سفر وحضر میں قرآن کریم کی طرح اس کی باقاعدہ تلاوت کرتے ہیں، ان کے ہاں اس کے پڑھنے کیلئے کئی آداب متعین کیے گئے ہیں جن کا لحاظ کرنا نہایت ضروری ہے۔

مثلاً: دلائل الخیرات کے حزبوں کے لئے باقاعدہ ایام مقرر ہیں کہ فلاں دن کو فلاں حزب پڑھا جائے، اور فلاں دن کو فلاں حزب! بطور مثال بروز دوشنبہ کو حزب ہفتم کی تلاوت کی جائے، تلاوت کیلئے ضروری ہے کہ پڑھنے والا شخص باوضو ہو کر نہایت عمدہ اور صاف ستھرا لباس زیب تن کرے اور قبلہ رو ہو کر مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ اس کی تلاوت کرے۔اس کے علاوہ بہت سارے آداب اور فضائل ہیں جن کا ذکر دلائل الخیرات کے دیباچہ میں کیا گیا ہے۔

① رواہ البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل القرآن علی سائر الکلام./المصنف لعبدالرزاق : کتاب الجامع باب مثل المؤمن الذی لایقرأ القرآن: رقم الحدیث :۲۰۹۲۳

دیسے تو ''دلائل الخیرات'' کی تلاوت لوگوں کی ایک بڑی تعداد مشائخ صوفیہ کی ''اجازت'' کے بغیر کرتی رہی ہے اور اب بھی کر رہی ہے۔مگر پاکستان اور ہندستان کے وہ اہل علم حضرات جو صوفیاء کے کسی سلسلہ سے وابستہ ہیں اور دلائل الخیرات سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں وہ اپنے استاذوں، مرشدوں اور مشائخ سلسلہ سے دلائل الخیرات پڑھنے کی براہ راست یا بالواسطہ ''اجازت'' حاصل کرتے ہیں۔ پھر اسے پڑھنے کی ہمت کرتے ہیں۔جیسے تذکرۃ الرشید میں اس کی واضح مثال موجود ہے کہ جس میں علامہ عاشق الٰہی میرٹھی کہتے ہیں کہ مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے اپنے استاذ مولوی محمد بخش سے ''دلائل الخیرات'' کے پڑھنے کی اجازت لے لی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''مولوی محمد بخش صاحب رامپوری حضرت کے نہایت ہی شفیق استاد تھے، حضرت کو حزب البحر کی اجازت اقرب طرق سے یقیناً اور دلائل الخیرات کی غالباً ان ہی مولوی محمد بخش صاحب سے ملی ہے'' ①

جس طرح حفاظ القرآن اور طبقہ علماء وغیر علماء کے وہ اصحاب جو رات دن کتاب اللہ کی تلاوت کرتے اس کے معانی و مطالب کو سمجھتے یا اسے حفظ کرتے ہیں۔سفر و حضر میں مصحف شریف کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں تا کہ ہر لحہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہیں۔اس مقصد سے انہوں نے چھوٹے سائز کے مصحف شریف حاصل کر رکھے ہوتے ہیں۔ یقیناً ان لوگوں کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں اجرِ عظیم اور ثواب جزیل کا باعث ہے۔

تبرک، اجر و ثواب اور رضاء الٰہی کے حصول کے لئے حفاظ کرام، علماء عظام، اور قرآن کی محبت سے مالا مال مسلمان حضرات جو طریقہ ''کتاب اللہ'' کے ساتھ مخصوص رکھتے ہیں، بالکل اسی طرح ''دلائل الخیرات'' سے عقیدت اور محبت رکھنے والوں نے بھی اپنی محبوب کتاب یعنی ''دلائل الخیرات'' کے ساتھ اختیار کر رکھا ہے۔ بلکہ ان کی شدت عقیدت کا یہ حال ہے کہ وہ کتاب اللہ کو ثانوی درجہ دیتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ حج اور عمرہ کے مبارک اسفار میں بیت اللہ اور مسجد نبوی میں بھی دلائل الخیرات کی تلاوت کرتے ہیں۔جبکہ قرآن کریم کی طرف اتنی توجہ نہیں ہوتی۔

ایسے غلو آمیز عقیدہ کی رو سے ان کے دلوں میں قرآن کریم کے لیئے ادنی سی بھی جگہ خالی نہیں ہے، ان کے خیال میں ''افضل'' کی موجودگی میں ''مفضول'' کی طرف نظر التفات بے کار عمل ہے!

میرا ذاتی مشاہدہ:

مدینہ منورہ کی شہرہ آفاق اسلامی یونیورسٹی میں میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔اس دوران حج کے موسم میں ایک دن عصر کی نماز کے بعد ریاض الجنتہ میں داخل ہوا۔لوگ اپنے روزانہ کے معمول کے مطابق نماز سے فارغ ہونے کے بعد قرآن پاک کی

① تذکرۃ الرشید: ص ۲٦



تلاوت میں منہمک تھے اور کہیں کہیں قرآن وحدیث کے دروس کے حلقے لگے ہوئے تھے۔اچانک میری نگاہ ایرانی بلوچستان کے نامور علماء کرام میں سرفہرست ایک عالم دین پر پڑی (جن کے اسم گرامی کے یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے) جو ریاض الجنتہ میں غالباً مکبّرہ (وہ حجرہ جہاں سے اذان بلند ہوتی ہے) کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں اور نہایت عزت اور احترام اور پورے خشوع وخضوع سے ''دلائل الخیرات'' کی تلاوت فرمارہے ہیں۔ مجھے یہ حالت دیکھ کر بے حد افسوس ہوا کہ قرآن وحدیث کے عالم کا یہ حال ہے کہ یہ کائنات ارضی میں سے سب سے اعلی وارفع قطعہ ''ریاض الجنتہ'' میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی مقدس، مطہر کلام سے اعراض کیئے ہوئے ہیں اور مخلوق غیر معصوم اور نقائص وعیوب سے غیر محفوظ انسان کے تالیف کردہ کلام کو اس قدر عقیدت، محبت اور حد درجہ جذبہ خلوص کیساتھ پڑھ رہا ہے۔جبکہ کتاب اللہ کے نسخے اسکے سامنے مخصوص الماریوں اور ٹیبلوں پر موجود ہیں۔

ایک ضروری وضاحت

میرے حیرت واستعجاب سے یہ مطلب ہرگز اخذ نہیں کیا جانا چاہیئے کہ میں (عبدالغفور) بیت اللہ، مسجد نبوی اور ریاض الجنتہ جیسے دوسرے اماکن مقدسہ میں قرآن کریم کی تلاوت کے علاوہ کسی دوسری اسلامی کتاب یا شرعی علوم سے متعلق لٹریچر کے پڑھنے کو حرام سمجھتا ہوں، ایسا ہرگز نہیں۔شرعی طور پر بھی اس کی رکاوٹ نہیں ہے۔حرمین شریفین اور ریاض الجنتہ میں لوگ قرآن شریف کی تلاوت کے علاوہ حدیث، تفسیر، اصول تفسیر وحدیث، فقہ، لغت، صرف ونحو اور بلاغت جیسے مضامین پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کی تعلیم وتفہیم کے حلقہ جات بھی قائم ہوتے ہیں۔یہ سب جائز ہیں اور موجب اجر وثواب۔

میرے لیے تحیر آفرین امر یہ تھا کہ ایک شخص کو پتہ نہیں کتنی تگ ودوڑ اور انتظارِ شدید کے بعد حرمین شریفین جیسے مقدس مقامات پر حاضری کا موقعہ ملا ہوگا۔پھر ان کے یہاں قیام کا وقت بھی بالکل مختصر اور محدود ہے۔انہیں تو چاہیئے تھا کہ ان محدود ایام کو غنیمت اور سنہری فرصت سمجھتے ہوئے اپنے ان قیمتی اوقات کو ان مقدس مقامات میں تلاوت کلام اللہ، اذکار ماثورہ، ادعیہ مسنونہ اور نوافل کی ادائیگی میں صرف کرتا۔مگر ان مذکورہ بالا تمام تر دواعی واسباب کے باوجود اس کی حالت یہ ہے کہ وہ رسالت مآب ﷺ کی زبان اطہر پر ''جنت کے باغ'' کا اعزاز حاصل کرنے والی جگہ پر بڑے ادب خشوع وخضوع اور نہایت اہتمام سے ''دلائل الخیرات'' پڑھتا ہے۔اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس شخص کے دل میں اس کتاب کی کتنی اہمیت اور منزلت ہوگی؟ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا، چند لمحات کے بعد اس عالم دین سے ہونے والی گفتگو سے واضح ہوگیا کہ انہیں یہ کتاب ہر کتاب سے عزیز ہے۔نہ صرف عزیز بلکہ ان کی نظر میں ہر وہ شخص بدذوق، اور روحانیت سے عاری شمار ہوتا ہے جو ''دلائل الخیرات'' کی تلاوت نہ کرتا ہو! یا اس کی تلاوت کرنے والے پر اعتراض کرتا ہو! چنانچہ اس کے بین ثبوت ذیل کی گفتگو سے اور واضح ہوجاتی ہے۔

میں نے مولانا موصوف سے خیر خواہی واخوت ایمانی کے جذبہ سے نہایت نرمی، دردمندی اور ملائمت سے بھرپور انداز میں عرض کیا ''مولانا صاحب''! آپ دور دراز کا سفر اختیار کر کے حج بیت اللہ کرنے آئے ہیں۔ آپ کے یہاں رہنے کے دن بالکل تھوڑے ہیں جو عام طور پر دس، پندرہ، بیس دن یا ایک مہینہ سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اس لیئے آپ ان قیمتی اوقات میں ''دلائل الخیرات'' کے بجائے اللہ تعالیٰ کا وہ کلام تلاوت کریں جو انہی مقدس مقامات پر لوح محفوظ سے منتقل ہو کر سید المرسلین رسول اکرم ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوا'

یقین جانیئے کہ میرے اتنا کہہ دینے سے مولانا موصوف کے چہرے پر نفرت، انقباض اور کراہت کے آثار نمایاں ہو گئے اور پھر شدید اشتعال سے مغلوب ہو کر اس ''عالم دین'' نے مجھے یوں جواب ارشاد فرمایا:

''تجھے کیا خبر! ''دلائل الخیرات'' کسی عام ہستی کی تالیف ہے؟ یہ تو ایک نہایت ہی عظیم القدر اور روحانی شخصیت کی کلام ہے۔ چونکہ تو روحانیت سے عاری اور اذکار واوراد سے محروم بدذوق انسان ہے، اس لیئے تو ایسی باتیں کرتا ہے۔''

میں نے کہا: 'جی! آپ بالکل ٹھیک فرماتے ہیں، واقعی میں مخلوق غیر معصوم اور کمال سے محروم انسانوں کے خود ساختہ کلام کے ذوق سے بعینہٖ اسی طرح محروم ہوں جس طرح آپ اللہ غنی وحمید کے کلام ''فرقان حمید'' کی لذتِ تلاوت اور ذوقِ آگہی و بصیرت سے محروم ہیں۔

قارئین کرام! آپ ذرا غور فرمایئے کہ میں نے مولانا موصوف سے مخلوق کے کلام کے ذوقی یا بدِ ذوقی کی بابت کچھ بھی نہیں کہا۔ میں نے تو انہیں صرف یہ کہا کہ آپ اس مقدس مقام پر بجائے ''دلائل الخیرات'' کے وہ کلام پڑھیں جسے اللہ عزوجل نے اپنے آخری رسول سیدنا محمد کریم ﷺ کی ذات محترم ومعزز پر مکہ ومدینہ کی پاک اراضی پر نازل فرمایا ہے۔ جس کی ترتیل وتلاوت کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو دیا ہے۔ مگر اس کے جواب میں مولانا صاحب نے مجھے ''روحانی بدذوق'' کا طعنہ دیتے ہوئے فرمایا کہ 'تیرے قلب ودماغ میں ''دلائل الخیرات'' جیسے کلام کا ذوق ہی نہیں ہے۔'

ان کے اس جواب کا اس کے علاوہ اور کیا مقصد ہو سکتا ہے کہ 'دلائل الخیرات'' میں اہل ذوق اور روحانیت کے طلبگاروں کے لیئے (العیاذ باللہ) قرآن کریم سے زیادہ بہتر اور اعلیٰ مواد ملتا ہے!

اب عام مسلمان اس عالم دین کی اس نکتہ رسی کی کیا داد دیں گے؟ جو قرآن کریم کی تلاوت کی ترغیب کے جواب میں یہ ''قیمتی نکتہ'' ارشاد فرمائیں کہ 'ایسی ترغیبات پیش کرنے والا مخلوق کے کلام کی لذت سے نابلد ہے'' کیا قرآن کریم کی معجز بیانی بے مثل حلاوت اور قلب ودماغ کو منور کر دینے والی مٹھاس اور شیرینی جس کا اعتراف اسلام کے بدترین دشمن بھی کر چکے ہیں، اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ کا کلام ہر لحاظ سے کامل، اکمل اور جامع ومکمل ہے، ایسا پر تاثیر کلام کسی بھی جن وانس کے اختیار میں نہیں ہے۔



مگر خانہ خراب ہو غلو کا کہ اس کا شکار ہونے والا فرد یا معاشرہ زہر جیسی مہلک چیز کو ''تریاق شفاء'' کہنے پر مجبور ہوتا ہے، جس شخص کی آنکھیں روشنی سے چوندھیا جاتی ہوں وہ روشنی سے نفرت نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا؟ وہ روشنی میں دیکھنے اور چلنے والوں کو ''اندھیر ذوقی'' سے محروم قرار نہیں دے گا تو اور کیا کرے گا؟

آمدم برسر مطلب:

ان تمہیدی سطور سے مقصود ''دلائل الخیرات'' کی اہمیت اور ''رفعت شان'' بیان کرنا تھا۔ جو اس کے عقیدت مندوں اور محبوں کے ہاں مسلم ہے۔ جس سے متاثر ہو کر ان لوگوں نے اس کتاب کو قرآن کریم سے اجر و ثواب کے اعتبار سے مقالاً نہ سہی حالاً افضل سمجھ رکھا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ہمارے مقصد سے غیر متعلق ہے۔ ہمارا اصل مُدعا تو ''دلائل الخیرات'' کی وہ غلو آمیز توحید شکن اور کلام اللہ کے مقابلہ میں اعلان مبارزت کرنے والی عبارات اور ان سے ترشح ہونے والے افکار و نظریات کے متعلق اہل اسلام کو آگاہ کرنا ہے۔ جسے ہم ترتیب کے ساتھ بیان کر رہے ہیں۔

ا لف- اللہ تعالیٰ کے علم کو محدود اور منتہیٰ ماننا:

صاحب ''دلائل الخیرات'' نے رسولِ اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کیلئے درود کی ایک عبارت مرتب کی ہے جس میں وہ واضح اور صاف الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی صفت ''علم'' کو محدود اور انتہاء پذیر قرار دیتے ہیں۔ ذیل میں ہم درود کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں تا کہ کسی معترض کو یہ کہنے کا موقعہ نہ مل سکے کہ ''دلائل الخیرات'' کی متعلقہ عبارت کو نقل کیئے بغیر اس پر بحث کی گئی ہے یا یہ کہ عبارت کے سیاق و سباق میں تبدیلی کر کے یا قطع و برید کر کے جو بحث کی گئی ہے وہ ہمارے لیئے نا قابل قبول اور علمی بددیانتی کا مظہر ہے! اس لیئے ہم مذکورہ بالا درود کا پورا صفحہ نقل کرتے ہیں۔

اللھم صل علی سیدنا محمد نبیک وسیدنا ابراھیم خلیلک وعلی جمیع انبیائک وأصفیائک من اھل أرضک وسمائک عدد خلقک ورضاء نفسک، وزنۃ عرشک ومداد کلماتک ومنتھی علمک، وزنۃ جمیع مخلوقاتک، صلاۃ مکررّۃً ابداً وعدد ما أحصی علمک، وملء ما احصی علمک وأضعاف ما	اے اللہ! رحمت نازل فرما اپنے نبی اور ہمارے سردار محمد ﷺ پر اور اپنے خلیل اور ہمارے سردار ابراہیم علیہ السلام پر اور اپنے جملہ انبیاء علیہم السلام پر اور اپنی زمین و آسمان کے تمام برگزیدگان پر۔ اپنی مخلوق کی تعداد، اپنی ذات کی رضا، اپنے عرش کے وزن، اپنے کلمات کی سیاہی، اپنے علم کی حد انتہاء اور اپنی جملہ مخلوقات کے وزن کے برابر! ایسی رحمت جو بار بار ہمیشہ تک نازل ہوتی رہے جو تیرے علم کی مجموعہ اور



احصی علمک صلاۃ تزید و تفوق، وتفضل صلاۃ المصلین علیھم من الخلق اجمعین کفضلک علی جمیع خلقک .①	تیرے علم کے مجموعہ کے بھراؤ اور کئی گنا زائد تیرے علم کے مجموعی ٹوٹل کے برابر ہو۔ ایسی رحمت نازل فرما جوان پر درود بھیجنے والوں کی دعاؤں سے زائد، اعلیٰ اور افضل ہو۔ تمام مخلوق کی صلاۃ سے تیری رحمت اسی طرح افضل ہو جس طرح تیری ذات تمام مخلوق سے اعلیٰ اور افضل ہے۔

غور طلب امور:

مذکورہ بالا درود کی طویل عبارت میں دو مقامات خاص طور پر غور طلب ہیں۔ ایک ''منتھی علمک'' اور دوسرا ''اضعاف ما احصی علمک'' آپ ہمارے ساتھ مل کر غور فرمائیںگے تو آپ پر صاحب دلائل الخیرات کا یہ نظریہ اور عقیدہ خوب واضح ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ''علم'' (العیاذ باللہ) ''انتہا'' پذیر ہے۔

پہلی عبارت ''منتھی علمک'' اپنی مفہوم میں بالکل واضح ہے، اس کی مزید تشریح و توجیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں مصنف واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہے کہ اے اللہ تو اپنے نبی اور ہمارے سردار محمد ﷺ اور جملہ دوسرے انبیاء علیہم السلام وغیرہ پر اپنی معلومات کی آخری حد کے برابر رحمتیں نازل فرما۔ یعنی وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جس طرح مخلوق کی معلومات کی ایک حد اور انتہاء ہوتی ہے اسی طرح (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا علم بھی محدود ہوتا ہے۔

جبکہ امت مسلمہ کا اتفاق و اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات بے مثل، بے مثال، کیفیت اور تشبیہ سے پاک، لامحدود اور غیر متناھی ہیں، انہی جملہ صفات میں سے ''صفت علم'' بھی جو حد و انتہاء سے پاک ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے ازلیت اور ابدیت کا کمال ثابت ہے۔ بعینہ اسی طرح اس کی تمام صفات بھی ازلی، ابدی ہیں جو فنا، زوال اور محدودیت کے عیوب سے پاک و منزہ ہے، لہٰذا جو شخص مسلمانوں کی اس سبیل سے اور متفقہ عقیدہ سے انحراف کرتا ہے وہ اپنے لیئے اخروی شقاوت کا اہتمام کرتا ہے۔

''دلائل الخیرات'' میں وارد درود کی دوسری قابل اعتراض عبارت ''و اضعاف ما احصی علمک'' ہے جس کا معنی ہے ''تیرے علم کے شمار سے کئی گنا زائد'' اس مقام پر 'اضعاف' کا لفظ 'احصاء' کے ساتھ وارد ہوتا ہے۔ اس جملہ سے پہلے ''ملء ما احصی علمک'' (تیرے علم کے شمار و احاطہ کے بھراؤ برابر) کا جملہ مذکور ہوا ہے۔ جبکہ دلائل الخیرات کے ص ۱۱۹ پر لفظ ''اضعاف'' کو ''احاطہ'' کے لفظ کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ عبارت یوں ہے:

---

① دلائل الخیرات' ص ۱۲۱، ۱۲۲ – الحزبُ الاول



وصل علی سیدنا محمد عدد ما خلقت وماتخلق وما احاط به علمک واضعاف ذلک. ①

اور رحمت نازل فرما ہمارے سردار محمد ﷺ پر اپنی پیدا شدہ اور آئندہ پیدا ہونی والی مخلوق کے برابر، اور تیرے علم کے شمار کے برابر اور اس سے کئی گنا زائد۔

دلائل الخیرات کی عبارات "واضعاف ما احصی علمک" اور "وما احاط به علمک و اضعاف ذلک" پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک کچھ رحمتیں ایسی بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شمار واحاطہ سے باہر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کا علم نہیں ہے، (العیاذ باللہ) اور وہ رحمتیں اور صلوات ہیں بھی اللہ تعالیٰ کے مجموعی اور احاطہ شدہ علم سے کئی گنا زائد۔

اس لیئے صاحب "دلائل الخیرات" کہتا ہے کہ اے اللہ! جتنے درود وصلاۃ تیرے علم کے شمار اور احاطہ میں ہیں وہ ہمارے سردار محمد ﷺ پر نازل فرما اور جو درود وصلاۃ تیرے علم کے شمار اور احاطہ سے باہر ہیں اور تیرے علم سے کئی گنا زائد بھی ہیں وہ سب اپنے نبی اور ہمارے سردار محمد ﷺ پر نازل فرمادے۔

اب بقول صاحب "دلائل الخیرات" کے جو درود، صلاۃ اور رحمتیں ہیں ہی اللہ تعالیٰ کے احاطہ واحصاء سے خارج یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا وجود ہی نہیں (العیاذ باللہ) تو دلائل الخیرات کے مصنف کو بتانا چاہیئے کہ "ان کئی گنا زائد" رحمتوں کا خزانہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کس عظیم تر ہستی کے پاس ہے؟ تاکہ براہِ راست اس سے رجوع کیا جائے، غلو کرنے سے انسان کس قدر بدبختی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی قدر شناسی کی نعمتوں سے بھی محروم ہونا پڑتا ہے۔ غلو کے ذریعے سے وہ اللہ کی ذات کی طرف عیوب اور نقائص کی نسبت کرنے لگ جاتا ہے، یقیناً یہ ہلاکت کی راہ ہے۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں میں صاحب دلائل الخیرات نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کو محدود اور منتہی قرار دیا ہے جبکہ اپنی اسی کتاب میں وہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمیت اور رحمانیت کو بھی محدود بیان کرتا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ب- اللہ تعالیٰ کی صفتِ "صلاۃ" اور صفتِ "رحمت" کو محدود و منتہی ماننا:

"دلائل الخیرات" کے پہلے 'حزب' میں مصنف نے واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی صفت "صلاۃ" اور صفت "رحمت" کو محدود اور منتہی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد حتی لایبقی من الصلاۃ شیٔ وارحم سیدنا محمداً، وآل سیدنا محمد حتی لایبقی من الرحمة شیٔ. ②

اے اللہ ہمارے سردار محمد ﷺ اور ان کی آل پر درود نازل فرما، اتنا زیادہ کہ درود میں سے کچھ باقی نہ بچے اور ہمارے سردار محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما اس قدر کہ رحمت میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے۔

① دلائل الخیرات' ص 119 – الحزبُ الاول

② دلائل الخیرات ص 111 الحزب الاول



یہاں پر تو مصنف نے ''لایبقی من الصلاۃ شئیٌ'' اور ''لایبقی من الرحمۃ شئیٌ'' کے بالکل واضح الفاظ استعمال کیئے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ کی ''صلاۃ'' اور ''رحمت'' جیسی صفات کے محدود اور منتہی ہونے کا عقیدہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ جبکہ اس کتاب کے ساتویں حزب میں تو ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک لفظ 'منتھی رحمتک'' کو استعمال کر کے مذکورہ بالا عقیدہ کو روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا ہے۔ ساتویں حزب کی عبارت یوں ہے:

اللھم صل علیه زنة عرشک، ومبلغ رضاک، ومداد کلماتک ومنتھیٰ رحمتک.①

اے اللہ! ان پر درود بھیج اپنے عرش کے وزن، اپنی رضا کے اندازے، اپنے کلمات کی سیاہی، اور اپنی رحمت کے حد آخر کے برابر۔

مسلمانو!

یہ بات خوب اچھے طریقے سے سمجھنے کے لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جس طرح محدودیت اور انتہاء پذیری کے نقائص سے مُبرا ہے اور بے مثل و بے مثال ہے، ہر قسم کی کیفیت و مشابہت سے منزہ اور پاک ہے۔ بعینہ اس کی تمام تر صفات خواہ وہ ذاتی ہیں یا فعلی بھی لامحدود اور غیر متناہی ہیں۔ ان میں نقص ظاہر کرنے والا ہر قول اور نظریہ شرعی نہیں بلکہ الحادی ہے، جو بالعموم ''اہل زیغ'' کی کج فہمی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ صفات اِلٰھیہ کی لامحدودیّت کا عقیدہ ساری امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے۔ یہاں پر مناسب سمجھتا ہوں کہ علامہ شامی رحمہ اللہ کی وہ عبارت ذکر کروں جو کہ ان جیسے غالیوں کیلئے ننگی تلوار کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ اپنی فتاویٰ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا احترام کرتے اور اس طرح کے غالیوں کے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:

تنبیه. لینظر فی أنه یقال مثل ذلک فی نحو ما یؤثر من الصلوات مثل: اللھم صل علی محمد عدد علمک وحلمک ومنتھی رحمتک وعدد کلماتک وعدد کمال اللہ ونحو ذلک فإنه یوھم عدد الصفة الواحدة أو انتھاء متعلقات نحو العلم ولاسیما مثل عدد ما أحاط به علمک ووسعه سمعک وعدد کلماتک إذ لامنتھی

غور کرنا چاہیے کہ اس قسم کی کلام رسول اللہ ﷺ پر صلوات بھیجنے کے باب میں کہی جاتی ہے اس نیت سے کہ شاید یہ صلوات میں زیادہ مؤثر ہے، مثلاً: اے اللہ محمد ﷺ پر اپنے علم وحلم کی مقدار کے مطابق، اپنی رحمت کی انتہاء کے مطابق، اور اپنے کلمات وکلام وغیرہ کی تعداد کے مطابق رحمتیں نازل فرما، کیونکہ اس قسم کی کلام سے صفت واحد کے متعدد ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلقات کی انتہاء کا وہم پیدا ہوتا ہے

① دلائل الخیرات ص ۳۵ الحزب السابع



لعلمه ولا لرحمته ولا لكلماته تعالىٰ ولفظة عدد ونحوها توهم خلاف ذلک". ①

ہے جیسے صفت علم وغیرہ خاص کر اس قسم کے الفاظ ''تیرے احاطہ علم اور وسعت سمع کی تعداد کے مطابق اور تیرے کلمات کی تعداد کے مطابق'' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی کوئی انتہاء نہیں ہے اور نہ ہی اس کی رحمت اور اس کے کلمات کی کوئی انتہاء ہے جبکہ عدد وغیرہ جیسے الفاظ اس بات کے برخلاف وہم پیدا کرر ہے ہیں۔

قرآن وسنت میں اس کی حقانیت کی بابت متعدد نصوص وارد ہوئی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ ② اور میری رحمت تو ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے۔

یعنی میری رحمت تو بطورِ کلیہ اور اصول کے ہر ایک کیلئے عام ہے تو اس کا تحقق ان لوگوں کیلئے تو بطریق اولی ضرور ہوگا جو عقائد واعمال میں صفات ایمان وتقوی سے آراستہ ہیں۔ آیت میں لفظ ''کل شیٔ'' (ہر ایک چیز) میں جب جملہ اہل ایمان و اعمال صالح افراد شامل ہیں بلکہ بطریق اولی داخل ہیں۔ تو امام الانبیاء واشرف المتقین سیدنا محمد کریم ﷺ اپنی افضلیت واولویت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باقی تمام کائنات سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لیئے کہ جملہ مخلوقات کی نسبت آپ ﷺ کا درجہ نہایت ہی بلند اور ارفع ہے۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں آپ کا حصّہ بھی بہت ہی زیادہ ہے۔

مندرجہ بالا حقیقت کے واضح ہونے کے بعد آیتِ مذکورہ کا مفہوم یوں بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، رحمۃ للعالمین سیدنا محمد ﷺ سمیت کائنات کی ہر ایک شئ پر پھیلی ہوئی ہے اور یہ رحمت اس قدر وسیع ہے کہ دنیا کا کوئی بھی عدد اس کا احاطہ اور شمار نہیں کرسکتا۔

اب ایک طرف تو اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ ''میری رحمت تو ہر ایک شئ پر پھیلی ہوئی ہے۔'' اور دوسری طرف ''دلائل الخیرات'' میں ''حتى لا يبقى من الرحمة شئى'' اور ''منتهى رحمتک'' کے کلمات وارد ہوئے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی محدودیت کا عقیدہ ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری رحمت غیر محدود اور لا متناھی ہے، جبکہ محمد بن سلیمان صاحب دلائل الخیرات کا قول ہے کہ نہیں! بلکہ اللہ کی رحمت کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ اور اس کا صرف ایک ہی فرد تک محدود ہونا بھی ممکن ہے۔ اب اس صورت میں ہم اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یوں اعلان فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴾ ③ اور اللہ سے بڑھ کر کون بات کا سچا ہے۔؟

---

① رد المحتار ج٦ ص٣٩٦/كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع

② سورة الاعراف: ١٥٦ ③ سورة النساء: ١٢٢



اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثاً ﴾ ① — اور کون اللہ سے بڑھ کر بات میں سچا ہے۔؟

قرآن کریم کے ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سارے ارشادات سے متعلق قلب میں یقین محکم اور اذعان کامل رہنا چاہیئے، اگر ریب وتذبذب ذرا بھی باقی رہ گیا تو عمل یا عزمِ عمل کی بات تو دور کی ہے "ایمان" بھی کالعدم ہو جائے گا۔

لہٰذا اللہ جل شانہٗ کا فرمان "اور میری رحمت تو ہر ایک شئی پر پھیلی ہوئی ہے۔" اپنی صفت رحمت کی وسعت، لامحدودیت اور لا انتہائیت کے متعلق ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک محکم فرمان ہے۔ جبکہ اس کے مدمقابل تمام افکار، دعاوی، عقائد اور نظریات باطل، بے اصل اور گمراہ کن ہیں۔

چنانچہ آیت "وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ②" کی تفسیر کرتے ہوئی علامہ مراغیؒ لکھتے ہیں:

اما رحمتی فقد وسعت کل شیءٍ فی العالمین فهی من صفاتی التی قام بها أمر العالم منذ خلقته ③ — میری رحمت تو جملہ جہانوں کی تمام اشیاء پر وسیع (پھیلی ہوئی) ہے۔ یہ تو میری ان صفات میں سے ایک صفت ہے جس سے روز آفرینش سے نظام کائنات استوار ہے۔

صاحبِ "دلائل الخیرات" کا یہ قول آپ کے سامنے گذر چکا ہے کہ "اے اللہ! تو ہمارے سردار محمد ﷺ اور ان کی آل پر درود نازل فرما، اتنا زیادہ کہ درود میں سے کچھ نہ بچے، اور ہمارے سردار محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما۔ اس قدر کہ رحمت میں سے کچھ نہ باقی رہے۔" یعنی اپنی رحمت جس قدر بھی ہے محمد ﷺ پر نازل فرما دے۔ اس سے جو عقیدہ حاصل ہوتا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ جس کے ثابت کرنے کیلئے کسی بھی قسم کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَداً ﴾ ④ — آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کیلئے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا گو ہم اس جیسا اور بھی اس کی مدد کیلئے لے آئیں۔

---

① سورة النساء: ٨٧
② سورة الاعراف: ١٥٦
③ تفسير المراغي ج ٩/٨٠
④ سورة الكهف: ١٠٩



اور ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾ ①

اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر یہ سب قلم بن جائیں اور اس سمندر کے علاوہ سات سمندر اور ہو جائیں تو بھی اللہ کے کلمات (کا بیان) ختم نہ ہوگا۔ بے شک اللہ بڑا زبردست ہے، حکمت والا ہے۔

پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ ساری مخلوق مل کر بھی اگر اللہ تعالیٰ کے کلمات کا احاطہ اور شمار کرنا چاہے تو بھی ممکن نہیں، سارا سامانِ تحریر و تسوید ختم ہو جائے گا اور لامتناہی کسی طرح متناہیوں کی گرفت میں نہ آ سکے گا۔ سمندر لاکھ وسیع ہو بہرحال وہ محدود ہی ہے۔ صفاتِ الٰہی لامتناہی و غیر محدود کو کوئی محدود و متناہی ہستی اپنی گرفت میں لا ہی کیوں کر سکتی ہے؟

دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور اس کی ساری صفات کی شانیں غیر محدود اور لا انتہاء ہیں۔ بس یوں سمجھ لیا جائے کہ اگر روئے زمین کے جنگلوں، کھیتوں، رہائشی آبادیوں، راہوں اور سڑکوں پر کھڑے سارے درخت قلمیں بن جائیں اور دریا کے میٹھے اور کھارے پانی کے موجودہ ذخائر کئی گنا زائد ذخائر میں تبدیل ہو کر سیاہی بن جائیں تو سیاہی کے یہ سارے سمندر اور قلموں کے بے حد و حساب ذخائر اکٹھے ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت، رحمت اور اس جیسی دوسری صفاتِ عالیہ کو شمار کرنے اور ان کو بیان کرنے کیلئے کافی نہیں ہو سکتے۔

بلاشبہ سید الانبیاء محمد کریم ﷺ فداہ آبائنا وامہاتنا، اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں سب سے زیادہ افضل، اکرم اور اشرف ہیں، اس افضلیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی جس قدر رحمتیں رسول اللہ ﷺ کیلئے مختص ہیں اتنی کسی اور مخلوق کے نصیب میں نہیں ہیں۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود جناب رسالت مآب ﷺ ہیں تو اللہ تعالیٰ کی جملہ مخلوقات میں سے ایک فرد، تو کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف اتنا ہی ہے جو کہ مخلوقات میں سے صرف ایک ہی فرد پر نازل ہو جانے کے بعد ختم ہو جاتی ہے؟ حاشا وکلا نہیں اور ہرگز نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا بے حد و بے کنار ہے جو زمانہ کے تمام لمحات میں خرچ ہونے سے کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتا۔ بھلا اس رحمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اور اس کے محدود اور متناہی ہونے کا فیصلہ کون کر سکتا ہے؟ جس کی یہ شان ہے کہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ سمیت جمیع انبیاء ورسل علیہم السلام، اولیاء اللہ وصالحین نیز جملہ افرادِ خلق پر خود انہی کی مرضی اور چاہت کے مطابق تقسیم ہو جائے اور ان سب پر انعام و اکرام کا فیض جاری ہو جائے تو رحمت کے ختم ہونے کی بات تو دور کی بات ہے بلکہ اس کی رحمت میں ایک ذرہ برابر بھی کمی نہیں آ سکتی۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

---

① سورۃ لقمان: ۲۷



(.....یا عبادی لو ان اولکم و آخرکم، وانسکم وجنکم قاموا فی صعید واحد فسألونی فاعطیت کل انسان مسئلتہٗ مانقص ذلک مما عندی الا کما ینقص المخیط اذا ادخل البحر.....)①

(صحیح مسلم)

اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، اور تمہارے جن اور انسان ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک انسان کو اس کی طلب دیدوں، تو بھی میرے خزانہ میں اس سے کمی نہیں آ سکتی۔ مگر اتنا کہ سوئی کو سمندر میں ڈبو دیا جائے تو وہ سمندر سے جتنا کمی کر سکتی ہے

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو رسول اللہ ﷺ کی ذات پر ختم کرنے اور صرف ان تک محدود ماننے کا عقیدہ جہاں کلام اللہ کی نصوص صریحہ کے خلاف ہے وہاں وہ رسول اکرم ﷺ کے فرامین مبارکہ کے بھی منافی ہے۔ صحیح بخاری میں اس موضوع پر ایک حدیث وارد ہے، اسے غور سے پڑھیئے، ہمارے موقف کی مکمل تائید اس میں موجود ہے۔

عن الزھری قال اخبرنی ابوسلمۃ بن عبدالرحمن ان ابا ھریرۃ قال: قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلاۃ وقمنا معہ، فقال اعرابی وھو فی الصلاۃ "اللھم ارحمنی ومحمداً ولا ترحم معنا احداً، فلما سلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال للأعرابی لقد حجرت واسعاً، یرید رحمۃ اللہ.②

(صحیح بخاری)

زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نماز کیلئے کھڑے ہوئے، ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے۔ ایک اعرابی نے دورانِ نماز یوں کہا: اے اللہ! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحمت فرما، اور ہمارے ساتھ اور کسی پر رحمت نازل نہ فرما۔ نبی ﷺ نے سلام کے بعد اعرابی سے فرمایا: تو نے تو ایک لامحدود کو محدود کر دیا ہے (یعنی اللہ کی رحمت وسیع ہے، اسے تو نے صرف دو شخصوں پر بند کر دیا ہے)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو چند افراد تک محدود مان لینا، اور ان کے بعد اس رحمت کے منتہی ہو جانے کا عقیدہ رکھنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے خلاف ہے۔ نیز اس سے یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ کائنات کے افضل ترین فرد سید الانبیاء سیدنا محمد ﷺ پر بے انتہا رحمتوں نوازشوں اور احسانات کے بعد بھی اللہ کی رحمت کا خزانہ بھرپور ہے۔ سب کائنات پر خرچ ہو جانے کے بعد بھی اس کی محدودیت اور انتہائیت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اعرابی کی مذکورہ دعا کی اصلاح فرمائی، اور اسے فرمایا کہ تو نے تو اپنی اس دعا کے ذریعے نا ختم ہونے والی اور سب مخلوق کیلئے عام ہونے والی رحمت کو صرف اپنے اور مجھ پر بند کر دیا ہے۔ آپ نے ایسی دعا پر انکار ظاہر فرمایا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص

① رواہ مسلم، کتاب البر والصلۃ و الآداب، باب 'تحریم الظلم'

② رواہ البخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس و البھائم. واللفظ لہ/ شرح السنۃ کتاب الفضائل، باب أسماء النبی ﷺ



آج ویسی دعا کرتا ہے یا ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ امرِ رسول کے خلاف کرتا ہے۔

ج- رسول اللہ ﷺ کے اسماء مبارکہ میں غلو:

تیسرا مسئلہ نبی اکرم ﷺ کے اسماء مبارکہ کے متعلق ہے، صاحب ''دلائل الخیرات'' نے اس میں غلو کا ارتکاب کیا ہے۔ بایں طور کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے دوسو ایک اسماء شمار کیئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے یہ اسماء قرآن کریم کے کس پارہ اور کس سورہ سے اخذ کیئے گئے ہیں یا رسول اللہ ﷺ کی احادیث مطہرہ کے معلوم ومتداول ذخیرہ احادیث میں ان کا ذکر ملتا ہے تو کس کتاب میں ان کا بیان ہوا ہے؟

واقعی رسول اللہ ﷺ کے بہت سے اسماء کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو محمدؐ، احمدؐ، رسولؐ، نبیؐ، اُمّیؐ، عزیزؐ، حریصؐ، رؤفؐ، رحیمؐ، کریمؐ، امینؐ، شاہدؐ، مبشرؐ، بشیرؐ، نذیرؐ، داعیؐ اور سراجؐ منیر (وغیرہ) ایسے نام عطا کیئے ہیں۔ اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی آپ کے اسماء گرامی ماحیؐ حاشرؐ اور عاقبؐ وغیرہ کا ذکر ہوا ہے، جیسا کہ ذیل کی حدیث میں ہے:

عن محمد بن جبير بن مطعم عن ابيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لي اسماء، أنا محمد، وأنا أحمد وأنا الماحي الذي يمحو الله بي الكفر، وأنا الحاشر الذي يحشر الناس على قدمي، وأنا العاقب الذي ليس بعدهٗ نبيٌّ. ①

(صحيح بخاري ومسلم)

محمد بن جبیر بن مطعم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میرے بہت سے نام ہیں، میں محمدؐ ہوں، میں احمدؐ ہوں اور میں ماحیؐ ہوں، میرے ذریعے اللہ نے کفر کو نیست و نابود فرمایا۔ میں حاشرؐ ہوں، لوگ میرے قدموں پر حشر کیلئے اٹھینگے اور میں عاقبؐ (آخر میں آنے والا) ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

محدثین کرام نے اس حدیث کو عام طور پر ''باب اسماء النبی ﷺ'' میں درج فرمایا ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنے منفرد فقہی انداز میں اس حدیث کو مختلف عناوین کے تحت بیان کیا ہے جن میں ایک عنوان ''باب اسماء النبی ﷺ'' کا قائم فرمایا ہے۔ جس میں انہوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

کتب احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے اسماء مبارکہ میں ''صادق'' اور ''مصدوق'' کے نام بھی وارد ہوئے ہیں۔ تاہم ان میں بعض نام بطور صفت کے استعمال ہوئے ہیں۔ اگر قرآن وسنت میں ذکر شدہ تمام ذاتی وصفاتی اسماء مبارکہ کا شمار کیا جائے تو ان کی مجموعی تعداد اس تعداد سے بہت ہی کم ثابت ہوتی ہے جو بعد میں آنے والے لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کی ہے۔

---

① رواه البخاري، كتاب المناقب، باب ماجاء في اسماء رسول الله ﷺ و قول الله تعالىٰ: "محمد رسول الله و الذين معه أشداء على الكفار" وقوله: "من بعدي اسمه احمد"/ مسلم: كتاب الفضائل باب في اسمائه ﷺ /صحيح ابن حبان ج ۸ ص ۷۵ كتاب التاريخ باب ذكر وصف أسامي المصطفى ﷺ رقم الحديث: ۶۲۸۰ / شمائل الترمذي ص ۳۸۷ / الجامع لشعب الإيمان ،فصل في أسمائه ﷺ ،الرقم: ۱۳۳۴.

مثلاً بعض نے رسول اللہ ﷺ کے اسماء کو اللہ عز وجل کے ۹۹ اسماء الحسنیٰ کے برابر بیان کیا ہے۔ اور عام طور پر اسی مساوی عدد کی شہرت ہے۔ اور بعض نے آپ ﷺ کے اسماء مبارکہ کو اللہ جل شانہٗ کے اسماء الحسنیٰ سے زائد بیان کیا ہے۔ صاحب ''دلائل الخیرات'' نے رسول اللہ ﷺ کے اسماء اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ سے ایک سو دو (۱۰۲) زیادہ لکھے ہیں، چنانچہ انہوں نے آپ علیہ السلام کے کل دو سو ایک نام تحریر کیئے ہیں جبکہ بعض دوسری کتابوں میں ان اسماء کی تعداد تین سو، چار سو، پانچ سو اور ایک ہزار تک بھی مذکور ہوئی ہے۔ یہ تعداد آپ کو علماء متقدمین و اسلاف کی کتب یا ان کے اقوال میں نہیں ملے گی، غلو کا ارتکاب متاخرین علماء اور صوفی المشرب مصنفین کی کتابوں میں نظر آئے گا۔ تو کیا قرآن وسنت میں بیان شدہ اسماء گرامی سے تجاوز کر کے اپنی طرف سے نام ایجاد کر لینا غلو کا ارتکاب نہیں ہے؟ اور کیا (العیاذ باللہ) یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بیان فرمودہ تعداد کا ایک خود ساختہ تتمہ اور استدراک نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی شان میں کونسی کمی چھوڑی ہے جسے یہ لوگ پورا کرنا چاہتے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول ﷺ کے اسماء کی تعداد یا ان کے لئے مناسب الفاظ (العیاذ باللہ) نہیں ملے تھے یا اللہ تعالیٰ ان ناموں کو بھول گیا تھا؟ جسے بعد میں آنے والے حضرات بیان کر رہے ہیں؟ حالانکہ قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ کے ''علم'' کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿ قَالَ عِلْمُهَا عِنۡدَ رَبِّیۡ فِیۡ کِتَابٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیۡ وَلَا یَنۡسَی ﴾ ①

(موسیٰ نے) کہا ان کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں (محفوظ) ہے۔ میرا پروردگار نہ بھٹک سکتا ہے نہ بھول سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تو علیم وخبیر، ہمہ بین اور ہمہ دان رب ہے۔ وہ ہر قسم کے کمال کا مالک ہے۔ اس کے بیان پر اضافہ، ترمیم اور زیادتی واضح طور پر اس کے علم پر ''استدراک'' کے مترادف ہے۔ (العیاذ باللہ)

ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیر کا کوئی دروازہ ایسا نہیں چھوڑا کہ امت کو اس کی طرف متوجہ نہ فرمایا ہو۔ آپ نے تو رسالت کا حق مکمل امانت، دیانت اور خیر خواہی سے ادا فرمایا۔ اور پھر حجۃ الوداع کے موقعہ پر صحابہ کرام سے اپنی محنت، جرأت اور بے مثال ہمت وبسالت کا اقرار کرایا۔ اور اللہ تعالیٰ کو ان کے اقرار دشہادت پر شاہد بناتے ہوئے فرمایا:

(.....ألاهل بلغت قلنا، نعم قال: اللهم اشهد، ليبلغ الشاهد الغائب....) ② (صحیح بخاری ومسلم)

کیا میں نے رسالت پہنچادی؟ (ہم) نے عرض کیا جی ہاں، تو آپ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ ہو جا۔ جو یہاں موجود ہے وہ غیر موجود لوگوں تک یہ دین پہنچا دے۔

---

① سورة طٰهٰ: ۵۲

② رواه البخاری، کتاب المغازی، باب حجة الوداع/ملسم، کتاب القسامة والمحاربين والقصاص والديات، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال/مسند احمد واللفظ له رقم الحديث ۲۰۲۶۵، مسند ابی بکرة.

آپ ﷺ نے دینی معاملات میں کسی قسم کے تکلف یا کسرنفسی کو اختیار نہیں فرمایا۔ احقاق حق اور ابطال باطل کے امر میں نبی نہ تو تکلف کرتا ہے اور نہ ہی کسرنفسی کا اظہار۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ ①

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (قرآن) پر کوئی بھی معاوضہ نہیں چاہتا ہوں، اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔

جس طرح دین کی تبلیغ میں تکلف نہیں فرمایا، بالکل اسی طرح حقیقت کے اظہار و اعتراف میں کسرنفسی بھی نہیں فرمائی ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

عن ابی سعید قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم أنا سید ولد آدم یوم القیامة ولا فخر، وبیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائی وأنا اول من تنشق عنه الأرض ولا فخر. ② (صحیح)

ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، میں روز قیامت اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں ہے، میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور کوئی فخر نہیں ہے۔ اس دن آدم سے لیکر تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے جمع ہونگے اور کوئی فخر نہیں ہے۔ اور میں پہلا شخص ہوں جس کی قبر سب سے پہلے کھلے گی اور کوئی فخر نہیں ہے۔

حدیث مذکور میں وارد ہونے والے لفظ ''ولا فخر'' کا مطلب یہ ہے کہ میں یہ سب کچھ ''غرور اور فخر'' کی وجہ سے نہیں بلکہ واقع اور حقیقت کے اظہار کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ ان احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے لیے مخصوص درجات اور منازل کے بیان میں کسی کسرنفسی کا سہارا نہیں فرمایا، بلکہ حقیقت الامر کو واضح فرما دیا۔ تو رسول اکرم ﷺ جو اپنے درجات کا بزبان خود بیان فرما رہے ہیں۔ بھلا وہ اپنے اسماء کی تعداد اور ان کے ورد و وظیفہ اور ذکر کرنے کے طریقہ (اگر منزل من السماء ہوتا) تو کیسے نہ بیان فرما دیتے؟

صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا اپنے آپ کو ''سید الناس'' کہنا بھی ثابت ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: أتی رسول الله صلی الله علیه وسلم بلحم فرفع الیه الذراع وكانت تعجبهٗ، فنهس منها نهسة ثم قال: انا سید

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گوشت لایا گیا، تو دستی کا گوشت آپ کو اٹھا کر دیا گیا۔ وہ آپ کو بہت پسند تھا۔ آپ نے دانتوں سے ایک بار (دستی

① سورۃ ص: ۸۶

② رواه الترمذی، ابواب المناقب، باب فضل النبی ﷺ وقال الترمذی: حدیث حسن صحیح.



الناس یوم القیامة .① (صحیح بخاری)

سے گوشت اتار کر) تناول فرمایا۔ پھر فرمانے لگے کہ میں قیامت کے روز لوگوں کا سردار ہوں گا۔

دو سو ایک اسماء اور توحید:

جیسا کہ آپ پہلے جان چکے ہیں کہ صاحب ''دلائل الخیرات'' نے رسول اللہ ﷺ کے دو سو ایک اسماء شمار کیئے ہیں۔ گزشتہ اوراق میں آپ ان اسماء کی شرعی حیثیت کے متعلق تفصیلی بحث پڑھ چکے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ان سب اسماء کی فرواً فرداً تفصیل تو ہم نہیں ذکر کر سکتے، تاہم ان میں بعض ایسے نام جو شریعت کی واضح نصوص، بالخصوص توحید باری تعالیٰ کے ساتھ ٹکراؤ رکھتے ہیں ان کی نشاندہی کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے۔ چنانچہ ایسے ناموں کا علمی محاکمہ کیا جاتا ہے جن میں:

۱-غوث، ۲-غیاث بھی ہیں۔

صاحب دلائل الخیرات کے شمار کردہ اسماء النبی ﷺ میں ان دو ناموں کا بھی ذکر ہے۔ ان دونوں کلموں کا معنی ہے، فریادرس، دستگیری کرنے والا، اور حاجت برآر۔ دلائل الخیرات کا ترجمہ کرنے والوں نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے۔

یعنی غوث اس کو کہتے ہیں جس سے مصائب و مشاکل اور نوائب و شدائد میں مدد طلب کی جائے۔ اور وہ فریاد کرنے والے مصیبت زدہ افراد و جماعات کی فریادرسی کرے۔ چنانچہ کتب لغت میں ہے،

مشہور و معتبر عربی لغت ''محیط المحیط'' میں غوث، مغیث، غیاث اور اغاثہ کے معانی یوں لکھے ہیں:

وأغاثهُ إغاثة ومغوثة أغاثه ونصرهٔ فهو مغيث والاسم الغوث ايضاً، والغياث بقلب الواو ياءً لوقوعها ساكنة بعد كسرة، وأغاثهم الله برحمته كشف شدتهم .②

اَغَاثَهٗ (کا مصدر) اغاثةً اور مغوثةً آتا ہے۔ اغاثہ کا معنی ہے، اس کی مدد کی (اس سے اسم فاعل) مغیث' مدد کرنے والا آتا ہے۔ اسم غوث بھی اسی معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ لفظ غیاث میں واو کو کسرہ کے بعد ساکن ہونے کی وجہ سے یا سے بدل دیا گیا ہے۔ اس کا معنی بھی مدد کرنے والا ہوتا ہے۔ (جملہ) ''أغاثهم الله برحمته'' کا معنی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی مصیبت کو رفع فرمادیا۔

اسی طرح معجم مقاییس اللغۃ میں لفظ غوث کا معنی یوں لکھا گیا ہے:

① رواه البخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورة بنی اسرائیل، باب ''ذرية من حملنا مع نوح إنه كان عبدا شكورا'' / واللفظ له/ الجامع لشعب الإيمان، فصل فی مراتب نبینا ﷺ فی النبوة، رقم الحديث: ١٤٠٦

② ''محیط المحیط'' ص ٦٦٩



الغین، والواو ، والثاء کلمة واحدة وهی "الغوث" من الاغاثة، وهی الاعانة والنصرة عند الشدّة .①	غین، واؤ اور ثاء سے ایک کلمہ غوث بنتا ہے، جس کا مصدر اغاثہ ہے۔ اس کا معنی ہے مصیبت کے وقت مدد اور نصرت سے ہمکنار کرنا۔

کتب لغت میں بیان شدہ معانی ومطالب سے معلوم ہوتا ہے کہ غوث، غیاث اور مغیث اس ہستی کو کہا جاتا ہے جو عاجز و درماندہ اور پریشان حال لوگوں کی دعاؤں کو سن کر انکی فریاد رسی فرمائے ، انکے حوائج کو پورا کرے۔ اور انکی مشکلات کو رفع کرے۔

قارئین کرام!

غور فرمائیے اور انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ مذکورہ بالا صفت خالق کے علاوہ کسی مخلوق کی ہوسکتی ہے۔ بایں طور کہ وہ ہر آن وہر لحہ میں مصائب ومشکلات اور نوائب وشدائد میں پھنسے ہوئے مجبور اور لاچار انسانوں کے دکھ، درد اور ان کی پریشان حالی کا ازالہ کرسکے اور ان کی فریاد رسی کی طاقت رکھتی ہو؟

یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ لفظ غوث، غیاث اور مغیث یا اس مادہ سے مشتق وہ تمام الفاظ جن میں کسی دوسرے سے استغاثہ، استعانت اور مدد ونصرت کی طلب کا مفہوم پایا جاتا ہو۔ ان کا اطلاق مافوق الاسباب کے طریق سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی مخلوق کیلئے جائز نہیں، بلکہ شرک اکبر ہے بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی ہستی کسی بھی دوسری مخلوق کیلئے مافوق الاسباب کے طور پر غوث، غیاث، مغیث اور مستغاث منہ نہیں بن سکتی، چاہے اس ہستی کا مرتبہ طاقت اور درجہ کتنا ہی بلند اور ارفع کیوں نہ ہو۔

چنانچہ امام ابن تیمیہؒ لفظ غوث کے مشتقات، معانی اور مطالب پر مفصل انداز سے بحث کرنے کے بعد اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مخلوق غوث، غیاث اور مستغاث منہ کے القاب کی مستحق نہیں بن سکتی، آپ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

فاما لفظ الغوث، والغیاث فلا یستحقهٔ الا الله فهو غیاث المستغیثین فلایجوز لأحد الاستغاثة بغیرهٖ لابملک مقرب ولا نبی مرسل .②	غوث اور غیاث کے لفظ کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی مدد طلب کرنے والوں کا فریاد رس ہے۔ اس کے علاوہ کسی سے بھی مدد طلب کرنا جائز نہیں ہے، نہ ملک مقرب

① معجم مقاییس اللغة ۴/۴۰۰ ② مجموع فتاوی ابن تیمیہ ج ۱۱ / ۴۳۷



سے اور نہ نبی مرسل سے۔

امام ابن تیمیہؒ کے علاوہ دوسرے ممتاز علماء کرام کا بھی یہی نظریہ ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق علماء کرام کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولهذا قال العلماء المصنفون في أسماء الله تعالىٰ: يجب على كل مكلف أن يعلم ان لاغياث ولا مغيث على الاطلاق الا الله وان كل غوث فمن عنده، وان كان جعل ذلك على يدى غيره فالحقيقة له سبحانهٗ وتعالىٰ ولغيره مجاز .①

اسی لیئے اللہ تعالیٰ کے اسماء کے موضوع پر کتب تصنیف کرنے والے علماء فرماتے ہیں کہ "ہر مکلّف کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ کے علاوہ مطلق طور پر نہ کوئی غوث ہے نہ مُغیث۔ ہر مدد اسی کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔ چاہے ظاہراً اس کا ظہور کسی مخلوق سے ہی کیوں نہ ہوا ہو۔ غوث کی حقیقت اللہ تعالیٰ کیلئے مختص ہے جبکہ دوسروں کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ایسے تمام لوگوں کو مشرک قرار دیا ہے جو مخلوق میں سے کسی بھی فرد کو "غوث" کا لقب دیتے ہوں، اور اس سے بالفعل مدد طلب کرتے ہوں۔ آپ اپنی کتاب "الجوائز والصلات من جمع الاسامی والصفات" میں لکھتے ہیں:

وقد بالغ المشركون في تسمية بعض المخلوقين، بالغوث ووصفوه باالاعظم وهذا أعظم اثما من تسميته بالغوث والغياث.②

مشرک لوگ مخلوق میں سے بعض کو 'غوث' کا نام دے کر بے حد غلو کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ اس 'غوث' کو 'اعظم' کی صفت سے بھی متصف کرتے ہیں یہ تو غوث اور غیاث نام دینے سے بھی بڑا گناہ ہے۔

۳- کاشف الکرب:

"کاشف الکرب" کا معنی ہے، پریشانیوں کو ہٹانے والا۔ دلائل الخیرات کے مؤلف نے رسول اکرم ﷺ کے اسماء میں ایک اِسم "کاشف الکرب" کا بھی بیان کیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ کاشف الکرب صرف اللہ جل شانہ کی صفت ہے۔ وہی مضطر اور لاچار افراد کی مشکلات کا ازالہ کرتا ہے۔ اور انہیں پیش آمدہ دکھوں سے نجات دیتا ہے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی مخلوق کی نہیں ہوسکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کسی کیلئے "کاشف الکرب" کیسے ہوسکتے ہیں۔ وہ دنیا والوں کی مافوق الاسباب

① "غاية الاماني" ج ٢ ص ٢٨٦
② بحوالہ "قبر پرستی" ص ١١٨



مشکلات کا ازالہ کیسے فرما سکتے ہیں؟ خود آپ ﷺ پر دکھوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، انہیں اللہ کی راہ میں سب انبیا ورسل علیہم السلام کی نسبت زیادہ اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، آپ کاشف الکرب کے وصف سے متصف ہوتے تو آپ کی حیات میں بے شمار تکالیف اور نا قابل بیان دکھوں کا نام ہی نہ ہوتا۔

واقعہ اسراء ومعراج پر غور کیجئے، آپ ﷺ جب اسراء ومعراج کے مبارک سفر سے ایک ہی رات میں مکہ مکرمہ واپس تشریف لاتے ہیں اور مکہ کے لوگوں سے اپنے اس سفر مبارک کا ذکر فرماتے ہیں، مشرکین مکہ جو پہلے سے ہی آپ کی نبوت و رسالت کے منکر تھے۔ آپ کی زبان اطہر سے اس واقعہ کا ذکر سنتے ہی اور زیادہ انکاری ہو گئے۔ نہ صرف یہی بلکہ آپ ﷺ کی خبر کی تکذیب کیلئے انہوں نے ضد وعناد اور تمسخر کا انداز اختیار کر لیا۔ چونکہ مشرکین مکہ میں ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے تجارتی اور کاروباری سفر کے دوران بیت المقدس کا مشاہدہ کر رکھا تھا وہ بیت المقدس کی عمارت کی ہیئت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ اسی بناء پر انہوں نے آپ سے کہا کہ محمد! ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ آپ واقعی ایک ہی رات میں بیت المقدس گئے اور مسجد الاقصیٰ میں جملہ انبیاء ورسل علیہم السلام کی امامت کرائی، بس ہمیں آپ اپنے دعوی کے مطابق ذرا بیت المقدس کی اور بالخصوص مسجد اقصیٰ کی نمایاں علامات بیان کر دیں۔ انہوں نے ایسی ایسی علامات کے متعلق سوال کیا جو انہیں ذاتی مشاہدہ کی وجہ سے معلوم تھیں۔

ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت المقدس یا مسجد اقصیٰ کی علامات یا ان کی تفصیلی ہیئت کا احاطہ کرنے کیلئے تشریف نہیں لے گئے تھے۔ آپ تو ان سے کہیں زیادہ ارفع واعلیٰ مقاصد کے لیئے گئے تھے۔ اس لیئے جب آپ سے ایسا سوال کیا گیا تو آپ فرماتے ہیں کہ جب مشرکین مکہ نے مجھ سے بیت المقدس اور خاص طور پر مسجد اقصیٰ کی علامات کے متعلق سوالات کیئے تو میں اتنا پریشان اور غمگین ہوا کہ مجھے زندگی بھر اس قدر پریشانی اور غمگینی لاحق نہیں ہوئی۔ کیونکہ میرا دعویٰ تو صرف بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ سے ہو کر آنے کا تھا، اور جب مخالفین ومعاندین کی طرف سے ان کی مخصوص نشانیوں کے بیان کرنے کا مطالبہ ہوا، جس کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا تو میں سخت ترین غمگینی میں مبتلا ہو گیا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا بیان ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقد رأيتني في الحجر وقريش تسألني عن مَسْرايَ فسألتني عن أشياء من بيت المقدس لم اثبتها، فكربت كربة ما كربت مثلهٔ قط. ①

(صحیح مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میں حطیم کے اندر بیٹھا ہوا تھا، اور قریش مجھ سے میرے سفر اسراء کے بابت سوال کر رہے تھے۔ بعض سوالات ایسے تھے جن کا مجھے جواب متحقق نہ تھا، اس سے مجھے ایسی پریشانی لاحق ہوئی کہ کبھی بھی اس طرح کی پریشانی نہ ہوئی ہوگی۔

① رواه مسلم، کتاب الایمان - باب ذکر المسیح ابن مریم و المسیح الدجال

اب دیکھئے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر رنج والم کے پہاڑ ٹوٹ چکے ہیں اور آپ ان کا ازالہ نہیں فرما سکتے۔ آپ کی اپنی ذات کے ساتھ یہ کیفیت ہے تو از راہِ انصاف غور کیجئے کہ آپ دوسروں کے دکھوں کا ازالہ کیسے فرما سکتے ہیں؟

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کاشف الکرب والھم ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس صفت میں کوئی بھی اس کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جب اپنی جملہ مخلوق کے کرب وغم کا مداوا فرماتا ہے تو وہ اپنے محبوب و مختار سید الانبیاء والابرار جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی پریشانی اور آپ کے غم کا تو بطریقِ اولی ازالہ فرماتا ہے۔ چنانچہ اس ذات نے اپنے نبی ﷺ کی کرب کو دور کرنے کا محیر العقول انتظام فرما دیا، کہ مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک جملہ حجاب ہٹا دیئے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ خود مسجد الاقصیٰ کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس اور مسجد الاقصیٰ کا مشاہدہ کر کے مشرکین مکہ کے سوالوں کا جواب دیتا رہا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

قال ابو سلمة سمعت جابر بن عبدالله رضي الله عنهما قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لما كذبتني قريش في الحجر فجلى الله لي بيت المقدس فطفقت أخبرهم عن آياته وأنا انظر اليه. ① (صحیح بخاری ومسلم)

ابو سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قریش نے حطیم کے اندر بیٹھ کر میرے دعویٰ اسراء و معراج کو جھٹلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے بیت المقدس کو منکشف فرما دیا۔ میں نے اسے دیکھ دیکھ کر علامات بیان کرنا شروع کر دیں۔

مسند احمد میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں روایت وارد ہے:

عن ابن عباس......قالوا وهل تستطيع أن تنعت لنا المسجد وفي القوم من قدسا فر الى ذلك البلد ورأى المسجد فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فذهبت أنعت فما زالت أنعت حتى التبس على بعض النعت قال: فجيئي بالمسجد وأنا أنظر حتى وضع دون دار عقال اوعقيل، فنعته وأنا أنظر

کہنے لگے کیا آپ مسجد الاقصیٰ کی صورت اور اس کے اوصاف بیان کر سکیں گے؟ ان لوگوں میں ایسے افراد بھی موجود تھے جنہوں نے اس علاقے کا سفر کر رکھا تھا اور یہ مسجد بھی دیکھ رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں علامات بیان کرنے لگا تو بعض علامتیں خلط ملط ہونے لگیں، اسی دوران مسجد کو عقال یا عقیل کے گھر کے سامنے لا کر رکھ دیا

---

① رواہ البخاری، کتاب التفسیر/ سورۃ بنی اسرائیل باب "أسری بعبده ليلا من المسجد الحرام"
مسلم، کتاب الایمان– باب ذکر المسیح بن مریم والمسیح الدجال.
أحمد، الرقم: ۱۴۹۷۴/مسند جابر بن عبداللہ.

إليه وقال كان مع هذا نعت لم احفظهٔ قال فقال القوم: أما النعت فوالله لقد أصاب. ①(صحیح)

گیا۔ میں نے اسے دیکھ کر اس کی علامات بیان کر دیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان علامات میں سے وہ بھی تھیں جو پہلے یاد نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ وہ سب کہنے لگے کہ علامتیں تو انہوں نے اللہ کی قسم بالکل درست بیان کی ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ دعوتِ توحید سنانے کیلئے طائف تشریف لے گئے۔ آپ نے یہاں کے قبائلی سرداروں پر دین اسلام پیش کیا، اورانہیں ایمان لانے کی ترغیب دی۔ مگر طائف کے سرداروں نے آپ کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ اورنہایت ہی اذیت ناک طریقے سے آپ ﷺ کو طائف سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ آپ پر پتھروں کی بارش کر دی، جس سے آپ کا جسد اطہر لہو سے رنگین ہو گیا۔ آپ کے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے۔ جسم سے بہنے والے خون سے آپ کے جوتے پاؤں کے ساتھ چپک گئے، ان ظالموں نے طائف کے بچوں کو آپ ﷺ پر پتھر برسانے اور برُا سلوک کرنے کیلئے پیچھے لگا دیا۔ اس پوری وادی میں ایک بھی ایسا شخص نہ تھا جو آپ پر رحم کرتا یا آپ پر ہونے والے ظلم پر احتجاج کرتا۔ رسول اللہ ﷺ تو ان لوگوں کی دنیا وآخرت کی کامیابی کا پیام لے کر گئے تھے، بجائے تسلیم کرنے کے انہوں نے آپ پر ظلم کی انتہا کر دی۔ آپ جسمانی وروحانی اذیت کے احساس کے ساتھ بے بسی او بے سہارگی کے ماحول میں طائف سے ذرا دور ایک درخت کے سائے تلے تشریف فرما کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ دردناک ترین دعا فرماتے ہیں:

اللهم اليك اشكو ضعف قوّتي وقلة حيلتي وهواني على الناس، انت رب المستضفين وانت ربي، إلى من تكلني؟ إلى بعيد يتجهمني او إلى عدو ملكته أمري؟ ان لم يك بك غضب علي، فلا ابالي غير ان عافيتك هي أوسع لي، أعوذ بنور وجهك الذي اشرقت له الظلمات وصلح عليه أمر الدنيا والآخرة من أن تنزل بي غضبك اوتحل علي سخطك، لك العتبى حتى ترضىٰ لاحول ولا قوة إلا بك. ②

الٰہی میں اپنی کمزوری بے سرو سامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ اوعاجزوں کا مالک تو ہی اور میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ اے اللہ! تو مجھے کس کے سپرد فرما رہا ہے؟ کیا بیگانہ ترش رو کے یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لیئے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و دین کے کام اس سے

---

① مسند احمد، رقم الحديث: ٢٨٢٠ / إسناده صحيح / مسند ابن عباس.
② سيرة ابن هشام ج ٢ ص ٤٤٥ خروج النبي الى ثقيف بالطائف / حدائق الأنوار ج ١ ص ٣٤٢ خروجه ﷺ الى الطائف / البداية و النهاية ج ٣ ص ١٦٦ / السيرة النبوية / واللفظ له / ابن كثير ج ٢ ص: ١٥٠ .



ٹھیک ہو جاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری ناراضگی مجھ پر وارد ہو، مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے۔ اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔

برادرانِ اسلام!

غور فرمایئے کیا کوئی بڑے سے بڑا ادیب اپنی بے بسی و کمزوری کا نقشہ کھینچنے کیلئے اپنا فقر و احتیاج بیان کرنے کیلئے اور دریائے رحمت کو جوش دینے کے لئے اس سے زیادہ مؤثر، اس سے زیادہ دل آویز اور اس سے زیادہ جامع الفاظ لا سکتا ہے۔ ایک بار اپنے ذہن میں سفر طائف کا نقشہ سامنے لایئے اور مسافر طائف کے شکستہ دل اور خون آلود پاؤں پر نظر ڈالیے پھر غربت اور مظلومیت کی اس فضا میں مذکورہ بالا رقت آمیز دُعا کو پڑھیے۔ پھر فیصلہ کیجئے کیا یہ الفاظ کسی ایسی ہستی کے منہ سے نکلیں گے جو کاشف الکرب ہے؟ بھلا وہ ہستی جو اپنی ذاتی کرب کے ازالے کیلئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی پناہ کی طلب گار ہے وہ دوسروں کیلئے مشکل کشا، حاجت روا، فریاد رس اور کاشف الکرب کیسے بن سکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ سفر طائف کے دوران آپ ﷺ کو لاحق ہونے والی پریشانی اور مصیبت کا احاطہ انسانی وسعت سے بالاتر ہے۔ اس لیئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مصیبت کو اپنی عمر بھر کے مصائب و مشکلات کی نسبت زیادہ المناک، کربناک اور ناقابل فراموش قرار دیا۔ اس سے اندازہ کیجئے کس قدر بڑی پریشانی ہوئی ہوگی؟

ام المومنین سیدہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ جناب رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا، اللہ کے رسول ﷺ بھلا آپ پر اُحد کے دن سے کہیں زیادہ تکلیف دہ دن گذرا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہاں، احد کے دن سے طائف والے دن کے مصائب و آلام مجھ پر سب مشکلات کی نسبت زیادہ بھاری ہیں۔ جب میں نے ابن عبد یالیل کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی تھی۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

عن ابن شهاب قال حدثني عروة أن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم حدثته أنها قالت للنبي صلى الله عليه وسلم: هل أتى عليك يوم كان اشد من يوم أحد؟ قال: لقد لقيت من

ابن شہاب سے روایت ہے کہتے ہیں کہ مجھے عروہ نے بیان کیا کہ مجھے زوجہ رسول اللہ ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اس نے نبی ﷺ سے دریافت کیا۔ کیا آپ پر احد سے زیادہ کوئی مشکل دن اور بھی گذرا ہے؟ آپ ﷺ نے



قومک مالقیت وکان اشدما لقیت منهم یوم العقبة اذ عرضت نفسی علی ابن عبد یالیل بن کلال فلم یجبنی إلی ما اردت فانطلقت وانا مهموم علی وجهی فلم استفق إلا وانا بقرن الثعالب، فرفعت رأسی فاذا أنا بسحابة قد أظلتنی فنظرت فإذافیها جبریل فنادانی فقال ان الله قدسمع قول قومک لک وما ردوا علیک وقد بعث الیک ملک الجبال لتأمره بما شئت فیهم، فنادانی ملک الجبال فسلّم علی ثم قال: یا محمد! فقال ذلک فیما شئت إن شئت أن اطبق علیهم الا خشبین فقال النبی صلی الله علیه وسلم: بل ارجو ان یخرج الله من اصلابهم من یعبد الله وحده لایشرک به شیئا. ① (صحیح بخاری)

فرمایا، تیری قوم سے جو تکالیف ملیں وہ تو مجھے ملیں، مگر ان سب تکالیف سے عقبہ کا دن میرے لئے ان کی طرف سے سخت ترین دن تھا، جب میں نے ابن عبد یالیل بن کلال کے سامنے اپنی دعوت پیش کی۔ اس نے میری دعوت کو ٹھکرا دیا، میں رنجیدہ دل ہو کر وہاں سے چل پڑا۔ قرن الثعالب (کی وادی) میں آ کر سر اٹھا کر دیکھتا ہوں تو ایک بادل ہے جس میں جبرئیل موجود ہیں، انہوں نے مجھے آواز دے کر کہا اللہ نے تیری قوم کا جواب سن لیا ہے اس نے پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ کی طرف بھیجا ہے آپ اسے ان لوگوں کے بارے میں اپنی مرضی کا حکم دیدیں۔ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی، سلام کیا اور کہا محمد! یہ آپ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان لوگوں پر دو سخت پہاڑوں کو ملا کر بند کر دوں۔ آپ نے فرمایا، (نہیں) بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں سے تنہا اللہ وحدہ کی عبادت کرنے والی نسل پیدا فرمائے گا۔

نیز داعی اعظم رسول مکرم ﷺ کے سفر طائف کی روئیداد ظلم کی تصویر درج ذیل روایت پیش کرتی ہے۔

قال موسیٰ بن عقبة: قعدوا له صفین علی طریقه، فلما مَرَّ رسول الله صلی الله علیه وسلم بین صفیهم جعل لا یرفع رجلیه ولا یضعهما الارضخوه بالحجارة حتی ادمّوا رجلیه زاد سلیمان التیمی: أنه صلی الله علیه وسلم کان اذا اذلقته الحجارة

موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ وہ لوگ آپ ﷺ کے راستہ میں دو قطاروں کی شکل میں بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ انکے درمیان سے گذرتے، قدم اٹھاتے یا قدم رکھتے وہ آپ ﷺ کو پتھر مارتے۔ یہاں تک کہ انہوں نے آپ ﷺ کے پیروں کو خون سے رنگین کر دیا، سلیمان التیمی اس پر اضافہ کرتے ہوئے

① رواه البخاری، کتاب بدء الخلق باب اذا قال احدکم آمین والملائکة فی السماء فوافقت احداهما الاخری غفر له ماتقدم من ذنبه



قعد إلى الأرض، فيأخذون بعضديه فيقيمونه، فاذا مشى رجموه وهم يضحكون. ①

کہتے ہیں کہ جب پتھروں کی بارش آپ ﷺ کو نڈھال کر دیتی تو آپ ﷺ زمین پر بیٹھ جاتے، (مگر ظالم) آپ کے بازوؤں سے پکڑ کر آپ کو کھڑا کر دیتے، جونہی آپ ﷺ چلنے لگتے وہ ہنستے ہوئے آپ ﷺ کو پتھر مارنا شروع کر دیتے۔

قرآن کریم کا حتمی فیصلہ:

اب ہم اس مسئلہ کی مزید وضاحت قرآن کریم کی ایک آیت مبارکہ سے کرتے ہیں۔ سنت رسول اللہ ﷺ سے اس بات کو آپ پڑھ چکے ہیں کہ مصائب و مشکلات اور رنج والم کو دور کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ عقلی طور پر بھی ہر سلیم الدماغ انسان کے ہاں یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ مخلوق جو اپنے وجود و بقاء کیلئے قادر مطلق جل جلالہ کی رحمت کی محتاج ہے اس کا کوئی بھی فرد مشکل کشا اور نفع رساں نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ ﴾ ②

اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں بجز (خود) اسی کے، اور اگر وہ تجھے کوئی راحت پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو ہٹانے والا نہیں، وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کرتا ہے۔

اس آیت میں درج ذیل باتیں قابل غور ہیں:

۱۔ "ان یمسسک اللہ" میں حرف "ک" خطاب کا کلمہ ہے جس کا مخاطب محمد رسول اللہ ﷺ سمیت کائنات کی جملہ مخلوق کا ہر وہ فرد ہو سکتا ہے۔ جو دکھوں، پریشانیوں اور مصائب و آلام کا شکار ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کی حالت کو بدلنے پر قادر ہے۔ اسی طرح اس کی طرف سے نازل ہونے والی رحمت ہر فرد کو مل سکتی ہے، کوئی اس کے ٹالنے کی ہمت نہیں رکھ سکتا۔

۲۔ بِضُرٍّ میں کلمہ "ضُرّ" نکرہ ہے، جو "تکلیف" کے عموم پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں چھوٹی اور بڑی سے بڑی تکلیف شامل ہو جاتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر قسم کے رنج والم کو ہٹانے والا ہے۔ کسی دوسرے کے بس میں یہ قدرت نہیں ہے۔

۳۔ فَلَا كَاشِفَ لَهُ میں واقع "لا" نفی جنس کا ہے اور لفظ "کاشِفَ" اس کا اسم ہے، اور "لَهُ" جار مجرور متعلق "ثابت" (اسم فاعل محذوف) کے متعلق ہے اسم فاعل یا اسم مفعول دونوں میں سے ہر ایک کا استعمال جائز ہے۔ یعنی "لا کاشف ثابت" کہا جائے تو جائز ہے، اور اگر "لا کاشف موجود" کہا جائے تو بھی جائز ہے۔ بہر حال کلمہ "لـه" خبر واقع ہوا ہے۔ "لا" نفی

① عیون الاثر ج ۱ ص ۱۳۴/البدایۃ والنہایۃ ۳/ ۱٦۷
② سورۃ یونس: ۱۰۷



جنس کا اور اس میں ضمیر "ہ" کا مرجع "ضــر" ہے۔ پوری عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ اس "ضــر" کے دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کاشف کی جنس ہی موجود نہیں ہے۔

٤۔ "اِلاّھــو" میں حرف "الاّ" اِستثنیٰ کا حرف ہے جو حصر و تخصیص کا معنی دے رہا ہے۔ اور ضمیر "ھُــوَ" کا مرجع لفظ "اللہ" ہے جس کا ماقبل میں ذکر موجود ہے۔

آیت کی لفظی تشریح کے بعد اس کا پورا مطلب یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے مخاطب! اگر اللہ تعالیٰ تجھ پر کسی بھی قسم کی مصیبت اور تکلیف مسلط فرما دے تو اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی ہٹا سکنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اب اس قول فیصل کی بعد بھی اگر کوئی شخص کسی غیر اللہ کو "کاشف الکرب" کا نام دیتا ہے تو یہ اس کی اللہ تعالیٰ کے خلاف جرأت کی دلیل ہوگی اور اس ذات حکیم و خبیر کی کھلی تکذیب! اعاذنا اللہ منہ

٤۔ رَافِعُ الرُّتَبُ:۔

صاحبِ دلائل الخیرات نے رسول اکرم ﷺ کے اسماء میں سے ایک اسم رافع الرتب کا بھی بیان کیا ہے جس کا معنی ہے، مراتب، درجات اور منازل کو بلند کرنے والا۔ ظاہری اسباب کے اعتبار سے واقعی رسول اللہ ﷺ کفر و شرک کے ظلمات سے ہٹا کر ایمان و توحید کی روشنی سے ہمکنار کرنے والے ہیں، بالفاظ دیگر شرک کی ذلیل ترین پستی سے توحید کی اعلیٰ ترین بلندی و سرفرازی سے روشناس کرانے والے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ كِتَـابٌ أَنـزَلْـنَـاهُ إِلَيْكَ لِتُخْـرِجَ النَّـاسَ مِنَ الـظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴾ ①	یہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے تا کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائیں۔ ان کے پروردگار کے حکم سے یعنی غالب و ستودہ صفات کی راہ تک۔

یہاں بھی یہ بات خوب سمجھ لینی چاہیئے کہ کاشف الکرب کی طرح رافع الرتب کی صفت بھی مافوق الاسباب کے اعتبار سے مطلق طور پر اللہ ذوالجلال والاکرام کی صفت ہے، وہ اپنی ذات کے ساتھ اپنی جملہ صفات اور اسماء حسنیٰ میں بے مثال اور وحدہ لاشریک ہے۔ دیکھیئے رسول اللہ ﷺ لوگوں کی ہدایت کے بارے میں بے حد و انتہا حرص رکھتے تھے آپ چاہتے تھے کہ دنیا کے کفار و مشرکین اور بالخصوص جزیرہ عرب کے بت پرست، کفر اور شرک کی پستیوں سے نکل کر ایمان و توحید کی باعزت بلندیوں کے حقدار بن جائیں، آپ کے اس خلوص اور خیر خواہی کی شہادت قرآن کریم نے یوں بیان فرمائی ہے۔

---

① سورۃ: ابراھیم: ١

﴿ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفاً ﴾ ①

پس اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالینگے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ طه ٥ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى ٥ إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَى ﴾ ②

طٰہٰ، ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے، بلکہ اس شخص کی نصیحت کے لئے ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔

خیر خواہی، ہمدردی اور رأفت و رحمت کا یہ سیلاب کس قدر عظیم ہوگا جس کے متوقع نتائج نہ ملنے کی صورت میں آپ ﷺ ہلاک کر دینے والی بیقراری اور مشقت کا مجسمہ بن جاتے۔ کیا ایسی خیر خواہی اور مخلصانہ ہمدردی کا عشر عشیر بھی کسی مصلح کے پاس مل سکتا ہے؟ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کی ہدایت کیلئے مقدور بھر کوشش فرمائی مگر آپ ﷺ کی بے لوث رأفت اور با کمال خلوص کے باوجود مکہ مکرمہ سمیت جزیرہ عرب کے سارے کفار و مشرک کفر و شرک کی پستی سے نکل کر توحید کی بلندی تک نہ پہنچ سکے۔۔ رسول اللہ ﷺ نے سردارانِ قریش، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل، ابی ابن خلف، امیہ بن خلف، منبہ اور نُبَیہ ابنا حجاج، ولید بن مغیرہ، ابولہب بن عبدالمطلب اور سعید بن العاص وغیرہ کی اخروی عزت و رفعت کیلئے بہت جدوجہد فرمائی مگر آپ ﷺ ان کو ایمانداروں کے زمرہ میں داخل اخروی مراتب و مدارج کا مستحق نہ بنا سکے۔ یہ سب کے سب آپ کی شدید ترین خواہش کے برعکس کفر و شرک پر ہی مرے۔

اس کے متعلق ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴾ ③

اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ جو چاہے کرے۔

اور ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنتَ تُنقِذُ مَن فِي النَّارِ ﴾ ④

بھلا جس پر عذاب کی بات متحقق ہو چکی ہو تو کیا آپ ایسے شخص کو جو دوزخ میں ہوگا چھڑا سکتے ہیں۔

مکہ کے باقی سرداروں کی نسبت سردار ابوطالب رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قرابت رکھتے تھے اور اس کے ساتھ ان کا سلوک ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محسنانہ اور ہمدردانہ رہا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ پر مسلّط ہو جانے والی بعض تکالیف کو بھی

① سورة الكهف: ٦
② سورة طٰه: ١، ٢، ٣
③ سورة الحج: ١٨
④ سورة الزمر: ١٩

سالہا سال تک انہوں نے ساتھ دے کر برداشت کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی قلبی خواہش تھی کہ آپ کا چچا ابوطالب اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی محبت کا حقدار بن جائے۔ آپ ﷺ نے زمانہ بعثت سے ابوطالب کی وفات تک ہر طرح سے اپنے چچا کو توحید کی دعوت دی، مگر اس تمام تر محبت، خیر خواہی اور خواہش و مساعی کے باوجود آپ ﷺ اسے اعزاز و تکریم کا مقام نہ دلا سکے۔ بالآخر ابوطالب آپ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے ایمان و توحید کے انکار اور کفر و شرک پر رضا کا اظہار کرتے ہوئے موت کی وادی میں چلا گیا۔

رسالت مآب ﷺ کو اپنے چچا کی بے ایمانی کی موت نے حد درجہ مغموم اور اداس کر دیا، چنانچہ آپ ﷺ کو تسلی عطا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴾ ②

جس کو آپ چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے البتہ اللہ ہدایت دیتا ہے اسے جس کے لیئے اس کی مشیت ہوتی ہے۔ اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

اس آیت کا سبب نزول صحیح بخاری میں یوں بیان ہوا ہے:

عن ابن المسيب عن ابيه أن ابا طالب لما حضرته الوفاة دخل عليه النبي صلى الله عليه وسلم وعنده ابوجهل فقال: اى عَمِّ قل لا اله الا الله كلمة احاج لك بها عند الله' فقال ابوجهل وعبدالله بن ابى امية: يا ابا طالب! ترغب عن ملة عبدالمطلب فلم يزالا يكلمانه حتى آخر شيئ كلمهم به: "على ملة عبدالمطلب" فقال النبي صلى الله عليه وسلم لاستغفرن لك مالم أنه عنه، فنزلت: ما كان للنبى والذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى من بعد ماتبين لهم انهم اصحاب الجحيم ونزلت: انك لاتهدى من احببت. ① (صحيح بخارى)

(زہری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں) مجھے سعید ابن المسیب نے اپنے باپ کے واسطہ سے بیان کیا ہے کہ جب ابوطالب کی وفات قریب ہوئی تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے، دیکھا تو ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن اُبی امیہ بھی موجود تھے، آپ نے فرمایا، "چچا! لا الٰہ الا اللہ کلمہ ہے اسے کہہ لو، میں اللہ کے ہاں اسے تمہارے لیئے حجت کے طور پر پیش کروں گا۔" ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگے: (ابوطالب!) کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ رسول اللہ ﷺ ابوطالب پر اپنی بات پیش فرماتے رہے اور ابوجہل اور اس کا ساتھی اپنی بات کہتے رہے۔ بالآخر ابوطالب نے ان سب کے سامنے جو بات آخر میں کہی وہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں، اور

① رواہ البخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب قصۃ ابی طالب.



اس نے لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہاری بخشش کیلئے اس وقت تک دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے روک نہیں دیا جاتا، تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی، ''نبی کیلئے اور مومنوں کیلئے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کیلئے بخشش کی دعا کریں۔'' نیز اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے متعلق آیت نازل فرمائی، آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کی ہدایت کی آپ کو چاہت ہو، اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

پوری بحث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مراتب و منازل اور اعزاز و تکریم عطا کرنے والے نہیں ہیں، بلکہ یہ صفت مطلق طور پر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ وہ جسے چاہے قدر و منزلت اور اپنی دائمی رضا سے نواز دے۔

بوصیری کا غُلُوّ

مدح رسالت میں غلو کرنے والوں میں سے ایک نام ''بوصیری'' کا بھی ہے۔ ''قصیدہ بردہ'' کے نام سے اس کی منظوم تالیف مشہور و معروف ہے۔ اس قصیدہ میں کچھ ایسے اشعار بھی ہیں جس میں اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی ربوبیت اور اس کی الوہیت و وحدانیت کے خلاف بے باک جرأت اور اس کی قوت غالبہ کو کھلا چیلنج کیا گیا ہے چنانچہ اس کے غلو والے اشعار میں سے ایک شعر ملاحظہ ہو جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے کہتا ہے:

یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ — سواک عند حلول الحادث العمم ①

اے برگزیدۂ کائنات! جب مصیبتیں تہ بتہ وارد ہوتی ہیں تو — میرے لئے آپ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہوتی۔

اندازہ کیجئے کس قدر ایمان سوخت غلو ہے، کیا یہ کلمات ایسے شخص کے منہ سے نکل سکتے ہیں جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کی توحید کے ساتھ ادنیٰ درجے کا وقار ہو؟ بڑی دلیری کے ساتھ کہتا ہے کہ مجھ پر جب بہت بھاری مصیبتوں کا نزول ہوتا ہے تو میں آپ (رسول اللہ ﷺ) کی پناہ چاہتا ہوں، کیونکہ آپ کائنات کی عزتوں کا مان ہیں۔ میرے لیئے آپ کے علاوہ کوئی ملجا و ماویٰ نہیں ہے۔ اللہ اکبر! (العیاذ باللہ)

کیا بوصیری کیلئے رسالتمآب ﷺ کے سوا کوئی دست پناہ نہیں ہے؟ پھر کہاں گیا ''اکرم الخلق'' کا مالک اور خالق؟ کہاں

① ''قصیدۃ بردۃ'' من مجموع المتون فی مختلف الفنون، ص ۱۰.

گئی وہ ذات جس نے اکرم الخلق کو اکرام وافتخار کی خلعت سے مزین فرمایا؟ کہاں گئی وہ غالب و برتر ہستی جو ہر مضطر ولاچار کی چارہ گیری کرتی اور ان کے دکھوں دردوں کا درماں کرتی ہے، جس نے اپنا تعارف اس طرح کرایا ہے:

﴿ أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴾ ①

(یہ بت بہتر ہیں؟) یا جو بیقرار کی (فریاد) سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے، اور مصیبت کو دور کردیتا ہے، اور تم کو زمین میں خلیفہ بناتا ہے۔ کیا اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو۔

بوصیری کا قول۔ ''الحادث العمم'' اگرچہ جملہ حوادث، مصائب، اور مشکلات کو محیط ہے مگر اس میں ''ال'' کا لفظ عہد خارجی کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد کوئی عام یا چھوٹا حادثہ نہیں ہے۔ بلکہ بہت ہی بڑا حادثہ قیامت کا دن مقصود ہے۔ حقیقت میں اس سے بڑا اور کوئی حادثہ تصور میں نہیں آسکتا۔

ویسے تو معمولی اور جزئی امور میں مافوق الاسباب غیر اللہ سے بھی مدد مانگنا قبیح عمل ہے مگر بڑے اور سنگین مصائب میں اللہ کے علاوہ کسی اور سے مدد طلب کرنا تو بدترین شرک ہے۔ اب بوصیری کے غلو کا ذرا مشرکین اوائل کے شرک کے ساتھ موازنہ کیجئے، بوصیری قیامت کی ہولناک اور دلشکن بلکہ جسم کو چور چور کر دینے والے مصائب میں غیر اللہ کی پناہ ڈھونڈ رہا ہے جبکہ مشرکین اوائل نسبتاً ان سے کم مصائب میں بھی غیر اللہ کو چھوڑ کر خالصتاً اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے۔ ان کی اس جبلّت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے:

﴿ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴾ ②

آپ کہئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے یا (قیامت کی) گھڑی آپڑے تو کیا اللہ کے سوا اوروں کو پکارو گے (بتاؤ) اگر سچے ہو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی ناگہانی مصیبت یا قیامت کی مشکل ترین ساعت میں مشرکوں سے یہ توقع ہی نہیں تھی کہ وہ غیر اللہ کو پکاریں گے، اس لیئے اللہ تعالیٰ نے ان سے سوال کی شکل میں یہ تعلیم دی کہ جب تمہاری بھاری مشکلات کا ازالہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو تم اس مالک ومقتدر کو ہر آن وہر لحہ کیوں نہیں پکارتے ہو؟

بوصیری کے ہم مشربوں نے اس کے مذکورہ بالا شعر پر معذرت کا اظہار کرکے یہ توجیہ پیش کی ہے کہ بوصیری کی مراد قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کی طلب ہے جو کہ قیامت کے روز واقع ہوگی۔ مگر ان کا یہ عذر وحیلہ ''عذرِ گناہ

① سورۃ النمل: ۶۲
② سورۃ الانعام: ۴۰



بدتر از گناہ'' کے مترادف ہے۔ اس عذر و توجیہ سے ان کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے کہ مشرک اور بت پرست لوگ بھی اپنی بت پرستی اور قبر پرستی کی یہی غرض بیان کرتے رہے ہیں۔ وہ اپنے معبودوں کی پوجا و پرستش کو مقصود بالذات نہیں گردانتے تھے، بلکہ اسے تقرب الٰہی کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتقاد کو اپنے کلام میں نقل فرمایا ہے:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى ﴾ ① ہم تو ان کی پرستش بس اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں۔

اور ایک دوسرے مقام پر ان کا عقیدہ یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ ② اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو (اللہ کو) معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔

ایک شبہ:

یہاں غالیوں کی طرف سے ایک شبہ پیدا کیا جا سکتا ہے کہ: ''مشرکوں کی شفعاء کی شفاعت کا معاملہ ایک ظنی و خیالی اور بے حقیقت معاملہ ہے جس کے اثبات کیلیئے ان کے پاس کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا عقیدہ قطعی اور یقینی دلائل سے ثابت ہے، اب اگر کوئی شخص اسی ثابت شدہ شفاعت کی طلب رسول اللہ ﷺ سے کرتا ہے تو اسے مشرکوں یا بت پرستوں کے مشابہ کیوں کر قرار دیا جائے گا؟

اس کا ازالہ:

دراصل یہ شبہہ سوء فہمی کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ بیمار ذہن کی خوش عقیدگی پر مبنی ایک مغالطہ دہی کوشش ہے۔ اس میں حق و باطل کو خلط ملط کر کے غلو کی غلاظت کے ڈھیر پر عطر ریزی کی سعی کارفرما نظر آتی ہے۔ اختلاف شفاعتِ رسول اللہ ﷺ کے ثبوت یا روز حشر آپ ﷺ سے اس کی طلب کی بابت ہے ہی نہیں۔ اصل اختلاف تو اس امر میں ہے کہ شفعاء (شفاعت کرنے والوں) سے ان کی وفات کی بعد اپنے گناہوں کی مغفرت کیلیئے یا دیگر مصائب و مشکلات کے ازالہ کیلیئے ان کی مدد طلب کرنا، کہ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

---

① سورۃ الزمر: ۳
② سورۃ یونس: ۱۸

قیامت کے دن آپ ﷺ سے شفاعت کا سوال ہوگا، سب کرینگے، یہ تو اسی طرح ہوگا جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرام آپ ﷺ سے دعا کراتے تھے، آخرت کا یہ معاملہ آپ ﷺ کی حیاتی کے امور جیسا ہوگا، اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد ایسی طلب کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کو مخاطب کر کے نہ شفاعت کی طلب کی ہے اور نہ اپنے اوپر نازل ہونے والے مصائب و آلام کا علاج اور حل مانگا ہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کتنے کربناک فتنوں اور حوصلہ شکن ابتلاءات کا شکار بنادیئے گئے مگر ان میں سے کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کو ان کی وفات کے بعد مدد کیلئے نہیں پکارا، لہٰذا آج اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو اس کا یہ عمل ''سبیل المومنین'' سے یکسر جدا ہوگا۔

بوصیری کے مذکورہ بالا شعر پر علماءِ اسلام نے زوردار نقد کیا ہے، ان علماء کبار میں سے ایک نام الشیخ عبداللطیف رحمہ اللہ کا بھی ہے چنانچہ علامہ ابوالمعانی آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''غاية الاماني'' میں ان کے نقد کو نقل فرمایا ہے۔ آپ بھی پڑھیئے:

"وأمّا ما انتقده أهل العلم والدين على كلام البوصيري فكثير جداً من ذلك قوله "يا اكرم الخلق مالي من ألوذ به: سواك عند حلول الحادث العمم "قال العلامة الشيخ عبداللطيف في كتابه "منهاج التأسيس": "ان قول البوصيري هذا أشنع وأبشع من قول الصرصري لما تضمنهٔ من الحصر ولما فيه من اللياذ بغير الله في الخطب الجلل والحادث العمم وهو قيام الساعة وقد قال تعالىٰ: ﴿قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ فدعاء غير الله في الأمور العامة الكلية أبشع من دعاء غيره في الأمور الجزئية، ولذلك أخبر أن عباد الاصنام لايدعون غيره عند إتيان العذاب أو إتيان الساعة التي هي

بوصیری کا ایسا کلام جس پر اصحاب علم وبصیرت نے نقد کیا ہے وہ تو بہت ہی زیادہ ہے، اسی کلام میں سے بوصیری کا یہ قول بھی ہے۔ ''اے برگزیدہ کائنات! جب مصیبتیں تہہ در تہہ دار ہوتی ہیں تو میرے لئے آپ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہوتی۔'' علامہ شیخ عبداللطیف نے اپنی کتاب ''منہاج التاسیس'' میں کہا ہے کہ بوصیری کا یہ قول صرصری کے قول کی نسبت زیادہ بھنڈا اور غالب مزیدہ ہے۔ اس لیئے کہ یہ قول (غیر اللہ سے ہی مدد طلب کرنے کے) تضمنی مفہوم پر مشتمل ہے۔ نیز اس میں غیر اللہ سے قیامت کے ہولناک اور عظیم ترین حوادث میں پناہ جوئی کا معنی بھی موجود ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''آپ کہیئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ پڑے یا (قیامت کی) گھڑی آ پڑے تو کیا اللہ کے سوا اور کو پکارو گے (بتاؤ) اگر سچے ہو۔'' چھوٹے اور جزئی امور میں غیر اللہ سے مدد طلب کرنا ایک گناہ ہے مگر

الحارث العمم، وأما من قال من الغلاة في الإعتذار عنه "أن مقصوده الشفاعة والجاه" فهذا لايفيده شيئاً لأن عامة المشركين انما يقصدون هذا ولم يقصد الإستقلال الامعطلة الصانع وعامة المشركين انما قصدوا الجاه والشفاعة كما حكاه القرآن في غير موضع واما قول الغلاة وتلبيسهم بأنه صلى الله عليه وسلم أعطى الشفاعة يوم القيامة، و انزل عليه،" عسىٰ أن يبعثك ربك مقاما محمودا، فهذا تلبيس منهم وتشبيه على من لا يدري الحقائق ولم يتفطن لمسألة النزاع فإن الخصومة والنزاع في طلب الشفاعة أو غيرها من الشفعاء في حال مماتهم وقصدهم لذلك ونحوه من المطالب المهمة، وأما حصول الشفاعة وسؤاله صلى الله عليه وسلم يوم القيامة فهذا لاينكره أحد، وهو من جنس ماكان يطلب منه في حياته صلى الله عليه وسلم، وأما بعد موته فلم يعرف عن أحد من اصحابه ولا عن أئمة الإسلام بعدهم أنه دعاه وطلب منه شفاعة أوغيرها وانما فَعَلَهُ بعض الخلوف الذين لايرجع إليهم في مسائل الأحكام والله يهدي من يشاء الى صراطٍ مستقيم .①

اس سے بڑھکر گناہ یہ ہے کہ اہم اور بڑے امور میں ان سے دعا کی جائے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بت پرست (اپنی ضلالت کے باوجود) بھی عذاب آ پڑنے یا قیامت کی ہلاکت خیز گھڑی آ جانے پر غیر اللہ کو پکارنے کی ہمت نہیں رکھتے (یعنی ایسے موقعوں پر وہ خالص اللہ کو پکارتے ہیں) رہا کچھ غالیوں کا بوصیری کی کلام کی یہ توجیہہ بیان کرنا کہ ان کا مقصد روزِ قیامت آپ ﷺ کی طرف سے شفاعت اور تکریم کا حصول ہے تو یہ بے فائدہ تاویل کے سوا کچھ نہیں، اس لیئے کہ مشرکوں کا اصل مقصود بھی یہی امر ہوتا ہے۔ ہاں منکرین اِلٰہ کا یہ مطلوب نہیں ہوتا ان کے علاوہ اکثر مشرک اپنے شرکیہ عمل سے آخرت کی شفاعت اور نجات کا مقصد پیش نظر رکھتے ہیں، قرآن نے ان کے اس ارادہ کا بارہا ذکر کیا ہے۔ نیز غالیوں کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کو دی جانے والی شفاعت قطعی اور یقینی ہے آپ کو یہ فرمادیا گیا ہے کہ "عنقریب تیرا رب تجھے مقام محمود پر کھڑا کرے گا۔" تو یہ ان کی طرف سے غلط بحث کی ایک کوشش، اور حقائق سے بے خبر اور مسئلہ مختلف فیہ سے لاعلم افراد کے سامنے ایک چال ہے کیونکہ جھگڑے اور نزاع کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ شفاعت یا دیگر امور کے لئے شفاعت کرنے والوں کو ان کی وفات کے بعد پکارنا اور مشکل ترین امور میں ان سے نصرت کی طلب کرنا، باقی رہا قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ سے شفاعت کا صدور، یا ان سے اسی دن شفاعت کی بابت سوال

① غاية الاماني ج ٢ ص: ٣٣٨، ٣٣٩



وغیرہ تو اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ یہ تو آپ کی زندگی میں سوال کیا جاتا تھا، باقی رہا آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام اور ائمہ اسلام میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو پکارا ہو یا ان سے شفاعت وغیرہ کا سوال کیا ہو۔ یہ کام بعد میں آنے والے کچھ نہ انجان لوگوں کا ہے جن کو شرعی احکامات اور دیگر مسائل میں کبھی معتمد سمجھا ہی نہیں گیا۔ بس اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے۔



پہلا باب
عبادت کے بیان میں

تمہید

ہر کلمہ گو مسلمان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر قسم کی بندگی اور پرستش کا حقدار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی مخلوق کیلئے بندگی کا اظہار ظلم عظیم ہے۔ عبادت کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اس میں قولی، فعلی اور بدنی و مالی تمام عباوات داخل ہیں، ان میں سے کسی بھی قسم کو غیر اللہ کے لئے مختص کرنا یا غیر اللہ کو اس کا مستحق جاننا شرک کہلاتا ہے۔

فطری طور پر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنے جامع اور ہمہ گیر اتفاق کے باوجود مشاہدہ اس کی نفی کی تصویر پیش کرتا ہے۔ ایک بہت بڑی خلقت اس جرم عظیم کا شکار نظر آتی ہے۔ ان کی دلوں میں اللہ تعالیٰ سے محبت اور ایمان و یقین کے بجائے غیر اللہ کی محبت کا ایک طوفان موجزن ہے۔ یہ کیسا اتفاق ہے جو اپنی نفی کے سامنے شرمندہ نظر آتا ہے؟

جواباً عرض ہے کہ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ کسی بھی مہلک مرض سے بچاؤ اس وقت ممکن ہوتا ہے جب انسان اس مرض کے بھیانک نتائج اور بدترین اثرات سے کما حقہ واقف ہو۔ اور اس مرض کے اسباب وعلل کے متعلق بھی حسب ضرورت شناسائی رکھتا ہو۔ مثال کے طور پر اگر کوئی بیمار شخص اپنی بیماری کے علاج کے لئے کسی ڈاکٹر یا طبیب کے پاس جاتا ہے تو ڈاکٹر طبّی اصول وقواعد کے تحت سب سے پہلے اپنے مریض کا بنظرِ عمیق معائنہ کرتا ہے۔ مرض کے اسباب وعلل جاننے سے پہلے مرض کی نوعیت کا پتہ چلاتا ہے۔ صحیح تشخیص کے بعد اس کا علاج تجویز کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی معالج مذکورہ بالا مراحل طے کیئے بغیر مریض کا علاج اندازہ سے شروع کرے تو ایسی صورت میں موجود مرض کا استحصال تو شاید ہو البتہ دیگر امراض کے لئے دروازہ ضرور کھل جائے گا۔ یہ کوئی طریقہ علاج نہیں ہے۔ بلکہ مریض کو دواساز اداروں کی مصنوعات کیلئے تجرباتی ڈھانچہ بنانے کے مترادف ہوگا۔ اس طرح مریض جلد ہی معذوری یا موت کے شکنجے میں جکڑ جائے گا۔

جو اصول جسمانی عوارضات کیلئے بیان ہوا ہے اسے روحانی امراض کے علاج کیلئے دستور بنالیا جائے تو ہر قسم کے روحانی مرض کا علاج ممکن ہوسکتا ہے۔ کسی بھی شئ کو اختیار کرنے سے پہلے اس کی حقیقت کا ادراک لازمی امر ہے۔ کہنے کو تو ہر



شخص عبادت کا مستحق اللہ تعالیٰ کی ذات کو تسلیم کرتا ہے مگر جب بنیادی چیز ''عبادت'' کی حقیقت اس کے ارکان، اور اس کے فوائد کا ہی علم نہ ہو تو اس کا نتیجہ اس گوہر عالم تاب کی بے قدری کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

اصل المیہ ہی یہی ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت کا کما حقہ علم ہی نہیں ہے۔ اسی لاعلمی کا نتیجہ ہے کہ خلق کثیر شعوری یا لاشعوری طور پر ایسے افعال اور اقوال کی قائل و عامل بن چکی ہے جو کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی توحید کے منافی ہیں۔ اگر انہیں اس چیز کا ادراک ہوتا کہ مخلوق کو غائبانہ حاجات میں یا ماوراء الاسباب امور میں پکارنا شرک ہے، کیونکہ نہایت درجہ کی خشوع وانکساری اور عجز و تضرع کے ساتھ دعا محض اللہ تعالیٰ کیلئے لائق ہے اور یہ عبادت کا مغز اور اس کا رکن اعظم ہے۔ تو وہ کبھی بھی شرک کی وادی میں قدم نہ رکھتے۔ اور نہ ہی توحید کی دعوت و تبلیغ کرنے والے افراد و جماعات سے بغض اور دشمنی کا اظہار کرتے بلکہ انہیں اپنا ہمدرد اور خیر خواہ تصور کرتے۔ اس لاعلمی نے کتنے افراد کو ہمیشہ کیلئے جہنم کا ایندھن بنا دیا۔ اور شفاعت مصطفیٰ ﷺ سے محروم کر دیا۔

اس لیئے ہم اس باب میں عبادت کی تعریف اور اس کی اقسام میں سے کچھ قسمیں اختصار کے ساتھ بیان کرینگے، تاکہ راہ توحید سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو دوبارہ صحیح سمت مل سکے اور اللہ تعالیٰ کی حجت اسکے بندوں پر قائم ہو جائے۔ واللہ ہو الموفق۔

لفظ ''عبادت'' کا مفہوم:

''عبادت'' عربی لفظ ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں اس لفظ کا کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی و مفہوم کو جاننے کیلئے ہم ائمہ لغت اور ائمہ تفسیر کے معتبر اقوال نقل کرتے ہیں۔

''عبادت'' کا لغوی معنی:

''عبادت'' انتہا درجہ کی ذلت، عاجزی اور تضرع وانکساری کا نام ہے۔ عبادت کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأصل العبادة الخضوع والتذلل ①

عبادت کی حقیقت عاجزی اور فروتنی ہے۔

مشہور محقق و مفسر علامہ رشید رضا مصری رحمہ اللہ اپنی معرکۃ الآراء تفسیر ''تفسیر المنار'' میں لکھتے ہیں:

تدل الأساليب الصحيحة والإستعمال العربي الصراح على أن العبادة ضرب من الخضوع حد النهاية ناشئ عن استشعار القلب عظمة للمعبود②

(کلام عربی کے) جملہ اسلوب اور عربی کا خالص استعمال یہ دلالت کرتے ہیں کہ ''عبادت'' حد درجہ کی عاجزی کی ایک صورت ہے جو معبود کی عظمت سے معمور قلبی احساسات کا نتیجہ ہوتی ہے۔

① تفسير القرطبي ج ١ ص ٢٢٥ ② تفسير المنار ج ١ ص ٥٦، ٥٧



نیز لغت اور تفسیر کے مسلمہ امام علامہ زمخشری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

العبادة اقصى غاية الخضوع و التذلل ①

عبادت انتہا درجہ کی انکساری اور نیاز مندی کا نام ہے۔

لغتِ عربی کی مشہور کتاب ''المنجد'' میں لکھا ہے:

عبد:عبادة، وعبودة، وعبودية ومعبداً ومعبدة الله: وحدهٔ، وخدمه وخضع وذل ②

''عبد'' فعل ماضی ہے اور عبادت عبودت، عبودیت، معبد اور معبدت اس کے مصادر ہیں۔ عَبَدَ اللہ کا معنی اکیلے اللہ کی عبادت کرنا، اس کی فرمانبرداری کرنا اور اس کیلئے انکساری اور عاجزی کو اختیار کرنا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ عبادت کا معنی لکھتے ہیں:

و عبادة الرحمٰن غاية حبه مع ذل عابده ، هما قطبان ③

اللہ کی عبادت کیلئے حد درجہ کی محبت اور عابد کی بے حد انکساری مدار اور محور کی حیثیت رکھتے ہیں۔

''عبادت'' کا اصطلاحی مفہوم:

امام ابن قیم رحمہ اللہ ''عبادت'' کا جامع ومانع شرعی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العبادة عبارة عن الإعتقاد والشعور بان للمعبود سلطة غيبية (أي في العلم والتصرف) فوق الاسباب يقدربها على النفع والضر، فكل دعاء ونداء وثناء وتعظيم ينشأ من هذا الإعتقاد فهي عبادة ④

عبادت اس اعتقاد اور فکر کا نام ہے کہ معبود کو (علمی اور اختیاری) مافوق الاسباب ایک زبردست غیبی قدرت حاصل ہے جس کے ذریعے وہ نفع اور نقصان پہنچانے کی قوت رکھتا ہے۔ اس اعتقاد کے ساتھ کی جانے والی ہر قسم کی دعا، پکار اور مدح و تعظیم عبادت کے زمرہ میں داخل ہوگی۔

تیسیر العزیز الحمید میں ہے

العبادة اسم جامع لكل مايحبه الله ويرضاه من الأقوال والأفعال الظاهرة والباطنة ⑤

''عبادت'' جامع ترین کلمہ ہے، اس میں وہ تمام ظاہری اور پوشیدہ اقوال اور اعمال آ جاتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا حاصل ہوتی ہے۔

---

① الكشاف ج ١ ص ٦٢
② ''المنجد'' حصہ لغت ص ٤٨٣
③ ''القصيدة النونية'' ص ٣٢ فصل فى قدوم ركب الإيمان وعسكر القرآن
④ ''مدارج السالكين'' ج ١ ص ٤
⑤ ''تيسير العزيز الحميد'' ص ٤٦



شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی عبادت کی تعریف یہی بیان کی ہے جو تیسیر العزیز الحمید کے مؤلف نے لکھی ہے، اس طرح یہ تعریف دو عظیم اماموں کی متفق علیہ تعریف قرار پاتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

العبادة هي اسم جامع لكل مايحبه الله ويرضاه من الاقوال والاعمال الباطنة والظاهرة①

عبادت کا لفظ ان تمام ظاہری اور مخفی اقوال واعمال پر محیط ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا کا تعلق ہے۔

عبادت کی قِسمیں:

عبادت کے انواع واقسام کی فہرست بہت لمبی ہے، ان سب کا احاطہ کیا جائے تو کتاب بہت ضخیم ہو جائے گی۔ طوالت کے اندیشے کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہاں صرف چند قسموں کا تعارف بیان کرینگے جو باقی ماندہ اقسام کی معرفت کا وسیلہ ثابت ہوں گی۔ ہمارے پیش نظر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ وغیرہ کی بیان کردہ ذیل کی یہ فہرست ہے جس میں انہوں نے بنیادی وکلیدی عبادات کا ذکر کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

الدعاء والخوف والرجاء والتوكل والرغبة، والرهبة والخشوع والخشية، والإنابة والإستعانة، والإستعاذة والإستغاثة والذبح والنذر وغير ذلك من العبادات التي أمر الله بها كلها مخصوصة بالله تعالىٰ: ②

دعا کرنا، نقصان سے ڈرنا، نفع کی امید رکھنا، بھروسہ کرنا، عاجزی سے طلب کرنا، خوف کھانا، عجز وانکساری کرنا، حد سے زیادہ ہیبت کھانا، توبہ ورجوع کرنا، مدد طلب کرنا، پناہ مانگنا، مصیبت کے وقت پکارنا، ذبح کرنا، منّت ماننا اور دیگر عبادات جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے سب کی سب اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہیں۔

اب ہم مذکورہ بالا امور کی تشریح کیلئے ہر ایک عبادتی امر کو ایک مستقل عنوان کے تحت دلائل کی روشنی میں بیان کرینگے ان شاء اللہ تاکہ ان جملہ امور کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اختصاص ثابت ہو جائے۔

دُعا کے عبادت ہونے کی دلیل

محروم ومجبوب انسانیت کیلئے دعا بہت بڑی دولت ہے، اور مؤمن کیلئے عظیم ترین سہارا۔ بلکہ بندگی اور زندگی کی اعلیٰ ترین لذت، مطرود انسانیت کیلئے اپنے خالق ومالک کے آستانہ میں شرفِ ہمکلامی کا دعا واحد ذریعہ ہے۔ یہ تمام عبادتوں کی

---

① "العبودية" ص ٨

② "عقيدة الفرقة الناجية اهل السنة و الجماعة واللفظ له ص ١٥ مطبوعة المكتب الاسلامی

"العبودية" لابن تيمية ص٨/تطهير الجنان والأركان ص ٢١/الدين الخالص ٢/ ٤٧٢



روح اور مغز ہے۔ دعا اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے، وہ اس سے خوش اور راضی ہوتا ہے، بلکہ دعا نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہے۔ دعا بندگی کا نہایت واضح اور مؤثر مظاہرہ ہے اور دعا سے گریز تکبر اور سرکشی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴾ ①

اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب وہ جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہونگے۔

اس آیت میں وارد کلمہ "ادعونی" ظاہری طور پر پکارنے اور دعا کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مگر بعد میں آنے والے کلمہ "عبادتی" نے اس دعا کے عبادت ہونے کو واضح کر دیا ہے، یعنی دعا عبادت ہے۔ کیونکہ ابتداء آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام جنوں اور انسانوں کو حکم دیا ہے کہ "مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔" پھر بعد میں فرمایا کہ "جو تکبر اور غرور کی وجہ سے میری عبادت سے روگردانی کرے گا تو وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوگا۔ یہ دلیل ہے کہ دعا ہی عبادت ہے۔ مزید تشریح کیلئے اسی کتاب کے "شرک فی الدعاء" کے باب کا مطالعہ کیجئے۔

خوف کے عبادت ہونے کی دلیل

ہر مؤمن وموحد انسان صرف شہنشاہ ارض وسماء مالک الملک اللہ جبار وقہار سے ڈرتا ہے۔ اس کے غضب، ناراضگی اور عذاب سے ہر وقت اس سے پناہ کا طلبگار رہتا ہے، اس کے علاوہ وہ کسی کی ناراضگی کو اپنے لئے موجب ہلاکت یا باعث شقاوت تصور نہیں کرتا، اس لیئے کہ خوف بھی ایک قسم کی عبادت ہے جس کا مستحق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ ②

پس تم ان (شیطان کے دوستوں) سے نہ ڈرو بلکہ مجھ ہی سے ڈرو، اگر تم ایمان والے ہو۔

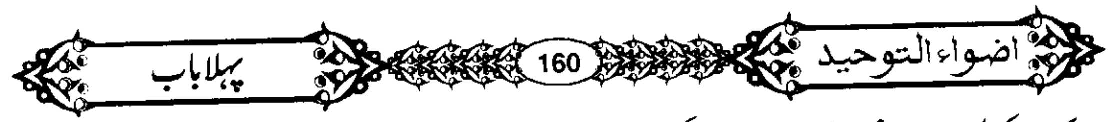
خوف کی اقسام:

عام طور پر خوف کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔

۱۔ سرّی خوف:

کسی ظاہری سبب کے بغیر غیر اللہ کی طرف سے نقصان یا ہلاکت کے اندیشے میں مبتلا ہونا سری خوف کہلاتا ہے، جیسا کہ مشرک لوگ بتوں، قبروں، مجسموں، درختوں، پتھروں، گنبدوں، درگاہوں اور اصحاب قبور سے انجانے خوف کا شکار رہتے

① سورة المؤمن: ٦٠
② سورة آل عمران: ١٧٥



ہیں، کہ ان کی طرف سے مجھے ہلاکت، بربادی یا کسی دوسرے نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑ جائے۔ حالانکہ اس طرح کے خوف کیلئے دور دور تک کوئی ظاہری سبب بھی نہیں ہوتا۔ دراصل ایسا خوف ابلیس ملعون کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں کا خوف لوگوں کے دلوں میں بسا کر انہیں شرک کی راہ پر ڈالنا چاہتا ہے۔ پھر یہی کام شیطان صفت انسان سرانجام دیتے ہیں، لوگوں کو معبودان باطلہ کی افسانوی قوتوں اور جھوٹی کہانیوں کے ذریعے مرعوب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ رسول سیدنا ہود علیہ السلام کو بھی ان کی قوم نے اپنے جھوٹے معبودوں کی سخت پکڑ اور ناراضگی سے ڈرانے کی والہانہ کوشش کی تھی، مگر سیدنا ہود علیہ السلام ان کی فرسودہ کہانیوں اور من گھڑت ''جلالی'' داستانوں سے ذرہ بھر بھی متاثر نہ ہوئے۔ آپ اللہ کے نبی تھے، اس کی توحید کے فی زمانہ داعی اعظم تھے۔ لوگوں نے جتنا زور آپ کو مرعوب کرنے پر لگایا اس سے زیادہ اصرار آپ نے ان کے بے جان اور لاشی معبودوں سے اعلانِ براءت پر فرمایا، آیئے قرآن کریم سے اس عظیم نبی کی جرأت اور ہمت کا بیان سنتے ہیں:

﴿ قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مِن دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴾ ①

وہ بولے اے ہود! تم ہمارے سامنے کوئی سند لے کر تو آئے نہیں اور ہم اپنے دیوتاؤں کو چھوڑ دینے والے نہیں، تمہارے (محض) کہدینے سے اور ہم کسی طرح تم پر یقین کرنے والے نہیں، ہمارا قول تو یہ ہے کہ ہمارے کسی دیوتا نے ہی تم کو شامت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ (ہود نے) کہا میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں۔ جنہیں تم شریک قرار دیتے ہو اللہ کے علاوہ تو تم سب میرے ساتھ داؤ گھات کر لو، پھر مجھ کو ذرا مہلت نہ دو۔

اسی طرح قوم نوح نے بھی سیدنا نوح علیہ السلام کو اپنے خودساختہ معبودوں سے خوف زدہ کرنے کی بڑی جدوجہد کی، مگر یہ اولوالعزم رسولوں کا مثالی نبی ذرا بھی خائف نہ ہوا۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُم مَّقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُن

آپ انہیں نوح علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر سنایئے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم پر میرا قیام (تمہارے درمیان) اور میری وعظ گوئی اللہ کے احکام کے

① سورۃ ھود: ۵۳، ۵۴، ۵۵

أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنظِرُونِ ﴾ ①

ذریعے سے بہت ہی گراں گذر رہی ہو تو میں تو اللہ پر بھروسہ کر چکا تم اپنی تدبیر پختہ کر لو، مع اپنے شرکاء کے، (پھر) تمہاری تدبیر تمہارے حق میں پوشیدہ نہ رہے پھر میرے ساتھ کر گذرو اور مجھے مہلت نہ دو۔

ہر مشرک قوم نے اپنے وقت کے رسول و پیغمبر کو غیر اللہ سے ڈرانے کی کوشش ضرور کی ہے۔ یہاں تک کہ مشرکین مکہ نے سید الاولین والآخرین جناب محمد کریم ﷺ کو اپنے بتوں، دیوتاؤں اور مختلف الانواع معبودوں کی ناراضگی اور ان کے غیظ و غضب سے بہت زیادہ مرعوب کرنے کی سعی کی کہ ہمارے معبود تمہیں ہلاکت میں مبتلا کر دینگے۔ لہٰذا ان کے خلاف کچھ بھی نہ کہا کریں۔ چونکہ آپ ﷺ سے بڑھ کر ان کے معبودوں کی اصلیت سے شناسا کوئی اور نہ تھا۔ اس لیئے آپ ﷺ نے مشرکوں کی ہر قسم کی تخویف و ہراس کا ابطال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴾ ②

اور یہ لوگ آپ کو ان سے ڈراتے ہیں جو اللہ کے علاوہ ہیں، اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔

اور ایک دوسرے مقام پر غیر اللہ کی طرف ہر قسم کے نفع ونقصان کی نفی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ قُلْ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴾ ③

آپ کہہ دیجئے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اللہ کے سوا تم جنہیں پکارتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہچانا چاہے تو کیا یہ اس کی (دی ہوئی) تکلیف کو دور کر سکتے ہیں، یا اللہ مجھ پر عنایت کرنا چاہے تو اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لیئے تو اللہ کافی ہے۔ توکل کرنے والے اسی پر توکل کریں۔

مشرکین اوائل کی طرح دور حاضر کے مشرک خواہ وہ بت پرست ہوں یا قبر پرست، جمادات ونباتات پرست ہوں یا حیوان پرست، مقبور و مدفون کے پرستار ہوں یا زندہ پرست اپنے اپنے معبودوں کی ناراضگی اور ان کے غضب سے خود بھی لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور اپنے مخالفین (موحدین) کو بھی ڈراتے رہتے ہیں کہ خبردار! ہمارے معبودوں کے خلاف زبان کھولی یا ان کی

---

① سورة يونس: ٧١
② سورة الزمر: ٣٦
③ سورة الزمر: ٣٨

(مزعومہ آلھہ) شان میں گستاخی کی تو شامت آ جائیگی، تمہاری دنیاو آخرت برباد ہو جائے گی۔ سسک سسک کر مر جاؤ گے۔

شرک کے ہر اڈہ پر لوگوں کو ڈرانے اور دہشت زدہ کرنے کیلئے کرایہ کے "مُبلّغ" رکھے گئے ہیں جو خوف اور دہشت کے جھوٹے واقعات کے ذریعے فکر و شعور سے عاری لوگوں کے ذہنوں کو ماؤف (بے حس) کرتے ہیں، ان کا یہ دولت کمانے کا ایک خبیث ترین طریقہ ہے۔ یہ مذہبی لُٹیرے اپنے ہتھے چڑھ جانے والے مفلوک الدماغ اور مسلوب العقل انسانوں کی دنیا اور آخرت تباہ کر دیتے ہیں، جبکہ دوسرے ڈاکو صرف دنیا تباہ کرتے ہیں، اس لحاظ سے ان دین و دنیا کے قزاقوں (لٹیروں) کا کردار معروف ڈاکوؤں سے زیادہ خطرناک، المناک اور زیادہ دوررَس ثابت ہوتا ہے۔

مسلمانو! ظاہری اسباب و ذرائع کے بغیر اس طرح کا پوشیدہ خوف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ اسے غیر اللہ کے ساتھ ملحق کرنا شرک ہے۔ اور خلاف توحید! غور کیجئے کہ مرے ہوئے یا غائب ولی کے پاس نہ تو کسی قسم کا اسلحہ موجود ہے اور نہ ہی کوئی خونخوار لشکر جس سے وہ کسی کو نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اسی طرح ان کے پاس کسی کو نفع پہنچانے کا بھی کوئی ظاہری ذریعہ اور وسیلہ نہیں ہے۔ پھر اس سے نفع کی امید رکھی جائے تو کیوں؟ اور اس کی طرف سے کسی ہلاکت و بربادی کا اندیشہ دل میں پالا جائے تو کس بنیاد پر؟ لہٰذا جو شخص ظاہری اسباب خوف کے بغیر کسی غیر اللہ سے نقصان کے اندیشے میں مبتلا ہو یا ظاہری وسائلِ نفع کے بغیر کسی ولی اور بزرگ وغیرہ سے نفع کا امیدوار ہو، وہ شرک اکبر کا مرتکب ہو رہا ہے، کیونکہ اس نے مخلوق سے ایسی صفات وابستہ کر رکھی ہیں جن کا واحد حقدار صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی ہے۔

۲- خوف ترکِ واجب:

لوگوں کے ڈر سے شرعی واجبات سے کنارہ کشی کر لینا سخت ناجائز بلکہ حرام عمل ہے۔ اور عقیدہ توحید کی عظمت و کمال کے منافی۔ اسی عمل بد کی ممانعت کیلئے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ ① پس تم ان (شیطان کے دوستوں) سے نہ ڈرو، بلکہ مجھ ہی سے ڈرو، اگر تم ایمان والے ہو۔

نازل ہوا ہے، تفصیل اس کے سبب نزول کی یہ ہے کہ غزوہ اُحد کے بعد مشرکوں کے سپہ سالار ابوسفیان بن حرب نے مسلمانوں کو آئندہ سال مقابلہ کے لئے تیار رہنے کی دھمکی دی۔ مسلمانوں نے اس کا یہ چیلنج بڑی خوشی اور قوت ایمانی کے ساتھ قبول کر لیا، اور پھر جب آئندہ سال کی مقرر کردہ تاریخ قریب آئی تو ابوسفیان بن حرب اپنے وعدہ کے مطابق مشرکین مکہ کا ایک لشکر لے کر مکہ مکرمہ سے میدان بدر کی طرف روانہ ہوا۔ مگر راستہ ہی میں اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا، کہ

① سورة آل عمران: ١٧٥

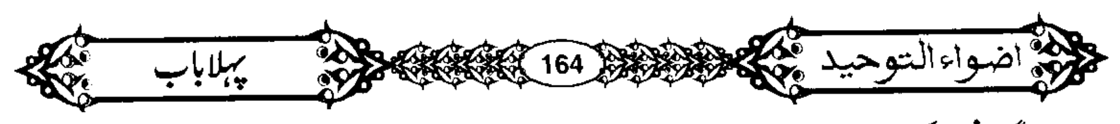
مسلمانوں کا مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ یہ تو آگ سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ تو یہ شیطانی جماعت مسلمانوں سے سخت خوفزدہ اور مبہوت ہوگئی اور ان کے بلند حوصلے ٹوٹ گئے، ابوسفیان نے یہ سب کچھ دیکھا تو مکہ سے چند میل دور مجنّہ یا عسفاںؔ کے مقام پر اس نے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''یہ قحط کا سال ہے، جانوروں کے لیئے چارہ نہیں ہے اور تمہاری غذا کیلیئے دودھ بھی دستیاب نہیں ہے۔ جنگوں کے لئے خوشحال اور فارغ البالی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سال واپس چلو، آئندہ سال حالات بہتر ہونگے تو میدان بدر میں محمد (ﷺ) اور اس کے اصحاب کا مقابلہ کرینگے۔ چنانچہ سیرۃ ابن ہشام میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے:

وخرج ابوسفيان في أهل مكة حتى نزل مجنة من ناحية الظهران، وبعض الناس يقول قد بلغ عسفان، ثم بدا له في الرجوع فقال: يا معشر قريش انه لا يصلحكم الاعام خَصِبٌ ترعون فيه الشجر وتشربون فيه اللبن، وان عامكم هذا عام جدب واني راجع فارجعوا فرجع الناس، فسمّاهم أهل مكة جيش السويق، يقولون انما خرجتم تشربون السويق ①

ابوسفیان نے اہل مکہ کو اپنے ہمراہ لئے ظہران کی جانب مجنّہ (نامی علاقہ) میں آکر پڑاؤ ڈال دیا، بعض لوگوں کے نزدیک وہ عسفان تک پہنچ گیا، پھر اسے واپس چلے جانے میں عافیت نظر آنے لگی، چنانچہ اس نے (قریشیوں کو مخاطب ہوتے ہوئے) کہا: اے قریش کی جماعت! تمہارے لیئے فراخی و کشادگی والا سال زیادہ موزون رہے گا، اس میں تم (اپنے جانوروں کو درختوں کے پتے وغیرہ) چرا سکو گے، اور خود بھی دودھ پی سکو گے۔ چونکہ یہ قحط زدہ سال ہے اس لیئے میں تو واپس جانا چاہتا ہوں تم بھی واپس چلو، چنانچہ لوگ واپس آگئے، مکہّ والوں نے اس لشکر کا نام ''ستو خور لشکر'' رکھدیا، وہ کہتے کہ تم تو صرف ستو کھانے نکلے تھے۔

مشرکین مکہ چونکہ خود اپنے کیئے ہوئے وعدہ کا ایفاء نہ کر سکے تھے اس لیئے انہوں نے بدعہدی کے داغ کو مٹانے کیلیئے ایک ترکیب سوچی کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو بھی میعاد مقررہ کے مطابق میدان بدر میں جمع ہونے سے روک دیا جائے، کہ ہم تو جانے کا ارادہ نہیں رکھتے، مسلمان بھی نہ آئیں تو بدعہدی اور بزدلی کا الزام انہی پر تھوپ دیا جائے اور انہیں خلاف ورزی کا ذمہ دار قرار دیدیا جائے، یا کم از کم مسلمانوں کو وعدہ کے ایفاء سے باز رکھ کر اپنے جرم میں مساوی طور پر شریک کرلیا جائے۔ اس کیلیئے ان لوگوں نے خوف و ہراس کی فضا تیار کرنے کا منصوبہ تیار کرلیا، جو تجارتی و غیر تجارتی قافلے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ

① سیرۃ ابن ھشام ج ۳ ص ۱۰۱۷، ۱۰۱۸



ہوتے، یہ لوگ انہیں کہتے کہ مدینے والوں سے یہ ضرور کہنا کہ اس دفعہ قریش تمہارے مقابلہ کیلئے بڑا لشکر جرار ساتھ لا رہے ہیں جس کا سامنا کرنا تمہارے لئے ناممکن ہے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ مسلمان راہ فرار اختیار کر لینگے۔ ہراساں زدہ ہو کر بدر کی طرف چلنے کا ارادہ اگر ہوا تو بھی اسے ترک کر دینگے۔ مگر اللہ کے یہ سپاہی، رسول اللہ ﷺ کے یہ جانثار توحید کی لذتوں سے سرشار مسلمان کب تھے ڈرنے والے۔ ابوسفیان کی مقرر کردہ تاریخ آئی تو رسول اللہ ﷺ اپنی جماعت کو لیکر بدر کی طرف چل پڑے، راستہ میں ملنے والا ہر قافلہ قریشیوں کی بھرپور تیاری اور ارادہ خونخواری کی اطلاع دیتا، اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جوش جہاد اور ولولہ شہادت بڑھتا ہی بڑھتا جاتا۔ وہ کشاکش بدر کی طرف قدم بڑھاتے جاتے، کہ جہاد ہی تو دین کی چوٹی ہے اور ایماندارانہ زندگی کی پرکیف لذت! توکل اور ایمان کے سرمایہ سے مالا مال مجاہدوں، پاک بازوں اور شہادت فی سبیل اللہ کے شیدائیوں کی یہ جماعت اپنے ہادی رسول اللہ ﷺ کی معیت میں بدر پہنچی تو دیکھا میدان خالی ہے۔ مشرکوں کا دور دور تک کہیں وجود نہیں ہے۔ انکا جم غفیر اور انکی کیل کانٹوں سے مسلح سپاہ کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمان کئی روز تک بدر میں مقیم رہے۔ وہاں تجارت کرتے رہے۔ بالآخر عزت اور تجارتی منفعت کیساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَاناً﴾ ①

یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے کہنے والوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کر لیا ہے۔ ان سے ڈرو، لیکن اس نے ان کا (جوش) ایمان اور بڑھا دیا۔

کے سبب نزول میں سیدنا مجاہد رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

وقال ابن ابی نجیح عن مجاهد فی قول الله تعالیٰ: الذین قال لهم الناس ان الناس قدجمعوا لكم فاخشوهم قال هذا ابوسفيان قال لمحمد صلى الله عليه وسلم موعدكم بدر حيث قتلتم اصحابنا "فقال محمد صلى الله عليه وسلم: "عسى" فانطلق رسول الله صلى الله عليه وسلم لموعده حتى نزل بدراً، فوافقوا السوق فيها فاشاعوا، فذلك قول الله عزوجل: "فانقلبوا

ابن ابی نجیح مجاہد کا اللہ تعالیٰ کے فرمان "یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے کہنے والوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کر لیا ہے، ان سے ڈرو۔" کہ متعلق یہ قول نقل کیا ہے کہ "ابوسفیان تھا جس نے محمد ﷺ سے کہا تھا کہ اب تم سے بدر کا وعدہ ہے جہاں تم لوگوں نے ہمارے ساتھیوں کو قتل کر دیا تھا۔ تو محمد ﷺ نے فرمایا، "یہ ممکن ہے۔" چنانچہ رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کے وعدہ کے مطابق روانہ ہو گئے۔ بدر میں جا کر پڑاؤ ڈال دیا۔ (ابوسفیان تو نہ پہنچا

① سورة آل عمران: ١٧٣



بنعمة من الله وفضل لم يمسسهم سوء'' الآية،
قال: وهي غزوة بدر الصغرىٰ ①

البتہ) بدر میں تجارتی بازار لگا ہوا تھا، وہاں عافیت وسلامتی کے ساتھ رکے رہے۔ اسی موقعہ کے متعلق اللہ عزوجل نے فرمایا: وہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے واپس لوٹے، انہیں ذرا سی بھی گزند نہ لاحق ہوئی۔ (مجاہد) کہتے ہیں کہ اسی کا نام ''غزوہ بدر الصغر یٰ'' ہے۔

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کے متعلق ابن جریج رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

عن ابن جريج قال: لما عمد رسول الله صلى الله عليه وسلم لموعد أبي سفيان فجعلوا يلقون المشركين فيسألونهم عن قريش فيقولون قدجمعوا لكم يكيدونهم بذلك يريدون ان يرعبوهم، فيقول المؤمنون حسبنا الله ونعم الوكيل حتى قدموا بدرا. فوجدوا اسواقها عافية لم ينازعهم فيها أحد ②

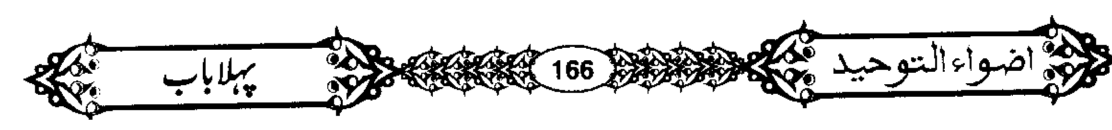
ابن جریج رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے وعدہ کے مطابق (بدر کی طرف) روانگی کا پروگرام طے فرمایا تو مسلمان مکہ کے مشرکوں سے قریشیوں کی تیاری کی بابت پوچھتے تو وہ (مشرکین) کہتے کہ انہوں نے تو تمہارے خلاف بہت سامان جمع کر لیا ہے۔ اس سے مقصد یہ ہوتا کہ مسلمان مرعوب ہو جائیں۔ مگر مسلمان یہ کہتے کہ ہمارے لیئے اللہ کافی ہے اور وہ بہت ہی اچھا نگران ہے۔ اور پھر وہ بدر کی طرف چل پڑے۔ بدر کے بازار پرسکوں تھے۔ مسلمانوں سے کسی نے بھی مزاحمت نہ کی۔

اس واقعہ کے متعلق امام المغازی محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کا قول سیرت ابن ہشام میں اس طرح وارد ہوا ہے:

قال ابن اسحاق: ثم خرج في شعبان إلى بدر لميعاد ابي سفيان حتى نزله، قال ابن هشام واستعمل على المدينة عبدالله بن عبدالله بن ابي بن سلول الأنصاري قال ابن اسحاق فاقام عليه ثماني ليال ينتظر أبا سفيان ③

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے وعدہ کے مطابق بدر کی طرف چل پڑے، وہاں پہنچ کر آپ نے پڑاؤ ڈال دیا۔ ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول انصاری کو والی مقرر فرمایا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ راتوں

① تفسير ابن كثير ج ١ ص ٤٣١ واللفظ له. تفسير الطبرى ج ٤ ص ١٢٠
② تفسير الطبرى ج ٤ ص ١٢٠، تفسير ابن كثير ج ١ ص ٤٣١
③ سيرة ابن هشام ج ٣ ص ١٠١٧ 'غزوة بدر الآخرة في شعبان سنة اربع – خروج رسول الله لملاقاة ابي سفيان



تک بدر میں مقیم رہے اور ابوسفیان کا انتظار فرماتے رہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مسلمانوں نے اپنے وعدہ کا ایفاء کیا اور مشرکوں کی طرف سے خوف و ہراس اور دہشت پیدا کرنے کی جملہ سازشوں کو ذرہ بھر بھی اہمیت نہ دی بلکہ اپنے فرض کی ادائیگی کیلئے مقام مقررہ پر پہنچ گئے مگر دوسری طرف سے خود مشرکین خوف و ہراس کے شکار ہو گئے ہر چند کہ شیطان مسلمانوں کو اپنے اولیاء (مشرکین) سے ڈرا رہا تھا، جس پر درج ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ ﴾ ①

یہ تو شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں کے ذریعہ سے ڈراتا ہے۔ سو تم ان سے نہ ڈرو، بلکہ مجھ ہی سے ڈرو۔

۳۔ طبعی خوف:

انسان فطری طور سے اپنے دشمن سے ڈرتا ہے، زہریلے اور خونخوار حیوانات سے خائف رہتا ہے، اور ہلاکت کے دیگر ظاہری اسباب و ذرائع سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ اس کا یہ خوف طبعی خوف کہلاتا ہے۔ شریعت نے اس طرح کے خوف پر کوئی قدغن نہیں لگائی ہے۔ خوشی کے اسباب و ذرائع سے مسرّت و انبساط کا ظہور جیسے فطری عمل ہے، بالکل اسی طرح ہلاکت و بربادی کے اسباب و عوامل سے خوفزدہ ہونا قدرتی تقاضا ہے۔ ایسا خوف تو انبیاء علیہم السلام کو بھی لاحق ہو جاتا تھا، عام انسانوں پر تو بطریق اولی اس کا اثر ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

﴿ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴾ ②

پس (موسیٰ) وہاں سے نکل کھڑے ہوئے، خوف و اندیشہ کے ساتھ بولے اے میرے پروردگار! مجھے ظالم لوگوں سے بچا لیجئے۔

ایک دوسرے مقام اسی جلیل القدر پیغمبر کے متعلق ارشاد ہوا ہے:

﴿ فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴾ ③

پھر جب مجھے ڈر لگا تو میں تمہارے ہاں سے مفرور ہو گیا۔ پھر میرے پروردگار نے مجھے حکمت عطا کی اور مجھے رسولوں میں شامل کر دیا۔

نیز سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:

---

① سورة آل عمران: ۱۷۵
② سورة القصص: ۲۱
③ سورة الشعراء: ۲۱



﴿فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ﴾ ①

پھر جب (ابراہیم) نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ تو اس (کھانے) کی طرف نہیں بڑھ رہے، تو ان سے متوحش ہوئے اور ان سے دل میں خوفزدہ ہوئے، وہ بولے کہ ڈریئے نہیں، ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

ہمارے پیارے نبی خاتم الرسل ﷺ پر پہلی پہلی وحی کا نزول ہوا تو آپ ﷺ کو سخت خوف لاحق ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کو اپنی ہلاکت کا اندیشہ محسوس ہونے لگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

فرجع بها رسول الله صلى الله عليه وسلم يرجف فؤاده فدخل على خديجة بنت خويلد فقال زمّلوني، زمّلوني، فزملوه حتى ذهب عنه الروع، فقال لخديجة واخبرها الخبر لقد خشيت على نفسي ② (صحيح بخاری)

رسول اللہ ﷺ (اترنے والی) آیات کے ساتھ اس حال میں واپس تشریف لائے کہ آپ کا دل بے قرار تھا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کے پاس آئے اور فرمایا، ''مجھے چادر اوڑھادو، مجھے چادر اوڑھادو'' آپ ﷺ کو چادر اوڑھادی گئی تو آپ ﷺ کا خوف ختم ہوگیا۔ اس کے بعد خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ''مجھے تو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔

مذکورہ دلائل سے واضح ہوا کہ طبعی اضطراب اور بشریت کے تقاضا کے مطابق لاحق ہو جانے والا خوف جائز اور مباح ہے۔ اور جبکہ اس کے برعکس مافوق الاسباب قسم کے تمام خوف توحید کے منافی ہیں اور صریح شرک۔

رجاء کے عبادت ہونے کی دلیل

ماوراء الاسباب قسم کی امیدیں اور آرزوئیں صرف اللہ تعالیٰ سے وابستہ رکھی جائیں۔ رزق، کشادگی و خوشحالی، صحت و عافیت، رحمت و رأفت اور عالم آخرت میں مغفرت، رضا، بلندی درجات اور اخروی مناصب و اکرامات کے متعلق جملہ امیدوں کا مرکز و محور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ توحید کا تقاضا بھی ہے اور عبدیت کا خوبصورت اظہار بھی۔ جبکہ غیر اللہ سے مافوق الاسباب امیدوں کا تعلق شرک ہے، اور ناشکری اور ظلم پر اصرار۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

---

① سورۃ هود: ۷۰
② رواه البخاری ج ۱ ص باب كيف كان بدء الوحي الى رسول الله ﷺ



﴿ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاء رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَداً ﴾①

پس جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے تو اسے چاہیئے کہ نیک کام کرتا رہے۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں، مہاجروں اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی خصلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾②

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ مؤمنوں کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی جملہ امیدیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ رکھیں کیونکہ غیر اللہ سے امیدیں وابستہ کرنا ایمان اور توحید کے منافی ہے۔

تَوَکُّلُ (اعتماد و بھروسہ) کے عبادت ہونیکی دلیل

ہر کام چاہے اس کا تعلق ماتحت الاسباب امور سے ہو یا مافوق الاسباب معاملات سے اس کے نتائج وعواقب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا اور اس کی قدرت و جبروت پر اعتماد اور بھروسہ کرنا توکل کہلاتا ہے۔ اور یہ عبادت ہے، جس کا تنہا مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔ مافوق الاسباب والے امور و معاملات کا غیر اللہ پر اعتماد رکھنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اپنی ذات پر ہی توکل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴾③

اور اللہ پر ہی بھروسہ کرو، اگر تم ایماندار ہو۔

توکل ایمان کی علامات میں سے ایک بہت بڑی علامت ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ زندگی کے تمام امور کی کنجی اس کے ہاتھ میں ہے، اور نفع ونقصان کا قطعی اختیار وہی رکھتا ہے تو وہ اپنے سب معاملات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیعت کے سپرد کر دیتا ہے۔ پھر اسے نہ مستقبل کے اندیشے رہتے ہیں اور نہ کسی مصیبت اور حادثہ کے موقعہ پر کسی قسم کی بے قراری۔ بلکہ اسے خوف کی جگہ اللہ تعالیٰ کے عدل وفضل کا یقین پر سکون نصیب ہوتا ہے۔ اسی لیئے ضروری قرار دیا گیا کہ ایمان کے ساتھ توکل ہونا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

① سورة الكهف: ١١٠
② سورة البقرة: ٢١٨
③ سورة المائدہ: ٢٣



﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۞ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴾ ①
آپ بھروسہ رکھیئے بڑے قوت والے، بڑے رحم والے (اللہ) پر جو آپ کو بحالت قیام دیکھتا ہے۔

رغبت، رہبت اور خشوع کے عبادات ہونے کی دلیل

مؤمن کی یہ شان اور شناخت بیان کی گئی ہے کہ وہ جملہ امور میں نفع کی امید رکھتے ہوئے عاجزی سے جو طلب کرتا ہے یا کسی معاملہ میں جو خوف کھاتا ہے اور عجز وانکساری کا جو اظہار کرتا ہے، اسے وہ غیر اللہ کے ساتھ قطعاً روا نہیں رکھتا اس کی عجز سے معمور طلب اس کا خوف اور تواضع کا انداز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہے۔ یہی ایمان باللہ کا تقاضا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قوت وقدرت پر ایقان کی علامت۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے رغبت (عاجزی سے دعا وطلب) رہبت (خوف کا خفیہ و پوشیدہ احساس) اور خشوع (تواضع وانکساری کا اظہار) کو صرف اپنی ذات سے وابستہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اور ایسا کرنے والوں کی توصیف بیان فرمائی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ﴾ ②
بے شک یہ (سب) نیک کاموں میں دوڑنے والے تھے۔ اور ہم کو پکارتے رہتے تھے شوق اور خوف کے ساتھ، اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے۔

اس آیت میں رغبت، رہبت اور خشوع کی صفات کا ذکر اکٹھا کیا گیا ہے۔ جبکہ ان تینوں صفات کا علیحدہ علیحدہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ رغبت کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

﴿ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۞ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴾ ③
تو جب آپ فارغ ہو جایا کریں، عبادت کیا کریں اور اپنے رب کی طرف دل لگالیا کریں۔

اور فرمایا:

﴿ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴾ ④
اور کہا انہوں نے اللہ ہمیں کافی ہے اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا۔ اور اس کا رسول بھی، ہم تو اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

''رہبت'' بھی اللہ تعالیٰ کے لیئے مخصوص ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

---

① سورۃ الشعراء: ۲۱۷، ۲۱۸
② سورۃ الانبیاء: ۹۰
③ سورۃ الم نشرح: ۷، ۸
④ سورۃ التوبۃ: ۵۹

﴿ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴾ ①

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو، میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا، اور مجھ ہی سے ڈرو۔

''خشوع'' بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیئے کیا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴾ ②

یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور تمہاری طرف جو اتارا گیا ہے اور ان کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی (ایمان لاتے ہیں) اللہ سے ہی ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو تھوڑی قیمت پر بیچتے بھی نہیں، ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

''خشیت'' (حد سے زیادہ ہیبت) کی عبادت ہونے کی دلیل

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا خوف مؤمن کی روحانی زندگی کے لیئے مضبوط سہارے کی حیثیت رکھتا ہے، یہ انسان کو حق کے اظہار اور باطل سے پنجہ آزمائی کیلیئے ناقابل شکست قوت کا خزینہ عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ آسمانی مذاہب میں اس کے اختیار کرنے کی ترغیب پائی جاتی ہے۔ اللہ کا خوف دل سے مفقود ہو جائے تو انسان اپنی شہوات اور دوسروں کی رغبات کا غلام بن جاتا ہے۔ تاریخ اور سیرت کی کتب انبیاء اور اولیاء اللہ ایسے مجاہدوں، حق کے علمبرداروں اور اللہ کے خوف سے مالا مال اور دنیا کے خوف و ہراس سے یکسر پاک بہادروں کے واقعات، ان کی بے مثال قربانیوں اور ان کے مؤحدانہ کارناموں سے بھری ہوئی ہیں۔ ایسی بے مثال زندگی کا اصل جوہر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے خوف اور غیروں کے خوف سے بے نیازی سے وجود میں آیا ہے۔ اسی لیئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو صرف اپنی ذات سے ڈرنے کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ ③

کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو، اگر تم ایمان والے ہو۔

نیز فرمان الٰہی ہے:

---

① سورة البقرة: ٤٠

⑤ سورة آل عمران: ١٩٩

① سورة التوبه: ١٣



﴿ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ ①

پس تم ان (شیطان کے دوستوں) سے نہ ڈرو بلکہ مجھ ہی سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

اور ایک مقام پر ''خشیت الٰہی'' کو کامیابی کی ضمانت قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴾ ②

اور جو کوئی بھی کہا مانے گا اللہ اور اس کے رسول کا، اور اللہ سے ڈرے گا، اور اس کی نافرمانی سے بچے گا، تو بس ایسے ہی لوگ کامیاب ہونگے۔

نیز یہ بھی واضح کر دیا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بخشش اور جنات النعیم کے درجات خشیت الٰہی سے سرشار لوگوں کو نصیب ہونگے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴾ ③

بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اور ارشاد ہے:

﴿ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴾ ④

اللہ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہینگے، یہ اس کے لیئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔

ان جملہ فرامین سے واضح ہوتا ہے کہ خشیت، خوف اور حد سے زیادہ ہیبت عبادت کی نوع ہے، جس کا واحد مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، غیر اللہ سے ڈرنا، ان سے کسی نقصانِ ماوراء الاسباب کا اندیشہ رکھنا کھلا شرک ہے۔

اِنَابَتْ (توبہ و توجہ) کے عبادت ہونے کی دلیل

گنہگاروں کے جملہ قسم کے گناہوں کو معاف کرنے پر اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے، وہ سب گناہوں کو چاہے تو معاف فرما سکتا ہے۔ اور چاہے تو اس پر مواخذہ کر سکتا ہے۔ یہ شان مخلوق میں سے کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ایسے رب کی طرف رجوع کرنا اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنا ضروری ہے۔ ایسا کرنا مسلمانوں سے مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

① سورة آل عمران: ١٧٥
② سورة النور: ٥٢
③ سورة الملک: ١٢
④ سورة البينة: ٨



﴿ وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴾ ①

اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کی فرمانبرداری کرو، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب واقع ہونے لگے، جب تمہیں کوئی مدد نہ پہنچ سکے۔

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ ②

اور تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، اے ایمان والو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اور ارشاد ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحاً عَسَى رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ ﴾ ③

اے ایمان والو! اللہ کے آگے سچی توبہ کرو، کیا عجب کہ تمہارا پروردگار (اسی سے) تمہارے گناہ تم سے دور کردے۔

توبہ کے موضوع پر قرآن کریم میں کثرت سے آیات وارد ہیں جن کا لب لباب یہ عقیدہ ہے کہ توبہ وانابت کا تعلق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے رکھنا ضروری ہے، یہ بھی عبادات کی ایک قسم ہے۔اس کا غیر اللہ سے تعلق واضح شرک ہے۔

"استعانت" کے عبادت ہونے کی دلیل

"استعانت" کا معنی ہے "طلب المعونة" یعنی مدد، نصرت اور معاونت طلب کرنا، مؤمن اپنے جملہ معاملات حتیٰ کہ عبادات میں بھی اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہے اور اپنے آپ کو عاجز اور بے بس قرار دیتا ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا کے کلمات کی تعلیم دی ہے، کہ وہ اپنے رب سے اس طرح اپنی محتاجی کا اظہار کریں۔ارشاد الٰہی ہے:

﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ ④

ہم بس تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور بس تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔

اس آیت کے پہلے حصہ میں شرک سے تبراء اور بیزاری کا اظہار ہے، اور دوسرے حصہ میں بندہ کی زبان سے اقرار ہے اپنی بے بسی اور بے اختیاری کا، اور اقرار ہے اپنے آپ کو حفاظت اور نصرت کیلئے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کا۔اس آیت نے

① سورة الزمر: ۵۴
② سورة النور: ۳۱
③ سورة التحريم: ۸
④ سورة الفاتحة: ۴

جڑ کاٹ دی ہے ہر قسم کی مخلوق پرستی کی، شرک کی جملہ راہیں بند کر دی ہیں، اور ادنیٰ سی بھی گنجائش نہیں چھوڑی قبر پرستی، بت پرستی، فرشتہ اور پیغمبر پرستی کی۔ نیز اس آیت نے فیصلہ کر دیا ہے کہ عبادت کی جملہ اقسام اور مدد طلبی کے جملہ انواع کا واحد مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کنت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقال: یا غلام...... اذا سألت فاسئل اللہ و اذا استعنت فاستعن باللہ① (صحیح)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن نبی ﷺ کے پیچھے (سوار) تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اے بچے!...... جب تو سوال کرنا چاہے تو اللہ سے سوال کر، اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر۔

استعاذہ (پناہ طلبی) کے عبادت ہونے کی دلیل

مخلوقات ساری کی ساری خواہ وہ کسی مرتبہ اور نوعیت کی ہو محکوم اور عاجز ہے۔ اس کے بس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی پناہ دینے کے قابل نہیں ہے۔ ہر شر اور ایذاء سے پناہ اللہ تعالیٰ سے مانگی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی مخلوق کی پناہ طلب کرنا شرک ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَٰهِ النَّاسِ ﴾②

آپ کہہ دیجئے کہ میں انسانوں کے پروردگار کی، انسانوں کے بادشاہ کی، انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں۔

اور ارشاد ہے:

﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِن شَرِّ مَا خَلَقَ ﴾③

آپ کہہ دیجئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾④

اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو (فوراً) اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

---

① رواہ الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ۱۹ رقم الحدیث: ۲۵۱۶ قال الترمذی حسن صحیح وصححہ الألبانی أیضاً.
② سورۃ الناس: ۱، ۲، ۳ ③ سورۃ الفلق: ۱، ۲ ④ سورۃ الاعراف: ۲۰۰



ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے دین اور دنیا کی تمام مضرات میں اپنی ذات مبارکہ کو انسانوں کا ملجأ و ماوی قرار دیا ہے، اور حکم دیا ہے کہ ہر قسم کی مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی مسنون دعاؤں میں "استعاذہ من اللہ" کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پناہ طلبی عبادت کی ایک قسم ہے، اس کا غیر اللہ سے تعلق صریح شرک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے واضح فرمان کے منافی۔

"استغاثہ" کے عبادت ہونے کی دلیل

مدد اور غوث کی طلب ایک اعلیٰ قسم کی عبادت ہے۔ اس کا تنہا مستحق اللہ تعالیٰ ہے، کیونکہ اس کی قوت اور قدرت لامحدود و بے انتہا ہے۔ وہ غالب اور قاہر ہے جس کی یہ صفات ہوں وہ ہی مدد کی طلب کا مرکز بن سکتا ہے۔ غیر اللہ سب کے سب عاجز، بے بس اور کمزور ہیں، اللہ سے مدد طلب کرنا، انبیاء، صالحین، اور صحابہ کرام اور جملہ مؤمنوں کا طریقہ ہے۔ اس سے انحراف یعنی مافوق الاسباب کے طریق سے واضح شرک ہے۔ اور مؤمنین کی راہ سے بغاوت کے مترادف۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَآئِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴾ ①

(اور اس وقت کو یاد کرو) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے، پھر اس نے تمہاری سن لی (اور فرمایا) کہ میں تمہیں ایک ہزار یکے بعد دیگرے آنے والوں فرشتوں سے مدد دوں گا۔

یہ آیت صاف دلیل ہے کہ اللہ کے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشکل ترین لمحہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد عطا کرنے کی فریاد کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ آپ ﷺ کا اسوہ اور صحابہ کرام کا طریقہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ مدد طلب کیئے جانے کی مستحق ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ لہٰذا جو لوگ اغثنی یا رسول اللہ، یا غوث اعظم دستگیر، یا رسول اللہ مدد اور یا علی مدد جیسے کلمات کہتے ہیں وہ غیر اللہ کی عبادت کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کا یہ عمل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے صریح خلاف ہے، اور شرک ہے۔

ذبح اور قربانی کے عبادت ہونے کی دلیل

ذبح اور قربانی مالی عبادت ہے، اور ہر قسم کی عبادت کے لائق اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی ذات ہے۔ غیر اللہ کی خوشنودی کیلئے جانور ذبح کرنا یا اس کے نام پر قربانی کرنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

---

① سورۃ الانفال: ۹



﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ ①

آپ اپنے پروردگار کیلئے نماز پڑھیئے اور (اسی کی رضا کیلئے) قربان کیجئے۔

نیز حدیث میں آیا ہے:

حدثنا أبو الطفيل عامر بن واثلة قال: كنت عند علي بن ابي طالب...... ولعن الله من ذبح لغير الله. ② (صحيح مسلم)

ہمیں ابوالطفیل عامر بن واثلہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا...... (آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ) اور اللہ کی لعنت ہے غیر اللہ کے لیئے ذبح کرنے والے پر۔

مذکورہ بالا آیت سے ثابت ہوا کہ ذبح اور قربانی اللہ کی رضا جوئی اور اس کے نام کی کی جائے، غیر اللہ کیلئے کی جانے والی قربانی اور ذبح وغیرہ شرک ہے۔ اور حدیث سے بھی ذبح لغیر اللہ کی حرمت ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ملعون قرار دیا گیا ہے۔ جو صاف اور واضح دلیل ہے کہ ذبح اور قربانی خالصۃً عبادت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیئے مختص ہے۔

نذر کے عبادت ہونے کی دلیل

نذر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْماً كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيْراً ﴾ ③

یہ لوگ نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی۔

اور ارشاد ہے:

﴿ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ ﴾ ④

اور انہیں چاہیئے کہ وہ اپنی نذروں کو پورا کریں۔

پہلی آیت میں "ابرار" (صالح) لوگوں کی صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنی منتوں کو پورا کرتے ہیں، جس کے سبب وہ جنت کے انعامات کے مستحق ہوئے ہیں۔ اور دوسری آیت میں نذر کے پورا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، جو کہ اللہ کے ہاں مطلوب اور عبادت ہونے کی دلیل ہے۔

نذر کے متعلق جملہ فقہی کتب میں یہ صراحت موجود ہے کہ نذر و منت غیر اللہ کیلئے ماننا حرام ہے۔ اور شریعت نے اس

---

① سورة الكوثر: ٢

② رواه مسلم، كتاب الأضاحي، باب تحريم الذبح بغير الله تعالىٰ و لعن فاعله.

③ سورة الدهر: ٧ ④ سورة الحج: ٢٩



سے منع کیا ہے؛ کیونکہ یہ خالص اللہ کا حق ہے۔ جیسا کہ صاحب بحر الرائق رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

النذر عبادة و العبادة لا تجوز للمخلوق ①

نذر ایک عبادت ہے، اور کسی بھی عبادت کا غیر اللہ کے لیئے سرانجام دینا ناجائز ہے۔

یہ تھی عبادت کی وہ قسمیں جنہیں علمائے کرام نے بطور نمونہ کے بیان کیا ہے۔ ان کے پیش نظر عبادت کی جملہ اقسام کا بالاستیعاب ذکر مقصود نہیں تھا۔ وگرنہ مذکورہ اقسام کے علاوہ عبادت کی اور بھی بہت سی دیگر انواع ہیں۔

مثلاً طواف، یہ بھی عبادت کی ایک قسم ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیئے ہی کیا جاسکتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ ②

اور چاہیئے کہ اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

اسی طرح ''رکوع'' بھی عبادت ہے، جس کا تنہا مستحق اللہ تعالیٰ ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ ﴾ ③

اور (نماز میں) جھکنے والوں کے ساتھ جھکتے رہو۔

بعینہ اسی طرح سجدہ بھی عبادت ہے، بلکہ اس عبادت میں بندہ اپنے رب کے بالکل قریب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بارہا بندوں کو اپنی ذات کیلیئے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے، اور اس کے ساتھ غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے منع کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾ ④

تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا، اگر تم واقعی اس کی پوجا کرتے ہو۔

طواف، رکوع اور سجدہ کی طرح ''اعتکاف'' بھی ایک عبادت ہے، تمام عابدوں کے سردار جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہر سال ماہ رمضان میں اعتکاف کی عبادت کیا کرتے تھے، نہ صرف یہی بلکہ آپ نے اپنی امت کو اس عبادت کے فضائل، فوائد اور ثمرات سے مطلع فرمایا، اعتکاف کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِى الْمَسَاجِدِ ﴾ ⑤

اور بیویوں سے اس حال میں صحبت نہ کرو جب تم اعتکاف کیلیئے ہو مسجدوں میں۔

---

① بحر الرائق ج ۵، ص ۲۹۸، ردالمختار ج ۳، ص ۱۷۵
② سورة الحج: ۲۹
③ سورة البقرة: ۴۳
④ سورة حم السجدة: ۳۷
⑤ سورة البقرة: ۱۸۷

جملہ عبادات کی تعریف وتشریح کیلئے علماء امت نے ایک جامع و مانع تعریف بیان کی ہے، جس میں ہر قسم کی عبادت شامل ہو جاتی ہے، اور اس کا استحقاق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے ثابت ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''عبادت ہر اس قول، عمل اور عقیدہ کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر کردہ ہو۔ اور بندہ سے اس کے ادا کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ اور جب بندہ اس کی ادائیگی کرے تو اسے اس کے نتیجے میں رضاء الٰہی حاصل ہو، بس اسی کا نام عبادت ہے۔''

عبادت کی یہی تعریف الدین الخالص اور فتح المجید میں اس طرح مذکور ہے۔

وضابط هذا ان كل امر شرعه الله لعباده وأمرهم به، ففعله لله عبادة فاذا صرف من تلك العبادة شيئاً لغير الله فهو مشرك مصادم لما بعث الله به رسوله ①

عبادت کا جامع اصول یہ ہے کہ ہر وہ کام جسے اللہ نے اپنے بندوں پر واجب کیا ہو اور انہیں اس کے کرنے کا مکلف قرار دیا ہو، ایسے کام کا اللہ کیلئے کرنا عبادت قرار پائے گا، اور اگر ان امور میں سے کسی ایک امر کو غیر اللہ کیلئے کیا گیا تو ایسا کرنے والا مشرک اور اللہ کی طرف سے مبعوث کردہ شریعت کا باغی اور مخالف شمار ہوگا۔

استغاثہ اور استعانت کی شرائط

قبروں کے پجاری اور اسلاف کی تربتوں کے تاجر عام طور پر تنہا اللہ وحدہ لاشریک لہ کی پرستش کرنے والوں کے اس عقیدہ کو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے مدد طلب کرنا یا اسے پکارنا اور اس سے معونت طلب کرنا شرک ہے۔ اس لیئے کہ استعانت اور استغاثہ دونوں خالصۃً اللہ تعالیٰ کیلئے مختص عبادات ہیں اور عبادت کوئی بھی ہو اس کا غیر اللہ کے لیئے سرانجام دینا شرک کہلاتا ہے۔ بزعم خود غلط بے بنیاد اور قرآن کی تعلیمات کے مطابق باطل دعویٰ اور غلط عقیدہ قرار دیتے ہیں۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ غیر اللہ سے مدد طلب کرنا اور ان سے مختلف حاجات میں ندا کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ جیسا کہ قبطی کے ظلم کے خلاف بنی اسرائیل کے آدمی نے سیدنا موسیٰ ﷺ سے غوث طلب کی تھی اور انہیں مدد کیلئے پکارا تھا، جس کا ذکر قرآن کریم نے یوں کیا ہے:

﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِن شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ﴾ ②

سو وہ جوان کی برادری کا تھا اس نے دادخواہی کی اس کے مقابلہ میں جوان کے مخالفین میں سے تھا۔

---

① الدين الخالص: ج ٢، ص: ٢٧٢ — فتح المجيد ص: ١٧٢

② سورة القصص: ١٥



دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیراللہ سے مدد حاصل کرنا روح قرآن کے مطابق ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ ① ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقویٰ میں کرتے رہو اور گناہ و زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

کہتے ہیں کہ ان دونوں آیات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ غیراللہ سے مدد اور غوث و معاونت طلب کرنا نہ صرف جائز اور مشروع ہیں بلکہ ایسا کرنے کا اللہ کی طرف سے امر ہے، اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا غیراللہ کو پکارنا ان سے حاجات طلب کرنا، قرآن کی رو سے واجب ٹھہرا۔ نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ استعانت و استغاثہ عبادت کی قسم نہیں ہیں، اور ان کا غیراللہ سے تعلق رکھنا بھی شرک نہیں ہے۔

یہ ہیں وہ شکوک و شبہات جن کے ذریعے قبر پرست توحید الٰہی میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مختلف حیلوں، بہانوں، چرب لسانیوں اور شیطانی ہتھکنڈوں سے شرک کے دروازے کھولتے ہیں اور اللہ کے بندوں کو اللہ کی توحید سے متنفر کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کبھی اشارات اور کنایات سے شرک کا پرچار کرتے ہیں، اور کبھی ظاہری اسباب کو مخفی اسباب یعنی مافوق الاسباب امور میں خلط ملط کر کے لوگوں کے عقول پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ دائیں بائیں، آگے پیچھے سے گمراہ کرنے کے شیطانی کردار کا پورا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے کہ وہ امور از قسم مدد و تعاون کے جو ظاہری اسباب کے تحت ہوں، نہ عبادت ہیں اور نہ ہی غیراللہ سے ان کا حصول یا طلب شرک ہے۔ بلکہ ظاہری وسائل کے تحت مخلوق سے استغاثہ اور استعانت جائز اور مباح ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے:

"یالزید لعمرو!" اور "یالخالد للمسلمین!" ظاہری اسباب و وسائل کے تحت زید عمرو کیلئے مددگار، اور خالد مسلمانوں کیلئے مستغاث بن سکتے ہیں۔

اسی طرح کہا جاتا ہے: "استعن بیمینک" کھانے پینے اور متبرک امور میں اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو۔ نیز کہا جاتا ہے: "استعنت بالقلم" میں نے قلم سے مدد حاصل کی۔ اسی طرح دنیوی امور و معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون حاصل کیا جاتا ہے۔ بلکہ ظاہری اسباب و وسائل کے طور پر انسان اونٹ، گدھے، خچر اور دیگر جانوروں کے ذریعے سے متعدد مفادات اور سہولتیں حاصل کرتا ہے۔ ان جملہ صورتوں میں کوئی بھی دائیں ہاتھ، قلم اور جانوروں کو مشکل کشا، حاجت روا اور معبود

① سورۃ المائدۃ: ۲



نہیں کہتا۔ ہم پہلے تفصیل سے اس موضوع پر لکھ چکے ہیں کہ ظاہری اسباب ہونے کی وجہ سے ان کا استعمال اور ان سے مدد حاصل کرنا مباح اور مشروع ہے۔ گذشتہ تفصیلات کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ہم یہاں استغاثہ واستعانہ کی وہ شروط بیان کرنا چاہتے ہیں جن کی رو سے کسی سے مدد حاصل کرنا جائز ہوتا ہے۔ تا کہ عامۃ الناس کیلئے اس مسئلہ کی پوری حقیقت منکشف ہو جائے، کہ مخلوق سے استعانت اور استغاثہ کب اور کن حالات میں جائز اور مباح ہے۔

ویسے تو مخلوق سے مدد اور تعاون کے حاصل کرنے کی جائز حالتوں کی شروط بہت ساری ہیں مگر اختصار کے پیش نظر ان میں سے چند بنیادی اور کلیدی شروط کا ذکر کرینگے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

''مستغاث منہ'' (جس سے غوث طلب کی جائے) اور ''مستعان منہ'' (جس سے مدد طلب کی جائے) دونوں کا ان صفات سے متصف ہونا ضروری ہے۔

۱۔ مستغاث منہ، یا مستعان منہ زندہ ہو۔

۲۔ مستغاث منہ، یا مستعان منہ بروقت حاضر ہو۔

۳۔ مستغاث منہ، اور مستعان منہ (مطلوبہ معاملہ میں مدد اور نصرت کرنے پر) قدرت واستطاعت رکھتا ہو۔

مذکورہ بالا شرائط واوصاف سے صاف معلوم ہوا کہ مردہ، غائب اور استطاعت وقدرت سے محروم شخصیت سے کسی بھی معاملہ میں مدد اور غوث طلب کرنا جائز نہیں ہے۔

اب غور فرمایئے کہ آیت کریمہ

﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِن شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ﴾ ①

سو وہ جو ان کی برادری کا تھا اس نے مدد چاہی اس سے مقابلے میں جو ان کا دشمن تھا۔

پر بنظر انصاف توجہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنی اسرائیلی جو مدد طلب کر رہا تھا، اس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کہ جن سے اس نے دادخواہی کی تھی۔ ان میں مذکورہ بالا تینوں شروط موجود تھیں کہ نہیں؟ وہ زندہ تھے، حاضر وموجود تھے، اور مدد کی استطاعت بھی رکھتے تھے، استطاعت بھی اس قدر زوردار رکھتے تھے کہ ان کے صرف ایک تھپڑ سے قبطی فرعونی کا معاملہ صاف ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ظاہری اسباب کے طور پر تھا۔ ایسے استغاثہ کی شرعی طور پر کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اور نہ کوئی عقل سلیم رکھنے والا شخص اس کا منکر ہے۔ ماتحت الاسباب کی جملہ معونتیں جائز ہیں البتہ ایسی مدد جو ظاہری اسباب سے ہٹ کر طلب کی جائے وہ ممتنع اور صریح شرک ہے۔

---

① القصص: ۱۵



دوسرا باب

شرک کے بیان میں

اس باب میں اس مہلک مرض کا بیان ہوگا جس نے عالم ارضی کے اکثر باسیوں کو اپنا شکار بنا رکھا ہے۔ وہ ہے ''شرک۔'' یہ ایک شرعی حقیقت ہے کہ شرک سے بڑھ کر بُرا، خبیث، بدبودار اور تباہ کن اور کوئی جرم نہیں ہے۔ ''شرک'' معنوی اعتبار سے تو قابل نفرت اور موجب حقارت ہے ہی۔ مگر لفظی طور پر بھی مسلمانوں سے قطع نظر غیر مسلموں کی نظروں میں بھی نفرت، حقارت، اور بیزاری کی علامت ہے۔ مثال کے طور پر یہود اپنے آپ کو یہودی کہلانا تو پسند کرتے ہیں مگر وہ اپنے آپ کو کافر یا مشرک کہلانا پسند نہیں کرتے۔

اسی طرح نصاریٰ، ہندو، بدھ مت اور سکھ وغیرہ اپنے آپ کو مذکورہ ناموں سے موسوم کرنے میں قباحت محسوس نہیں کرتے مگر وہ بھی اپنے آپ کو مشرک یا کافر نہیں کہلاتے۔ اس سے واضح ہوا کہ شرک کا لفظ اپنی ظاہری کیفیت کے اعتبار سے بھی ناقابل برداشت ہے مگر سخت حیرت و تعجب کی بات ہے کہ اس کلمہ سے اس قدر نفرت و کراہت کے باوجود اکثر لوگ اس کلمہ کی جملہ ظاہری و معنوی خباثتوں، ہلاکتوں اور تباہ کاریوں کا شکار ہوتے جا رہے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴾ ① ''ان میں اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے مشرک ہی ہیں۔

آخر یہ کیوں؟ لفظ ''شرک'' سے نفرت، اور اس کی جملہ معانی تباہ کاریوں سے الفت؟ یہ تضاد فکری کیوں کر پیدا ہوا ہے۔ اور اس کا تدارک کس طرح سے ہوسکتا ہے؟ اس سلسلے میں ہم نے پہلے باب کے تمہیدی کلمات کے ضمن میں عرض کیا تھا کہ کسی بھی شخص کا کسی مہلک و جان لیوا مرض سے بچنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک وہ اس مرض کی حقیقت، اسباب، وعلامات اور نتائج سے باخبر نہ ہو۔ اسی بنیاد پر ہم نے کہا تھا کہ شرک سے عدم واقفیت کی وجہ سے لوگ اس کے ظاہری لفظ سے تو شدت کے ساتھ نفرت کا اظہار کرتے ہیں مگر حقیقت سے لاعلمی و جہالت کی وجہ سے وہ اس کا بری طرح سے شکار ہو رہے ہیں۔

اس لیے ہم اس باب میں سب سے پہلے شرک کے معنی و مفہوم کی وضاحت کرینگے۔ اسکے بعد اس کے جملہ اقسام کا احاطہ کرینگے تاکہ اس روحانی کینسر، اخروی بربادی اور غضب الٰہی کو دعوت دینے والے مرض میں مبتلا مریضوں کو حقیقتِ حال کا علم ہوجائے۔

---

① سورۃ یوسف: ۱۰۶



''شرک'' کا لغوی معنی:

شرک کا لفظ لغوی طور پر ملاوٹ، حصہ داری اور اختلاط کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔لغت کی مشہور و متداول کتاب ''لسان العرب'' میں شرک کا معنی اس طرح بیان ہوا ہے:

"شرک: الشِرُكة، والشَرِكة سواء، مخالطة الشريكين ويقال: اشتركنا بمعنى تشاركنا، وقد اشترك الرجلان وتشاركا، وشارك أحدهما الآخر ①

شرک، شِرکہ، اور شَرِکہ ایک مفہوم رکھتے ہیں، یعنی دو حصہ داروں کا آپس میں مل جانا، اور کہا جاتا ہے، ''اشترکنا'' یعنی ہم حصہ داری میں ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے۔اسی طرح ''اشترک الرجلان'' ''تشارکا'' اور ''شارک احدھما الآخر'' کے الفاظ کا بھی ایک ہی مفہوم ہے یعنی دو آدمیوں کا کسی شئی میں مشترکہ طور پر حصہ دار ہونا، کہ ایک دوسرے کا ساتھی بن جائے۔

شرک کا اصطلاحی معنی:

شرعی اصطلاح کے اعتبار سے شرک کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً، اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ میں کسی مخلوق کو حصہ دار اور شریک تصور کرنا، جیسے کائناتِ ارضی وسماوی میں ''تدبیر وتصرف کی صفت''، ''علم ذاتی کی صفت'' اور ''شفاء و مرض پیدا کرنے کی صفت'' میں کسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک وسہیم قرار دینا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ شرک کا مفہوم بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والشرك ان يثبت لغير الله سبحانه وتعالىٰ شيئاً من الصفات المختصة به كالتصرف فی العالم بالإرادة الذی يعبر عنه "بكن فيكون" اوالعلم الذاتی من غير اكتساب بالحواس ودليل العقل والمنام والإلهام ونحو ذلك، أو الايجاد لشفاء المريض أواللعن لشخص والسخط عليه حتى يقدر عليه الرزق اويمرض اويشقى لذلك

''شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں کسی کو حصہ دار اور ساجھی قرار دینا، جیسے عالم میں اپنے ارادہ سے تصرف کرنا، جسے ''کن فیکون'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، یا حواس ظاہری، عقلی استدلال اور خواب یا الہام کے علمی واکتسابی ذرائع کے بغیر ذاتی علم رکھنا، یا کسی بیمار کو شفا عطا کرنا، یا کسی کو رحمت سے دور کر دینا، اور اس پر ایسا ناراض ہو جانا کہ اس کے رزق میں تنگی پیدا ہو جائے، یا بیمار پڑ جائے، یا اس

① ''لسان العرب'' ج ۱۰ ص ۴۴۸– بحث شرک، حرف ''کــوا اللفظ له/التعریفات ص: ۱۱۱

السخط، او الرحمة لشخص حتی یبسط له الرزق ویصح بدنه ویسعد ①

سے ناراضگی کی وجہ سے بدبختی کا شکار ہوجائے، یا کسی پر رحم کر دینا کہ اس کا رزق وسیع ہوجائے، بدن تندرست ہوجائے اور بخت وسعادت والا بن جائے۔"

شرک کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لسان العرب کے مؤلف لکھتے ہیں:

"والشرک ان یجعل لله شریکا فی ربوبیته ②

یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت میں کسی کو شریک تصور کرنا شرک ہے۔

شرک کے اقسام:

شرک کی لغوی واصطلاحی تعریف آپ جان چکے ہیں، اب ہم شرک کی قسموں کو بیان کرتے ہیں، تاکہ ہر کلمہ گو شخص شرک کے تباہ کن جرائم سے محفوظ رہ سکے۔ شرک کی بڑی قسمیں چار ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- شرک فی العِلم:

سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر شئی پر محیط ہے۔ وہ ہر وقت ہر چیز سے باخبر رہتا ہے۔ خواہ وہ چیز قریب ہو یا بعید، سامنے ہو یا پیچھے، ظاہر ہو یا مخفی، آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہو یا سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں۔ اب اگر کوئی شخص اللہ کے علاوہ اس کی مخلوق میں سے کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ میں جس وقت زبان سے اس کا نام لیتا ہوں یا دل میں اس کا تصور کرتا ہوں یا اس کی صورت کا خیال کرتا ہوں، یا اس کی قبر کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، تو اس (غیر اللہ) کو خبر ہوجاتی ہے، میری کوئی بات اس سے مخفی نہیں رہتی۔ اور مجھ پر جو حالات گذرتے ہیں از قسم صحت، مرض، خوشی، غمی اور تنگدستی وخوشحالی اس کو ان سب کا علم ہوتا ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ میری زبان سے نکلے ہوئے کلمات دل میں پیدا ہونے والے تصورات وخیالات تک سے وہ مطلع رہتا ہے۔ اس قسم کا عقیدہ رکھنے والا شخص مشرک ہے۔ کیونکہ غیر اللہ کے متعلق مذکورہ صفات کا عقیدہ رکھنا خالص شرک ہے، اور اسی کا نام "شرک فی العلم" ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جیسا علم غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا، خواہ یہ عقیدہ کسی بڑے سے بڑے انسان (نبی، ولی، صالح) کیلئے رکھا جائے۔ یا مقرب سے مقرب فرشتہ کے متعلق خواہ ان کے اس علم کو "ذاتی" سمجھا جائے یا عطائی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخصوص صفات میں اپنی مخلوق میں کسی کو بھی شریک نہیں قرار دیا۔

۲- شرک فی الدُعاء:

شرک فی الدعا کو بعض علماءِ عقیدہ نے شرک فی العبادہ کا نام دیا ہے۔ ان کا یہ قول ہر لحاظ سے درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی

---

① الفوز الکبیر ص: ۱۸ مطبوعۃ خیر کثیر آرام باغ کراچی ② لسان العرب ج ۱ ص: ۴۴۹



مخلوق میں سے کسی کو غائبانہ حاجات (یعنی مافوق الاسباب امور) میں نافع وضار سمجھ کر اپنی مدد اور نصرت کیلئے پکارنا، یا کسی مافوق الاسباب قسم کے خوف میں ان سے دعا کرنا، اسے ''شرک فی الدعاء'' یا ''شرک فی العبادۃ'' کہا جاتا ہے۔ دعا کے متعلق مفصل بیان بعد میں آئے گا۔

۳- شرک فی التصرف:

کائنات میں اپنے ارادہ سے تصرف کرنا، حکم چلانا، اپنی مرضی سے مارنا، جلانا، فراخی وتنگی، تندرستی و بیماری اور فتح و شکست، اقبال وادبار سے دوچار کرنا، مرادیں پوری کرنا، مصیبتیں رفع کرنا، مشکل حالات میں مدد عطا کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے۔ جو شخص ان صفات میں سے کسی صفت کو غیر اللہ کیلئے تسلیم کرے یا اس کا عقیدہ رکھے، ایسا شخص مشرک ہے۔ اس طرح کے اعتقاد کو ''شرک فی التصرف'' کہا جاتا ہے۔ یہاں پر بھی ''شرک فی العلم'' والا مسئلہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ غیر اللہ میں تصرف وتدبیر کی قوت ذاتی مانی جائے یا عطائی، ہر حالت میں ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مشرک ہے۔

٤- شرک فی العادۃ:

مالک ارض وسماء اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو یہ ادب سکھایا ہے کہ وہ دنیوی کاموں میں ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں اور اس کی تعظیم بجالائیں، تاکہ ان کا اللہ پر یقین واعتماد، توکل وایقان مضبوط رہے اور جملہ امور میں خیر و برکت کا حصول بھی ہوتا رہے۔ جیسے پریشان کن حالات میں نذر (منّت) مان لینا، کام شروع کرتے وقت برکت کیلئے اسی کا نام لینا، اگر اولاد عطا ہو تو شکر کے طور پر اس کے نام پر جانور ذبح کرنا، اولاد کا نام اللہ تعالیٰ کی اسمائے حسنیٰ کے ساتھ موسوم کرنا، اپنی عبودیت و غلامی کا اظہار کرنا، مثلاً عبداللہ، عبدالرحمن وغیرہ جیسے خوبصورت وپسندیدہ نام رکھنا، کھانے پینے، پہننے، اوڑھنے اور دیگر اہم امور میں اللہ کا نام لے کر آغاز کرنا، ہر کام اور ہر قسم کے نیک اور مفید کام کے ارادے کے وقت ''ان شاء اللہ'' کہنا۔ یہ اور اس طرح کے آداب اللہ تعالیٰ نے اپنی تعظیم وتوقیر کے واسطے مقرر فرمائے ہیں

تو جو شخص اس قسم کی تعظیم غیر اللہ کے لیے بجالائے، مثلاً اپنے بگڑے ہوئے یا رُکے ہوئے کام کیلئے غیر اللہ کی نذر مانے، اولاد کا نام غیر اللہ کی طرف منسوب کرے، یعنی عبدالحسین، عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ، عطاالمصطفیٰ، قلندر بخش، پیر بخش اور رسول بخش وغیرہ جیسے نام رکھے۔ غیر اللہ کی رضا کیلئے جانوروں، کھیتوں اور دیگر آمدنیوں میں حصہ متعین کرے، دنیا کی بھلائی اور برائی کو غیر اللہ کی طرف سے تسلیم کرے۔ غیر اللہ کے نام کی قسم کھائے، ستاروں، کواکب اور دیگر علوی مخلوقات کو نفع ونقصان پر قادر جانے، قسم کھاتے وقت نبی، ولی یا ان کی قبروں کی یا ماں باپ اور اولاد کی قسمیں کھائے، ان تمام امور سے شرک پیدا ہوتا

ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توہین کا پہلو اجاگر ہوتا ہے اور غیر اللہ کی عظمت و کبریائی کا احساس ہی نہیں بلکہ پختہ یقین نمایاں ہوتا ہے۔ اس طرح کے امور کو شرک فی العادۃ کہا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا نام ''شرک فی الأفعال'' بھی ہے۔

شرک کے اقسام کی اجمالی تعیین کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ ان میں ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ مفصّل بحث کی جائے تاکہ قارئین کرام کے سامنے کتاب اللہ اور سنت رسول کے قطعی ولافانی دلائل کی روشنی میں شرک کا مسئلہ پوری طرح واضح ہو جائے۔ یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصل اول

شرک فی العلم کے بیان میں

اس فصل میں چار اہم ترین موضوعات کو بالتفصیل بیان کیا جائے گا، دلائل و براھین اور قطعی نصوص سے ان مسائل میں قارئین کرام کی تشفی کرائی جائے گی، تاکہ بچنے والا علی وجہ البصیرت بچ جائے، اور ہلاکت کے راستہ کو پسند کرنے والا اپنی لاعلمی کا بہانہ تلاش نہ کرسکے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ'' ①

تاکہ جو ہلاک ہو دلیل پر ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل پر (حق پہچان کر) زندہ رہے۔

ان موضوعات کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

(ا) پہلی بحث اس موضوع پر ہوگی کہ علم غیب کی صفت صرف اللہ جل شانہ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ کوئی بھی اس صفت میں اس کا شریک نہیں ہے۔

(ب) دوسری بحث میں خاص طور پر اولوالعزم رسولوں سے علم غیب کی نفی کا بیان ہوگا۔

(ج) تیسری بحث اس موضوع پر ہوگی کہ اولوالعزم رسولوں کے علاوہ باقی جملہ انبیاء ورسل علیہم السلام بھی علم غیب کی صفت سے متصف نہیں ہیں۔

(د) چوتھی بحث اس موضوع پر ہوگی کہ اولیاء اللہ، صالحین اور بزرگان دین بھی علم غیب کی صفت سے موصوف نہیں ہیں۔

پہلی بحث:

اس بحث میں ان دلائل کا ذکر ہوگا جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہی علم غیب کی صفت کا اثبات ہوتا ہے، اور یہ ثابت کیا جائے گا کہ خالق کے سوا کسی بھی مخلوق میں صفت علم غیب نہیں پائی جاتی۔ لیجئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے اسکے دلائل۔

---

① سورۃ الانفال: ۴۲



غیب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴾ ①

اور اسی کے پاس ہیں غیب کے خزانے۔ انہیں بغیر اس کے کوئی نہیں جانتا۔ اور وہی جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ اسے جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز مگر (یہ کہ یہ سب) روشن کتاب میں (موجود) ہے۔

اللہ تعالیٰ جو خلاّق علیم ہے، اس نے بندوں کو ظاہری اشیاء کے جاننے، محسوس کرنے اور معلوم کرنے کے وسائل و ذرائع سے نوازا ہے۔

مثلاً دیکھنے کیلئے آنکھ، سننے کے لیے کان، سونگھنے کیلئے ناک، بولنے کیلئے زبان، چکھنے کیلئے بھی زبان میں صلاحیت رکھدی ہے۔ ٹٹولنے اور پکڑنے کیلئے ہاتھ، اور غور و تدبر اور سمجھنے کیلئے عقل عطا فرما دی۔ ان سارے وسائل کو اللہ تعالیٰ نے بندے کے اختیار میں دیدیا کہ وہ اپنی خواہش کے مطابق ان صلاحیتوں سے کام لیتا رہے۔ کہ جب کسی چیز کو دیکھنے کی خواہش ہوئی تو آنکھ کھول لی، نہ چاہے تو بند کر لی، مزہ اور ذائقہ چکھنا مقصود ہو تو مطلوبہ شئی کو منہ میں ڈال لیا نہیں تو منہ میں نہ ڈالا۔ غرضیکہ ان چیزوں کی پہچان و دریافت کیلئے اللہ تعالیٰ نے ان صلاحیتوں کو انسان کے دائرہ اختیار میں دیدیا۔ جس طرح جس انسان کے ہاتھ میں تالے کی کنجی ہوتی ہے، اس کا کھولنا یا بند کر دینا اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ ظاہری اشیاء کی معرفت وادراک کا معاملہ یہی ہے اور ہر ایک کے ہاں مسلم ہے۔

رہے باطنی اور مخفی اُمور و معاملات تو ان کی معرفت کی کنجیاں اور علم غیب کے جملہ خزانے اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے پاس رکھے ہیں، کہ اکیلی اسی وحدہ لاشریک لہٗ کی ذات جو کائنات کے ہر ذرہ کو ہر وقت جانتی ہے اپنی مخلوق میں سے ہر ایک کے ظاہر و باطن، خیال و تصور اور اس کی جملہ حرکات و سکنات سے ہر وقت باخبر رہتی ہے۔ کائنات کی کوئی بھی شئی اس کے احاطہ علم سے خارج نہیں ہے، یہی علم غیب ہے۔ اس صفت میں اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نبی مرسل شریک ہے، نہ کوئی ولی حصہ دار ہے، اس میں جن اور فرشتہ اس کا ساجھی ہے، نہ کوئی پیر و مرشد اس کا سہیم ہے، اگر کسی کی شراکت کو تسلیم کر لیا جائے تو ''اختصاص'' کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا۔ آیت مطہرہ ''وعندہ مفاتح الغیب'' میں غیب دانی کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہونا کئی وجوہ سے ثابت ہوتا ہے، ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

---

① سورة الانعام: ٥٩



۱- اولاً: یہ کہ "عندہ مفاتح الغیب" کا جملہ قواعد نحویہ کے اعتبار سے جملہ اسمیہ ہے، جو دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے، جس کا واضح مفہوم یہ ہوتا ہے کہ غیب کے جملہ خزانے اور اس کی چابیاں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتی ہیں۔

۲- ثانیاً: لفظ "وعندہ مفاتح الغیب" کے جملہ میں "حصر" کا معنی موجود ہے جو کہ تقدیم خبر سے حاصل ہوا ہے، جیسا کہ مشہور قانون ہے "التقدیم ماحقه التاخیر یفید الحصر"

یعنی جس لفظ کا مقام بعد میں ہو اسے پہلے لانے سے معنی میں حصر یعنی تخصیص کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ آیت مبارکہ میں لفظ "وعندہ" خبر ہے، جو اپنے استحقاق کے اعتبار سے مبتدا "مفاتح الغیب" سے مؤخر آنا چاہیے تھا، مگر اسے مبتدا سے پہلے لایا گیا جس کی وجہ سے معنی میں حصر اور اختصاص کا مفہوم پیدا ہو گیا۔ اس طرح آیت کا مطلب یہ ہوا کہ غیب کی کنجیاں (یا خزانے) صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔

اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میرے پاس ایسا علم ہے کہ جب چاہوں اس کے ذریعے سے غیب کی باتیں معلوم کرلوں، اور آئندہ وقوع پذیر ہونے والے حالات وحوادثات کو معلوم کرلوں، تو اس کے متعلق یقین کرلیں کہ یہ شخص انتہائی درجے کا جھوٹا، کذاب، کتاب اللہ کا منکر، الوہیت کا مدعی، اور مشرک ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے متعلق تو نہیں بلکہ نبی، ولی یا جن اور فرشتہ کے متعلق یہی عقیدہ رکھے تو وہ بھی کھلا کافر اور مشرک ہے۔ کافر اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے واضح فرمان کی تکذیب کا ارتکاب کیا ہے، اور مشرک اس لئے کہ اس نے اللہ کی صفتِ خاصہ کو مخلوق کیلئے تسلیم کرلیا ہے۔

ایک سوال:

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نجومی، کاہن اور علم رمل سے تعلق رکھنے والے اور غیب کی باتیں بیان کرنے کے دعویدار جو کچھ کہہ دیتے ہیں واقع وہ خارج میں ان کی بیان کردہ خبریں درست ثابت ہو جاتی ہیں جس سے جاہلوں سے قطع نظر اچھے خاصے دانش مند لوگ مغالطے کا شکار ہو جاتے ہیں، وہ انہیں عالم الغیب سمجھنے لگ جاتے ہیں، اور ان کا ایمان تباہ ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب علم غیب کے جملہ خزانے، غیب کی کنجیاں اور جملہ حالات باطنیہ کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے تو ان لوگوں کے واقع کے مطابق خبروں اور پیشگویوں کا کیا ذریعہ ہے؟

جواب:

واضح رہے کہ ان نجومیوں، کاہنوں اور بزعم خویش غیب کی خبروں سے واقفیت رکھنے اور بیان کرنے کے مدعیوں کی سب خبریں، اور سب پیش گوئیاں درست ہوں، یہ نظریہ ہی غلط اور باطل ہے۔ ان کی اکثر باتیں غلط اور بے بنیاد ہوتی ہیں۔

روزمرہ کے مشاہدہ وتجربہ سے یہ حقیقت واضح ہے مثلاً اگر ان کی بیان کردہ سو خبروں میں سے کوئی ایک بات کہیں درست بھی ہو جائے تو ننانوے پوری کی پوری باتیں غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اسے علم غیب سمجھنا، اور انہیں غیب دان سمجھنا حماقت اور سوء فہمی کی بدترین صورت ہے۔ علم غیب تو اس کو کہتے ہیں کہ اس کے جاننے والے کی کوئی بات بھی خلاف واقع ثابت نہ ہو۔ اور غیبی معاملات کی خبریں اس کے دائرہ اختیار میں ہوں، اور وہ ہر وقت ان پر مطلع رہے اور اس کی خبر میں ذرہ بھر بھی غلطی کا امکان ہی باقی نہ رہے۔

انبیاء و رسل علیہم السلام کی خبریں وحی الٰہی کی ماتحت ہونے کی وجہ سے غلطی سے مُبرّا ہوتی ہیں، مگر اس کے باوجود بھی انہیں عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ وحی کا اختیار یا پوشیدہ خبروں کی اطلاع وغیرہ انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت کے تحت ہے۔ وہ جب چاہے اپنے رسول اور نبی کو غیبی معاملہ سے مطلع فرمادے۔ لہذا جب انبیاء و رسل علیہم السلام غیب دان نہیں ہیں تو عام افراد کیلئے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ انہیں خفیہ امور کا علم ہوتا ہے۔ ان نجومیوں وغیرہ کو تو اپنی قسمت کا پتہ نہیں، چہ جائے کہ وہ دوسروں کی قسمتیں بیان کریں، یہ سب چیزیں شیطان کی چالبازیوں کا حصہ ہیں، علم غیب کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

آسمان و زمین کی مخلوقات علم غیب نہیں جانتی

اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی جملہ مخلوقات سے علم غیب کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴾ ①

”آپ کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی (مخلوق) موجود ہے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ کے اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ کب (دوبارہ) اٹھائے جائینگے۔“

اس آیت نے غیر اللہ سے علم غیب کا معاملہ ہی بالکل صاف کر دیا ہے کہ علم غیب کا علم نہ آسمان کی مخلوق کو ہے اور نہ ہی زمین کی مخلوق کو۔ بلکہ آسمان وزمین کا کلی علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

آیت میں لفظ ”من فی السموات“ سے فرشتے اور ”من فی الارض“ سے جن، انس، انبیاء، اولیاء اور صلحاء وغیرہ مراد ہیں۔ اس آیت کا سبب نزول مشرکین کا یہ سوال ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ آپ جس قیامت کے روز سے ہمیں ڈراتے، اور اس کے سخت عذاب کا خوف دلاتے ہیں اس کے متعلق یہ تو بتائیں کہ وہ قیامت آئے گی کب؟

جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، اس میں آپ کو حکم دیا گیا کہ اے میرے پیارے رسول! آپ مشرکین سے فرمائیے کہ قیامت کا معاملہ تو غیب کا ہے، اور اس کا علم اللہ کی علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔ صرف میں ہی نہیں بلکہ اللہ عزوجل کے سوا

① سورۃ النمل: ٦٥

کوئی بھی آسمان وزمین کی ہستی غیب نہیں جانتی۔ چونکہ قیامت کے وقت کا تعین غیبی امور سے ہے لہذا مجھے معلوم نہیں کہ یہ گھڑی کب آئے گی؟

اس آیت کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں:

نزلت فی المشرکین حین سألوا رسول الله صلی الله علیه وسلم عن وقت الساعة، والمعنی: ان الله هو الذی یعلم الغیب وحدهٗ ویعلم متی تقوم الساعة ①

یعنی ''یہ آیت مشرکین کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے وقت کے بابت دریافت کیا تھا، آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی غیب جانتا ہے۔ قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم بھی تنہا اسی کو ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعلم انه تعالیٰ لما بین انه المختص بالقدرة فکذلک بین انه هو المختص بعلم الغیب واذا ثبت ذلک ثبت انه هو الاله المعبود ②

''واضح رہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قدرت کو اپنی ذات کے ساتھ مختص فرما دیا اور اسی طرح یہ بھی بیان کر دیا کہ علم غیب بھی اسی کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اس کے ساتھ یہ بات بھی محقق ہو گئی کہ عبادت کی مستحق صرف اور صرف اسی کی ذات ہے اور وہی الٰہ ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

یقول تعالیٰ آمراً رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یقول معلما لجمیع الخلق انه لا یعلم أحد من اهل السمٰوٰت والأرض الغیب الا الله، وقوله تعالیٰ "الاّ الله" استثناء منقطع ای لایعلم احد ذلک الا الله عزوجل فانه المنفرد بذلک وحده لاشریک له ③

یعنی ''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ جملہ مخلوق کو یہ بات بیان فرما دیں کہ اللہ عزوجل کے علاوہ آسمان و زمین کی مخلوق میں سے کوئی بھی غیب دان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ''الا اللہ'' استثناء منقطع ہے، جس سے یہ معنی ہوگا کہ غیب کا علم اللہ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔ اس صفت میں اس وحدہ لاشریک لہ کی ذات منفرد اور یکتا ہے۔

آیت میں وارد الفاظ:

---

① تفسیر الخازن ج ۵ ص ۱۵۴ – معالم التنزیل ج ۵ ص ۱۵۴ – تفسیر القرطبی ج ۱۳ ص ۲۲۵/أیسر التفاسیر ۴/۳۷

② ''مفاتیح الغیب'' ج ۲۴ ص ۲۱۱

③ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۷۲



"وما یشعرون ایان یبعثون" کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای ومایشعر الخلائق الساکنون فی السموات والأرض بوقت الساعة ①

یعنی "آسمانوں اور زمینوں کے رہنے والے یہ تک نہیں جانتے کہ قیامت کا وقت کونسا ہے؟

مذکورہ آیت کے تحت علماءِ احناف نے اس شخص کے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج اور بے ایمان ہونے کا فتویٰ دیا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے غیب دان ہونے کا نظریہ رکھے۔ چنانچہ علماءِ احناف میں ممتاز مقام رکھنے والے ایک عالم جناب ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضة قولہ تعالیٰ "قل لایعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا اللہ......" ②

یعنی "(فقہاء) احناف نے اس شخص کے صریح کفر کا اعلان کیا ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ نبی ﷺ غیب جانتے ہیں، اس لیے کہ اس کا یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے فرمان۔۔۔ "کہہ دیجئے کہ آسمانوں میں اور زمین میں (جتنی) مخلوق موجود ہے کوئی بھی اللہ کے علاوہ غیب کا علم نہیں رکھتا۔" کے بالکل منافی اور مخالف ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو صاف اور واضح انداز سے اس حقیقت سے مُطلع فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ آسمان کی کوئی بھی بڑی یا چھوٹی مخلوق خواہ وہ مقرب فرشتے ہوں یا کوئی مؤمن جن وغیرہ اور زمین کی کل مخلوق چھوٹی اور بڑی، انبیاء، صلحاء اور اولیاء سے لیکر عام انسانوں تک کوئی بھی غیب کی باتوں کو نہیں جانتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ آیت کے آخر میں آسمان وزمین کی ذی شعور مخلوق کے علم غیب میں عاجزی ولاعلمی کو یہ کہہ کر واضح فرما دیا کہ وہ نہ تو یہ جانتے ہیں کہ کب (دوبارہ) اٹھائے جائینگے، یعنی علم غیب کا درجہ تو بہت ہی بلند ہے۔ انہیں تو اپنے اٹھائے جانے یعنی روز محشر تک کا بھی علم نہیں ہے۔ اب غور فرمائیے کہ جن ہستیوں کی نسبت بعض لوگ غیب دانی کی صفت منسوب کرتے ہیں ان کی اپنی حالت یہ ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔ بھلا وہ دوسروں کی قسمتوں کا علم کیسے رکھ سکتے ہیں؟

قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ھی کو ھے

جملہ مخلوق سے بالعموم اور باشعور مخلوق سے بالخصوص قیامت کے علم کی نفی فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس صفت کو اپنی ذات کیلئے مختص کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

① تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۷۲

② شرح الفقه الاکبر ص ۱۸۵، (باب) "الناس فی حق رجال الغیب ثلاثة احزاب.

﴿ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ ①

یہ لوگ آپ سے قیامت کی بابت دریافت کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو بس میرے پروردگار ہی کے پاس ہے، اس کے وقت پر اسے کوئی ظاہر نہیں کرے گا۔ سوا اس (اللہ) کے۔ (یہ) بھاری (حادثہ) ہے آسمانوں اور زمین میں وہ تم پر محض اچانک ہی آئے گی۔ آپ سے دریافت کرتے بھی ہیں تو اس طرح کہ گویا آپ اس کی تحقیق کر چکے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے، لیکن اکثر لوگ (یہ بھی) نہیں جانتے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ مشہور تابعی سیدنا قتادہ رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا آیت کے تحت یہ قول نقل فرماتے ہیں:

"یقول: علمها عندالله هو یجلیها لوقتها لایعلم ذلک الا الله" ②

یعنی قتادہ فرماتے ہیں کہ "قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے وہی اسے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔" کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے (اور کسی کو نہیں)

مفسر امام خازن رحمہ اللہ یوں تفسیر بیان کرتے ہیں:

ای لایعلم الوقت الذی تقوم فیه الا الله، استأثر الله بعلمها فلم یطلع علیه احداً ③

یعنی "قیامت" کا وہ وقت جس میں اس کا وقوع ہوگا، اس کا اللہ کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس روز کا علم اپنے پاس ہی محفوظ فرما رکھا ہے، یعنی اس کے علم کو اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ لہذا اس نے کسی کو بھی اس کے متعلق خبر ہی نہیں دی ہے۔

آیت میں وارد لفظ "ثقلت فی السموات والارض" کی تفسیر میں امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ سیدنا امام سدی کبیر رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

ثقلت فی السموات والأرض یقول خفیت فی

یعنی "اللہ تعالیٰ کے قول "ثقلت فی السموات والارض" کا

① سورۃ الاعراف: ۱۸۷
② تفسیر الطبری ج ۹ ص ۹۴
③ تفسیر الخازن ج ۲ ص ۳۲۲



السموات والأرض فلم يعلم قيامها متى تقوم ملك مقرّب ولا نبيٌّ مُرسَل ①

مفہوم یہ ہے کہ قیامت کا علم آسمان وزمین کی جملہ مخلوق پر مخفی اور پوشیدہ ہے۔ قیامت کب قائم ہوگی؟ اس کا علم کسی مقرب فرشتہ کو ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو۔''

امام نسفی رحمہ اللہ یوں فرماتے ہیں:

اى علم وقت ارسائها عنده، قد استأثر به، لم يخبر به احدًا من ملك مقرب ولا نبى مرسل ②

یعنی ''قیامت کے قائم ہونے کا وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اس کو اس نے اپنی ذات کیلئے مختص فرمایا ہے۔ لہٰذا اس کی اطلاع نہ کسی برگزیدہ فرشتہ کو دی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو۔''

مفسرین کرام کے تفسیری اقوال کے بعد مناسب لگتا ہے کہ قارئین کرام کو آیت مذکورہ کا عمومی مفہوم اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج سے آگاہ کر دیا جائے۔

مشرکین مکہ ویسے تو مُجسم انکار و الحاد تھے، البتہ وہ سادہ لوگوں کو نبی مکرم ﷺ کی دعوت کاملہ سے دور رکھنے کیلئے اکثر و بیشتر سوال کیا کرتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا سوال یہی ہوتا کہ آپ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرستادہ ہیں اور ہمیں نافرمانی کی صورت میں قیامت کے مؤاخذہ اور عذاب سے ڈراتے ہیں تو یہ بتا دیجئے کہ وہ قیامت کب قائم ہوگی؟ دراصل ان کا یہ سوال ان کے ذہنی پس منظر کا غماض تھا کہ رسول اور نبی کے لئے عالم الغیب ہونا ضروری ہے، اور اس سے محرومی گویا کہ (معاذ اللہ) رسالت و نبوت میں نقص کی نشانی ہے۔ اس غلط تصور اور خودساختہ باطل عقیدہ کی بناء پر اکثر وہ اس قسم کے سوالات کیا کرتے تھے۔

اللہ جل شانہ نے اس آیت کریمہ کے ذریعے سے ان کے اس سوال کا جواب ارشاد فرمایا ہے، کہ اپنے رسول ﷺ کو حکم ارشاد فرمایا ہے کہ آپ نہایت فصاحت و بلاغت اور ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ''تاکید'' کے ذریعے اعلان فرما دیجئے کہ قیامت کے قیام کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس کی اس صفت میں کوئی بھی مخلوق شریک نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ملک مقرب اور نبی مرسل کو بھی اس کا علم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی ایک آیت میں چھ طریقوں سے اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ قیامت کا علم بجز اللہ کے کسی کو بھی نہیں ہے۔ اب آیئے ان چھ طریقوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

① تفسیر الطبری ج ۹ ص ۹۴
② ''تفسیر المدارک'' ج ۲ ص ۸۸



الف- کلمہ حصر "اِنَّمَا" کے ذریعے اس بات کا اظہار فرمایا کہ قیامت کا علم صرف رب العالمین کے پاس ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس علم کو صرف اپنی ذات کیلئے محدود فرما دیا، اور یہی معنی ہوتا ہے حصر کا۔

ب- "لایجلیھا لوقتھا" سے یہ حقیقت ظاہر فرما دی کہ قیامت کا وقت جب بھی آئے گا، تو اس وقت کے مطابق اس کے قیام و اظہار کا کام اللہ تعالیٰ کرے گا۔ کیونکہ جب قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو ہے ہی نہیں تو وہ اس کا اظہار کرے گا تو کس طرح؟ اسے بیان کرے گا تو کس بنیاد پر، اس کی اطلاع دے گا تو کس ذریعے سے؟

ج- "ثقلت فی السموات والارض" نص صریح ہے کہ قیامت کے حادثہ کا علم آسمان وزمین کی جملہ مخلوق پر پوشیدہ اور مخفی ہے۔ اس نص صریح کے باوجود غیر اللہ کیلئے غیب دانی کا صاف مطلب کتاب اللہ کی نص صریح کی تکذیب کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

د- "لاتأتیکم الا بغتة" قیامت کے اچانک آنے کا مطلب واضح ہے کہ اس کے وقوع کا علم پہلے سے کسی کو نہیں ہے، وگرنہ اچانک کے لفظ کا مفہوم باطل ہو جائے گا، اور یہ محال و ناممکن ہے۔ نیز اس اچانک کے لفظ سے مخلوق کی لاعلمی کا بیّن ترین ثبوت ملتا ہے۔

ھ- "یسالونک کانک حفی عنھا" قیامت کے علم کی بذریعہ وحی نفی کرنے کے بعد ان الفاظ مبارکہ سے کسبی و تحقیقی ذریعے سے حاصل ہونے والی اطلاع یا علم کی بھی نفی کر دی ہے۔ یعنی اللہ کا نبی قیامت کے وقوع کا علم نہ بذریعہ وحی کتاب رکھتا ہے اور نہ بذریعہ اکتساب و تحقیق کے۔ اور اسلوب نفی علم کے لیے بلیغ ترین، واضح ترین اور مؤکد ترین اسلوب ہے۔ ارشاد فرمایا کہ "یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق اس انداز سے سوال کرتے ہیں کہ گویا کہ آپ اس کی تحقیق فرما چکے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ی- "قل انما علمھا عنداللہ" ایک ہی آیت میں حصر و اختصاص پر دلالت کرنے والے لفظ "انما" کو دہرایا گیا ہے تا کہ یہ حقیقت مکمل طور پر انسانی قلوب و اذھان میں مرتسم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی قیامت کے وقوع کا علم نہیں رکھتا، غور فرمایئے قرآن کریم کے اعجاز و بلاغت، اس کی فصاحت و جامعیت پر کہ ایک ہی آیت میں چھ مختلف انداز سے بدعقیدگی، سوءظنی اور غلو جیسی مہلک بیماری کا خاتمہ فرما دیا ہے۔ (ومن أصدق من اللہ قیلا) ①

ہو سکتا ہے کہ بعض ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہو کہ آخر قیامت کے وقت کو مخفی رکھنے میں کیا حکمت کارفرما ہے، بظاہر تو اس کے ظاہر کر دینے میں زیادہ فوائد تھے۔ کہ انسان اس روز کیلئے بہتر اور احسن طریقہ سے تیاری کر لیتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کا جواب

① سورۃ النساء: ۱۲۲

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ قیامت کا علم مخفی رکھا ہے، اس اخفاء کے متعدد اسباب اور حکمتیں ہیں، علامہ خازن رحمہ اللہ نے ان اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

وسبب اخفاء علم الساعة ووقت قيامها عن العباد ليكونوا على خوف وحذرمنها لانها اذا لم يعلموا متى يكون ذلك الوقت كانوا على وجل وخوف واشفاق منها فيكون أدعى لهم إلى الطاعة والتوبة وأزجرلهم عن المعصية ①

یعنی بندوں سے قیامت کے علم اور اس کے قیام کے وقت کو پوشیدہ رکھنے میں جو حکمت رکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بندے ہمہ وقت خوف اور احتیاط میں رہیں، اس لئے کہ جب انہیں اس وقت کا علم نہیں ہوگا تو وہ ڈر، خوف اور اندیشے کا شکار رہینگے۔ اس طرح ان میں جہاں اطاعت کا جذبہ پروان چڑھے گا وہاں وہ توبہ وانابت کی طرف مائل ہونگے، نیز یہ لاعلمی انہیں معصیت ونافرمانی سے روکنے کیلئے ایک بڑے محرک کا کام دیگی۔

علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ ﴾ ②

یعنی "اور اللہ ہی کیلئے ہیں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی، اور سارے امر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

اور ارشاد ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ﴾ ③

یعنی اور اللہ ہی کیلئے ہے (خاص) آسمانوں اور زمین کا غیب اور قیامت کا معاملہ بھی ایسا ہوگا، جیسے آنکھ کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی جلدتر۔

اسی طرح ارشاد الٰہی ہے:

﴿ لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ مَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ ﴾ ④

یعنی اُسی کیلئے ہے (علم) غیب آسمانوں اور زمین کا، وہ کیا ہی کچھ دیکھنے والا ہے اور کیا ہی کچھ سننے والا ہے۔ ان کا اللہ کے علاوہ کوئی کارساز نہیں۔

---

① تفسير الخازن ج٢ ص ٣٢٢
② سورة هود: ١٢٣
③ سورة النحل: ٧٧
④ سورة الكهف: ٢٦

مذکورہ بالا تینوں آیات مبارکہ اس بات پر واضح ترین نص ہیں کہ کُلی علم غیب محض اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس میں کوئی بھی ہستی نبی مرسل ہو یا ولی مکرّم، فرشتہ مقرب ہو یا جن، پیر وفقیر ہو یا مجذوب وقلندر، اس کی شریک نہیں ہے۔ ان آیتوں سے ہمارا استدلال تین وجوہات پر مبنی ہے:

۱- کلمہ ''لام'' تینوں آیات کے آغاز میں ''لام'' کے حرف کا استعمال ہوا ہے۔ عربی لغت، نحوی قواعد اور اسلوب عرب کے مطابق حرف ''لام'' اختصاص کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور یہی اس حرف کا اصلی اور حقیقی معنی ہے، اس حرف کی بنیاد پر صفت ''علم غیب'' کا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی مختص ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۲- ''خبر کی تقدیم'' ان تینوں آیات میں خبر (پہلی دونوں آیتوں میں لفظ ''للہ'' خبر ہے، اور تیسری آیت میں لفظ ''لہ'' خبر ہے۔) کو مبتدا ''غیب السموات والارض'' پر مقدم کیا گیا ہے۔ حالانکہ خبر کا محل مبتدا کے بعد کا ہوتا ہے جیسا کہ عربی قواعد اور اسلوب کلام عربی سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں۔ خبر کی یہ تقدیم مبتدا پر حصر وتخصیص کے معانی پیدا کرنے کی غرض سے ہوتی ہے۔ کیونکہ تقدیم خبر کے بہت سارے فوائد ونتائج میں سے یہ فائدہ اہم ترین ہے۔ اس سلسلے میں ائمہ بلاغت میں سے علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کا قول پیش کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وأما تقديمه فلتخصيصه بالمسند إليه، أى بقصر المسند إليه على المسند ①

یعنی خبر کی تقدیم اسے مسند الیہ (مبتدا) کے ساتھ خاص کر دینے کے لیے ہوتی ہے، یعنی مسند الیہ مبتدا کو مسند (خبر) پر بند کر دیا جاتا ہے۔

۳- ''غیب السموات و الارض'' سے جملہ قسم کے غُیوب چاہے ان کا تعلق آسمان سے ہو، فضاء سے ہو، زمین سے ہو یا زمین کی تہ در تہ سطحوں سے، ان سب کا کلی طور پر علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ کیونکہ ''للہ غیب السموات ......'' اور ''لہ غیب السموات......'' جملہ اسمیہ ہے جو کہ دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ آسمان وزمین کا یہ کلی علم ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور اسی کے پاس ہی رہے گا۔

اب جو لوگ قرآن کریم کی ان واضح نصوص کے پڑھنے، سمجھنے اور دیکھ لینے کی باوجود غیب دانی کی صفت مخلوق میں بھی تسلیم کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیئے کہ کتاب اللہ کی واضح مخالفت کے وقتی مفادات اگر مل بھی جائیں تو ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی جانتے بوجھتے مخالفت کا نتیجہ نہایت ہی دردناک عذاب ہے۔ بڑے بد بخت ہیں وہ لوگ جو دنیا کی چمک اور اس کی زوال پذیر رونق کیلئے اپنی آخرت برباد کر دیتے ہیں اور پھر عوام الناس کو اپنا پیروکار بنا کر ان کے گناہوں کو اپنے ذمہ لگا لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

① المطول ص ۲۹۶



جنھیں اللہ کے علاوہ پکارا جاتا ھے،وہ اپنے پکارنے والوں کی پکار سے بے خبر ھیں

اللہ عز وجل کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ٥ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ﴾ ①

یعنی ''اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ کے سوا کسی اور کو پکارے۔ جو قیامت تک بھی اس کی بات نہ سنے، بلکہ انہیں ان کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو۔ اور جب سب لوگ اکٹھے کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن نکلیں گے اور ان کی عبادت ہی کا انکار کردیں گے۔''

اس آیت مبارکہ میں وارد الفاظ ''اذا حشر الناس'' کی تفسیر کرتے ہوئے امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای ھولآء المعبودون اعداء الکفار یوم القیامة، فالملائکة اعداء الکفار، والجن والشیاطین یتبرأون غداً من عبدتھم ویلعن بعضھم بعضا ②

یعنی، یہ معبود روز قیامت کفار کے دشمن ہونگے، فرشتے (اپنے عابد) کفار کے دشمن ہونگے۔ جنات اور شیاطین کل (روز قیامت) کو اپنے پیروکاروں، پجاریوں سے لاتعلقی کا اظہار کرینگے، اور وہ ایک دوسرے کو لعنتیں کرینگے۔

آیت مذکورہ میں موجود الفاظ ''وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ'' کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لانھا اما جمادات لا تسمع ولا تعقل، واما عباد مسخرون مشتغلون باحوالھم کعیسیٰ وعزیرؑ والملائکة ③

یعنی (وہ ان کی پکار تک سے بے خبر ہیں) یا تو اس وجہ سے کہ وہ (پکارے جانے والے) سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم جمادات ہونگے، اور یا ایسے بندے ہونگے جو رب کے احکام کی بجا آوری میں شدید حد تک مصروف ہونگے جیسا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عزیر علیہ السلام ہیں یا فرشتوں کی جماعت۔

علامہ مراغی رحمہ اللہ ''واذا حشر الناس'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أی واذا جمع الناس لموقف الحساب کانت ھذہ الآلھة التی یعبدونھا فی الدنیا أعداء لھم اذ

یعنی: لوگوں کو حساب کے میدان میں کھڑا کیا جائے گا تو ان کے وہی معبود جن کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے دشمن بن

---

① سورة الاحقاف: ۵، ۶

② تفسیر القرطبی ج ۱۶ ص ۱۸۳

③ تفسیر المظھری ج ۸ ص ۳۹۴



يتبرأون منهم وكانوا بعبادتهم كافرين، فهم يقولون: ما امرناهم بعبادتنا ولاشعرنا بهم①

جائینگے، بایں صورت کہ وہ اپنے پرستاروں سے لاتعلقی کا اظہار کرینگے اور یہ کہ ہمیں ان کی عبادت کا پتہ ہی نہیں ہے۔ وہ یوں کہیں گے کہ (اولاً) ہم نے انہیں اپنی عبادت کا کہا ہی نہیں تھا، (ثانیاً) (اگر یہ لوگ عبادت کرتے بھی تھے تو) ہمیں ان کی عبادت کی خبر ہی نہ تھی۔

آیت مذکورہ کی تفہیم:

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس انسان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گمراہ اور بے راہ رو نہیں ہے جو اپنے مالک و خالق اور مربی و منعم اللہ علیم وقدیر کو چھوڑ کر اس کی محتاج و عاجز مخلوق کو اپنے نفع ونقصان کیلئے پکارے جو نہ تو اس کی پکار کو سن سکے، بلکہ سرے سے وہ اس کی پکار سے ہی بے خبر ہو۔ ایسے میں وہ اس کے مصائب و آلام کی درماندگی کرے تو کیسے کرے؟

اس لیے فرمایا کہ اگر پکارنے والا قیامت تک پکارتا رہے تو وہ جن کو پکار رہا ہے اپنے پکارنے والے کی مدد تو کجا پکار کا جواب ہی نہ دے سکے، اس لیے کہ جواب تو وہ دے سکتا ہے جو پکار سن سکے اور جو سنتا ہی نہ ہو اور بے خبر ہو وہ مدد اور نصرت پر کیسے قدرت رکھ سکتا ہے۔؟

اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ جو لوگ فوت شدہ اولیاء، شہدا و صلحاء اور دیگر برگزیدہ بندوں کو پکارتے ہیں نہ صرف قریب سے بلکہ ہزاروں لاکھوں میلوں کی مسافت سے انتہائی عجز و بے تابی کے ساتھ پکارتے ہیں، یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ یہ بزرگ ہماری دعاؤں سے نہ صرف مطلع ہیں بلکہ وہ ہماری حاجات کی تکمیل بھی کر سکتے ہیں۔ تو یقین جانیئے کہ ایسے لوگوں سے زیادہ بے عقل، بدراہ اور دین فطرت سے باغی اور قدرت کے مظاہر وانعامات سے بے خبر کوئی اور شخص نہیں ہے۔ ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو بجھی ہوئی راکھ کو پھونک پھونک کر آگ جلانے کے عمل میں مصروف ہو، جس میں چنگاری یا انگارے کا ذرہ بھی موجود نہ ہو تو کیسے راکھ سے آگ جلے گی اور کیسے وہ اپنی ضرورت کو پورا کرے گا۔ ایسے بداعتقاد لوگوں کی کمی نہیں ہے۔

ایک قبر پرست سے میرا ذاتی مکالمہ

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کچھ قبر پرست اور پیروں کے پجاری لوگ ''گڈانی'' سے ''اور ماڑہ'' آئے ہوئے تھے۔ تو انہوں نے آتے ہی اپنے ہم مسلک لوگوں سے پوچھا، کہاں ہے تمہارے علاقہ کا وہ ملّا جو بزرگوں اور اولیاء اللہ کا منکر ہے۔ ہمیں اس کے پاس لے چلو، ہم اسے نہ صرف قائل، بلکہ بزرگوں کی قدرت وکرامات کا عملی مشاہدہ بھی کرادینگے، پھر اسے یقین

① تفسير المراغي ج ٢٦ ص ٧

ہو جائے گا کہ واقعی اولیاء اور بزرگ قدرت واختیار اور کرامات کے مالک ہوتے ہیں۔ قصہ مختصر یہ لوگ جماعت کی شکل میں میرے پاس مدرسہ دار التوحید میں پہنچ گئے۔ مدرسہ میں تعلیم جاری تھی، اس لیے دیگر مدرسین علماء بھی موجود تھے۔ ان کے علاوہ اور ماڑہ کے کچھ افراد بھی مدرسہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے آتے ہی گفتگو کا آغاز کر دیا، ان میں سے ایک شخص خیر محمد نامی نے تمتماتے چہرے، سرخ آنکھوں اور جلال وغضب سے بھرپور آواز میں مجھ سے پوچھا اے ملّا ہم نے سنا ہے کہ تم لوگ بزرگوں کے منکر ہو، ان کو نہیں مانتے ہو۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ میں نے کہا: بھائی تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں بزرگوں کا منکر ہوں، یا اولیاء کے مقام کو تسلیم نہیں کرتا، میں ان سب کو بزرگ، ولی اور صالح ضرور مانتا ہوں، مگر اولیاء کی حد تک، انہیں الٰہ، معبود اور حاجت روا نہیں مانتا، اور نہ ان میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو تسلیم کرتا ہوں۔

خیر محمد کہنے لگے، تم بالکل غلط عقیدہ رکھتے ہو، اولیاء اللہ اور بزرگ نفع ونقصان کی قدرت رکھتے ہیں، میرا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی قدرت واختیار کا واقعہ جو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، وہ تجھے سناتا ہوں۔ پھر دیکھ تو کیسے انکار کرتا ہے؟ یہ کہہ کر اس نے بڑے فخر کے ساتھ ایک گمراہ کن خود ساختہ، شیطان کا تعلیم کردہ واقعہ سنانا شروع کر دیا، کہنے لگا:

ایک رات کا ذکر ہے کہ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک کی ٹانگ ٹوٹ گئی، ٹوٹی ہوئی جگہ پر گہرا زخم بھی بن گیا، اس سے خون بہنے لگا، اتنا زیادہ خون بہا کہ ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ شخص چند لمحات میں موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ میں نے اس پریشانی و بے بسی کی حالت میں اپنا رخ بغداد کی طرف کر کے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو یا غوث کی زوردار آواز میں پکارا۔ بس میرے پکارتے ہی کیا دیکھتا ہوں کہ جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بنفس نفیس حاضر ہو چکے ہیں بلکہ میرے دائیں کندھے پر تشریف فرما ہیں۔ ان کے تشریف لاتے ہی ہمارے زخمی ساتھی کا رستا ہوا خون تھم گیا، دکھتی ٹانگ درست ہو گئی۔ اور ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑ گئی۔

اس شیطانی کہانی کے سنانے کے بعد اس کا چہرا خوشی سے چمک اٹھا، آنکھیں فتحیابی کے نشہ سے مخمور ہو گئیں، پھر نہایت ہی مغرورانہ انداز سے مجھ سے گویا ہوا:

ملّا، دیکھو کیا یہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا اختیار نہیں ہے؟ اس کی قدرت کاملہ کی دلیل نہیں ہے؟ تو کیا اب بھی کہو گے کہ اولیاء اللہ مرنے کے بعد دنیا والوں کی حاجات پوری نہیں کر سکتے۔ اور ان کے نقصان کو رفع نہیں کر سکتے؟

تو اس کے بعد جو ہمارے درمیان مفصل گفتگو چلی، اسے نظر قارئین کرتے ہیں ابو عبدالصبور سے مراد راقم الحروف ہے، اور خیر محمد سے مراد وہی شخص ہے جس نے جھوٹی کہانی سنا کر اپنی حقانیت کا خوش فہمانہ انداز اختیار کیا تھا۔ اب سن لیں ہماری گفتگو:



ابو عبدا لصبور:

بھائی، آپ نے کہانی تو سنا دی۔ ذرا بتایئے کہ آپ نے اس مشکل میں پھنسنے اور کرب کا شکار ہونے سے پہلے کبھی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو دیکھا بھی ہے؟ کبھی زندگی میں اس کا دیدار کیا ہے؟

خیر محمد:

تو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی زیارت و دیدار کی بات کرتا ہے؟ ارے بھائی میرے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ کئی صدیوں پہلے سے فوت ہو چکے ہیں۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد بھلا ان کا دیدار کیسے ہو سکتا ہے؟

ابو عبدا لصبور:

اچھا یہ بتایئے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرح اور کوئی بھی بزرگ یا ولی دنیا میں ہے، جسے ان جیسی قدرت اور ان جیسا اختیار و تصرف حاصل ہو؟ جو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرح مصائب و مشکلات کے گرداب میں پھنسے ہوئے لوگوں کے کام آ سکتا ہو، یا یہ قدرت و اختیار صرف شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی ذات تک محدود ہے۔ اور وہی اس ذمہ داری کو نبھاتے ہیں؟

خیر محمد:

مصیبتیں حل کرنے اور فائدے پہنچانے والے بزرگوں، ولیوں کی تعداد تو لاکھوں سے متجاوز ہے۔ ان سب کو بھی یہ قدرت حاصل ہے۔ اس تصرف و اختیار میں ہمارے لئے صرف شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اکیلے نہیں ہیں۔

ابو عبدا لصبور:

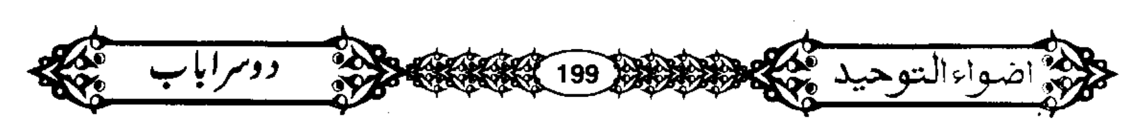
اچھا ان ہزاروں لاکھوں میں سے چند ایک کا نام بیان کریں، سب کے نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ جسقدر تمہیں یاد ہوں، صرف ان کا ذکر کر دیں۔

خیر محمد:

ملاّ، تم سمجھتے ہو کہ ہم لوگوں کے بزرگ کم ہیں، ہمارے صاحب قدرت اور صاحب تصرف ولیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، لو سنو: داتا گنج بخش، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، شاہ عبداللطیف بھٹائی لعل شہباز قلندر، بہاؤالدین زکریا ملتانی، سلطان باہو، خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن والے ان کے علاوہ بھی بہت سے مشکل کشا ہیں۔

ابو عبدا لصبور:

اچھا یہ بتایئے کہ جن بزرگوں کا نام آپ نے لیا ہے اور انہیں بھی مشکل کشا قرار دیا ہے، آپ نے ان کو کبھی دیکھا بھی ہے؟ یا ان پر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرح ایمان بالغیب ہے؟



خیر محمد:

نہیں، میں نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا، یہ سب لوگ صدیوں پہلے فوت ہو چکے ہیں، اس لیے میرے دیکھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ابو عبد ا لصبور:

میں نے آپ کی سب باتوں کو خوب سن اور سمجھ لیا ہے۔اب اتنا بتائیے کہ آپ جس رات کو مشکل سے دوچار ہوئے، آپ کے ساتھی کی ہلاکت کا اندیشہ قوی تھا۔ بقول آپ کے آپ نے اس رات سے پہلے کبھی نہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے اور نہ ان بزرگوں میں سے کسی ایک کو جن کا نام ابھی آپ نے لیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ آپ کو یہ پتہ کیسے چلا کہ آنے والا بزرگ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ممکن ہے آپ ہی کی طرح کے کسی دوسرے مصیبت زدہ انسان نے آپ سے پہلے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو پکارا ہو اور شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مدد کیلئے وہاں چلے گئے ہوں اور آپ کی مشکل کے ازالہ کیلئے اپنے کسی نمائندہ کو بھیج دیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے بغیر ہی کسی دوسرے بزرگ نے آپ کی مدد کر دی ہو؟ یعنی کسی دوسرے مشکل کشا نے آپ کے ساتھی کی حالت پر رحم کھاتے ہوئے مدد کی ہو۔تو جب اس کا امکان موجود ہے تو ہو سکتا ہے کہ آپ کی مدد کرنے والا داتا گنج بخش لاہوری، معین الدین چشتی اجمیری، لعل شہباز قلندر یا اور کوئی بزرگ ہو۔ کیونکہ آپ نے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا ہے۔تو یہ کہنا کہ اس رات کو مدد کرنے والا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہی تھا اور کوئی نہیں تھا۔ کیسے درست ہو سکتا ہے؟ آپ نہ نبی مرسل ہیں اور نہ ولی ملہم کہ آپ کو بذریعہ وحی یا الہام معلوم ہو گیا ہو کہ آنے والا، مدد کرنے والا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہی ہے۔

خیر محمد:

چونکہ میں نے اس وقت بغداد کی طرف منہ کر کے یا غوث کی نداوی تھی، میرے دل میں اس وقت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا تصور تھا اور یہ پختہ اعتقاد بھی کہ میری مدد کیلئے وہی آئینگے۔ لہذا آنے والا وہی ہوگا جسے میں نے پکارا کسی دوسرے کے آنے کا کوئی امکان ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ابو عبد ا لصبور:

کیا یہ ضروری ہے کہ جس چیز کے متعلق آپ اعتقاد کر لیں وہ چیز اسی طرح بن جائے، اور مخالفت کا ذرہ بھر بھی امکان نہ رہے۔

خیر محمد:

بالکل، میرے عقیدے کے خلاف کسی شئی کا ظہور ناممکن ہے۔



ابو عبدالصبور:

بہت اچھا، حضرت جی۔ اگر آپ کسی گدھے کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ یہ گدھا نہیں بلکہ عقلمند، صاحب بصیرت، ذکی اور زیرک انسان ہے۔ اس کے علاوہ یہ کامیاب معمار اور بہترین ڈیزائنر اور عمدہ انجینیئر بھی ہے۔ پھر آپ اپنے اس اعتقاد کے مطابق اس گدھے کو خالی زمین کا ایک پلاٹ مہیا کر دیں اور اسے کہیں کہ چھ ماہ کی مدت میں اس پلاٹ پر بہترین بنگلہ بنا دو، تو کیا آپ کے اس اعتقاد کے مطابق وہ گدھا، انسان، صاحب عقل و بصیرت کامیاب معمار اور عمدہ انجینیئر بن جائے گا؟ اور واقعی طور پر اس کے ہاتھوں آپ کو خوبصورت بنگلہ بھی تعمیر شدہ مل جائے گا۔ تو میرے اس سوال پر حاضرین مجلس خوب ہنسے، خیر محمد صاحب سے جواب نہ بن پڑا۔

اصل حقیقت:

بداعتقادی میں مبتلا لوگوں کے پاس کرامات و کرشموں کی جو کہانیاں سننے کو ملتی ہیں ان کی اصل حقیقت یہ ہے کہ شیطان ملعون کے پاس بندوں کو ان کے خالق و منعم سے ہٹانے اور مخلوق کا پجاری بنانے کیلئے مختلف طریقے اور حیران کن و عقل کش ہتھکنڈے ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے وہ لوگوں کو راہِ راست سے ہٹا کر مشرک بنا دیتا ہے۔ ان کی جبینوں کو خالق کائنات کے در سے ہٹا کر مخلوق کی پلید دہلیز پر ٹکا دیتا ہے۔ انہی شیطانی حربوں میں سے ایک حربہ یہی ہے کہ خرافات، بدعات، شرک اور بداعتقادی کے مرض میں مبتلا لوگ جب کبھی مصیبت کا شکار ہو کر اپنے مزعومہ مشکل کشاؤں کو پکارتے ہیں تو شیطان ان کے بزرگوں یا ان کے خیال میں حاجت روا دلیوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور ان کی مدد اور نصرت کر دیتا ہے جس سے ان کا عقیدہ مزید پختہ ہو جاتا ہے اور انہیں اپنی بے راہروی عین صراط مستقیم نظر آنے لگتی ہے۔ پھر وہ اس شرک و کفر کے اندھیروں میں اپنے جیسے دیگر سادہ لوح اور سراب کو حقیقت سمجھنے والے افراد کو بھی ساتھ ملا لیتے ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نباض امت صاحب السیف والقلم امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولهذا كان الذين يسجدون للشمس والقمر والكواكب يقصدون السجود لها فيقارنها الشيطان عند سجودهم له. ولهذا يتمثل الشيطان بصورة من يستغيث به المشركون فان كان نصرانيا، واستغاث بجرجس أوغيره جاء الشيطان في صورة جرجس أومن يستغيث به،

یعنی جب سورج چاند اور کواکب کو سجدہ کرنے والے ان کی تعظیم کے پیش نظر سجدہ کرتے ہیں تو شیطان ان کے سجدہ میں ان کا شریک ہو جاتا ہے تاکہ ان لوگوں کا سجدہ شیطان کے لئے ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان غیر اللہ کی پوجا کرنے والوں کے ہاں معظم بزرگ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مشرک اگر نصرانی ہے اور جرجس (جو کہ ان کا مزعوم الٰہ ہے) سے



وان كان منتسبا إلى الإسلام واستغاث بشيخ يحسن الظن به من شيوخ المسلمين جاء في صورة ذلك الشيخ، او كان من مشركي الهند، جاء في صورة من يعظمهٔ ذلك المشرك ①

مدد طلب کرنا چاہتا ہے تو شیطان جرجس کی صورت اختیار کر کے اس کے آگے آ جاتا ہے۔ اور اگر جرجس کے علاوہ کسی دوسرے بزرگ سے مدد کا خواہاں ہوتا ہے اور اس کے لیے اسے سجدہ کرتا ہے تو شیطان بھی وہی شکل بنا لیتا ہے۔ اور اگر مشرک انسان اسلام کا دعویدار ہے اور کسی شیخ اور بزرگ سے اچھا عقیدہ رکھتا ہے تو شیطان اسی بزرگ کی شکل میں حاضر ہو جاتا ہے۔ اور اگر مشرک ہندو ہے تو اس کے مزعومہ مشکل کشا و حاجت روا شخص کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

چنانچہ مشہور مفسر قرآن شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ آیت:

﴿ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَـٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِن دُونِكَ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴾ ②

اور جب مشرک اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو بول اٹھیں گے اے ہمارے پروردگار یہی ہیں وہ ہمارے شرکاء جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے رہتے تھے۔ پھر وہ (شرکاء) ان کی طرف مخاطب ہو کر کہیں گے کہ تم (بڑے) جھوٹے ہو۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''جو لوگ پوجتے ہیں بزرگوں کو وہ بزرگ بے گناہ ہیں۔ ایک شیطان اپنا وہی نام رکھ کر آپ کو بجواتا ہے اسی سے ان کو کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔'' ③

مغیباتِ خمسہ (پانچ غیبی چیزوں) کا بیان

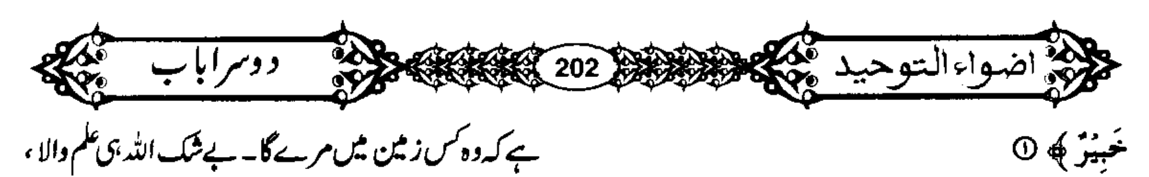
اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں پانچ ایسی اشیاء کا ذکر فرمایا ہے جن کا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے۔ اور وہی مینہ برساتا ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے، اور کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا۔ اور نہ کوئی یہ جان سکتا

① مجموع فتاویٰ ابن تیمیه ج ۱۱ ص ۳۰۸
② سورہ النحل: ۸۶
③ تفسیر "موضح القرآن" ص ۳۲۱ سورة النحل: ۸۶



خَبِيْرٌ ﴾ ①

ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ ہی علم والا، خبر رکھنے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر خود رسول اللہ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے یوں بیان ہوئی ہے۔

عن ابن عمر رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علی وسلم قال: "مفاتیح الغیب خمس لایعلمها الا الله، لایعلم ما تغیض الأرحام الا الله ولایعلم ما فی غدِ الا الله، ولا یعلم متی یأتی المطر أحد إلا الله، ولاتدری نفس بای أرض تموت، ولایعلم متی تقوم الساعة الا الله. ② (صحیح بخاری)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں، اور انہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ مادہ کے رحم میں کیا ہے۔ (یعنی نر، مادہ، سیاہ، سفید، کامل، ناقص اور نیک، بد وغیرہ) اللہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ بارش کب (اور کس کس جگہ، کتنی دیر اور کتنی مقدار میں) آئے گی۔ اللہ کے علاوہ کسی کو خبر نہیں ہے کہ فلاں جاندار کہاں مرے گا۔ نیز اللہ کے علاوہ کسی کو اس کا بھی علم نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی۔

حامل قرآن، رسولِ انس و جان اور ترجمان وحی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس آیت کی جو تفسیر آپ نے پڑھی ہے، اس سے صاف طور پر یہ عقیدہ واضح ہوتا ہے کہ ان پانچ علوم کی معرفت میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی ان چیزوں کا علم نہیں رکھتا۔ خواہ وہ کوئی برگزیدہ و محترم رسول اور نبی ہو یا ملک مکرم و مقرب، اور خواہ وہ صاحب کرامات بزرگ و ولی ہو۔ جب ان میں سے کوئی نہیں جانتا تو دوسروں کی کیا حقیقت و حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔؟ یہ عقیدہ دین اسلام میں اتنا اہم، قطعی اور غیر مخفی ہے کہ اس کی مخالفت کرنے والا قرآن کریم کا منکر، اور بدترین ملحد سمجھا جائے گا۔

چنانچہ اس کے متعلق امام زجاج رحمہ اللہ کا قول بہت مشہور اور معروف ہے، ان کے اس قول کو امام عینی رحمہ اللہ یوں نقل فرماتے ہیں:

وقال الزجاج: من ادعی انه یعلم شیئاً من هذه الخمس فقد کفر بالقرآن العظیم ③

امام زجاج رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جس شخص نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ وہ ان پانچ امور غیبیہ کو جانتا ہے تو اس نے قرآن عظیم

---

① سورہ لقمان: ۳۴

② رواه البخاری، کتاب التوحید، باب قول الله تعالیٰ عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا ان الله عنده علم الساعة و أنزل بعلمه ...... الساعته

③ عمدة القاری ج ۷ ص ۶۱



معلوم کر لینے کے بعد امت مسلمہ کے اسلاف بالخصوص قرآنی علوم کے ماہر اور اسرار شریعت کے شناسا مفسرین کرام کے اقوال بھی پڑھ لیجئے، جناب رسالتمآب ﷺ اور راز دان نبوت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قطعی و یقینی فرامین کے بعد ضرورت تو نہ تھی بقیہ اقوال کی، مگر منکروں کے آسیب زدہ عقیدہ کی بداثری کے علاج کیلئے مزید اجزاء کا شامل کر لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تو یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اس امت کے سلف صالحین (صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین و مفسرین کرام (رحمہم اللہ)) سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ ان پانچ مخفی علوم کو ذات باری تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا، ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلاف میں سے کوئی بھی محترم ہستی اس عقیدہ کے خلاف نہیں ہے۔ چنانچہ امت مسلمہ کے حَبر، ترجمان القرآن ابن عم رسول ﷺ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

هذه الخمسة لايعلمها الا الله ولايعلمها ملك مقرب ولا نبي مرسل، فمن ادعى انه يعلم شيئاً من هذه فقد كفر بالقرآن، لأنه خالفه ①

ان پانچ باتوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا، نہ کوئی ملک مقرب ان کا علم رکھتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل، بس جو شخص ان میں سے کسی بات کے جاننے کا دعویٰ کرے (یا کسی کیلئے بطور غلو کے دعویٰ کرے) تو اس نے قرآن کا کفر و انکار کر دیا، اس لیے کہ اس نے قرآن کی واضح مخالفت کا ارتکاب کیا۔

کسبی علم اور غیبی علم میں فرق

بعض لوگ مغالطہ خوری کی وجہ سے یا مغالطہ دہی کی غرض سے کسی ذریعہ سے حاصل شدہ علم کو بھی ''علم غیب'' قرار دیتے ہیں، حالانکہ علم غیب تو صرف وہ علم ہوتا ہے جو حواس ظاہری و باطنی اور کسی بھی اطلاع و خبر کے بغیر خود بخود معلوم ہو، اور کسبی وہ ہوتا ہے جس کے حصول کیلئے ظاہری و باطنی حواس یا کسی کی اطلاع و خبر کی ضرورت ہو تو دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس سے قطع نظر کہ نہج البلاغہ کی نسبت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح ہے یا نہیں اور روافض نے اس میں کافی ردوبدل بھی کیے ہیں تو اس کے فرض صحت پر ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ذیل والا قول نقل کرتے ہیں جو ہمارے اس مؤقف کی تائید میں ہے۔

① تفسير القرطبي ج ١۴ ص ٨٢ واللفظه له/تفسير الخازن ج ۵ ص ٢٢٠



فقال له بعض اصحابه: لقد أعطيت يا امير المؤمنين علم الغيب! فضحک عليه السلام وقال للرجل وكان كلبيا: يا أخاكلب! ليس هو بعلم غيب وانما هو تعلم من ذی علم وانما علم الغيب علم الساعة، وماعدد الله تعالیٰ بقوله: ان الله عنده علم الساعة... الآية، فيعلم سبحانه في الأرحام من ذكر أوانثى وقبيح أو جميل وسخی أوبخيل، وشقی أوسعيد، ويكون في النار حطبا أوفي الجنان للبنين مرافقا، فهذا علم الغيب الذی لايعلمهٗ أحد إلا الله. ①

آپ (سیدنا علی کرم اللہ وجہہ) سے آپ کے بعض شاگردوں نے کہا، امیرالمؤمنین! آپ کو تو غیب کا علم عطا ہوا ہے۔ (شاگرد کے اس قول پر) آپ مسکرا دیئے، اور (کہنے والا بنوکلاب کا تھا) فرمایا، اے کلبی بھائی! میرے پاس جو کچھ ہے یہ علم غیب نہیں ہے یہ تو عالم سے اخذ کردہ علم ہے، علم غیب تو قیامت کا علم ہے، اوران چیزوں کا جنہیں اللہ تعالیٰ نے آیت إِنَّ اللَّـهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ میں شمار فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ رحم میں کیا ہے، نر ہے یا مادہ، بدصورت ہے یا خوبصورت، سخی ہے یا بخیل، نیک بخت ہے یا بد بخت، جہنم کا ایندھن ہے یا جنت کے ''ولدان'' کا مخدوم! یہی علم غیب ہے جسے اللہ کے علاوہ کوئی ایک بھی نہیں جانتا۔

تابعی سیدنا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے سیدنا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

قال مجاهد: وهی مفاتيح الغيب التی قال الله تعالیٰ: وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الاهو ②

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غیب کی کنجیوں سے مراد وہی ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اور اسی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، انہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

تابعی سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین نے سیدنا قتادہ کا ان علوم خمسہ کے متعلق یہ قول نقل فرمایا ہے:

① نهج البلاغة: ج ٢ ص ١٦، ١٧
② تفسير ابن كثير ج ٣ ص ٢٥٥



قال قتادة: اشياء استأثر الله بهن فلم يطلع عليهن ملكا مقربا ولا نبيا مرسلا ①

سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ (سورۃ لقمان میں بیان شدہ پانچ مخفی علوم) وہ اشیاء ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مختص فرمایا ہے۔ اس لیے ان کی خبر نہ کسی مقرب فرشتے کو ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو۔

سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

ائمہ مجتہدین میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقام ہے وہ کسی تعارف یا تشریح کا محتاج نہیں ہے۔ آپ کا شمار اُمتِ اسلامیہ کے مشہور ومعروف فقہاء وعلماء میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے دور میں اسلام کی بڑی خدمت کر کے عظیم قربانیاں دیں۔ ذیل میں آپ کا ان مذکورہ بالا علوم مخفیہ کے متعلق فیصلہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ وہ لوگ جو ان کی اتباع کے قائل ہونے کے دعویدار ہونے کے باوجود "شرک فی العلم" کے متعفن گڑھے میں گرے ہوئے ہیں، عبرت حاصل کریں اور اپنے عقیدہ کی اصلاح کریں۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ دراصل ایک مشہور ومعروف واقعہ کا پس منظر رکھتا ہے۔ واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ ابوجعفر منصور رضی اللہ عنہ نے ملک الموت کو خواب میں دیکھا، تو ملک الموت سے اپنی بقیہ ماندہ عمر کے متعلق سوال کر لیا، کہ میری عمر کے کتنے ماہ وسال باقی رہتے ہیں۔ تو ملک الموت نے زبانی جواب دینے کی بجائے اپنی پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا، اور غائب ہو گیا۔ صبح ہوئی تو خلیفہ نے اپنا یہ خواب من وعن علماء کے سامنے بیان کیا، تاکہ وہ اس کی تعبیر بیان فرمائیں۔ ان علماء میں جناب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے۔ آپ کے علاوہ سب معبرین نے اپنی فہم وفراست سے تعبیر بیان کر دی، کسی نے کہا کہ ملک الموت کے اشارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کی عمر کے پانچ سال باقی ہیں، کسی نے پانچ ماہ، اور کسی نے پانچ دن باقی رہ جانے کی تعبیر بیان کی، مگر اپنے زمانے کے جلیل القدر امام سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ملک الموت کا اپنی پانچ انگلیوں سے اشارہ کرنا (خلیفہ کی بقیہ ماندہ عمر کے تعین کی طرف نہیں تھا بلکہ) ان پانچ علوم کی طرف اشارہ مقصود تھا جن کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل صاحب مدارک نے بیان فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

---

① تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۵ واللفظ لہ/ روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۱۱



ورأى المنصور فی منامه صورة ملک الموت وسأله عن مدة عمره فاشار باصابعه الخمس فعبّر ها المعبّرون بخمس سنوات، وبخمسة أشهر وبخمسة أيام، فقال ابو حنيفة رضی الله عنه هو اشارة إلى هذه الآية، فإن هذه العلوم لايعلمها الا الله. ①

(خلیفہ) منصور نے خواب میں ملک الموت کی شکل دیکھی تو اس سے اپنی مدّتِ عمر کا پوچھ لیا، ملک الموت نے اپنی پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا، تعبیر کرنے والوں میں سے بعض نے اس سے پانچ سال، بعض نے پانچ ماہ اور بعض نے پانچ دن مراد لیے، جناب ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا (ایسا نہیں بلکہ) ملک الموت کی پانچ انگلیوں کا اشارہ اس آیت کی طرف تھا، اس لیے کہ ان پانچ پوشیدہ علوم کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ (یعنی ملک الموت مقرب کو بھی اس کا علم نہیں ہے)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ مغیباتِ خمسہ کے اختصاص کا سبب

سوال:

یہاں ایک اہم ترین سوال وارد ہوتا ہے جس پر بہت غور وفکر کی ضرورت ہے۔ سوال کی صورت یہ ہے کہ جب جملہ غیبی امور واشیاء کا کلی وجزئی تفصیلی اور اجمالی علم ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، بایں طور کہ اس کے سوا کسی رسول وملک اور جن وانسان کو ان کا علم نہیں ہے تو غیبی امور ومعاملات کو صرف پانچ میں منحصر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ ان پانچ علوم کے علاوہ زمین وآسمان، بر وبحر، عرش وکرسی، لوح وقلم اور دیگر برزخی واُخروی مغیبات کا تفصیلی واجمالی علم بھی تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، ان جملہ امور کا بھی تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے! تو پھر ان پانچ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

جواب:

مذکورہ بالا سوال کے جواب کیلئے ایک بات بطورِ تمہید کے جان لینا ضروری ہے وہ یہ کہ تخصیص دو طرح کی ہوتی ہے۔

۱۔ "تخصیص المعلوم بالعالم"

① تفسیر المدارک ج۳ ص ۲۸۶



یعنی کسی قابلِ علم شئی کو ایک عالم کے ساتھ مخصوص کر دینا، اور یہ کہنا کہ یہ چیز صرف فلاں کو معلوم ہے، اس کے علاوہ کوئی اس کا علم نہیں رکھتا۔

۲- ''تخصیص العالم بالمعلوم''

یعنی کسی عالم کے علم کو مخصوص ومتعین شئی کی معرفت تک محدود کر دینا اور یہ کہنا فلاں شخص کو صرف ان اشیاء کی معرفت ہے۔اور یہاں آیت میں پہلی قسم مقصود ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ پانچ مخفی علوم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ان کا علم نہیں رکھتا۔اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ باقی مغیبات میں کوئی اس کا شریک ہے۔ باطل اور گمراہ نتیجہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا علم صرف ان پانچ مخفی علوم کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ان مغیبات خمسہ کے علاوہ جملہ غیبی امور اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم میں ہیں۔کائنات کا کوئی بھی ذرہ چاہے کتنا ہی پوشیدہ ہو اس کے علم سے خارج نہیں ہے۔جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴾ ①

ترجمہ: اور تیرے پروردگار سے ذرہ برابر (بھی کوئی چیز) غائب نہیں، نہ زمین میں، نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی، مگر یہ کہ سب کتاب مبین میں ہیں۔

اس تمہید کے بعد اصل جواب سن لیجئے: ان پانچ علوم مخفیہ کی اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تخصیص محض ایک سوال کے جواب میں ہے۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے ان پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا تھا کہ اللہ کے رسول! قیامت کب قائم ہوگی؟ بارش کب برسے گی، میری بیوی حاملہ ہے، فرمایئے کہ وہ لڑکا جنے گی یا لڑکی؟ میں کل کیا کروں گا؟ اور میری موت زمین کے کس خطہ پر واقع ہوگی؟ تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی: چنانچہ مفسرین کرام اس آیت کا سبب نزول بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

① سورة يونس: ٦١



ان هذه الآية نزلت في رجل من اهل البادية اسمهٗ الوارث بن عمرو بن حارثة أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ان امرأتي حبلىٰ فاخبرني ماذا تلد؟ وبلادي جدبة فاخبرني متى ينزل الغيث وقد علمت متى ولدت فأخبرني متى أموت وقد علمت ما عملت اليوم فاخبرني ماذا أعمل غداً؟ واخبرني متى تقوم الساعة؟ فانزل الله تعالىٰ هذه الآية: ذكره القشيري والماوردي. ①

یہ آیت ایک دیہاتی کے (سوال کے) بارہ میں نازل ہوئی، اس کا نام وارث بن عمرو بن حارثہ تھا، یہ نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہا، میری بیوی حمل سے ہے مجھے بتائیے وہ کیا جنے گی؟ اور میرا علاقہ قحط زدہ ہے مجھے بتائیے کہ بارش کب اترے گی؟ اور مجھے یہ تو پتہ ہے کہ میری پیدائش کس تاریخ کو ہوئی تھی، آپ یہ بتائیے کہ میری موت کب واقع ہوگی؟ اور مجھے اپنی آج کی کمائی کا تو علم ہے، یہ بتائیے کہ کل کیا کماؤں گا؟ اور قیامت کب قائم ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اسے قشیری اور ماوردی نے بیان کیا ہے۔

مفسرین کی اس تصریح کے بعد اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب اور عالم غیب السموات و الارض ہے اس کے ساتھ ان پانچ پوشیدہ باتوں کے جاننے کی ہی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ یعنی اعرابی کے مذکورہ سوالات ہی اس آیت کے نزول کا سبب بنے، اس میں اس اعرابی کے سوال کا جواب ہے نہ کہ تخصیص صرف ان علوم کے ساتھ۔

نیز علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس تخصیص کی ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

والذي ينبغي ان يعلم ان كل غيب لايعلمه الا الله عزوجل وليس المغيبات محصورة بهذه الخمس وانما خصت بالذكر لوقوع السوال عنها، اولأنها كثيراً ما تشتاق النفوس إلى العلم بها. ②

جملہ غیبی امور کا جاننے والا صرف اللہ عزوجل ہے۔ اس کی غیب دانی کو صرف ان پانچ مخفی امور میں منحصر نہیں کیا جا سکتا یہ عقیدہ رکھنا انتہائی ضروری ہے، رہی یہ بات کہ اللہ کے علم کو ان پانچ امور مخفیہ تک محدود کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ تو یہ تو صرف اس بناء پر ہے کہ سوال کا تعلق انہی امور سے تھا، یا اس بناء پر کہ انسان فطرۃً ان سوالات کے جواب جاننے کا شائق رہتا ہے۔

---

① تفسير القرطبي ج ١٤ ص ٨٢ واللفظه له/
تفسير الخازن ج ٥ ص ٢٢٠ روح المعاني ج ٢١ ص ١٠٩ /تفسير الطبري ١٨/٥٨٥.

② روح المعاني ج ٢١ ص ١١٢



آیت مذکورہ کی بالتفصیل تشریح:

سابقہ تشریحی کلمات وعبارات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ غیب کی تمام باتوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، مخلوق میں سے کوئی بھی یہ صفت نہیں رکھتا۔ اب ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ آیت مذکورہ کے پانچوں اجزائے غیبیہ کی توضیح کرتے ہیں۔

۱۔ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ :

ان غیوب خمسہ میں سے ایک قیامت کا علم ہے۔ اس کے واقع ہونے کی خبر نہایت ہی یقینی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے وقوع کی تاریخ کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ اس قدر قطعی ویقینی معاملہ کی جب یہ حالت ہے کہ اس کے وقت کا تعین کوئی نہیں کر سکتا تو پھر دوسری چیزوں کی خبر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کسی کی فتح وشکست کا ہونا، کسی کا بیمار ہونا، کسی کا تندرست ہونا، اور کسی کا مشکل ومصیبت کا شکار ہو جانا۔ یہ امور قیامت کی طرح مشہور ومعروف ہیں، اور نہ ہی اس کی طرح قطعی و یقینی، تو ان کے متعلق خبریں دینا کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟

۲۔ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ:

اسی طرح بارش کے اترنے کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو ہے، یعنی وہی اس کے وقت کو جانتا ہے۔ حالانکہ تجربات ومشاہدات کے اعتبار سے اس کا موسم معلوم ہے اور واقعتاً اس موسم میں اس کا برسنا بھی ثابت ہے۔ بارش کی خواہش وطلب کسی ایک گروہ تک بھی محدود نہیں ہے۔ نبی ہو یا ولی، بادشاہ ہو یا رعایا، ڈاکٹر ہو یا مریض، مرشد ہو یا مرید، عالم ہو یا جاہل، تعویذی ہو یا نجومی، کاہن ہو یا علم رمل سے واقفیت رکھنے والا، زمیندار ہو یا کاشتکار سبھی اس کی طلب میں رہتے ہیں۔ اس کے باوجود اس کے برسنے کا وقت نہیں بتا سکتے۔

جس چیز کے طلبگار اتنے ہوں، اس کا موسم معلوم ہو اور اس کے محرکات ودواعی اس قدر زیادہ ہوں، مگر اس کے باوجود اس کے وقت کے تعین کی کوئی سبیل نہ ہو تو پھر جو چیزیں موسم کے اعتبار سے معلوم ہیں، اور نہ طلب وتقاضا کے اعتبار سے سب میں مشترک ہے، جیسے موت وحیات، یا اولاد یا بے اولاد، تنگدستی وفقیری اور فتح وہزیمت، تو ایسی چیزوں کے وقوع یا عدم وقوع کی خبر کی راہ کوئی پا سکتا ہے تو کس بنیاد پر؟

۳۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ:

مادہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ ایک ہے یا دو، مذکر ہے یا مونث، کامل الاعضاء یا ناقص الاعضاء، خوبصورت ہے یا



بدصورت، سفید فام ہے یا سیاہ فام، نیک ہے یا بد، خوش بخت ہے یا بد بخت، ان سب امور کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ مادہ کے رحم میں پرورش پانے والے بچے کی بعض خصوصیات کے متعلق حکیم اور تجربہ کار لوگ اگرچہ اپنی ناقص رائے کے مطابق کچھ اسباب ونتائج کا ذکر کرتے ہیں لیکن بالیقین کسی کا حال بیان نہیں کر سکتے۔ لیکن بعض خصوصیات جن کا تعلق آدمی کے باطن سے ہوتا ہے جیسے قصد وارادہ، دکھ درد اور مشکلات، خیالات، شکوک اور نظریات وافکار، ایمان اور کفر، عداوت اور محبت، قلبی بصیرت اور بے بصیرتی، ذہنی ذکاوت اور غباوت وغیرہ، ان کو وہ کیسے جان سکیں گے؟

ایک مغالطہ:

دورِ جدید کے بعض سائنسی آلات (مثلاً الٹرا ساؤنڈ) کے ذریعے سے آج کل یہ جاننا کہ مادہ کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ، ایک ہے یا دو۔ ڈاکٹر حضرات کے لیے ممکن ہوگیا ہے۔ جو اس امر پر دلیل ہے کہ رحمِ مادر میں موجود جنین کی حالت کا جاننا محض اللہ تعالیٰ کا خاصہ نہیں ہے، بلکہ ''مافی الارحام'' کا علم خالق کی طرح مخلوق میں بھی پایا جاتا ہے۔

اِزالۂ مغالطہ:

اس مغالطہ کا ازالہ کئی طرح سے ممکن ہے، سب کی تفصیل سے بات لمبی ہو جائے گی، ہم صرف چند ایک کا ذکر کریں گے۔ ''عاقل را اشارہ کافی است'' کے مصداق نمونہ کیلئے چند ایک مثالیں ہی کافی ہیں۔

الف- آلات و وسائل جدیدہ سے مطلق طور پر رحم مادہ کی کیفیت معلوم کرنے کا دعوی باطل ھے:

یعنی یہ کہنا کہ جدید آلات کی مدد سے مادہ کے پیٹ میں حمل کی حالت کا ہر لحاظ اور ہر کیفیت سے علی الاطلاق علم ہو جاتا ہے۔ قطعاً باطل اور بے بنیاد دعوی ہے۔ میں نے خود کئی ماہر فن اور تجربہ کار ڈاکٹروں سے ذاتی طور پر اس معاملہ میں تحقیق کی ہے، ان کی ماہرانہ رائے کے مطابق رحم مادہ کی کیفیت حمل کے دوران پوری کی پوری کسی بھی آلہ کے ذریعے معلوم نہیں کی جاسکتی، صرف ٹی وی ایکسرے سے مادہ کے پیٹ میں کبھی کبھی حمل کی بعض حالتوں کا علم ہو جاتا ہے۔ مثلاً جنین مادہ ہے یا نر، ایک ہے یا دو، اور اتنا علم بھی اس وقت ہوتا ہے جب رحم میں موجود بچے کے سارے اعضاء مکمل طور پر تیار ہو جاتے ہیں۔ ناقص حمل میں کوئی بھی آلہ کارگر نہیں ہوتا۔

نیز ان ماہرین نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ ٹی وی ایکسرے سے معلوم کی جانے والی حمل کی حالت اکثر اوقات حقیقت کے بالکل منافی بھی ثابت ہوتی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جدید آلات وذرائع کے ذریعے سے قطعی ویقینی علم حاصل نہیں ہوسکا، لہٰذا ڈاکٹر حضرات بھی باقی مخلوق کی طرح اس پوشیدہ علم کے جاننے سے قاصر ہیں۔



ب- آلات کے ذریعے سے علم بذات خود علم غیب کی تعریف کے منافی ہے:

''علم غیب'' کی تعریف آپ پہلے پڑھ چکے ہیں، یہ ایسے علم کا نام ہے جو حواس ظاہری و باطنی، اور ظاہری و باطنی ذرائع معلومات اور وسائل آگہی کے بغیر اس کے جاننے والے کو معلوم ہو، وہ جب بھی چاہے تو ہر پوشیدہ بات کا اسے علم ہو جائے۔ ان وسائل کے استعمال کیے بغیر، لہذا جدید آلات سے جو بات بھی سمجھ میں آئے اسے قطعاً ''علم غیب'' نہیں کہا جائے گا اور اس کے جاننے والے کو ''عالم الغیب'' کی صفت نہیں دی جائے گی۔

عالم الغیب کے لئے نہ ظاہری وسائل کی ضرورت ہے اور نہ اس کے حاصل کرنے کیلئے کسی زمان و مکان کی اس کے لئے کوئی قید ہے۔ محنت، تجربہ اور ظاہری اسباب سے حاصل ہونے والا علم، اگر علم غیب شمار ہونے لگے تو ریڈیو، ٹیلیویژن، ٹیلیفون، وائرلیس (موبائل فون) اور دیگر ذرائع اطلاعات و ابلاغیات سے ہزاروں لاکھوں میل دور سے ملنے والی خبروں کے معلوم کر لینے کے بعد خود انہی اسباب و ذرائع اور وسائل و آلہ کو ''عالم الغیب'' کہنا چاہیئے۔ جبکہ کوئی بھی ذی شعور انسان اس طرح کے دعوی کیلئے تیار نہیں ہے۔ لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمہ قسم کے وسائل سے مہیا ہونے والا علم قطعی طور پر ''علم غیب'' نہیں ہے۔

ج- حمل کے مختلف مراحل:

۱- ''نطفہ''

مادہ رحم میں جنین (حمل) کا پہلا مرحلہ بے شکل و صورت بدبودار پانی کا ہوتا ہے، جو اعضاء و جوارح کی زینت سے محروم اور کسی بھی انسانی یا حیوانی شکل و صورت سے مُبرّا ہوتا ہے۔ جو نر کی صُلب اور مادہ کے ترائب (سینے کی ہڈیوں) سے خارج ہو کر رحم میں جا کر ٹھہر جاتا ہے۔ حمل کے اس مرحلہ میں اگر کائنات کے سارے اطباء ڈاکٹر، تجربہ کار اور بلند پایہ ماہرین اکٹھے ہو جائیں اپنی ذہنی توانائیوں کے ساتھ ہر میسر آلہ استعمال کریں، پھر بھی رحم مادر میں مستقر نطفہ کی کیفیت اور ہیئت کو نہیں جان سکتے۔

۲- ''غیض''

مختلف حالات اور فطری تغیرات کے ذریعے سے حمل میں ردوبدل کی کیفیت کو ''غیض'' کہا جاتا ہے۔ حمل کبھی نطفہ کی حالت میں ہوتا ہے تو کبھی خون کی حالت میں، اور کبھی گوشت کے بے جان لوتھڑے کی شکل میں۔ لفظ غیض کی تفسیر سمجھنے کیلئے پڑھیئے:

﴿ وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ ﴾ ①

اور ارشاد ہوا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا، اور اے آسمان تھم جا، اور پانی گھٹ گیا۔

---

① سورۃ ھود: ۴۴



لفظ "غیض الماء" کی تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ نے یوں فرمائی ہے:

أی شرع فی النقص. ①
یعنی پانی گھٹنا شروع ہو گیا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں ایک مقام پر حمل کے مراحل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وذلک ان من النساء من تحمل عشرة أشهر ومن تحمل تسعة أشهر ومنهن من تزید فی الحمل ومنهن من تنقص فذلک "الغیض" ②

اور یہ اس لیے کہ بعض عورتیں دس ماہ تک حمل اٹھاتی ہیں اور بعض نو ماہ تک، اور کچھ کی مدّت بڑھ جاتی ہے اور کچھ کی گھٹ جاتی ہے، اس (گھٹنے بڑھنے کے عمل) کو "غیض" کہا جاتا ہے۔

حمل جب "غیض" کے مرحلہ میں ہوتا ہے تو اسے نہ کوئی خاص صورت ملی ہوتی ہے اور نہ ہی اعضاء و جوارح کے خدوخال واضح ہوتے ہیں۔ ایسے مرحلہ میں خالق کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا کہ یہ بے شکل وصورت اور اعضاء سے محروم لوتھڑا نر ہے یا مادہ؟ ایک ہے یا دو؟ خوبصورت ہے یا بدصورت، سعادتمند ہے یا بدبخت، صالح ہے یا طالح؟ ظاہری آلات و وسائل اور تجربات تو دور کی بات ہیں بلکہ حمل کو اس خاص مرحلہ میں وہ فرشتے بھی نہیں جان سکتے جنہیں رب تعالیٰ نے رحم میں تخلیق پانے والے جنین کیلئے مقرر فرما رکھا ہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مفاتیح الغیب خمس لایعلمها الا الله. لایعلم ماتغیض الارحام إلا الله...... ③ (صحیح بخاری)

غیب کی کنجیاں پانچ ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ رحم مادہ میں کیا گھٹاؤ بڑھاؤ ہو رہا ہے۔

۳- مرحلۂ نمو وازدیاد:

یہ حمل کا تیسرا مرحلہ ہے، جس میں جنین گھٹنے بڑھنے کے عمل سے نکل کر مسلسل اضافے اور ترقی کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی مرحلہ میں جنین کو شکل وصورت اور اعضاء سے مزین کیا جاتا ہے۔ اور اسی حالت میں اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ اسی مرحلہ میں رحم کے امور سے منسلک فرشتوں کو رحم کے حالات وکیفیات کا تو پتہ چلتا ہے مگر وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بتانے سے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

① تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۴۶ ② تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۰۲
③ رواہ البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا، إن الله عنده علم الساعة وانزله بعلمه...... الساعة"



عن انس بن مالک عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ان الله عزوجل وکل بالرحم ملکا یقول: یا رب نطفة، یا رب علقة، یارب مضغة، فاذا اراد أن یقضی خلقهٔ قال: أذکر أم انثی، شقی أم سعید؟ فما الرزق والأجل؟ فیکتب فی بطن أمه . ① (صحیح بخاری)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کہ اللہ عزوجل نے رحم کیلئے فرشتہ مقرر فرمایا ہوا ہے، فرشتہ کہتا ہے اے میرے پروردگار نطفہ، اے میرے پروردگار خون کا جما ہوا ٹکڑا ہے، اے میرے رب (اب) لوتھڑا ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ اس کے پیدا کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے، نر یا مادہ، نیک بخت یا بد بخت، رزق کتنا اور عمر کتنی، تو یہ سب امور انسان کے لکھ لیے جاتے ہیں حالانکہ ابھی وہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ سورۃ لقمان کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وکذلک لایعلم ما فی الأرحام ممایرید ان یخلقهٔ تعالیٰ سواه. ولکن اذا أمر بکونه ذکرا أوانثی، أوشقیاً أوسعیداً علم الملائکة المؤکلون بذلک ومن شاء الله من خلقه . ②

اسی طرح اللہ تعالیٰ رحم مادہ میں ٹھہرے ہوئے حمل کو جب پیدا فرمانا چاہتا ہے تو اس امر کا صرف اسی کی ذات کو علم ہوتا ہے ہاں جب اس تخلیق پذیر ہونے والے حمل کے متعلق حکم دیتا ہے نر بنانے کا یا مادہ بنانے کا، بد بخت یا نیک بخت ہونے کا، تو اس لیے ان فرشتوں کو حمل کے بارہ میں علم ہوجاتا ہے۔ اور فرشتوں کے علاوہ انہیں بھی پتہ چل جاتا ہے جنہیں اللہ باخبر فرمانا چاہے۔

حمل کے مراحل کا ثبوت قرآن سے:

اللہ عزوجل نے رحم مادہ میں پرورش پانے والے جنین کے مختلف مراحل ومدارج کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثَى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ ﴾ ③

اللہ جانتا ہے اس کو جو کچھ کسی مادہ کے رحم میں ہوتا ہے اور جو کچھ مادہ کے رحم میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اور ہر شئ اس کے نزدیک ایک متعین اندازہ ہی سے ہے۔

---

① رواہ البخاری، کتاب الحیض، باب "مُخَلَّقَة وغیر مُخَلَّقَة"
② تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۵۳
③ سورۃ الرعد: ۸



''خلاصہ کلام''

حمل کی پہلے دونوں مرحلوں (نطفہ اور غیض) میں اللہ تعالیٰ کے سوال کوئی بھی مادہ کے پیٹ میں حمل کی کسی بھی کیفیت کو نہیں جان سکتا خواہ وہ کتنے ہی آلات استعمال کرے، البتہ تیسرے مرحلہ (نمو وازدیاد) میں اللہ تعالیٰ کے بتانے سے فرشتہ موکل کو حمل کی کیفیت کا علم ہو جاتا ہے۔ اس لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ ''یعلم مافی الارحام'' والی آیت عام ہے اور احادیث آیت کے عموم میں تخصیص پیدا کر رہی ہیں، احادیث کو رب تعالیٰ نے خود قرآن کا بیان قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ ①

اور ہم نے آپ پر بھی یہ نصیحت نامہ اتارا ہے تا کہ آپ لوگوں پر ظاہر کر دیں جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے اور تا کہ وہ غور وفکر سے کام لیا کریں۔

اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ڈاکٹر حضرات کو تیسرے مرحلے میں جدید آلات کے ذریعے سے حمل کی کیفیت کبھی کبھار معلوم ہو جاتی ہے تو بھی جو غیب دانی صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس میں ذرہ بھر خلل یا نقص لازم نہیں آتا۔ اس لیے کہ ان آلات سے حاصل شدہ علم قطعی ویقینی نہیں ہوتا۔ پھر علم غیب تو ہوتا ہی وہ علم ہے جو آلات، حواس، اور اسباب وذرائع کے استعمال واحتیاج کے بغیر ہو۔ اگر ڈاکٹر آلات کے استعمال سے ''علم غیب'' کا حامل ہو سکتا ہے تو پھر کیوں نہ اس آلہ کو بھی عالم الغیب کہہ دیا جائے جس کے ذریعے سے ڈاکٹر کو معلومات حاصل ہوتی ہیں؟ جب خود ذریعہ ''عالم الغیب'' نہیں ہے تو اس کے استعمال کرنے والا کس طرح عالم الغیب بن گیا؟

٤- وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا:

آیت میں لفظ ''نفس'' نکرہ ہے جو ''ما'' نافیہ کی بعد وارد ہوا ہے۔ نحوی اصول کے مطابق ایسا نکرہ جو نفی کے تحت وارد ہو عموم پر دلالت کرتا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ کوئی بھی نفس خواہ نبی ہو یا ولی، شہید ہو صالح، سیدزادہ ہو یا عام امتی، پیر ہو یا فقیر، مرشد ہو یا مرید، عالم ہو یا جاہل کوئی بھی ہو اسے آنے والے دن کے متعلق یہ تک معلوم نہیں ہے کہ وہ اس میں کیا عمل کرے گا اور کیا کمائے گا؟ جب اپنی حالت یہ ہے تو دوسروں کی قسمتوں کا حال کیسے جان سکے گا اور اگر جانے گا تو کس بنیاد پر؟

کل کی بات کو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی سید الأولین والآخرین جناب محمد ﷺ بھی نہ جانتے تھے۔ چنانچہ ایک بچی نے

① سورة النحل: ۴۴



اپنی عقیدت ومحبت کے جذبات میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق علم غیب کا دعوی کر دیا تو آپ ﷺ نے بلا تاخیر اس کی اصلاح فرمائی، اس سلسلہ میں صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے:

عن الرُّبیع بنت معوّذ بن عفراء قالت: جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل حین نبی عَلَیّ فجلس علی فراشی کمجلسک منی، فجعلت جویریات لنایضربن بالدف ویند بن من قتل من آبائی یوم بدر اذ قالت احداهن: وفینا نبی یعلم مافی غد فقال دعی ھذہ وقولی بالذی کنت تقولین. ① (صحیح بخاری)

سیدہ ربیع بنت معوذ بن عفراء کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ میری شادی کی موقع پر تشریف لائے، اور میرے بستر پر اسی طرح تشریف فرما ہوئے جس طرح تو بیٹھا ہے۔ اسی دوران ہماری کچھ بچیوں نے دف بجانا اور بدر کے موقع پر شہید ہونے والے میرے آباء کا تذکرہ شعروں میں پڑھنا شروع کر دیا۔ ان بچیوں میں سے ایک نے یوں کہدیا کہ، ہمارے درمیان تو نبی بھی موجود ہیں جو کل کی باتوں کو جانتے ہیں۔ (یہ لفظ سنتے ہی) آپ ﷺ نے اسے فرمایا، اس بات کو چھوڑو، بس وہی کہتی رہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔

غور فرمایئے کہ رسول اللہ ﷺ نے نابالغہ لڑکی کے منہ سے نکل جانے والے غلط قول کی اصلاح فرمائی، اس لیے کہ اس کے قول سے عقیدہ توحید میں نقص کا خطرہ تھا۔ آپ نے اسے نابالغہ تصور فرما کر نظر انداز نہ فرمایا بلکہ صفتِ باری تعالیٰ کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنے کی بچگانہ حرکت پر نقد فرمایا۔ جب لاعلمی میں ایسی بات کرنے والے پر اتنا نقد ہوسکتا ہے تو جو لوگ علم وفضل، جبہ ودستار اور القاب واعزازات کے ساتھ صفات باری تعالیٰ کو غیر اللہ کی طرف عمداً منسوب کریں، ان کے جرم کی کیا نوعیت ہوگی؟ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

نیز اس حدیث مبارکہ سے غلو کی مخالفت کی دلیل بھی ملتی ہے۔ عام طور پر شعراء حضرات انبیاء ومرسلین کی بالعموم اور خاتم الانبیاء سیدنا محمد ﷺ کی مدح میں ایسے اشعار اور نظمیں کہہ دیتے ہیں جن میں وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ حد سے بلاخوف وخطر، اور بلا کسی حیاء وحجاب کے گذر جاتے ہیں، ان شعراء حضرات کا چونکہ کاروبار ہوتا ہے وہ ہر فرقہ مشرکہ کے معبود ومسجود یا محبوب شخص کی مدح وثناء میں غلو آمیز اشعار کہہ کر اپنی دنیا بناتے ہیں اور اپنی اور دوسرے لوگوں کی آخرت کو برباد کر دیتے ہیں۔ شرک کی تعلیم دے کر مجرمانہ اور ناعاقبت اندیشانہ طرز عمل کرتے ہیں، یقیناً یہ گھاٹے کا سودا ہے، اللہ کو ناراض کر کے ابدی نعمتوں سے منہ موڑ کے مخلوق کو راضی اور ابدی ہلاکت وبربادی کو خرید لیتے ہیں۔

① رواہ البخاری، کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة



دلیل میں یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ شعروں میں اس طرح کا تصرف جائز اور مباح ہے۔ بھلا یہ کس نے جائز اور مباح کیا ہے۔ کتاب اللہ نے یا رسول اللہ ﷺ نے؟ شاعر رسول ﷺ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایسے غلو آمیز اشعار کیوں نہ فرمائے، اگر اس کا جواز تھا تو؟ بلکہ یہ سب شیطان کے پڑھائے اسباق ہیں، اور ذہن میں ڈالے گئے تخیلات وافکار ہیں، بھلا یہ کہاں لکھا ہے کہ نثر میں شرکیہ عبارت بولنا، تحریر کرنا، پڑھنا کفر کا موجب ہے۔ مگر اشعار میں یہ سب کچھ جائز ہے؟

۵- وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ:

آیت کے اس جملہ مبارکہ میں بھی لفظ ''نفس'' ''نکرہ نفی'' ''ما'' کے بعد واقع ہے جو نحوی قاعدہ کی رو سے عموم پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب بالکل واضح ہے کہ کوئی بھی انسان اعلیٰ سے ادنیٰ تک، افضل سے مفضول تک یہ نہیں جانتا کہ اس کی موت زمین کے کس حصہ پر واقع ہوگی؟ اس کا علم موت وحیات کے پیدا کرنے والے خالق کائنات کے پاس ہے۔

قارئین کرام! غور فرمایئے کہ جب کسی انسان کو اپنی موت کے مقام کا علم نہیں ہے تو وہ کسی دوسرے کو اس کی موت کے دن یا محل کے متعلق خبر کس طرح دے سکتا ہے؟ کیا ایسے کہنے والا یا ایسی خبریں دینے والا کذاب اور مفتری نہیں ہے؟ جو (معاذ اللہ) اپنے آپ کو کائنات کے رب اور موت وحیات کے مالک، اللہ جبار وقہار کے منصب پر فائز کرنے کی پلید اور بدبودار حرکت کا ارتکاب کر رہا ہے۔ غیب دانی کے جملہ دعویدار، نجوی، کاہن، فال باز کواکب ونجوم اور فلکیات کے (جھوٹے) ماہر علم رمل وجفر یا لوگوں کے دست شناس کے مدعی لوگ، الوہیت کے مدعی، جھوٹے، دغاباز، اور لٹیرے لوگ ہیں جو اپنی آخرت کو برباد کرنے کے بعد اللہ کے دوسرے بندوں کو جہنم کا ابدی ایندھن بنانا چاہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ، سورۃ لقمان کی اس آیت نے غیر اللہ سے غیب دانی کی نفی کر کے قیامت تک آنے والے جھوٹوں، مکاروں اور غالیوں کے چہروں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اپنے لیے یا کسی اور کیلئے علم غیب کے جاننے کا دعوی کرے گا تو یہ آیت اس کے قلب ودماغ پر قہر رب اور غضب الٰہی کی چوٹ بن جائے گی۔ واللہ غالب علی امرہٖ

دوسری بحث

اس بحث میں خاص طور پر قرآن وحدیث کی روشنی میں ان رسولوں سے ''علم غیب'' کی نفی کی جائے گی جنہیں ''اولوا العزم'' کا لقب ملا ہے۔ علم غیب کا موضوع انتہائی طویل اور تفصیل طلب موضوع ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم تفصیل سے

اجتناب کرتے ہوئے صرف چند آیات پر اکتفاء کرینگے جن میں اولوا العزم رسولوں کا ذکر ہوگا، اور اتنا ہی میرے خیال میں بصیرت مندوں اور تحقیق کے طلبگاروں کے لئے کافی ہوگا، یہ اعتبار کرنے کیلئے کہ جب اولوا العزم انبیاء ورسل جو کہ ساری مخلوقات سے افضل واعلیٰ ہیں اپنے اس برتر مقام ومرتبہ کے باوجود علم غیب نہیں جانتے تو دوسری مخلوق تو بدرجہ اولی اس صفت سے محروم ہوگی۔

''اولوا العزم'' رسولوں سے مراد کونسے رسول ہیں؟

اولوالعزم رسولوں سے مراد کونسے رسول ہیں؟ اس کے متعلق اختلاف ہے اور اس اختلاف کا موجب عام طور پر آیت ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ ① آپ صبر کیجئے جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا۔ کا مفہوم بنا ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک ''من الرسل'' کے جملہ میں لفظ ''من'' بیانیہ ہے جس کا معنی ہوگا کہ آپ صبر فرمائیں جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا۔ اس معنی کے مطابق تو تمام انبیاء مراد لیے جاسکتے ہیں کہ ہر نبی اور ہر رسول ہمت واستقلال بے مثال شجاعت وبسالت کا نمونہ ہے۔

امام ابن زید رحمہ اللہ کا رجحان اسی کی طرف ہے، آپ کے موقف کو امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے:

قال ابن زيد في قوله: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ قال كل الرسل كانوا أولي عزم لم يتخذ الله رسولاً الا كان ذا عزم فاصبر كما صبروا. ②

(امام) ابن زید اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ کے متعلق فرماتے ہیں کہ جملہ رسل صاحب عزم وہمت تھے، اللہ تعالیٰ نے جسے بھی رسول منتخب فرمایا وہ صاحب عزیمت تھا (لہذا معنی بنے گا) پس آپ تمام سابقہ انبیاء کی طرح صبر کریں۔

بعض دوسرے علماء کے نزدیک یہ ''من'' کا لفظ ''تبعیضیہ'' ہے جس کی رو سے آیت کا معنی بنے گا، آپ صبر کیجئے جس طرح رسولوں میں سے ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولوا العزم جملہ انبیاء ورسل نہیں بلکہ ان میں سے چند خاص رسول اور نبی ہیں۔ البتہ یہ علماء ان اولوا العزم رسولوں کی تعداد وتعیین میں باہم مختلف ہیں۔

---

① سورة الاحقاف: ۳۵

② تفسير الطبري ج ۲۶ ص ۲۴

③ سورة الانعام: ۸۳ تا ۸۷

بعض کے نزدیک اولوا العزم رسولوں کی تعداد ۵ ہے، اور بعض نے ان کی تعداد کو ۶ بیان کیا ہے۔ جبکہ بعض نے آیت "تِلْكَ حُجَّتُنَا" ③ سے استدلال کرتے ہوئے اولوا العزم رسولوں کی تعداد ۱۸ بیان کی ہے۔ اس سلسلے میں مزید اقوال بھی ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لیے ہم آپ کو آیت فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ کے تحت بیان ہونے والی سیر حاصل بحث کو تفسیر ابن کثیر، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن جریر الطبری اور تفسیر قرطبی میں ملاحظہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

ہم اس پیچیدہ اور تہ در تہ بحث میں پڑے بغیر صرف ان پانچ رسولوں کا ذکر کریں گے جو اپنی اولوا العزمی میں سب سے زیادہ مشہور و معروف ہیں جن کے اسماء گرامی، "سیدنا محمد ﷺ، سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام" ہیں۔ ان انبیاء علیہم السلام کا ذکر قرآن کریم کی دو سورتوں الاحزاب اور الشوریٰ میں وارد ہوا ہے۔ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقاً غَلِيظاً ﴾ ①

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی۔ اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔

اور سورۃ الشوریٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحاً وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ﴾ ②

اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کیا ہے، اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

اگر لفظ "اولوا العزم" کے لفظی معنی کو دیکھا جائے تو وہ اصحاب عزم و ہمت اور صبر کا بنتا ہے۔ جیسا کہ یہی معنی ترجمان القرآن مفسر صحابہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

قال ابن عباس: ذوو الحزم والصبر ③

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ اصحاب استقلال اور صبر تھے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ جملہ انبیاء ورسل علیہم السلام عزم، صبر، جرأت، ہمت اور استقلال و پختگی کے مالک تھے۔ اس اعتبار سے تو سب کے سب "اولوا العزم" کے اعزاز سے متصف نظر آتے ہیں، ان سب کی عظمت و ہمت سے قطع نظر یہ حقیقت بھی اپنی

① سورۃ الاحزاب: ۷
② سورۃ الشوریٰ: ۱۳
③ تفسیر القرطبی ج ۱۶ ص ۲۲

جگہ واضح ہے کہ آزمائش وابتلاء اور اپنی اپنی قوموں کی سنگدلی و بے رحمی کا مقابلہ کرنے کیلئے بعض انبیاء کو بعض پر ضرور فوقیت حاصل رہی ہے۔ ہم نے جن پانچ کا ذکر سورۃ الاحزاب اور سورۃ الشوریٰ کی حوالہ سے کیا ہے، واقعتاً کثرت امتحان، اور شدت ابتلاء اور کثرت صبر و استقلال میں ان پانچوں کا درجہ سب سے زیادہ نمایاں، ارفع، اور ممتاز ہے۔ مفسرین کرام کی غالب اکثریت بھی انہی پانچ رسولوں کو "اولوا العزم" شمار کرتی ہے۔ کتب تفسیر میں سے چند ایک کے حوالے نقل کیے جاتے ہیں۔

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ سیدنا عطاء خراسانی رحمہ اللہ کا قول سند کے ساتھ یوں نقل کرتے ہیں:

عن عطاء الخراساني انه قال: فاصبر كما صبر اولوا العزم من الرسل، نوح وابراهيم، وموسىٰ وعيسىٰ، ومحمد صلى الله عليه وسلم. ①

عطاء خراسانی کا قول ہے کہ (آیت) "فاصبر كما صبر اولوا العزم من الرسل" میں (اولوا العزم رسل سے مراد) نوح، ابراہیم، موسیٰ عیسیٰ اور محمد ﷺ ہیں۔

اسی طرح مذکورہ آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ سیدنا مجاہد رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

قال مجاهد: هم خمسة نوح وابراهيم، وموسىٰ، وعيسىٰ ومحمد عليهم الصلاة والسلام وهم أصحاب الشرائع. ②

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (اولوا العزم رسل سے مراد) پانچ ہیں، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد ﷺ اور یہی صاحبِ شریعت وقانون رسول ہیں۔

اسی طرح امام ابن کثیر رحمہ اللہ آیت "فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل" کے تحت لکھتے ہیں:

وقد اختلفوا في تعداد اولي العزم على أقوال وأشهرها انهم نوح وابراهيم وموسىٰ و عيسىٰ و خاتم الانبياء كلهم محمد صلى الله عليه وسلم قد نص الله تعالىٰ على أسمائهم من بين الأنبياء في آيتين من سورتي "الاحزاب" والشورىٰ. ③

اولوا العزم رسولوں کی تعداد میں متعدد اقوال ہیں، سب سے زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ یہ رسول، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور جملہ انبیاء کے خاتم محمد ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء میں سے ان کے ناموں کی صاف صراحت سورۃ الاحزاب اور سورۃ الشوریٰ میں فرمادی ہے۔

اور آیت

﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُوراً﴾ ④

اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض (دوسرے) نبیوں پر فضیلت دی ہے۔ اور ہم نے داؤد کو زبور دی ہے۔

---

① تفسیر الطبری ج ۲۶ ص ۲۴
② تفسیر القرطبی ج ۱۶ ص ۲۲۰
③ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۷۲
④ سورۃ الاسراء ۵۵



کی تفسیر میں مذکورہ بالا پانچ رسولوں کو ''اولوا العزم'' شمار کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اور علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

ولا خلاف ان الرسل افضل من بقية الانبياء وان اولي العزم منهم افضل وهم الخمسة المذكورون نصاً في آيتين من القرآن في سورة الأحزاب ﴿ واذ اخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح وابراهيم وموسىٰ وعيسىٰ بن مريم ﴾ وفي الشورىٰ في قوله:﴿ شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذى اوحينا اليك وما وصينا به ابراهيم وموسىٰ وعيسىٰ ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه ﴾ ①

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رسولوں کا درجہ نبیوں سے بلند ہے۔ اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اولوا العزم رسول باقی رسولوں سے افضل ہیں، ان اولوا العزم رسولوں کے اسماء کی نصاً تصریح قرآن کریم کی دو آیتوں میں وارد ہوئی ہے۔ سورۃ الاحزاب میں بیان ہوا ہے، ''اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا، اور آپ سے بھی، اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔'' اور سورۃ الشوریٰ میں ذکر ہوا ہے۔ ''اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا، اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کیا ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا، یعنی یہ کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔''

اولوا العزم رسولوں سے علمِ غیب کی نفی کا بیان

اولوا العزم رسولوں کی تعداد اور ان کے اسماءِ گرامی کی تعیین کے بعد اب ہم فرداً فرداً ہر رسول سے غیب دانی کا عدمِ ثبوت واضح کریں گے۔

① ابن كثير ج ۳ ص ٤٦ / واللفظ له/ فتاوى فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين ج ۲ ص ٥٠.



سیدنا نوح علیہ السلام سے "علم غیب" کی نفی

سیدنا نوح علیہ السلام پہلے اولوا العزم رسول ہیں۔ آپ نے دعوت دارشاد کے مقدس فرض کیلئے (۹۵۰) سال صرف فرمادیئے، ان کی دعوت کا عمل جہاں دن کے اجالوں میں جاری رہتا وہاں رات کی تاریکیاں اور سناٹے بھی آپ کی دعوت کی گونج سے محروم نہ رہے۔ اتنے طویل عرصہ کی انتھک محنت آپ کی مجرد خیر خواہی پر دلالت کرتی ہے اور قوم کی بدنصیبی اور سنگدلی کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ کہاں تک صبر کرتے، اذیتیں برداشت کرتے، جہاں خلوص کے جواب میں عداوت، رحم دلی کے بدلہ میں شدید درجہ کی سنگدلی، دعاؤں کے بدلہ میں اینٹ پتھر اور روڑے ہوں تو انسان تنگ آ جاتا ہے۔ بالآخر آپ علیہ السلام نے بدمعاش، بدکردار اور ناعاقبت اندیش اور بے بصیرت قوم کی ہلاکت کیلئے بددعا کیلئے ہاتھ بلند فرمادیئے۔

حقیقی بیٹے کے کفر و شرک سے لاعلمی:

سیدنا نوح علیہ السلام نے نوسو پچاس برس کی دعوت وارشاد کا خاطر خواہ نتیجہ ظاہر نہ ہونے اور قوم کی رشد و ہدایت سے نفرت اور کفر و شرک سے محبت کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے التجا فرمائی کہ اے میرے پروردگار! یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، ان سے پیدا ہونے والی اولاد سے بھی ایمان لانے کی توقع نہیں ہے، لہذا ان سب کو ہلاک فرمادے، اور کفار کا کوئی فرد بھی زندہ نہ رہے۔ یہ خود تو گمراہ ہیں اوروں کی آخرت بھی برباد کردینگے۔ سیدنا نوح علیہ السلام کا اپنا بیٹا "کنعان" بھی چونکہ مشرک تھا، اللہ تعالیٰ کا عذاب بدترین سیلاب کی شکل میں ظاہر ہوا تو دوسرے مشرکوں، ملحدوں اور اللہ کے دشمنوں کی طرح کنعان بھی عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آکر ڈوبنے والا تھا کہ باپ نوح علیہ السلام نے پدری شفقت اور خونی رشتہ کے پیش نظر اسے اپنے ساتھ نجات کی کشتی "سفینہ نوح" پر سوار ہونے کیلئے پوری قوت سے آواز دی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ ۝ قَالَ سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴾ ①

اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا، اور وہ کنارے پر تھا، کہ اے میرے (پیارے) بیٹے سوار ہو جا ہمارے ساتھ اور کافروں کے ساتھ نہ رہ، وہ بولا میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لیئے لیتا ہوں، وہ مجھے پانی سے بچالے گا، (نوح نے) کہا آج کے دن کوئی بچانے والا نہیں اللہ کے حکم (عذاب) سے، البتہ وہی جس پر وہ رحم کردے۔ اور دونوں کے درمیان موج

---

① سورۃ ھود: ۴۲، ۴۳



حال ہوگئی سووہ ڈوبنے لگا۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے اسی وقت اپنے بیٹے کی نجات کیلئے دعا فرمائی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے:

﴿ وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ﴾ ①

اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا، اور کہا اے میرے پروردگار میرا بیٹا تو میرے گھر والوں ہی میں سے ہے، اور تیرا وعدہ (بھی بالکل) سچا، اور تو تو ہر حاکم کے اوپر حاکم ہے۔

اللہ ذوالجلال والاکرام نے اپنے مجاہد وانتھک داعی، بے مثال ہمت سے مالا مال اور عزم واستقلال کی ناقابل شکست ایمانی چٹان جناب نوح علیہ السلام کی اس درخواست کا نہ صرف رد فرمادیا بلکہ آئندہ اس قسم کی دعاؤں سے نہایت ہی سخت انداز سے منع فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴾ ②

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا، اے نوح! یہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔ یہ ایک تباہ کار شخص ہے۔ سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست نہ کرو جس کی تمہیں خبر نہ ہو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آئندہ کہیں) نادان نہ بن جاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کفر و شرک سے آگہی نہیں تھی، چنانچہ جب نوح جیسے "جبل التوحید" کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقت الامر سے روشناس کرادیا گیا تو آپ نے اپنی لاعلمی پر مبنی سوال پر توبہ کا اظہار فرمایا، اور یوں دعا فرمائی:

﴿ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ ③

(نوح) بولے اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں آئندہ تجھ سے ایسی درخواست کروں جس کی مجھے خبر نہ ہو، اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

---

① سورة هود: ۴۵
② سورة هود: ۴٦
③ سورة هود: ۴۷



سیدنا نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کے کفر سے آگاہ کیوں نہ تھے؟:

سوال: بیٹا ہونے کی حیثیت سے ''کنعان'' ہمہ وقت رات دن بلکہ اپنی پوری زندگی اپنے باپ کے گھر میں بسا رہا، اس کی عادات، اطوار اور عقیدہ توحید سے وابستگی مخفی رہنے والے معاملات نہ تھے، تو سیدنا نوح علیہ السلام ایسا بلند فکر توحید کا داعی شرک کا دشمن اور اصلاح وخیر کے لیئے ہمہ وقت متحرک رسول کیوں کر حقیقت حال سے بے خبر رہا؟

جواب: یہ درست ہے کہ ''کنعان'' کافر تھا، اور سیدنا نوح علیہ السلام اس سے باخبر نہ تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ کنعان کا کفر وشرک اعلانیہ نہ تھا، ظاہراً وہ مسلم تھا، لیکن اندر سے اسلام اور اس کی تعلیمات وعقائد سے بغض رکھتا تھا، چنانچہ اس کے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے سیدنا نوح علیہ السلام نے دعا فرمائی، وگرنہ تو انہوں نے یہ دعا فرما رکھی تھی:

﴿ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّاراً ○ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِراً كَفَّاراً ﴾ ①

اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی (زندہ) نہ رکھ، اگر تو انہیں رہنے دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ ہی کرتے رہینگے، اور ان کے ہاں محض کافر و فاجر اولاد پیدا ہوتی رہے گی۔

ایسی جامع ومانع دعا کرنے والے حب فی اللہ، بغض فی اللہ اور عدل کے علمبردار رسول سے کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے کھلم کھلا کافر بیٹے کو کشتی پر دعوت دے اور ڈوب جانے کی صورت میں نجات کی درخواست فرمائے، اور باقی اس جیسے کافروں کیلیئے ان کے دل میں رحم پیدا نہ ہو؟ یہ ناممکن ہے، آیئے مفسرین کرام کے تشریحی اقوال کو پڑھتے ہیں۔ آپ پر ظاہر ہو جائے گا کہ ہمارا دعوی کس قدر حق کے موافق اور مدلل ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فطلب من الله تعالیٰ تخليصه بطريق من الطرق. إما بان يمكنه من الدخول السفينة، واما يحفظه على قمة جبل فعند ذلک اخبره الله تعالیٰ بانه منافق وانه ليس من أهل دينه. ②

سیدنا نوح نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کی نجات کا سوال کیا، چاہے اس کا ظہور کسی بھی طرح سے ہو جائے، یا تو اسے کشتی میں داخل ہونے کا موقع دیدے یا اسے کسی پہاڑی چوٹی پر محفوظ فرمالے۔ عین اسی وقت اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو

① سورة نوح: ۲۷

② مفاتيح الغيب ج ۱۸ ص ۶



خبر دی کہ آپ کا بیٹا منافق ہے اور آپ کے دین کو ماننے والوں میں سے نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: فلا تسألن مالیس لک به علم کی تفسیر میں امام نیسابوری رحمہ اللہ علماء محققین کی رائے کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال المحققون: الظاهر أن ابنه كان منافقا، فلذلك اشتبه أمره على نوح وحمله شفقته الابوّة اولاً على دعوته الى ركوب السفينة، فلما حال بينهما الموج لجأ الى الله فى خلاصه من الغرق فعوتب على ذلك. ①

اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا منافق تھا۔ اسی بناء پر سیدنا نوح پر اس کا معاملا مشتبہ ہو گیا، اور اسی پوشیدہ معاملہ کی خبر نہ ہونے سے پہلے تو پدری شفقت سے مغلوب ہو کر اسے کشتی پر چڑھ آنے کے لئے پکارتے ہیں، لیکن جب طوفان کی لہر ان دونوں کے درمیان حائل ہوگئی تو فوراً اللہ کی جناب میں ملتجی ہوئے تا کہ اب بھی وہ اس (کنعان) کو غرقابی سے بچالے، اس پر سیدنا نوح علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت تنبیہ کی گئی۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ بغدادی فرماتے ہیں:

ولم يكن عالما بكفره اذ ذاك لانه لم يكن مجاهراً به والالم يدع له بل لم يدعه ايضا. ②

دعا کرتے وقت سیدنا نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کفر کا علم نہ تھا، وگرنہ وہ اس کیلئے دعا بالکل ہی نہ فرماتے، اور نہ ہی اسے کشتی پر سوار ہونے کیلئے بلاتے۔

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات اور اس کے ذیل میں لکھی گئی معتمد مفسرین کی تشریحات سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کفر کا قطعاً علم نہ تھا۔ وگرنہ ان جیسا غیور فی اللہ رسول، توحید کا داعی اول، شرک کا دشمن اول اپنے کافر بیٹے کو نہ کشتی پر سوار ہونے کی دعوت دیتا اور نہ ہی غرقابی یا بربادی سے نجات کی بارگاہ رب تعالیٰ میں ہاتھ پھیلاتا۔

نتیجہ کلام:

جب سیدنا نوح علیہ السلام جیسے صاحب العزم رسول کی یہ حالت ہے کہ انہیں اپنے ساتھ رہنے والے، رات دن بسر کرنے

---

① تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۱۲ ص ۳۸
② تفسیر روح المعانی ج ۱۲ ص ۷۰

والے اور جملہ امور میں شرکت کرنے والے بیٹے کے عقیدے کا علم نہیں ہے، تو قبر میں مدفون حضرات کو دنیا والوں کے احوال کا کیسے پتہ چل سکے گا؟

بس یہ شرک کے بیوپاریوں کی روزی کا مسئلہ بنا ہوا ہے کہ جاہل لوگوں کو جھوٹی بے بنیاد اور شیطان کی القاء کردہ خرافات نما کہانیاں سنا کر مردہ پرستی کا قائل کرتے ہیں اور ان سے اس بنیاد پر بھاری نذرانے وصول کرتے ہیں۔ ان مشرک بے کار پیروں کا شاہانہ انداز، پر تعیش مکانات، آسودگی سے مالا مال عمارتیں اور سواریاں، خدمت گذار اور نوکروں کی تعداد یہ سب کچھ مُردوں کی تجارت سے حاصل کردہ ہے۔ اللہ اور اس کے قرآن کو جھٹلانے والے اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے انحراف کرنے والے انسان نما شیطانوں کو موت کی دہلیز عبور کرتے ہی پتہ چل جائے گا کہ شرک کا کاروبار کس قدر خسارہ والا ہے اور توحید کا انکار کس قدر بربادی کا موجب ہے اور توحید کی دعوت دینے والوں سے نفرت کس قدر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ کیا خوب کہا کسی عرب شاعر نے:

فسوف ترى اذا انكشف الغبار

أفرس تحت رجلك أم حمار

''جونہی غبار چھٹے گا، تجھے بہت جلد خبر لگ جائے گی کہ تیرے پاؤں کے نیچے (بطور سواری) گھوڑا تھا، یا گدھا؟'' (جب موت آ جائے گی تو آنکھوں پر بڑی دھول اور دل ودماغ پر جما ہوا حرص کا خمار اتر جائے گا۔!!)

جد الانبیاء سیدنا ابراھیم علیہ السلام سے ''علمِ غیب'' کی نفی

اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات، افعال اور صفات میں شراکت حصہ داری اور سانجھ بہت ہی ناپسند ہے۔ حتی کہ اس نے جسے اپنا ''خلیل'' بنایا اور بڑی بڑی ابتلاء آت پر ثابت قدمی اور صبر واستقامت اختیار کرنے کی وجہ سے مقامِ خلت عطا فرمایا، پوری دنیا کی امامت کا منصب عطا فرمایا، اور اس کی نسل سے انبیاء کا سلسلہ جاری فرمایا، اس کے ہاتھوں اپنے بیت مکرّم کو تعمیر کرایا، اس کے بیٹے اسمٰعیل کی نسل سے امام الاولین والآخرین صاحب مقام محمود وحوض کوثر سیدنا محمد ﷺ کو پیدا فرمایا، اور قیامت تک آنے والے جملہ جن وانس کا ہادی وپیشوا بنایا۔ ایسے عظیم ترین جد الانبیاء نبی ورسول سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنی خاص صفات و افعال میں شریک نہ فرمایا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ۝ فَرَاغَ إِلَى أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ۝ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ

کیا آپ تک ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت پہنچی ہے جبکہ وہ ان کے پاس آئے پھر (ان کو) سلام کیا، (انہوں نے بھی) سلام کا جواب دیا (یہ) انجان لوگ تھے۔ پھر آپ



﴿ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۝ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴾ ①

اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک موٹا فربہ بچھڑا لائے پھر اسے ان کے پاس لا کر رکھا (اور) کہا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ پھر ان سے دل میں خائف ہوئے وہ بولے آپ ڈریئے نہیں، اور ان کو ایک بڑے عالم لڑکے کی بشارت دی۔

ان آیات مبارکہ میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل معلوم کیے بغیر حقیقی مراد تک پہنچنا مشکل ہوگا۔

تفصیل اس واقعہ کی یوں ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو دانا وعلیم بیٹے کی ولادت کی خوشخبری دینے کیلئے فرشتے بھیجے چونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کی تکریم و خاطرداری کے معاملہ میں بہت مشہور تھے، چار دانگ عالم ان کی اس فضیلت کا چرچا تھا، فرشتے ان کے پاس انسانی شکل میں پہنچے لہذا نظر بظاہر آپ فوراً اٹھ کر گھر تشریف لے گئے اور ایک نہایت ہی موٹا بچھڑا ذبح کر کے بھون اور تیار کر کے نووارد مہمانوں کے آگے رکھدیا۔ کھانا، پینا فرشتوں کی فطرت میں داخل نہیں ہے، اس لیئے انہوں نے بچھڑے کی طرف ہاتھ ہی نہ بڑھائے، کھاتے ہوتے تو بڑھاتے؟ فطرتی طور پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام خوفزدہ ہوگئے، اور دل میں یہ سوچنے لگے کہ یہ نووارد مہمان جو کھانا نہیں کھانا چاہتے کہیں ان کے دشمن یا ڈاکو نہ ہوں؟ کہ جو نمک حرامی کے ڈر سے کھانا نہیں کھا رہے، اس وقت کے ڈاکو آج کل کے ڈاکوں کی طرح نہیں تھے کہ کھانا کھاتے، چائے پانی پیتے، بلکہ اس کا مطالبہ کر کے انتظام کراتے ہیں، پھر اسی ہی گھر کی عصمت آبرو، جان اور مال پر ہاتھ بڑھا دیتے ہیں، پہلے ایسے نہ تھا پہلے جس برتن میں کھاتے پھر اسی میں پیشاب کرنے کا رواج نہ تھا۔ یہ آج کل کے بے ضمیر، بے ایمان، قیامت سے نڈر اللہ کے عذاب سے قطعا نہ ڈرنے والے لٹیروں اور مال وزر کی لالچ میں قرآن کریم کو لاتیں مارنے والے کمینہ خصلت ڈاکوؤں کا دور نہ تھا، ڈاکہ مارنا مقصود ہوتا تو وہ لوگ اس گھر کے نمک پانی کو ہاتھ تک نہ لگاتے، مگر آج جدید دور ہے، لہذا ڈاکو بھی جدت پسند اور ترقی یافتہ ہوگئے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ واقعہ کئی مقامات پر بیان ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ ہود اور سورۃ الحجر وغیرہ میں۔

واقعہ کا ماحاصل

اس میں کئی قسم کی دلالتیں موجود ہیں، مثلاً

۱- پہلے مرحلے میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو باوجود اولوالعزم رسول ہونے کے، یہ علم نہ ہوسکا تھا کہ نووارد مہمان حقیقتاً انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں جو انسانی روپ دھار کر میرے سامنے نمودار ہوئے ہیں تبھی تو اُنہیں انسان سمجھتے ہوئے بچھڑا بھون کر لے آئے۔

① سورۃ الذاریات ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸



۲- دوسرے مرحلہ میں وہ آنے والے اپنے مخلص خوشخبری دینے والوں کو اپنا جانی دشمن سمجھ کر خوفزدہ ہو گئے کہ یہ عجیب مہمان ہیں جو کھاتے نہیں، یقیناً یہ دشمن ہو سکتے ہیں جن کے ارادے درست نہیں ہیں۔

۳- تیسرے مرحلہ میں یہ دلالت بھی ملتی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی کی طرح معزز و مکرم فرشتے بھی حالات سے "لاعلم" تھے، کہ ان کے سامنے سے اٹھ کر میزبان خلیل اللہ اپنے گھر تشریف لے گئے، کس لئے گئے، ہمیں انسان سمجھ کر کیا تیار کر رہے ہیں۔؟ اگر انہیں حقیقت حال کا علم ہوتا تو اپنی اصلیت بعد میں ظاہر کرنے کی بجائے اسی لحہ واضح کر دیتے کہ جناب ہم انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں، لہذا آپ ہمارے لیئے کھانے وغیرہ کا تکلف نہ فرمائیے۔ علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أی ذهب الیهم علی خفیة من ضیفه . ①

یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمانوں سے چھپ کر گئے تاکہ انہیں معلوم نہ ہو سکے کہ کہاں جا رہے ہیں۔

شاید کوئی "غیب دانی کی صفت الٰہیہ کو تقسیم کرنے والا" یہ کہہ دے کہ جی! یہ تو چھوٹے فرشتے تھے لہذا انہیں علم نہ ہو سکا بڑے فرشتوں کو تو غیب کا علم ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بھائی! یہ کوئی عام فرشتے نہیں بلکہ یہ تمام فرشتوں کے سردار اور سب سے افضل واعلیٰ تھے جنہیں مفسرین کرام نے سیدنا جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے نام کی تصریح سے بیان کیا ہے۔

مفسر ابن جریر الطبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهم فیما ذکر کانوا جبریل وملکین آخرین، وقیل ان الملکین الآخرین کانا میکائیل واسرافیل. ②

بیان کیا جاتا ہے کہ وہ فرشتے (سیدنا) جبرئیل اور دو دوسرے فرشتے تھے، کہا جاتا ہے کہ یہ دوسرے دو فرشتے میکائیل اور اسرافیل (علیہم السلام) تھے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ دوسرے اصحاب تحقیق مفسرین کا متفقہ قول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد نقل المفسرون ان الملائکة کانوا ثلثة جبریل ومیکائیل واسرافیل صلی اللہ علیهم وسلم. ③

مفسروں نے یہ بات نقل کی ہے کہ فرشتے تین تھے، جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم الصلاۃ والسلام۔

مذکورہ بالا مفسرین کرام کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتے سید الملائکہ اور

---

① روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۲
② تفسیر الطبری ج ۱۲ ص ۴۲
③ تفسیر القرطبی ج ۱۷ ص ۴۴ - روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۱



افضل الملائکہ تھے، اتنے عالی قدر، صاحب وجاہت اور افضیلت و اولویت کے مقام پر فائز فرشتوں کا یہ حال ہے کہ انہیں طعام کی تیاری کیلئے ابراہیم علیہ السلام کا اٹھ کے چلے جانا معلوم نہ ہوسکا، تو باقی فرشتوں کو غیب کا علم کیسے ہوسکتا ہے؟

قارئین کرام!

از راہِ انصاف غور فرمایئے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جیسے اولوالعزم رسول بھی اپنے سامنے بیٹھے ہوئے انسانی شکل میں فرشتوں کو نہ پہچان سکے، ان کے لیئے کھانے وغیرہ کا انتظام فرمانے لگے، پھر انہیں کھانے سے بے رغبت دیکھتے ہوئے خوفزدہ ہوگئے۔ پھر فرشتوں کی جماعت کے سردار جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے سامنے سے اٹھ کر ضیافت کا اہتمام کرنے والے عالی مرتبت رسول انہیں انسان سمجھتے رہے۔ بلکہ انسان سمجھ کران کے آگے کھانا بھی لگا دیتے ہیں، لیکن فرشتوں کی یہ عالی وقار جماعت اپنے میزبان کے ارادے اور مستقبل کے پروگرام کو آخر تک نہ جان سکی تو سوچیئے کہ وہ اولیاء، صالحین اور بزرگانِ ملت جو صدیوں پہلے مر چکے، کئی گز گہری قبروں اور کئی من مٹی کے اندر مدفون ہو چکے ہیں، ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ہزاروں، لاکھوں میل سے اپنے پکارنے والوں کی پکار کو سنتے، ان کے دکھ درد اور مشکل و مصیبت کے جملہ حالات سے آگاہ رہتے ہیں۔ کہاں تک عقل، نقل، عقیدہ اور اسوہ رسول ﷺ اور طریق مؤمنین کے مطابق ہے!؟۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ''علم غیب'' کی نفی

اولوالعزم رسولوں میں ایک نام سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا آتا ہے۔ بڑے باہمت اور جری، راہ حق کے بے باک مجاہد رسول کا درجہ رکھنے والے، کائنات کے سب سے بڑے متمرد اور طاغوت ''فرعون'' کے مسلط کردہ مصائب و آلام کی پرواہ کیئے بغیر حق و عدل کا کلمہ بلند کرنے والے عظیم رسول، بنی اسرائیل کو ظلم و تعدی کی سیاہ و تاریک رات سے نکال کر آزادی، حریت اور درست عقیدہ کی فجر بازغ سے روشناس کرنے والے نڈر رسول، وادی سیناء میں تجلی و نور سے لبریز جبل طور پر سے رب السموات والارض سے شرف کلام سے مشرف ہونے والے بنی اسرائیل کے قابل فخر رسول، مگر ان تمام اوصاف حمیدہ کے باوجود ''علم غیب'' کی صفت بلکہ کسی بھی صفت الٰہیہ میں رب تعالیٰ کے شریک نہیں، چونکہ ہمارا موضوع اس بحث میں اولوالعزم رسولوں سے علم غیب کی نفی تک محدود ہے، لہذا ہم صرف اسی پر اکتفا کرینگے۔ آیئے قرآن پاک پڑھتے ہیں وہ کیا ارشاد فرماتا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَانٌّ وَّلّٰى اور تم اپنا عصا ڈال دو، پھر جب انہوں نے اسے دندناتا ہوا



مُدْبِراً وَلَمْ يُعَقِّبْ يَا مُوسَى أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ﴾ ①

دیکھا جیسا کہ پتلا (تیز) سانپ تو وہ پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا) اے موسیٰ! آگے آؤ، اور ڈرو مت، تم (ہر طرح) امن میں ہو۔

یہ آیت ان دو عظیم معجزات پر دلالت کر رہی ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ''بقعہ مبارکہ'' میں خلعت رسالت عطا ہونے کے بعد ملے، ایک تھا چمکتا دمکتا بے داغ وعیب ہاتھ، اور دوسرا عصا۔ ویسے آپ کے معجزات صرف یہ دو نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء میں نو معجزات کی تصریح فرمائی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَاسْأَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَى مَسْحُوراً ﴾ ②

اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی ہوئی نشانیاں دی تھیں، جبکہ وہ بنی اسرائیل کے پاس آئے تھے، سو آپ ان سے پوچھ دیکھئے، پھر فرعون نے ان سے کہا: اے موسیٰ! میں تو تمہیں سحر زدہ سمجھتا ہوں۔

چونکہ عصا اور ید بیضاء مشہور اور معروف معجزے ہیں، اس لئے اکثر طور پر انہی دو کا ذکر ہوتا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی مد مقابل باطل قوتوں کے سامنے اپنے ہاتھ والی لاٹھی کو زمین پر ڈال دے، ہمیشہ ہاتھ میں رہنے والی ایک عام سی لاٹھی زندہ و متحرک سانپ بن گئی۔ طبعی طور پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس حیرت انگیز عمل سے خوف زدہ ہو گئے، انسانی فطرتی داعیہ کے تحت پیچھے کی طرف اس طرح بھاگے کہ پلٹ کر دیکھنے کی ہمت بھی نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَا مُوسَى أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ﴾ ③

اے موسیٰ! آگے آجاؤ، ڈرو نہیں آپ ہر قسم کے امن میں ہیں، (آپ کو کسی گزند کا کوئی اندیشہ نہیں کرنا چاہیئے۔)

غور فرمایئے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایک موذی سانپ ہی سمجھ لیا، جبھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ اندیشہ لیئے ہوئے کہ یہ سانپ کہیں مجھے ڈس نہ لے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دی کہ یہ سانپ وہی لاٹھی ہے جسے تم اپنے ہاتھ میں رکھا کرتے ہو۔ یہ کوئی ایک موذی سانپ نہیں ہے، اور نہ ہی یہ تمہیں کوئی نقصان پہنچائے گا۔

آیت کا ماحاصل:

اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کیلئے کسی ''مافوق الفطرت'' زیرکی کی ضرورت نہیں ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لاٹھی

① سورۃ القصص: ۳۱
② سورۃ الاسراء: ۱۰۱
③ سورۃ القصص: ۳۱

زمین پر پھینکنے کے بعد کی صورتحال کا علم نہ تھا، کہ سانپ بن جائے گا اور پھر وہ کوئی نقصان بھی نہیں دے گا۔ اگر انہیں یہ سب کچھ معلوم ہوتا تو وہ اطمینان سے کھڑے رہتے، ڈر کر نہ بھاگتے، ایسے خوفزدہ نہ ہوتے کہ پیچھے کی طرف مُڑ کر بھی نہ دیکھتے۔ جبکہ یہی لاٹھی بعد میں ساحروں کی جماعت اور فرعون اور اس کے حواریوں کے سامنے پہلے کی طرح سانپ بن گئی تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نہ ڈرے، نہ سہمے بلکہ اپنی جگہ پر قائم رہے، کیونکہ اب کی مرتبہ انہیں حقیقت حال کا علم ہو چکا تھا، اور اس کا تجربہ و مشاہدہ ان کے علم میں آ چکا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَالَ مُوسَى يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ○ حَقِيقٌ عَلَى أَن لَّا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ○ قَالَ إِن كُنتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ○ فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ○ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ○ قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ﴾ ①

اور موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون میں پروردگار عالم کی طرف سے بھیجا گیا ہوں، قائم ہوں اسی پر کہ میں کوئی بات اللہ پر گھڑ کر نہ کہوں البتہ حق ہی (کہوں گا) میں تمہارے پالنہار کی طرف سے کھلا نشان لے کر آیا ہوں سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے۔ (فرعون) بولا اگر تم کوئی نشان لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو، اگر تم (اپنے دعوی میں) سچے ہو، اس پر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا سو وہ دفعۃً ایک صاف سانپ بن گیا۔ اور (باہر) نکالا اس نے اپنا ہاتھ تب وہ سفید چمکتا ہوا تھا دیکھنے والوں کیلئے، کہا سرداروں نے فرعون کی قوم میں سے، یقیناً یہ تو جادوگر ہے بڑا ماہر۔

قارئین کرام!

دیکھئے اور غور کیجئے لاٹھی وہی ہے، پہلی مرتبہ کے سانپ بن جانے کے بعد موسیٰ علیہ السلام بے حد مرعوب اور خائف ہیں، دوسری جگہ بھی یہی لاٹھی ہے، پھینکنے کا انداز بھی وہی ہے، مگر اس مرتبہ نہ بھاگے، اور نہ خوفزدہ ہوئے، جبکہ پہلی مرتبہ کی حالت اس سے قطعاً مختلف تھی۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ پہلے نہ علم تھا، اور نہ کوئی تجربہ و مشاہدہ، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے انہیں آگاہ کیا گیا تھا۔ اس مرتبہ تو لاٹھی صرف پتلا سا تیز سانپ نہیں بلکہ خوفناک عظیم الجثہ سانپ بن گیا مگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے طرزِ عمل میں ''خوف و دہشت'' نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ اولاً حقیقت حال سے بے خبر تھے، بعد میں اللہ کی اطلاع سے باخبر ہو گئے۔ اس لیئے بھاگے نہیں۔

① سورۃ الاعراف: ۱۰۴ تا آیت ۱۰۹

امام ابن کثیر رحمہ اللہ آیت وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا① کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای تضطرب كانها جان ولى مدبرا ای فی حركتها السريعة، مع عظم خلقتها وقوائمها، واتساع فمها واصطكاك أنيابها و أضراسها بحيث لاتمر بصخرة الا ابتلعلها تنحدر فی فيها تتقعقع كانها حادرة فی وادٍ فعند ذلك ولى مدبرا ولم يعقب ای ولم يكن يلتفت لان طبع البشرية ينفرّ من ذلك ②

یعنی وہ سانپ لہرانے لگا گویا کہ وہ پتلا اور نازک سانپ ہو (اسی لیئے) سیدنا موسیٰ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے (پتلے سے مراد) اس کی تیز ترین رفتار تھی۔ حالانکہ قد و کاٹھ اور اپنی خلقت کے اعتبار سے وہ بہت بڑا تھا، منہ بہت کھلا اور چرچراہٹ دار نیش اور واڑھوں والا، کہ جس بھی چٹان سے گذرتا اسے نگل جاتا، چٹان اس کے منہ میں ڈھلکتی چلی جاتی اور ایسے گرتی گویا کہ وہ کسی گہری وادی کے اندر گری جاری رہی ہو۔ اس حالت کو دیکھتے ہی سیدنا موسیٰ علیہ السلام پیٹھ پھیر کر بھاگے اور مڑ کر بھی پیچھے نہ دیکھا یعنی وہ اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہو سکے، اس لیئے کہ انسانی طبائع (ایسے خوفناک منظر سے) خوفزدہ ہو جاتی ہیں

قابل غور نتیجہ:

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لاٹھی کے متغیر ہو جانے اور دوبارہ اصلی حالت میں آ جانے کا علم نہ ہو سکا، حالانکہ ان کا شمار اولوا العزم رسولوں میں ہوتا ہے۔ تو ایسے ظالم لوگوں کے عقیدہ کا کیا حکم ہے جو اپنے پیروں، بزرگوں اور ولیوں کو ما کان و ما یکون کا عالم قرار دیتے ہیں اور انہیں جملہ معاملات کا مشاہدہ کرنیوالے سمجھتے ہیں جبکہ انہیں دنیا سے رخصت ہوئے ایک طویل عرصہ بیت گیا، نبی و رسول کو موجود کا علم نہ ہوا اور انہیں غیر موجود کا علم ہو جائے؟

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا علم غیب سے "لاعلمی" کا صاف اظہار:

اولوا العزم رسل کے سلسلہ کے ایک در آبدار سیدنا عیسیٰ روح اللہ ہیں، ان کے آسمان کی طرف زندہ اٹھا لئے جانے کے بعد عیسائیوں نے انہیں اور ان کی پاکباز اور عفت مآب والدہ سیدہ مریم علیہا السلام کو اپنا اِلٰہ، حاجت روا، اور مشکل کشا بنا لیا۔ ان کے نام لے کر مرادیں طلب کرنا، ان کے نام کی نذر و نیاز دینا، منتیں ماننا ان کا معمول بن گیا۔ توحید کی دعوت دینے والے رسول

---

① القصص: ۳۱.
② تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۸

کومعبود و مسجود قرار دیکران کی عبادت کرنا مذہب کی شناخت بن گیا۔ چونکہ عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ عیسیٰ الٰہ اور ابن الٰہ اور ان کی والدہ ام الٰہ ہیں، یعنی بقول ان کے یہی سیدنا عیسیٰ کی تعلیم کا ماحصل ہے۔ اس لیئے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے عیسیٰ لوگ تمہیں اور تمہاری والدہ کو الٰہ کہتے رہے ہیں۔ تو کیا یہ آپ کی تعلیم کا اثر ہے یعنی یہ کہ تم نے کہا تھا کہ مجھے الٰہ بنالو، اور میری والدہ کی بھی پرستش کرو؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللّٰهِ ﴾ ①

اور جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہد یا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنالو۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام عرض کرینگے:

﴿ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴾ ②

(عیسیٰ) عرض کرینگے پاک ہے تو، میرے لیئے یہ کسی بھی طرح ممکن نہ تھا کہ میں ایسی بات کہہ دیتا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہ تھا۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو یقیناً تجھے اس کا علم ہوتا، تو جانتا ہے جو کچھ میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے نفس میں ہے۔ بے شک تو ہی تو ہے پوشیدہ چیزوں کا علم رکھنے والا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بالکل واضح اور صاف اعلان فرمارہے ہیں کہ "میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اسے نہیں جانتا"، یہ اپنے متعلق غیب دانی کا عقیدہ رکھنے والوں سے کھلا اظہار برآءت ہے۔ اس لیئے کہ عالم الغیب وہی ہوسکتا ہے جس سے کائنات کی کوئی بھی شئی مخفی نہ ہو۔ نیز آپ علیہ السلام کے اقرار لاعلمی سے ثابت ہوجاتا ہے کہ آپ آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے بعد اپنی امت کے اجتماعی وانفرادی احوال سے بے خبر ہیں، جیسا کہ بعد میں اس کا بیان ہوگا۔

آیت میں وارد لفظ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ کی تفسیر میں امام نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والمعنى تعلم معلومي ولا اعلم معلومك ③

ترجمہ: مطلب یہ ہے کہ تو میری معلومات کا دانا ہے، مگر مجھے تیری معلومات کا علم نہیں ہے۔

① و ② سورة المائدة: ۱۱٦

③ تفسير المدارك ج ۱ ص ۳۱۰

اورامام قرطبی رحمہ اللہ نیز یوں ہی تفسیر کرتے ہیں:

"یعنی تعلم ما اعلم ولا اعلم ما تعلم" ①

یعنی تجھے میرے "علم" کے متعلق مکمل آ گہی ہے مگر میں تیری "معلومات" سے بے خبر ہوں۔

نیز قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔

یعنی تعلم ما اخفیه فی نفسی ولا اعلم ما تخفیه من المعلومات ②

یعنی تجھے میرے دل میں مخفی باتوں کا ادراک وعلم ہے، لیکن مجھے تیری پوشیدہ معلومات کا علم نہیں ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور "نبوت ورسالت" کی ادائیگی اور اخلاص کے متعلق بیان فرمانے کے بعد اپنی غیر موجودگی میں قوم کی بے راہ روی، ضلالت، اور بدکرداری سے صاف برآءت کا اظہار کرتے ہوئے فرمائینگے:

﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ ③

میں نے تو ان سے کچھ نہیں کہا تھا سوا اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی میرے اور اپنے پروردگار اللہ کی عبادت کرو، میں ان پر گواہ رہا جب تک میں ان کے درمیان رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اُٹھا لیا (جب سے) تو ہی ان پر نگران ہے۔ اور تُو تو ہر چیز پر گواہ ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یقول: وانت تشهد علی کل شئ لانه لایخفی علیک شئ وامّا أنا فانما شهدت بعض الأشیاء وذلک ماعاینت وأنا مقیم بین أظهر القوم فانما أنا أشهد علی ذلک الذی عاینت ورأیت وشهدت ④

(سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) عرض کرینگے (اے اللہ!) تو ہر چیز پر گواہ ہے، اس لیئے کہ کوئی بھی شئی تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ باقی میں نے بعض چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے اور یہ بھی وہی ہیں جن کو میں اپنی قوم کے درمیان رہتے ہوئے دیکھتا رہا ہوں۔ بس مجھے انہی مشاہدے، معائنے اور نظر میں آ جانے والی کچھ باتوں کا علم ہے۔

---

① تفسیر القرطبی ج ۶ ص ۳۷۶، تفسیر الخازن ۲/۱۱۴

② تفسیر المظهری ج ۳ ص ۲۰۸

③ سورة المائدة: ۱۱۷

④ تفسیر الطبری: ج ۷ ص ۹۰



آیت سے حاصل شدہ درس:

یہ آیت ایک کھلا اور غیر مبہم اعلان ہے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ کی طرف سے کہ قوم کے اندر موجودگی کے دوران قوم کے روزمرہ کے ایسے اعمال جو میرے مشاہدہ و معائنہ اور نظر میں آ گئے انکا تو مجھے علم ہے لیکن زمین سے اٹھا لیئے جانے کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا اعمال کرتے رہے، کن احوال سے متعلق ہو گئے، کیا عقائد و افکار اور تعلیمات انہوں نے اختیار کر لیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام غیب دان نہیں تھے، نہ نبوت و رسالت کی ادائیگی کے وقت اور نہ زمین سے زندہ اٹھائے جانے سے میدان محشر تک۔ امت مسلمہ کے متفقہ عقیدہ کی بنیاد پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں، مگر اس کے باوجود اپنی امت کے کردار، عقائد، افکار، اعمال اور احوال کا علم نہیں رکھتے، تو نہایت ہی نچلے درجہ کے مدفون حضرات کو اپنے مریدوں، پیروکاروں اور پکارنے والے عقید تمندوں کے احوال کی اطلاع کس طرح ہو سکتی ہے؟ **فاعتبروا یا اولی الابصار!**

خاتم الرسل محمد ﷺ کا علمِ غیب سے لاعلمی کا اعلان

امت مسلمہ کے ''غالیوں'' نے باقی انبیاء و رسل علیہم السلام کے متعلق بہت کم غلو کا اظہار کیا ہے جبکہ سیّد ولد آدم تاجدار ختم نبوت، امام الاولین والآخرین، رسول الثقلین، رحمۃ للعالمین جناب محمد ﷺ کی شان میں تو اتنا مبالغہ، حد سے تجاوز، غلو اور غیر مشروع عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے کہ الامان والحفیظ۔ (معاذ اللہ) آپ ﷺ کو کائنات کا مدبّر، قادر، مختار کل اور مالک کل امور ثابت کر دیا گیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات کو بدرجہ اتم آپ ﷺ کی ذات میں سمو دیا گیا ہے۔ ہماری اس بحث کا تعلق ''شرک فی العلم'' سے ہے، غالی فرقے، آپ ﷺ کو عالم الغیب، عالم ماکان و ما یکون، اور عالم باحوال الامۃ قرار دیتے ہیں، اور اس ''عقیدہ'' کو تسلیم نہ کرنے والوں کو بے ادب، گستاخ، اور ''بدعقیدہ'' ظاہر کرتے ہیں اور عوام الناس کو ان سے متنفر کرتے ہیں۔ تو آیئے ہم فیصلہ کیلئے رجوع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ رسول اللہ ﷺ ''غیب دانی'' کی صفت سے متصف ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تھے تو بدعقیدگی کا الزام غالیوں کو قرآن پر لگانا چاہیئے نہ کہ اس کے ماننے والوں پر؟

لیجیئے اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کے ذریعے اعلان فرماتا ہے:

﴿قُل لَّآ أَمۡلِكُ لِنَفۡسِي نَفۡعٗا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُۚ وَلَوۡ كُنتُ أَعۡلَمُ ٱلۡغَيۡبَ لَٱسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ ٱلۡخَيۡرِ وَمَا مَسَّنِيَ ٱلسُّوٓءُۚ إِنۡ أَنَا۠ إِلَّا نَذِيرٞ وَبَشِيرٞ لِّقَوۡمٖ يُؤۡمِنُونَ﴾ ①

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ہی ذات کیلئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا، اور نہ کسی ضرر کا۔ مگر اتنا ہی جتنا اللہ چاہتا ہے۔ اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو (اپنے لیئے) بہت سا نفع حاصل کر لیتا، اور کوئی مضرّت مجھ پر واقع نہ ہوتی۔ میں

① سورۃ الاعراف: ۱۸۸

تو محض ڈرانے والا، اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

آیت میں وارد الفاظ "لو کنت اعلم الغیب" کی تفسیر امام بغوی رحمہ اللہ نے اس طرح کی ہے:

ولو کنت أعلم الغیب ای متی الساعة لأخبرتکم حتی تؤمنوا وما مسنی السوء بتکذیبکم ①

اور اگر میں غیب کا علم رکھتا ہوتا یعنی جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی تو میں تمہیں اس کے متعلق آگاہ کر دیتا، تاکہ تم ایمان لے آتے اور مجھے تمہاری "تکذیب" سے اذیت لاحق نہ ہوتی۔

امام خازن رحمہ اللہ تفسیر فرماتے ہیں:

ولو کنت اعلم الغیب لأعلمتکم بوقت قیام الساعة حتی تؤمنوا وما مسنی السوء یعنی "قولکم" لو کنت نبیا لعلمت متی تقوم الساعة ②

اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو یقیناً میں تمہیں قیامت کے وقوع کے وقت کے متعلق آگاہ کر دیتا، تاکہ تمہیں ایمان نصیب ہو جاتا، اور مجھے تمہاری اس بات سے تکلیف نہ پہنچتی کہ "اگر تم نبی ہوتے تو تمہیں لازماً قیامت کے واقع ہونے کے وقت کا علم ضرور ہوتا۔"

نیز اس آیت کی تفسیر امام ابوحیان الأندلسی رحمہ اللہ یوں فرماتے ہیں

لا املک لنفسی اجتلاب نفع ولا دفع ضرٍ فکیف املک علم الغیب ③

میں (جب) اپنی ذات کیلئے نفع کے حصول اور نقصان سے تحفظ کا اختیار نہیں رکھتا تو "علم غیب" (کی صفت) کا مالک کیوں کر ہو سکتا ہوں؟

غالیوں کے لئے لمحہ فکریہ:

رسول اللہ ﷺ سے "علم غیب" جاننے کی نفی کتاب اللہ نے کی ہے۔ اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرایا جا رہا ہے۔ یہ آیت وقت نزول سے تا قیامت قرآن کا جزء ہے۔ اس طرح کی دیگر آیات بھی، تو جو لوگ اس "وحی الہٰی" کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو "عالم الغیب" نہیں مانتے تو ان پر ناراض ہونے، انہیں بدعقیدہ، گستاخ اور بے دین قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ سیدھے سبھاؤ کسی عدالت میں قرآن کریم کی ان آیات کے خلاف رٹ دائر کر دیں جو تمہارے خیال میں "بدعقیدگی"

① تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۲۳
② تفسیر الخازن ج ۲ ص ۳۲۳
③ البحر المحیط ج ۴ ص ۴۳۶



پھیلانے کا باعث بن رہی ہیں؟ اس لیے کہ جب تک یہ آیات اور قرآن موجود ہے تو ہر ماسوا اللہ کو عالم الغیب نہ ماننے کی یہ ''بدعقیدگیاں'' ضرور لکھی، بولی اور سنی جاتی رہیں گی! اگر جرأت ہو تو ایسا ضرور کریں، تا کہ نہ رہے سَر نہ اندیشہ دردِ سَر۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکیں گے، اس قرآن کو مٹاتے مٹاتے کئی مٹ گئے اور مر گئے۔ اور قرآن کریم کی یہ اعلانیات وتحدیات (چیلنج) تا قیام ساعت برقرار رہیں گی۔

رسول اللہ ﷺ کا اپنے لئے ''علم غیب'' کی صفت سے ایک اور انکار

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے:

﴿قُلْ مَا كُنتُ بِدْعاً مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ ①

آپ کہہ دیجئے کہ میں رسولوں میں کوئی انوکھا تو ہوں نہیں، میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا، اور تمہارے ساتھ کیا۔ میں تو بس اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

یعنی میں اپنے لیئے نہ غیب دانی کا دعویدار ہوں اور نہ ایسی قوتوں کا مالک جو قانون فطرت سے ماوراء ہیں، میں اسی طرح اللہ کا ایک بندہ ہوں جس طرح دوسرے بندے، فرق صرف اتنا ہے کہ میرا تعلق وحی الٰہی سے جڑا ہوا ہے اور میں توحید اور دین حق کی تبلیغ پر مامور ہوں۔

یہی بات جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے، اسے اہل توحید دہرائیں تو غالیوں کے نزدیک وہ بے ادب، بدعقیدہ اور گستاخ کہلاتے ہیں۔ دراصل وہ قرآنی دعوت توحید، اور عقیدہ کو ماننے والوں کو ''بدعقیدہ'' کہہ کر بالواسطہ قرآن کریم کو (معاذ اللہ) بدعقیدگی پھیلانے والی کتاب کہنا چاہتے ہیں، زبان کے الفاظ سے دل کی بات بہت ہی بڑی ہے۔ مگر اس کے اظہار کی جرأت وہمت نہیں کر سکتے، اور نہ کر سکیں گے۔ اس لیئے مجبوراً وہ اہل توحید کو گالیاں دیکر اپنے دل کو ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔

جیسے کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا:

تیری نیت کھلی تیرے طرز بیاں سے
نہ تھی دل میں تو کیوں نکلی زباں سے

اس آیت میں دو کلمات

۱ — ما یفعل بی، اور ۲ — ولا بکم

① سورۃ الاحقاف: ۹

کی تفسیر میں مفسرین سے متعدد اقوال منقول ہیں، ان میں سے جو قول راجح، صحیح اور حق کے زیادہ موافق ہے وہ یہ ہے کہ ان کلمات کے مخاطب مشرکین مکہ ہیں، اور جن چیزوں سے لاعلمی کا اظہار کیا جارہا ہے ان کا تعلق صرف اور صرف دنیا سے ہے۔

راجح قول کی تشریح:

مشرکین مکہ کی تکذیب کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ آپ مشرکوں سے کہیئے کہ میں کائنات میں ''رسالت ونبوت'' کا پہلا منصب دار تو نہیں ہوں بلکہ مجھ سے قبل ہزاروں رسول اور نبی تشریف لاچکے ہیں، ان میں سے کئیوں کو تم مانتے جانتے بلکہ ان سے نسبت کو فخر سمجھتے ہو، پھر توحید کا مسئلہ بھی نیا نہیں ہے، سبھی انبیاء ورسل علیہم السلام کی دعوت کی بنیاد واساس یہی مسئلہ رہا ہے۔ تم مجھ سے بعض مخفی امور کے متعلق پوچھتے ہو جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ بس میرے یہ نہ بتاسکنے کی وجہ سے تم میری تکذیب کرتے ہو۔ حالانکہ یہ امور انسانی وسعت وطاقت سے بالاتر ہیں، بھلا میں تمہیں غیبی معاملات کے متعلق کیا آگاہ کرسکتا ہوں، مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس دنیا میں میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور تمہارے ساتھ کیا؟

مفسرین کے اس قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو اپنے اور اپنے مخاطب مشرکوں کی دنیوی انجام کا علم نہیں تھا، بایں طور کہ کیا مشرکین مکہ آپ ﷺ پر غالب آجائیںگے یا کہ آپ ﷺ کو ان پر غلبہ نصیب ہوگا۔ نیز کیا مشرکین عرب آپ ﷺ پر مستقبل میں ایمان لے آئیں گے یا کفر کی موت مرجائیں گے اور کیا آپ ﷺ کو اپنے آباؤ واجداد کے وطن مکہ مکرمہ سے ہجرت کرجانے پر مجبور کردیا جائے گا یا آپ ہمیشہ کیلئے اپنے وطن مألوف میں رہ جائیںگے؟ اور اس طرح کے دیگر دنیوی امور کے عواقب ونتائج کا آپ ﷺ کو علم نہیں تھا۔

یعنی ان ﴿ مَا يُفْعَلُ بِىْ وَلَا بِكُمْ ﴾ کلمات کا آخرت کے نتائج سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ آخرت میں تو آپ ﷺ کا جنت کے جملہ مکینوں کا سردار ہونا یقینی اور حتمی امر تھا اور ہے۔ آپ ﷺ کی بات ہی کیا، بلکہ ان لوگوں کا بھی جنتی ہونا یقینی ہوجاتا ہے جنہیں آپ ﷺ جنت کی بشارت دیدیں۔ اب آپ اس مسئلہ کو مفسرین کرام کی تشریحات وتوضیحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ آیت ﴿ مایفعل بی ولا بکم ﴾ کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

لا أدری مایصیر إلیه أمری وأمرکم ومن الغالب منا والمغلوب ①	مجھے نہیں معلوم کہ میرے اور تمہارے مابین معاملے کا کیا انجام ظاہر ہوگا۔ اور یہ کہ ہم میں سے کون غالب ہوگا، اور کون مغلوب؟

امام ابوالسعود رحمہ اللہ نے تابعی کبیر سیدنا امام حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

① مفاتیح الغیب ج ۲۸ ص ۸



ما ادری مایصیر الیه أمری وامرکم فی الدنیا ①

میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے اور تمہارے مابین معاملے کا نتیجہ کیا ہوگا؟

سیدنا امام حسن بصری رحمہ اللہ کے اس قول کو ابوالسعود رحمہ اللہ کے علاوہ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی اپنی اپنی تفاسیر میں نقل کیا ہے، بلکہ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے متعدد دیگر اقوال کو ذکر کرنے کی بعد اسی قول کو راجح اور اَصح قول کی حیثیت دی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

وعن الحسن: وما أدری مایفعل بی ولا بکم فی الدنیا قال ابوجعفر: وهذا أصح قولٍ واحسنه لایدری صلی الله علیه وسلم ما یلحقه وایاهم، من مرض، وصحة، ورخص وغلاء وغنی وفقر ②

اور حسن (بصری) رحمہ اللہ سے منقول ہے "اور مجھے معلوم نہیں کہ دنیا میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟" ابوجعفر رحمہ اللہ (طبری) کہتا ہے کہ جملہ اقوال میں سے یہی قول زیادہ بہتر بلکہ اصح ہے، واقعی طور پر آپ ﷺ کے علم میں نہیں تھا کہ آپ کو اور آپ کے دشمنوں کو بیماری، صحت، گرانی اور ارزانی اور کشادہ حالی و بدحالی میں سے کس سے واسطہ پڑتا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی سیدنا امام حسن بصری رحمہ اللہ کا یہی قول نقل فرمایا ہے، لیکن کچھ تفصیل کے ساتھ۔ آپ لکھتے ہیں:

عن الحسن البصری فی قوله تعالیٰ: "مَا أَدْرِىْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ" قال: اَمّا فی الآخرة فمعاذالله! وقد علم انه فی الجنة، ولکن قال: لا ادری مایفعل بی ولا بکم فی الدنیا، أخرج کما أخرجت الانبیاء علیهم الصلاة والسلام من قبلی أم أقتل کما قتلت الأنبیاء من قبلی ولا أدری أیخسف بکم أوترمون بالحجارة؟ ③

حسن بصری رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے فرمان مَا أَدْرِىْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق معاذ اللہ آخرت کے انجام کے ساتھ نہیں ہے، وہ تو آپ کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ جنتی ہیں (اور مشرک ابدالآباد کیلئے جہنمی ہیں) آپ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ مجھے دنیا کے معاملات میں اپنے اور تمھارے نتائج کا علم نہیں ہے کہ مجھے سابقہ انبیاء کی طرح ہجرت کرنا پڑے گی یا نہیں۔ یا میں

① تفسیر ابی السعود ج ۸ ص ۷۹
② تفسیر الطبری ج ۲۶ ص ۶، تفسیر القرطبی ج ۱۶ ص ۱۸۶ واللفظ له/
③ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۵۵ واللفظ له/ تفسیر الطبری ج ۲۶ ص ۶



سابقہ انبیاء کی طرح قتل کر دیا جاؤں گا یا نہیں، (یہ تو اپنے لیئے ہے اور تمہارے متعلق بھی نہیں جانتا) آیا تم زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے یا تم پر پتھروں کی بارش ہو گی؟

خُلاصۂ کلام:

مسلمہ مفسرین کرام کی تشریحات کا لب لباب یہی ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے دنیوی حالات و نتائج کی نوعیت کا علم نہیں تھا کہ انہیں جلاوطن ہونا پڑے گا یا نہیں؟ مخالفوں پر فتح و غلبہ حاصل ہو گا یا نہیں؟ مخالفوں کی مکر و فریب سے محفوظ رہ جائیں گے یا سابقہ بعض انبیاء علیہم السلام کی طرح شہادت نصیب ہو گی۔ اسی طرح آنجناب ﷺ کو اپنے مخالفوں کے ایمان لے آنے یا کفر پر مر جانے ان کے غالب ہو جانے یا ہزیمت یافتہ ہو جانے یا ان پر لاحق ہونے والے عذاب "خسف" یا "رجم بالحجارة" میں سے کسی کا بھی علم نہ تھا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ پر پہلی وحی "اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ" کا نزول غار حرا میں ہوا۔ آپ ﷺ سید الملائکہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے بار بار دبوچنے سے کافی مرعوب ہو گئے، گھر پہنچتے ہی آپ ﷺ نے پیش آنے والا پورا واقعہ اور اپنا خوف اپنی وفا شعار، مونس و غمگسار، ہمدرد اور صاحبہ وقار زوجہ مطہرہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بیان کر دیا، بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا فوراً آنجناب ﷺ کو اپنے وقت کے بزرگ ترین عالم ورقہ بن نوفل کے پاس لے آئیں، اور ان سے کہا کہ اپنے بھتیجے سے پیش آمدہ واقعہ کی تفصیل سن کر حقیقت حال سے آگاہ کرو۔ چنانچہ ورقہ بن نوفل نے آپ کے بیان کردہ واقعہ کی تصدیق کرتے ہوئے کہا یہ تو وہی ناموس ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر بھی نازل ہوا۔ پھر افسردہ ہو کر کہا کاش میں اس وقت تک زندہ ہوتا جب تیری قوم تجھے اپنے وطن سے نکال دے گی، تو میں تمہاری بھرپور مدد اور نصرت کرتا۔

چنانچہ آپ ﷺ ورقہ بن نوفل جیسے جہاندیدہ اور قدیم کتب کے ماہر عالم کی بات سن کر بہت ہی متعجب ہوئے اور فرمایا کیا میری قوم میری صداقت اور امانت کے اعتقاد کے باوجود مجھے وطن سے نکال دے گی؟ ورقہ بن نوفل نے کہا:

قال نعم لم يأت رجل قط بمثل ما جئت به إلا عودي ① (صحیح بخاری) ورقہ بن نوفل نے کہا جو شخص بھی یہ پیغام لایا جو آپ لائے ہیں، اس سے دشمنی و عداوت اختیار کی جاتی رہی ہے۔

قارئین کرام! کائنات کے افضل ترین بشر اکمل ترین رسول و نبی ﷺ جو سید الانبیاء والمرسلین ہونے کے ساتھ ساتھ

---

① رواه البخاري، باب كيف كان بدء الوحي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وقول الله جل ذكره "إنا أوحينا إليك......"

تاجدارِ ختمِ نبوت ہے، آپ کی ذاتی کیفیت کا یہ حال ہے جو بیان ہوا، تو قبروں میں مدفون اولیاء وصلحاء اور بزرگانِ قوم وملت کو دنیا والوں کے مصائب وآلام اور ان کی احتیاجات کا علم ہوگا تو کس طرح ہوگا، کیا ہے کوئی ایسا شخص جو اس کا جواب دے؟

رسول اللہ ﷺ ''ان شاء اللہ'' کہنا بھول گئے:

رسول اللہ ﷺ ''علم غیب'' نہیں جانتے تھے۔ وگرنہ ایسا کلمہ کہنا نہ بھولتے جو ان کی پریشان خاطری کا موجب بن گیا۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ، وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّھْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ ھٰذَا رَشَدًا ﴾ ②

اور آپ کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہا کیجئے کہ میں اسے کل کروں گا سوائے اس (صورت) کے کہ اللہ چاہے۔ اور اپنے پروردگار کو یاد کرلیا کیجئے جب آپ بھول جائیں اور آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں جو میرا پروردگار مجھے باعتبار راہنمائی کے اس سے بھی قریب تر (بات) بتادے۔

سبب نزول:

مذکورہ بالا آیات کا سببِ نزول یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے امتحان لینے کی خاطر مدینہ کے اہل کتاب (یہود) سے روح، اُصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق تفصیل بیان کرنے کا کہا۔ مدینہ کے یہودی احبار وعلماء سے مذکورہ سوالات مرتب کرانے کے لیئے جو وفد مکہ سے پہنچا تھا، امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان میں سے چیدہ چیدہ دو شخصوں ''نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط'' کے نام ذکر کیئے ہیں۔ مناسب ہے کہ یہاں ابن کثیر رحمہ اللہ کی بیان کردہ پوری تشریح لکھدی جائے، آپ لکھتے ہیں:

عن ابن عباس قال بعثت قريش النضر بن الحارث وعقبة بن ابی معيط إلى أحبار يهود بالمدينة فقالوا لهم سلوهم عن محمد وَصِفُوْا لَهُمْ صفته وأخبروهم بقوله، فانهم أهل الكتاب الاول، وعندهم ماليس عندنا من علم الأنبياء

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ کے یہودی علماء کے پاس روانہ کیا کہ وہ ان سے محمد ﷺ کے متعلق (ان کی رائے) دریافت کریں اور یہ بھی سمجھا دیا کہ تم خود سے محمد ﷺ کے جملہ حالات اور ان کی باتوں کو ان کے سامنے بیان کردینا، اس لئے کہ یہود

② سورۃ الکھف: ۲۳، ۲۴



فخرجا حتی أتیا المدینة فسألوا أحبار یهود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ووصفوا لهم أمره وبعض قوله وقالا: انکم أهل التوراة، وقد جئناکم لتخبرونا عن صاحبنا هذا، قال: فقالوالهم: سلوه عن ثلاث نأمرکم بهن فان أخبرکم بهن فهو نبی مرسل وإلا فرجل متقول تروا فیه رأیکم، سلوه عن فتیة ذهبوا فی الدهر الاول ماکان من امرهم فانهم قد کان لهم حدیث عجیب، وسلوه عن رجل طواف بلغ مشارق الأرض ومغاربها ماکان نبؤه وسلوه عن الروح ماهو؟ ... فإن أخبرکم بذلک فهو نبی فاتبعوه وان لم یخبرکم فانه رجل مُتَقَوِّل فاصنعوا فی امرہ ما بدا لکم، فاقبل النضر وعقبة، حتی قدما علی قریش فقالا یا معشر قریش قد جئناکم بفصل مابینکم وبین محمد! قد أمرنا أحبار یهود ان نسأله عن أمور فاخبروهم بها، فجاء وا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وعلی آلہٖ وسلم، فقالوا: یا محمد! اخبرنا، فسألوه عما امروهم بہٖ فقال لهم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: أخبرکم غدًا عما سألتم عنه، ولم یستثن فانصرفوا عنه ومکث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خمس عشرة لیلة لایحدث اللہ الیه فی ذلک وحیاً، ولا یأتیه

پہلی (آسمانی) کتابوں (کا علم رکھنے) والے ہیں۔ اوران کے پاس گذشتہ انبیاء کا علم ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ چنانچہ وہ مکہ سے روانہ ہوکر مدینہ پہنچ گئے۔ انہوں نے یہودی علماء سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق دریافت کیا اور ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی صفات اوران کے کچھ اقوال کو پیش کیا۔ یہ کہتے ہوئے کہ تم توراۃ والے ہو، اسی لیئے ہم لوگ تمہارے پاس آئے ہیں تاکہ تم ہمارے اس شخص کے متعلق ہمیں حقیقت حال سے آگاہ کرو، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہودیوں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں تین باتیں بتارہے ہیں ان کے متعلق اس (رسول اللہ) سے پوچھ لیں اگر وہ بیان کردیتا ہے تو واقعی وہ بھیجا ہوا رسول ہے، اوراگر نہ بیان کرسکے تو وہ "دعوی باز" ہے، پھر تم اس کیلئے جو طریقہ اختیار کرو، کرسکتے ہو۔ اس سے زمانہ قدیم میں (پورے معاشرہ سے کٹ کر) علیحدگی اختیار کرنے والے نوجوانوں کے ایک گروہ کے متعلق دریافت کرنا، کہ ان کے واقعہ کی تفصیل کیا ہے؟ اور بالآخر ان کا انجام کیا ہوا؟ ان کے واقعہ میں عجائبات کا خزینہ ہے۔ نیز اس سے پوچھنا کہ ایک شخص تھا جس نے زمین کے مشرق ومغرب کو طے کر ڈالا، وہ کون تھا؟ اس کے واقعہ کی کیا تفصیل ہے؟ اوراس سے روح کے متعلق بھی پوچھنا کہ اس کی کیا حقیقت ہے؟ اگر وہ بیان کردیتا ہے تو وہ نبی ہے، اس کی پیروی کو اختیار کرلو، اوراگر وہ نہیں بتاتا تو وہ اللہ پر افتراء کرنے والا ہے،



جبريل عليه السلام حتى أرجف اهل مكة وقالوا: وعدنا محمد غداً واليوم خمس عشرة قد اصبحنا فيها لايخبرنا بشيء عما سألناه عنه، وحتى أحزن رسول الله صلى الله عليه وسلم مكث الوحي عنه وشق عليه مايتكلم به أهل مكة، ثم جاءه جبرئيل عليه السلام من الله عزوجل بسورة أصحاب الكهف فيها معاتبتهٔ إياه على حزنه عليهم، وخبر ما سالوه عنه من أمر الفتية، والرجل الطواف، وقول الله عزوجل، وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحِ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ "الآية" ①

ایسی صورت میں تم اس سے وہ سلوک کرو جو تمہیں مناسب نظر آئے۔ چنانچہ نضر اور عقبہ (مکہ) واپس پہنچ گئے اور قریش کے سامنے آ کر انہوں نے کہا، اے جماعتِ قریش! ہم تمہارے اور محمد کے درمیان فیصلہ کن بات لے آئے ہیں، یہودی علماء نے ہمیں مشورہ دیا ہے کہ ہم اس (محمد ﷺ) سے چند باتیں دریافت کریں، ان باتوں کا ذکر ان دونوں نے قریش کے سامنے کر دیا۔ قریش یہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور جاتے ہی سوال کر دیا کہ ہمیں کچھ باتیں بتائیں۔ یعنی انہوں نے وہی باتیں دریافت کر لیں جن کا انہیں یہودیوں نے حکم دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں کل تمہیں ان کا جواب دوں گا۔ ان شاء اللہ نہ کہہ سکے۔ قریش واپس چلے گئے، رسول اللہ ﷺ کو پندرہ دن ہو گئے، اس دوران اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل فرمائی اور نہ ہی جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آ سکے۔ بالآخر اہل مکہ نے لوگوں کو بدول کرنے کیلئے یہ بات پھیلانا شروع کر دی کہ محمد نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا اور ہمارا یہ پندرھواں دن ہے مگر ابھی تک اس نے ہمیں ہمارے مطلوبہ سوالوں کا جواب نہیں دیا۔ نہ صرف یہی بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کو وحی کے رک جانے کی وجہ سے غم واندوہ لاحق ہو گیا، اور مکہ والوں کی باتوں سے آپ ﷺ کو پریشانی سی ہونے لگی تھی۔ بالآخر جبرئیل علیہ السلام اللہ عزوجل کی طرف سے "سورۃ الکھف" لے کر نازل ہوئے۔ اس صورت میں

① تفسیر ابن کثیر ج ٣ ص ٧١، ٧٢



آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی گئی۔ اور اسی سورت میں نوجوانوں کے گروہ کے متعلق واقعہ کا بیان ہوا۔

اور اسی وحی کے موقعہ پر ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان وارد ہوا۔

''اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح تو میرے رب کا حکم ہے۔''

ایک مستقل قانون

مشرکین مکہ کے مذکورہ سوالوں کے جواب کیلئے آپ ﷺ نے وحی کے نازل ہوجانے کی قطعی امید پر وعدہ فرمالیا، کہ کل جواب دوں گا۔ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی، نتیجۃً پندرہ دنوں تک (جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی بیان کردہ روایت سے ثابت ہوتا ہے) وحی کا سلسلہ رُک گیا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق یہ مدت پوری چالیس روز تک طویل ہوگئی۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کے لئے تنبیہ ہوگئی کہ آئندہ بغیر ''ان شاءاللہ'' کہے وعدہ نہ فرمایئے گا اور آئندہ کیلئے ''ان شاءاللہ'' کو ایک اصول اور ضابطہ کی طرح ہدایت میں مندرج فرمادیا، کہ کوئی بھی شخص بغیر ان شاءاللہ کہے کسی کام کے کرنے کا وعدہ نہ کرے۔ اگر نسیان کے طور پر ایسا نہ کہہ سکے تو جونہی یاد آجائے ان شاءاللہ کہہ دے۔

اس مسئلہ پر مفسرین حضرات نے بہتر انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ جملہ مفسرین کی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

قال المفسرون: ان القوم لما سالوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المسائل الثلاثۃ قال علیہ السلام: "اجیبکم عنہا غداً، ولم یقل "ان شاءَ اللہ" فاحتبس الوحی خمسۃ عشر یوما، وفی روایۃ أخری اربعین یوما "ثم نزلت ھذہ الآیۃ ①

ترجمہ: مفسرین کہتے ہیں کہ جب مشرکوں نے نبی ﷺ سے تین سوالات کیئے تو آپ ﷺ نے فرمایا، میں کل ان کا جواب دوں گا۔ مگر ان شاءاللہ نہ فرماسکے۔ تو وحی پندرہ دن اور دوسری روایت کے مطابق چالیس روز تک رُک گئی۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ کی تفسیر

سیدنا ابوالعالیہ رحمہ اللہ اور سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے:

① مفاتیح الغیب ج ۲۱ ص ۱۰۹



قيل معناه اذا نسيت الإستثناء فاستثن عند ذكرك له، قاله ابو العالية والحسن البصری رحمهما الله. ①

ترجمہ: اس آیت کا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب تمہیں ان شاء اللہ کہنا بھول جائے تو یاد آنے پر ان شاء اللہ کہہ دیا کرو، یہ قول ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔

مشہور وجلیل القدر تابعی سیدنا سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے:

ای اذا نسیت كلمة الإستثناء ثم تنبهت لها فتدارکها بالذکر قاله ابن جبیر. ②

ترجمہ: یعنی جب تجھ سے ان شاء اللہ کا کلمہ بولنا بھول جائے پھر اس کا احساس ہو جائے تو ان شاء اللہ کہہ کر اس کوتاہی کا ازالہ کرلیا کریں۔ ابن جبیر کا یہی قول ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هذا ارشاد من الله تعالىٰ لرسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الأدب فيما اذا عزم على شئ ليفعله في المستقبل أن يرد ذلك الى مشيئة الله عزوجل علام الغيوب الذى يعلم ما كان وما يكون ومالم يكن لو كان كيف يكون. ③

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ایسے معاملے کے متعلق ادبی تعلیم اور راہنمائی ہے جسے آپ آئندہ کرنے کا ارادہ فرما چکے ہوں کہ وہ اس ارادہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے منسلک کر دیا کریں جو جملہ امور غیبی کا جاننے والا ہے۔ وہ ماضی، حال اور مستقبل کے حالات سے باخبر ہے۔ اور ان امور کا بھی جو ابھی ظاہر نہیں ہوئے ہیں۔ یعنی اگر وہ ظاہر ہونگے تو کن حالات کے تحت ظاہر ہوں گے۔

مذکورہ آیات سے حاصل ہونے والے فوائد:

مذکورہ بالا آیات سے دو باتیں حاصل ہوئی ہیں، جن کے سمجھ لینے سے غالیوں کے بُنے گئے تلبیسی جال کے تار ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں:

۱- قرآن کریم کی نص سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ''وعدہ'' میں لفظ ''ان شاء اللہ'' کہنا بھول گئے تھے جو اس

① تفسير ابن كثير ج ٣ ص ٧٩ واللفظ له/ التفسير المظهرى ج٦ ص ٢٦
② البحرالمحيط ج ٦ ص ١١٦
③ تفسير ابن كثير ج ٣ ص ٧٨

بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ علم غیب کی صفت سے متصف نہیں تھے کیونکہ بھول جانا، سہو کا شکار ہو جانا علم غیب کے مفہوم و مقتضیٰ کے خلاف ہے۔ بھولنے سے عصمت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جو ہر نقص وعیب سے پاک اور منزہ ہے۔

۲- دوسری بات یہ واضح ہوتی ہے کہ وحی کے رک جانے کی مدت (ایک قول کے مطابق پندرہ دن، جبکہ دوسرے قول کے مطابق چالیس دن) کے دوران مشرکین بار بار اپنے سوالات کا حل پوچھتے، افواہیں اڑاتے اور لوگوں کو بدراہ کرنے کی کوشش میں مصروف رہے اور اپنے خیال میں خوش وخرم ہوتے رہے کہ ہم نے محمد ﷺ کی نبوت ورسالت کے امر کو مشکوک کر دیا ہے۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ وحی کے سلسلہ کے منقطع ہو جانے اور اپنے کیئے گئے عہد کے ایفاء کی کوئی ظاہری اور فوری صورت نظر نہ آنے کی وجہ سے غم واندوہ کا شکار رہے۔ ان دونوں باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ غیب دان نہیں تھے۔ اگر آپ کو ان حالات کا پہلے سے علم ہوتا تو کبھی بھی وعدہ نہ فرماتے اور نہ کفار کی اذیت رساں افواہوں سے آپ کو حزن لاحق ہوتا۔

عالم الغیب تو ہر حال ہر شئی اور ہر نتیجہ سے ہمہ وقت باخبر ہوتا ہے مگر یہاں تو معاملہ ہی یکسر مختلف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غور وفکر کے استعمال نہ کرنے سے انسان بیشمار عقائدی، دینی، دنیوی معاملات میں خطا کا شکار ہو جاتا ہے۔ غالیوں کا ایک گروہ تو جانتے بوجھتے ایسے فاسدہ عقائد پھیلاتا ہے تا کہ اس کی معیشت ومعاش کا مسئلہ حل ہو جائے اور دوسرا گروہ دل ودماغ کو از خود معطل کر کے "میت" کی طرح بن جاتا ہے جو نہلانے والوں کے رحم وکرم پر ہوتا ہے۔ وہ جو چاہیں سو کریں۔ اسے اس کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ طبقہ عوام کالانعام کا ہے جو عقل وبصیرت سے از خود جان چھڑا کر نام نہاد مذہبی "راہبروں" کا متبع ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنے متعلق "علم غیب" کی نفی

اہل توحید کو غالیوں کے جملہ طبقات بدادب، اور گستاخ قرار دیتے ہیں۔ اس بناء پر کہ یہ رسول اللہ ﷺ کو "عالم الغیب" نہیں مانتے۔ لیجئے رسول اللہ ﷺ کا غلوشکن فیصلہ سنیئے، قرآن کریم میں ارشاد الہی ہے:

﴿قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَآئِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ ①

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یوں تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کی خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو بس اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے۔

---

① سورۃ الانعام: ۵۰



آیت میں تین اعلان:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تین اعلان کرنے کا حکم دیا ہے۔

۱- یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مالک ہوں اور نہ مختار

۲- یہ کہ میں ''غیب'' کا علم نہیں رکھتا۔

۳- یہ کہ میں فرشتہ نہیں ہوں، بلکہ (آمنہ کا لال، عبداللہ کا دریتیم، عبدالمطلب کا پوتا، ابوطالب کا بھتیجا، القاسم، عبداللہ، ابراھیم، زینب، رقیہ، ام کلثوم، اور فاطمہ کا والد اور حسن وحسین کا نانا) انسان ہوں، بس مجھے وحی الٰہی نے دوسروں سے ممتاز کر دیا ہے مگر وحی کی پیروی میں بھی مجھے کوئی رعایت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ میں تو بطریق اولی وحی کا پابند ہوں۔

ایک قابل غور نکتہ:

تینوں اعلانوں کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو لفظ ''قل'' سے دیا ہے۔ یعنی اے میرے رسول ﷺ آپ اپنی زبان اطہر سے ان چیزوں کا اعلان فرمادیں تا کہ قیامت تک آنے والے مبالغہ جو، غلو پسند، ادب کے لباس میں بد ادب، عزت کے نام سے بے عزتی اور محبت کے دلفریب نعروں کے تحت نفرت شریعت کے بیج بونے والوں کا منہ بند ہو جائے۔ مقصد تو یہی تھا مگر آج کل کے غالیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو پھر چلو تم کہہ دو کہ میں خزائن الارض کا مالک نہیں ہوں اور غیب دان نہیں ہوں، اور نہ فرشتہ ہوں، ویسے آپ یہ سب کچھ ہیں۔'' مگر آپ ﷺ نے سب اعلانات جو کیئے تھے صرف ان لوگوں (مشرکین) کے نہ ماننے کیوجہ سے کیئے تھے ورنہ آپ ﷺ ان ساری صفات کے مالک تھے۔ سبحان اللہ ہذا بہتان عظیم، ایسا کہنے والے دراصل حقیقت سے غافل ہیں یا شیطان نے ان کی عاقبت برباد کر دی ہے کہ وہ اللہ جس کی صفت ''ومن اصدق من اللہ قیلا'' (اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر سچا ہو) بیان ہوئی ہے کی طرف یہ منسوب کر رہے ہیں کہ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!) اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو جھوٹ کی تعلیم دے رہا ہے۔ اور اپنے رسول صادق المصدوق کی زبان سے جھوٹ کو پھیلا رہا ہے، کیا اس سے بڑا ظلم، اس سے بڑھ کر بے ادبی، اس سے بڑی گستاخی اور اس سے زیادہ بے باکی کی کوئی مثال مل سکتی ہے؟

آیت کا سبب نزول:

مشرکین مکہ نے اپنی عادت کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ واقعی طور پر اللہ کے رسول ہیں تو ہمیں ہمارے مستقبل کے فوائد اور نقصانات کے متعلق مطلع کر دیں تا کہ اپنے فائدوں کے حصول کے لئے ہم پہلے سے تیاری

کرلیں اور متوقع نقصانات سے بچنے کی کوئی راہ اختیار کرسکیں۔تو ان کے اس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ نے اسی طرح کہا ہے:

ان القوم كانوا يقولون: ان كنت رسولا من عندالله فلا بد وأن تخبرنا عما يقع في المستقبل من المصالح والمضار حتى نستعد لتحصيل تلك المصالح ولدفع تلك المضار فقال تعالىٰ: قل انى لا اعلم الغيب فكيف تطلبون منى هذه المطالب. ①

ترجمہ:قوم کہتی تھی اگر آپ اللہ کی طرف سے ہی بھیجے ہوئے ہیں تو پھر ہمیں لازمی طور پر مستقبل میں واقع ہونے والے فوائد اور نقصانات کے متعلق آگاہ کردیں تاکہ ہم ان فائدوں کے وصول اور نقصانات سے تحفظ کیلئے خود کو تیار رکھیں،تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اے میرے رسول!) آپ کہہ دیجیے کہ میں غیب دان نہیں ہوں،لہٰذا تم ایسے مطالبے مجھ سے کس لیئے کرتے ہو؟

امام نسفی رحمہ اللہ کی دلکشا ں تفسیر:

امام نسفی حنفی رحمہ اللہ نے اس آیت کی نہایت ہی توحید پرور تفسیر فرمائی ہے۔آپ لکھتے ہیں:

اى لا ادعى ما يستبعد فى العقول ان يكون للبشر من ملك خزائن الله، وعلم الغيب، ودعوى الملكية. ②

ترجمہ:یعنی میں اس چیز کا دعویٰ کس طرح اپنے لیئے کرسکتا ہوں جو عقل کے اعتبار سے بشر کی صفت ہو ہی نہیں سکتی،یعنی اللہ کے خزانوں کا مالک ہونا،غیب دان ہونا،اور (انسان ہوتے ہوئے) فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرنا۔

مطلب واضح ہے کہ غیر اللہ کے لیئے یہ دعویٰ کرنا کہ میں غیب دان ہوں،اور یہ تو باطل ہے ہی اور بطلان کے ساتھ ساتھ یہ عقل وفطرت کے بھی منافی ہے۔بھلا جو قوم (قبر پرست) شریعت کی نصوص کے مخالف ہو اس سے عقل کی مخالفت اور فطرت سے بغاوت کیسے ناممکن ہوسکتی ہے؟

قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ پانی پتی نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

ولا أعلم الغيب حتى أخبركم بما مضى وما سيكون من غير وحي من الله. ③

اور میں غیب دان تو ہوں نہیں کہ تمہیں گذشتہ حالات اور آئندہ ہونے والے معاملات کی اطلاع اللہ کی وحی کے بغیر کرسکوں۔

---

① مفاتيح الغيب ج ١٢ ص ٢٣٢
② تفسير المدارك ج ٢ ص ١٣
③ التفسير المظهرى ج ٣ ص ٢٣٨

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ کل شئی کا مالک ومختار اور ہمہ بین وہمہ دان ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے۔اس لیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس کا اعلان کرایا گیا۔چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

قل لهولاء المنكرين لنبوتك لست اقول لكم انى الرب الذى له خزائن السموات والأرض، واعلم غيوب الاشياء الخفية التى لايعلمها الا الرّب، الذى لايخفى عليه شيء، فتكذبونى فيما أقول من ذلك. ①

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت کے جھٹلانے والوں سے فرمایئے کہ میں نے تمہیں یہ تو نہیں کہا ہے کہ میں آسمان اور زمین کے خزانوں کا مالک (رب) ہوں یا یہ کہ میں پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں، جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ جس کیلئے کوئی بھی شئی مخفی نہیں ہے (اگر میں نے یہ کہا ہوتا اور اپنے دعویٰ کے مطابق نہ کرتا) تو پھر تم میری باتوں کی تکذیب کر سکتے تھے۔

امام ابوحیان اندلسی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والأظهر انه يريد أنه بشر لا شيء عنده من خزائن الله ولا من قدرته ولا يعلم شيئاً مما غاب عنه، قاله ابن عطية. ②

ترجمہ: (آیت کا) واضح ترین معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اپنی بشریت کا اظہار، اللہ کے خزانوں کے ملک کی نفی، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت میں اختیار وتصرف کا انکار ہے۔اور یہ بھی کہ وہ غائب امور ومعاملات اور اشیاء میں سے کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہ ابن عطیہ کا قول ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ اور علامہ خازن رحمہ اللہ یوں تفسیر فرماتے ہیں:

ولا أعلم الغيب، يعني فأخبركم بما مضى، و ما سيقع في المسقبل. ③

ترجمہ: میں غیب دان نہیں ہوں، کہ تمہیں گذرے حالات کی خبر دوں، یا آئندہ کے واقعات سے آگاہ کروں۔

جملہ تفسیری اقوال کا ماحاصل:

مذکورہ آیت اور اس کی مختلف ائمہ تفسیر کی تفسیری توضیحات کا لب لباب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "غیب" نہیں جانتے تھے، اس حقیقت کا اظہار اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اطہر سے کرا کے ملحدوں، غالیوں اور مبالغہ پسندوں کا منہ

① تفسیر طبری ج ۷ ص ۱۲۶
② البحر المحیط ج ۴ ص ۱۳۳
③ تفسیر الخازن ج ۲ ص ۱۳۵ واللفظ له/ معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۳۵



قیامت تک کیلئے بند کر دیا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر وہ اپنے گندے عقیدہ سے باز نہیں آتے اور اپنی آخرت کو برباد کرنے کا عزم کر چکے ہیں تو کون ہے جو ان کو باز رکھ سکے؟

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا اختتام بخاری شریف کی ایک مشہور و معروف حدیث پر کروں، جس سے ضدی و ہٹ دھرم اور بدعقیدگی کے سوداگر لوگوں کی اصلاح تو مشکل ہے، البتہ قارئین کرام کے علم و یقین میں برکت اور اضافہ ضرور ممکن ہے۔ حدیث کی مکمل عبارت درج ذیل ہے:

عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعض اسفاره حتى اذا كنا بالبيداء أو بذات الجيش انقطع عقد لي، فاقام رسول الله صلى الله عليه وسلم على التماسه، وأقام الناس معه، وليسوا على ماء وليس معهم ماء فأتى الناس إلى ابي بكر الصديق فقالوا: الا ترى ما صنعت عائشة؟ أقامت برسول الله صلى الله عليه وسلم وبالناس وليسوا على ماء وليس معهم ماءٌ فجاء أبوبكر ورسول الله صلى الله عليه وسلم واضع رأسه على فخذي قد نام فقال: حبستِ رسول الله صلى الله عليه وسلم والناس وليسوا على ماء وليس معهم ماء، قالت عائشة، فعاتبني ابوبكر وقال ماشاء الله ان يقول وجعل يطعنني بيده؟ في خاصرتي ولا يمنعني من التحرك الا مكان رسول الله صلى الله عليه وسلم على فخذي، فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اصبح على

ترجمہ: نبی ﷺ کی زوجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ہم بیدَاء یا ذات الجیش تک پہنچے تو میرا ہار گر گیا۔ رسول ﷺ نے اور لوگوں نے آپ کے ساتھ اس کی تلاش کیلئے قیام اختیار کیا۔ لوگوں کا یہ قیام (پڑاؤ) پانی پر نہیں تھا اور نہ ان کے پاس پانی (پہلے سے) موجود تھا چنانچہ لوگ ابوبکر صدیق کے پاس جا کر کہنے لگے، آپ کو خبر ہے کہ عائشہ نے کیا کر رکھا ہے۔ اس نے رسول ﷺ کو اور دوسرے لوگوں کو روک رکھا ہے۔ آس پاس پانی ہے اور نہ لوگوں کے پاس پہلے سے پانی موجود ہے۔ ابوبکر (میرے پاس) آئے، میری ران پر رسول اللہ ﷺ نیند کی حالت میں سر مبارک رکھے ہوئے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (مجھ) سے کہا، تو نے رسول اللہ ﷺ کو روک رکھا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی یہ لوگ پانی کے قریب نہیں ہیں اور نہ ان کے پاس (پہلے سے) پانی موجود ہے۔ (سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بہت ملامت کی اور جو اللہ نے چاہا انہوں نے مجھے کہا اور (اس کے بعد) انہوں نے میری کھوکھ پر اپنے ہاتھ سے مارنا



غیر ماء فانزل الله آیة التیمم، فقال أسید بن حضیر: ما ھی باول برکتکم یا آل أبی بکر قالت: فبعثنا البعیر الذی کنت علیه فاذا العقد تحته. ① (صحیح بخاری)

شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے میری ران پر استراحت فرمانے کی وجہ سے میں حرکت بھی نہ کر سکتی تھی، (کہ آپ ﷺ کے آرام میں خلل واقع نہ ہو) چنانچہ رسول اللہ ﷺ صبح تک سوئے رہے، پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے اسی وقت تیمم کی آیت نازل ہوئی، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے ابوبکر کا خاندان یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (بلکہ اس سے پہلے تمہاری وجہ سے متعدد برکات امت کو مل چکی ہیں) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نے اس اونٹ کو کھڑا کیا جس پر میں سوار تھی تو اس کے نیچے ہار پڑا ہوا تھا۔

قارئین کرام!

اندازہ فرمایئے کہ ہار اونٹ کے نیچے موجود ہے۔ امام الانبیاء سید الاولین والآخرین جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاش کیلئے قیام بڑھایا ہوا ہے۔ آپ کے ساتھ اولیاء اللہ اور اتقیاء کی جماعت موجود ہے، مگر اس کے باوجود قریب پڑے ہوئے ہار کا علم کسی کو بھی نہ ہو سکا۔ کیا یہ اس امر کی کھلی دلیل نہیں ہے کہ محمد ﷺ غیب دان نہیں تھے۔ اور نہ صحابہ کرام میں سے کوئی علم غیب جانتا تھا، تو آج کے ولی، بزرگ اور صالح بندوں کو غیب کا علم کیسے اور کس طرح مل گیا؟ کیا ان کا مرتبہ امام الانبیاء اور اصحابِ رسول سے بھی برتر ہے۔؟؟

تیسری بحث

سابقہ بحث میں اولوالعزم رسولوں (صلوات اللہ علیہم اجمعین) سے علم غیب کی نفی کے قطعی دلائل بیان کیئے گئے اور ثابت کیا گیا کہ "علم غیب" کی صفت صرف اللہ عالم الغیوب کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ وہ اپنی تمام صفات کی طرح اس صفت میں بھی شریک وسہیم سے پاک ہے۔ اب اس بحث میں باقی انبیاء ورسل علیہم السلام کے بارے میں بیان ہوگا کہ وہ بھی غیب دانی کی صفت کے حامل نہیں۔ اس سلسلہ میں ہم قرآن کریم سے ایک جامع ترین آیت پیش کرتے ہیں جو جملہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق وضاحت سے اس مسئلہ کو اجاگر کرتی ہے۔ سارے انبیاء ورسل علیہم السلام کو وفات کے بعد دنیوی حالات وانقلابات سے اپنی لاعلمی کا اعتراف۔ ارشاد الٰہی ہے:

---

① صحیح البخاری، کتاب التفسیر سورة المائدة،باب "فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا"

﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ ①

ترجمہ: (اس دن سے ڈرو) جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا۔ اور پھر ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا تھا۔ وہ عرض کرینگے کہ ہم کو علم نہیں چھپی ہوئی باتوں کا تو خوب جاننے والا ہے۔

علم غیب کے مسئلہ میں یہ آیت جملہ انبیاء ورسل علیہم السلام کے لیئے جامع ہے اور نص صریح ہے کہ کوئی بھی نبی اور رسول علم غیب نہیں جانتا۔ پورے قرآن پاک میں یہ واحد آیت ہے جس نے سب انبیاء ورسل علیہم السلام سے غیب دانی کی نفی کردی ہے۔

آیت کی مختصر تشریح:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کو جمع فرما کر سوال فرمائے گا کہ اے میرے رسولو! میں نے تمہیں نبوت ورسالت کا منصب دے کر انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیئے مبعوث فرمایا، تم نے اپنا اپنا فرض نبھایا، یہ بتاؤ کہ تمہاری قوموں نے کیا جواب دیا، قبول کیا یا انکار۔ موافق بنے یا مخالف، حامی بنے یا محارب، تمہاری دعوت کے لیئے مددگار بنے یا منکر و معاند؟۔۔۔سب انبیاء علیہم السلام عرض کرینگے کہ ہمارے رب! ہمیں اپنی امتوں کے باطنی وسری معاملات کا علم ہے اور نہ وفات کے بعد ان کے کسی دنیوی حال ومعاملے کا پتہ ہے کیوں کہ سینوں میں چھپی ہوئی تصدیق یا انکار، محبت یا بغض، صحیح عقیدہ یا نفاق وکفر کا علم تو صرف تجھ ہی کو ہے، تو ہی ہر باطن وظاہر سے ہر آن ہر لحہ واقف ہے۔

مفسرین کے اقوال:

مشہور مفسر قرآن امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

معناه لاعلم لنا بباطن ما اجاب به اممنا. ②

ترجمہ: آیت کا معنی یہ ہے کہ ہمیں اپنی امتوں کے ظاہری قبول واطاعت کے باوجود انکے باطنی حال کا علم نہیں ہے۔

قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

تعلم ماغاب عنا ونحن لا نعلم الا مانشاهد. ③

ترجمہ: ہم سے جو باتیں پوشیدہ تھیں انہیں تو ہی جانتا ہے، ہمیں تو نظر ومشاہدہ میں آجانے والی چیزوں کا ہی علم ہے۔

---

① سورة المائدة: ١٠٩

② تفسير القرطبي ج ٦ ص ٢١٦

③ التفسير المظهري ج ٣ ص ٢٠٢



امام رازی رحمہ اللہ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کے ردعمل کو جانتے ہوئے اوران کے انکار یا اقرار سے واقفیت رکھتے ہوئے یہ کیوں فرمایا کہ ''ہمیں تو کوئی علم نہیں'' حالانکہ ان کے شب و روز اپنی امتوں کے درمیان گذرے، قوموں نے ظاہری طور پر جو سلوک یا عمل کیا کم از کم اس سے تو وہ بخوبی واقف تھے پھر اس ''لاعلمی'' کا کیا مطلب؟ فرماتے ہیں:

الوجه الثالث في الجواب وهو الأصح، وهو الذي اختاره ابن عباس انهم قالوا: لاعلم لنا لانک تعلم ما أظهروا، وما أضمروا، ونحن لانعلم إلا ما أظهروا. ①

ترجمہ: جواب کی تیسری صورت جو اصح ہونے کے ساتھ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک راجح اور مختار ہے وہ یہ کہ انبیاء نے ''ہمیں کوئی علم نہیں'' کہہ کر جواب اس لیئے دیا کہ اے اللہ تو تو ہماری امتوں کے ظاہر و پوشیدہ سے یکساں طور پر واقف ہے، جبکہ ہم تو ان کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ (لہذا ہمارا علم محدود ہے جو تیرے ہمہ گیر ولامحدود علم کے مقابلہ میں کالعدم ہے)

امام ابوالسعود اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں:

اى فتعلم ما أجابوا وأظهروا لنا، وما نعلم مما أضمروه في قلوبهم. ②

ترجمہ: یعنی ہماری امتوں نے ہمیں جو ظاہراً جواب دیا وہ تیرے علم میں ہے لیکن ہمیں ان کی دلی خیالات، افکار اور عقائد کا علم نہیں ہے۔

آیت کی ایک اور توجیہ:

بعض مفسرین نے اس آیت کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ رب تعالیٰ کا سوال رسولوں کی وفات کے بعد ان کی امتوں کے احوال و کردار کے متعلق ہوگا، کہ تمہارے بعد تمہاری امتوں نے کیا طرز عمل اختیار کیا تو اس پر انبیاء علیہم السلام بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے۔

لا علم لنا الا أن علمنا جوابهم لنا وقت حياتنا ولا نعلم ما كان منهم بعد وفاتنا. ③

ترجمہ: ہمیں تو ان کے جواب کا اسی قدر علم ہے جو انہوں نے ہماری زندگی میں ہمیں دیا۔ لیکن وفات کے بعد ان سے کیا صادر ہوا اس کا ہمیں علم نہیں ہے۔

امام ابوالسعود رحمہ اللہ نے اسی تفسیر سے ملتی جلتی تفسیر کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

---

① مفاتح الغیب ج ۱۲ ص ۱۳۰

② تفسیر ابی السعود ج ۳ ص ۹۳

③ مفاتح الغیب ج ۱۲ ص ۱۳



المعنی: لا علم لنا بما احدثوا بعدنا. ①

ترجمہ: مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنی وفات کے بعد اپنی امتوں کی بدعات کا علم نہیں ہے۔

ان جملہ تفسیری اقوال سے ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنے بعد کے حالات وتغیرات سے لاعلم ہیں، جس کا اظہار انہوں نے بارگاہ الٰہی میں کیا ہے۔ تو جب انبیاء علیہم السلام کی یہ حالت ہے تو فوت شدہ اولیاء و بزرگان کو اپنے مریدوں کے احوال کا کیسے پتہ چل جاتا ہے۔؟ اور کیا ایسا عقیدہ رکھنا قرآن وشریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں؟

چوتھی بحث

غیر اللہ کو نوائب ومصائب اور مشکلات میں پکارنے، ان سے نفع کی امید اور نقصان کا خوف اگرچہ انبیاء ورسل علیہم السلام کے زمانہ سے لیکر اب تک بدستور موجود ہے۔ مگر اس وقت قبر پرستوں اور غیر اللہ کے پجاریوں کا زیادہ قلبی تعلق، ذہنی رجحان اولیاء اللہ کے مدفنوں سے ہو گیا ہے خاص طور پر برصغیر کے مشرکوں کا یہی حال ہے۔ اس خطہ ارضی کا شاید ہی کوئی شہر یا قبرستان ایسا ہو جہاں ''توحید'' کے عقیدہ کا عملی انکار یا استہزانہ کیا جاتا ہو۔ وگرنہ پوری آبادی شرک کے مظاہر ومعالم اور مراکز سے بخوبی آگاہ ہے۔ اللہ کے گھر غیر آباد ہیں، اللہ سے دعا کرنے والے ہاتھ ناپید ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفات، اس کے اسماء وافعال کا احترام کرنے والے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مگر غیر اللہ کی پرستش و پوجا کے مراکز انسانی آبادی سے پُر رونق ہیں، ان سے دعا کرنے اور ان کا خوف رکھنے والوں کا بہت بڑا ہجوم ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ مدد کرتے، سنتے اور مریدوں کے مسائل و حاجات سے ہمہ وقت مُطلع رہتے ہیں۔ ہم ذیل میں ان اولیاء اللہ کا تذکرہ کرینگے جن کی ولایت کو قرآن نے ثابت کیا ہے۔ اس ضمن میں یہ واضح کرینگے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام کی طرح اولیاء اللہ، صالحین اور بزرگ غیب کا علم نہیں رکھتے۔ نہ انہوں نے کبھی غیب دانی کا دعویٰ کیا ہے۔ لہٰذا جو لوگ انہیں غیب دان تصور کرتے ہیں وہ مشرک اور قرآنی نصوص کے واضح مخالف ہیں۔

اصحاب کہف کا واقعہ

قرآن کریم کی ایک سورۃ ''کہف'' کے نام سے موجود ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں اللہ عزوجل نے بڑی تفصیل کے ساتھ ''اصحاب کہف'' کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ غالباً اصحاب کہف کے تذکرہ کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام ''سورۃ الکہف'' رکھا گیا ہے۔

''اصحاب کہف'' (غار والے) کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ کس دور سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے یا ان کا واقعہ کس

---

① تفسیر ابی السعود ج ۳ ص ۹۴



زمانہ میں وقوع پذیر ہوا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان لوگوں کا تعلق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کے لوگوں سے ہے اور ان کا یہ واقعہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھا لیئے جانے کے بعد ہوا۔ نیز یہ لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے سچے توحیدی دین کے پیروکار تھے جو کہ اس وقت کا سچا دین تھا۔ (واللہ اعلم)

اور بعض اہل علم کے رائی یہ ہے کہ اصحاب کہف ملت مسیحیت سے کہیں پہلے کے ہیں۔

بعض قرائن و دلائل کے پیش نظر دوسری رائی اقرب الی الصحۃ معلوم ہوتی ہے۔

کیونکہ اگر یہ واقعہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہوتا یا یہ لوگ نصرانی ہوتے تو یہودی اس واقعہ کی تفاصیل و جزئیات کو محفوظ نہ رکھتے اور نہ اس واقعہ کی تفصیل بیان کرنے والے کو ہی سچا نبی اور رسول تسلیم کرنے کا مشرکین مکۃ کو مشورہ دیتے۔ سورہ کہف کا سبب نزول بھی ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے۔ وہ یوں کہ مشرکین مکۃ نے رسول اللہ ﷺ کے معجز بیان و دلائل و براہین سے تنگ آ کر ایک وفد مدینہ کے یہودی علماء کے پاس روانہ کیا۔ یہ کہہ کر کہ علمائے یہود جو اہل کتاب ہیں ان سے کچھ ایسے سوالات مرتب کرا کے لاؤ جو ہم محمد ﷺ سے پوچھیں، چونکہ یہ سوالات قدیم کتابوں سے اخذ کردہ ہوں گے، اس لیئے محمد (ﷺ) ان کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ اس طرح ہم اسے لاجواب کر دینگے۔ چنانچہ وفد کی ملاقات یہود کے بڑے بڑے علماء سے ہوئی اور ان علماء نے جن سوالات کا انتخاب کیا تھا ان میں سے ایک "اصحاب کہف" کی بابت تھا۔ جو اس کی دلیل ہے کہ اصحاب کہف کا ذکر یہود کی کتب میں موجود تھا۔ اور انہیں اس کا بالتفصیل علم تھا۔ ظاہر ہے کہ یہود کی کتب نصرانیت کے وجود میں آنے سے قبل موجود تھیں۔ یہ سب کچھ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اصحاب کہف کا دور اور ان کا واقعہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے سے کہیں پہلے کا ہے۔ چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اسی طرح لکھتے ہیں:

وقد ذكر انهم كانوا على دين المسيح عيسىٰ بن مريم، فالله اعلم، والظاهر انهم كانوا قبل ملة النصرانية بالكلية، فانهم لو كانوا على دين النصرانية لما اعتنى أحبار اليهود بحفظ خبرهم وامرهم لمباينتهم لهم، وقد تقدم عن ابن عباس أن قريشا بعثوا الى أحبار اليهود بالمدينة يطلبون منهم أشياء يمتحنون بها رسول الله صلى الله عليه وسلم فبعثوا اليهم أن يسالوه عن خبر هولاء

ترجمہ: (اصحاب کہف کے متعلق) کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین کے پیروکار تھے۔ واللہ اعلم۔ لیکن ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ نصرانی مذہب کے آنے سے پہلے تھے۔ اس لیئے کہ اگر یہ لوگ نصرانی ہوتے تو (متعصب اور تنگ نظر) یہودی علماء ان کے واقعات و حالات کی اس قدر نگہداشت ہی نہ کرتے، اس لیئے کہ ان دونوں گروہوں کا آپس میں نہایت گہرا اختلاف موجود تھا۔ نیز سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہلے گذر چکی ہے کہ



وعن خبر ذی القرنین، وعن الروح فدل هذا علی أن هذا امر محفوظ فی کتب اهل الکتاب وانه مقدم علی دین النصرانیة واللہ اعلم. ①

قریش نے مدینہ کے یہودی عالموں کی پاس ایک وفد بھیجا کہ وہ ایسی باتیں بتا دیں جن کے ذریعے قریش رسول اللہ ﷺ کا امتحان کرسکیں، چنانچہ یہودی علماء نے انہیں یہ بتایا کہ اس (رسول اللہ ﷺ) سے ان (اصحاب کہف) کے واقعہ کی تفصیل، ذوالقرنین کے حالات اور روح کی حقیقت و ماہیت کے متعلق سوال کریں۔ یہ دلیل ہے کہ اصحاب کہف کا واقعہ یہود کی کتب میں محفوظ تھا۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ واقعہ نصرانیت کے ظہور سے پہلے کا ہے۔ (واللہ اعلم)

حاصل بحث:

قطع نظر اس سے کہ اصحاب کہف کا تعلق ماقبل النصرانیت سے تھا یا مابعد النصرانیت سے۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بڑے ہی محبوب اور مطیع و عبادت گذار تھے جنہوں نے شرک، کفر اور ملکی غیر شرعی رسوم و عادات سے کنارہ کشی اختیار کر کے خالص توحید، پختہ ایمان اور اعلیٰ ترین توکل و اعتماد کی دولت حاصل کر لی تھی۔ ان کا ایمان، اخلاص اور فطرت سلیمہ کی طلب کے مطابق اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے دلائل قدرت پر ایقان و ایمان، اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ ان کے ذکر خیر کو کتاب محفوظ ''قرآن کریم'' کے اندر تا قیامت آنے والے لوگوں کیلئے بیان فرما دیا۔ اس سے بڑھ کر اصحاب کہف کی ولایت و کرامت کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مبین کی ایک مکمل سورہ کو ان کے نام سے موسوم فرما دیا۔ ان کا یہ شرف اعزاز محض توحید خالص اور ایمان کامل کی وجہ سے قائم ہوئی۔

اصحاب کہف کے ایمان لانے کا سبب

بیان کیا جاتا ہے کہ اصحاب کہف اپنے دور کے رؤساء، وزراء اور امراء کی اولاد تھے۔ ان کے اس وقت کے حکمران کا نام ''دقیانوس'' تھا جو بڑا سرکش، تندخو، ظالم اور مشرک تھا۔ اپنی رعایا کو بت پرستی اور دیگر شرکیہ امور کی نہ صرف تلقین کرتا بلکہ بزور حکومت انہیں شرکیہ تعلیم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے پر مجبور کرتا۔ اس کے دور میں بتوں کے آستانوں پر میلوں کا اہتمام کیا

① تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷۴



جاتا تھا، یہ نوجوان اپنی قوم کی عادت کے مطابق ان میلوں میں شرکت کرتے تو تھے مگر ان کی فطرت کی آواز انہیں ایسے امور سے نفرت دلاتی، یہ آواز کسی بھی خطیب واعظ، یا مُصلح اور کسی بھی قسم کی انقلابی کتاب اور کسی مخلص مربّی سے زیادہ طاقتور اور کارگر تھی۔ باقی لوگ بتوں کی پوجا پاٹ میں مصروف ہو جاتے، ان کے فکر و ذکر کا محور بت ہوتے، مگر یہ نوجوان یہ سوچتے کہ یہ کیسا دین اور مذہب ہے کہ انسان اپنی طرح کی مخلوق کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے، اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ پتھروں کے سامنے عجز و انکساری کا مجسمہ بن کے بیٹھ جائے، کسی پرانی یا نئی قبر پر اپنی جبین نیاز کو جھکائے، کسی خوبصورت و تر و تازہ یا بدصورت اور سوکھے درخت سے حاجات کو طلب کرے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے خوبصورت چہرے کو لکڑی، پتھر، سونے، پیتل، لوہے اور دیگر اشیاء سے بنائے گئے بتوں پر رگڑتا رہے۔ اور درگاہوں، گنبدوں، آستانوں اور قبروں کی مٹی چاٹتا رہے، یہ سب طریقے لغو، بیہودہ اور بیکار لگتے ہیں، بلکہ یہ قبیح اور مکروہ تماشہ کے علاوہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

ذبیحے، منتیں، چڑھاوے، رکوع و سجود، اعتکاف و طواف اور جملہ قسم کی عبادتیں صرف اور صرف اس ذات کیلئے ہونی چاہئیں جو آسمان و زمین کا مالک اور خالق ہے۔ اور سب مخلوق کی ضروریات کا اہتمام کرنے والا ہے۔

ان نوجوانوں کے قلوب و اذہان جب اس حقیقت سے منور ہو گئے تو وہ آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے بت خانوں کے اندر جمائی گئی رونقوں سے کھسکنے لگے۔ میلے کی رنگینیوں سے دور ایک درخت کے نیچے جا کر ایک نوجوان بیٹھ گیا، اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر باقی نوجوان بھی آ کے بیٹھ گئے، لیکن بالکل خاموش۔ اپنے دل کی بے قراری کو زبان دینے کے لیئے کوئی بھی تیار نہ تھا، اس خوف سے کہ شاید سننے والوں میں سے کوئی دشمن نہ ہو۔ یا وقت کے بت پرست حکمران اور اس کی پیروکار رعیت تک بات نہ پہنچا دے۔ فکر، عقیدہ اور نظریہ سب کا ایک تھا۔ لیکن اسی ذہنی ہم آہنگی کا آپس میں علم نہ تھا مہر بلب ساکت اور دلی اندیشوں میں مبتلا نوجوانوں میں سے بالآخر ایک نے خاموشی کا پردہ ہٹا دیا اور بولا

''دوستو کیا بات ہے تم سب یہاں آ کر بیٹھ گئے ہو، رونقوں، بہاروں اور رنگینیوں سے بالکل بے نیاز ہو کر، جبکہ باقی لوگ میلے کی لذتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور اپنے معبودوں کی پرستش میں مصروف ہیں، آخر کوئی وجہ تو ہو گی تمہاری اس بیزاری کی؟'' اس پر ایک نے جرأت کر کے کہا:

بھائی بات یہ ہے کہ مجھے تو اپنی قوم کی ان خرافات سے سخت نفرت ہے، بھلا جب آسمان و زمین کا، ہمارا اور تمہارا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے تو اس کو چھوڑ کر اپنے جیسی مخلوق کی عبادت کس طرح کریں؟ --- یہ سن کر دوسرے نے کہا: اللہ کی قسم میری بیزاری کی وجہ بھی یہی ہے۔ مجھے تو اپنی قوم کی خرافات ایک آنکھ نہیں بھاتیں، اس نفرت نے مجھے یہاں لا بٹھایا ہے۔ تیسرے نے بھی انہی جذبات کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ سب نے اپنی روح اور جسم کی بے سکونی کا بنیادی سبب ظاہر کر دیا۔



جب سب کا دکھ درد اور کرب ایک جیسا نکلا تو اس کے علاج کیلئے بھی سب متفق ہو گئے، دل قربت محبت اور اپنائیت کے احساس سے کھل اٹھے اور عقیدے کی یکسانیت نے انہیں ایسی سچی اور پرخلوص محبت سے آشنا کر دیا کہ ماں، باپ، خویش و اقارب کی محبت سے بڑھ کر ان کو آپس میں محبت کرنے کے انجان تجربے کا لطیف احساس ہونے لگا۔ وہ ایک سچے عقیدہ کے مہکتے ہار کے خوشبودار پھول بن کر ایک ہی لڑی میں جڑ گئے اب انہوں نے خرافات زدہ، شرک گذیدہ اور جہالت خوردہ قوم سے اپنے آپ کو جدا کر لیا۔ اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی عبادت کے لیئے ایک جگہ متعین کر کے ربّ واحد کی پرستش کرنے لگے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اصحاب کہف کا یوں تعارف کرایا ہے:

فانه قد ذكر غير واحد من المفسرين من السلف والخلف أنهم كانوا من أبناء ملوك الروم وسادتهم، وأنهم خرجوا يوما في بعض أعياد قومهم وكان لهم مجتمع في السنة يجتمعون فيه في ظاهر البلد، وكانوا يعبدون الأصنام والطواغيت ويذبحون لها، وكان لهم ملك جبّار عنيد يقال له "دقيانوس" وكان يأمر الناس بذلك ويحثهم عليه، ويدعوهم اليه، فلما خرج الناس لمجتمعهم ذلك وخرج هؤلاء الفتية مع آبائهم وقومهم ونظروا إلى مايصنع قومهم بعين بصيرتهم عرفوا أن هذا الذى يصنعهٗ قومهم من السجود لأصنامهم والذبح لها لا ينبغى الا لله الذى خلق السموات والأرض فجعل كل واحد منهم يتخلص من قومه، وينحاز منهم ويتبرز عنهم ناحية فكان اوّل من جلس منهم احدهم جلس تحت ظل شجرة فجاء الآخر، فجلس

ترجمہ: متقدمین اور متاخرین مفسرین میں کافی حضرات نے بیان کیا ہے کہ اصحاب کہف روم کے حکمرانوں اور رومی سرداروں کی اولاد تھے۔ ایک دفعہ یہ اپنی قومی عید کے موقع پر باہر نکلے ان کا سال میں ایک میلہ ہوا کرتا تھا، شہر سے بالکل باہر۔ اس میلہ کے موقعہ پر یہ لوگ بتوں اور طاغوتوں کی پوجا کرتے اور ان کے لیئے جانور ذبح کرتے تھے۔ ان کا حکمران ''دقیانوس'' نام کا بڑا ظالم اور مغرور شخص تھا۔ وہ ذاتی طور پر لوگوں کو بت پرستی کا حکم دیتا ان کو رغبت دلاتا اور ان کو باقاعدہ بت پرستی کی دعوت وتبلیغ کرتا۔ لوگ میلہ کیلئے روانہ ہوئے تو نوجوانوں کا یہ ٹولہ بھی اپنے ماں باپ اور اپنی قوم کے ساتھ چل پڑا۔ انہوں نے بصیرت سے بھرپور نظروں سے لوگوں کے رسم ورواج اور عبادت کا مشاہدہ کیا تو ان کی سمجھ میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ان کی قوم بتوں کو سجدے کرتی اور ان کیلئے ذبیحے جو کرتی ہے اس کا مستحق تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ جس نے آسمان وزمین کو تخلیق فرمایا ہے۔ (یہ سوچتے ہی) ان میں سے ہر ایک اپنی قوم سے نظریں بچا کر کھسکنے لگا



الیھم عندہٗ وجاء الآخر ولا یعرف واحدمنھم الآخر وانما جمعھم ھناک الذی جمع قلوبھم علی الایمان. ①

اوران سے علیحدہ کسی گوشہ کی طرف جانے لگا۔ان میں سب سے پہلے اٹھنے والا نوجوان ایک درخت کے سایہ تلے آ کر بیٹھ گیا۔دوسرا آیا،ساتھ بیٹھ گیا۔اور تیسرا آیا تو وہ بھی ان کی ساتھ ہمنشین ہوگیا۔ان میں کوئی بھی دوسرے سے واقف نہ تھا۔انہیں یہاں جمع کرنے والی قوت وہی تھی جس نے ان کے سینوں کو ایمان سے مالا مال فرمایا تھا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ مزید تذکرہ کرتے ہیں:

والغرض انه جعل كل أحدمنهم يكتم ماهو عليه عن اصحابهٖ خوفا منهم ولا يدری انهم مثله حتی قال أحدهم، تعلمون والله يا قوم انه ما اخرجكم من قومكم وأفردكم عنهم الا شئ فليظهر كل واحدمنكم بامرهٖ" فقال آخر: اما أنا فانی والله رأيت ما قومی عليه فعرفت انه باطل، وانما الذی يستحق ان يعبد وحدهٗ ولا يشرک به شيئا هو الله الذی خلق السموات والأرض وما بينهما، وقال الآخر: وأنا والله وقع لی كذلک، وقال الآخر: كذلک حتی توافقوا كلهم علی كلمة واحدة فصاروا يداً واحدة، واخوان صدق، فاتخذوا لهم معبداً يعبدون الله فيه. ②

ترجمہ:غرضیکہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھیوں کے خوف سے اپنی دلی کیفیت کو پوشیدہ رکھے بیٹھا تھا۔یہ نہ جانتا تھا کہ دوسرے بھی اسی کی طرح (بیقرار) ہیں۔آخرکار ایک نے کہا، بھائیو یہ تو تم جانتے ہو کہ تمہیں اپنی قوم سے بیزار کرکے علیحدہ لانے والی کوئی بات تو ہے۔اب ایسا کرو کہ ہر ایک اپنا اپنا معاملہ بیان کرے۔دوسرے نے کہا کہ میری بات تو یہ ہے کہ میں نے اللہ کی قسم اپنی قوم کی عادات و رسوم کو دیکھا ہے مجھے تو یقین ہوگیا ہے کہ قوم کا یہ سارا طرز عمل باطل ہے۔عبادت کی تنہا بلاشرکت مستحق ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے آسمان و زمین اور ان کے مابین جملہ مخلوق کو پیدائش سے نوازا ہے۔
تیسرے نے کہا،اللہ کی قسم میرے دل میں بھی یہی بات پیدا ہوگئی ہے۔چوتھے نے اسی خیال کا اظہار کیا۔یہاں تک کہ وہ سب ایک بات پر متفق ہوگئے۔متحد اور مخلص بھائی بن گئے،اس کے بعد انہوں نے ایک عبادت خانہ بنا لیا جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔

① تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷۴

② تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷۴



شاہی دربار میں اعلانِ حق

پھولوں کی مہک کب تک چھپی رہ سکتی ہے۔توحید کے پروانوں اوراللہ واحد کے پرستاروں کی حالت بت پرست اور مشرک قوم سے مخفی نہ رہ سکی۔مشرک قوم نے اس توحیدی جماعت کے طرزِعمل کو قومی بغاوت قراردیدیا۔اورسزادلانے کی خاطر ان سب کو گرفتار کر کے اپنے ظالم،مشرک اور بدخو بادشاہ کے پاس لے گئے۔

بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ تم نے حکومت اوراپنی قوم کے بالکل برعکس طریقہ کیوں اور کیسے اختیار کیا ہے؟ تو جواب میں انہوں نے نہایت جرأت،ہمت اوراستقامت کے ساتھ توحید کا مفہوم بیان کیا اورشرک کی مذمت کا اظہار کیا اور بھری دربار میں بلاخوف وخطر مشرک حکمران اوراس کی ہم نوا قوم کو توحید کی طرف دعوت دی اور صاف اعلان کر دیا کہ ہمارا رب تو وہی ہے جس نے آسمان وزمین اور جملہ کائنات کو پیدا فرمایا ہے۔اواس کی تمام ترضروریات کو تخلیق فرمایا ہے۔پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اس کے سوا کسی مخلوق کو معبود،مشکل کشا اور عبادت واستغاثہ کا مستحق بنالیں؟ ہم سے یہ کبھی نہیں ہوسکے گا۔یہ شرک ہے۔اور شرک سب سے بڑا جرم اوراللہ تعالیٰ کے ساتھ بغاوت ہے۔ہمیں اپنی قوم کا طرزِعمل یکسر ناپسند ہے۔قوم جس ظلم عظیم کا ارتکاب کر رہی ہے اس کے پاس اس کے جواز کی نہ کوئی عقلی دلیل ہے،اور نہ نقلی۔ہماری قوم اپنے مالک اور خالق سے غداری کی مرتکب ہورہی ہے۔جبکہ ہم نے جوراہ اختیار کی ہے ضمیر،فطرت اور عقل کے عین مطابق ہے۔قرآن کریم نے اس پاکیزہ گروہ کے اعلان حق کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ، اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدىً . وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَ مِنْ دُوْنِهٖ اِلٰهاً لَقَدْ قُلْنَا اِذًا شَطَطًا . هٰؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ آلِهَةً لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ. فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ ①

ترجمہ:ہم ہی ان کا قصہ آپ سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔یہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے،اور ہم نے انہیں ہدایت میں ترقی دی تھی۔اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے،جب وہ لوگ (پختہ اور) مستعد ہوگئے تو بولے ہمارا پروردگار وہی تو ہے جو آسمانوں اورزمین کا پروردگار ہے۔ہم تو اسکے علاوہ کسی معبود کو نہ پکارینگے،ورنہ ہم تو پھر بڑی ہی بے جابات کے مرتکب ہونگے۔ان لوگوں (یعنی) ہماری قوم والوں نے اللہ کے علاوہ اور معبود بنا رکھے ہیں۔یہ لوگ ان (باطل) معبودوں کے وجود پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے؟ پس اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑتا ہے؟

① سورۃ الکہف: ۱۳، ۱۴، ۱۵



غار میں چھپ جانا

شرک پرور، حکمران اور بتوں کی پجاری قوم کے رؤساء، وامراء سے بھرے دربار میں توحید کی بلند وبالا اور مستحکم آواز گونجی تو حکمران طبقہ کے اوسان خطا (مخبوط الحواس) ہوگئے، انہیں وہم وگمان ہی نہ تھا کہ نوجوانوں کا یہ گروہ کس قدر جرأتمند، بہادر اور اپنی دعوت کا اتنا بے باک وکیل ہوسکتا ہے کہ انہیں نہ موت کا ڈر ہے نہ جیل کی تنہائیوں کا۔ نہ بادشاہ کے ظلم کا خوف ہے اور نہ قوم کی لاتعلقی کا کوئی اندیشہ۔!!

یہ نوجوان اگر عام طبقہ سے تعلق رکھتے تو انہیں دربار میں بلانے اور جواب طلب کرنے کی تکلیف ہی گوارا نہ کی جاتی، بلکہ ان کو بن بلائے قتل کرا دیا جاتا۔ اور کوئی پوچھتا بھی نہ۔ مگر چونکہ یہ وزراء رؤساء اور سرداروں کی اولاد تھے۔ ان کے یونہی قتل کر دینے سے حکومت کے مفلوج اور معطل ہو جانے کا خطرہ تھا۔ بادشاہ کو اس پہلو کا بخوبی ادراک تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ان نوجوانوں کو آزاد چھوڑ دینے سے ملک کا نظریاتی نظام ناکارہ ہو جائے گا۔ لہذا اس نے تادیبی طور پر اولاً ان موحدوں کو سمجھایا، باز نہ آنے کی صورت میں جان سے مار ڈالنے اور دوسرے دردناک مراحل سے دوچار رہنے کا خوف دلایا۔ لیکن ڈرانے دھمکانے کا یہ طریقہ موحد نوجوانوں پر مؤثر ثابت نہ ہوسکا۔ انہیں جسقدر ڈرایا جاتا اتنا ہی ان کا ایمان مضبوط اور مستحکم ہو جاتا۔ چنانچہ بادشاہ نے مصلحتاً ان کو چند دنوں کی مہلت دے دی کہ تم دوبارہ اپنے آباء واجداد کے دین کی طرف پلٹ آؤ اور ملی بغاوت سے توبہ کرلو۔ غرضیکہ اپنے عقیدہ پر جمے رہنے کے نقصانات اور سابقہ دین کو اختیار کر لینے کے فوائد پر پوری طرح غور وفکر کرلو۔ مہلت کے ان دنوں بعد بھی کوئی تبدیلی نظر نہ آئی تو تمہیں موت کی سزا دیدی جائے گی۔

اللہ والے یہ فیصلہ سن کر شاہی دربار سے واپس چلے آئے انہیں اپنے وقت کے ظالم حکمران اور اس کے ہم مذہب درباری حاشیہ نشینوں اور مشیروں کے تیور پڑھ کر یہ یقین ہوگیا کہ مہلت کے ایام گذر جانے کے بعد دو باتوں میں سے ایک ضرور ہو کر رہے گی۔ یا تو موت کے حوالے کر دیا جائے گا یا پھر شرک اور کفر کی راہ پر دوبارہ چلنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ جو کہ موت سے زیادہ خطرناک اور دائمی عذاب کا موجب بن جائے گا۔ اس لیئے انہوں نے یہ طے کرلیا کہ مہلت کے ان دنوں کے اندر اندر شہر سے نکل جانا چاہیئے اور کسی غار میں پناہ حاصل کر کے اپنے عقیدہ وعمل کا تحفظ کرنا چاہیئے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بشری تقاضوں سے مجبور ہو کر اس سچے دین سے محروم ہونا پڑ جائے۔ چنانچہ ان نوجوانوں نے اللہ کی رضا کی خاطر شہر کو چھوڑ دیا اور ایک غار کے اندر چھپ گئے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴾ ①

ترجمہ: جب ان نوجوانوں نے غار میں جا کر پناہ لی، پھر بولے اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر اور ہمارے لیئے (اس) کام میں درستی کا سامان کر دے، پس ہم نے غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک (نیند کا) پردہ ڈالے رکھا۔

جس نیند کے پردے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اس کا دورانیہ تین سو نو سال پر محیط رہا۔ اس کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴾ ②

ترجمہ: اور (وہ لوگ) اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس مزید رہے۔

اصحاب کہف کے تحفظ کا حیرت ناک انتظام

نیند کے اس طویل ترین عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو کھلا رکھا، اعجازی انداز کی اس نیند میں دیکھنے والا اگر انہیں دیکھتا تو انہیں بیدار سمجھتا۔ حالانکہ وہ جاگ نہیں رہے تھے۔ بلکہ نیند میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں پر ہیبت اور جلال کو پیدا فرما دیا، ایسا جلال کہ انہیں دیکھنے کی سکت کسی میں نہ ہو سکے۔ تاکہ کوئی جرأت کر کے ان تک نہ پہنچ سکے۔ اور نہ کوئی انہیں ہاتھ لگا سکے۔ یہ اس وقت تک آرام کریں جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت وحکمت کا تقاضا ہو، اللہ تعالیٰ نے اس نیند کا ذکر اپنی کتاب عظیم میں یوں فرمایا ہے:

﴿ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴾ ③

ترجمہ: اور تو ان کو دیکھتا تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرتا۔ حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ ہم ہی ان کی کروٹیں بدلتے رہتے ہیں داہنی طرف بھی اور بائیں طرف بھی۔ اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلائے بیٹھا تھا اگر تو انہیں جھانک کر دیکھتا تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا۔ اور تیرے اندر ان کا رعب سما جاتا۔

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اصحاب کہف اللہ تعالیٰ کے بڑے محبوب بندے تھے جن کے تحفظ کیلئے رب کریم نے بے مثل انتظام فرمایا۔

① سورۃ الکھف: ۱۰، ۱۱
② سورۃ الکھف: ۲۵
③ سورۃ الکھف: ۱۸



نیند سے بیداری

اصحاب کہف کو نیند میں پڑے کئی صدیاں گذر گئیں اس دوران کئی نسلیں ختم ہوگئیں ان کے اپنے ملک میں انقلاب آ گیا، بت پرستوں کی حکومت کی جگہ اہل توحید کی حکومت قائم ہوگئی تھی، ان موحدوں کا واسطہ ایک گروہ سے پڑا ہوا تھا جو جسموں کے دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کرتا تھا، ان کا خیال تھا کہ لوگ جو مر کر مٹی ہو چکے ہیں یا ہو جائیں گے ان کے اجسام کا دوبارہ حیات ہو جانا عقلاً محال امر ہے اس مسئلہ پر دونوں فریقوں کے بحث و مباحثے جاری تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو سینکڑوں سال کی طویل نیند سے بیدار کر دیا تا کہ اللہ تعالیٰ کی حجت غالب آ جائے اور منکرین کے انکار کا عملی جواب مل جائے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْا أَنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ﴾ ①

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں۔

چنانچہ جب یہ نوجوان اللہ کے حکم سے تین سو نو سال کی طویل ترین نیند سے جاگے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے بھائی یہ بتاؤ کہ ہمیں یہاں سوئے ہوئے کتنا وقت گذرا ہے؟ جواب میں ایک نے کہا کہ ہم یہاں ایک دن پورا، یا دن کا کچھ حصہ سوئے ہیں جب کسی حتمی میعاد کے معلوم کرنے یا متعین کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو انہوں نے نیند کے کل وقت کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے اپنے خورد و نوش کے انتظام میں مصروف ہو گئے۔ قرآن کریم ان کے باہمی سوال و جواب کا ذکر فرماتا ہے۔

﴿ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْماً أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ﴾ ②

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے انہیں جگا دیا تا کہ وہ آپس میں پوچھ پاچھ کریں (چنانچہ) ایک کہنے والے نے انہیں سے کہا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو گے؟ (بعض ان میں سے بولے کہ ہم دن بھر ٹھہرے ہونگے یا دن بھر سے کم، (بعض اور) بولے کہ جتنی دیر تم ٹھہرے ہو تو تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے۔

نیند کی مدت کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے علم کے حوالے کرنے کے بعد اصحاب کہف نے اپنے میں سے ایک ساتھی کو کھانا وغیرہ خریدنے کیلئے شہر کی طرف روانہ کیا، یہ نصیحت کر کے کہ لوگوں سے نرمی سے گفتگو کرنا اور اپنے معاملہ کو اخفاء میں رکھنا، کسی کو ہمارے یہاں موجود ہونے کا علم نہ ہو جائے۔ یہ شخص شہر میں داخل ہوتا ہے تو اسے شہر میں آ جانے والے انقلاب نے

---

① سورۃ الکھف: ۲۱
② سورۃ الکھف: ۱۹



حیرت زدہ کر دیا۔ لوگوں کے لباس اور اپنے لباس کا موازنہ کرتا ہے تو بے حد فرق محسوس ہونے لگتا ہے۔ نئے فیشن اور جدید انداز کے لباس میں ملبوس لوگوں کو دیکھا پھر اپنے پرانے انداز کے لباس پر نظر دوڑائی تو عجیب قسم کا اختلاف ظاہر ہونے لگا۔ پھر شہر میں ایک بھی شخص ایسا نہ ملا جو اسے جانتا ہو۔ لباس کے ڈیزائن تو بہت مختصر مدّت کے بعد بدل جاتے ہیں، یہاں تو چالیس پچاس سال کی بات نہیں بلکہ تین صدیوں سے زائد عرصہ کے تغیرات کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر سوچنے لگا کہ آخر شہر والے ایک دن میں کیسے بدل گئے، ان کے طور و اطوار میں یکا یک انقلاب کیسے آ گیا۔ اور جاننے والے لوگ کہاں چلے گئے، کل ہی تو میں شہر سے باہر نکلا تھا، یہ سب کچھ آن کی آن میں کس طرح ہو گیا ہے؟ پھر خیال کیا کہ شاید میرے دماغ میں کچھ خلل واقع ہو گیا ہے۔ ٹھیک طرح سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ میرا دماغ درست ہے۔ بہر حال فرق واضح تھا، جس کے اسباب کی کھوج نہ لگا سکا۔ بالآخر تھک ہار کر ایک دکان کا رُخ کیا تاکہ خورد و نوش کا سامان خریدے۔ دکاندار نے اس عجیب و غریب شخص کو دیکھتے ہی اپنے دل میں تعجب کا اظہار کیا کہ یہ نووارد شخص اس علاقے کا باشندہ تو نظر نہیں آتا، مگر کچھ بولے بغیر یہ خیال کر لیا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ شخص کسی اجنبی ملک کا باشندہ ہو، مسافر بن کے آیا ہو۔ لہٰذا مجھے کریدنے کی کیا ضرورت ہے؟

لیکن دکاندار کی حیرت اس وقت اور زیادہ بڑھ گئی جب اس نوجوان نے خریدے ہوئے سامان کا پیسہ دیا، سکّے کو الٹ پلٹ کر دیکھا کچھ سمجھ میں نہ آیا تو پڑوسی دکاندار کے حوالے کرتے ہوئے کہا یار دیکھو تو یہ سکّہ کس زمانے کا ہے؟ کس حکمران کے دور میں اسے جاری کیا گیا؟ سکّے کا معاملہ ان دونوں دکانداروں کی سمجھ میں نہ آ سکا۔ اب یہ سکّہ پورے شہر کی گفتگو اور تجسس کا موضوع بن گیا۔ بالآخر سب لوگوں نے یہ رائے قائم کر لی کہ سکّہ بہت پرانا ہے شاید اس نوجوان کو کہیں سے مدفون خزانہ ملا ہے۔ یہ سکّے بھی اس خزانے سے ملے ہونگے۔ یہ خیال اس قدر پختہ ہو گیا کہ لوگوں نے اس نوجوان سے سوالات کی بھرمار کر دی۔ نوجوان حیران کھڑا سوچنے لگا کہ بھلا ان کو کیا ہو گیا ہے یہ اس قدر سوالات کیوں کر رہے ہیں اور میرے دیئے ہوئے سکّے پر متعجب کیوں ہو رہے ہیں؟ میں اسی شہر کا باسی ہوں، کل ہی تو شہر سے باہر نکلا ہوں، بھلا یہ لوگ سکّہ کیوں نہیں لے رہے۔ پھر ان سے کہا کہ بھئی ہمارا حکمران دقیانوس تو ہے۔ یہ اسی کا سکّہ ہے، لیتے کیوں نہیں ہو؟

نوجوان کے منہ سے ''دقیانوس'' کا نام سنا تو لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ نوجوان دقیانوس کا نام لیتا ہے، اسے گذرے ہوئے تو صدیاں بیت گئی ہیں، یہ کیسا نوجوان ہے، سمجھ میں نہیں آ رہا کہ معاملہ کیا ہے؟ لوگ اس نوجوان کو ساتھ لیئے اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اس کا عجیب و غریب حال بیان کیا اور اس کی نرالی وضع قطع کو بھی خاص طور پر ظاہر کیا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اصحاب کہف جن ایام میں بیدار ہوئے، یہاں کی قیادت و سیادت پر اہل توحید کو غلبہ مل چکا تھا، چنانچہ مسلمان حاکم نے نوجوان کے پورے احوال سے مطلع ہو جانے کے بعد غار کی طرف چلنے اور بقیہ نوجوانوں کی زیارت کا پروگرام بنا لیا۔

یہ نوجوان، بادشاہ اس کے وزراء، ارکان دولت اور عام شہریوں کو ساتھ لے کر غار تک لایا اور خود اندر جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بھائیو ہم تو صدیوں سے یہاں سوئے ہوئے تھے چلو باہر نکل کر دیکھو تو سہی لوگ ہمارے حالات سے باخبر ہونے کیلئے باہر جمع ہو چکے ہیں، ان میں وقت کے حکمران، روساء وزراء بھی موجود ہیں۔ اس نے اپنے ساتھ ہونیوالے سارے حالات سے اپنے ساتھیوں کو مطلع کیا اور کہا شہر اور شہر والوں میں بڑے انقلابات رونما ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد وہ سب نکل کر غار کے باہر کھڑے بادشاہ اور دیگر لوگوں سے ملے، اور دوبارہ غار کی طرف چلے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں غار کے اندر موت عطا فرمائی۔

اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ذكر غير واحد من السلف انه كان قد حصل لأهل ذلك الزمان شك في البعث وفي امر القيامة، وقال عكرمة: كان منهم طائفة قد قالوا تبعث الأرواح ولا تبعث الأجساد، فبعث الله اهل الكهف حجة ودلالة وآية على ذلك، وذكروا انه لما أراد أحدهم الخروج ليذهب إلى المدينة في شراء شئ لهم لياكلوه، تنكرو خرج يمشي في غير الجادة، حتى انتهى إلى المدينة، وذكروا ان اسمها "افسوس" وهو يظن انه قريب العهدبها وكان الناس قد تبدلوا قرناً بعد قرن، وجيلا بعد جيل وامة بعد امة وتغيرت البلاد ومن عليها كما قال الشاعر:

"اما الديار فانها كديارهم
وأرى رجال الحي غير رجاله"

فجعل لايرى شيئاً من معالم البلدالتي يعرفها ولا يعرف احداً من أهلها لاخواصها ولا عوامها، فجعل يتحير في نفسه ويقول: لعل بي جنونا

ترجمہ: علماء سلف میں کئیوں نے بیان کیا ہے کہ اس دور کے لوگوں میں دوبارہ جی اٹھنے اور قیامت کے متعلق شکوک لاحق ہو چکے تھے۔ ان میں سے ایک جماعت کا یہ نظریہ تھا کہ روح کی بعثت تو ہو سکتی ہے اور ہوگی۔ مگر جسم دوبارہ نہیں اٹھائے جائینگے۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو بیدار فرما کر دوبارہ جی اٹھنے پر حجت، دلیل اور واضح مثال قائم کر دی۔ علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ "اصحاب کہف میں سے ایک نوجوان کھانا خریدنے کیلئے جب شہر کی طرف روانہ ہونے لگا تو اپنا حلیہ بدل کر عام شاہراہ سے ہٹ کر شہر پہنچا۔ اس شہر کا نام "افسوس" بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا پختہ یقین تھا کہ شہر سے نکلے اسے بہت تھوڑا ٹائم گذرا ہے۔ جبکہ لوگ تو صدیوں، نسلوں اور اُمتوں کے گذر جانے کی وجہ سے بہت تبدیل ہو چکے تھے، اسی وجہ سے شہر اور شہر والوں کا نمونہ ہی بدل چکا تھا۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

اما الديار فانها كديارهم
وأرى رجال الحي غير رجال

گھر تو گھروں جیسے ہیں، مگر قبیلے کے لوگ وہ نہیں ہیں۔



أو مساً او أنا حالم" ويقول: والله مابى شئ من ذلك وان عهدى بهذه البلدة عشية امس على غير هذه الصفة، ثم قال: ان تعجيل الخروج من هٰهنا الأولى بى، ثم عمد الى رجل ممن يبيع الطعام فدفع اليه مامعه من النفقة وسأله أن يبيعه بها طعاما فلما را ها ذلك الرجل انكرها وانكر ضربها فدفعها الى جاره وجعلوا يتداولونها بينهم ويقولون: لعل هذا وجد كنزاً فسألوا عن امره ومن اين له هذه النفقة لعله وجدها من كنز، وممن انت؟ فجعل يقول: أنا من اهل هذه البلدة وعهدى بها عشية أمس وفيها "دقيانوس" نسبوه الى الجنون فحملوه الى ولى امرهم فسأله عن شأنه وخبره حتى اخبرهم بامره وهو متحير فى حاله وماهو فيه، فلما أعلمهم بذلك قاموا معه الى الكهف، ملك البلد وأهلها حتى انتهى بهم إلى الكهف فقال لهم دعونى حتى أتقدمكم فى الدخول لأعلم أصحابى فدخل، فيقال انهم لايدرون كيف ذهب فيه أخفى الله عليهم خبرهم ويقال: بل دخلوا عليهم ورأوهم وسلم عليهم الملك و اعتنقهم وكان مسلمافيما قيل واسمه "تندوسيس" ففرحوا به وآنسوه

یہ نوجوان شہر کے جن نشانات اور علامتوں سے واقف تھا ان میں کوئی چیز بھی اسے نظر نہ آئی۔ اور شہر کے خواص و عوام میں سے کوئی بھی اس کا شناسا نظر نہ آیا۔ خود ہی مجسمہ حیرت بن کر اپنے متعلق سوچنے لگا، ہوسکتا ہے مجھے جنون لاحق ہوگیا ہو۔ یا شیطان کا اثر ہو چکا ہو یا یہ ہوسکتا ہے کہ میں یہ سب کچھ خواب دیکھ رہا ہوں۔ پھر کہتا، نہیں مجھے کچھ بھی تو نہیں ہے، کل شام ہی کو شہر کو چھوڑ کے گیا تھا۔ تو اس کی شکل دوسری تھی یہ آج کیا ہوگیا ہے۔ بس جتنا جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جانا میرے لیئے زیادہ مناسب ہے۔ یہ سوچ کر فوراً ایک طعام فروش کی طرف متوجہ ہوا جو قیمت ساتھ لایا تھا اسے دکاندار کے سپرد کرتے ہوئے کہا مجھے طعام دیدو۔ دکاندار قیمت کے طور پر سکے کو دیکھتے ہی حیرت زدہ ہوگیا۔ سکے کے اوپر لگے ہوئے ٹھپے کو دیکھا اور وہ بھی اسے عجیب سا لگا۔ پڑوسی دکاندار کے حوالے کر کے پوچھا یہ کیسا سکہ ہے، دیکھو تو سہی۔ بس پھر کیا تھا، لوگوں نے اس سکہ کو ایک دوسرے سے لے کر غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ آخر کار سبھی نے کہا کہ اس نوجوان کو کہیں سے مدفون خزانہ ملا ہے یہ سکہ اسی میں سے ہوگا۔ اب ان لوگوں نے سکے کے متعلق پوچھنا شروع کیا کہ یہ کہاں سے دستیاب ہوا ہے؟ کہیں مال مدفون تو نہیں ملا؟ اور تو خود کس قوم اور قبیلہ اور ملک سے تعلق رکھتا ہے؟ نوجوان بولا: میں اسی شہر کا باسی ہوں، میں نے کل شام کے وقت اس شہر کو چھوڑا تھا۔ اس شہر کا حاکم دقیانوس ہے،



بالكلام ثم ودّعوه وسلموا عليه، وعادوا إلى مضاجعهم وتوفاهم الله عزوجل فالله أعلم .①

لوگوں نے یہ سنتے ہی کہا اسے جنوں لاحق ہے۔ یہ کوئی مخبوط الحواس انسان ہے۔ پھر اسے اپنے حاکم کے پاس لے گئے۔ حاکم نے خود نوجوان کے حالات سے آگہی حاصل کی، بالآخر نوجوان نے اپنا پورا ماجرا سنا دیا۔ بادشاہ نوجوان کی وضع وقطع اور اس کے حالات کا مشاہدہ کر کے حیران ہوگیا۔ بادشاہ نے نوجوان کے حالات سن کر غار کی طرف جانے کا عزم ظاہر کیا، چنانچہ نوجوان انہیں اپنے ساتھ غار تک لے آیا، غار کے قریب پہنچ کر نوجوان نے کہا کہ مجھے اجازت دو میں تم سے پہلے غار میں داخل ہو کر اپنے ساتھیوں کو آپ کے آنے کی اطلاع کر دوں، یہ کہہ کر وہ غار میں داخل ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ باہر کھڑے لوگوں کو خبر تک نہ ہو سکی کہ نوجوان غار میں کس طرف سے داخل ہوا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان کے غار کے اندرونی کوائف و حالات کو لوگوں سے پوشیدہ فرمایا۔ (اس کے برعکس) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ غار تک آنے والے لوگ غار میں داخل ہوئے۔ نوجوانوں کی زیارت کی۔ بادشاہ نے انہیں سلام کیا، اور ان کے ساتھ بغلگیر بھی ہوا۔ یہ بادشاہ پہلے سے مسلمان تھا۔ اس کا نام ''تندوسیس'' تھا، اصحاب کہف نے مسلمان بادشاہ سے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ اور اس سے گفتگو کر کے انس و محبت کا اظہار کیا۔ پھر اصحاب کہف نے بادشاہ کو الوداع کہا۔ یہ نوجوان سلام کے بعد دوبارہ اپنی آرام گاہوں کی طرف لوٹے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دیدی۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷۷



حاصل کلام:

قرآن کریم کی نصوص مبارکہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اصحاب کہف توحید پرست انسان اور ولی کامل تھے۔ مگر اس قدر ولایت و قرب الٰہی کے باوجود انہیں اپنے سوئے رہنے کی مدت کا علم نہ ہو سکا۔ وہ تین صدیوں سے زائد وقت تک استراحت کرتے رہے۔ مگر انہیں یہ طویل عرصہ ایک دن، یا آدھا دن محسوس ہوا۔ اللہ اکبر، اصحاب کہف مرے نہیں تھے بلکہ زندگی و حیاتی کے ساتھ نیند کرتے رہے۔ انہیں بیت جانے والوں سینکڑوں سالوں کا علم نہیں ہے۔ وہ اپنی لاعلمی کا اعتراف کر کے مدّت کے علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ یہ حال ہے ان اللہ کے نیک بندوں کا جن کی بزرگی، عظمت اور ولایت و ایمان کی شہادت خود اللہ عزوجل نے دی ہے۔ تو پھر دوسرے اولیاء اللہ بزرگ اور صالح افراد کو موت کے بعد دنیا والوں کے معمولات، حالات و حاجات اور مشکلات کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ غلو نے غیر اللہ کے پجاریوں کو فطرت سلیمہ، ضمیر ثاقب اور عقل حاذق سے محروم کر دیا ہے۔ نہ یہ عقل کے مقتضا کو تسلیم کرتے ہیں نہ فطرت سلیمہ کے آداب کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی ضمیر کی آواز کو سن سکتے ہیں۔ الٹا صحیح العقیدہ افراد کو مطعون کرتے ہیں کہ یہ بے ادب ہیں، گستاخ ہیں وغیرہ۔ آنکھوں کی بینائی سے محروم شخص بھی قابل رحم ہوتا ہے۔ مگر بصیرت کے اندھے تو بہت ہی قابل رحم ہیں جو اپنے غلو کو ایمان کامل کا درجہ دیتے ہیں۔ اور صحیح اسلامی محبت کو گستاخی قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

سیدہ بی بی حنّہ ؑ کو اپنے پیٹ میں موجود حمل کا علم نہیں تھا

سیدنا عمران کی بیوی کا نام "حَنّـہ" تھا۔ نہایت درجہ کی صالحہ، زاہدہ اور عبادت گذار خاتون تھیں۔ ان کے متعلق امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واما إمرأة عمران فهى أم مريم ا بنة عمران، أم عيسى بن مريم صلوات الله عليه و كان اسمها فيما ذكرنا "حنة" ابنة فاقوذ بن قتيل. ①

ترجمہ: عمران کی بیوی مریم بنت عمران والدہ عیسیٰ بن مریم صلوات اللہ علیہ تھیں، ان کا نام ہمیں "حنّہ" بیان کیا گیا ہے۔ جو فاقوذ بن قتیل کی صاحبزادی تھیں۔

قرآن کریم میں ان کا ذکر خیر وارد ہوا ہے۔ اس میں یہ ذکر بھی ہوا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والی، اللہ کے نام کی نذر و منت ماننے والی تھیں۔ شرک سے ان کو حد درجہ نفرت تھی۔ قرآن بیان کرتا ہے کہ وہ جب امید سے ہوئیں تو انہوں نے

① تفسیر ابن جریر الطبری ج ۳ ص ۱۵۷ واللفظ له/ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۵۹

نذر مان لی کہ ان کے ہاں جو بیٹا پیدا ہوگا وہ اللہ کے گھر کیلئے وقف کر دیا جائیگا، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے گھر کی خدمت کرے گا۔ اس سے دنیا کا کوئی دوسرا کام نہیں لیا جائیگا۔ اس نذر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ ①

ترجمہ: جب عمران کی بیوی نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے تیرے لیئے نذر مانی ہے، اس (بچہ) کی جو میرے پیٹ میں ہے آزاد رکھا جائے گا۔ سوتو (یہ) مجھ سے قبول کرتو تو خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

یہ نذر انہوں نے اس امید پر مانی تھی کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔ جو اللہ کے گھر کی خدمت کرے گا، کہ یہ کام ہمیشہ مردوں سے لیا جاتا تھا۔ بیٹیوں کو ان کی بعض فطری مجبوریوں اور عوارضات کی وجہ سے اس مقدس کام کے اہل نہ سمجھا جاتا تھا۔ جیسا کہ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے سیدنا قتادہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

عن قتادة قوله اذ قالت امرأة عمران: رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا "الآية" كانت امرأة عمران حررت لله ما في بطنها و كانوا انما يحررون الذكور. ②

ترجمہ: آیت رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا کی تشریح میں قتادہ سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ "عمران کی بیوی نے اپنے پیٹ میں موجود حمل کے بارہ میں منت مانی کہ وہ آزاد ہوگا۔ (یعنی ان کا خیال تھا کہ لڑکا پیدا ہوگا۔ اس لیئے کہ) وہ اللہ کے گھر کی خدمت کیلئے لڑکوں کو ہی وقف کیا کرتے تھے۔

سیدہ حنہ کی آرزو اور خواہش کے برعکس ان کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی جس پر انہیں بے حد غم اور افسوس لاحق ہوا کہ یہ لڑکی دستور کے مطابق اللہ کے گھر کی خدمت کیلئے وقف نہیں کی جا سکے گی اور نہ اسے قبول کیا جائے گا۔ اس لیئے اپنے دلی دکھ، اور اپنی حسرت ومحرومی کا اللہ کی جناب میں تذکرہ یوں کیا:

﴿ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ ﴾ ③

ترجمہ: پھر جب اس (مریم) کو جنا تو بولی کہ، "اے میرے پروردگار میں نے تو لڑکی جنی ہے۔

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا الربیع رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے:

---

① سورۃ آل عمران: ۳۵
② تفسیر الطبری ج ۳ ص ۱۵۸
③ سورۃ آل عمران: ۳۶

عن الربیع قال: کانت امرأۃ عمران حررت للہ ما فی بطنها وکانت علی رجاء ان یهب غلاماً لان المرأۃ لا تستطیع ذلک یعنی القیام علی الکنیسة لاتبرحها وتکنسها لمایصیبها من الأذی. ①

ترجمہ: ربیع رحمہ اللہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عمران کی بیوی نے اپنے پیٹ میں موجود حمل کے متعلق منت مان لی کہ وہ اللہ کے لیئے آزاد ہوگا۔ اس امید پر کہ لڑکا پیدا ہوگا۔ اس لیئے کہ لڑکی بیت اللہ کی خدمت کیلئے اہلیت نہیں رکھتی، یعنی کنیسہ میں ہمہ وقت رہنا اور اس کی صفائی کرنا اس کی استطاعت میں نہیں ہے اس وجہ سے کہ اسے حیض وغیرہ کی (فطری) کمزوری سے سابقہ رہتا ہے۔

ایک دوسری روایت امام ابن جریر رحمہ اللہ نے سدّی رحمہ اللہ سے نقل کی ہے۔

عن السدی ان امرأۃ عمران ظنت ان ما فی بطنها غلام فوهبت للہ فلما وضعت اذا هی جاریة فقالت تعتذر الی اللہ: رب انی وضعتها انثی ولیس الذکر کالانثی "تقول: "انما یحرر الغلمان". ②

سدی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عمران کی زوجہ نے امید باندھ رکھی تھی کہ اس کے پیٹ میں لڑکا ہے۔ اس لیئے اس نے اسے اللہ کے لیئے ھبہ کر دیا۔ لیکن وضع حمل ہوا تو لڑکی پیدا ہوئی، چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ سے معذرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے، اے میرے پروردگار میں نے تو لڑکی کو جنم دیا ہے اور لڑکا تو لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ (کنیسہ) کی خدمت کے لیئے تو لڑکوں کو وقف کیا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ بی بی حنہ علیہا السلام کو باوجود عالی مرتبہ ولیہ، زاھدہ اور عابدہ ہونے کے یہ پتہ نہیں تھا کہ اس کے پیٹ میں پرورش پانے والا جنین لڑکا ہے یا لڑکی؟ اگر انہیں علم ہوتا کہ میں لڑکی جنوں گی تو نہ منت مانتی اور نہ اللہ کی جناب میں عذر و معذرت کا اظہار کرتی۔ چنانچہ آیت رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ کی تفسیر کرتے ہوئے امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی ان الانثی لا تصلح لمخالطة الرجال وکانت ترجو ان یکون ذکراً فلذلک حررت. ③

یعنی لڑکی اس خدمت کے اہل نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں مردوں کے ساتھ اختلاط ہوا کرتا ہے۔ انہیں چونکہ امید تھی لڑکے کے پیدا ہونے کی اس لیئے انہوں نے اسے آزاد کرنے کی منت مان لی تھی۔

① تفسیر الطبری ج ۳ ص ۱۵۹
② تفسیر الطبری ج ۳ ص ۱۵۹
③ تفسیر القرطبی ج ۴ ص ٦٧



پھر مزید آگے چل کر امام قرطبی رحمہ اللہ نے آیت: ''رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی'' کی تفسیر میں ترجمان القرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے:

قال ابن عباس: انما قالت هذا لانه لم يقبل في النذور الا الذكور.①

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (بی بی حنہ رحمہا اللہ) نے (رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی) کی معذرت اس لیئے کی کہ دستور کے مطابق اللہ کے گھر کی خدمت کیلئے لڑکی کو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔

قارئین کرام!

بی بی حنہ رحمہا اللہ کا تعارف آپ نے قرآن پاک کی نصوص سے پڑھ لیا ہے۔ مفسرین کرام کے اقوال بھی آپ کی نظروں سے گذرے، اب ذرا غور فرمایئے کہ ایسی عابدہ، زاہدہ اور اللہ سے ڈرنے اور امید رکھنے والی ولیہ کو اپنے حمل کا علم نہ ہوسکا کہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ مگر ہندو پاک کے پیروں، ولیوں اور بزرگوں (اور عورتوں میں رابعہ بصری جنہیں آدھا قلندر کہا جاتا ہے) کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں ''ما کان و مایکون'' یعنی حال، ماضی اور استقبال کے جمیع رازوں اور احوال کا علم ہے ان سے آسمان کا ذرہ مخفی ہے نہ زمین کی پوشیدہ کوئی بھی شئی، وہ لوگوں کے دکھ اور سکھ سے واقف ہوتے ہیں۔ آپ روشن ضمیر اور ایمان سے بھر پور عقل سے اس کے متعلق غور کریں کہ ایسا عقیدہ رکھنا کتاب اللہ کے موافق ہے یا مخالف۔ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کوئی شخص شرک سے بچ سکتا ہے؟ حیرت کی انتہا ہے کہ لوگ ایسی بے سروپا باتوں کو کیسے سن لیتے ہیں، اور انہیں کیسے درست تسلیم کر لیتے ہیں!؟؟

سیدہ مریم علیہا السلام کو اپنے سامنے آنے والے کا پتہ نہ چل سکا کہ یہ انسان ہے یا فرشتہ؟

سیدہ مریم رحمہا اللہ مشہور صاحب عزم رسول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پاکباز والدہ ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے دستور:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ②

کے تحت رسولوں اور نبیوں کے سلسلہ مبارکہ سے تو منسلک نہیں ہیں تاہم یہ بات ہر قسم کے شبہ سے پاک ہے کہ وہ ایک کامل و مکمل ولیہ اور حق کی حمایت کرنے والی ''صدیقہ'' تھیں۔ قرآن کریم میں ان کے واقعہ کو بارہا بیان کیا گیا ہے۔ انہی

---

① تفسير القرطبي ج ۴ ص ۶۷
② سورة يوسف: ۱۰۹



واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام بصورتِ انسان ان کے سامنے آئے تو بی بی مریم علیہا السلام نے اس نووارد کو انسان سمجھتے ہوئے اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کی اور اسے یہ کہا کہ اگر تو متقی انسان ہے اور اللہ سے ڈرنے والا ہے تو مجھ سے دور ہو جا۔ چنانچہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے بی بی مریم علیہا السلام کے سامنے اپنی اصلیت بیان کی کہ میں انسان نہیں بلکہ اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں، تاکہ تمہیں ایک پاک خصال لڑکا عطا کروں۔

سیدہ مریم علیہا السلام نے یہ کلمات سنے تو متعجب ہو کر کہنے لگی، لڑکا دو گے؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے، آج تک کسی بشر نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا اور میں فاحشہ بھی نہیں ہوں۔ (جبکہ توالد و تناسل کیلئے جائز و ناجائز یہی طریقے چلتے ہیں؟) اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام اور سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے مابین ہونے والے مکالمے کا ذکر یوں فرمایا ہے:

﴿ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴾ ①

ترجمہ: پھر ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ خاص کو بھیجا وہ ان کے سامنے بھلا چنگا انسان بن کر ظاہر ہوا۔ وہ بولیں میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ (فرشتہ نے) کہا میں تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ وہ بولیں میرے ہاں لڑکا کیسے ہو جائے گا؟ درآنحالیکہ نہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ میں بدچلن ہوں۔

قابل غور نکتہ:

ان آیات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیدہ بی بی مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی مقرب بندی اور صالحہ ولیہ ہونے کے باوجود یہ نہ جان سکیں کہ میرے سامنے آنے والا انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے، جو ہر قسم کی شہوت ولذت کے جذبات سے پاک ہے۔ اگر انہیں حقیقت کا ادراک ہوتا تو قطعاً اس سے اللہ کی پناہ طلب نہ کرتیں۔ جب قرآن کریم کی نصوص قطعیہ سے ولیہ ثابت ہونے والی خاتون کا یہ حال ہے تو آج کل کے لوگوں کا قبر میں مدفون حضرات کے متعلق یہ کہنا کہ وہ سب جلی و خفی مصائب و آلام کو نہ صرف جانتے بلکہ پکارنے والوں کی پکار کو سن کر مدد بھی کرتے ہیں کیسے درست ہے؟ کیا یہ نری جہالت، بے جا غلو اور قرآن کریم کی کھلی تکذیب نہیں؟

① سورۃ مریم ۱۷ ...... ۲۰



فصلِ ثانی
شِرک فی الدعاء کے بیان میں

شرک فی الدعاء کا مطلب:

شرک فی الدعاء کا مفہوم یہ ہے کہ کسی بھی مخلوق کو غائبانہ حاجات (از قسم نفع ونقصان) میں پکارنا اور ان سے نفع کی امید اور نقصان کا اندیشہ رکھنا شرک ہے۔ بشرطیکہ یہ ندا و پکار وغیرہ ان معاملات میں کی گئی ہو جو ظاہری اسباب و وسائل سے بالاتر ہو، یعنی کسی بھی انسان یا مخلوق کا ان معاملات میں مدد کرنا محال اور ناممکن ہو۔ ایسے عمل کو شرک فی الدعاء کہا جاتا ہے۔ کیونکہ دعا عبادت ہی نہیں بلکہ جملہ عبادات کا جوہر اور نچوڑ ہے۔ اور غیر اللہ کیلئے عبادت کرنا شرک ہے۔

دعا عبادت کا خلاصہ بلکہ عبادت دعا ھی کا نام ھے

شرعی ادلہ سے تو دعا کا اصل مطلوب ہونا یا عبادات کا جوہر اور خلاصہ ہونا ثابت ہے جیسا کہ اس کی تفصیل بعد میں ہوگی۔ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اہل لغت کا بھی اتفاق ہے کہ دعا کا معنی ''عبادت'' ہے، بالفاظ دیگر عبادت دعا کا ایک نام ہے۔

لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے:

وقال الفراء: وادعوا شهداء كم من دون الله، يقول: آلهتكم يقول استغيثوا بهم، وهو كقولك للرجل ''اذا لقيت العدو خاليا فادع المسلمين ومعناه استغث بالمسلمين فالدعاء ههنا بمعنى الاستغاثة وقد يكون الدعاء عبادة ①

ترجمہ: فراء قرآن کریم کی آیت ''وادعوا شهداء كم من دون الله'' میں وارد لفظ ''شهداء كم'' کا معنی ''آلهتكم'' (اپنے معبودوں کو) سے کرتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم ان سے مدد حاصل کرو، جیسا کہ تو کسی سے کہے کہ جب تو دشمن سے اکیلا ملے تو مسلمانوں کو بلا لینا یعنی

① لسان العرب ج ۱۴ ص ۲۵۶ حرف ''د'' بحث ''دُعاء''



مسلمانوں سے مدد طلب کر لینا۔ تو یہاں (لفظ وادعوا میں) دعا کا لفظ مدد طلب کرنے کے معنی میں مستعمل ہو رہا ہے۔

اور یقیناً لفظ دعا کبھی عبادت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ایک مرفوع حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان یوں مذکور ہوا ہے:

عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: ليس شئ اكرم على الله من الدعاء ① (حسن)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی بھی چیز عزت والی نہیں ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دعا کو افضل ترین عبادت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: افضل العبادة هو الدعاء وقرأ وقال ربكم ادعونی استجب لكم "قال الحاكم و الذهبی صحيح ② (حسن)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ افضل ترین عبادت ''دعاء مانگنا'' ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھ سے مانگو میں تم سب کی دعا کو قبول کروں گا۔ امام حاکم رحمہ اللہ اور امام ذھبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں دعا کو عبادت قرار دیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن النعمان بن بشير عن النبی صلی الله عليه وسلم فی قوله تعالىٰ: وقال ربكم ادعونی استجب لكم "قال: الدعاء هو العبادة، وقرأ" وقال ربكم ادعونی استجب لكم" الی قوله" داخرين" ③ (صحيح)

ترجمہ: سیدنا نعمان بنبشیر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان، اور مجھے پکارو میں تم سب کی پکار کو قبول کروں گا۔ مطلب بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (یہاں) دعا سے مراد عبادت ہے پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے قول، ''وقال ربكم ادعونی استجب لكم'' سے ''داخرين'' تک تلاوت کی۔

① رواه احمد ج ۲ ص ۳۶۲ مسند ابی هريره، الترمذی ج ۵ ص ۱۲۵ – كتاب الدعوات باب "فضل الدعاء" وحسنه الألبانی /مستدرک حاکم، کتاب الدعاء باب ليس شئی اكرم على الله من الدعاء.

② المستدرک للحاکم ، کتاب الدعاء باب "افضل العبادة هو الدعاء"

③ رواه ترمذی، کتاب التفسير، سورة البقرة وقال حديث حسن صحيح واللفظ له/الادب المفرد ص ۱۸۵ ، صححه الألبانی باب فضل الدعا/ ابوداؤد، کتاب الصلاة باب الدعاء، سكت عنه وهذا يدل على صحته عنده.



حدیث "الدعاء هو العبادة" کی تشریح کرتے ہوئے، امام سبکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الحصر فيه للمبالغة، فإن الدعاء في الأصل التذلل والتضرع الى الله تعالىٰ في الحوائج كلها والتذلل بين يدى الله تعالىٰ هو اصل العبادة وخلاصتها. ①

ترجمہ: عبادت کو دعا قرار دینے سے جو حصر پیدا ہو رہا ہے، یہ بطور مبالغہ کے ہے، دعا اصل میں حد درجہ کی عاجزی اور گڑگڑانے کو کہا جاتا ہے۔ جو جملہ حاجات میں مطلوب ہے، اور اللہ کے آگے عاجزی ہی عبادت کا اصل جوہر ہے۔

دعا کے متعلق صاحب تیسیر العزیز الحمید یوں بیان فرماتے ہیں:

وقد ثبت بالكتاب والسنة والإجماع ان دعاء الله عبادة له فيكون صرفه لغير الله شركاً. ②

ترجمہ: کتاب وسنت اور اجماع سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ کو پکارنا ہی عبادت ہے۔ لہٰذا اس (دعا) کا غیر اللہ کے لیے پھیرنا شرک ہے۔

الشیخ عبدالرحمان بن حسن رحمہ اللہ نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور اہل لغت کے علاوہ امت کے سلف صالحین کا دعا کے بارے میں اجماع نقل فرماتے ہوئے لکھا ہے:

قلت: واكثر ما يستعمل الدعاء في الكتاب والسنة واللغة ولسان الصحابة ومن بعدهم من العلماء في السؤال والطلب. ③

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ دعا کا لفظ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، لغت، اقوال صحابہ اور ان کے بعد کے علماء کے نزدیک اکثر طور پر سوال اور طلب کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔

اسی طرح لفظ "دعا" پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد علامہ سلیمان بن عبداللہ خلاصہ بحث بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فثبت بهذا ان الدعاء عبادة من اجل العبادات بل هو اكرمها على الله كما تقدم فان لم يكن الاشراك فيه شركاً فليس في الارض شرك، وان كان في الارض شرك، فالشرك في الدعاء اولى ان يكون شركاً من الاشراك في غيره من انواع العبادة، بل الإشراك في الدعاء

ترجمہ: اس سے ثابت ہوا کہ دعا جملہ عبادات میں افضل ترین عبادت ہے، بلکہ (جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے) یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین ہے۔ اگر اس میں شرک نہیں ہے تو پھر زمین پر شرک کا وجود ہی نہیں ہے۔ لہٰذا شرک فی الدعاء باقی شرکیہ انواع سے بدترین ہے، اور یہ شرک فی الدعاء سب سے بڑا شرک تھا اس قوم کا جس کی طرف رسول

---

① المنهل العذب المورود شرح سنن ابی داؤد ج۸ ص ۱۴۴.
② تيسير العزيز الحميد ص ۲۲۹
③ فتح المجيد ص ۱۸۰



گا۔لہذا میرے بھائیو! غلام وہ خوشحال ہوتا ہے جس کا مالک صرف ایک ہو، جو زبردست اور بڑا طاقتور ہو۔ غلام اس کی خدمت کرکے فوائد تو سمیٹے گا ہی، نقصان اور بربادی سے بھی بچا رہے گا۔ اس کی جملہ حاجات پوری ہوتی رہیں گی اور نقصانات سے بھی اپنے زبردست مالک کی قوت کے سہارے محفوظ رہے گا۔

کتنا مؤثر دلنشین اور دل کش اندازِ خطاب ہے، توحید کی عظمت پر اور شرک کی قباحت، رذالت اور مضرت پر۔

دوم:

دوسرا نکتہ یہ ذہن میں بٹھایا کہ بھائیو! ان مالکوں کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف آپ لوگوں اور آپ کے باپ دادوں کے وہم وگمان کی حد تک یہ "مالک" ہیں۔ تم خود ہی کسی کو بارش برسانے، دانہ اگانے، کسی کو اولاد بخشنے اور کسی کو صحت، تندرستی یا موت وتنگ حالی وغیرہ کے اختیارات سونپ دیتے ہو، اور پھر خود ہی ان کے نام لیتے ہو کہ فلاں کا نام مشکل کشا ہے، فلاں کا غریب نواز، فلاں گنج بخش ہے تو فلاں داتا، فلاں غوث اعظم اور دستگیر ہے اور فلاں امام ضامن ہے۔

خود نام گھڑ لینے کے بعد ان سے حاجات طلب کرتے ہو۔ اور مشکلات ومصائب کے وقت عجز وانکساری کی تصویر بن کر گڑگڑا کر ان سے دعائیں کرتے ہو۔ رفتہ رفتہ تمہارے بنائے ہوئے نام اور تمہاری عادات واطوار نئی نسل میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب افکار وخیالات بے بنیاد اور لغو ہوتے ہیں، حقیقت سے ان کا ادنی سا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے باطل خیالات کیلئے کوئی حکم یا دلیل نہیں اتاری، بلکہ اس نے تو اس سے منع فرمایا ہے اور صاف اعلان کردیا ہے کہ ہر قسم کے حکم کا مالک، اختیار واقتدار پر متصرف صرف اللہ واحد وقہار کی ذات ہے۔

میرے بھائیو! سیدھا اور مضبوط دلائل پر قائم یہی دین ہے کہ اللہ کے حکموں پر چلا جائے اور کسی کے حکم کو اس کے مقابل نہ لایا جائے، عبادت ایک مالک کی کی جائے، متعدد مالکوں میں بٹ کے رہ جانا ہر لحاظ سے نقصان دہ عمل ہے۔

آیت مذکورہ کا ماحاصل:

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص کسی پیر، بزرگ، امام، مجتہد، مفتی، مولوی، شیخ یا باپ دادوں، حاکموں اور کسی پنڈت وپادری کی بات کو یا ان کی تعلیم کردہ رسم کو رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر ترجیح دے یا اسے مقدم قرار دے اور قرآن وحدیث کی واضح نصوص کے مقابلے میں ان کے قول کو پیش کرے وہ مشرک ہے۔ اس لیے کہ اس نے اللہ کی حاکیت میں غیر کو شریک کیا ہے۔ اصل حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہے، شارع اسی کی ذات ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو اس حکم کو پہنچانے والے اور اس کی قولی وفعلی تفسیر فرمانے والے ہیں، لہذا دین مستقیم صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ وحی ہے۔



اللہ کے علاوہ جن ہستیوں کو پکارتے ہو وہ نام کے سوا اور کچھ نہیں ہیں

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ ②

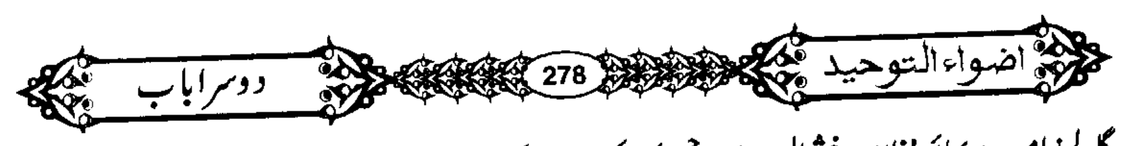
ترجمہ: اے یارانِ بجن! جدا جدا معبود اچھے ہیں یا اکیلا اللہ جو سب پر غالب ہے؟ تم لوگ تو اسے چھوڑ کر بس (چند) ناموں کی عبادت کرتے ہو جو تم اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے کوئی بھی دلیل اس پر نہیں اتاری ہے، حکم (اور حکومت) صرف اللہ ہی کا حق ہے۔ اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ یہی دین مستقیم ہے۔ لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔

حکمت، بصیرت اور مخلصانہ موعظت کا یہ بھرپور خطاب اپنے وقت کے موحد اعظم داعی حق رسول محترم سیدنا یوسف علیہ السلام کا ہے جو مصر کی جیل میں بند اپنے دیگر ساتھیوں سے فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اس قدر مؤثر بیان جسے قرآن نے تا ابد بھٹکے ہوئے لوگوں کیلئے محفوظ فرما لیا۔ آپ کے خطاب کی تفصیلی شرح کیلئے تو ضخیم کتاب بھی ناکافی ہے۔ ہم اپنی بساط اور کتاب کی گنجائش کے پیش نظر صرف دو نکات قارئین کیلئے پیش کرتے ہیں۔

اول:

جناب یوسف علیہ السلام کے خطاب کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ ایک غلام کے حق میں متعدد مالکوں یا شراکت داروں کا ہونا، غلام کے حق میں فطرت اور عقل کے اعتبار سے بہت اذیت رساں صورت اور نقصان دہ حالت ہے، کیونکہ یہ غلام اپنی ضرورت و حاجت کی تکمیل کیلئے جس بھی مالک سے رجوع کرے گا اسے وہ درخور اعتناء نہ سمجھے گا، بے پرواہی سے اس کی ضرورت سے چشم پوشی اور اغماض برتے گا اور یہ عذر کرے گا کہ تمہارا مالک تنہا میں ہی تو نہیں ہوں کہ تیری حاجات وضروریات کو صرف میں ہی پورا کروں۔ میرے علاوہ تمہارے مالک اور بھی ہیں۔ ان کے پاس چلے جاؤ، یہ غلام اپنے مالکوں میں سے جس سے بھی رجوع کرے گا اس کا جواب یہی ہوگا۔ ایسا غلام اپنے متعدد مالکوں کے درمیان مایوسی، نامرادی، بدنصیبی اور حیرت کا مجسمہ بن جائے

② سورۃ یوسف: ۳۹، ۴۰



گا۔ لہٰذا میرے بھائیو! غلام وہ خوشحال ہوتا ہے جس کا مالک صرف ایک ہو، جو زبردست اور بڑا طاقتور ہو۔ غلام اس کی خدمت کر کے فوائد تو سمیٹے گا ہی، نقصان اور بربادی سے بھی بچا رہے گا۔ اس کی جملہ حاجات پوری ہوتی رہینگی اور نقصانات سے بھی اپنے زبردست مالک کی قوت کے سہارے محفوظ رہے گا۔

کتنا مؤثر دلنشین اور دل کش اندازِ خطاب ہے، توحید کی عظمت پر اور شرک کی قباحت، رذالت اور مضرت پر۔

دوم:

دوسرا نکتہ یہ ذہن میں بٹھایا کہ بھائیو! ان مالکوں کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف آپ لوگوں اور آپ کے باپ داووں کے وہم وگمان کی حد تک یہ ''مالک'' ہیں۔ تم خود ہی کسی کو بارش برسانے، دانہ اگانے، کسی کو اولاد بخشنے اور کسی کو صحت، تندرستی یا موت وتنگ حالی وغیرہ کے اختیارات سونپ دیتے ہو، اور پھر خود ہی ان کے نام لیتے ہو کہ فلاں کا نام مشکل کشا ہے، فلاں کا غریب نواز، فلاں گنج بخش ہے تو فلاں داتا، فلاں غوث اعظم اور دستگیر ہے اور فلاں امام ضامن ہے۔

خود نام گھڑ لینے کے بعد ان سے حاجات طلب کرتے ہو۔ اور مشکلات ومصائب کے وقت عجز وانکساری کی تصویر بن کر گڑگڑا کر ان سے دعائیں کرتے ہو۔ رفتہ رفتہ تمہارے بنائے ہوئے نام اور تمہاری عادات واطوار نئی نسل میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب افکار وخیالات بے بنیاد اور لغو ہوتے ہیں، حقیقت سے ان کا ادنی سا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے باطل خیالات کیلئے کوئی حکم یا دلیل نہیں اتاری، بلکہ اس نے تو اس سے منع فرمایا ہے اور صاف اعلان کر دیا ہے کہ ہر قسم کے حکم کا مالک، اختیار واقتدار پر متصرف صرف اللہ واحد وقہار کی ذات ہے۔

میرے بھائیو! سیدھا اور مضبوط دلائل پر قائم یہی دین ہے کہ اللہ کے حکموں پر چلا جائے اور کسی کے حکم کو اس کے مقابل نہ لایا جائے، عبادت ایک مالک کی کی جائے، متعدد مالکوں میں بٹ کے رہ جانا ہر لحاظ سے نقصان دہ عمل ہے۔

آیت مذکورہ کا ماحاصل:

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص کسی پیر، بزرگ، امام، مجتہد، مفتی، مولوی، شیخ یا باپ دادوں، حاکموں اور کسی پنڈت وپادری کی بات کو یا ان کی تعلیم کردہ رسم کو رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر ترجیح دے یا اسے مقدم قرار دے اور قرآن وحدیث کی واضح نصوص کے مقابلے میں ان کے قول کو پیش کرے وہ مشرک ہے۔ اس لیے کہ اس نے اللہ کی حاکمیت میں غیر کو شریک کیا ہے۔ اصل حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہے، شارع اسی کی ذات ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو اس حکم کو پہنچانے والے اور اس کی قولی وفعلی تفسیر فرمانے والے ہیں، لہٰذا دین مستقیم صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ وحی ہے۔



اعتدال کا راستہ یہ ہے کہ جو قول یا عمل رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی وحی اور آپ کی بیان فرمودہ تفسیر کے مطابق ہو اسے اختیار کر لیا جائے، چاہے اس کے کہنے اور پیش کرنے والا کوئی بھی ہو، اور جو چیز نازل شدہ وحی اور آپ ﷺ کی سنت کے مخالف ہو اسے مسترد کر دیا جائے خواہ اس باطل قول وعمل کو پیش کرنے والا اللہ تعالیٰ کا کوئی محبوب بندہ ہو یا مبغوض۔ یہی "ان الحکم الا للہ" کا تقاضا ہے اور یہی توحید الٰہی کی روح ہے اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا جوہر بھی یہی اصول ہے۔

غائبانہ حاجات میں جسے پکارا جائے "اِلٰہ" اسی کو کہا جاتا ہے

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے کسی بھی شئی کو اپنی مشکلات اور غائبانہ حاجات میں پکارنا اور اس کو اپنا حاجت روا تصور کرنا "شرک" کہلاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴾ ①

اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے گا، حالانکہ اسکے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں، سو اس کا حساب اس کے پروردگار کے ہاں ہوگا۔ یقیناً کافروں کو فلاح نہیں ہے۔

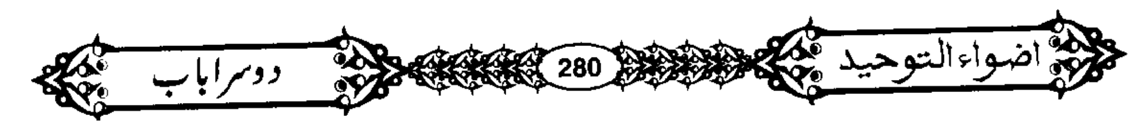
اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم انه سبحانه لما بين انه الملک الحق لا اله الا هو أتبعه بان من ادعى الٰها آخر فقد ادعى باطلا، حيث لابرهان له فيه ونبه بذلک على أن كل مالا برهان فيه لايجوز اثباته وذلک يوجب صحة النظر وفساد التقليد، ثم ذكر ان من قال بذلک فجزاؤهٗ العقاب العظيم. ②

واضح رہے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان فرمایا کہ حقیقی بادشاہ اور معبود برحق صرف اسی کی ذات ہے۔ تو اس کے بعد یہ بات بھی ظاہر کر دی کہ جو شخص کسی دوسرے کی الوہیت کا قائل بنے گا وہ باطل شئی کا مدعی شمار ہوگا۔ اس اعتبار سے کہ اس کے پاس ایسے دعوے کیلئے کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔ اس اسلوب سے یہ تنبیہ بھی کر دی گئی ہے کہ جس دعوی کی دلیل نہ ہو اس کا ثابت کرنا ہی ناجائز ہے۔ اس سے غور وفکر اور عقل و نظر کی درستگی کا لزوم اور تقلید کی خرابی کا پہلو واضح ہوتا ہے،

---

① سورۃ المؤمنون: ۱۱۷
② مفاتیح الغیب ج ۲۳ ص ۱۲۹



آخر میں یہ فرما دیا کہ جو شخص تقلید کو اپنائے گا اور غور وفکر کو ترک کر دیگا اس کیلئے بہت بڑے ''عقاب'' کی سزا تیار ہے۔

سب سے بڑا گمراہ کون ہے؟

معبود برحق، خالقِ ارض وسماء اور اللہ جل شانہ کو چھوڑ کر غائبانہ حاجات میں اس کی مخلوق کو مصائب ونوائب کے ازالہ یا مفادات ومنافع کے حصول کیلئے پکارنے والے سے بڑھ کر کوئی اور مجرم وگمراہ نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ﴾ ①

اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ کے سوا کسی اور کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کی بات نہ سنے بلکہ انہیں ان کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو۔

جرائم کی دنیا پر نظر ڈالیے آپ کو ایک سے بڑھ کر ایک مجرم ملے گا۔ بطور مثال قاتل، زانی، چغلخور، جھوٹ بولنے والا، شراب پینے والا، پاک دامن عورت پر تہمت باندھنے والا، جادوگری کرنے والا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا، یہ سب کے سب مجرم اور بدراہ ہیں۔ ان کی بے راہروی میں ادنیٰ سا بھی شک نہیں ہے۔ مگر معبودِ برحق اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا مجرم اور گمراہ وہ شخص ہے جو غائبانہ حاجات کیلئے غیر اللہ کو پکارے، جو قیامت تک نہ اس کی پکار کا جواب دے سکے اور نہ اسے اس کی پکار کی خبر ہو۔ جو یہ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی جو غیر اللہ کو پکارے واقعی وہ بہت بڑا گمراہ آدمی ہے۔

مدعو کیلئے کن شرائط کا ہونا ضروری ہے؟

مدد کیلئے جسے پکارا جاتا ہے اس میں ان اوصاف کا ہونا ضروری ہے:

اولاً: یہ کہ مدعو (جسے پکارا جارہا ہے) کو اپنے پکارنے والے کے حالات کا علم ہو اور اس کی طلب سے بھی آگاہ ہو۔

ثانیاً: یہ کہ وہ اپنے پکارنے والے کی پکار کو سن رہا ہو۔

ثالثاً: یہ کہ مدعو میں مدد کرنے کی طاقت واستطاعت بھی ہو۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ یہ اوصاف کسی بھی مخلوق میں نہیں پائے جاتے۔ جن ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا پکارا جاتا ہے ان کو اپنے پکارنے والوں کے متعلق اتنا سا بھی علم نہیں ہے کہ ہمیں کوئی پکار بھی رہا ہے یا نہیں؟ اور اگر پکار رہا ہے تو کس خطہ میں، کس ضرورت کے تحت اور کن حالات میں پکار رہا ہے۔ ایسے میں وہ مدد کریں تو کیسے کریں؟ اور صرف یہی نہیں بلکہ قیامت کے دن یہی مدعوین (جنہیں پکارا جارہا ہے) اپنے پکارنے والوں کے بدترین دشمن بن جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

① سورۃ الاحقاف: ۵

﴿ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ﴾ ① اور جب سب لوگ اکٹھے کیئے جائینگے تو وہ ان کے دشمن نکلیں گے۔ اوران کی عبادت ہی کا انکار کردیں گے۔

یعنی یہ بدراہ ترین لوگ جن ہستیوں کو اپنا مشکل کشا، حاجت روا، اور مہربان و منعم یقین کر کے پکارتے ہیں قیامت کے دن وہ (جن کو پکارا جارہا ہے) صاف اور کھلے دشمن کا کردار ادا کرینگے کہ ہمیں تو تمہارے پکارنے کا علم ہی نہیں ہے اگر تم نے کسی کو پکارا ہوگا، اسے داتا، مشکل کشا، غوث اعظم، غریب نواز وغیرہ سمجھا ہوگا تو وہ ہم نہیں ہیں بلکہ کوئی اور ہونگے۔ ہم تو مشکل کشا ہیں ہی نہیں، لہذا تمہارا دعوی جھوٹا ہے۔

مسلمانو! یہ عین حقیقت ہے کہ دنیا میں مشرک لوگ جن ہستیوں کی پرستش و پوجا کرتے اور انہیں پکارتے ہیں تو یہ سب ہستیاں خواہ ان کا تعلق جن وانس سے ہو یا ملائکہ سے یا کسی دوسری مخلوق سے انہیں اپنی عبادت کرنے والوں کے متعلق ذرہ بھر بھی علم نہیں ہے کہ ان کی عبادت کون کررہا ہے اور کیوں کررہا ہے؟ دراصل شرک شیطان کا ایک جال اور بدراہی میں مبتلا کرنے کیلئے اس کا ایک حربہ ہے۔ مشرک لوگ شیطان کے اغوا (بہکاوے) کا شکار ہو کر غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں تو درحقیقت ان کی یہ عبادت شیطان کیلئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا۔

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴾ ②

اور جب اللہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے رہے ہیں؟ وہ عرض کرینگے، پاک ہے تو، ہمارا تعلق تو صرف تجھ سے ہے، نہ کہ ان سے، اصل یہ ہے کہ یہ لوگ جنات کی پوجا کرتے تھے، ان میں سے اکثر اعتقاد بھی انہی پر رکھتے تھے۔

مشرکوں سے ان کے جملہ معبود اعلان لاتعلقی کردینگے۔ فرشتے تو صاف کہہ دینگے کہ اے اللہ اگر ان لوگوں نے تجھے چھوڑ کر کسی کی عبادت کی بھی ہے تو وہ صرف شیاطین ہی کی ہے۔ ہمیں نہ ان کی عبادت کا علم ہے، اور نہ ہم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ شیطان چونکہ تیرا اور ان کا دشمن ہے لہذا یہ اسی کا عمل ہوسکتا ہے۔

سورہ احقاف کی مذکورہ بالا آیت سے صاف معلوم ہوگیا کہ دعا عبادت ہے۔ اس کی دلیل قرآن مجید کا معجز بیان اسلوب ہے۔ کہ پہلی آیت میں "من اضل ممن یدعو" فرمایا، اور آیت کا خاتمہ "وھم عن دعائھم" کے جملہ سے فرمایا۔ دونوں جگہ دعا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پھر دوسری آیت کے آخر میں فرمایا وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ یہاں پہلی آیت میں وارد یدعو اور دعا میں موجود "دعاء" کے لفظ کو "عبادت" قرار دیا جو دلیل ہے اس بات کی کہ دعا عبادت کا اصل اور جوہر ہے۔

① سورة الاحقاف: ٦ ② سورة سبا: ٤٠، ٤١



آیت ''وَمن أضل ممن یدعو'' سے مزید استدلالات

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا آیت سے بے حد وزنی نکات اور فوائد اخذ فرمائے ہیں، ان سب کے ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ صرف چند ایک کا ذکر کرتے ہیں جس سے قرآن کریم کی جامعیت عظمیٰ کا پتہ چلتا ہے اور امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی قرآن فہمی کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

العاشرة: انه لا أضل ممن دعا غير الله.

دسواں نکتہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ غیر اللہ کو پکارنے والا سب سے بڑا گمراہ ہے، اس سے زیادہ گمراہ کوئی نہیں ہے۔

الحادية عشرة: أنه غافل عن دُعاء الداعي لايدري عنه.

گیارہواں نکتہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''پکاری جانے والی ہستی'' پکارنے والے کی پکار سے بے خبر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے وجود سے بھی لاعلم ہوتی ہے۔

الثانية عشرة: ان تلك الدعوة سبب لبغض المدعو للداعي وعداوته له.

بارہواں فائدہ یہ نصیب ہوتا ہے کہ دعاء کرنے والے کی یہی دعا غیر اللہ کے نزدیک اسے مبغوض اور قابل نفرت و عداوت بنا دیتی ہے کہ پکارنے والے نے اپنی مرضی وخواہش سے اس ہستی کو پکارا اور اسے معبود تسلیم کیا حالانکہ اس ہستی کی نہ یہ خواہش تھی اور نہ ہی اس نے ایسا کرنے کا حکم دیا۔

الثالثة عشرة: تسمية تلك الدعوة عبادة للمدعو.

تیرہواں نکتہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کو پکارنے والے کی نداء، پکار کو ہی غیر اللہ کی ''عبادت'' قرار دیا ہے۔ یعنی ایسا کرنے والا کھلم کھلا مشرک ہے۔ غیر اللہ کا پجاری اور رب تعالیٰ کا غدار ہے۔

الرابعة عشرة: كفر المدعو بتلك العبادة.

آیت سے چودھواں نتیجہ یہ دریافت ہوتا ہے کہ بھی غیر اللہ اپنی عبادت سے اعلان برأت کر دینگے کہ ہم نے کسی کو بھی اپنی پرستش کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

الخامسة عشرة: هي سبب كونه أضل الناس. ①

پندرھواں نکتہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا، پکارنے والے کا سب سے بڑھ کر گمراہ ہونے کا سبب ہے۔

مذکورہ بالا دونوں آیات کی تشریح کا اکثر حصہ ''شرک فی العلم'' کی بحث میں گذر چکا ہے، تفصیل کے طلبگار وہاں اس کا مطالعہ کر لیں۔

---

① فتح المجيد ص ١٨٥، ١٨٦



قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ھے

چونکہ اللہ تعالیٰ جملہ کائنات کا خالق و مالک ہے، انسانوں اور جنوں کی تخلیق اور ان کی ہر قسم کی ضروریات کا اہتمام وانتظام کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، جس کی صفت علیم اور حکیم ہے۔ اس کے لازوال علم اور بے مثال حکمت کا تقاضا تھا کہ انسانوں اور جنات کے لیے زندگی گذارنے کیلئے کچھ قوانین، اصول اور ہدایت کے طریقے بیان کر دیئے جائیں، اور عقائد و اعمال کا مجموعہ ان کے لیے وضع کر دیا جائے جس کو اختیار کر کے وہ آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔ اس اصولی تقاضا کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے قانون نازل فرمائے، ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ قانون سازی کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کسی بھی شخص کو حِلّت وحُرمَت اور دیگر قانون سازیوں کا اختیار نہیں ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴾ [1]

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئینگے اور دبلی اونٹیوں پر بھی، جو دور دراز راستوں سے پہنچیں گی، تا کہ اپنے فوائد کیلئے آ موجود ہوں اور تا کہ ایام معلوم میں اللہ کا نام لیں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کیئے ہیں، پس تم خود بھی اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ۔ پھر لوگوں کو چاہیئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں، اور اپنے واجبات کو پورا کریں، اور چاہیئے کہ (اس) قدیم گھر کا طواف کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و جلال کے اظہار کیلئے بعض مقامات کو فضیلت اور احترام عطا کیا ہے، تا کہ بندے ان مقامات پر اپنی عبودیت کا اظہار کر سکیں، جیسا کہ کعبۃ اللہ، عرفات، مزدلفہ، منیٰ، صفا و مروہ، مقام ابراہیم اور خود شہر مکہ مکرمہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کو ان مُقدّس مقامات کی محبت سے معمور فرما دیا۔ اور ان کی زیارت کا شوق ان کے سینوں میں پیدا فرما دیا ہے کہ وہ دور دراز سے سوار یا پیادہ ہر صورت میں ان مقامات کیلئے سفر کرتے ہیں، ہر طرح کے دکھ تکلیف کو بصد شوق و رضا برداشت کرتے، میلے کچیلے ہو کر وہاں اکٹھے ہوتے اور اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے، اپنی منتوں کو پورا کرتے اور نہا دھو کر بدن کی میل صاف کر کے احرام باندھ کے یا صاف ستھرا لباس زیب تن کر کے اللہ کے گھر کا طواف کرتے

---

[1] سورة الحج: ۲۷، ۲۸، ۲۹



ہیں۔ یوں اپنے مالک کی تعظیم کا خوب اظہار کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں بھری ہوئی ہوتی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ کوئی حجر اسود کو بوسہ دے رہا ہے، کوئی بیت اللہ کے دروازہ کے سامنے دعا کر رہا ہے، کوئی ملتزم کو چمٹے ہوئے ہے، کوئی بیت اللہ کے قرب میں اعتکاف کی نیت کر کے بیٹھا ہے اور کوئی ادب واحترام کی تصویر بنے کعبۃ اللہ کا جاہ وجلال اور اس کی عظمت کا منظر اپنے دل و دماغ میں اپنی آنکھوں کے ذریعے محفوظ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

غرضیکہ لوگ اس قسم کے کام بیت اللہ شریف کی نسبت سے سرانجام دیتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ان کی یہ ساری کوششیں اور سعی بھی شریعت کی نظر میں پسندیدہ ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ بھی ان سے راضی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کاموں کو دنیوی واخروی فوائد کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

بیت اللہ شریف کی نسبت سے کیئے جانے والے ان امور کو اللہ کے علاوہ اور کسی کے لیے کرنا یا اس کے مقرر کردہ مقامات کے علاوہ اور کسی مقام پر بجالانا کھلا شرک ہے۔ اس لئے کہ دور دراز سے رنج وتکلیف اٹھا کے، میلا کچیلا ہو کر، سوار یا پیادہ حالت میں کسی قبر یا مکان کی طرف جانا، وہاں جا کر چڑھاوے چڑھانا، منتیں پوری کرنا، طواف کرنا، اور اس قبر یا مکان کے گرد و پیش کے جنگلات کا ادب کرنا کہ وہاں شکار وغیرہ نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھاس نہ اکھیڑنا، اور اس سب کچھ کرنے کو دین ودنیا کے فوائد کے لیے ایک قسم کا ذریعہ سمجھنا حرام اور ناجائز ہے۔ کہ اس سے اس قبر یا مکان کو اماکن (مقامات) مقدسہ سے مشابہت اور مماثلت ملتی ہے، اس لیے ایسا کرنے سے اجتناب برتنا ضروری ہے۔

کسی جگہ یا مقام کو عظمت وتوقیر کی نعمت سے مالا مال کر کے اس کے احترام وآداب کا اظہار فرمانا، اللہ ہی کی شان ہے۔ اس نے جن مقامات کو فضیلت دی ہے اور کچھ آداب بھی بیان فرما دیئے ہیں، ان آداب واعمال کا تعلق اسی جگہ تک محدود رکھنا ہی مطلوب ہے، مخلوق کی شان کے یہ بات مخالف ہے کہ وہ حلت وحرمت کے اختیار کو اپنی بساط میں لانے کی کوشش کرے یا اس کا اظہار کرے۔ قانون سازی صرف خالق جل شانہٗ ہی کا کام ہے نہ کہ کسی مخلوق کا۔

قارئین کرام:

اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیجئے، پورے اسلامی خطہ پر نظر دوڑایئے، اونچے اونچے مزاروں، خود ساختہ ''مقدس'' خانقاہوں اور اولیاء اللہ کے ''چمکتے دمکتے'' اور ''بارونق'' مقبروں پر بعینہٖ وہی اعمال وافعال کیئے جاتے ہیں جن کے کرنے کو اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ، عرفات، مزدلفہ، منیٰ، صفا ومروہ اور مقام ابراہیم کے ساتھ مخصوص فرما دیا ہے۔ مثلاً: ان قبروں، مزاروں

اور گنبدوں کے اردگرد ان کے عقیدت مند لوگ طواف کرتے ہیں، ان کے آس پاس اعتکاف بیٹھتے ہیں، تبرک کیلئے وہاں پر رات گذارتے ہیں، ان کی رضا جوئی کی خاطر جانور ذبح کرتے ہیں، نذر و نیاز بانٹتے ہیں، نیز مخصوص مسافت تک ''سعی'' کرتے ہیں، اس ولی و بزرگ کے مزار کے کچھ حصے کو فرائض و سنت اور نوافل کے لیے مخصوص کرتے ہیں اور کچھ کو جوتیوں کے لیے خاص کرتے ہیں، اور ان جگہوں پر نماز پڑھنے اور دیگر عبادات کے انجام دینے کو ''مساجد'' کی نمازوں اور عبادات سے افضل سمجھتے ہیں۔ پھر ان مزارات پر کئی کئی ہفتے، مہینے اور سال بیٹھ کر چلہ کاٹتے ہیں او مزار سے ملحق لاکھوں گز زمین کو ''حرم'' کا درجہ دے دیتے ہیں، اس ''حرم'' کو حرم مکہ سے بڑھ کر متبرک، معظم اور مقدس سمجھتے ہیں، یہاں وہ سب کچھ کیا جاتا ہے جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے مکہ و مدینہ کے حدود حرم میں داخل ہونے والے حاجی اور عمرہ کرنے والے یا دیگر زائر شخص کو حکم دیا ہے، اور ان تمام کاموں سے اجتناب کیا جاتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ان کا صدور حدود حرم (مکی یا مدنی) میں ہو۔

مشرک لوگوں نے تو غلو کی حد ہی ختم کر دی ہے کہ اپنے خود ساختہ مزاروں، مقبروں اور معابد کے مخصوص رقبہ کی ہی نہیں بلکہ ان کے ہاں تو اس شہر اور سارے علاقہ کو ہی محترم، معظم اور معزز قرار دیدیا جاتا ہے، جہاں وہ مدفن یا مقبرہ موجود ہے۔ مثلاً: یہ کربلا معلّٰی، نجف اشرف، بغداد شریف، سہون شریف، اجمیر شریف، بیر شریف، ہالیجی شریف، باہجی شریف، بھرچونڈی شریف، مشہد مقدس، کوٹ مٹھن شریف، اوچ شریف، چاچڑاں شریف، بھٹائی شریف، تگور شریف، اور پھلیری شریف وغیرہ ایسے ہزاروں نام مذکورہ بالا حقیقت کی واضح ترین اور زندہ دلیل کے طور پر صفحہ عالم پر موجود ہیں۔

ذرا انصاف کی نظر سے دیکھیے اور عقل و بصیرت سے غور و فکر کیجئے کہ یہ جملہ اعمال و افعال اور عقائد جو ان اماکن کے ساتھ کیئے جا رہے ہیں، کیا اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے ایسے عقائد، اعمال اور افعال کے لیے ان مقبروں، مزاروں، شہروں اور علاقوں کو مخصوص فرمایا ہے یا اس کیلئے کوئی عام دلیل دی جا سکتی ہے؟ جو اللہ نے اپنے نبی ﷺ پر بذریعہ وحی اتاری ہو؟

کیا یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے عقیدت مندوں کی نظر میں یہ بطور ''شعائر اللہ'' کے احترام کے نہیں ہو رہا؟ کیا یہ مُسلّمہ شعائر اللہ سے کھلی مشابہت اور مماثلت کی صورت نہیں بن رہی ہے؟ پھر کیا ایسا کرنے سے حرم مکی اور حرم مدنی اور دیگر شعائر اللہ کی کھلی توہین کا ارتکاب نہیں کیا جا رہا ہے؟ جی ہاں! یہ شعائر اللہ سے بدترین مذاق کی ایک صورت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے قانون سازی کے حق میں مداخلت کی ایک انداز کی جرأت ہے، یہ مسلمانوں اور ان کے مقدس مقامات پر ظلم کی ایک عجیب و غریب مثال ہے جس کا ظہور نام نہاد مسلمانوں ہی سے ہو رہا ہے۔ **فالی اللہ المشتکیٰ!**



اُمَت محمدیہ میں ''بُت پَرستی'' کا وقوع

رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل پیشگوئی کتب احادیث میں موجود ہے۔

عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... لا تقوم الساعة حتى تلحق قبائل من امتي بالمشركين وحتى تعبد قبائل من امتي الأوثان① (صحيح)

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ......کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے کچھ گروہ مشرکوں کے ساتھ نہ مل جائیں اور یہاں تک کہ میری امت کے بعض قبائل وثن پرستی نہ کرنے لگ جائیں۔

شرک کی دو قسمیں:

مذکورہ بالا حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے دوقسم کے شرکوں کا ذکر فرمایا ہے اور آگاہ فرمادیا ہے کہ میری امت سے نسبت رکھنے والے چند قبائل اور جماعتیں لازماً ان دوقسم کے شرکوں میں سے ہر ایک کا ارتکاب کریں گیں۔ قیامت سے پہلے اس نشانی کا ظہور یقینی ہے۔ آپ ﷺ نے جن دو شرکوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان میں سے ایک کا نام ''صنم پرستی'' ہے، جبکہ دوسرے کا نام ''وثن پرستی''! ہے۔

''صنم'' کی تعریف:

(واقع میں یا مشرک کے اعتقاد کے مطابق) کسی ولی، صالح اور بزرگ کی صورت کا مجسمہ جس کی پرستش کی جاتی ہو، اسے عربی زبان میں، ''صنم'' کہا جاتا ہے اور اس کی عبادت کو ''عبادۃ الاصنام'' کہا جاتا ہے۔

وثن کی تعریف:

کسی (واقعی یا فرضی) ولی اور صالح شخص کے مکان یا اس کی قبر کو یا کسی متبرک درخت، پتھر، کپڑے اور لکڑی کو کسی کے نام منسوب کر کے اس کی پرستش کی جائے اس شی کو وثن اور اس کی پوجا کو ''عبادۃ الاوثان'' کہا جاتا ہے۔

وثن کی اس تعریف کی روشنی میں کسی بزرگ کے نام کی چھڑی، علم اور جھنڈا، شیخ عبدالقادر جیلانی کی مہندی، کسی امام یا بزرگ کا چبوترہ، استادوں، پیروں اور بزرگوں، قبروں اور درگاہوں اور ان کے بیٹھنے کی جگہوں اور امام بارگاہوں وغیرہ کی تعظیم کرنے، ان کے سامنے نذر و منت ماننے اور پورا کرنے یا ذبیحہ کرنے کو ''عبادۃ الاوثان'' میں شمار کیا جائے گا۔

---

① رواه ابو داؤد، كتاب الفتن والملاحم، باب "ذكر الفتن و دلائلها" الترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء لاتقوم الساعة حتى يخرج كذابون. وقال: حديث حسن صحيح، وصححه الألباني ايضاً.



اسی طرح کسی کی دستار، ٹوپی یا تصویر و مجسمہ کی تعظیم بذریعہ ''سلامی دینے'' یا برکت کے حصول کی نیت سے اسے چھونے اور پھر بدن پر مل لینے کو بھی ''وثن پرستی'' کہا جائے گا، مذکورہ بالا امور میں سے کسی امر کے بھی مرتکب کو ''وثن پرست'' شمار کیا جائیگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرامین میں امت مسلمہ کے بعض گروہوں کے مشرک ہو جانے کی جو اطلاع دی ہے ان کے شرک کا تعلق اسی قسم سے ہے، جس میں آج کل کے مشرک لوگ مبتلا ہیں۔

زمانہ جاہلیت کے مشرکین عرب، اور ہندو وغیرہ بت پرست، تو میں نام نہاد متبرک مکانات، پتھروں، گنبدوں، مزاروں اور مندروں کی پوجا و پرستش کی وجہ سے اگرچہ اوثان پرست بھی ہیں، لیکن چونکہ یہ لوگ بالعموم (واقعی یا فرضی) اولیاء و صالحین کی صورتوں اور مجسموں کو سامنے رکھ کر پوجا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے ان پر زیادہ اطلاق ''اصنام پرست'' کا ہوتا ہے۔ رہے آجکل کے مشرک تو ان کو ''وثن پرست'' کہا جائے گا، اس لیے کہ یہ لوگ اپنی عقیدت و محبت کی وجہ سے کسی (فرضی یا واقعی) ولی اللہ کے نام سے منسوب شئی (جگہ) کی پوجا میں مصروف ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل کچھ تصرفات کے ساتھ توحید کے موضوع پر لکھی جانے والی مشہور و معروف کتاب ''تقویۃ الایمان'' سے لی گئی ہے۔



فصلِ ثالث

"شرک فی التصرف" کے بیان میں

"شرک فی التصرف" کا اجمالی مفہوم یہ ہے کہ خالق جل شانہٗ کے تصرفات میں سے کسی تصرف کو یا کل تصرفات کو مخلوق میں بھی مان لینا، یعنی یہ کہنا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرت واختیار اور مشیت سے مارتا، جلاتا، فتح وشکست دیتا، صحت وتندرستی اور مرض سے دوچار کرتا، مشکل حالات میں مدد فرماتا اور پکار کو سنتا ہے، بعینہٖ اسی طرح کا تصرف فلاں شخص بھی رکھتا ہے وہ بھی اپنی قدرت واختیار سے سب کچھ کرسکتا ہے۔ اسی خالق و مالک حقیقی کی طرح یہ بھی کائنات میں اپنا ارادہ نافذ کرسکتا ہے۔ ایسا اعتقاد "شرک فی التصرف" کہلاتا ہے۔

قرآن کریم کا اعلان اور مُشرکین عَرَب کا اعتراف

قرآن کریم نے اعلان فرمادیا ہے کہ آسمان وزمین اور عرش وملکوت پر حاکمیت ملکیت اور تصرف صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہے۔ کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ نیز قرآن حکیم نے یہ بھی معجزانہ بیان ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی بھی مشرک اس حقیقت کے اعتراف سے انکار نہیں کرسکتا کہ کائنات میں تصرف کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے، ظاہراً نہ سہی دل میں اس کا یقین ضرور رکھتا ہے۔ آیئے اللہ تعالیٰ کے کلام سے یہ اعلان سنتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ○ قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ○ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ○ قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ﴾ ①

آپ کہہ دیجئے کہ (اچھا) زمین اور اس پر جو (رہتے بستے) ہیں کس کے ہیں اگر تم جانتے ہو؟ یہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ کے ہیں۔ تو کہیئے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے ہو۔ آپ کہیئے کہ (اچھا) سات آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟ تو ضرور وہ یہی جواب دینگے کہ (یہ سب) اللہ کا ہے۔ آپ کہیئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ کہیئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ

---

① سورۃ المؤمنون: ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹



پناہ دیتا ہے اور کوئی اس کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے سکتا، اگر تم جانتے ہو؟ وہ ضرور یہی کہینگے کہ یہ سب (صفتیں) اللہ ہی کی ہیں۔ آپ کہیئے کہ پھر تمہیں کیسا خبط ہو رہا ہے؟

ضلالت کا سبب:

اِن آیات کریمہ سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ رسالتِ مآب ﷺ کے دور کے مشرک اور کفار اس بات کے معتقد تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر شئی سے بلند و بالا ہے۔ کوئی بھی مخلوق اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے اپنی پوری مخلوق سے منفرد ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشرکین عرب ایسا پاکیزہ عقیدہ رکھنے کے باوجود گمراہی کا شکار کیوں ہو گئے؟ منزل پالینے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود منزل سے بھٹک کیسے گئے؟ خیر رکھنے کے باوجود اس کے ثمرات سے کیوں محروم ہو گئے؟ آیئے اس کا سبب جانتے ہیں۔

بلاشبہ عرب کے مشرکوں کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی پوری مخلوق سے اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے منفرد ہے، کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے اور آسمان وزمین، عرش وکرسی اور دیگر چھوٹی بڑی مخلوق کا خالق وہی ہے۔ اور جملہ امور کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہے۔ مگر وہ جن ہستیوں کی پرستش کرتے تھے ان کے بارہ میں وہ یہ پختہ خیال بھی رکھتے تھے کہ یہ ہستیاں اللہ تعالیٰ کے ہاں برگزیدہ اور مقرب ہیں اس لیے یہ ہمارے مالک اور ہمارے درمیان وسیلہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو راضی کر لینے سے رب راضی ہو جائے گا۔ اپنے اس خیال کے پیشِ نظر یہ لوگ اپنے مالک حقیقی کو راضی کرنے کے بجائے ان ہستیوں کی رضا جوئی کرتے، ان کیلئے ذبح و نیاز کرتے، اور ان کو اپنا سفارشی سمجھ کر پکارتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو راہ حق سے ہٹا ہوا قرار دیا اور انہیں ''مشرک'' قوموں میں شمار فرمایا۔ اس لیے اب جو بھی فرد یا جماعت کسی مخلوق کو زندگی میں یا مرجانے کے بعد کائنات میں متصرف تسلیم کرے اس کو اپنا شفیع اور وسیلہ سمجھ کر پکارے یا اس کی خوشنودی کی خاطر نذر و نیاز اور دیگر عبادات کرے گی عند اللہ مشرک کہلائی جائے گی۔ گو اس کا عقیدہ یہ نہ ہو کہ یہ ہستیاں اللہ تعالیٰ کے برابر ہیں یا اسکے حکم وارادہ پر غالب ہو سکتی ہیں۔ چونکہ اس سے غیر اللہ کو اللہ کے شریک سمجھنے کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایسا کرنے والوں کو مشرک قرار دیا گیا ہے۔

مُشرکینِ مَکہ مُدَبِّر عالَم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے!

اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت، خالقیت، مالکیّت اور اس کے مُدبّر کائنات ومتصرف الامور ہونے کی شہادت ایک ایسا مسلّم امر

ہے جس کے اعتراف پر مکہ کے غالی مشرک بھی مجبور تھے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴾ ①

آپ کہیے کون تمہیں آسمان وزمین سے رزق پہنچاتا ہے یا کون کان اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور کون جاندار کو نکالتا ہے بے جان سے اور بے جان کو نکالتا ہے جاندار سے؟ اور کون ہر کام کا انتظام کرتا ہے؟ (جواب میں) وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ، تو کہیے کہ پھر کیوں نہیں بچتے ہو؟

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی وحدانیت وربوبیت کو مشرکین مکہ سے تسلیم کرانے کا خوبصورت اور معجز اسلوبِ بیان اختیار کیا گیا ہے کہ اے میرے پیارے نبی (ﷺ) آپ ذرا ان مشرکوں سے یہ پوچھیے کہ آسمان سے بارش اور روشنی وحرارت کا انتظام کون کرتا ہے، اپنی قدرت عظیمہ سے کس نے زمین کے اندر بیج اگانے کی صلاحیت رکھ دی ہے، دانے انگور، کماد، زیتون، کیلا، انار، کھجوروں کے گھنے گھنے باغات اور خوشبودار لذیذ اور طاقت افزاء پھلوں کو کس نے پیدا کیا ہے۔

کس نے زمین کو مہکتے پھولوں سے معطر کیا ہے اور وہ کون ہے جس نے ایک زمین ایک پانی، ایک ہوا، اور ایک روشنی کے باوجود پھلوں کے ذائقے اور لذت میں، پھلوں کی خوشبو اور رنگت اور سبزیوں کے اثرات وفوائد میں اتنا فرق رکھا ہے؟ اگر وہ ذات اپنے رزق کے دروازوں کو بند کر دے تو بھلا کوئی ہے جو انہیں کھول سکے؟

اور ہاں میرے پیارے نبی (ﷺ) ان سے یہ پوچھیے کہ تمہارے اندر دیکھنے اور سننے کی طاقت کس نے پیدا کی ہے؟ اگر وہ یہ نعمتیں چھین لے تو کوئی ایسی قوت ہے جو تمہیں یہ واپس دلا سکے؟ اور یہ بھی دریافت کیجیے کہ بے جان اشیاء سے جاندار کو اور جانداروں سے بے جان اشیاء کو کون پیدا کر رہا ہے؟ اور کون ہے وہ جو اس قدر بھری پوری کائنات کے انتظام کو سنبھالے ہوئے ہے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کی مرضی سے ہوتا ہے؟

ان سارے سوالات کا جواب مشرکوں کے پاس یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان ساری صفات کا مالک ہے۔ اس کے سوا کسی کو بھی عالم میں تصرف اور اختیار حاصل نہیں ہے۔ اس قدر کھلے اعتراف اور واضح اقرار کے باوجود غیروں کی چوکھٹوں پر سجدہ ریزیاں کیوں؟ ایسی منعم ذات اور رحمت پرور ہستی کا شکر ادا کرنے کی بجائے ناشکری اور حد درجہ سوء ادبی کیوں اور کس وجہ سے اختیار کر لی گئی ہے؟ لیکن اس آخری سوال کا جواب مشرکوں سے "طویل خاموشی" کے سوا اور کچھ نہیں بن سکا، جو آج تک چھائی ہوئی ہے۔ زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں، قلم رُک جاتے ہیں اور دماغ تھک جاتے ہیں، پھر بھی خاموشی کا یہ خوفناک سناٹا ختم نہیں ہو سکتا۔ قیامت تک اس سوال کا جواب مشرکین سے نہیں بن سکے گا۔

---

① سورة يونس: ٣١



نفع و نقصان اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴾ ①

اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں بجز (خود) اسی کے، اور اگر وہ تجھے کوئی راحت پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو ہٹانے والا نہیں وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کر دے اور وہ بڑا مغفرت والا، بڑا رحمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ انسان کو مخاطب کر کے اپنی قدرت کاملہ اور اپنی وحدانیت کی طرف متنبہ فرمانا چاہتا ہے کہ اے انسان! اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی ضرر اور نقصان پہنچانا چاہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی ہستی نہیں ہٹا سکتی، اور اگر وہ کوئی انعام و احسان کرنا چاہے تو کوئی اس کے انعام کو روک نہیں سکتا۔

خلاصہ: یہ کہ انسانوں یا دیگر مخلوقات پر وارد ہونے والی جسمانی، روحانی، ظاہری، باطنی، جانی، مالی یا نفسی اور آفاقی مصیبتوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ہٹا سکنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نعمت یا خوشحالی کا عطا ہونا مقدر ہو چکا ہے تو کوئی بھی اس نعمت کے عطا ہونے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اس آیت مطہرہ نے شرک کی تمام رگوں کو جڑ سے کاٹ دیا ہے اور واضح فرما دیا ہے کہ نفع و نقصان دونوں کا اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے۔ نفع ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ بھی اسی کی طرف سے، اس کے علاوہ نہ تو کوئی فائدہ پہنچانے پر قادر ہے اور نہ نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے۔

اس آیت مبارکہ کی جامع و مانع تفسیر خود رسول اکرم ﷺ سے منقول ہے، یہ تفسیر رسول اللہ ﷺ نے اپنے عم زاد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بیان فرمائی۔ حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: كنت خلف النبی صلی الله علیه وسلم یوماً فقال: یا غلام انی اعلمک کلمات احفظ الله یحفظک، احفظ الله تجده تجاهک، اذا سألت فاسئل الله، واذا

(سیدنا) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے (چل رہا) تھا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے بچے! اللہ کو یاد رکھ، اللہ تعالیٰ تجھے یاد رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ، تو اسے اپنے سامنے پائے گا، بس تو

---

① سورۃ یونس: ۱۰۷



استعنت فاستعن باللہ، واعلم ان الأمة لو اجتمعت علی ان ینفعوک بشیئ لم ینفعوک الا بشیئ قد کتبہ اللہ لک، وان اجتمعوا علی ان یضروک بشیئ لم یضروک الا بشیئ قد کتبہ اللہ علیک رفعت الاقلام وجفت الصحف. ① (صحیح)

جب سوال کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کر، اور جب تو مدد طلب کرنا چاہے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کر، اور اس بات کا پختہ یقین کر لے کہ اگر ساری دنیا تجھے فائدہ پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ صرف اتنا فائدہ پہنچا سکے گی جس قدر اللہ تعالیٰ نے تیری قسمت میں لکھ دیا ہے۔ اور اگر سب لوگ مل کر بھی تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو اسی قدر نقصان پہنچا سکیں گے جو تیری قسمت میں اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے اور لکھی ہوئی باتیں خشک ہو گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان اور رسول اللہ ﷺ کی تفسیر کے بعد بھی اگر کوئی شخص نفع ونقصان پر غیر اللہ کو قادر سمجھتا ہے اور شرک کی راہ پر گامزن رہتا ہے تو اس شخص سے بڑھ کر اپنی جان کا، اپنی اخروی سعادت کا اور اپنی دائمی خوشیوں کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی شخص کو قرآن کریم نے سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ ﴾ ②

اور اللہ کے علاوہ (کسی اور) کو نہ پکارنا جو تجھے نہ نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے، پھر اگر تو نے (ایسا) کیا تو یقیناً تو ظالموں میں ہو جائے گا۔

مشرک قومیں عام طور پر اس باطل خیال کا شکار رہتی ہیں کہ ہمیں فلاں پیر اور بزرگ کو راضی کر لینے سے فائدہ ملے گا، اور اس کے ناراض ہو جانے سے ہمیں لازمی طور پر نقصان پہنچے گا۔ اس لیے وہ ان پیروں، بزرگوں اور ولیوں کی ناراضگی سے بچنے اور ان کی خوشنودی کے حصول کیلئے نذر ونیاز اور ان کے نام کے ذبیحے پیش کرتے اور ان کو اپنی غائبانہ حاجات میں پکارتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان کے اس باطل خیال کو رد فرما دیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی فائدہ پہنچانے یا نقصان سے دوچار کرنے کی قدرت حاصل نہیں ہے۔ لہذا نذر ونیاز اور جملہ قسم کی عبادتوں کی مستحق تنہا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کو پکارنا یا اس کے نام کے ذبیحے اور نذر ونیاز پیش کرنا کھلا شرک اور بدترین گمراہی ہے۔

اس آیت کی رو سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو شخص غیر اللہ کو نافع اور ضار سمجھتے ہوئے پکارے، ان کے نام کی

① رواہ الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ٥٩/ وقال: هذا حديث حسن صحيح، وقال الألبانی: صحيح.
② سورة یونس: ١٠٦



قربانی کرے، اوران کی رضا وخوشنودی کے حصول کیلئے نذرونیاز پیش کرے، وہ بہت بڑا ظالم ہے کہ اس نے اللہ ذوالجلال و الاکرام منعمِ حقیقی کو چھوڑ کر اس کے غیر کو اپنی امید کا اور اپنے خوف کا مرکز بنالیا ہے۔ اس طرح اس نے اللہ تعالیٰ کے حق کو "غیر" کے لیے تسلیم کرلیا اور اس کی صفات کو غیر اللہ میں بھی مان لیا ہے۔ جب عام مخلوق کے حق کو سلب کر لینا یا اسے کسی دوسرے کو سپرد کر دینا ظلم کہلاتا ہے۔ تو زمین وآسمان کے مالک، جنوں اور انسانوں کو جملہ قسم کی نعمتوں سے سرفراز کرنے والی رحمٰن ورحیم ذات اللہ تعالیٰ کے حق میں "غیر" کو حصہ دار تسلیم کرتے ہوئے اسے پکارنا اور اپنی عبادات کا مستحق سمجھنا یقیناً بہت بڑا ظلم ہوگا۔

مشرک کے ظلم سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی قوت برتر اور غالب ہے۔ اس ظالم کے ظلم کا سب سے زیادہ نقصان اس کی اپنی جان کو ہوگا، کہ اس سے اللہ ناراض ہو جائے گا اور اسے اپنے قہر وانتقام کا مستحق بناڈالے گا۔

اللہ کے علاوہ کوئی بھی پناہ نہیں دے سکتا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ إِنِّىْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرّاً وَلَا رَشَداً ٥ قُلْ إِنِّىْ لَن يُجِيْرَنِىْ مِنَ اللّٰهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِن دُونِهٖ مُلْتَحَداً ﴾ ①

آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ تمہاری ہدایت کا۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ سے کوئی بھی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں اس کے سوائے کوئی پناہ پاسکتا ہوں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم سیدنا محمد ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اے میرے پیارے رسول! آپ سب لوگوں تک یہ بات پہنچادیں کہ لوگو! میں (محمد ﷺ) تمہارے نفع ونقصان کا ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتا۔ اور تم جو مجھ پر ایمان لائے اور میری امت میں داخل ہوئے ہو کبھی اس غرور میں مبتلا نہ ہوجانا کہ چونکہ ہمارا وکیل مضبوط ہے، اسے رب العالمین کے محبوب ہونے کا درجہ حاصل ہے، لہذا ہم جو کچھ بھی کریں، آپ (ﷺ) سفارش کر کے اللہ کے عذاب سے بچالیںگے۔ خبردار! اس دھوکہ میں ہرگز نہ آنا۔ اس لیے کہ میں (محمد ﷺ) بذات خود اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، بلکہ میں تم سب سے زیادہ خوف رکھتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی اپنا ملجاو ماویٰ نہیں سمجھتا، جب میں خود اللہ تعالیٰ کی پناہ کا طلبگار رہوں تو بھلا کسی دوسرے کو اللہ کی پکڑ سے کیسے اور کیونکر بچاسکوں گا؟

ان آیات مبارکہ سے عوام الناس کے خوش فہمی پر مبنی ایک غلط طرز عمل اور باطل عقیدہ کا بھی رد کردیا گیا جو اپنے پیروں، بزرگوں، سیّدوں اور شہیدوں کی شفاعت وحمایت پر امیدیں وابستہ کر کے اپنے خالق کو بھول جاتے اور اس کے اوامر ونواہی کی

① سورة الجن: ۲۱، ۲۲



اتباع سے بے پرواہ ہوجاتے ہیں کہ ہمیں نہ تو کسی نیکی کی ضرورت ہے اور نہ کسی گناہ سے اجتناب کی حاجت۔ روز حشر ہمیں ہمارے بزرگ جنت میں لے جائینگے۔ ان کا یہ خیال گمراہ کن ہے۔ دراصل یہ لوگ شیطان کے جال میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ جو سید الأبرار، امام الانبیاء والمرسلین، بلکہ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں آپ کی یہ حالت ہے کہ رات دن اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس کی عبادت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سوا کسی اور کی حمایت اور پناہ کے طلبگار نہیں ہیں، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ کے طلبگار ہیں، جب آپ جیسے صاحب عزم رسول ﷺ کی یہ شان ہے تو دوسروں کی حمایت یا شفاعت کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے، اور ان پر بھروسہ کر کے زندگی گذارنے کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟

اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ رسول اکرم ﷺ کی شفاعت کی امید پر ''عمل صالح'' اور ''عمل غیر صالح'' کے امتیاز کے بغیر زندگی گذارتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ ہر حالت میں بخشوا دینگے اور اپنی خوش خیالی کا یوں اظہار کرتے ہیں ''محمد ہے تو کیا غم ہے؟''۔ اور

خدا جس کو پکڑے چھڑا لے محمد
محمد جو پکڑے چھڑا کوئی نہیں سکتا

ان لوگوں کا یہ عقیدہ اور طرز عمل نری حماقت، جہالت اور دین و دنیا کے مسلمہ حقائق سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔

قیامت کے روز ''قرابت و نسب'' کی حیثیت

عام طور پر لوگوں میں ایسے اولیاء اور صالحین کے متعلق (کہ جن سے ان کا قرابتداری کا تعلق ہوتا ہے) یہ خیال بوجہ خوش فہمی قائم کرلیتے ہیں کہ قیامت کے دن ہماری شفاعت ہر حال میں ہوجائے گی، لہذا ہمیں اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ اعمال شنیعہ سے بچنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح کے غیر اسلامی تصور کے ازالہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ اے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قریبی رشتہ داروں کو شیطان کی اس بری چال سے بچنے کا حکم دیں، اور انہیں خوش فہمی پر مبنی اس عقیدہ سے ہوشیار فرمادیں۔

چنانچہ جب آیت

﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ [1] اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کردیجئے۔

نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کے عام و خاص قبائل کو یہاں تک کہ اپنی پیاری صاحبزادی فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا

[1] سورة الشعراء: ۲۱۴



کو بھی واضح طور پر یہ بتا دیا کہ حق قرابت اس چیز میں ممکن ہے جو انسان کے دائرہ اختیار میں ہو۔ میرے اختیار میں مال ہے اور زندگی گذارنے کیلئے مطلوب ایسے مادی وسائل جو کسی بھی انسان کی وسعت میں ہو سکتے ہیں۔ اگر تمہیں ان میں سے کسی شئی کی ضرورت ہو تو میں اس کے دینے میں بخل نہیں کروں گا۔ لیکن اللہ کے ہاں کا معاملہ میرے اختیار سے کہیں باہر ہے، میں وہاں کسی کی بھی حمایت نہیں کر سکتا۔ بلکہ قیامت کے دن ہر شخص کی نجات کا دارومدار اس کے اعمال صالحہ پر ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

أن ابا هريرة قال قام رسول الله صلى الله عليه وسلم حين انزل الله "وانذر عشيرتک الأقربين" قال: يا معشر قريش او كلمة نحوها اشتروا انفسكم لا أغنى عنكم من الله شيئآ يا بنى عبد مناف لا اغنى عنكم من الله شيأ يا عباس بن عبدالمطلب لا اغنى عنک من الله شيئاً ويا صفية عمة رسول الله لا اغنى عنک من الله شيئاً ويا فاطمة بنت محمد صلى الله عليه وسلم سليني ماشئت من مالى لا أغنى عنک من الله شيئاً. ① (صحيح بخارى ومسلم)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان ''اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کر دیجئے'' نازل ہوا تو آپ نے فرمایا اے قریش کی جماعت! (یا اس طرح کا کوئی اور کلمہ کہا) اپنی جانوں کو اللہ سے خرید لو (یعنی اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچالو) میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کام نہ آسکوں گا، اے خاندان عبد مناف اپنی جانوں کو اللہ کے عذاب سے بچالو میں اللہ کے عذاب سے بچانے کیلئے تمہارے کام نہ آسکوں گا، اے عباس بن عبدالمطلب! اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے آزاد کرا لے میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! اپنی جان کو اللہ کے عذاب سے بچالے میں اللہ کے عذاب سے بچانے کیلئے تیرے کام نہ آسکوں گا۔ اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچالے، مجھ سے میرے مال میں سے جو تیری مرضی آئے مانگ لے، مگر میں اللہ کے عذاب سے تیرے کام نہ آسکوں گا۔

① رواه البخارى كتاب التفسير، سورة الشعراء باب "وأنذر عشيرتک الأقربين" واللفظ له/ مسلم كتاب الايمان، باب فى قوله تعالىٰ: "وأنذر عشيرتک الأقربين"



مشرک لوگ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ آسمان و زمین میں سے کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴾ ①

اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ آسمان سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین ہی سے کسی چیز کا، اور نہ ایسا کر ہی سکتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ عزوجل نے مشرکوں کی بے عقلی اور انتہائی درجہ کی بے بصیرتی کو واضح فرمایا ہے کہ یہ ایسے بے سمجھ اور شعور وادارک کی قوت سے محروم لوگ ہیں کہ عبادت ایسی ہستیوں کی کرتے ہیں جن کے اختیار میں نہ آسمان کی کوئی شئی ہے اور نہ زمین کی کوئی چیز۔ مخلوق کے رزق وروزی کے ذرائع آسمان میں بھی رکھے گئے ہیں اور زمین کے اندر و باہر بھی انسانی ضروریات کا کافی سامان رکھا گیا ہے۔ یہ معبودان باطلہ نہ تو آسمانی قوتوں پر کوئی کنٹرول رکھتے ہیں اور نہ زمینی وسائل پر کسی قسم کی کوئی دسترس۔

آیت سے غلط عقیدے کا ابطال:

مشرک لوگ خاص طور پر عوام الناس کی جاہل اکثریت عام طور پر اماموں، شہیدوں، سیدوں اور اولیاء اللہ کو سارے جہان کا مالک ومتصرف قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں آسمان وزمین میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار تو ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر شاکر ہو کر اور اللہ تعالیٰ کے ادب کے خیال سے کوئی بھی تصرف نہیں کرتے۔ چاہیں تو پلک جھپکنے کی دیر میں نظام کائنات میں انقلاب بپا کردیں۔ لیکن شریعت کی تعظیم کے پیش نظر وہ کچھ بھی ظاہر نہیں کرتے۔ احیاء العلوم اور اس نوع کی دیگر کتابوں میں یہاں تک غلو آمیز باتیں لکھی ہوئی ہیں کہ، اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے ولی موجود ہیں جو چاہیں تو قیامت کے وقوع میں رکاوٹ ڈالدیں، اور اسے قائم نہ ہونے دیں، یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے اگر کہدیں کہ قیامت قائم نہیں ہونی چاہیئے تو اللہ تعالیٰ ان کی مرضی کے مطابق قیامت کے قیام کو ختم کردے گا۔ چنانچہ احیاء العلوم میں اس طرح لکھا ہوا ہے:

ولما دخل الزنج البصرة فقتلوا الانفس ونهبوا الأموال اجتمع إلى سهل اخوانه فقالوا: "لو سألت الله دفعهم" فسكت ثم قال: "ان لله عبادا في هذه البلدة لو دعوا على الظالمين لم

جب حبشی بصرہ میں داخل ہو گئے لوگوں کو قتل کرنے لگے اور مال لوٹنا شروع کر دیا۔ تو سہل (تستری) کے پاس اس کے مرید اور شاگرد اکٹھے ہو کر پہنچے اور یہ درخواست پیش کی کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کردیں تو وہ ان کو دفع کردے گا۔

---
① سورة النحل: ٧٣



يصبح على وجه الأرض ظالم الامات في ليلة واحدة ولكن لايفعلون" قيل: لم؟ قال: لانهم لايحبون مالا يحب" ثم ذكر من اجابة الله تعالىٰ أشياء لا يستطاع ذكرها حتى قال: "ولو سالوه ان لايقيم الساعة لم يقمها.①

سہل کافی دیر تک خاموش رہ کر کہنے لگا، اس شہر میں اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی موجود ہیں کہ اگر وہ ظالموں کے خلاف بددعا کر دیں تو روئے زمین پر جو بھی ظالم ہوگا وہ ایک ہی رات میں فنا ہو جائے گا۔ مگر وہ ایسی بددعا کرتے نہیں۔ پوچھا گیا، یہ اللہ کے بندے کیوں بددعا نہیں کرتے؟ سہل نے جواب دیا کہ اس لیے وہ بددعا نہیں کرتے کہ انہیں بھی وہ چیز پسند نہیں ہے جو اللہ کو پسند نہیں۔ اس کے بعد سہل نے بہت سے اشیاء کا ذکر کیا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی بددعاؤں کو قبول کیا۔ یہاں تک کہا کہ اگر اللہ کے یہ بندے اس سے دعا کر دیں کہ قیامت قائم نہ فرما تو لازماً اللہ تعالیٰ قیامت کے قیام کو روک دے گا۔

قارئین کرام!

آپ نے صوفیاء کے مشہور بزرگ سہل تستری کے ملفوظات سے اندازہ کر لیا ہوگا کہ کیسے اللہ کی ولی ہیں جو ظلم اور ظالموں کے خلاف تو بددعا نہیں کرتے جبکہ معاشرہ کو ظلم سے نجات کی اشد ضرورت ہمیشہ سے رہی ہے۔ ہاں اگر وہ یہ دعا کر دیں کہ قیامت جو ظالموں، کافروں اور مجرموں کے محاسبے اور نیک بندوں کے لیے صلہ و ثواب کا دن ہے، جس کا قیام عین عدل و انصاف کے مطابق ہے، اس کی روک تھام کے لئے وہ رب کو کہہ سکتے ہیں اگر یہ بزرگ ایسا تقاضا کر بیٹھیں تو رب تعالیٰ ان کی طلب کو ٹالنے کی ہمّت نہ کر سکے گا۔ (استغفر اللہ)

صوفیاء کے ان مخمورانہ نظریات کے ابطال کے لیے اللہ احکم الحاکمین کے ان پرہیبت فرامین مبارکہ کو سنیئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ ②

یقیناً قیامت ضرور ہی آ کر رہے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے۔

---

① احياء العلوم ج ۴ ص ۳۵۶ "بيان جملة من حكايات المحبين و أقوالهم و مكا شفاتهم

② سورة المؤمن: ۵۹



اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ ①

آپ (اُن سے) کہیئے ضرور اور قسم ہے میرے پروردگار کی ضرور تم اٹھائے جاؤ گے پھر جو تم کر چکے ہو اس کی تمہیں خبر دی جائے گی۔ اور یہ اللہ پر (بالکل) آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اٹل فرامین کے پڑھ لینے کے بعد یہ بات ہر مسلم شخص کو ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام اس کے اپنے اختیار و تصرف کے تحت چل رہا ہے۔ اسے اپنے نظام کے تحفظ و سلامتی کے لیے کسی مددگار کی ضرورت ہے نہ کسی مشیر کی۔ کوئی بھی مخلوق اس نظام میں بالفعل دخل انداز ہو سکتی ہے نہ بالقوۃ۔ تنہا اللہ ذوالجلال والاکرام کی ذات ''مدبر الامر'' اور ''متصرف فے الکون'' ہے۔ وہ جو چاہے اپنی مخلوق میں اس کا ظہور فرما سکتا ہے، کسی کو بھی اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنے یا لیت و لعل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴾ ②

اور جنہیں تم اس کے علاوہ پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

اس آیت مبارکہ میں وارد لفظ ''قطمیر'' کا اردو زبان میں معنی ہے ''کھجور کی گٹھلی کا چھلکا'' یہ چھلکا نہایت ہی باریک پردے کی صورت میں گٹھلی کے باہر لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ محاورہ عرب میں اس لفظ کا وہی مفہوم ہوتا ہے جو اردو زبان میں ''ذرہ بھر'' یا ''رتی برابر'' کے الفاظ کا ہوتا ہے۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ مشرکوں کے ''معبود'' اس کارخانہ عالم میں معمولی سا بھی اختیار نہیں رکھتے، چہ جائے کہ انہیں کائنات کے بڑے بڑے امور میں متصرف و مختار تسلیم کیا جائے۔

اللہ جل شانہٗ نے ساری دنیا کے مشرکوں پر ان کے معبودوں کی حقیقت واضح فرما دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا وہ تمام ہستیاں جن کی پوجا و پرستش کی جاتی ہے اور انہیں اللہ کا شریک و سہیم گردانا جاتا ہے۔ خواہ وہ ولی و بزرگ ہوں، پیر و فقیر ہوں سیدزادہ و شہید، جن بھوت یا پری ہو، ملک مقرب ہوں یا نبی و رسول ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں ذرہ بھر کا بھی تصرف و اختیار نہیں رکھتے، اللہ اکبر! سوچنے کا مقام ہے کہ جو ہستیاں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام میں معمولی سی چیز کے بھی مالک نہیں

① سورة التغابن: ۷
② سورة فاطر: ۱۳



ہیں۔کیا انہیں داتا، گنج بخش، غریب نواز، غوث اعظم، دستگیر اور امام ضامن کے القاب دیئے جاسکتے ہیں؟ کیا انہیں نفع ونقصان کا مالک قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا انہیں صحت، راحت، خوشحالی اور اولاد و نعمت کا عطا کرنے والا سمجھا جاسکتا ہے؟ کیا انہیں مصائب و مشکلات اور وباء و امراض میں مددگار اور مشکل کشا باور کیا جاسکتا ہے؟ حاشا و کلا (نہیں اور ہرگز نہیں)

اس آیت مبارکہ نے ان نام نہاد مشکل کشاؤں اور دستگیروں کی حقیقت کو منکشف کر دیا ہے اور ان سے عقیدت رکھنے والے افراد کی غلط فہمی اور حد درجہ کی ناشکری کو بھی واضح کر دیا ہے کہ یہ لوگ کسی دلیل و برہان کے بغیر اپنی جیسی مخلوق کو اپنا معبود اور حاجت روا بنائے ہوئے ہیں۔اس طرح وہ اپنے منعم حقیقی رحمان و رحیم پروردگار کی سخت ناشکری کے مرتکب ہو رہے ہیں، کہ اپنی زندگی کے جمیع معاملات میں اللہ تعالیٰ کی نعمت و عطا سے فائدہ حاصل کرنے کے باوجود شکر و عبادت اس کے غیر کی کرتے ہیں اور اپنے جیسی مخلوق کو کارخانہ عالم میں متصرف اور مختار تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ ان کے ان خود ساختہ معبودوں کو کھجور کی گٹھلی کے ساتھ لگے ہوئے چھلکے جتنی چیز پر بھی قدرت حاصل نہیں ہے۔چہ جائیکہ انہیں آسمان و زمین اور دیگر مخلوقات کے بڑے معاملات میں کوئی اختیار ہو۔

اللہ کے سوا جن ہستیوں کو نفع و نقصان کیلئے پکارا جاتا ہے وہ آسمان و زمین میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں ہیں

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴾ ①

آپ کہیئے تم پکارو تو جنہیں تم اللہ کے سوا (شریک فی الملک) سمجھتے ہو، وہ ذرہ بھر اختیار نہیں رکھتے، (نہ) آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شراکت ہے۔ اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

گذشتہ بحث میں سورۃ فاطر کی آیت ۱۳ کا ترجمہ اور اس کی مختصر تشریح آپ کی نظر سے گذری۔اس میں اللہ مالک الملک، علام الغیوب نے دنیا کے تمام مشرکوں کو ان کے معبودوں کے بے بس، عاجز اور تہی دست ہونے کی حقیقت سے آگاہ فرمایا، اور صاف لفظوں میں فرمادیا ہے کہ جن ہستیوں کو تم اپنی حاجات و مشکلات میں پکارتے اور ان سے مدد کا یقین رکھتے ہو وہ تو اس قدر کمزور ہیں کہ ان کے ملک و اختیار میں کھجور کی گٹھلی پر لپٹا ہوا چھلکا تک بھی نہیں ہے۔وہ تمہاری دستگیری کرینگے تو کس طرح کرینگے؟

اب یہاں سورہ سبأ کی مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں مذکورہ حقیقت کو مزید زوردار انداز میں بیان کیا جارہا ہے، بلکہ اس

① سورۃ سبا: ۲۲



آیت میں تو مشرکوں کے جملہ معبودوں کی انتہادرجہ کی بے بسی کا اظہار کر دیا ہے۔سابقہ آیت میں تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کی بات ہوئی تھی کہ جنہیں مالک ومتصرف اور مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہوانہیں ایک معمولی چھلکے پر بھی تصرف اور اختیار حاصل نہیں ہے۔ ممکن تھا کہ کوئی مشرک یہ کہہ دیتا کہ ''ٹھیک ہے ہمارے معبودوں کو چھلکے پر تصرف حاصل نہیں ہے البتہ ایسی اشیاء جو چھلکے سے کم قیمت، کم اہمیت اور چھوٹی ہیں، پر انہیں قدرت واختیار حاصل ہے۔لہٰذا ہم انہیں ان اشیاء کی نسبت سے متصرف ومختار تسلیم کرتے ہیں اور انہیں مقرب بارگاہ الٰہی جانتے ہوئے اپنی مشکلات کے ازالہ اور منافع کے حصول کیلیے پکارتے ہیں۔اللہ تعالیٰ چونکہ ماکان ومایکون کا علم رکھنے والا ہے۔اس لئے اس نے سورۂ سبأ کی زیر نظر آیت میں اس کفریہ وہم کا ابطال فرما دیا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ پکاری جانے والی ہستیاں خواہ وہ نبی وولی ہوں، جن وفرشتے ہوں، وثن وصنم ہوں یا حجر وشجر ہوں، انہیں اس کارخانۂ عالم اور نظام ارضی وسماوی میں چھلکا تو بڑی بات ہے ایک ''ذرّہ'' پر بھی اختیار حاصل نہیں ہے۔

اندازہ کیجئے کہ مشرکوں کے خودساختہ معبودوں کی جھوٹی عظمت اور جعلی مالکیت کا پردہ کتنے زوردار طریقہ سے چاک کر دیا گیا ہے کہ ''ذرّہ'' ایسی شئ جسے کوئی شخص آسانی سے دیکھ سکتا ہے اور نہ اس کی کیفیت کو واضح کر سکتا ہے، بھی ان معبودوں کے قبضہ میں نہیں ہے۔

قارئین کرام!

غور فرمائیے کہ جس ہستی کی یہ حالت ہو کہ اسے ذرّہ بھر بھی نظام عالم میں تغیر وتبدل کا اختیار نہیں ہے بلکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشأ کا محتاج ہو وہ اولاد دے گی تو کس طرح؟ مضطر ولاچار اور پریشان حال لوگوں کی مشکلات کو رفع کرے گی تو کیونکر؟ یا وہ سمندر کی بے رحم موجوں میں پھنسی کشتیوں کو ہلاکت وبربادی سے نجات دے گی تو کیسے؟ اور نفع کی امید رکھنے والوں کی دلی مرادوں کو پورا کرے گی تو کس قوت کی بنیاد پر؟

حد ہوگئی ہے جہالت کی، ناشکری اور کفریہ عقائد کی، کہ مشرک ان حقائق کو جانتے بوجھتے بے تحاشا شرک کے تباہ کن راستہ پر گامزن ہیں، انہیں ذرہ بھر بھی احساس نہیں ہے کہ وہ جس راستے کا انتخاب کر چکے ہیں وہ سیدھا جہنم کی اتھاہ گہرائیوں کی طرف لے جانیوالا ہے۔اللہ کے غضب اور اس کے شدید ترین قہر کو دعوت دینے والا ہے، حقیقت یہی ہے کہ جب دل اندھے ہو جائیں تو یہی ہوتا ہے۔

آیت میں بیان شدہ قاعدہ کلیہ

سورۂ سبأ کی آیت مذکورہ نے اپنی فصاحت وبلاغت کے تحت تمام انسانوں کیلئے ایک ''کلی قانون'' بیان کر دیا ہے کہ



مشکلات ومصائب میں اور منافع کے حصول کیلئے جس ذات کو پکارا جائے اس کے اندر ذیل کی صفات کا ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ ان صفات سے متصف ہوگی تو اس کو جملہ حاجات میں پکارنا درست ہوگا اور وہ انسان کی جملہ قسم کی حوائج کو پورا کرنے کی بھرپور طاقت بھی رکھتی ہوگی، اور اگر پکاری جانے والی ہستی ان صفات سے محروم ہے تو اس کے متعلق حاجت روا، مشکل کشا یا غوث اعظم اور دستگیر وغیرہ ہونے کا عقیدہ سراسر غلط، باطل اور شرک ہے۔

۱۔ مالکیت:

یعنی مشکل کشا کا مالک ہونا ضروری ہے، بایں طور کہ اس سے جس چیز کا سوال کیا جارہا ہے وہ ذاتی طور پر اس شیٔ کا مالک ومختار ہو۔

۲۔ شراکت:

یعنی اگر وہ مطلوبہ شیٔ کا مالک ومتصرف نہ ہو تو بھی اسے اصل مالک کے مملوکہ مال میں تصرف واختیار کا شراکتی حق حاصل ہو۔

۳۔ معاونت:

یعنی اگر وہ اصل مالک ہو نہ شراکت دار، لیکن اصل مالک کے معاملات میں بطور معاون عملدار ہو، جس طرح بادشاہ اپنے وزیروں، مشیروں اور امرائے سلطنت کے مشورہ جات کو ہر حالت میں قبول کر لیتے ہیں کیونکہ ان کی مشاورت وسفارش کو مسترد کر دینے کی صورت میں زوال اقتدار کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ اس لیے بادشاہ خواہ مخواہ ان کی باتوں کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے اس آیت میں مشرکوں کے اس زعم باطل کو رد فرمادیا ہے کہ (معاذ اللہ) ان کے معبود کائنات کے مالک ہیں یا مالک کے ساتھ حق شراکت رکھتے ہیں یا اس کے معاون ومددگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں اعلان فرمادیا ہے کہ ان معبودان باطلہ کو آسمان وزمین کی کسی بھی شیٔ پر ملک واختیار کا ذرہ بھر بھی حق حاصل نہیں ہے۔ نہ وہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں شراکت دار ہیں اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں۔ لہٰذا ایسے بے اختیار مجبور ومحکوم افراد کو پکارنا حد درجہ حماقت ہے۔ اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کے ساتھ بدعہدی وبے وفائی۔ جسے وہ کسی بھی صورت میں معاف نہیں کرے گا۔

شفاعت کی اقسام

اس سے قبل کہ ہم شفاعت کی اقسام بیان کریں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے شفاعت کے متعلق وارد فرامین نقل کرتے ہیں، کہ شفاعت کی حقیقت کیا ہے۔ اس کا مستحق کون ہوگا اور شفاعت کون کر سکے گا؟

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّى إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴾ ①

اور اس کے حضور میں (کوئی) شفاعت کام نہیں آتی مگر ہاں اس کے حق میں جس کے لیے وہی اجازت دیدے۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوجاتی ہے تو وہ (آپس میں) پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں کہ حق (بات کا حکم فرمایا) اور وہ (واقعی) عالیشان ہے سب سے بڑا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

حدثنا عمرو قال: سمعت عكرمة يقول: سمعت أباهريرة يقول ان نبى الله صلى الله عليه وسلم قال: اذا قضى الله الأمر فى السمآء ضربت الملائكة أجنحتها خضعانا لقوله كانه سلسلة على صفوان فاذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربكم قالوا للذى قال الحق وهو العلى الكبير ② (صحيح بخارى)

ہمیں عمرو نے بیان کیا ہے کہ میں نے عکرمۃ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ، جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے فرمان کیلئے عاجزی وفروتنی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پروں کو ہلانا شروع کردیتے ہیں، (ان کے پروں کے ہلنے کی آواز سے) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا کہ یہ صاف پتھر پر زنجیر ہے (جسے گھسیٹا جا رہا ہے) جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوجاتی ہے تو وہ آپس میں کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟ (دوسرے جواب میں) کہتے ہیں کہ اس نے حق فرمایا ہے، یقیناً وہ بلند شان والا، سب سے بڑا ہے۔

---

① سورة سبا: ٢٣

② رواه البخارى، كتاب التفسير سورة سبأ. باب "حتى إذا فزع ....وهو العلى الكبير"

فرشتوں کی گھبراہٹ کی حقیقت اس طرح ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے لیکر خاتم الرسل کی بعثت تک کے عرصہ کو ''فترۃ الوحیٰ'' کہا جاتا ہے اور یہ کافی مدّت ہے۔ اس طویل مدّت کے بعد جب پہلی مرتبہ سیدنا جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر خاتم الرسل ﷺ کے پاس آنے لگے تو باقی فرشتے گھبرائے کہ شاید جبریل علیہ السلام قیامت قائم ہونے کیلئے حکم لائے ہیں، لیکن جب انہیں اس بات کا علم ہوا کہ جبریل علیہ السلام کسی دوسرے کام کیلئے تشریف لائے ہیں تو ان کے دلوں سے اضطراب اور بے چینی کی کیفیت ختم ہوگئی۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابوالفضل ابن منظور لکھتے ہیں:

وتفسير ذلك ان ملائكة السمآء كان عهدهم قد طال بنزول الوحي من السموات العُلا، فلما نزل جبريل إلى النبي بالوحي أول مابعث ظنت الملائكة الذين في السماء أنه نزل لقيام الساعة، ففزعت لذلك فلما تقرّر عندهم انه نزل لغير ذلك كشف الفزع عن قلوبهم فاقبلوا على جبريل ومن معه من الملائكة فقال كل فريق منهم لهم: ماذا قال ربكم؟ سالت لای شئ نزل جبريل عليه السلام قالوا: "الحق" أى قالوا: قال الحق. ①

اس کی تفسیر یہ ہے کہ آسمان کے فرشتوں کیلئے وحی کے اترے ہوئے کافی عرصہ ہوگیا تھا، جب (وحی کے انقطاع کے بعد) جبریل پہلی مرتبہ وحی لے کر اترے تو فرشتوں نے سمجھا کہ وہ قیامت قائم کرنے کا حکم لیکر نازل ہوئے ہیں۔ اس لیے وہ گھبرا گئے۔ جب ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ جبریل علیہ السلام دوسرے مقصد کیلئے اترے ہیں تو ان سے گھبراہٹ دور ہوگئی۔ اس کے بعد یہ سب فرشتے جبریل علیہ السلام اور ان کے ساتھ آنے والے فرشتوں کی طرف متوجہ ہو کر گروہوں کی شکل میں کھڑے ہو کر پوچھنے لگے۔ تمہارے رب نے کیا حکم دیا ہے؟ یعنی انہوں نے دریافت کیا کہ جبریل علیہ السلام کس مقصد کے تحت نازل ہوئے ہیں تو انہوں نے کہا اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) حق بات کا حکم دیا ہے۔

شفاعت کے متعلق ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِن بَعْدِ أَن يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ ﴾ ②

اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں کہ ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آ سکتی، مگر ہاں بعد اس کے کہ اللہ اجازت دیدے جس کیلئے وہ چاہے جس سے وہ راضی ہو جائے۔

---

① لسان العرب ج ۸ ص ۲۵۲، حرف: (ع) بحث (فزع)
② سورۃ النجم: ۲۶



مذکورہ آیات سے ایک غلط فہمی کا ازالہ:

اکثر لوگ خوش عقیدگی سے انبیاء، اولیاء، شہداء اور دیگر صالحین کی شفاعت پر اعتماد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں، اس کے فرامین و احکامات کی پرواہ کرتے ہیں نہ اعمال صالحہ کیلئے قدم بڑھاتے ہیں، اس خوش فہمی کے سہارے کہ کل روز قیامت کو ہمیں ان برگزیدہ ہستیوں کی شفاعت تو نصیب ہو جائے گی۔ لہٰذا اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے ان لوگوں کے خیال باطل کی نفی ان دو آیات کے ذریعے فرما دی ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی ہستی شفاعت کی ہمت نہیں کر سکے گی۔ اور شفاعت ہو گی تو صرف انہی لوگوں کیلئے جن کیلئے اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا ہو گی۔

شفاعت کا مفہوم:

شفاعت کا معنی اردو میں 'سفارش' کا ہوتا ہے۔ سفارش کئی طرح کی ہوتی ہے، عام طور پر اس کی تین صورتیں مشہور و معروف ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف: شفاعت وجاہت:

اس کی صورت کو مثال کے ذریعے یوں سمجھنا چاہیئے کہ کسی شخص پر بادشاہ کے سامنے چوری کا الزام ثابت ہو جائے، ملکی قانون اور عدل کے تقاضوں کے پیش نظر چور کو گرفتار کر کے سزا لاگو کرنا ضروری ہو جائے، مگر بادشاہ اپنے کسی وزیر کی سفارش سے مجبور ہو کر چور کو معاف کر دے۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اپنی سلطنت کے ایک وزیر کو ناراض کرنے کی بجائے اس کی سفارش کو منظور کر لیا جائے، اور چور کو معاف کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ اس لیے کہ وزیر کو ناراض کر دینے سے امور سلطنت میں نقص اور خلل پیدا ہو جانے کا قوی ترین امکان ہے، جبکہ چور کو معاف کر دینے سے کسی بڑی خرابی کا احتمال نہیں ہے۔ ایسی سفارش جو صاحب رتبہ شخص کی طرف سے کی جائے اور اسے قبول بھی اس کے منصب وجاہ کے پیش نظر کیا جائے، اسے ''شفاعت وجاہت'' کہا جاتا ہے۔ اس طرح کی سفارش اللہ تعالیٰ کے حضور ہو ہی نہیں سکتی کہ اللہ تعالیٰ کو کسی بھی شیٔ کا (چاہے وہ کتنی ہی بڑی ہو) خوف نہیں ہے وہ تو سب کا خالق ہے، اسے اپنی مخلوق پر مکمل حاکمیت حاصل ہے۔ لہٰذا جو شخص کسی نبی، ولی، شہید یا صالح کے متعلق ایسی سفارش کا عقیدہ رکھے وہ کھلا مشرک ہے اور انتہائی درجے کا احمق اور جاہل! کہ اس نے اللہ مالک الملک کی کچھ بھی قدر نہ پہچانی، اس غالب و مقتدر ذات کی تو یہ شان ہے کہ چاہے تو ایک ہی آن میں اپنے حکم ''کُن'' کے ذریعے کروڑہا نبی، ولی، جن، فرشتے موجودہ تعداد سے زیادہ پیدا کر دے پھر اسے کسی کے منصب کا کیا خوف یا اس کی شاہنشاہی کیلئے کس کا خطرہ! اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے:



﴿ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾ ① جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے ''ہوجا'' تو وہ ہوجاتی ہے۔

نیز اس کی یہ عظمت ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ② بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ غالب کی صفت تو یہ ہے کہ چاہے تو ایک ہی دم میں سارے نظام عالم کو عرش سے لے کر فرش تک تبدیل کر کے اس کی جگہ نیا عالم قائم فرمادے۔ اسے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔ اسے سامان واسباب جمع کرنے کی قطعاً حاجت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی شان کے متعلق اپنے بندوں کو یوں متعارف فرماتا ہے:

﴿ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئاً إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ③

آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو اللہ سے کون کچھ بچا سکتا ہے اگر وہ ہلاک کر دینا چاہے مسیح ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو، اور جو کوئی بھی زمین پر ہے سب کو، اور آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس (سب) پر اللہ ہی کی حکومت ہے، وہ جو کچھ چاہے پیدا کر دیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ أَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُم بَلَى وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيْمُ ﴾ ④

تو کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر ڈالا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے لوگوں کو (دوبارہ) پید کر دے۔ ضرور (قادر) ہے۔ اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے، خوب جاننے والا ہے۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ اپنے جلال وجبروت اور اپنی بے نیازی کا یوں ذکر فرماتا ہے:

یا عبادی لو أن أولکم وآخرکم وإنسکم وجنکم اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، تمہارے

---

① سورۃ یٰس: ۸۲
② سورۃ البقرۃ: ۲۰
③ سورۃ المائدۃ: ۱۷
④ سورۃ یٰس: ۸۱



كانوا على أتقى قلب واحد منكم مازاد ذلك في ملكي شيئا ياعبادي لو أن أولكم وآخركم إنسكم وجنكم كانوا على أفجر قلب رجل واحد منكم مانقص ذلك في ملكي شيئا. ①

(صحيح مسلم)

جن اورانس سب کے سب تم میں سے سب سے زیادہ متقی انسان کے (پاک) دل کے حامل ہوجائیں تو میری بادشاہت میں ذرہ بھر کا بھی اضافہ نہیں کر سکتے، اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، جن اور انس سب سے بڑے مجرم انسان کے دل کے حامل ہوجائیں تو اس سے میری حکومت و بادشاہت میں معمولی سا نقص بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت و مالکیت کسی مخلوق کی اطاعت کی محتاج ہے اور نہ اسے کسی قوم کی نافرمانی ومعصیت سے نقصان کا اندیشہ، وہ ہر صورت میں بادشاہوں کا بادشاہ ہے، ساری مخلوق مل کر اس کا کچھ بگاڑنا چاہے تو نہیں بگاڑ سکتی۔ اسی طرح اگر سب لوگ مل کر اللہ تعالیٰ کی سلطنت کو بگاڑنے کی بجائے بچانا چاہیں تو بھی انہیں یہ قدرت حاصل نہیں ہے۔

ب: شفاعت محبت:

اس کی صورت اس طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ بادشاہ کے سامنے چوری یا دیگر جرم کا مرتکب انسان اپنی آزادی ونجات کیلئے شہزادوں، ملکہ یا بادشاہ کے کسی محبوب کی سفارش حاصل کرلے بادشاہ اپنے محبوب کی سفارش کو مانتے ہوئے مجرمِ مذکور کو معاف کردے تو ایسی شفاعت کو "شفاعت محبت" کہا جاتا ہے۔

اس صورت میں بادشاہ اپنے محبوب ومقرّب کی محبت سے مغلوب ہوکر چور کو یا دیگر مجرم کو معاف کردیتا ہے، یہ سوچتے ہوئے کہ چور کے بارے میں محبوب کی سفارش کو مسترد کردینے سے محبوب روٹھ جائے گا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ غصّے کو پی لیا جائے اور چور کو معاف کردیا جائے۔

اس طرح کی سفارش بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ناممکن ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں ایسا سفارشی تصور کرلے تو وہ بھی ویسا ہی مشرک وجاہل اور احمق انسان ہے جیسا کہ شفاعت وجاہت کا عقیدہ رکھنے والا مشرک اور جاہل ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو اپنی خصوصی محبت سے نوازا ہے۔ وہ اپنے ان بندوں کو بہتر جانتا ہے اس لیے اس نے کسی کو حبیب، کسی کو خلیل، کسی کو کلیم اور کسی کو روح اللہ کے القاب سے سرفراز فرمایا ہے۔ اسی طرح اس نے بعض کو رسول کریم، رسول امین، روح القدس اور روح الامین کے قابل عزت خطابات سے ممنون فرمادیا ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود

① رواه مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم.



اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے، اور بندہ، بندہ ہے۔ بندہ کتنا ہی عالی مرتبت ہو جائے بندگی کے رتبہ سے قدم باہر نہیں نکال سکتا اور غلامی کے مقام سے انحراف نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین بندوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کا دل جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید سے ہر وقت مسرور اور شادمان رہتا ہے، وہاں وہ اس جبار و قہار ذات کی ہیبت و ناراضگی سے لرزاں و ترساں بھی رہتا ہے۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کسی مقرب کی محبت سے مغلوب ہو گا تو کیسے ہو گا؟ وہ تو کسی کا محتاج نہیں ہے سب اسی کے محتاج ہیں۔ لہٰذا ''شفاعت محبت'' کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں امکان ہی نہیں ہے۔ اس طرح کا عقیدہ رکھنے والا شخص رب العالمین کی توحید کی توہین کا مرتکب قرار پائے گا۔

ج: شفاعت بالاِذن:

اس کی صورت یوں ہے کہ چور پر چوری کا جرم ثابت ہو جاتا ہے مگر یہ چور پیشہ ور یا عادی مجرم نہیں ہے، شومیٔ قسمت کی وجہ سے وہ یہ جرم کر بیٹھا ہے اور اپنے جرم پر نادم و پشیماں بھی ہے۔ رات دن اپنے اس قصور کی وجہ سے پریشان رہتا ہے، ملکی آئین کے مطابق اپنے آپ کو سزا کا مستوجب سمجھتا ہے، بادشاہ سے بھاگ کر اس کے کسی وزیر، مشیر یا ملکی امیر کی پناہ نہیں طلب کرتا بلکہ ہر وقت بادشاہ کی مہربانی کا منتظر رہتا ہے کہ بادشاہ میرے متعلق کیا فیصلہ کرتا ہے، وہ جو بھی فیصلہ کرے گا مجھے اس کے تسلیم کرنے میں ذرہ سا بھی حجاب نہیں ہو گا۔

ایسے نادم و پشیمان اور ملکی قانون کو تسلیم کرنے والے مجرم کو بادشاہ دیکھتا ہے تو اس کے حال پر اسے ترس آ جاتا ہے۔ مگر آئین کی عزت و رفعت کے پیش نظر اسے بلا سبب معاف نہیں کرتا کہ لوگوں کے دلوں سے آئین کا احترام ختم ہو جائے گا۔ ایسی صورتحال میں اگر کوئی وزیر یا مشیر بادشاہ کے ارادہ کو سمجھتے ہوئے از خود اس قصوروار کی سفارش کر دے اور بادشاہ اس کی سفارش کو قبول کرے جس سے عام لوگ یہ سمجھیں کہ بادشاہ نے اپنی آئینی ذمہ داری کو تو نبھانے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر اس کے وزیر نے سفارش کر دی جس سے بادشاہ نے اتفاق کر لیا۔ اس لیے کہ سفارشی وزیر مجرم کا قرابتدار ہے نہ تعلق دار اور نہ ہی چور نے اسے اپنی حمایت پر آمادہ کیا ہے۔ بلکہ اس نے تو بادشاہ کی مرضی کا احساس کرتے ہوئے از خود سفارش کی ہے تاکہ بادشاہ کیلئے اپنی مرضی پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ ایسی سفارش کو ''شفاعت بالاذن'' کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ سفارش خود بادشاہ کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کے قبول کرنے میں بادشاہ کسی بیرونی دباؤ کا شکار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی حیثیت مجروح ہوتی ہے۔

اس قسم کی شفاعت اللہ تعالیٰ کے حضور ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں انبیاء و صالحین اور فرشتوں کی جس شفاعت کا ذکر ملتا ہے اسے ''شفاعت بالاذن'' کہا جاتا ہے۔



شفاعت بالإذن کے لازمی تقاضے:

جو بھی شخص اللہ تعالیٰ کے حضور نجات کا خواہشمند ہے اور اس کی اجازت سے کسی عبد صالح کی شفاعت کا متمنی ہے، اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہر لحہ اللہ تعالیٰ کو پکارے، اسی کا خوف اپنے دل میں سموئے رکھے اس کے حضور التجائیں کرتا رہے، اپنے گناہوں کا معترف رہے، اور اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا مالک وحمایتی جانتا رہے۔ جہاں تک بھی اس کا خیال کام کرے وہ کسی کو بھی اپنا ملجا و ماویٰ نہ سمجھے، بجز اللہ رب العالمین کے کہیں بھی اپنا بچاؤ نہ جانے اور نہ کسی کی حمایت پر بھروسہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بے حد بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ وہ سب مشکلات کو اپنے فضل وکرم سے حل کر دے گا۔ سب گناہوں کو اپنی بے پناہ مہربانی کے ذریعے معاف کر دے گا۔ وہ خود جسے چاہے گا اپنے قصوروار، نادم وشرمسار بندے کیلئے سفارشی بنا دے گا۔ بندوں کے بنائے ہوئے سفارشی وحمایتی نا قابل بھروسہ ہیں، ان پر بھروسہ کرنے کے بجائے اللہ جل شانہٗ کی رحمت کی امید رکھے اور اس کی ناراضگی سے حتی الامکان بچتا رہے۔

شفاعت کی شرطیں

گذشتہ بحث سے یہ بات خوب واضح ہوگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر قسم کی شفاعت معتبر اور مقبول نہیں ہے۔ بلکہ اس کے حضور شفاعت کی ایک ہی قسم قبولیت کے لائق ہے جس کی تشریح ہم نے ''شفاعت بالاذن'' کے عنوان سے کی ہے۔ اس قسم کی شفاعت کے مقبول ہونے کی تصریح خود اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی ہے:

﴿ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴾ ①

اس دن نہیں نفع دے گی سفارش مگر اس شخص کی کہ اجازت دے گا اسے رحمان، اور پسند کرے گا اس کیلئے بات کرنا۔

شفاعت کیلئے لازمی شرطوں کے بیان سے پہلے کچھ ضروری باتیں بطور تمہید کے بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ قارئین کرام کیلئے اس بحث کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ سب سے پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ شفاعت خالصتاً اللہ تعالیٰ کے ملک واختیار کا معاملہ ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی اس امر میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴾ ②

آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اس کی سلطنت آسمانوں اور زمین میں ہے۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

---

① سورة طه: ١٠٩

② سورة الزمر: ٤٤



اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

قل ای یا محمد لھولآء الزاعمین ان ما اتخذوہ شفعاء لھم عنداللہ تعالیٰ اخبرھم ان الشفاعة لاتنفع عنداللہ الا لمن ارتضاہ واذن له، فمرجعھا کلھا الیه. ①

آپ یعنی اے محمد ﷺ ان لوگوں کو کہہ دیجئے جو اپنے اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا سفارشی قرار دیتے ہیں، ان کو آگاہ کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش اسی کی قبول ہوگی جس کی شفاعت کو وہ پسند کرے گا، اور اس کیلئے اسے اجازت دے گا۔ اس لیے کہ شفاعت کا مطلق اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے الشیخ عبدالرحمن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أی ھو مالکھا فلیس لمن تطلب منه شئ منھا، وانما تطلب ممن یملکھا دون کل من سواہ لأن ذلک عبادة وتألیة لایصلح الا للہ. ②

یعنی شفاعت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، جن سے شفاعت کا سوال کیا جاتا ہے ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ شفاعت تو اس سے طلب کی جانی چاہیئے جو اس کا مالک ہے۔ اس کے علاوہ کسی سے بھی اس کی درخواست نہ کی جائے۔ اس لئے کہ شفاعت بھی عبادت و بندگی کی ایک قسم ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لائق ہے۔

اسی آیت کے دوسرے جزء "له ملک السموات والارض" کی تفسیر کرتے ہوئے الشیخ عبدالرحمن رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

تقریر لبطلان اتخاذ الشفعاء من دونه لانه مالک الملک فاندرج فی ذلک ملک الشفاعة فاذا کان ھو مالکھا بطل ان تطالب ممن لایملکھا. ③

اس آیت میں غیر اللہ کو سفارشی قرار دینے کے بُطلان کا ثبوت ہے اس لیے کہ مالک الملک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ شفاعت بھی اس کی مالکیت کے تحت داخل ہے۔ لہٰذا جب شفاعت کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہے تو اس کا سوال ان سے کرنا ازخود باطل ثابت ہوگیا جو اسکے مالک ہی نہیں ہیں۔

① تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۵
② فتح المجید ص ۲۱۰
③ فتح المجید ص ۲۱۰

کتاب اللہ کی مذکورہ آیت کے تحت علماء کرام کی تشریحات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شفاعت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے بھی اس کا طلب کرنا شریعت میں تو ناجائز ہے ہی، عقل وبصیرت کے لحاظ سے بھی انتہائی غلط اور بیکار عمل ہے۔ اس لئے کہ جانتے بوجھتے کسی سے ایسی شی کا سوال کرنا جو اس کی بساط اور ملک میں ہی نہ ہو، عقل کے لحاظ سے ناپسندیدہ طرز عمل ہے۔ کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ جو شخص شفاعت کا مالک ہی نہیں ہے وہ شفاعت کرے گا تو کیسے کرے گا؟

رہے وہ شفعاء (سفارشی) جو روز قیامت گنہگاروں کی سفارش کرینگے اور ان کی شفاعت کا ثبوت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے تو ان کے متعلق اہل السنۃ والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی مرضی کے مطابق ایسا کرینگے، اپنے ارادہ سے کوئی بھی ہستی اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کی جرأت نہیں کر سکے گی جیسا کہ حدیث میں ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ...... فیأتونی فانطلق حتی استأذن علی ربی فیؤذن فاذا رأیت ربی وقعت ساجداً فیدعنی ماشاء اللہ ثم یقال ارفع راسک وسل تعطہ، وقل یسمع واشفع تشفع فارفع رأسی فأحمدہ بتحمید یعلمنیہ ثم اشفع فیحد لی حدا فادخلھم الجنۃ. ① (صحیح بخاری)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:۔۔۔۔۔۔ پھر وہ میرے پاس آئینگے تو میں چل پڑوں گا، اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، مجھے اجازت مل جائیگی، میں اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدہ ریز ہو جاؤں گا، جب تک اللہ چاہے گا مجھے سجدہ کی حالت میں رکھے گا، پھر فرمایا جائے گا: اپنے سر کو اٹھاؤ، اور مانگو تمہارا مطلوب دیا جائے گا، کہو تمہاری بات کو سنا جائے گا اور سفارش کرو تمہاری سفارش کو قبول کیا جائے گا۔ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد وثنا بیان کروں گا جس کی تعلیم مجھے رب تعالیٰ ہی فرمائے گا۔ پھر میں سفارش کروں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ میرے لیئے ایک حد متعین فرماوے گا۔ میں اس حد کے مطابق لوگوں کو جنت میں داخل کروں گا۔

اس حدیث اور بالخصوص "فیحد لی حدًا" کے الفاظ سے صاف معلوم ہوا کہ غیر محدود اور عام سفارش کی اجازت کسی کو بھی نہیں ملے گی کہ وہ جس طرح اور جن کیلئے چاہے سفارش کرے بلکہ تمام سفارش کنندگان اپنی سفارش کو اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ

① رواہ البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ، باب "وعلم آدم الأسماء کلھا"

حدود کے اندر محدود رکھیں گے۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ "فیحد لی حدًا" کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یبین لی فی کل طور من اطوار الشفاعة حدا اقف عندہٗ فلا أتعداہ مثل أن یقول شفعتک فیمن اخل بالجماعة ثم فیمن اخل بالصلاة، ثم فیمن شرب الخمر، ثم فیمن زنی وعلی هٰذا الاسلوب. ①

ہر مرتبہ کی سفارش کے وقت اللہ تعالیٰ میرے لئے ایک حد مقرر فرما دے گا، میں اس حد پر قائم رہوں گا، اس سے تجاوز نہیں کروں گا، مثلاً اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تمہاری سفارش با جماعت نماز میں کوتاہی کرنے والوں، پھر نماز کی ادائیگی میں تقصیر کرنے والوں، پھر شراب پینے والوں اور پھر زنا کرنے والوں کے لیئے قبول کرلی ہے۔ علی ہذا القیاس

اس تمہید کے بعد شفاعت کی ان شرطوں کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جن میں بعض کا تعلق شافع (سفارش کرنے والے) اور بعض کا تعلق مشفوع لہ (جس کیلئے سفارش کی گئی) سے ہے، یہ شروط کتاب اللہ کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں۔

۱. مُکرّمیت شافع:

سفارش کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز، محترم اور معظم ہو۔ رب العالمین نے اسے درجاتِ علیٰ سے سرفراز فرمایا ہو، جس طرح کہ انبیاء علیہم السلام کی برگزیدہ جماعت ہے۔ یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی چنی ہوئی اور محترم و معزز ہستیاں ہیں، اللہ جل شانہٗ نے انہیں تمام نوع بشر پر فضیلت عطا کی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلاً وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴾②

اللہ انتخاب کرلیتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں سے بھی بیشک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ملائکہ سمیت جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام مکرّم و مصطفیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں فضیلت و مرتبہ حاصل ہے، روز قیامت گناہگاروں کی سفارش بھی یہی مکرّم و محترم نفوس ہی کریں گے۔ فرشتوں کے متعلق ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوا ہے:

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَداً سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ﴾ ③

اور یہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اولاد بنا رکھی ہے۔ وہ پاک ہے (اس سے) البتہ وہ (فرشتے) بندے ہیں معزز۔

---

① فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۳۷

② سورة الحج: ۷۵

③ سورة الانبیاء: ۲۶

خلاصہ: یہ کہ سفارش کرنے والے کیلئے مکرّم ومعزز ہونا ضروری ہے۔ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز نہیں ہوگا اسے شفاعت کی اجازت نہیں ملے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر پرست لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق جن بعض لوگوں کو ولی، صالح اور برگزیدۂ بارگاہ الٰہی سمجھ رکھا ہے اور شفاعت کی امید سے ان کی عبادت کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے یہ معبود ولی ہیں نہ صالح، معزز ہیں نہ محترم، بلکہ مشرک، بدعقیدہ اور بے دین ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہیں، جیسے بدھ متوں، قادیانیوں، سکھوں، جین متوں اور ذکریوں وغیرہ کے مذہبی قائدین اور پیشوا اور نام کے مسلمانوں کے وہ دجّال، مکار اور جھوٹے پیرو بزرگ جو دین اسلام کے دشمن، علم وعمل اور عقیدہ صحیحہ سے بہت ہی دور ہیں اور اپنے کفر وشرک اور الحاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضگی کے سزاوار بن چکے ہیں۔ جب یہ نام نہاد پیرو بزرگ اور مذہبی راہبر خود جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں تو اپنے مجرم پیروکاروں کی شفاعت کیسے کریں گے یا اللہ کی جناب میں ان کو شفاعت کا اعزاز ملے گا تو کیسے؟

۲. مقبولیت مشفوع لہ':

شفاعت کی قبولیت سے متعلق پہلی شرط تو آپ نے یہ پڑھی کہ سفارش کرنے والے کا اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرّم وبرگزیدہ ہونا ضروری ہے۔ قبولیت شفاعت کی دوسری شرط ''مقبولیتِ مشفوع لہٗ'' ہے اس شرط کا تعلق شفاعت کے طلبگار کے ساتھ ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص یا قوم کے لئے سفارش کی جا رہی ہے اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونا ضروری ہے، یعنی عقیدہ وفکر کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہترین مقام ومرتبہ پر فائز ہو، بھلے عملی کوتاہیوں کے سبب وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستوجب بن چکا ہو یا اس کے درجات میں کمی واقع ہوگئی ہو۔

اس سے ظاہر ہوا کہ جو لوگ عقیدہ بد اور اعمال قبیحہ کے مجرم ہونے کے باوجود اپنے بزرگوں کی طرف سے شفاعت کی امید باندھے رہتے ہیں کہ ان کی شفاعت ہمارے لئے حتمی ہے۔ لہٰذا کسی اچھے عقیدہ یا صالح عمل کی ضرورت نہیں ہے، تو ایسے لوگوں کا یہ عقیدہ یا سوچ سراسر غلط اور بیکار ہے! بدعقیدگی کے مرض میں مبتلا مشرک اور خرافاتی لوگوں کی شفاعت بالکل ہی نہیں ہوگی چاہے جن سے انہوں نے شفاعت کی امید لگا رکھی ہے اللہ کے نزدیک وہ مکرّم ہی کیوں نہ ہوں۔ قیامت کے روز شفاعت کے حقدار صرف اور صرف موحد ہوں گے۔

مثال کے طور پر یہود ونصاریٰ بالترتیب سیدنا عزیر اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام کی پرستش کرتے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ قیامت کے دن یہ ہماری سفارش کریں گے، اب انہوں نے جن ہستیوں سے شفاعت کی آس قائم کر رکھی ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے مرتبے اور اعلیٰ ترین شرف کے حامل ہیں۔ مگر خود ان (شفاعت کی امید رکھنے والوں) کا جو حال ہے وہ شفاعت کے

استحقاق کو یکسر ختم کر دیتا ہے۔ سیدنا عزیر علیہ السلام ہوں یا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کبھی بھی اپنے مشرک پیروکاروں کیلئے شفاعت نہیں کرینگے، اور نہ ہی انہیں شفاعت کی اجازت مل سکے گی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شافع اگر مکرّم و محترم ہے تو جس کیلئے وہ سفارش کر رہا ہے اس کا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہونا ضروری ہے۔

۳۔ شفاعت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے لھذا اسی سے طلب کی جائے گی:

تیسری شرط یہ ہے کہ شفاعت وہی معتبر اور مقبول ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی اجازت کے ساتھ کی جائے گی۔ اس لئے کہ شفاعت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، جب تک اللہ تعالیٰ شافع کو کسی مشفوع لہ (جس کے لئے سفارش کی جا رہی ہو) کیلئے شفاعت کی اجازت نہیں عطا فرمائے گا، اس وقت تک سفارش کرنے والا اس شخص کے متعلق سفارش نہیں کر سکے گا۔

علماء کرام نے شفاعت کی ان تینوں شرطوں کا ذکر اس طرح کیا ہے:

الشفاعة لها شروط ثلاثة: أن يكون الشافع مكرّما عندالله ومرضيا له، وان يكون المشفوع لهٔ ممن رضى الله قوله وعمله، وان يكون الإذن من الله تعالىٰ للشافع ان يشفع . ①

شفاعت کیلئے تین شرطیں ہیں۔ (اولاً) سفارش کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز اور پسندیدہ شخص ہو۔ (ثانیاً) جس کیلئے سفارش مقصود ہے۔ وہ بھی ان لوگوں میں سے ہو جن کا قول و عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ (ثالثاً) یہ کہ سفارش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت مل جائے کہ وہ متعلقہ شخص کی شفاعت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

ان تینوں شرائط کی روشنی میں دور حاضر کے مشرکوں اور دور قدیم کے غیر اللہ کے پجاریوں کے طرز عمل کو دیکھا جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ ان کیلئے شفاعت بالکل ہی ناممکن ہے۔

اولاً: ان کے مزعومہ شافع ان ہی کی طرح مشرک اور بدعقیدہ افراد ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے مکرم و محترم بندوں کی سفارش کو ہی قبول فرمائے گا۔

ثانیاً: اور اگر ان کے مشائخ و معبود اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں تو بھی ان کی شفاعت ناممکن ہے: کیونکہ دوسری شرط کا فقدان ہے۔ یعنی جس کیلئے سفارش کی جائے وہ بھی اللہ کا پسندیدہ بندہ ہو۔

ثالثاً: ایسے لوگوں کی شفاعت اس لیئے بھی نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو ان کی شفاعت کی اجازت نہیں دے گا اور اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کا صدور ہونا، ناممکن ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے حضور ان لوگوں کو بھی شفاعت کی اجازت نہیں دے گا جو غلط عقیدہ، بیکار اعمال اور شرکیہ امور کی وجہ سے غضب الٰہی کے مستحق بن چکے ہونگے۔

---

(۱) المجموع الثمین ج ۲ ص ۱۸۵ ،واللفظ له/ الفواكه العذاب ص ۴۷



الٰہ وہی ہے جو مضطر و لاچار کی پکار سن کر مدد کرسکے

جوذات مصائب وآلام کے گرداب میں پھنسے مجبور ولاچار اور بے بس و بے کس انسان کی پکار اور التجا کو سن کر اس کی مدد کرتی ہے، اسے ''الٰہ'' کہا جاتا ہے اور یہ کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، لہٰذا اکیلا اللہ ہی اِلٰہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴾ ①

ترجمہ: کیا (یہ بت بہتر ہیں یا) وہ ذات جو بیقرار کی فریاد سنتی ہے۔ جب وہ اسے پکارتا ہے اور وہ مصیبت کو دور کر دیتی ہے، اور تم کو زمین میں خلیفہ بناتی ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی اِلٰہ ہے؟ بہت ہی کم غور کرتے ہو۔

قرآن کریم نے نہایت ہی صاف اور غیر مبہم لفظوں میں اعلان فرما دیا ہے کہ مجبور و مضطر اور بے چارہ انسانوں کے دکھ، درد اور ان کی ظاہری و پوشیدہ فریادوں کو، ان کے حالات کو اور ان کے پوشیدہ معاملات کو سننے، جاننے اور دیکھنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جو ہر وقت ہر انسان و ذی روح کی ہر قسم کی اضطراری فریادوں کو سنتی اور ان کی حاجت کو پورا کرتی ہے۔ یہ مقام اور کبریائی اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی زیبا ہے۔ قرآن حکیم کی اس وضاحت کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے کہ جو لوگ غیر اللہ کو بھی فریاد رس اور مصیبتوں کے دور کرنے والا سمجھتے ہیں تو ان کا یہی عقیدہ ہی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ غیر اللہ کو ''الٰہ'' سمجھتے ہیں، چاہے وہ زبانی اس کا اظہار نہ بھی کریں۔ کلمہ طیبہ کے پہلے جزء ''لا الٰـہ الا اللہ'' کا بھی یہی مفہوم ہے کہ فریاد رس، حاجت روا، دکھ و درد کو دور کرنے والا اور مشکل کشا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے۔ لفظ 'اِلٰـہ' کا عام طور ''معبود'' معنی کیا جاتا ہے جو بالکل درست ہے۔ اس آیت نے لفظ 'اِلٰـہ' کے معنی میں بہت بڑی وسعت پیدا کر دی ہے، اس آیت کی روشنی میں الٰہ کا معنی فریاد رَس، مشکل کشا، حاجت روا، مصائب وآلام سے نجات بخشنے والا، کارساز اور مدبر الامور کے ''وسیع المطالب'' معانی تک پھیل جاتا ہے۔

نیز آیت کریمہ **امن یجیب المضطر**..... سے یہ نکتہ بھی سمجھ آ جاتا ہے کہ مشرکین عرب مشکل ترین حالات میں فریاد رسی اور حاجت روائی کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ کو ہی مانتے تھے، جبکہ موجودہ دور کے مشرکوں کا یہ حال ہے کہ شدید ترین مصیبت اور بدترین حالات میں ان کا شرک اور بڑھ جاتا ہے۔

علامہ ابو المعالی آلوسی رحمہ اللہ اپنے دور کے قبر پرستوں کا حال اسی آیت کی تفسیر کے موقعہ پر یوں بیان فرماتے ہیں:

① سورة النمل: ٦٢

انظر هذا الإستفهام وحسن موقعه بعد ما تقدم من الاستفهامات التي هي حجج و آيات على ما بعدها تعرف به فحش ماجاء به عباد القبور من دعاء الهتهم والاستغاثة بهم في الملمات والشدائد المذهلات، وأن أهل الجاهلية كانوا يخلصون في الشدائد، ويعترفون بانه المختص باجابة المضطر وكشف السوء وهؤلاء يشتد شركهم عند الضر ونزول الشدائد .①

ترجمہ: ذرا (أمن يجيب المضطر.... الآية) کے استفہام اور اس کے خوبصورت محل استعمال پر تو غور کریں کہ اس سے پہلے جتنے استفہامات وارد ہوئے وہ بعد والے استفہاموں کے لئے دلیل و حجت کے طور پر لائے گئے ہیں۔ اس نکتہ پر خوب غور کرنے کے بعد تمہارے لیئے قبر پرستوں کے شرک کی شدید ترین قباحت ظاہر ہو جائیگی کہ یہ قبر کے پوجاری شدید ترین حوادثات اور انتہائی پریشان کن لحات میں بھی اپنے معبودوں کو پکارتے اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ جاہلیت کے دور کے مشرک تو مشکل لحات میں خالصتاً اللہ سے دعا کرتے تھے۔ انہیں یہ بھی دل و جان سے تسلیم تھا کہ مضطر و لاچار انسان کی دعا کو قبول کرنے اور اس کی پریشانی کو دور کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، جبکہ ان (قبر پرستوں) کا شرک تو مصائب و آلام کے مُسلّط ہو جانے کے لحات میں مزید بڑھ جاتا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں ایک عجیب وغریب واقعہ نقل فرمایا ہے جس کی تفصیل اسطرح ہے:

وذكر الحافظ ابن عساكر في ترجمة رجل حكى عنه ابوبكر محمد بن داؤد الدينوري المعروف بالدقي الصوفي قال هذا الرجل، "كنت أكاري على بغل لي من دمشق الى بلد الزبداني فركب معي ذات مرة رجل فمررنا على بعض الطريق عن طريق غير مسلوكة فقال لي، خذ في هذه

ترجمہ: حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے ایک شخص کی سوانح عمری میں ایک واقعہ بیان کیا ہے جسے اس شخص سے ابوبکر محمد بن داؤد الدینوری المعروف دقی صوفی نے نقل کیا ہے۔ وہ شخص بیان کرتا ہے کہ میں دمشق سے زبدانی شہر کے درمیان اپنا خچر کرایہ پر چلانے کا کام کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میرے ساتھ ایک شخص سوار ہوا، راستہ میں چلتے چلتے ہمارا گذر ایک

① غاية الاماني ج ٢ ص ٣٠١

فانها اقرب "فقلت" لاخبرة لی فیها.. فقال: "بل ھی اقرب" فسلکنا ھا فانتھینا إلی مکان واد عمیق وفیه قتلی کثیرۃ فقال لی: "امسک رأس البغل حتی انزل" فنزل وتشمر وجمع علیه ثیابه، وسل سکینا معه، وقصدنی، ففررت من بین یدیه وتبعنی، فنا شدته الله وقلت: خذ البغل بما علیه، فقال: "ھولی وإنما ارید قتلک" فخوفتهٔ الله، والعقوبة، فلم یقبل، فاستسلمت بین یدیه، وقلت: ان رأیت ان تترکنی حتی اصلی رکعتین فقال: وعجل فقمت أصلی فارتج علی القرآن فلم یحضرنی منه حرف واحد، فبقیت واقفاً متحیراً وھو یقول: ھیه افرغ" فاجری الله علی لسانی قوله تعالیٰ: أمن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء" فاذا انا بفارس قد اقبل من فم الوادی وبیدہٖ حربة فرمی بها الرجل فما أخطأت فؤادہ فخر صریعاً فتعلقت بالفارس وقلت: باللہ من انت؟ فقال: انا رسول الذی یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء" قال: فاخذت البغل والحمل ورجعت سالماً" ①

ایسے اجنبی راستہ پر سے ہوا جس پر مسافروں یا راہگیروں کے نام ونشان تک نہ تھے۔ (یہاں پہنچتے ہی) اس شخص نے مجھے حکم دیا کہ اسی (غیر معروف) راستہ کو لے لو یہ بہت ہی مختصر رہے گا۔ میں نے کہا: مجھے تو اس راستے کا علم نہیں ہے۔ وہ کہنے لگا: یہی راستہ زیادہ قریب پڑتا ہے۔ چنانچہ ہم چل پڑے۔ بالآخر ہم نہایت ہی خوفناک جگہ پر آ کر رک گئے۔ گہری وادی، جہاں مردہ انسانوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ اب اس شخص نے مجھے کہا: خچر کے سر کو پکڑ لو تاکہ میں اتر جاؤں۔ اترتے ہی اس نے کمر کس لی، کپڑے اڑوس لیئے اور اپنے ساتھ رکھی ہوئی چھری کو باہر نکال کر میری طرف لپکا میں بھاگ کھڑا ہوا اس نے میرا پیچھا شروع کر دیا۔ میں نے اللہ کے واسطے دیئے اور اسے کہا یہ خچر بمعہ ساز وسامان مجھ سے لے لو (اور مجھے قتل نہ کرو) مگر اس نے کہا: یہ تو میرا ہو چکا، میں تو صرف تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اسے اللہ تعالیٰ اور اس کی پکڑ کا بہت ہی خوف دلایا، لیکن وہ نہ مانا۔ بالآخر میں نے اپنے آپ کو اس کے سپرد کرتے ہوئے کہا، اجازت دو تو میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ اس نے کہا: جلدی کرو۔ چنانچہ میں نماز میں مصروف ہوا تو قرآن پاک مجھ پر ایسا خلط ملط ہو گیا کہ کوئی لفظ بھی میرے ذہن میں نہیں آ رہا تھا، میں حیرت کا مجسمہ بن کے کھڑا تھا جبکہ وہ شخص کہے جا رہا تھا 'ہاں فارغ ہو جاؤ، جلدی کرو' اسی دوران اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر اپنے فرمان: "أمــن

① تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ۳۷۱



یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء" کو جاری کر دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک گھوڑ اسوار وادی کے دھانے کی طرف سے ہماری طرف بڑھ رہا ہے، اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ بھی ہے، گھوڑ اسوار نے نیزہ اس آدمی کی طرف پھینکا تو اس کے دل پر جا کے لگا، نشانے سے ذرا بھی نہ چوکا۔ بس وہ تو مر کر گر گیا۔ گھوڑ اسوار نے گھوڑے کو ایڑ لگانا چاہی تو میں نے اسے کہا: اللہ کے لیئے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں اس ذات کا بھیجا ہوا ہوں جو بے بس ولا چار انسانوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کی مصیبت کو دور کرتا ہے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ اس کے بعد میں اپنا خچر اور سامان وغیرہ لے کر امن وسلامتی کے ساتھ واپس روانہ ہوا۔

یہ واقعہ اللہ جل جلالہٗ کے فریاد رس اور مشکل کشا ہونے کیلیئے بھی بہت بڑی دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ دور جاہلیت کے کٹر مشرکوں کا بھی یہ پختہ عقیدہ تھا کہ مشکلات وشدائد میں مدد کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ان کا عمل بھی اسی عقیدہ کے مطابق رہا، مگر اس دور کے مشرکوں نے تو اللہ تعالیٰ کو نہ خوشیوں کے لمحات میں معبود واحد تسلیم کیا ہے اور نہ ہی مشکلات کے وقت اسے مدد کرنے والا مانا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دشمنی وبغاوت میں آج کا مشرک دنیا کے بدترین کافر اور دورِ جاہلیت کے قبیح ترین مشرک سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اللھم اھدھم الیٰ صراطک المستقیم، انک سمیع، مجیب قریب، آمین.

لوگو! میں اپنے ذاتی نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں

اللہ تعالیٰ نے اپنی معجز بیان کتاب قرآن مجید میں انتہائی بلیغ انداز سے مخلوق کے تصرف واختیار اور مالکیت وحاکمیت کی نفی فرمادی ہے۔ اس طرح کہ سیدنا محمد ﷺ جو کہ اللہ تعالیٰ کی جملہ مخلوق میں سے افضل، اکمل اور اشرف واعلیٰ ترین بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب ومختار اور معزز ومکرم نبی ﷺ سے تصرف واختیار کی نفی کر کے سارے عالم کو آگاہ فرمادیا ہے کہ جب میرا افضل ترین بندہ اس کارخانہ عالم میں اختیار وتصرف نہیں رکھتا تو باقی لوگ کس طرح ملک واختیار رکھ سکتے ہیں۔ ارشادالٰہی ہے:



﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ ①

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اپنی ذات کیلیئے (بھی) ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا۔ بجز اس کے جتنا اللہ چاہے۔ ہر اُمت کیلیئے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ وقت معین آ جاتا ہے تو وہ لوگ نہ تو ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ ہی آگے بڑھ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے افضل ترین رسول جناب محمد ﷺ کے ذریعے اعلان کرا دیا کہ لوگو! دوسری مخلوقات کے نفع ونقصان کا اختیار و تصرف تو دور کی بات ہے میں (محمد ﷺ) خود اپنی ذات کیلیئے فائدہ ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ لوگو! اللہ سے بڑھ کر کوئی سچی بات کہنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بات پر یقین کر لو کہ واقعی اللہ تعالیٰ کے کاموں میں کوئی دخیل ہے نہ شریک۔ اس کے امور کا کوئی مالک ہے نہ کوئی مختار، اس کا کوئی مددگار ہے نہ کوئی مشیر۔ وہ تنہا پوری کائنات کا مالک، متصرف اور مدبر ہے۔ یہاں تک کہ افضل الخلق خاتم الانبیاء والمرسلین امام الثقلین محمد ﷺ بھی کائنات کے نظام میں اللہ کے شریک وسہیم یا مددگار ومشیر نہیں ہیں۔

خاتم الرسل ﷺ کی غموں سے لبریز زندگی

رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ پر نظر ڈالیئے اور بنظر فکر دیکھیئے کہ رحمت دو عالم ﷺ کا تیئیس سالہ دور نبوت کس قدر مصائب وآلام اور غموم واحزان سے بھرا ہوا ہے۔ تاج نبوت سے مزین ہونے کے بعد آپ ﷺ تیرہ سال مکہ مکرمہ میں مقیم رہے، اس دوران وہ کونسی مصیبت اور تکلیف ہے جو آپ ﷺ کو نہ پہنچی ہو۔ دکھ، درد، رنج والم اور حزن وملال کی وہ کونسی صورت ہے جو آپ ﷺ کو درپیش نہ آئی ہو۔ مکہ کے لوگ آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے، اپنے پرائے ہو گئے، اور واقف وشناسا انجان اور بے تعلق ہو گئے۔ مشرکین مکہ کے بس میں جو روحانی وجسمانی اذیت ہو سکتی تھی اس کے مُسلط کرنے میں انہوں نے ذرہ بھر بھی کمی نہ کی۔ یہاں تک کہ ان ملعونوں نے رسول ﷺ کی نسبت ساحر، مسحور، مجنون، مفتری اور کذاب تک کے اذیت رساں الفاظ تک بک ڈالے۔

آپ ﷺ کے دشمنوں نے جب آپ ﷺ کو تبلیغ رسالت کے مقدس مشن سے روکنے کی ہر کوشش کر ڈالی، اور پھر بھی آنجناب ﷺ کو اس مقدس فرض کی تکمیل سے نہ روک سکے، تو انہوں نے آخری حربہ کے طور پر آپ ﷺ کو ایک رات شہید کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے لیئے انہوں نے بین القبائلی مشاورت بھی کی، لیکن اللہ کا امرِ غالب ان کی ساری تدبیروں

① سورۃ یونس: ۴۹

اور مکاریوں پر حاوی رہا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مکہ کو خیر باد کہہ دیا اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

مدینہ منورہ میں بھی آپ ﷺ دس سال تک دشمنان اسلام سے نبرد آزما رہے۔ آپ ﷺ پر تلواریں اٹھیں، تیر برسے، زخم پہنچے، بدن مبارک لہولہان ہوا، دانت مبارک شہید ہوئے، ہموم و غموم کے پہاڑ ٹوٹ گئے، مصائب و مشکلات کے سیلاب آئے، غزوہ احد میں ستر جلیل القدر صحابہ کرام اور جانثار شہید ہو گئے۔ بعض کی شکلوں کو بے رحمی سے بگاڑ دیا گیا۔ اور باقی صحابہ کرام زخموں سے چور چور ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں ہی آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ سیدہ طاہرہ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بد باطن منافقوں نے بہتان باندھ کر پورے پچاس روز تک آپ ﷺ اور اہل اسلام کو شدید ترین اذیت کا شکار بنائے رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے بیٹے اور لخت جگر بیٹیاں آپ کے سامنے موت سے ہمکنار ہوئیں۔

خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی مصیبتوں، تکلیفوں، پریشانیوں اور آزمائشوں کو تمام امت کی مجموعی تکلیفوں سے زیادہ بھاری قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

عن عائشة قالت فتح رسول الله صلى الله عليه وسلم باباً...... فإن أحداً...... من امتي لن يصاب بمصيبة بعدي اشد عليه من مصيبتي.[1] (صحيح)

ترجمہ: اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دروازہ کھولا......اور فرمایا میری مصیبت سے زیادہ سخت اور بھاری مصیبت میرے بعد میری امت میں سے کسی کو نہیں پہنچے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جس قدر تکالیف، مصائب اور مشکلات رسول اکرم ﷺ کو پہنچی ہیں اتنی تکالیف کسی کو بھی لاحق نہیں ہوئی ہیں اور نہ ہی آئندہ کوئی ایسی شدید تکالیف سے دوچار ہوگا۔ اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کو صبر و استقلال کا کوہ گراں بنا دیا اور اپنی توفیق و تائید سے آپ ﷺ کو سرفراز فرما دیا تھا۔ اس لیئے بھاری سے بھاری مصائب ایسے جبل عظیم سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو گئے اور نبوت کا کوہ گراں اسلام کی تکمیل تک اپنی جگہ پر جوں کا توں قائم رہا۔ اور اس کی کانوں (خزانہ نبوت) سے ہیرے اور جواہرات برابر نکلتے رہے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ کا مطالعہ کرنے والا کوئی بھی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ خاتم الانبیاء رحمۃ للعالمین ﷺ اگر کسی کو نفع و نقصان دینے پر قادر ہوتے یا آپ ﷺ کو کائنات میں ذرہ بھر کا بھی تصرف و اختیار ہوتا تو آپ ﷺ پر کبھی ایسے شدائد نازل نہ ہوتے اور نہ آپ ﷺ مغموم و مہموم کے شکار ہوتے۔ آپ ﷺ بھی باقی کائنات کی طرح اللہ تعالیٰ کی مرضی، منشاء اور اس کی مشیت و ارادہ کے پابند تھے۔ آپ ﷺ کی دعائیں اور مناجات اس مذکورہ حقیقت کے اثبات کیلیئے بہت بڑی اور واضح حجت اور دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

---

[1] رواه ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ماجاء في الصبر على المصيبة / صححه الألباني.



موجودہ دور کے مشرکوں کا شرک مشرکین عرب کے شرک سے بدووجہ زیادہ ہے

اگر آپ موجودہ دور کے قبر پرستوں اور برائے نام کلمہ پڑھنے والے آستانہ پرست نام نہاد مسلمانوں کے عقائد واعمال پر تعجب وحیرت محسوس کرتے ہیں تو آپ کا یہ تعجب بے جا نہیں ہے۔ اس لیئے کہ ان لوگوں کے عقائد وافکار اور اعمال واطوار ہیں ہی باعث حیرت واستعجاب! کہ وہ پڑھتے تو ہیں کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' مگر جب وہ مشکلات ومصائب کا شکار ہو جاتے ہیں تو ندا دیتے ہیں اپنے جیسی بے بس اور مجبور مخلوق کو۔ رزق تو اللہ کا دیا ہوا کھاتے ہیں مگر جبین نیاز جھکاتے ہیں غیر اللہ کے آگے، آنکھیں ٹھنڈی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اولاد سے مگر گائے، بکریاں اور دیگر مرغ وجانور ذبح کرتے ہیں غیر اللہ کے آستانوں پر اور شکریہ ادا کرتے ہیں اصحاب قبور کا، بیماریوں اور مصیبتوں کا ازالہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور یہ نذر ونیاز دیتے ہیں مخلوق کے نام کی، حوادث وشدائد کو ٹالتا تو اللہ تعالیٰ ہے مگر یہ مشکل کشا قبر کی سڑی ہوئی ہڈیوں کو قرار دیتے ہیں! یہ باتیں محض لفظوں کا فرضی مجموعہ نہیں آپ کھلی آنکھوں اور فکر انگیز دل ودماغ کے ساتھ آجکل کے مشرکوں کے عقائد واعمال اور ان کے اندازِ زندگی پر نظر ڈالیں گے تو یہ باتیں حقیقت کا روپ دھارے آپ کے سامنے موجود ہوں گی۔

آجکل کے مشرک دور جاہلیت کے کھرے اور کٹر مشرکوں سے دو وجوہ سے زیادہ بدترین اور غلیظ ترین مشرک ہیں، ذرا آپ ان کے عقائد واعمال کا جائزہ لیں گے تو بات واضح ہو جائے گی۔

دور حاضر کے مشرک قبوری اور آستانہ پرست لوگ جب خشکی یا سمندر کی سخت ترین مشکل میں پھنس جاتے ہیں، بطورِ مثال ان کی کشتی طوفانی موجوں میں الجھ جاتی ہے تو ہر ایک اپنے اپنے مزعوم معبود ومشکل کشا کو پکارنا شروع کر دیتا ہے۔ کوئی اپنے معبود اجمیری کو ندا دیتا ہے:

بگرداب بلا افتادہ کشتی
مدد کن یا معین الدین چشتی

یعنی، مصیبتوں کے بھنور میں کشتی پھنس چکی ہے، اے معین الدین چشتی ہماری مدد کر۔ اور کوئی اپنے مشکل کشا شیخ عبدالقادر جیلانی کو پکارتا ہے اور کہتا ہے:

جہاز تاجراں گرداب سے فوراً نکل آیا
وظیفہ جب انہوں نے پڑھ لیا ''یا غوث اعظم'' کا

اور کوئی بزعمِ خویش اپنے حاجت روا سے یوں مدد طلب کرتا ہے، ''نعرہ پیر یا دستگیر'' اور کوئی کہتا ہے:

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی ہے مختار بھی ہے
کارِ عالَم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

اور کوئی یوں بھیک مانگتا نظر آتا ہے، ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ'' اور کوئی کہتا ہے ''میری کشتی پار لگا دینا'' اور کوئی بہاؤالحق زکریا ملتانی سے اس طرح مدد طلب کرتا ہے، ''بہاؤالحق! بیڑا دھک'' یہ نمونہ ہے امت محمدیہ کے مشرکوں، قبر پرستوں اور آستانہ کے پجاریوں کے شرک کا۔ ان کے مدمقابل مشرکین عرب کے عقائد کو بھی دیکھیئے جن کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ کی کتاب بیان کرتی ہے، کہ جب مشرکین سمندر کی بے رحم موجوں اور ہلاکت خیز لہروں میں پھنس جاتے تو ان کی پکار خالصتاً اللہ کیلئے ہو جاتی، تنہا اللہ وحدہ لاشریک لہ کو نجات کیلئے ندا دیتے اور اسے ہی مشکل کشا تسلیم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّى إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴾ ①

ترجمہ: وہ وہی (اللہ) ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں لیئے لیئے پھرتا ہے چنانچہ جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) لوگوں کو ہوائے موافق کے ذریعے سے لیکر چلتی ہیں اور وہ لوگ خوش ہوتے ہیں کہ (ناگہاں) ایک تھپیڑا ہوا کا آتا ہے اور ان کے اوپر ہر طرف سے موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ (بس اب) ہم گھیر لئے گئے (تو اس وقت) اللہ کو اس کے ساتھ اعتقادِ خالص کے ساتھ پکارتے ہیں (کہ) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دلا دی تو ہم یقیناً بڑے شکر گذاروں میں ہونگے۔

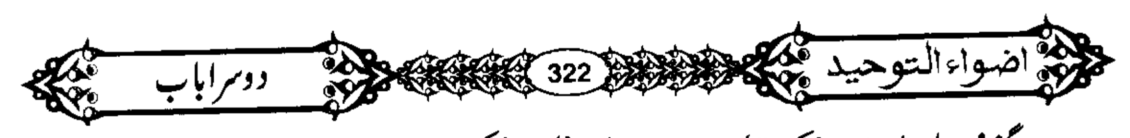
معلوم ہوا کہ مشرکین عرب سخت ترین پریشانیوں میں اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کو پکارتے تھے اس وقت وہ اپنا تعلق ان معبودوں سے توڑ لیتے تھے جن کی خوشی وشادمانی کے اوقات میں پرستش کرتے تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴾ ②

ترجمہ: اور جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں، پھر جب وہ انہیں نجات دیکر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔

---

① سورة يونس: ۲۲
② سورة العنكبوت: ۶۵



گذشتہ سطور میں ہم نے لکھا تھا کہ موجودہ دور کے مشرک مشرکین عرب سے دو وجوہات سے بدتر اور غلیظ تر مشرک ہیں، وہ دو وجوہات یہ ہیں:

الف: پہلی وجہ:

قرآن کریم کی تصریح کے مطابق دور جاہلیت کے مشرکوں کا شرک صرف خوشحالی، عافیت اور سلامتی کے وقت تک محدود تھا، جبکہ مشکلات کے وقت وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے، لیکن دور حاضر کے مشرک خوشی و راحت اور تنگ حالی و مشکلات دونوں صورتوں میں شرک کرتے ہیں، بلکہ ان کا شرک مصائب کے نزول کے وقت اور بہت ہی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

ب: دوسری وجہ:

قرآن کریم کے بیان کے مطابق مشرکین اوائل اپنے معبودوں کی پوجا اس عقیدہ کے تحت کرتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں اور ان کے واسطہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب ملے گا۔ وہ انہیں قطعاً مالک مدبر، موت وحیات دینے والا نہیں سمجھتے تھے۔ جبکہ آج کے مشرک اول و آخر اپنے مزعومہ معبودوں کو مالک، متصرف، مدبر الامور، عالم الغیب والشہادۃ اور موت وحیات نیز نفع ونقصان دینے والا سمجھتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا شرک بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ مشرکین عرب اور امت محمدیہ کے مشرکوں کے 'شرک' کا تقابل اور موازنہ کرتے ہوئے احمد بن یحیی النجمی لکھتے ہیں:

فهم لم يعتقدوا فيهم الإحياء ولا الإماتة ولا انزال المطر ولاخلق السموات والأرض ولا ملكهما ولا تدبيرهما أما مشركو هذه الأمة فقد زادوا على مشركي العرب الذين بعث فيهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، من وجهين الوجه الأوّل: ان شرك مشركي هذه الأمة في الشدة والرخاء بينما شرك العرب في الرخاء دون الشدة قال الله تعالىٰ عنهم: ﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوا

ترجمہ: مشرکین عرب اپنے معبودوں کے متعلق موت و حیات پر قدرت کا، بارش نازل کرنے، آسمان و زمین کے پیدا کرنے کا، آسمان و زمین کی مالکیت اور ان کے مدبر ہونے کا عقیدہ بالکل ہی نہیں رکھتے تھے، مگر امت محمدیہ کے مشرک تو ان مشرکین عرب سے بڑے مشرک ہوگئے ہیں جن کی طرف رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا گیا، ان کا شرک مشرکین عرب کے شرک سے دو وجہ سے اور زیادہ بڑا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ امت محمدیہ کے مشرکوں کا شرک خوشحالی اور مصیبت دونوں حالتوں پر محیط ہے۔ جبکہ مشرکین عرب صرف امن و سلامتی کے وقت شرک کیا کرتے تھے۔



فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ الوجه الثاني: ان شرك مشركي هذه الأمة تجاوز الشفاعة والوساطة التي كان يعتقدها مشركوا لعرب إلى الملك وتدبير الكون والإحياء والإماتة. ①

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بارے میں فرمایا ہے: ''اور جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں نجات دیکر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو یہ لوگ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں'' یعنی جو (نعمت) ہم نے انہیں دی ہے اس کی ناشکری کرنے لگتے ہیں، یہ لوگ فائدے اٹھالیں پھر تو انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس امت کا شرک مشرکین عرب کے شفاعت اور واسطہ کے عقیدہ پر مبنی شرک سے تجاوز کر گیا ہے اور معبودوں کے مالک، مدبر اور موت وحیات پر انکے قادر ہونے کے عقیدہ تک جا پہنچا ہے۔

① اوضح الاشارة في الرد على من اجاز الممنوع من الزيارة ص ٢٠٦



فصلِ چھارم

شِرک فی العادۃ کے بیان میں

شرک فی العادۃ کا مفہوم یہ ہے کہ دنیوی امور میں جس طرح اللہ عزوجل کی تعظیم وتوقیر کی جاتی ہے، اور اس کی عزت واحترام میں بعض افعال اختیار کیے جاتے ہیں، ویسی تعظیم وتوقیر غیر اللہ کیلئے اختیار کی جائے تو اسے ''شرک فی العادۃ'' کہا جاتا ہے، اس کا مجمل انداز سے کچھ ذکر اس باب کے اول میں ہو چکا ہے اور تفصیل اس فصل میں بیان ہوگی، لب لباب اس فصل کا یہ ہے کہ انسان جس طرح اپنے دنیوی کاموں میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالاتا ہے اس طرح کا معاملہ غیر اللہ سے بالکل اختیار نہ کرے۔

مافوق الاسباب امور میں کسی مخلوق کو پکار کر اس کی عبادت کرنا حقیقت میں شیطان کی عبادت ھے......!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنَاثاً وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَاناً مَّرِيداً ○ لَّعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً ○ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيّاً مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَاناً مُّبِيناً ○ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُوراً ○ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصاً﴾ ①

ترجمہ: یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے بھی ہیں تو بس عورتوں کو اور یہ لوگ پکارتے بھی ہیں تو بس شیطان سرکش کو۔ اس پر لعنت کی ہے اللہ نے اور وہ کہہ چکا ہے کہ میں تیرے بندوں میں اپنا مقرر حصہ لے کر رہوں گا۔ اور میں انہیں گمراہ کر کے رہوں گا۔ اور میں ان میں ہوس پیدا کر کے رہوں گا۔ چنانچہ وہ چوپایوں کے کانوں کو تراشینگے اور انہیں حکم دونگا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی کرینگے اور جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنائے گا وہ یقیناً کھلے نقصان میں رہے گا۔ (شیطان) ان سے وعدہ ہی کرتا ہے اور آرزوئیں ہی دلاتا رہتا ہے، اور شیطان ان سے وعدہ صرف فریب کی راہ سے

① سورة النساء: ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱



کرتا ہے، یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔اور یہ لوگ اس سے بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔

عورتوں کو پکارنے اور ان کی عبادت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا غیر اللہ کو پکارنے والے بالعموم عورتوں کا تصور اپنے ذہن میں بٹھا لیتے ہیں، پھر اپنے معبود کا نام زنانہ رکھ کر اسے پکارتے ہیں۔ مثلاً کوئی بی بی لال پری کا نام مقرر کر لیتا ہے، کوئی بی بی رسیہ کا، کوئی شاہ پری کا تو کوئی ماہ پری کا۔ غرض یہ کہ اس طرح کے نسوانی نام مشرکوں کے دل ودماغ اور ان کی زبانوں پر متحرک رہتے ہیں، حالانکہ ان کے سامنے فی الواقع عورت کا وجود ہوتا ہے نہ مرد کا، بس ان کے خیال پر شیطانی وساوس کا تسلط ہو جاتا ہے، کبھی یہ شیطان مشرکوں کے سر پر حاوی ہو کر بولتا ہے اور کبھی کوئی انوکھا کرشمہ دکھا دیتا ہے۔ تو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کو شاہ پری، ماہ پری یا لال پری نے پکڑ لیا ہے۔ پھر اس کے چھڑانے کیلئے نذر و نیاز مانتے ہیں جو اس مشرک کی صحت یابی کے بعد ادا کیا جاتا ہے۔ ظاہر میں تو یہ لوگ نذر و نیاز ماہ پری اور لال پری وغیرہ کو دیتے ہیں، مشرکوں کا بھی نذر و نیاز دیتے وقت یہی گمان ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ نذر و نیاز شیطان کو ہی پہنچتی ہے اس لیئے کہ اسی شیطان نے ہی مشرکوں کیلئے شرکیہ اعمال کو مزین کر کے پیش کیا ہے۔

شیطان نے تو صاف لفظوں میں اپنے عزم کا اظہار کر دیا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے یوں نقل فرمایا ہے:

﴿ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً ﴾①

ترجمہ: اور وہ (شیطان) کہہ چکا ہے کہ میں تیرے بندوں میں اپنا مقرر حصہ ضرور لے کر رہوں گا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ غیر اللہ کے پکارنے اور ان کی عبادت کو در حقیقت شیطان کی عبادت ہونے کی توجیہہ کرتے ہوئے آیت "ان یدعون الا شیطانا مریدا" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

أی هو الذی أمرهم بذلک وحسنهٔ وزینهٔ لهم وهم انما یعبدون ابلیس فی نفس الأمر.②

ترجمہ: یعنی شیطان نے ہی انہیں اس کا حکم دیا اور اسے یعنی (غیر اللہ کی عبادت کو) ان کیلئے خوبصورت اور مزین کر کے پیش کیا، اس لیئے مشرکوں کی عبادت حقیقت میں شیطان ہی کی عبادت بنتی ہے۔

دورِ حاضر کے مشرک جس طرح اپنے خیال کے مطابق لال پری اور ماہ پری وغیرہ کیلئے نذر و نیاز دیتے اور ان کی

---

① سورۃ النساء: ۱۱۸

② تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۵۶



عبادت کرتے ہیں، بعینہٖ اسی طرح مشرکینِ عرب بھی ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیکر عبادت کیا کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ انہوں نے عورتوں کی شکل وصورت کے مجسمے بنا کر پوجنے شروع کر دیئے یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ صورتیں فرشتوں کے مشابہ ہیں جنہیں وہ بنات اللہ کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے سیدنا ضحاک رحمہ اللہ کا قول مذکورہ بالا حقیقت کی تائید میں نقل فرمایا ہے:

وقال ابن جرير الطبرى عن الضحاك فى الآية "قال المشركون: الملائكة بنات الله وانما نعبدهم ليقربونا إلى الله زلفى، قال: فاتخذو هن أربابًا وصور وهن جوارى فحكموا وقلدوا وقالوا هٰؤلاء يشبهن بنات الله الذى نعبدهٔ يعنون الملائكة. ①

ترجمہ: اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے سیدنا ضحاک رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، ہم ان کی عبادت اس لیئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے۔" ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مشرکوں نے فرشتوں کو اپنا معبود بنا لیا اور لڑکیوں کے شکل میں ان کے مجسمے بنا ڈالے، مذہبی پیشواؤں نے لوگوں کو ان کی عبادت کا پابند کیا اور عوام نے ان کی تقلید کی۔ مجموعی طور پر سب کا یہ خیال تھا کہ یہ تصوریں اللہ کی بیٹیوں کے مشابہ ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں، اس سے ان کی مراد فرشتے ہوتے تھے۔

شیطان نے اللہ تعالیٰ کے روبرو اپنی انسان دشمنی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ "میں تیرے بندوں میں سے اپنا مقرر حصہ ضرور لیکر رہوں گا۔" یعنی انہیں تیری بندگی وغلامی سے نکال کر اپنا غلام بناؤں گا۔ اس نے مزید یہ کہا کہ "اور میں انہیں گمراہ کر کے رہوں گا۔" کہ حق ویقین پر ایمان لانے کے بجائے اپنے خیالاتِ فاسدہ اور افکار باطلہ پر یقین کرینگے۔ جانور میرے نام پر ذبح کرینگے، اور ان پر میرے لیئے نذر ونیاز کے نشان (از قسم کان کاٹنے، کان چیرنے، گلے میں تار ڈالنے، ماتھے پر مہندی لگانے، منہ پر سہرا باندھنے غرض یہ کہ جانور کے جسم پر نذر ونیاز کی علامت کے تمام قسم کے نشانات جوان جانوروں کو باقی جانوروں سے ممتاز کر دیں) لگائینگے۔

شیطان لعین نے یہ بھی کہا کہ "میں انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی کرینگے۔" واقعۃً شیطان نے اپنا یہ منصوبہ اللہ کے بعض بندوں پر مسلط کر بھی دیا، غیر اللہ کے نام کی چوٹی رکھنا، کسی کے نام پر ناک، کان چروانا، کسی کے نام کی سر پر

① تفسير ابن جرير الطبرى ج ٥ ص ١٧٩ و تفسير ابن كثير ج ١ ص ٥٥٥، واللفظ له.

لوہے کی ٹوپی چڑھا کر بچپن سے ہی بچے کے حلیئے کو بگاڑ دینا، کسی کی مریدی اختیار کرنے کیلئے چار ابرو کی صفائی کر دینا یہ سب صورتیں اللہ کی تخلیق میں بگاڑ پیدا کرنے کی جو نظر آ رہی ہیں اسی شیطانی منصوبے کی کارستانی ہیں جس کا اظہار شیطان نے روز اوّل سے ہی کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان ملعون کی چالوں سے انسانوں کو خبردار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (شیطان) ان سے وعدے ہی کرتا ہے اور آرزوئیں ہی دلاتا ہے اور شیطان ان سے وعدہ صرف فریب کی راہ سے کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول برحق ہے۔ واقعی شیطان جھوٹے وعدے کرنے میں بہت بڑی مہارت رکھتا ہے۔ اپنے پیروکاروں کو وہ ترغیب دیتا ہے کہ اگر تم فلاں بزرگ کو مانو گے، اس کے آستانہ پر جا کر سجدہ ریز ہو جاؤ گے تو تمہارے بیمار بچے کو صحت وتندرستی مل جائیگی۔ فلاں کو مانو گے، اس کی قبر پر جانور کا چڑھاوا چڑھاؤ گے، گیارہویں کرو گے تو تمہارے مال، دولت اور کاروبار میں برکت پیدا ہوگی۔ اگر تم اپنی زمینوں پر فلاں بزرگ کے نام کا جانور ذبح کر دو گے تو تمہاری زمین بہت زیادہ فصل دے گی۔ شیطان کے ڈراؤوں اور وعدوں سے متاثر ہو کر اس کے پیروکار اللہ خلاّق عظیم کی ہدایت کو فراموش کر کے توحید سے انحراف کرتے ہوئے مخلوق کی طرف دوڑنے لگتے ہیں، ہوتا تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقدّر میں لکھ دیا ہے، کوئی مانتا ہے یا نہیں مانتا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

مزاروں، خانقاہوں، آستانوں اور قبروں کے پجاری ہوں یا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کی خالص عبادت کرنے والے سب کے حوائج ومسائل کو حل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مُوَحِّد انسان اللہ تعالیٰ کی خالص شکرگزاری کر کے اپنی عاقبت اور دنیا کو غضب الٰہی سے محفوظ کر لیتا ہے جبکہ مشرک انسان اللہ جل شانہٗ کی نعمتوں کا سخت کفران کر کے اپنی دنیا وآخرت کو تباہ کر لیتا ہے۔

بلوچستان کے بعض علاقوں کی شرکیہ رسوم و خرافات:

ہمارے یہاں بلوچستان کے بعض علاقوں مثلاً خضدار، قلات اور خاران وغیرہ میں آباد بلوچ قبائل میں ابھی تک اس طرح کی رسوم وخرافات اور شرکیہ عادات پائی جاتی ہیں۔ قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ کی غرض سے ہم یہاں چند عادات کا ذکر کرتے ہیں۔

الف: یہاں کے مشرک لوگ شفاء کے حصول کیلئے اپنے پیروں کی قبروں کے سرہانے کی جانب سے مٹی اٹھا کر لے جاتے ہیں اور اسے بطور دوا کے کھاتے ہیں۔ اس خاک کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کے کھانے سے بڑے سے بڑے مرض کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس مٹی کو وہ (خوردہ) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔



ب: اسی طرح جانور پالنے والے مالدار لوگ ہر سال اپنے ہر قسم کے جانوروں کی نئی نسل کی پیدائش کے موقع پر ایک بچے کے کان کو پیر کے نام پر نذر کر کے ذرا سا چیر دیتے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ ایسا کرنے سے مال میں برکت ہوگی، اور وبائی امراض اور ہلاکتوں سے جانور محفوظ رہیں گے۔ ان کا یہ عقیدہ ہو بہو دورِ جاہلیت کے عقیدہ کے مطابق ہے۔

وہ بھی جانوروں کو بتوں کی لیئے مخصوص کرتے وقت ایسا کیا کرتے تھے۔ نیز اس طرح کے عمل میں شیطانی ارادے

﴿ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ ﴾ ① یعنی، ''میں انہیں حکم دوں گا تو وہ چوپایوں کے کانوں کو تراشیں گے''

کی خوب تکمیل نظر آتی ہے۔

ج: سال بھر میں مالدار لوگ ایک دفعہ اپنے ریوڑ کو بیماریوں سے بچانے کی نیت سے پیر کی مزار پر لاتے ہیں۔ بکریوں کا ریوڑ ہو یا دنبوں کا اس میں جو بکری یا دُنبہ پیر کی درگاہ یا اس کی کسی دیوار کے ساتھ اپنے جسم کو مل لے یا سب سے پہلے مزار کے احاطہ میں داخل ہو جائے تو یہ لوگ اس بکری یا دنبے کو پیر کا حق اور حصّہ سمجھتے ہوئے اسے پیر کے نام پر ذبح کر دیتے ہیں۔ اس کی کھال کو مزار کے حوالہ کر دیتے ہیں اور اس کے گوشت کو آپس میں بانٹ کر کھا لیتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ بھی دور جاہلیت کے مشرکوں کے ساتھ مکمل مماثلت رکھتا ہے۔

د: جس بکری یا دُنبہ کے کان کو پیر کے نام پر چیرتے ہیں اسے پیر ہی کے نام پر ذبح کر کے کھا لیتے ہیں، مگر اس کے ذبح کے لیئے انہوں نے یہ شرط عائد کر رکھی ہے کہ جب تک اس کے دانت نہ ٹوٹیں اس وقت تک اسے ذبح نہ کیا جائے۔ اس لیئے وہ اس بکری یا دنبے کو مقررہ وقت پر ذبح کرتے ہیں، اس کو اپنی اصطلاح میں ''تمام'' کہتے ہیں۔

ھ: یہ ہیں وہ رسمیں جو مال پالنے والے لوگ اپنائے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ زمیندار اور کاشت کار لوگ بھی ان سے پیچھے نہیں رہے۔ یہ لوگ قحط سالی سے بچنے کے لیئے باہمی طور پر چندہ کر کے ایک بکری خریدتے ہیں پھر اسے پہاڑی ندی نالوں ② کے قریب جا کر ذبح کرتے ہیں، جب یہ عمل کر لیتے ہیں تو انہیں کامل یقین اور پختہ اعتماد ہو جاتا ہے کہ اب برسات ہر صورت میں ہوگی۔ یعنی ندی نالے اور برساتی پانی کی گذرگاہیں ہم سے راضی ہوگئی ہیں۔

---

① سورة النساء: 119
② پہاڑی ندی نالوں کو ان کی اصطلاح میں ''شھگوز'' کہا جاتا ہے۔



کھیتی باڑی میں شرک

کائنات کی دیگر جملہ اشیاء کی طرح نباتات واشجار اور کھیتوں کے جملہ انواع واقسام کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی طرح جملہ ذی روح اشیاء کی طرح چوپایوں کا پیدا کرنے والا بھی اللہ خلاّقِ عظیم ہی ہے، اس کے علاوہ کسی کا بھی ان کی تخلیق میں عمل دخل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان میں سے جو بھی چیز صرف کی جائے اللہ کی رضا کیلئے خرچ کی جائے۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور کے نام پر اس کی رضا جوئی کیلئے اسے استعمال کیا جائے گا تو یہ شرک ہوگا۔ مشرکین عرب اس قسم کے شرک میں مبتلا تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَـٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَـٰذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴾ ①

ترجمہ: اور ان لوگوں نے کھیتی اور مویشیوں میں سے جو (اللہ) ہی نے پیدا کیئے ہیں، کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر رکھا ہے اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) اللہ کا ہے اور یہ (حصہ) ہمارے دیوتاؤں کا، پھر جو (حصہ) ان کے دیوتاؤں کے لیئے ہوتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پہنچتا نہیں اور جو حصہ اللہ کا ہوتا وہ ان کے دیوتاؤں کی طرف پہنچ جاتا ہے، کیسی بُری ہے ان کی تجویز۔

مقصد یہ ہے کہ

اولاً: اللہ اور دیوتاؤں کے درمیان تقسیم ہی حماقت در حماقت ہے کہ اللہ کی ملکیت کو غیر مالک کے نام کر دیا جائے۔ حالانکہ پیدا کرنے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ثانیاً: اللہ کے مقابلہ میں دیوتاؤں کی ترجیح کیسی جہالت در جہالت! اور کس قدر مالک الملک اور خالق ارض وسماء کی شان اقدس میں بے ادبی اور گستاخی ہے! کہ دیوتاؤں کے حصّہ کا پورا پورا لحاظ واحترام مگر اللہ کے حصہ کے متعلق اس قدر بے توقیری اور عدم لحاظ!

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں ترجمان القرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا درج ذیل قول یوں نقل کیا ہے:

عن ابن عباس انه قال فی تفسیر هذه الأية ان اعداء الله كانوا اذا حرثوا حرثا، او كانت لهم ثمرة جعلوا لله منه جزأ وللوثن جزأ فما كان من حرث اوثمرة أوشيء من نصيب الأوثان حفظوه

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ کے دشمن (مشرکین عرب) جب کوئی شیٔ کاشت کرنا چاہتے یا ان کے ہاں پھلوں کی پیداوار ہوتی تو اس میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر لیتے اور کچھ بتوں کیلئے، جو حصہ

---

① سورۃ الانعام: ۱۳۶



واحصوه وان سقط منه شئ فیما سمی للصّمد ردوه الی ماجعلوه للوثن، وان سبقهما الماء الذی جعلوا للوثن فسقی شیئاً جعلوه لله جعلوا ذلک للوثن وان سقط شئ من الحرث والثمرة التی جعلوها لله فاختلط بالذی جعلوه للوثن قالوا هذا فقیر ولم یردوه الی ما جعلوه لله، وان سبقهم الماء الذی جعلوه لله فسقی ماسمی للوثن ترکوه للوثن. ①

کھیتی کی پیداوار یا پھلوں یا دیگر کسی چیز کا بتوں کے نام کا طے کرتے اس کی خوب حفاظت کرتے، اور اسے گن گن کر رکھتے۔ اگر اس میں سے کوئی چیز صمد (اللہ تعالیٰ) کے لیئے مقرر کردہ حصّہ میں گر جاتی تو اسے بتوں کے حصّہ میں واپس لے لیتے اور اگر بتوں کیلئے مقرر کردہ حصّے کا پانی اللہ کیلئے مقرر کردہ حصّے میں سے کسی چیز (زمین کے ٹکڑے یا درخت) کی آبیاری کر دیتا تو وہ سیراب ہو جانے والے حصہ کو بتوں کے لیئے قرار دے دیتے۔ (اس کے مقابل) اگر اللہ کیلئے مقرر کردہ کھیتی، پھل یا دیگر شئ کے حصّہ سے کچھ گر کر بتوں کے حصہ میں مل جاتا تو کہتے کہ یہ محتاج ہے اور اسے اللہ کی طرف نہ لوٹاتے۔ اور اگر اللہ کے حصّے کا پانی بتوں کے لئے مقرر کردہ حصہ کھیت و پھل کو سیراب کر دیتا تو اسے بتوں کیلئے جوں کا توں برقرار رکھتے تھے۔

چوپایوں میں شرک

مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ جانوروں میں سے بعض کو بتوں کے نام پر نامزد کر کے سانڈ بنا کر چھوڑ دیتے، کہ پھر ان سے نہ سواری کا کام لیا جاتا تھا نہ بار برداری کا۔ اسی طرح انہوں نے بعض چوپایوں اور بعض کھیتوں کو عام استعمال کے لئے حرام اور اپنی ذاتی استعمال کیلئے جائز کر رکھا تھا، اور بعض کھانوں کو مذہبی پروہتوں کے لیئے مخصوص کر رکھا تھا۔ اس سب کچھ کو وہ عبادت اور تقرب الٰہی کا درجہ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جھوٹے عقیدہ اور فکر کا ذکر کر کے اس کا رد بھی فرمادیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَقَالُواْ هَـٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِم

ترجمہ: اور کہتے ہیں اپنے خیال کے مطابق کہ یہ (فلاں فلاں) مویشی اور کھیت ممنوع ہیں، انہیں کوئی نہیں کھا سکتا، سوا ان کے کہ جن کو ہم چاہیں۔ اور (فلاں) چوپائے ہیں کہ

① تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۷۹



بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴾ ①

ان کی پشت حرام کر دی گئی ہے، اور (فلاں) چوپائے ہیں کہ ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے ہیں، (یہ سب) اللہ ہی پر بہتان باندھے ہوئے ہیں، (اللہ) انہیں ابھی بدلہ دیتا ہے اس بہتان کا جو یہ باندھ رہے ہیں۔

مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ چوپایوں کو بتوں کے نام نامزد کرنا، ان میں حلت وحرمت کے لئے اپنے من پسند قوانین بنانا اور بعض جانوروں پر اللہ کے نام کی بجائے غیر اللہ کا نام لینا یہ سب کچھ شرک ہے۔ جبکہ یہ کم عقل اسے اللہ کا قانون قرار دیتے ہیں۔

مردوں اور عورتوں کیلئے چوپایوں سے فائدہ اٹھانے کی بابت کسی دلیل کے بغیر خودساختہ حلت و حرمت

مشرکین عرب بڑے ہی وہم پرست اور ضعیف الاعتقاد تھے۔ انہوں نے اپنے معاشرہ میں یہ بات پھیلا رکھی تھی کہ فلاں فلاں چوپائے کے پیٹ کے اندر کی اشیاء سے مردوں کو فائدہ اٹھانے کی تو اجازت ہے مگر عورتوں کیلئے ان کا کسی قسم کا استعمال حرام ہے۔ اس حلّت وحرمت کی ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ایسے سب نفس پرستانہ قوانین کو اپنے دین کا حصہ بنا رکھا تھا۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَـٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴾ ②

اور کہتے ہیں کہ ان چوپایوں کی شکم میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مردوں کیلئے ہے، اور ہماری بیویوں کے لئے حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں وہ سب شریک ہیں، ابھی (اللہ) ان سے بدلہ لیتا ہے ان کے (اس) بیان پر، بے شک وہ بڑا حکمت والا، بڑا علم والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح منقول ہے:

عن ابن عباس، وقالوا ما في بطون هذه الانعام خالصة لذكورنا" فهو اللبن كانوا يحرمونه على

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان، "اور کہتے ہیں کہ جو ان چوپایوں کے شکم

① سورة الانعام: ١٣٨

② سورة الانعام: ١٣٩



انا لهم ویشربه ذکر انهم، وکانت الشاة اذا ولدت ذکرا ذبحوه وکان للرجال دون النساء، وان کانت انثی ترکت فلم تذبح وان کانت میتة فهم فیه شرکاء فنهی الله عن ذلک. ①

کے اندر ہے وہ ہمارے مردوں کیلئے ہے۔'' سے مراد دودھ ہے، جسے انہوں نے اپنی عورتوں پر حرام قرار دے رکھا تھا۔ صرف انکے مرد اسے پینے کے حقدار تھے۔ اگر بکری نر بچہ دیتی تو اسے ذبح کر کے صرف مرد کھاتے، اور اگر مادہ بچہ پیدا ہوتا تو اسے ذبح نہیں کیا جاتا تھا اور اگر مرا ہوا (نر یا مادہ) بچہ پیدا ہوتا تو سب مل کر کھاتے، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا۔

مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ کسی چیز کو کسی کے لئے حلال یا حرام کرنے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہی متصرف الامور اور مدبر ہے۔ اس کا ہر حکم حکمت اور وسیع تر اور لامحدود علم پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص خود یا کسی دوسرے کے کہنے پر حلت وحرمت کا اختیار استعمال کرتا ہے یا اسے درست تسلیم کرتا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی مطلق حاکمیت میں شریک ہونے کا جرم کیا ہے۔ اس طرح وہ شرک اکبر کا مرتکب ہوا ہے۔ بندے کا کام قانون بنانا نہیں بلکہ آقا کے قانون کی پیروی کرنا ہوتا ہے۔ اس ترتیب کو بدلنے والا شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں باغی اور متمرد شمار ہوگا۔

بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی خودساختہ ایجادات

مشرکین عرب نے جب ملتِ ابراہیمی (جو کہ خالص توحید کی تعلیم کا مجموعہ تھی) کو بدل ڈالا، اور شرک و بت پرستی کے مہلک مرض کا طوق اپنے گلے میں بخوشی ورضا سجالیا۔ تو آسمانی ملّت سے ان کا رابطہ ختم ہوگیا۔ پھر انہوں نے اپنی طرف سے رسمیں ایجاد کرنا شروع کر دیں جو بدعات وخرافات کا مجموعہ تو تھیں ہی۔ عقل وفطرت سے بھی ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ان کی مذہبی ایجادات میں سے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی اصطلاحات ہیں۔ یہ دراصل بعض جانوروں کے احترام وتقدس کے مظہر نام ہیں۔ اللہ نے ان کا حکم نہیں دیا، اور نہ ایسے مخصوص جانوروں کے ادب واحترام کو اس نے مشروع قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِن بَحِيْرَةٍ وَلاَ سَآئِبَةٍ وَلاَ وَصِيْلَةٍ وَلاَ حَامٍ وَلَـٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لاَ يَعْقِلُوْنَ﴾ ②

اللہ نے بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو، نہ حام کو۔ البتہ جو لوگ کافر ہیں وہی اللہ پر جھوٹ جوڑتے رہتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر عقل سے کام ہی نہیں لیتے۔

---

① تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۸۲
② سورۃ المائدۃ: ۱۰۳



اللہ تعالیٰ نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی اصطلاحات کو کافروں کی افتراء پردازی قرار دیا ہے۔ اور اس پر مرتب کیئے جانیوالے ادب واحترام کے احکامات کو بھی خودساختہ قرار دیا ہے۔ اللہ نے ان میں سے کسی بھی شئ کو مشروع نہیں فرمایا۔ یہ سب اصطلاحیں عرب جاہلیت کی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا مفہوم بیان کیا جاتا ہے۔

بحیرہ:

سیدنا سعید بن المسیب سے صحیح بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ المائدہ میں اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ بحیرہ وہ جانور ہے جس کا دودھ دوہنا چھوڑ دیا جاتا اور کہا جاتا کہ یہ بتوں کیلئے ہے۔ چنانچہ کوئی شخص اس کے تھنوں کو ہاتھ نہ لگاتا۔ بعض نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جو دس بچے جنتی اور ان میں آخری نر ہوتا اس کا کان چیر کر اسے سانڈ کی طرح آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اور اس سے کوئی کام نہ لیا جاتا۔ بعض نے بحیرہ کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد وہ اونٹنی ہے جو پانچ بچے جنتی اور ان میں آخری نر ہوتا تو اس کو ذبح کر دیا جاتا۔ اس کا گوشت صرف مرد کھاتے، عورتوں پر اس کے گوشت کو حرام سمجھتے اور اگر آخری بچہ مادہ ہوتا تو اس کے کان کاٹ دیتے اور کہتے کہ اس اونٹنی کا نام بحیرہ ہے۔

سائبہ:

سیدنا سعید بن المسیب کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق سائبہ اس جانور کا نام ہے جسے وہ بتوں کے نام نامزد کر کے آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اسے نہ سواری کیلئے استعمال کرتے نہ باربرداری کیلئے۔ بعض نے سائبہ کی تفسیر تو یہی کی ہے مگر اسے مطلق جانور نہیں کہا بلکہ اسے اونٹنی کے ساتھ مخصوص کر دیا، جو کسی دیوتا کے نام پر آزاد چھوڑ دی جاتی اور اسے چارہ پانی سے نہ روکا جاتا۔
بعض نے سائبہ کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ وہ اونٹنی ہے جو مسلسل دس مادہ بچہ جن چکے تو اسے بت کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا، اس سے سواری کا کام نہ لیا جاتا، نہ اسے باربرداری کیلئے استعمال کیا جاتا۔ اس کے بال کاٹے جاتے نہ اس کا دودھ دوہا جاتا۔ البتہ مہمان آجاتا تو اسے اس کا دودھ پلا دیا جاسکتا تھا۔

وصیلہ:

وہ اونٹنی ہے جو پہلی دفعہ نر بچہ جننے کے بعد مسلسل دو مادہ بچے جنے اس طرح کہ ان دو مادہ بچوں کے درمیان کسی نر سے تفریق نہ ہوئی ہو ایسی اونٹنی کو بھی وہ بتوں کیلئے آزاد چھوڑ دیتے۔

حام:

وہ نر اونٹ جس کی نسل سے کئی بچے ہو چکے ہوتے اور نسل کافی بڑھ جاتی تو اس سے باربرداری یا سواری کا کام نہ لیتے،



بلکہ اسے بتوں کیلئے چھوڑ دیتے اور اسے وہ 'حامی' کہتے تھے۔

ان جاہلی اصطلاحات کی کئی اور تفاسیر بھی بیان ہوئی ہیں۔ تفصیلی مطالعہ کیلئے تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ اور دیگر معتمد تفاسیر کی طرف رجوع کیا جائے، وہاں ان کلمات کی مکمل و مفصل تشریح موجود ہے۔

صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں سورۃ المائدہ کی تفسیر کے تحت سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے ان کلمات کی تفسیر اس طرح وارد ہے:

عن سعيد بن المسيب قال: البحيرة التي يمنع درها للطواغيت فلا يحلبها أحد من الناس، والسائبة كانوا يسيبونها لألهتهم لايحمل عليها شئ قال: وقال ابوهريرة: قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: رأيت عمرو بن عامر الخزاعي يجر قصبه في النار، كان اول من سيب السوائب، والوصيلة الناقة البكر تبكر في اول نتاج الإبل ثم تثنى بعد بانثىٰ وكانوا يسيبونهم لطواغيتهم ان وصلت احداهما الاخرى ليس بينهما ذكر، والحام فحل الابل يضرب الضراب المعدود فاذا قضى ضرابهٔ ودعوه للطواغيت واعفوه من الحمل فلم يحمل عليه شئ وسموه الحامي. ① (صحيح بخارى)

ترجمہ: سیدنا سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ بحیرہ وہ جانور ہے جس کے دودھ کو بتوں کیلئے وقف کر دیا جاتا تھا۔ کسی بھی شخص کو اس کے دودھ دوہنے کی اجازت نہ تھی، اور سائبہ وہ جانور ہے جسے وہ معبودوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے، اس سے بار برداری کا کام نہ لیتے تھے۔ سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے عمرو بن عامر الخزاعی کو جہنم میں انتڑیاں گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے؛ کیونکہ یہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے بتوں کے لئے جانور آزاد چھوڑنے کا طریقہ اختیار کر لیا۔'' اور وصیلہ ایسی اونٹنی ہے جو پہلی مرتبہ نر بچہ دینے کے بعد مادہ جن چکی ہو۔ پھر اس مادہ کے بعد بھی مادہ بچہ جنے، ایسی اونٹنی کو بھی وہ اپنے بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے۔ اسے وصیلہ اس لئے کہا جاتا کہ اس نے ایک مادہ بچہ کے ساتھ دوسرے مادہ بچے کو ملا دیا کہ ان کے درمیان نر کے ساتھ تفریق نہ ہو سکی۔ اور حام وہ نر اونٹ ہے جس کی نسل سے

① رواه البخارى، كتاب التفسير- سورة المائدة باب "ماجعل الله من بحيرة ولاسائبة ولا وصيلة ولاحام" واللفظ له/السنن الكبرىٰ للبيهقى كتاب الوقف،باب ماجاء فى البحيرة والسائبة والوصيلة والحام/ تحفة الأخيار بترتيب مشكل الآثار، كتاب العلم،باب بيان مشكل ماروى عن رسول الله ﷺ فى السبب الذى فيه أنزلت "يأيها الذين آمنوا لاتسألوا......تسؤكم" سورة المائدة: ١٠١



کئی بچے ہو چکے ہوتے، جب وہ اپنی نسل پوری کر چکتا تو اسے بھی بتوں کیلئے چھوڑ دیتے اور اسے سواری و بار برداری سے آزاد کر دیتے۔ ایسے اونٹ کو وہ 'حامی' کہتے تھے۔

اپنی طرف سے شریعت سازی

انسانوں کی بہتری کیلئے ان کی دنیا و آخرت کی سعادت کیلئے جس ہمہ گیر قانون کی ضرورت ہے وہ اللہ جل شانہ کے علم وحکمت پر مبنی قانون سے ہی پوری ہو سکتی ہے، اس لئے کہ انسانوں کا خالق و مالک وہی ہے اور وہ اپنے لامحدود علم سے انسان کے ماضی، حال اور مستقبل کے مسائل، مقاصد اور ضروریات سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس کا بنایا ہوا قانون کسی نقص اور کمی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جبکہ انسان کا علم ناقص ہے وہ اپنی دیگر کمزوریوں کی بناء پر سب کے لئے بہتر قانون کی تشکیل نہیں دے سکتا۔ حاکمیت مطلقہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے تو قانون بھی اسی کا چلے گا۔ اپنی خواہشات یا انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی اتباع شرک کے زمرہ میں شمار ہونے والا گناہ ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴾ ①

کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ کہ اللہ پر جھوٹ (بہتان) باندھ لو (سمجھ لو کہ) اللہ پر بہتان بازی کرنے والے یقیناً کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔

یعنی کسی چیز کو حلال کرنے یا حرام کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے تم اپنی طرف سے حلت وحرمت کے حکم لگا کر اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت نہ کیا کرو، معلوم ہوا کہ اپنی طرف سے شریعت سازی کرنے والے جھوٹے اور بہتان باز ہیں، جو کامیابی کے حصول سے ہمیشہ ناکام رہتے ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ سے جھوٹے قانون سازوں کی ناکامی و بربادی خوب واضح ہو چکی ہے۔ یہ لوگ سوچتے ہیں کہ ہماری اس شریعت سازی اور قانون سازی سے معاشرہ میں امن وعافیت اور خیر وفلاح کے آثار نمودار ہوں گے مگر نتیجہ ان کی خواہش کے بالکل برعکس نکلتا ہے۔ یہی ہے ناکامی اور فلاح سے محرومی کا مفہوم۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ محرم کے مہینے میں پان نہ کھایا کریں، سرخ کپڑے نہ پہنا کریں، ناخن نہ کاٹیں، نیا لباس زیب تن نہ کریں، حجامت نہ کرائیں اور زیر ناف کی پاکیزگی وغیرہ بھی نہ کریں۔ محرم کی پہلی تاریخ سے

---

① سورة النحل: ١١٦

دسویں تک ان امور کی مخالفت کی جاتی ہے۔اسی طرح کہتے ہیں کہ سیدہ بی بی کی صحنک مرد نہ کھائیں،صرف عورتیں اسے کھا سکتی ہیں۔ بی بی کی صحنک کے لیئے انہوں نے یہ قانون بھی بنا رکھا ہے کہ جب سیدہ بی بی کی صحنک کی نذر و نیاز کرو تو اس میں فلاں فلاں ترکاری اور مہندی ولسّی وغیرہ شامل ضرور کرو، پھر اس نذر و نیاز کو لونڈی نہ کھائے، دوسری شادی کر چکنے والی عورت نہ کھائے، نچلی ذات کے اور بدکار قسم کے لوگ بھی اسے نہ کھائیں۔اسی طرح انہوں نے یہ شریعت سازی بھی کر رکھی ہے کہ شاہ عبدالحق کیلئے جو نذر و نیاز تیار کی جائے وہ صرف ''حلوہ'' ہو اور شاہ مدار کی نیاز ''مالیدہ'' ہو۔اصحاب کہف کی نیاز گوشت روٹی وغیرہ ہونی چاہیئے۔اس کے علاوہ کچھ تیار کیا گیا تو اسے نیاز نہیں کہا جائے گا۔ان مذہبی رسموں کے علاوہ بعض ایسی رسمیں بھی ہیں جن کو شادی بیاہ کی تقاریب میں لازمی حکم کے طور پر کیا جاتا ہے۔ان کے بغیر شادی بیاہ کی تقریب نامکمل سمجھی جاتی ہے۔

ہمارے ہاں ساحل مکران پر آباد بعض قبائل نے لباس کے متعلق بدشگونیاں قائم کر رکھی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں لوگ نیلا کپڑا نہ پہنیں۔ یہ وہم پرستانہ عقیدہ اور مارہ کے ''گزبر'' قبیلے میں بڑی حد تک موجود ہے۔اسی طرح ہمارے خانہ بدوش قبائل میں سے بعض قبیلوں میں یہ وہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی اس طرح ملتی ہے کہ موسم ربیع و بہار میں چرواہا بھیڑ بکریوں کو رات کے کسی حصہ میں جنگل کی طرف لے جاتا ہے بقیہ رات اور دن کے آدھے حصہ کے گذر جانے کے بعد وہ دودھ نکالنے کے لیئے بھیڑ بکریوں کو خیموں اور گھروں کی طرف لے آتا ہے، جس وقت بھیڑ بکریاں گھر پہنچ جائیں تو اس دوران اگر کوئی شخص خشک لکڑی، چٹائی یا کوئی بھی سوکھی چیز ہاتھ میں لے کر خیموں یا آبادی کی طرف آجائے تو یہ لوگ اسے جان سے مار دینے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اس طرح ہماری بھیڑ بکریوں کا دودھ ختم ہو جائے گا۔

بعض علاقوں میں صفر کے پورے مہینے اور ہر ہفتہ کے بعض دنوں (جیسے اتوار وغیرہ) میں سفر کرنے کو مہلک اور نقصاندہ سمجھا جاتا ہے۔مذکورہ تمام قسم کے خیالات جھوٹے، خودساختہ اور شیطانی ہتھکنڈے ہیں، ان کا شکار ہو کر یہ لوگ اپنی طرف سے ایسی رسمیں ایجاد کرتے ہیں جنہیں شریعت الٰہی سے بڑھ کر واجب العمل سمجھتے ہیں، ان تمام خیالات کے اصل سبب کو تلاش کیا جائے تو ''بدشگونی'' اور ''نحوست'' کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔حالانکہ بدشگونی لینا یا کسی شی کو منحوس قرار دینا شرک ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

عن ابن مسعود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الطيرة شرك ثلاثا. ① (صحيح)	سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: کہ بدشگونی لینا شرک ہے۔

دور جاہلیت کے عرب جہاں شرک، کفر اور دیگر فاسد اعتقادات کا شکار تھے وہاں وہ شدید قسم کی توہم پرستی میں بھی بری

① رواه ابو داود ، كتاب الطب باب في الطيرة/ واللفظ له/ وصححه الألباني.
الترمذي ، كتاب السير باب ماجا في الطيرة، وقال الترمذي حسن صحيح.

طرح جکڑے ہوئے تھے۔ ان کی وہمی زندگی میں کسی شئ سے نیک شگونی یا بدشگونی لینا فطرت ثانیہ بن چکا تھا۔ اس کے متعلق وہ عجیب قسم کے اعتقادات رکھتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے بڑی تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ قسمت بنانے والا یا اس کے بگاڑنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، کسی مخلوق کے اندر قسمت بنانے یا بگاڑنے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ لہٰذا بدشگونی سے بچو کہ یہ شرک ہے۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے ایک دوسرے طریقہ سے یہی بات سمجھائی، جیسا کہ روایت ہے:

عن زید بن خالد الجهنی رضی الله عنه قال: صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم صلاة الصبح بالحدیبیة فی اثر السماء کانت من اللیل، فلما انصرف اقبل علی الناس فقال: هل تدرون ماذا قال ربکم؟ قالوا: الله ورسوله اعلم، قال: قال: اصبح من عبادی مؤمن بی وکافر، فاما من قال مطرنا بفضل الله ورحمته فذلک مؤمن بی وکافر بالکوکب واما من قال مطرنا بنوء کذا وکذا فذلک کافر بی ومؤمن بالکوکب①

(صحیح بخاری ومسلم)

سیدنا زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حدیبیہ کے مقام پر صبح کی نماز رات کی بارش کے بعد پڑھائی، نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر دریافت فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ لوگوں (صحابہ) نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "میرے بندوں میں کچھ تو مجھ پر ایمان لائے ہیں اور کچھ نے میرا انکار کیا ہے، جنہوں نے یہ کہا کہ ہمیں اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے بارش نصیب ہوئی ہے، یہ تو ہیں وہ جو مجھ پر ایمان لائے اور ستاروں کے منکر ہوئے۔ اور جنہوں نے کہا کہ ہمیں بارش فلاں اور فلاں ستارے کی وجہ سے ملی ہے، تو یہ ستاروں پر ایمان لائے اور میرے منکر ہو گئے۔"

اس حدیث کا لب لباب یہ ہے کہ جو شخص ستاروں کو نظام عالم میں مؤثر اور متصرف سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ ستاروں کی گردش سے کارخانہ عالم میں تغیر وتبدل ہوتا ہے تو یہ اللہ کے نزدیک کافر ہے، اور کواکب پرست مشرک ہے اور جو شخص یہ عقیدہ

① رواه البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة، و قول الله تعالیٰ: لقد رضی الله عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرة / مسلم، کتاب الایمان، باب کفر من قال مطرنا بالنوء واللفظ له/ السنن الکبری للبیهقی، کتاب الصلاة، باب الإمام یقبل علی الناس بوجهه إذا سلم فیحدثهم فی العلم وفیما یکون خیرا.



رکھے کہ باقی نعمتوں کی طرح بارش عطا کرنے والا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، ستارے نظام دنیا میں ذراسی تغیر کی طاقت نہیں رکھتے تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کا مؤمن بندہ ہے اور ستاروں کے تصرف واختیار اور ان کی ذاتی تاثیر کا منکر!

نیز اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اوقات میں سے نیک وبدوقت کا ماننا، اور اچھے برے دن اور ماہ متعین کرنا اور نجومیوں کی خبروں کو سچا تسلیم کرنا شرک سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں، کیونکہ ان سب کا ستاروں سے واسطہ ہے، اور ستاروں کو کائنات کے نظام میں مؤثر ماننا اور انہیں قسمت بنانے و بگاڑنے کے اختیار کا مالک تسلیم کرنا ستارہ پرستوں کا طریقہ ہے۔ اہل ایمان نے اس طرح کے شرکیہ عقائد سے ہمیشہ برأت ولاتعلقی کو اختیار کیا ہے۔

اس مضمون کی ایک اور حدیث ہے:

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اقتبس علماً من النجوم اقتبس شعبة من السحر زاد مازاد. ① (حسن)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص ''علم نجوم'' کو حاصل کرتا ہے تو اس نے گویا کہ جادو کے ایک علم کو حاصل کرلیا ہے۔ اس کی مرضی ہے کہ جس قدر چاہے یہ (حرام) علم حاصل کرے۔

اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ستاروں کی تخلیق کے جو مقاصد بیان فرمائے ہیں ان مقاصد سے زیادہ کا دعویٰ کرنا پھر اس کے مطابق عقیدہ قائم کرنا واضح طور پر قرآن کریم کی تکذیب ہے۔ اور حدود الٰہی سے تجاوز! پھر ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص توحید کے دائرہ سے نکل کر شرک کا شکار ہوجاتا ہے۔ اس لیئے ضروری ہے کہ ہر مسلمان ستاروں کے انہی مقاصد کو فکر وتدبر کا مرکز بنائے جن کا ذکر کتاب اللہ نے فرمایا ہے، قرآن حکیم نے ستاروں کے جو مقاصد بیان کیئے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) آسمان دنیا کی زیبائش وآرائش

(۲) بھٹکے ہوئے مسافروں کیلئے ہدایت وراہنمائی اور لوگوں کیلئے تاریک راتوں میں اوقات کے پہچاننے کا ذریعہ

(۳) شیطانوں کو مارنے اور بھگانے کا ذریعہ۔

ستاروں کی تخلیق کے مذکورہ بالا مقاصد کو امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا قتادہ رحمہ اللہ کے اثر سے ثابت کیا ہے، سیدنا قتادہ رحمہ اللہ کا یہ اثر آیت ''ولقد زينا السماء الدنيا بمصابيح'' کے تحت اس طرح وارد ہوا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

---

① رواه ابن ماجه، كتاب الادب باب تعلم النجوم / حسنه الألباني.
السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب القسامة، باب العيافة والطيرة والطرق.



ولقد زينا السماء الدنيا بمصابيح "قال قتادة: خلق هذه النجوم لثلاث: جعلها زينة للسماء ورجوما للشياطين، وعلامات يهتدى بها، فمن تأوّل فيها بغير ذلك أخطأ وأضاع نصيبه وتكلف مالا علم له به. ① (صحيح بخاری)

اور بے شک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کر رکھا ہے۔ (اس آیت کی تفسیر میں سیدنا) قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان ستاروں کو تین مقاصد کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ سے آسمان کو زینت وجمال عطا فرمایا ہے، انہیں شیطانوں کو مار بھگانے کا ذریعہ بنایا ہے اور انہیں ہدایت وراہنمائی کیلئے نشانات کے طور پر قائم فرمایا ہے۔ جو شخص ان مقاصد کے علاوہ کچھ اور بیان کرے گا وہ خطا کار اور بدبخت شخص ہے، جو ایسی رائے زنی کرنا چاہتا ہے جس کی علمی بنیاد ہی اس کے پاس نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ ان تین مقاصد کے علاوہ ستاروں کا نظامِ عالم میں کوئی دخل ہے اور نہ ہی کسی بھلائی اور برائی میں ان کی کوئی تاثیر ہے۔ اب جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بیان کردہ مقاصد ومطالب سے ہٹ کر کسی اور مقصد کی تحقیق کے پیچھے پڑ جائے یا ان سے کوئی اور فائدہ حاصل کرنے کی جستجو میں لگ جائے یا ان سے غیر شرعی مقاصد حاصل کر کے لوگوں میں پھیلانا شروع کر دے تو اس کی مثال اس برہمن یا کاہن ونجومی کی ہے جو جنات وشیاطین سے پوچھ پوچھ کر غیب کی خبریں بیان کرتا ہے۔

کاہن اور نجومی دونوں کی ایک ہی راہ، اور ایک ہی انجام ہے، کاہن تو جادوگروں کی طرح جنات سے دوستی گانٹھتا ہے، جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ کاہن جنات کو عالم الغیب گردانتے ہوئے انہیں پکارتا ہے، اور انہیں خیر وشر میں مددگار سمجھتا ہے۔ جنات اسے راہ حق سے ہٹا کر گمراہی کا طلبگار بنا دیتے ہیں، بالآخر کاہن ایک ابدی بدبختی اور رسوائی کا شکار ہو جاتا ہے۔ نجومی کا بھی یہی انجام ہوتا ہے، اس طرح یہ دونوں کفر کی راہ کو اختیار کیئے رہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو کواکب پرستی سے منع فرمایا ہے۔ اور اسے جاہلیت کے اعمال بد میں شمار کیا ہے۔ اور یہ پیشگوئی بھی فرمائی ہے کہ میری امت میں جاہلیت کا یہ کفریہ عقیدہ موجود رہے گا۔ اس عقیدہ کے حامل وعظ ونصیحت کے باوجود اسے ترک کرنے پر تیار نہ ہوں گے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

عن ابی مالک الاشعری، حدثه ان النبی صلی

سیدنا ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

① رواه البخاری، كتاب بدء الخلق، باب في النجوم.



اللہ علیہ وسلم قال اربع فی امتی من امر الجاھلیة لایترکونھن الفخر فی الاحساب، والطعن فی الأنساب، والاستسقاء بالنجوم، والنیاحة، وقال النائحة اذا لم تتب قبل موتھا تقام یوم القیامة وعلیھا سربال من قطران ودرع من جرب. ①

(صحیح مسلم)

نے فرمایا کہ میری امت میں جاہلیت کی عادات میں سے چار عادتیں موجود رہیں گی وہ اسے ترک کرنے کیلئے تیار نہ ہوگی۔حَسب کی بنیاد پر فخر وتعلّی۔نسبوں پر طعنہ بازی، ستاروں سے بارش طلبی اور میت پر بین اور نوحہ۔نیز آپ ﷺ نے فرمایا، میت پر نوحہ کرنے والی عورت اگر توبہ کیئے بغیر مر جائے گی تو اسے قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس کے جسم پر گندھک کا قمیص ہوگا اور خارش کی ایک چادر۔

① رواہ مسلم، کتاب الجنائز، باب التشدید فی النیاحة / مصنف ابن ابی شیبة، کتاب الجنائز، باب فی النیاحة علی المیت وماجاء فیه.



تیسرا باب

اولیاء و صالحین کی عبادت کے بیان میں

قبر پرست لوگ عام طور پر اہل توحید کے دروس توحید کے اثرات کو لوگوں کے دلوں سے ختم کرنے یا کمزور کرنے کیلئے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ مشرکین عرب بت پرست تھے، اس لیئے وہ کافر و مشرک ٹھہرے تھے، جبکہ ہم بت پرستی نہیں کرتے ہم تو بزرگوں، صالحین اور اولیاء اللہ کی تعظیم کرتے ہیں، لہٰذا ہمیں مشرک قرار دینا غلط ہے۔ تو ایسے مغالطوں کے رد کیلئے یہ باب قائم کیا گیا ہے، اس میں یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ مشرکین عرب جن مورتیوں کی پوجا کرتے تھے وہ انہیں محض پتھر، اینٹ، لکڑی یا سونا چاندی وغیرہ سمجھ کر نہیں پوجتے تھے بلکہ ان مورتیوں کی پوجا کرتے وقت ان کا اصل تصور اور ذہنی لگاؤ ان مورتیوں سے موسوم بڑے عالی مرتبت اور معزز و محترم بندے ہوتے تھے۔ انہوں نے ملائکہ، انبیاء اور جنات کے نام کی مورتیاں بنا رکھی تھیں، عبادت کے وقت وہ یہ سمجھ رہے ہوتے تھے کہ ہم اللہ کے نیک بندوں کو راضی کر رہے ہیں۔

اگر محض سونا چاندی، پتھر، مٹی یا لوہا اور پیتل وغیرہ کی عبادت کر رہے ہوتے تو یہ (سونا چاندی، پتھر، مٹی وغیرہ) سب اشیاء مورتیوں کے علاوہ دوسری شکلوں میں موجود تھیں مگر وہ ان اشیاء کو کبھی نہیں پوجتے تھے۔

بعینہٖ عرب کے مشرکوں کی طرح قبر پرست بھی گارے، مٹی اور کنکریٹ سے بنے مزاروں اور ماربل سے مزین قبروں کو نہیں پوجتے بلکہ ان کی اصل مراد صاحب قبر، ولی، بزرگ اور صالح انسان کی عبادت ہوتی ہے کہ وہ راضی ہو جائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ عرب کے مشرکوں کی طرح آج کے قبر پرست بھی مشرک ہیں، بلکہ ان سے بدترین مشرک ہیں۔

موضوع کی انتہائی اہمیت کے پیشِ نظر ہم نے دو باب ایک جیسے قائم کیئے ہیں، ایک یہی جو زیرِ بحث ہے اور دوسرا باب بتوں کی عبادت کے متعلق ہے جو اسی باب کا تکملہ ہے۔

اولیاء و صالحین کا مطلب

روئے زمین پر جب بھی اور جہاں بھی کوئی بت گھڑا گیا ہے، لازماً اس کا تعلق کسی جاندار، باعزت اور ذی رتبہ وذی



شرف مخلوق کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ جن اشیاء و اشخاص کے نام پر بت بنائے جاتے ہیں ان کی حقیقت دو کیفیتوں میں سے ایک ضرور ہوتی ہے۔ یا تو وہ فی الواقع اللہ تعالیٰ کے مقرب و محبوب بندے ہوتے ہیں جیسے اُنبیاء علیہم السلام، ملائکہ مقربین عام اُولیاء وصالحین یا پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب، محبت اور ولایت کے مقام کے اہل نہیں ہوتے، بس بت بنانے والوں اور ان کی پرستش کرنے والوں کے خیال اور عقیدہ میں وہ ولی اور بزرگ کہلاتے ہیں۔

قارئین کرام!

یہاں ایک ضروری بات ذہن نشین کر لیجئے کہ بالعموم عقائد، مذاہب، ادیان اور تفسیر و تاریخ وغیرہ کی کتابیں یا خود ہمارے کلام میں بارہا لفظ 'اولیا و صالحین' کا ذکر ہوتا ہے، اور ساتھ یہ بھی لکھا اور سمجھایا جاتا ہے کہ مشرک گروہ اللہ کے ولیوں اور بزرگوں کی عبادت کرتے تھے یا آج کل کے قبر پرست لوگ اولیاء اللہ اور صالحین کی پرستش کرتے ہیں۔ تو اس لفظ (اُولیاء وصالحین) سے ہرگز یہ مقصود نہیں ہے کہ مشرک لوگ جن ہستیوں کی عبادت کرتے رہے اور کر رہے ہیں وہ واقعہ اور نفس الأمر میں بھی سب کے سب اولیاء اللہ اور صالحین ہی تھے اور ہیں۔ ہرگز نہیں، بلکہ اس کا مطلب اور مفہوم درج ذیل ہیں:

الف۔ اولیاء و صالحین کے لفظ سے اکثریت مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کی بالعموم پوجا کی گئی ہے ان کی اکثریت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقرب اور محبوب بندوں سے تھا۔ خاص طور پر مشرکین اوائل کے وہ معبود جن کا ذکر قرآن کریم میں وارد ہوا ہے۔ واقعۃً ان میں سے اکثر اللہ کے محبوب بندے تھے۔ بالخصوص وہ افراد کہ سب سے پہلے جن کی عبادت کائنات میں شروع ہوئی وہ تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے مقرب و معزز اور محبوب بندے تھے جیسے قوم نوح کے پانچ اشخاص، ود، سواع، یغوث وغیرہ۔ اس اجمال کی تفصیل اسی کتاب کے ''باب اصنام'' میں ان شاء اللہ آئے گی۔
نیز احادیث، عقائد، مذاہب و ادیان اور تاریخ کی کتابوں میں جن شخصیات کا ذکر اس طرح ہوا کے کہ مشرکین اوائل ان کی پوجا کرتے تھے جیسے ملائکہ کرام اور انبیاء علیہم السلام تو یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے مقرب و معزز اور محبوب بندے تھے۔

ب: اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ان عابدوں، مریدوں اور عقیدتمندوں کی نظر میں ان معبودان باطلہ کی حیثیت اولیاء اللہ اور صالحین کی ہے، کیونکہ اگر یہ مشرک لوگ اپنے معبودوں کو اولیاء اللہ، صالحین اور اللہ کا محبوب نہ سمجھیں اور ان کی اس حیثیت سے تشہیر نہ کریں تو ان کی پوجا و پرستش کا کوئی عقلی و منطقی جواز باقی نہیں رہتا۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ مشرکین اپنے عقیدہ میں جن کو اللہ کا ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں واقعۃً وہ اللہ کے ولی اور بزرگ ہی ہوں۔



مثلاً مشرکین اوائل اپنے بعض معبودوں جیسے: عزیٰ، اساف اور نائلہ وغیرہ کے متعلق یہ خیال رکھتے تھے کہ یہ اللہ کے محبوب بندے ہیں اور انہیں کارخانۂ عالم میں عمل دخل کی قوت حاصل ہے۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ تفصیل بعد میں آئے گی۔

ہندوؤں و بدھ مت، جین مت اور سکھوں وغیرہ کا اپنے معبودوں کے متعلق یہی نظریہ ہے کہ یہ اللہ کے برگزیدہ اور صالح بندے تھے۔ بعینہٖ یہی حال ہے قبر پرستوں کے معبودانِ باطلہ کا کہ ان میں بہت سے ایسے اشخاص ہیں جنہیں قبر پرست اللہ کا ولی اور صاحب کرامت بزرگ کہتے اور سمجھتے ہیں، مگر بنظرِ حقیقت وہ ولایت اور صالحیت کے مناصب جلیلہ کے اہل ہی نہیں ہیں، ہم یہ نہیں کہتے کہ سب کا یہی حال ہے۔ بلاشبہ قبر پرستوں کے مزعومہ اولیاء و صالحین میں سے بعض افراد واقعی اللہ تعالیٰ کے صالح اور اطاعت گذار بندے ہوگذرے ہیں، مگر اکثریت کی ولایت اور بزرگی صحیح اور مسلم نہیں ہے۔

اس لیئے ہم اپنے کلام میں جہاں ''اولیاء و صالحین'' کا لفظ لاتے ہیں، بریکٹ میں (واقعی یا فرضی) کا جملہ لکھتے ہیں اور کبھی نہیں بھی لکھتے لہذا جہاں (واقعی یا فرضی) کے الفاظ استعمال نہیں کیئے گئے ہیں تو وہاں پر بھی مذکورہ بالا مطلب کو ذہن میں رکھیئے تا کہ لفظ اولیاء اور صالحین سے یہ دھوکہ نہ لگنے پائے کہ مشرکین اور قبر پرستوں نے جن ہستیوں کو اللہ کا ولی، مقرب اور بزرگ سمجھ رکھا ہے اور معبود کے درجہ پر ان کو فائز کر رکھا ہے واقع میں بھی وہ سب کے سب اللہ کے ولی اور صالح بندے ہیں۔ حاشا و کلا۔

مشرکین اوائل اصنام و اوثان کی ذات کی عبادت نہیں کرتے تھے

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مقدس ''قرآن مجید'' میں جس قوم کے کفر و شرک کو ثابت کیا اور ان پر رد فرمایا، نیز اپنے نبی ﷺ کو ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کے شرک کے بارہ میں یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ یہ لات، عزیٰ، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر وغیرہ کے نام پر بنائے گئے مجسموں، بتوں اور مورتیوں کی ذات کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے نزدیک یہ بت اور مورتیاں تو انہیں اولیاء و صالحین کی رموز تھیں جنہیں یہ اپنا مشکل کشا اور حاجت روا قرار دیتے تھے اور ان سے خیر و نفع کے حصول کی اور شر و فساد کے ازالہ کی امید رکھتے تھے۔ موجودہ دور کے قبر پرست مشرکوں کے شرک کی نوعیت بھی قدیم مشرکوں کے شرک کے ساتھ ہو بہو مشابہت رکھتی ہے۔

معلوم ہوا کہ مشرکین اوائل اور دور حاضر کے روشن خیال مشرک یکساں طور پر اولیاء و صالحین کی پرستش کے مرتکب ہوئے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ مشرکین اوائل اپنے بزرگوں اور ولیوں کے نام پر گھڑے گئے بتوں، مجسّموں اور مورتیوں کے

اردگرد طواف کرتے اور ان کے پاس اعتکاف بیٹھتے تھے۔ اور آج کے قبر پرست مشرک ان قبروں، تابوتوں، درگاہوں، قبوں اور سنگ مرمر کی عمارتوں کے گرد طواف کرتے ہیں اور ان کے پاس اعتکاف بیٹھتے ہیں جو ان کے اولیاء و صالحین کی طرف منسوب ہیں۔ مقصود اصلی نہ مشرکین اوائل کے ہاں اصنام و اوثان اور مورتیاں تھیں اور نہ ہی آج کل کے مشرکوں کا اصل مقصود ومطلوب قبر، تابوت، قبہ اور کوئی پکی عمارت ہے۔ بتوں، مجسموں، مورتیوں، قبروں، مزاروں اور آستانوں کی پرستش سے دونوں فریقوں کا مطمع نظر وہ اولیاء اور صالحین ہی ہیں جن کے نام پر انہوں نے یہ سب کچھ بنا رکھا ہے۔ اب پیش خدمت ہیں انکے دلائل۔

الف: اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر آپ کسی قبر پرست اور آستانہ کے عقیدت مند سے پوچھیں جو علی ہجویری، معین الدین چشتی، عثمان مروندی، احمد بدوی، شاہ عبداللطیف بھٹائی، امام رضا اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ میں سے کسی کی قبر کی زیارت کر کے یا ان کی خاک چاٹ کر آیا ہو کہ جناب! آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ تو وہ قطعاً یہ نہیں کہے گا کہ میں ان بزرگوں کی درگاہوں یا مزاروں سے ہو کر آیا ہوں، بلکہ وہ ان بزرگوں کا نام لے کر یوں کہے گا کہ میں داتا گنج بخش علی ہجویری، خواجہ معین الدین غریب نواز چشتی اجمیری، لعل شہباز قلندر، احمد بدوی، شیخ دستگیر عبدالقادر جیلانی، شاہ عبداللطیف بھٹائی یا امام رضا کے حضور حاضری دے کر آیا ہوں۔

یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ یہ شخص ان بزرگوں سے ذاتی طور پر ملاقات کر کے آیا ہے اور نہ ہی اس نے ان بزرگوں کو کبھی دیکھا ہے بلکہ یہ تو ان کی قبروں، مزاروں اور درگاہوں کا دیدار کر کے لوٹا ہے جو ان بزرگوں کے نام سے منسوب ہیں، اس سے صاف طور پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ قبر پرستوں کی محبتوں، عقیدتوں اور ارادت مندیوں کا اصل محور اصحاب قبور ہیں وہ اولیاء اور بزرگ ہیں جن کی طرف بلند و بالا اور پُر شکوہ ''عمارتیں'' (مزاریں) منسوب کی گئی ہیں۔ قبروں اور مزاروں کی حیثیت تو ایک ''رمز اور نشان'' کی ہے۔

ب: دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ جب مشکلات و مصائب سے دوچار ہوتے ہیں تو مدد کیلئے قبروں، مزاروں یا خانقاہوں کو نہیں پکارتے بلکہ وہ ان قبروں سے منسوب بزرگوں اور ولیوں کا نام لے کر ان سے مدد طلب کرتے ہیں۔ بالکل یہی طریقہ مشرکین اوائل کا تھا۔ ظاہری طور پر تو وہ لات، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر وغیرہ کے نام پر بنائے گئے بتوں کی طرف متوجہ ہوتے، ان کا طواف کرتے، ان کے آگے جھکتے اور عجز و نیاز کا اظہار کرتے تھے۔ مگر اپنی زبان سے یہ کہتے کہ ہم لات، ود، سواع، یغوث اور یعوق و نسر وغیرہ سے ہو کر آئے ہیں اور ہم نے انہیں کو پکارا ہے۔ حالانکہ انہوں نے ان بزرگوں کو دیکھا ہی نہیں تھا اور نہ وہ ان کے سامنے موجود تھے۔ لیکن بتوں اور مورتیوں کے ذریعہ سے وہ انہیں (لات، ودّ، سواع وغیرہ) کو پکارتے تھے اور انہیں مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے۔



بتوں کی عبادت درحقیقت اولیاء و صالحین ہی کی عبادت ہے

موجودہ دور کے قبر پرست اور آستانوں کے پجاری لوگ ابلیس کی تلبیس سے خود بھی ایک مغالطہ کا شکار ہیں اور عام مسلمانوں کو بھی اس مغالطہ دہی کے ذریعے راہِ ہدایت سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔

قبرپرستوں کا مغالطہ

چنانچہ قبر پرست کہتے ہیں کہ مشرکین اوائل، اولیاء اللہ اور صالحین کی پرستش نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ تو اصنام، اوثان اور تماثیل کی پوجا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے ان کے شرک کا یہی پہلو بیان کیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ مشرکین عرب بتوں، مجسموں یا تصویروں کی پوجا محض بتوں کی حیثیت سے نہیں کرتے تھے بلکہ وہ درحقیقت ان بتوں یا مجسموں کی صورت میں ان اولیاء اللہ کی عبادت کرتے تھے جن کے ناموں پر انہوں نے یہ بت یا مجسمے بنا رکھے تھے۔ آپ لوگوں کی مذکورہ بالا تاویل قطعاً غلط، بے بنیاد اور ناقابل قبول ہے، کیونکہ اگر مشرکین اوائل آپ حضرات (یعنی اہل توحید) کے کہنے کے مطابق اصولاً اولیاء اللہ اور صالحین کی ذات کی پوجا کرتے تھے اور اصنام، اوثان اور تماثیل کی حیثیت ان کے ہاں محض رمز یا کنایہ کی تھی، تو قرآن کریم اولیاء و صالحین کی عبادت پر ان کی مذمت فرماتا، اصنام، اوثان یا تماثیل پرستی کو شرک نہ قرار دیتا اور نہ ہی اس غیر مقصود عبادت پر ان کو زجر فرماتا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اصنام پرستی کی مذمت وارد ہے اور مشرکوں سے اس عمل سے باز رہنے کا تقاضا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ فَأَتَوْاْ عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَّهُمْ ﴾ ①

پھر وہ ایسی قوم پر گذرے جو اپنے بتوں کو لیئے بیٹھی تھی۔

اور فرمان ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَـذَا الْبَلَدَ آمِناً وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الأَصْنَامَ ﴾ ②

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو اس سے بچائے رکھ کہ ہم لوگ بتوں کی پوجا کرنے لگیں۔

اور ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَاماً آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلاَلٍ مُّبِينٍ ﴾ ③

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔

---

① سورۃ الاعراف: ۱۳۸ ② سورۃ ابراھیم: ۳۵ ③ سورۃ الانعام: ۷۴



اور ارشاد ہے:

﴿ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴾ ①

پس تم بچے رہو بتوں کی گندگی سے اور بچے رہو جھوٹی بات سے۔

اور فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ﴾ ②

تم تو اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹ تراشتے ہو۔

اور ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ﴾ ③

اور بالیقین ہم (اس سے بھی) پہلے ابراہیم (علیہ السلام) کو رشد وہدایت عطا کر چکے تھے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے جب انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم والوں سے کہا: یہ کیا مورتیاں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو؟

مذکورہ بالا جملہ آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین اوائل کی عبادت و پرستش کا مرکز ومحور اصنام، اوثان اور تماثیل ہی تھے۔ وہ براہِ راست انہی اشیاء کو پوجتے، انہیں مشکل کشا اور قاضی الحاجات گردانتے تھے۔ اگر ان مشرکوں کی عبادت بتوں کے پردہ میں اولیاء یا صالحین کی ہوتی تو قطعاً اللہ تعالیٰ انہیں بتوں کی عبادت سے منع نہ فرماتا۔ بلکہ اصلی و پوشیدہ معبود اولیاء وصالحین کی عبادت سے ہی منع فرماتا، جبکہ آیات کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ مشرکین اوائل کا شرک اصنام، اوثان اور تماثیل پرستی تک محدود تھا۔

ازالۂ مغالطہ:

سب سے پہلے بطور تمہید کے امت مسلمہ کے اس متفقہ عقیدہ کو ذہن نشین کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اختلاف، تضاد اور تعارض قطعاً محال اور ناممکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت، علیم، خبیر اور لطیف کا تقاضا ہے کہ اس کا ہر قول، علم، آگہی اور باریک بینی کے عالی قدر اوصاف سے متصف ہو، جس میں اختلاف، تضاد اور تعارض ایسے عیوب کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں کامل و یکتا ہے اور ہمہ قسم کے عیوب ونقائص سے منزہ۔

① سورۃ الحج: ۳۰
② سورۃ العنکبوت: ۱۷
③ سورۃ الانبیاء: ۵۱، ۵۲



اہل اسلام کے اس بنیادی عقیدہ کی معرفت کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ مشرکینِ اوائل کی عبادت کو کبھی تو اولیاء اللہ اور صالحین کیلئے ثابت کیا گیا ہے اور کبھی اصنام، اوثان اور تماثیل کیلئے۔ ایک ہی عبادت کو دو مختلف معبودوں کی طرف نسبت کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اس مسئلہ کی پوری تفصیلی بحث اسی باب میں آئندہ اوراق میں آئیگی۔ یہاں بعض ضروری نکات بیان کیئے جاتے ہیں تا کہ مغالطہ خور لوگوں کی خوش فہمی کا ازالہ ہوجائے، اور کلام اللہ میں مشرکوں کی عبادت کے محور، اصنام وغیرہ یا اولیاء اللہ کی نسبت وحقیقت کا علم واضح ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم کہتے ہیں کہ مشرکین اوائل کی عبادت ظاہری طور پر تو بتوں کیلئے ہوتی تھی مگر اصل میں وہ ان بتوں کے ذریعے سے ان ہستیوں کو پوجتے تھے جن کے نام پر انہوں نے یہ بت بنا رکھے تھے۔ بایں معنی کہ اولیاء وصالحین کی عبادت بالذات کرتے اور اصنام کی عبادت، اولیاء کی عبادت کے ضمن میں بالتبع کرتے تھے۔ اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے مشرکین اوائل کو کبھی بتوں کا پجاری کہا ہے اور کبھی اولیاء و صالحین کا عبادت گذار۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکوں کا یہ گروہ بتوں کا پجاری بھی تھا اور اولیاء و صالحین کی پرستش کرنے والا بھی، کیونکہ ان اصنام، اوثان اور تماثیل کی علیحدہ کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ یہ تو اولیاء اور برگزیدہ اشخاص کی شکل وصورت کے مطابق تراشیدہ بت اور مجسمے ہوتے، ان کو سامنے رکھ کر پوجنے سے ان کا بنیادی مقصد ہی یہی ہوتا تھا کہ ان مجسموں سے مراد شخصیات کی رضا حاصل ہوجائے۔

بیک وقت دو معبودوں کی عبادت کیسے؟

قارئین کرام! سطورِ بالا میں آپ کے سامنے یہ بات گذر چکی ہے کہ مشرکین اوائل بتوں کے پجاری بھی تھے اور اولیاء اللہ کی پرستش کرنے والے بھی۔ ذیل میں اس امر کی وضاحت کی جاتی ہے کہ وہ بیک وقت دو معبودوں کی عبادت کیسے کرتے تھے؟

سو واضح رہے کہ مشرکین اوائل کے اعمال دو طرح کے ہوتے تھے۔ ایک عمل کا تعلق اصنام کے ساتھ ہوتا تھا جبکہ دوسرے کا تعلق ایسے اولیاء کے ساتھ ہوتا جو کہ یا تو واقعتہً اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور محبوب انسان ہوتے تھے یا مشرکین کی نظروں میں وہ اولیاء اللہ شمار ہوتے تھے۔ قطع نظر اس سے کہ ان کا اللہ کے ہاں کیا مقام ہے؟

بت پرستوں کا معاملہ اصنام کے ساتھ :

وہ امور جو مشرکین اپنے بتوں، مجسموں یا تصویروں کے ساتھ روا رکھتے، یہ تھے کہ وہ مشکلات کے وقت ان کی طرف دوڑتے، ان کی طرف رجوع کرتے، ان کے گرد طواف کرتے، ان کے پاس مخصوص مدت تک اعتکاف بیٹھتے اور



ان کے حضور جانوروں اور مال کی نذر و نیاز پیش کرتے تھے۔ انہی امور شنیعہ کی وجہ سے ان مشرکوں کو بتوں کا پجاری کہا گیا ہے، کیونکہ مشرکین ان جملہ امور کو بتوں کیلئے کرتے تھے۔

بت پرستوں کا معاملہ اولیاء و صالحین کے ساتھ:

اولیاء اللہ اور صالحین کے متعلق مشرکوں کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ لوگ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی اور وسیلہ ہیں۔ ان کو اللہ کی بادشاہت میں معاون یا مددگار کی حیثیت حاصل ہے، یہ لوگوں کی مشکلات کا ازالہ کرا سکتے ہیں اور انہیں فائدہ بھی مہیا کرا سکتے ہیں۔ اپنے انہی عقائد کی بنا پر مشرک لوگ ان اولیاء و صالحین کو مصائب ونوائب میں پکارتے، ان سے اپنی حاجات طلب کرتے، انہی پر توکل و اعتماد کرتے، ان کی ناراضگی سے بچتے کہ انہیں ان کی ناراضگی کی وجہ سے کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ اسی بنا پر اولیاء اللہ اور صالحین کے ناموں پر نذر و نیاز دیتے، مشرکین اوائل اولیاء و صالحین کے لئے ان امور کو سرانجام دیتے ہوئے درحقیقت ان کی عبادت کر رہے ہوتے تھے، کیونکہ ان جملہ امور کا مرکز اولیاء کی ذات ہوتی تھی۔ جبکہ بتوں کی عبادت سے مراد اولیاء کی رضا حاصل کرنا مقصود ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے بتوں کی پرستش کی حیثیت وسیلہ کی اور اولیاء کی عبادت کی حیثیت ایک مقصود و مطلوب کی تھی۔ مشرکین ان دونوں قسم کے شرکیہ کاموں کا شکار تھے۔

بعینہٖ اسی طرح آج کل کے قبر پرستوں کے اعمال و افعال اور افکار و عقائد بھی مشرکینِ اوائل کے عقائد و اعمال کے ساتھ مشابہت تامہ رکھتے ہیں۔ ان کے کچھ عقائد و اعمال کا تعلق قبروں کے ساتھ قائم ہے اور کچھ کا قبر میں مدفون شخص کے ساتھ، قطع نظر اس بات کے قبر میں مدفون شخص اللہ کا ولی ہے اور واقعتہً ایمان کے تقاضوں پر چلتے چلتے فوت ہو جانے والا فرد ہے یا صرف معتقدین و مریدین کے زعم میں ولی اللہ ہے۔

قبر پرستوں کا معاملہ قبروں کے ساتھ:

قبر پرست لوگ بھی اپنے پیشرو قدیم مشرکوں کی طرح مخصوص قبروں کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں۔ جس طرح قدیم مشرک لوگ اپنے بتوں کی تعظیم کرتے تھے قبوری لوگ بھی اپنے مشکل کشاؤں کی قبروں پر قیمتی چادریں چڑھاتے ہیں، ان کے اوپر عالیشان عمارت قائم کرتے ہیں، کروڑہا روپے خرچ کر کے ان کی زیبائش کا اہتمام کرتے ہیں، قبر کے گنبدوں، دیواروں اور دروازوں پر نقش نگاری کے ساتھ ساتھ ان پر نہایت ہی نفیس پردے اور غلاف لگاتے ہیں۔ نیز ان قبروں کو بوسہ دیتے ہیں، برکت کے ارادہ سے ان کو ہاتھ لگاتے ہیں، ان کا طواف کرتے اور ان کو سجدہ کرتے ہیں، اور ان قبروں پر جانوروں اور ناں کی صورت میں نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔ چونکہ وہ یہ سب کام قبروں کے لئے کرتے ہیں اس لئے ان کو



عُبادالقبور (قبر پرست) کہا جاتا ہے۔قبروں کی تعظیم وتکریم کے باوجود قبر پرستوں کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہوتا کہ قبر یا اس کا کوئی حصہ ہماری مشکل آسان کرسکتا ہے۔ وہ کبھی بھی یہ نہیں سوچتے کہ قبر کا گنبد، اس کی عالیشان سنگ مرمر کی دیواریں، اس کے دیدہ زیب وکامدار غلاف یا قبر پر لٹکتے ہوئے زریں فانوس ان کی حاجت برآری کرسکتے ہیں۔

کیا کبھی دیکھا ہے کہ کوئی قبر کا پجاری قبر کے کسی بھی حصہ کو پکارتا ہوا کہے: اے عالیشان گنبد! اے عظیم القدر غلاف! اے منقش و دیدہ زیب دیوارو! اے مہکتی ہوئی معطر چادر مجھے مشکلات سے نجات ولادے، یا میری حاجات کو پورا کردے۔ جواب نفی میں ہوگا۔ جس طرح بت پرست قومیں بتوں کی ذات کو مشکل کشا نہیں سمجھتی ہیں بالکل اسی طرح قبر پرست لوگ بھی قبر کی ذات کو مشکل کشا نہیں سمجھتے ہیں، بت پرست بتوں کے حوالے سے بتوں سے معنون شخصیتوں کو اور قبر پرست قبروں کے حوالہ سے اصحابِ قبور کو پکارتے ہیں۔ اندازہ کیجئے کس قدر زبردست مشابہت ہے دونوں مشرک قوموں کے افکار، عقائد اور اعمال میں۔

قبر پرستوں کا معاملہ اولیاء و صالحین کے ساتھ:

قبروں کو چومتے چاٹتے، ان کا طواف کرتے، ان پر ریشمی پردے، غلاف اور چادریں چڑھاتے، ان پر عالیشان عمارت تعمیر کرتے اور ان پر جانور ذبح کرتے اور مال کی نذر و نیاز دیتے وقت قبر پرستوں کا تصور، خیال اور ذہنی وقلبی لگاؤ صاحبِ قبر کی طرف مرکوز رہتا ہے۔ وہ قبر میں مدفون شخصیت کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا سفارشی اور وسیلہ تصور کرتے ہیں اور اپنی تمام تر امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز!۔۔۔۔ اگر انہیں ڈر ہوتا ہے تو ان کی ناراضگی کا اور خواہش ہوتی ہے تو ان ساکنین قبور کی محبت کی مذکورہ بالا جملہ افعال کی وجہ سے قبر پرست اولیاء وصالحین پرست بن جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مشرکینِ اوائل اور موجودہ دور کے قبر پرستوں کے ظاہری اعمال و افعال کا تعلق بتوں اور قبروں کے ساتھ ہوتا ہے اور باطنی عقیدہ کے اعتبار سے دونوں گروہوں کا ربط اولیاء وصالحین کے ساتھ۔ یعنی عبادت کا اصل مقصود اور جوہر باطنی عقیدہ اور قلب ونیت کا ارادہ ہوتا ہے اور وہی اولیاء وصالحین کیلئے خاص کردیا جاتا ہے۔ گو ظاہری عمل کا انسان کی شناخت میں بہت بڑا دخل ہوتا ہے، مگر مقصود بالذات قلبی حرکات ہوتی ہیں۔ جب ان مشرک گروہوں نے اپنے ظاہر وباطن کو غیر اللہ کے لئے وقف کر رکھا ہے، تو کیوں نہ کہا جائے کہ بتوں اور قبروں کے پجاری جہاں وہ بت پرستی اور قبر پرستی کے شرک میں مبتلا ہیں وہاں وہ اسی لحظہ اولیاء وصالحین کی پرستش کے مہلک مرض شرک میں بھی مبتلا ہیں۔ اس مسئلہ کی مزید وضاحت کیلئے سورہ شعراء کی چند آیات لکھی جاتی ہیں جن سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجائے گی کہ مشرکینِ اوائل کی عبادت بیک وقت بتوں کیلئے بھی ہوتی تھی اور اولیاء وصالحین کیلئے بھی۔



اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ٥ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ٥ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَاماً فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ٥ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ٥ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ٥ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَ نَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ٥ قَالَ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ٥ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ٥ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴾ ①

اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کیجئے، جبکہ انہوں نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا، تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔ وہ بولے ہم تو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ہم انہیں پر جمے رہتے ہیں۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا اچھا تو یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا یہ تم کو کچھ نفع یا ضرر پہنچا سکتے ہیں؟ وہ بولے (نہیں) البتہ ہم نے اپنے بڑوں کو اس طرح کرتے ہوئے پایا ہے۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا بھلا تم نے ان (کی اصل حالت) کو دیکھا بھی ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو تم خود اور تمہارے پرانے بڑے بھی؟ یہ تو میرے دشمن ہیں، مگر پروردگار عالم۔

قارئین کرام! سورہ شعراء کی آیات مذکورہ میں موجودہ نکات پر غور کیجئے، بڑی آسانی سے بیک وقت 'صنم پرستی' اور 'ولی پرستی' کا مسئلہ واضح ہو جائے گا۔ دیکھئے جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مشرکوں سے دریافت فرمایا کہ تم کس چیز کی پوجا کرتے ہو؟ جواب میں مشرکوں نے کہا "نعبد اصناما" ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ مشرکوں کے جواب میں لفظ "اصنام" وارد ہوا ہے، اصنام جمادات کے قبیل سے تعلق رکھنے والی ایک شیء ہے، اس لئے اس کو جمع مونث غیر حقیقی کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اصنام کے بعد 'لھا' میں 'ھا' ضمیر مونث آئی ہے جس کا مرجع اصنام ہے جو کہ غیر ذی العقول ہے مشرکوں کے واضح جواب، ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں، کے باوجود اور خود سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے یہ جاننے کے باوجود کہ اصنام (بت) ذوی العقول (عقل سے بہرہ مند مخلوق) نہیں ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ٥ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴾ ①

اچھا تو یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔

یہاں پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے صیغہ جمع مذکر ذوی العقول هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ کا استعمال فرمایا ہے،

---

① سورۃ الشعراء: ۶۹ إلی ۷۷

حالانکہ مشرکین کی جواب میں اصنام کا لفظ غیر ذوی العقول وارد ہوا ہے، اس کی مناسبت سے تو "هل تسمعكم أذتدعون أو تنفعكم او تضر" کے الفاظ آنے چاہئے تھے جیسا کہ قواعد نحو یہ کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قول " هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ○ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ" میں استعمال کیئے جانے والے جمع مذکر ذوی العقول کی تین صیغوں "يسمعون، ينفعون اور يضرون" سے مراد وہ اشخاص اور انسان ہیں جن کے ناموں پر وہ بت، مجسمے اور مورتیاں تراشی گئی تھیں۔

اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام مشرکوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

﴿ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴾ بھلا تم نے ان (کی اصل حالت) کو دیکھا بھی ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو؟

سیدنا ابراہیم کے اس قول میں وارد لفظ "ما" کا کلام عرب میں اکثر و بیشتر غیر ذوی العقول اشیاء کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، اس لئے اس سے مراد اصنام (بت) ہیں۔ اس کے فوراً بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴾ پس یہ تو میرے دشمن ہیں مگر جہانوں کا پالنہار

یہاں پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ضمیر 'هُم' کا استعمال فرمایا ہے جو ذوی العقول کے لئے لکھی اور بولی جاتی ہے، لفظ "ما" کی مناسبت سے 'فانها' نہیں فرمایا، جو صاف دلیل ہے اس بات کی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مقصد برأت اور لاتعلقی کا اظہار ہے ایسے اشخاص اور ایسے افراد سے کہ جن کے ناموں پر بت تراشے گئے اور ان کی اللہ کو چھوڑ کر پوجا کی گئی۔

مذکورہ بالا تشریح سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مشرکینِ اوائل ذاتی اور حقیقی طور پر ان اشخاص کی عبادت کرتے تھے جنہیں وہ اللہ کا ولی یا نیک انسان سمجھتے تھے، قطع نظر اس سے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کیا مقام تھا۔ یا واقعی طور پر وہ اشخاص اولیاء اللہ اور اللہ کے نیک بندے تھے، ان حقیقی یا فرضی اولیاء و صالحین کی عبادت کے ضمن میں وہ ان بتوں کے پجاری بھی تھے جنہیں ان لوگوں نے اولیاء و صالحین کی حد درجہ محبت کی وجہ سے تراشا تھا اور ان کی تعظیم بجا لائی تھی۔ اس لحاظ سے یہ لوگ بتوں اور اولیاء کے پرستار ثابت ہوئے۔ قرآن کریم اور سنت مطہرہ کی روشنی میں یہ دونوں قسم کے عمل شرک اکبر میں شمار ہوتے ہیں۔ لہٰذا کوئی گروہ یہ کہہ کر خوش فہمی میں مبتلا نہ رہے کہ قرآن میں بتوں کی پرستش سے منع کیا گیا ہے۔ رہے اولیاء اللہ اور صالحین تو ان کی پوجا و پرستش جائز ہے۔ اور (معاذ اللہ) ان کے مشکل کشا، حاجت روا اور متصرف الامور ہونے کا اعلان خود شریعت نے کر دیا ہے۔ قبر پرست گروپ عجب نرالا گروپ ہے، ان کی نگاہ میں ہندو بت پرست کافر، یہودی عزیر علیہ السلام پرست کافر، عیسائی مریم علیہا السلام و عیسیٰ علیہ السلام پرست کافر اور مجوسی وو آلِہ کا



پرستار کافر، مگر یہ گروپ خود قبروں ولیوں، بزرگوں اور بے شمار اشجار و احجار کی اللہ کے علاوہ پوجا کرنے کے باوجود مُوحِد اعظم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے! سمجھ نہیں آتا کہ مشرکین اوائل اور موجودہ مشرکوں کے اس قدر مساوی عقائد و اعمال کے باوجود موجودہ مشرکوں نے اپنے لئے ''امتیاز'' کس دلیل کو بنا رکھا ہے؟

الفاظ کے تغیر وتبدل سے حقائق نہیں بدل سکتے

یہ بات قارئین کرام کو حیرت زدہ کر دے گی کہ دورِ حاضر کے قبر پرست لوگ جو غیر اللہ کے آستانوں پر سجدے کرتے نہیں تھکتے، کہتے ہیں کہ ہم ان قبروں کی یا ان میں مدفون بزرگوں کی عبادت بالکل ہی نہیں کرتے، ہم اگر اولیاء اللہ کو اپنی حاجات میں پکارتے، ان سے مدد مانگتے، ان کے لیئے نذر و نیاز دیتے، چڑھاوے چڑھاتے، اور ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یا ان سے اپنی مصائب و مشکلات بیان کرتے ہیں تو اس سب کچھ سے مقصود قطعاً ان اولیاء و صالحین کی عبادت کرنا نہیں ہے؛ بلکہ ان سب اعمال و اقوال سے ہمارا مطلب ان اصحابِ قبور کی تکریم و تعظیم، ان سے توسل اور ان کی ارواح کی خوشنودی و رضا ہی ہوتا ہے۔ رہے مشرکین اوائل تو وہ اولیاء و صالحین کی عبادت کرتے تھے اور اپنی اس عبادت کا واضح الفاظ میں اعتراف بھی کرتے تھے، اس لیئے ان کا مشرک ہونا مسلم امر ہے۔ خود قرآن کریم نے ان مشرکین اوائل کا اعتراف نقل فرمایا ہے:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ ①

ترجمہ: ہم ان کی عبادت صرف اس لیئے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں۔

اس کے برعکس ہم پوری شدت اور کھلے الفاظ کے ساتھ اپنے بزرگوں اور ولیوں کی عبادت کا انکار کرتے ہیں، اس اعتبار سے ہمارے اور قدیم دور کے مشرکین کے مابین ایک نمایاں فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مشرکین اوائل غیر اللہ کی عبادت کے اقراری ہیں، اس لیئے وہ اپنی گواہی کی بنیاد پر مشرک ثابت ہوگئے جبکہ ہم غیر اللہ کی عبادت کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں، لہٰذا ہمیں مشرک نہ قرار دیا جائے۔

مشرکوں کی تلبیس کا ازالہ:

آستانہ پرست حضرات اپنی اس باطل تاویل کے ذریعہ سے شرک پر مرتب ہونے والے حکم ربانی سے فرار چاہتے ہیں، وہ الفاظ کے تغیر وتبدل سے حقائق کو ہی بدل دینے کی ناکام کوشش کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حکم کو نافذ کر دینے والی علّت (جسے علّت موجبہ کہا جاتا ہے) جب تک موجود ہے حکم لازماً نافذ ہوتا رہے گا، آستانہ پرست لوگ

① سورة الزمر: ٣



اپنے فلسفوں کے کتنے زورآور گھوڑے دوڑاتے رہیں، انہیں حکم کے صدور سے فرار نصیب نہیں ہوسکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ افعال، اعمال اور مقاصد و نیات ہی وہ چیزیں ہیں جن پر حکم مرتب ہوتا ہے، الفاظ یا تعبیرات کا حکم کے لزوم یا عدم لزوم میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کسی شخص نے بت پرستی کو اپنی عادت بنا رکھا ہے لیکن وہ اپنی صریح بت پرستی کے باوجود غیر اللہ کی عبادت کی مذمت کرتا ہے اور کھلے لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ میں غیر اللہ کی عبادت کو حرام سمجھتا ہوں۔ کیا ایسے شخص کو اس کا یہ اعلانِ برأت فائدہ دے سکتا ہے؟ اور کیا یہ شخص شرک کے صدور کے لازمی حکم سے خود کو بچا سکتا ہے؟ جواب لازماً نفی ہی میں ہوگا۔

آج کل کے قبر پرستوں کا حال بعینہٖ اسی طرح ہے کہ بدعیانہ اعمال و افعال اور شرکیہ عقائد و تصورات نے انہیں صحیح دین سے ہٹا کر جہالت اور ظلم کے عمیق گڑھوں میں منہ کے بل گرا دیا ہے، لیکن خود فریبی کے مرض نے ان کی قوتِ فکر کو مختل کر دیا ہے کہ غیر اللہ کی بھرپور عبادت کے باوجود اپنے آپ کو اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا قرار دیتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کا یہ انکار کوئی فائدہ نہیں دے سکتا، کیونکہ شرکیہ اعمال اور غیر اللہ کی عبادت کے مظاہر علّتِ مُوجِبہ کے شکل میں ان کے انکار و برأت کی بات کو بے وزن، کھوکھلا اور بے بنیاد قرار دینے کیلئے موجود ہے۔

قدیم زمانہ کے مشرکوں اور دورِ حاضر کے مشرکوں کے نفس شرک میں کوئی فرق نہیں ہے

یہ بات قطعی اور حتمی ہے کہ دور حاضر کے قبر پرست افراد و جماعات غیر اللہ کی عبادت کے لحاظ سے قدیم زمانہ کے مشرکوں کے ساتھ جوہری اتحاد رکھتے ہیں، ان کا شرک دور جاہلیت کے شرک کے ساتھ متحد و مساوی ہے۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ مشرکین اوائل اگر عملی طور پر غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے تو زبان سے اپنے اس عمل کا اقرار و اعتراف بھی کرتے تھے، لیکن موجودہ دور کے مشرکین عبادت تو غیر اللہ کی کرتے ہیں۔ بلکہ اکمل طریقہ سے کرتے ہیں مگر زبان سے اپنی عبادت کا اقرار نہیں کرتے بلکہ اپنی عبادت کو ''عبادت'' کا نام دینے کی بجائے دوسرے نام دے دیتے ہیں، مثلاً کبھی اس عبادت کو تبرک کہتے، کبھی ''محبت و وسیلہ'' کا نام دیتے اور کبھی اس کو بزرگوں کی تعظیم و توقیر سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں دونوں فریقوں کا عمل ایک ہی ہے اگر کوئی فرق ہوسکتا ہے تو وہ صرف اور صرف اسی قدر ہے کہ مشرکین اوائل اپنے شرکیہ عمال میں جرأتمندی کے مقام پر فائز تھے، اپنی بدعملی پر نیکی کا لیبل نہیں چڑھاتے تھے، بلکہ علی الاعلان اپنے شرک کا



اعتراف کرتے تھے۔ جبکہ دور حاضر کی مشرک خود فریبی کے مرض میں یا اللہ اور مؤمنین کو دھوکہ دینے کی عادت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کام ابوجہل وابولہب اور مشرکین اوائل والا کرتے ہیں۔ مگر انجام محمد ﷺ اور اصحاب محمد ﷺ کا طلب کرتے ہیں اور اپنے آپ کو سچا موحد جانتے ہیں۔ بس یہی اقرار وانکار کا فرق ہے اور اس اقرار وانکار کے علاوہ کوئی اور فرق نہیں۔

مشرکوں کا سب سے بڑا شبہ

توحید وسنت کے حاملین کی طرف سے جب اللہ تعالیٰ کے فرامین:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيْلاً ﴾ ①

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو انہیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ ہی بدل سکتے ہیں۔

نیز فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيْرٍ ﴾ ②

ترجمہ: اور جنہیں تم اس کے سوا پکار رہے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے بھی مالک نہیں۔

نیز فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَجِيْبُونَ لَهُم بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴾ ③

ترجمہ: جو لوگ اوروں کو اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کے کسی کام پر نہیں پہنچتے مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں پڑ جائے، حالانکہ وہ پانی اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں، ان منکروں کی جتنی پکار ہے سب گمراہی ہے۔

نیز فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا إِلَى اللهِ زُلْفٰى ﴾ ④

ترجمہ: اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لیئے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں۔

اور ان جیسی دیگر آیات کریمہ کو پڑھا جاتا ہے اور ان کی روشنی میں شرک کی حقیقت کو آشکارا کیا جاتا ہے تو دور حاضر کے قبر پرست اور اسلاف کے مدفنوں کی خبیث تجارت کرنے والے جواب دیتے ہیں کہ آپ لوگ جتنی آیات پیش

① سورۃ الاسراء: ۵۶، ۵۷
② سورۃ فاطر: ۱۳
③ سورۃ الرعد: ۱۴
④ سورۃ الزمر: ۳

کر رہے ہیں ان کا تعلق دورِ جاہلیت کے مشرکوں کے ساتھ ہے؛ کیونکہ یہ آیات انہی کے رد اور انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں لہذا یہ صرف اور صرف انہی کے ساتھ خاص ہونگی۔

مزید یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ (قبر پرست) اولیاء اللہ اور بزرگان کرام کی تعظیم وتوقیر کیلئے ان کی قبروں یا خانقاہوں پر جاتے ہیں ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں، منتیں مانگتے ہیں اور غائبانہ حاجات میں ان سے مدد طلب کرتے ہیں ان آیات کا ان لوگوں سے کوئی واسطہ یا مناسبت ہی نہیں ہے اور نہ ہی یہ آیات ان لوگوں کے مذکورہ بالا اعمال وعقائد پر منطبق ہوتی ہیں۔

قبر پرستوں کے اس شبہ کے ازالہ کیلئے قاعدے

آستانہ پرستوں اور تاجرانِ قبور کی مذکورہ بالا تاویل خود فریبی اور جی کے بہلاوے پر مشتمل خوش فہمی کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتی، ان کی یہ دلیل تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے، اور دلیل و حجت کے میدان میں رائی کے دانے کے برابر بھی وزن نہیں رکھتی۔

یہ حقیقت ہے کہ آیات مذکورہ مشرکین عرب کے دور میں اور انہیں کے اعمال وعقائد کی رد میں نازل ہوئی ہیں۔ بلکہ صرف یہی آیات ہی نہیں پورا قرآن مجید مشرکین عرب کے زمانہ میں نازل ہوا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ متفقہ و مسلمہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ سارے مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ آخری اور ہمیشہ رہنے والا کلام ہے جو ہر زمانہ، ہر علاقہ اور ہر فرد کیلئے زندہ و خالد پیغام ہے، اس کے مخاطب اللہ تعالیٰ کے سبھی بندے ہیں، اس کے اوامر ونواہی ہمیشہ کیلئے ہیں، اوامر کا اتباع اور نواہی سے اجتناب ہر انسان پر فرض ہے، یہ کتاب زبان، علاقہ، زمانہ اور رنگ ونسل کے امتیازات سے مُبرّا ومنزہ ہے۔ مزید تشریح کیلئے قارئین کرام دو قاعدے سمجھ لیں۔

پہلا قاعدہ:

قرآن کریم میں اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوصِ سبب کا نہیں۔

قرآن فہمی اور استنباطِ احکام کیلئے ایک قاعدہ کلیہ یہ بیان ہوا ہے:

فالعبرة في القرآن بعموم اللفظ لا بخصوص السبب. ①

یعنی: قرآنی احکامات میں الفاظ کا عموم معتبر ہوتا ہے، نہ کہ ان الفاظ کے مخصوص اسباب۔

چنانچہ آیت

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَخُونُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ وَتَخُونُوٓا۟ أَمَـٰنَـٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ ②

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (کے حقوق) میں خیانت مت کرو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خیانت نہ کرو اور تم جانتے ہو۔

کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ مذکورہ قاعدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

① كيف نفهم التوحيد: ص ۵۲　② سورة الانفال: ۲۷

والصحیح ان الآیة عامة وان صح أنها وردت علی سبب خاص، فالأخذ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب عندالجماهیر من العلماء. ①

صحیح موقف یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے، اگرچہ اسکا نزول ایک خاص سبب کے تحت ہوا ہے، اس لیئے کہ جمہور علماء کے نزدیک اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ انکے خاص اسباب کا

دوسرا قاعدہ:

حکم کادارومدار ہمیشہ علت پر ہوتا ہے جہاں علت پائی جائے گی حکم لازم ہوتا جائے گا۔

جمہور علماء امت نے فہم قرآن اور اخذ احکام کیلئے ایک قاعدہ کلیہ یہ بھی بیان کیا ہے:

والقاعدة الثابتة عند جمیع المسلمین وهی أن الحکم یدور مع العلة، فأینما وجدت العلة وجب الحکم. ②

ترجمہ: اور سارے مسلمانوں کے ہاں یہ قاعدہ ثابت و مسلم ہے کہ حکم کا محور علت ہوتی ہے، پس جہاں علت پائی جائے گی وہاں حکم بھی وارد ہوتا جائے گا۔

ان دونوں قاعدوں کو سامنے رکھ کر اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ جاہلیت کے دور میں جو شرک ہوتا تھا اس کی علت کیا تھی؟ اس کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ کیا وہی علت آج کل کے قبر پرستوں اور آستانہ کے پجاریوں میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟

تو لیجیئے کھلی آنکھوں اور صاف دل و دماغ کے ساتھ دونوں مشرک قوموں (مشرکین اوائل اور مشرکینِ دورِ حاضر) کے شرکیہ عقائد و اعمال کا موازنہ کر لیں، ان سب کے اغراض و مقاصد کا جائزہ لیں جس سے حقیقت خود بخود روزِ روشن کی طرح نمایاں ہو جائے گی۔

مشرکین اوائل کے شرک کی علت و کیفیت یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنی جیسی مخلوق کو غائبانہ حاجات میں پکارتے ان کیلئے نذر و نیاز دیتے اور ان سے امیدیں وابستہ کرتے، ان کو راضی کرنے میں حد درجہ خوشی محسوس کرتے، ان کے غیظ و غضب سے لرزاں و ترساں رہتے اور اپنے مصائب و مشکلات میں انہی پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے مخالفین کو خوفزدہ کرتے تھے، اس یقین و اعتماد کے ساتھ کہ یہ ہستیاں ہم سے راضی ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے لیئے سفارش کریں گی۔

اندازہ کریں کیا دور حاضر کے مشرکین، قبر پرست اور آستانہ کے پجاری حضرات آج کل بعینہ یہی کچھ نہیں کر رہے ہیں؟ یہ بھی اپنے جیسی محتاج مخلوق کو غائبانہ حاجات میں پکارتے، ان کے نام کی نذر و نیاز تقسیم کرتے، قدم قدم انکے غیظ و غضب سے ڈرتے، ان سے اپنی دنیا و آخرت کی امیدیں قائم رکھتے، مصائب و مشکلات میں ان سے گریہ وزاری کے ساتھ ساتھ ان سے فریادیں کرتے اور اپنے مخالفین کو ان معبودانِ باطلہ کی پکڑ سے ڈراتے ہیں۔ ان سب اعمال کے پس منظر میں جو غرض پوشیدہ ہے وہ یہی کہ ہمارے یہ معبود ہم سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے لیئے واسطہ اور وسیلہ بن کر سفارش کریں گے۔

① تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۰۱/ کیف نفهم التوحید ص ۵۲ ② کیف نفهم التوحید ص ۵۲



جب دونوں فریق (مشرکین اوائل اور دور حاضر کے قبر پرست) شرک کی علت اور غرض و غایت، بلکہ شرک کے جملہ اعمال میں حیرت انگیز طور پر متحد اور مشترک ہیں تو پھر شرک کا حکم بھی بغیر کسی تفریق و تمیز کے دونوں پر مساوی طور پر لاگو ہوگا، کیونکہ فریقین غیر اللہ کو پکارنے، ان کی نذر و نیاز دینے، ان کے لیئے اعتکاف، طواف کرنے، ذبح کرنے، رکوع و سجود اور امید و خوف کا تعلق ان سے قائم کرنے اور ان سے شفاعت و تقرب کی امید رکھنے میں مکمل طور پر متحد و متفق ہیں۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا شرک و بدعت کے زہریلے جراثیم کے متعلق لوگوں کو ڈرانے کا تذکرہ

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آج سے چودہ صدیوں پہلے کینسر اور زہر سے زیادہ مہلک اور تباہ کن مرض ''شرک'' کے متعلق اپنے خوف و خطرہ کا اظہار کرتے ہوئے لوگوں کو ڈرایا تھا۔ تعجب ہوتا ہے کہ لوگ اس سب کچھ کے جاننے کے باوجود بری طرح اس ہلاکت خیز جرم میں پھنسے ہوئے ہیں اور اسے عین حق اور صواب تصور کرتے ہیں۔ خیر خواہی کرنے والوں کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کی خیر خواہی کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا تھا:

ستنقض عری الإسلام عروة عروة. ①

ترجمہ: عنقریب اسلام کی مضبوط زنجیر کڑی، کڑی ہو کر ٹوٹ جائے گی۔

آپ سے دریافت کیا گیا کہ یہ خوفناک صورتحال کب اور کیسے وقوع پذیر ہوگی؟
تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اذا نشأ فی الإسلام من لایعرف الجاهلیة. ②

ترجمہ: جب اسلام میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جنہیں دورِ جاہلیت کے متعلق ذرہ بھر بھی واقفیت نہ ہوگی۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ (جو وحی الٰہی کے اسرار و رموز سے واقفیت رکھتے تھے) کا دور بینی اور دور اندیشی پر مبنی یہ خدشہ ان کی فہم و فراست کا نادر ترین نمونہ ہے کہ جو خوف انہوں نے صدیوں پہلے محسوس فرمایا تھا وہ حرف بحرف صحیح اور درست ثابت ہوگیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ دور حاضر کے قبر پرستوں کو دور جاہلیت کے حالات کا علم ہے اور نہ ہی اس ظلمت زدہ دور کے مشرکین کے عقائد و اعمال سے ان کو کوئی شناسائی ہے۔ اسی عدم واقفیت کے مرض نے ان کو شرک کے انتہائی تاریک گڑھوں میں پھینک دیا ہے۔

① کیف نفهم التوحید ص ۴۴ ② کیف نفهم التوحید ص ۴۵

اگر قبر پرستوں کو صحیح طور پر معلوم ہو جائے کہ اموات کو غائبانہ حاجات میں پکارنا، ان کی خوشنودی کیلئے جانور ذبح کرنا، ان کے نام کی نذر و نیاز دینا، ان کی قبروں، تابوتوں، درگاہوں اور قبوں کے سامنے عجز وانکساری کے ساتھ رکوع وسجود کی حالت میں دامنِ طلب پھیلانا اور ان مقامات کے اردگرد طواف کرنا یا ان کے پاس اعتکاف بیٹھنا تاکہ ان کی طرف سے واسطہ و وسیلہ مہیا ہو جائے، یہی دور جاہلیت کے مشرکین کا شعار رہا ہے اور وہ اسی تباہ کن دلدل میں پھنس کر ابدی جہنمی سزاؤں کے مستحق ٹھہرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے انہی اعمال کو کفر اور شرک قرار دے کر مسلمانوں کیلئے ان کے مال و جان کو حلال کیا ہے اور انہی اعمال وعقائد کے رد میں سیدنا محمد کریم ﷺ نے مشرکین سے بدر، احد، خندق اور حنین میں ان کے ساتھ تلواروں اور تیروں سے لڑائیاں لڑیں، جہاد وقتال کے میدانوں کو اپنی مبارک شخصیت کے ساتھ رونق بخشی۔

اگر یہ سب کچھ ان لوگوں (دورِ حاضر کے مشرک وقبر پرستوں) کی سمجھ میں آ جاتا اور وہ اسے قبول بھی کر لیتے تو یہ اپنے پیش رو مشرکین کے عقائد و اعمال پر شدت سے کاربند نہ ہوتے اور نہ ان لوگوں سے الجھتے جو خیر خواہی کے جذبات کے تحت ان کو شرک سے منع کرتے ہیں۔ بلکہ یہ اپنی اصلاح کرتے اور دوسروں کے لئے مصلحانہ کردار ادا کرتے۔ اصل روگ (مرض) ہی لاعلمی و جہالت کا ہے، اس چیز کا ادراک ہی نہیں کہ امام الانبیاء والمرسلین ﷺ نے اپنے دور کے مشرکین کی کیا اصلاح فرمائی تھی؟ اور وہ لوگ کس قسم کے عقائد واعمال میں جکڑے ہوئے تھے۔

غیراللہ کی عبادت کسی تفصیل کے بغیر ھی کفر و شرک ھے

قبر پرستوں نے کچھ شبہات پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہوئی ہے۔ یہ ان شبہات کے ذریعے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی واضح آیات و احادیث سے روگردانی کرتے ہیں۔ اپنے اسی ہتھیار سے وہ کتاب وسنت کے عالموں سے لڑتے جھگڑتے ہیں۔

قبر پرستوں کا اصل شبہ: چنانچہ ان قبر پرستوں کے جملہ شبہات میں سے سب سے بڑا، اور بنیادی شبہ، جسے وہ دلیل الادلۃ یا اُم الادلۃ کی حیثیت دیتے ہیں اور اسے بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں، یہ ہے کہ:

مشرکین اوائل اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں، مورتیوں اور مجسموں کی عبادت کرتے تھے، ان سے حاجات طلب کرتے تھے، اور ان سے اپنی مشکلات میں مدد حاصل کرتے تھے۔ حالانکہ یہ پتھر ہوتے تھے، ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مقام ومرتبہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے برعکس ہم تو ان اولیاء اللہ اور صالحین کرام کو پکارتے، ان سے مدد مانگتے اور ان کے حضور عاجزی کے ساتھ دامن پھیلاتے ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مقام ہے۔ ان کی جاہ ومنزلت اتنی اونچی ہے کہ خود باری تعالیٰ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:



﴿ أَلا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ ①

ترجمہ: خبردار جو اللہ کے دوست ہیں ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ افسردہ ہوں گے۔

اس لئے ان اصنام و اوثان جن کی مشرکین عرب یا دوسری بت پرست قومیں پوجا کرتی رہی ہیں جو ان کے اپنے ہی بنائے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں تھا ان کے اور ان اولیاء اللہ کے جن کو ہم اپنے مصائب میں الٰہ یا معبود سمجھے بغیر پکارتے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے اور ان کی قبور کے ارد گرد طواف کرتے اور ان کے پاس اعتکاف بیٹھتے ہیں، کے درمیان فرق ضرور ہونا چاہیے۔

شبہ کا ازالہ:

اس بات سے قطع نظر کہ مشرکین اوائل اصنام، اوثان اور تماثیل کی ذات کو پکارتے اور عبادت کرتے تھے یا وہ آج کل کے مشرکوں کی طرح ہی ایسے اولیاء و صالحین اور بزرگانِ دین کو پکارتے اور ان کی عبادت کرتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی! یہ ایک مستقل بحث ہے آگے چل کر ہم اسی باب میں اور ذرا تفصیل کے ساتھ ''باب اصنام'' میں ان شاء اللہ قطعی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کریں گے کہ حقیقت اور واقع کے اعتبار سے مشرکین اوائل اور دنیا کی دیگر مشرک اور بت پرست قومیں اولیاء اللہ اور صالحین کی ذات کو ہی پکارتے اور انہی کی ہی عبادت کرتے تھے۔ باقی رہی اصنام و اوثان کی عبادت تو اس کیلئے مختصر طور پر اتنا جان لینا کافی ہے کہ مشرکین ان کی عبادت بالذات نہیں بلکہ بالتبع کرتے تھے، اصل میں یہ بت یا مجسمے اولیاء اللہ اور صالحین کے ناموں کی رموز تھے جو کہ ان کی ذوات کی طرف منسوب تھے تو اس اعتبار سے اصل عبادت اولیاء اللہ ہی کی ہوئی نہ کہ اصنام و اوثان کی۔

یہاں پر صرف یہ بیان کرنا ہے کہ کیا غیر اللہ کی عبادت میں کوئی تفصیل ہے یا نہیں؟ بالفاظ دیگر کیا ہر غیر اللہ کی عبادت کا ایک ہی حکم ہے یا ان میں بعض کے لیئے علیحدہ حکم ہے اور بعض دوسرے کیلئے علیحدہ۔ یعنی بعض غیر اللہ کی عبادت تو مطلوب اور محبوب ہو اور بعض کی عبادت صریح کفر اور شرک؟

اس کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ امت مسلمہ کا یہ متفق علیہ عقیدہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت سے بندہ مشرک ہوجاتا ہے اور ملت اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، خواہ وہ غیر اللہ کوئی بھی ہو اور اس کی عبادت کی کوئی بھی کیفیت ہو۔ یہ حکم غیر اللہ کی عبادت کرنے والے ہر ہر فرد پر منطبق ہوگا خواہ اس کا معبود ملک مقرب ہو، نبی مرسل ہو، ولی صالح ہو یا وثن، صنم اور مجسمہ ہو، قبر و قبہ ہو، یا حجر و شجر ہو، شمس و قمر ہو یا کوئی متمرد شیطان اور طاغوت ہو۔ غیر اللہ کی عبادت میں کسی تفریق، تفصیل

① سورۃ یونس: ۶۲

یا تمیز کی ذرہ بھر بھی گنجائش نہیں ہے کہ شمس وقمر، وثن وصنم، قبر وقبہ اور حجر وشجر کی پرستش و پوجا کا علیحدہ حکم ہو اور ملک مقرب، نبی مرسل اور ولی صالح کی عبادت کا حکم کچھ اور ہو، بلکہ سب کی عبادات کا حکم ایک ہے، وہ ہے کفر وشرک اور ملت اسلام سے خروج۔

یاد رکھیں کہ امت مسلمہ کا یہ متفقہ عقیدہ ایسا مضبوط قاعدہ کلیہ ہے کہ جس کی صحت وقطعیت اور اس کے منصوص علیہ ہونے پر مسلمانوں میں کبھی بھی دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے۔ اختلاف ہو بھی کیسے سکتا ہے، جبکہ مسلمانوں کے پاس الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کی سچی اور آخری کتاب قرآن مجید موجود ہے۔ جس میں اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں کو سورج وچاند جیسی عظیم المنفعت اور کبیر الجثہ مخلوق تک کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴾ ①

ترجمہ: اور دن رات، اور سورج چاند بھی اس کی نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو یا چاند کو سجدہ نہ کرو، بلکہ سجدہ اس اللہ کے سامنے کرو جو ان سب کا پیدا کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو سجدہ کرنے سے جہاں منع فرمایا ہے وہاں اس نے فرشتوں اور انبیاء ورسل کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی عبادت سے بھی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴾ ②

ترجمہ: اور یہ نہیں (ہوسکتا کہ) وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے، کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد بھی تمہیں کفر کا حکم دے گا؟

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اى ولا يأمركم بعبادة احد غير الله لانبى مرسل ولاملك مقرب. ③

ترجمہ: یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے علاوہ کسی کی بھی عبادت کرنے کا حکم کرے چاہے یہ غیر اللہ نبی مرسل ہو یا ملک مقرب۔ (اللہ تعالیٰ اپنے علاوہ کسی بھی شئی کی عبادت کو تمہارے لیئے ممنوع قرار دیتا ہے۔)

قرآن کریم کے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی عبادت سے اس طرح منع فرمایا ہے،

① سورۃ حم السجدۃ: ۳۷
② سورۃ آل عمران: ۸۰
③ تفسیر ابن کثیر ۱/۳۷۷



ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِنْ كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴾ ①

ترجمہ: اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہدیا تھا کہ مجھ کو بھی اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو؟ عیسیٰ (علیہ السلام) عرض کریں گے کہ میں تجھ کو منزہ سمجھتا ہوں، مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھ کو اس کا علم ہوگا۔ تو تو میرے دل کی اندر کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا، تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے۔

معلوم ہوا کہ غیر اللہ خواہ کوئی بھی ہو اور خواہ کتنے ہی اعلیٰ ترین درجہ پر فائز ہو اس کی عبادت کرنا شرک اور کفر ہے اور عبادت کرنے والا کافر و مشرک ہے۔ ایسا کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین "اسلام" سے نکل جاتا ہے۔ نیز ضمنی طور پر مشرکین کے اس فریب کا بھی پردہ چاک ہوگیا جو اپنے شرک کو تہذیب کا لبادہ اوڑھانے کی کوشش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں عرب کے مشرک واقعی مشرک اور مخلد فی النار تھے، کہ وہ ایسی اشیاء کی پرستش کرتے تھے جن کی عنداللہ کوئی حیثیت نہ تھی، جبکہ ہماری نداء وپکار "اسلامی د دینی" ہے اس لیئے کہ ہمارے مدعو و معبود اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ہماری اس بحث سے قبر پرستوں کے اس باطل تفصیل کا بطلان بھی ثابت ہوگیا۔

مشرکین اوائل کا شرک بھی اولیاء و صالحین ہی کی عبادت پر مشتمل تھا

یہ بات ہم اپنی اس کتاب میں کئی دفعہ دہرا چکے ہیں کہ مشرکین عرب ہوں یا دوسری مشرک قومیں، یہ سب موجودہ دور کے قبر پرستوں کی طرح ہی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندوں کی عبادت کرتے، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے، اور انہیں اپنی مشکلات و مصائب میں پکارتے تھے جن کی نیکی، زہد اور استقامت کے متعلق ان کا پختہ اعتماد و یقین ہوتا تھا۔ مشرکین قطعاً ان اصنام، اوثان یا مجسموں کی بالذات عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ تو ان انبیاء و ملائکہ اور اولیاء اللہ کی عبادت کرتے تھے

① سورۃ المائدہ: ۱۱۶



جن کے ناموں پر انہوں نے بت تراش رکھے تھے، بت تو صرف رمز تھے اصل میں مطلوب ان بتوں سے منسوب مقرب اشخاص تھے۔

ہمارے اس دعویٰ کو اللہ کی کتاب سچا ثابت کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ایسے دلائل سے بھری ہوئی ہے، ان سب کے احاطہ کیلئے کئی مجلدات کی ضرورت ہے، لہٰذا تفصیل سے احتراز کرتے ہوئے ہم صرف چند آیات مبارکہ بطور نمونہ کے پیش کرتے ہیں اور ان کی تشریح وتفسیر کیلئے مفسرین عظام اور علماء سلف کے معتبر اقوال قارئین کرام کے سامنے پیش کرتے ہیں:

(۱) ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ ①

ترجمہ: اور جن لوگوں نے اس کے سوا معبود بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لیئے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کردیں۔

اس آیت کریمہ میں مشرکین عرب کا صریح اقرار واعتراف موجود ہے، کہ ہم واقعی طور پر عبادت تو کچھ ہستیوں کی ہی کرتے ہیں، مگر ان کی عبادت سے ہمارا اصل مقصد قرب الٰہی کا حصول ہے، ہم تو ان کو راضی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنا چاہتے ہیں۔ اب یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مشرکین کے یہ معبود کون تھے جن کی عبادت کا وہ اپنی زبان سے کھلا اعتراف کررہے ہیں؟

قرآن کریم نے ہی ان کے معبودوں کی شناخت بیان کردی ہے کہ مشرکین عرب ملائکہ کی پوجا و پرستش کرتے تھے، فرشتوں کو دیکھنے سے تو عاری تھے، اس لیئے انہوں نے ان کی خیالی تصوریں ذہن میں بٹھا کر ان کے مطابق بت تراش لیئے اور پھر ان کو پوجنے لگ گئے اس خیال سے کہ ہم جب اپنے اصل معبودوں ''ملائکہ'' کی صورتوں یا خیالی مجسموں کے سامنے عجز وانکساری کا اظہار کرینگے، ان سے مدد طلب کرینگے یا ان کیلئے مختلف عبادات بجا لائینگے تو اس سے وہ ہم سے راضی ہوجائیں گے اور پھر ہمارے لیئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہی بات لکھی ہے، لکھتے ہیں:

اى انما يحملهم على عبادتهم لهم انهم عمدوا

ترجمہ: یعنی مشرکوں کو مقرب فرشتوں کی عبادت کا جذبہ

① سورۃ الزمر: ۳



الی اصنام اتخذوھا علی صور الملائکة المقربین فی زعمھم فعبدوا تلک الصور تنزیلا لذلک منزلة عبادتھم الملائکة لیشفعوا لھم عنداللہ تعالیٰ. ①

اس قدر لاحق ہوا کہ انہوں نے اپنے خیال کے مطابق مقرب فرشتوں کی شکل وصورت پر مجسمے گڑھ لیئے اور پھر انہی بتوں کی عبادت میں مصروف ہوگئے یہ سمجھتے ہوئے کہ فرشتوں کی صورتوں کے ترجمان بتوں کی عبادت درحقیقت فرشتوں ہی کی عبادت ہوگی، اس لیئے وہ ہمارے لیئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کرینگے۔

(۲) ارشاد الٰہی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴾ ②

ترجمہ: واقعی تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں سوتم ان کو پکارو پھر ان کو چاہیئے کہ وہ تمہارا مطالبہ پورا کردیں اگر تم سچے ہو۔

اس آیت میں وارد لفظ "عباد امثالکم" (وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں) سے مراد فرشتے ہیں، علامہ خازن رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں سیدنا مقاتل رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں:

قال مقاتل فی قولہ سبحانہ وتعالیٰ "عباد امثالکم" انھا الملائکة والخطاب مع قوم کانوا یعبدون الملائکة③

ترجمہ: سیدنا مقاتل رحمہ اللہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان "عبادا امثالکم" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود فرشتوں کی جماعت ہے اور یہ خطاب ایک ایسی قوم سے ہو رہا ہے جو فرشتوں کی عبادت کی گرویدہ تھی۔

(۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُم مَّا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴾ ④

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے انہیں اس کی کچھ خبر نہیں یہ تو صرف اٹکل پچو (جھوٹی باتیں) کہتے ہیں۔

---

① تفسیر ابن کثیر ج۴ ص ۴۵
② سورۃ الاعراف:۱۹۴
③ تفسیر الخازن ج ۲ ص ۳۲۶
④ سورۃ الزخرف: ۲۰

اس آیت میں لفظ ''ما عبد نا ھم'' میں ''ھم''ضمیر جمع غائب سے مراد فرشتے ہیں، جس کی صراحت اس آیت سے متصل پہلی آیت میں موجود ہے، وہ آیت یہ ہے:

﴿ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ إِنَاثاً أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ﴾ ①

ترجمہ: اور انہوں نے رحمان کے عبادت گذار فرشتوں کو عورتیں قرار دے لیا کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے اس چیز کی باز پرس کی جائے گی۔

چنانچہ مذکورہ آیت نمبر۲۰ کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای لو اراد الله لحال بيننا وبين عبادة الاصنام التي هي علي صورة الملائكة التي هي بنات الله. ②

ترجمہ: یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہماری اور اللہ کی بیٹیوں فرشتوں کی شکل پر بنائے گئے بتوں کی عبادت کے درمیان میں کوئی رکاوٹ ڈال دیتا۔

یعنی ہماری یہ عبادت اللہ کو پسند ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنی بیٹیوں (فرشتوں) کی شکل وصورت پر تراشے گئے بتوں کی عبادت سے ہمیں روکا نہیں ہے، بلکہ (معاذ اللہ) اس نے ہمیں ایسا کرنے کی توفیق دی ہے۔

یہ آیت بھی صاف دلیل ہے کہ مشرک فرشتوں کے پجاری تھے، بت جو فرشتوں کی خیالی صورتوں پر مشتمل تھے، محض توجہ مبذول کرنے کا ذریعہ تھے وگرنہ اصل مطلوب تو فرشتوں کی عبادت ہی ہوتا تھا۔

(۴) ارشاد الٰہی ہے:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلاً ○ أُولٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوراً ﴾ ③

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم (معبود) سمجھ رہے ہو انہیں پکارو پس نہ تو وہ تم سے کوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔ جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے، وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ بات بھی یہی ہے کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔

---

① سورة الزخرف: ١٩

② تفسير ابن كثير ج ... ③ سورة الاسراء ٥٦، ٥٧

سورہ اسراء کی ان دونوں آیتوں کی تفسیر وتشریح میں سلف صالحین سے مختلف اقوال نقل ہوئے ہیں۔ منجملہ ان اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ کچھ مشرک جن تھے ان کی عبادت انسانوں میں سے بعض مشرک لوگ کیا کرتے تھے۔ اللہ کی رحمت نے ایسا انقلاب بپا فرمایا کہ مشرک انسانوں کے معبود ''جن'' شرک سے تائب ہو کر دائرہ توحید میں داخل ہوگئے، لیکن ان کی توحید کی قبولیت اور شرک سے توبہ کا علم مشرک انسانی عابدوں کو نہ ہو سکا، وہ بدستور اپنے سابق مشرک جنّی معبودوں کی عبادت میں جمے رہے، آیت میں انہی دونوں طبقوں کا ذکر ہوا ہے، کہ یہ مشرک لوگ جن کی عبادت میں مصروف ہیں وہ تو خود اپنے رب کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس کی رحمت کے متلاشی ہیں اور اس کے عذاب سے ڈر رہے ہیں۔ ان آیتوں کی تفسیر سلف صالحین کے ان اقوال سے مزید واضح ہو جاتی ہے۔

عن عبداللہ: إلى ربهم الوسيلة" قال كان ناس من الانس يعبدون ناسا من الجن فاسلم الجن وتمسک هولآء بدينهم. ① (صحیح بخاری)

ترجمہ: سیدنا عبداللہ نے آیت ''قل ادعوا الذین زعمتم'' تک پڑھا پھر اس کا مفہوم یہ بیان فرمایا کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں کے کچھ افراد کی عبادت کیا کرتے تھے، اتفاق ایسا ہوا کہ جنوں نے اسلام قبول کر لیا مگر انسانوں میں سے مشرک لوگ انہی جنوں کی عبادت پر جمے رہے۔

صحیح مسلم میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے:

عن عبداللہ: اولئک الذين يدعون يبتغون الى ربهم الوسيلة قال: كان نفر من الإنس يعبدون نفرا من الجن فاسلم النفر من الجن واستمسک الانس بعبادتهم فنزلت اولئک الذين يدعون يبتغون الى ربهم الوسيلة . ② (صحیح مسلم)

ترجمہ: سیدنا عبداللہ آیت اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربهم الوسیلة" کی تشریح وتفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انسانوں میں سے ایک جماعت جنات کے ایک گروہ کی عبادت کیا کرتی تھی، پھر جنات کا یہ ٹولہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ لیکن ان کی عبادت کرنے والی انسانی جماعت اپنے طریقہ ومذہب سے چمٹی رہی، ایسے لوگوں کے متعلق فرمان الٰہی: '' جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں

① رواہ البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ نبی اسرائیل، باب "قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ"
② رواہ مسلم، کتاب التفسیر باب، قولہ تعالیٰ: "اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربهم الوسیلة"



رہتے ہیں''۔۔۔۔نازل ہوا۔

اور اس بارے میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یوں آئی ہے:

عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ "قل ادعوا الذین زعمتم الآية، قال: کان اهل الشرک یقولون: نعبد الملائکة والمسیح وعزیرا وهم الذین یدعون یعنی الملائکة والمسیح وعزیرا.①

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "قل ادعوا الذین......" کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ علی الاعلان کہتے تھے کہ ہم فرشتوں اور سیدنا مسیح علیہ السلام و سیدنا عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان، جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں سے مراد فرشتوں، مسیح اور عزیر ہی کو لیا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس آیت کی تشریح بڑے مفصل انداز میں بیان فرمائی ہے۔ان کے یہ تشریحی نکات ان کی مختلف تالیفات میں موجود ہیں ہم ان میں سے ایک تالیف سے عبارات نقل کرتے ہیں جن کی روشنی میں آیت کا مفہوم انتہائی واضح ہو جائے گا، چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب "الوصیۃ الکبریٰ" میں سلف صالحین کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

قال طائفة من السلف کان اقوام یدعون المسیح وعزیرا والملائکة فقال الله لهم هولآء الذین تدعونهم یتقربون الیّ کما تتقربون ویرجون رحمتی کما ترجون رحمتی، ویخافون عذابی کما تخافون عذابی .②

ترجمہ: سلف صالحین کی ایک جماعت اس آیت کی تفسیر بیان کرتی ہے کہ مشرکوں کے بہت سارے گروہ فرشتوں اور سیدنا مسیح علیہ السلام و سیدنا عزیر علیہ السلام کو پکارا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہی مشرک گروہوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ خود تمہاری طرح میرے تقرب کے متلاشی، تمہاری طرح میری رحمت کے طلبگار اور تمہاری طرح میرے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

سلف صالحین سے آیت "قل ادعوا الذین زعمتم من دونه" میں وارد مدعوین اشیاء یا افراد کی بابت مختلف اقوال نقل ہوئے ہیں، کوئی اسکا مصداق ملائکہ مقربین کو سمجھتا ہے، اور کوئی اس سے انبیاء و اولیاء کی جماعت کو مراد لیتا ہے اور بعض کے نزدیک اس سے جنات و شیاطین مقصود ہیں۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان مختلف اقوال کی یوں توجیہ بیان کی ہے:

① تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۶
② الوصیة الکبری ص ۳۲



قال شيخ الإسلام رحمه الله في الكلام على قوله تعالىٰ: قل ادعوا الذين زعمتم من دونه (الأيتين) لما ذكران من السلف من ذكر انهم الملائكة ومنهم من ذكر انهم من الانس ومنهم من ذكر انهم من الجن، لفظ السلف يذكرون جنس المراد من الأية على التمثيل كما يقول الترجمان لمن سأله عن الخبز فيريه رغيفا والأية هنا قصد بها التعميم لكل مايدعى من دون الله فكل من دعا ميتا اوغائبا من الانبياء والصالحين سواء كان بلفظ الاستغاثة اوغيرها فقد تناولته هذه الأية كما تتناول من دعا الملائكة والجن ومعلوم ان هولآء يكونون وسائط فيما يقدره الله بافعالهم ومع هذا فقد نهى عن دعائهم وبين انهم لايملكون كشف الضر عن الداعين ولا تحويلهُ ولا يرفعونهُ بالكلية ولا يحولونه من موضع إلى موضع أومن حال إلى حال كتغيير صفته أوقدره ولهذا قال و "لاتحويلا" فذكر نكرة تعم أنواع التحويل.①

ترجمہ: شیخ الاسلام (ابن تیمیہ رحمہ اللہ) نے اللہ تعالیٰ کے فرمان "قل ادعوا الذين زعمتم من دونه" (دو آیات) کی تشریح کرتے ہوئے اس وقت یہ کلام بیان فرمایا، جب ان کے سامنے یہ بات کہی گئی کہ سلف صالحین میں سے بعض نے "من دونه" سے مراد فرشتوں کو، کچھ نے انسانوں کو، اور بعض نے جنات کو قرار دیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا سلف صالحین نے آیت کے مفہوم کو تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔ جس طرح کہ کوئی ترجمان شخص روٹی کے متعلق جاننے والے شخص کو لفظی تشریح کے بجائے روٹی اٹھا کر دکھاتا ہے، وگرنہ آیت سے عموم مقصود ہے۔ اس میں وہ تمام اشیاء یا افراد داخل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا پکارا جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص انبیاء کرام اور صالحین و اولیاء میں سے کسی فوت شدہ یا غائب انسان کو پکارتا ہے خواہ مدد طلبی کے معروف الفاظ استعمال کرے یا کسی بھی طریقہ سے ان سے نصرت کا طلبگار ہو وہ بھی اس آیت کے تحت آ جائے گا۔ جس طرح کہ فرشتوں یا جنوں کو پکارنے والا شخص اس آیت کے دائرہ میں آ جاتا ہے۔ یہ بات حقیقت ہے کہ انبیاء ہوں یا اولیاء، فرشتے ہوں یا جن اپنے اپنے دائرہ میں اسباب کے تحت انسانوں کے لیئے واسطہ ضرور ہیں۔ مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو پکارنے سے منع فرمایا ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کیلئے اس بات کو مکمل وضاحت و صراحت

① مجموع فتاویٰ ابن تیمیه ج ۱۵ ص ۲۲۶ / التفسیر، الجزء الثانی



کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ یہ انبیاء و اولیاء کرام، فرشتے اور جنات وغیرہ اپنے پکارنے والوں کی تکلیفوں کو ہٹانے کی، انہیں بدل دینے کی، انہیں بالکل ختم کر دینے کی یا ان تکلیفوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ یا ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کر دینے کی ذرہ بھر قدرت نہیں رکھتے، نہ تو تکلیف کی مقدار میں کوئی کمی بیشی کر سکتے ہیں نہ اس کی کیفیت میں کسی ردو بدل کا اختیار رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے ''ولاتحویلا'' کے لفظ میں تحویل کو نکرہ کی صورت میں ارشادفرمایا ہے جو ردو بدل کی جملہ انواع و اقسام اپنے احاطہ میں لیئے ہوئے ہے۔

(۵) ارشادالٰہی ہے:

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰؤُلَاءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴾ ①

ترجمہ: اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں اور سوائے اللہ کے جنہیں یہ پوجتے رہے انہیں جمع کر کے پوچھے گا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا یا یہ خود ہی راہ سے گم ہو گئے۔

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے اس آیت میں وارد جملہ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی تفسیر، ملائکہ، انسانوں اور جنوں سے کی ہے۔ امام طبری رحمہ اللہ کے الفاظ ملاحظہ کریں۔ فرماتے ہیں:

يقول تعالىٰ ذكره ويوم نحشر هؤلآء المكذبين بالساعة العابدين الاوثان ومايعبدون من دون الله من الملائكة والانس والجن. ②

ترجمہ: اللہ جل جلالہٗ ارشادفرماتا ہے: اور جس دن ہم ان قیامت کے منکروں اور بتوں کے پجاریوں کو اور ان فرشتوں، انسانوں اور جنوں کو جمع کریں گے جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے تھے۔

سیدنا مجاہد رحمہ اللہ نے ''وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' کی تفسیر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، سیدنا عزیر علیہ السلام اور فرشتوں کے ناموں کی صراحت کے ساتھ بیان کی ہے۔

---

① سورة الفرقان: ١٧
② تفسير الطبری ج ١٨ ص ١٤١



عن مجاهد فی قول الله "ویوم نحشرهم ومایعبدون من دون الله فیقول أأنتم اضللتم عبادی هولاء قال عیسی وعزیر والملائکة. ①

سیدنا مجاہد رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان، ''اور جس دن ہم ان کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ کے سوا، ان سب کو جمع کر کے پوچھیں گے کیا تم نے ہی میرے ان بندوں کو گمراہ کر دیا تھا۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ سوال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، سیدنا عزیر علیہ السلام اور فرشتوں سے فرمائے گا۔

سیدنا مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ'' کی تفسیر ملائکہ، سیدنا عیسیٰ، سیدنا عزیر اور اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کے علاوہ کوئی دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔ دلیل یہ ہے کہ "أم هم ضلوا السبيل" (یا وہ خود ہی راستہ سے بھٹک گئے تھے) کے بعد ان معبودین کا یہ جواب ذکر ہوا ہے:

﴿ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا أَن نَّتَّخِذَ مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ ﴾ ②

ترجمہ: وہ جواب دینگے کہ تو پاک ذات ہے خود ہمیں ہی یہ زیب نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو کارساز بناتے۔

اس جواب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکین جن کی عبادت کیا کرتے تھے وہ ذی روح تھے، بڑی عزت والے تھے، عقل و دانش سے بہرہ ور تھے اور اللہ کے نیک اور مقرب بندے تھے، جو قطعاً اپنی عبادت پر راضی نہ تھے، کیونکہ ان کے نزدیک جملہ قسم کی عبادات کی مستحق ذات صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی تھی، ہے اور ہمیشہ کیلئے رہے گی۔ سیدنا مقاتل رحمہ اللہ کے الفاظ ملاحظہ کریں:

قال مقاتل یقول سبحانهٔ أأنتم امرتموهم بعبادتکم ام هم ضلوا السبیل ای ام هم اخطأوا الطریق فاجاب المعبودون بما حکی الله عنهم من قولهم، سبحانک ما کان ینبغی لنا ان نتخذ من دونک: من اولیاء وهذا الجواب انما یحسن من الملائکة والمسیح وعزیر ومن عبدهم المشرکون من اولیاء الله. ③

ترجمہ: سیدنا مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مشرک لوگوں کے معبودوں سے پوچھے گا کیا تم نے ہی ان لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا یا یہ خود راستہ گم کر بیٹھے، یعنی صحیح راستہ سے بھٹک گئے تھے۔ معبودین اس سوال کا جو جواب دینگے اللہ تعالیٰ نے اسی کو نقل فرمایا ہے کہ ''وہ کہیں گے کہ تو پاک ذات ہے، خود ہمیں ہی یہ زیب نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو کارساز بناتے۔'' یہ ایسا جواب

① تفسیر الطبری: ۱۸/۱۴۲
② سورة الفرقان: ۱۸
③ اغاثة اللهفان ج ۲ ص ۲۳۴



ہے جس کی صلاحیت و لیاقت صرف فرشتوں، سیدنا مسیح علیہ السلام، سیدنا عزیر علیہ السلام اور اللہ کے ولیوں کے اندر پائی جانی ممکن ہے جن کی مشرک لوگ اللہ کے علاوہ عبادت کرتے رہے۔

(٦) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴾ ①

ترجمہ: کیا کافر یہ خیال کیئے بیٹھے ہیں کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالینگے۔ سنو! ہم نے تو ان کفار کی مہمانی کیلئے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ ''عبادی'' (میرے بندے) سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ مقرب اور معزز و مکرم بندے ہیں جن کو مشرکین اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ کر اپنی عبادتوں کا مستحق سمجھتے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ یہ بلند مرتبہ اور معزز بندے فرشتے، انبیاء و رسل اور اولیاء اللہ ہی ہیں۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يقول عز ذكرهُ افظن الذين كفروا بالله من عبدة الملائكة والمسيح ان يتخذوا عبادى الذين عبدوهم من دون الله اولياء يقول كلاّ بل هم لهم اعداء. ②

ترجمہ: اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والے، فرشتوں اور مسیح علیہ السلام کی عبادت کرنے والوں نے یہ گمان پال رکھا ہے کہ وہ میرے ہی بندوں کو اپنا حمایتی بنالیں گے؟ فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا بلکہ میرے یہ بندے تو (قیامت کے روز) ان کافروں کے دشمن ہوں گے۔

امام ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تفسیری بیان کو مشہور اور عظیم تابعی سیدنا ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل قول سے مدلل فرمایا ہے۔ اپنی تفسیر کی اسی جلد اور ایک ہی صفحہ پر مکمل سند کے درج کرنے کے بعد مذکورہ قول نقل فرماتے ہیں:

عن ابن جريجٌ فى قوله "افحسب الذين كفروا ان يتخذوا عبادى من دونى اولياء" قال يعنى من

ترجمہ: ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''کیا کافروں نے خیال کر رکھا ہے کہ وہ (روزِ قیامت)

① سورة الكهف: ١٠٢

② تفسير الطبرى ج ١٦ ص ٢٦

يعبد المسيح ابن مريم والملائكة وهم عباد الله، ولم يكونوا للكفار اولياء .①

میرے ہی بندوں کو اپنا حمایتی بنا لیں گے۔" کے متعلق یہ قول منقول ہے کہتے ہیں کہ ان کافروں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسیح ابن مریم (علیہ السلام) اور فرشتوں کی عبادت کی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سیدنا مسیح ابن مریم ہوں یا فرشتے ہوں یہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں یہ کبھی بھی کفار کے دوست وحمایتی نہیں بن سکتے۔

مذکورہ بالا معتمد اور معتبر تفسیری دلائل سے یہ بات خوب واضح ہوجاتی ہے کہ مشرکین اوائل محض پتھروں، اینٹوں، لکڑیوں یا سونے چاندی اور دیگر بے جان دھاتوں سے بنائے گئے بے روح پتھروں کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے مقرب ومعزز اور برگزیدہ بندوں ہی کی عبادت کرتے تھے جن کے ناموں سے موسوم بت انہوں نے بنا رکھے تھے۔

(۷) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ﴾ ②

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو سفارشی مقرر کر رکھا ہے؟ آپ کہدیجئے کہ گو وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں۔

مشہور مفسر قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے الفاظ "مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاء" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو ان الشفعاء أشخاص مقربون هي تماثيلهم.③

ترجمہ: سفارشیوں سے ایسے مقرب افراد و اشخاص مراد ہیں جن کی طرف منسوب مجسمے موجود تھے، (جن کی وہ عبادت کرتے تھے، تاکہ ان سے نسبت رکھنے والے مقرب لوگ ان کے سفارشی بن جائیں)

آیت کے اسی حصے کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

وهو ان الشفعاء ليست الأصنام انفسها بل اشخاص مقربون هي تماثيلهم.④

ترجمہ: سفارشیوں سے مراد محض بتوں کے ڈھانچے نہیں بلکہ وہ اشخاص مقصود ہیں جن کی طرف توجہ مبذول کرنے

---

① تفسير الطبری ج ۱٦ ص ۲٦
② سورة الزمر: ۴۳
③ تفسير البيضاوی ج ۵ ص ۲۹ (طبع بيروت)
④ روح المعانی ج ۱۳ ص ۱۰



کیلئے یہ مجسمے تراشے گئے تھے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر بڑے زوردار انداز سے فرمائی ہے انہوں نے مضبوط دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ مشرکین اوائل حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں اور اس کے برگزیدہ اولیاء کرام کی ہی عبادت کیا کرتے تھے جوان بتوں اور مجسموں کی طرف توجہ کرنے کا قلبی مرکز تھے۔ چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واعلم ان الكفار اوردوا على هذا الكلام سؤالا، فقالوا: نحن لانعبد هذه الاصنام لاعتقاد أنها آلهة تضرو تنفع وانما نعبدها لأجل أنها تماثيل لأشخاص كانوا عندالله من المقربين فنحن نعبدها لأجل أن يصيراولئك الاكابر شفعاء لنا عندالله. فاجاب الله تعالىٰ: بان قال "ام اتخذوا من دون الله شفعاء" قل أولو كانوا لايملكون شيئاً ولا يعقلون، وتقرير الجواب ان هولاء الكفار اما ان يطمعوا بتلك الشفاعة من هذه الأصنام اومن اولئك العلماء والزهاد الذين جعلت هذه الأصنام تماثيل لها .①

ترجمہ: واضح رہے کہ کفار نے اللہ تعالیٰ کے اس (مذکورہ) فرمان پر ایک اعتراض وارد کیا کہ ہم تو ان بتوں کو نفع و نقصان کے مالک اور حقیقی معبود سمجھ کر نہیں پوجتے، ہم تو ان کی عبادت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقرب لوگوں کی طرف منسوب ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اس عبادت سے یہ بزرگ راضی ہوجائیں اور ہمارے لیئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بن جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کا جواب اپنے اس ارشاد سے عطا فرمایا، ''کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو سفارشی مقرر کر رکھا ہے، آپ کہہ دیجیئے کہ گو وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں۔'' اس جواب سے دو باتیں طے ہوجاتی ہیں کہ کافر لوگوں نے اپنی مطلوبہ سفارش کی امیدیں بتوں سے وابستہ کر رکھی تھیں یا پھر ان عقلمندوں اور بزرگوں سے سفارش کی امیدیں قائم کر رکھی تھیں جن کے ناموں پر بت بنائے گئے ہیں۔ (کافر لوگ پہلی صورت کے خود منکر ہیں، تو دوسری صورت خود بخود ثابت ہوجاتی ہے۔ اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ مشرک لوگ حقیقت میں اولیاء اللہ کی عبادت کرتے اور انہیں اپنا سفارشی مقرر کرتے تھے۔)

① تفسیر الرازی (مفاتیح الغیب ۲۶/۲۸۵



(۸) ارشادالٰہی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنَى أُولَئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴾ ①

ترجمہ: یقیناً جن کے لئے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی ٹھہر چکی ہے وہ سب جہنم سے دور رکھے جائیں گے، وہ تو دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے، اور اپنی من مانی چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

اس آیت مبارکہ کا سبب نزول یہ بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ رسالت مآب سیدنا رسول اکرم ﷺ مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے، آپ ﷺ کے سامنے کفارِ قریش کے بڑے بڑے سربرآوردہ لوگ بیٹھے تھے، انہی میں ولید بن مغیرہ بھی موجود تھا۔ آپ ﷺ ان سب کو وعظ وتبلیغ فرمارہے تھے۔ اسی دوران مشرکین قریش کا نامور خطیب اور زورآور مُبلغ نضر بن حارث بھی آیا اور اس مجلس میں بیٹھ گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ دین اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ اچانک نضر بن حارث اٹھا اور آپ کی پیش فرمودہ دعوت پر اعتراضات وارد کرنے لگا، اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی صداقت وحقانیت اور اپنے رب کی طرف سے عطا فرمودہ دلائل و براھین کی قوت سے نضر بن حارث کو لاجواب کرکے حیرت و استعجاب کا مجسمہ بنا ڈالا۔ پوری مجلس ساکت و جامد ہو کر رہ گئی۔ آپ ﷺ کی معجزانہ کلام نے سب کے ہونٹوں کو سی کر رکھ دیا۔ عین اسی وقت آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ ②

ترجمہ: ''بے شک تم اور تمہارے معبود جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو جہنم کا ایندھن ہوں گے۔''

پڑھا، جس کے سنتے ہی مشرکین پریشانی اور رنج واندوہ کی تصویر بنے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ نے دین کی دعوت پیش کرنے اور اس کو قبول نہ کرنے کے خوفناک نتائج سے مشرکین کو آگاہ کرنے کے بعد مجلس سے اٹھ کر تشریف لے گئے۔

آپ ﷺ کے چلے جانے کے بعد مشرکین مکہ کا مشہور و معروف شاعر مبلغ اور حاضر جواب مناظر عبداللہ بن زِبعری السہمی آتا ہے اور مشرکین قریش کی اس مجلس میں شریک ہوجاتا ہے۔ اس کے بیٹھتے ہی امیر مجلس ولید بن مغیرہ نے اپنے مایہ ناز مناظر عبداللہ زبعری سہمی کو مجلس کی پوری روئداد سنا ڈالی اور اسے یہ بھی بتایا کہ ابھی ابھی تیرے آنے سے پہلے محمد (ﷺ) نے بحث ومباحثہ کے دوران نضر بن حارث کو لاجواب کرکے ہمیں تعجب وندامت کے بوجھ تلے دبا دیا ہے۔

---

① سورۃ الانبیاء: ۱۰۱، ۱۰۲ ② سورۃ الأنبیاء: ۹۸

مزید حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ اس نے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے یہ قرآنی دھمکی بھی سنا ڈالی ہے کہ ''تم اور تمہارے معبودان باطلہ جہنم کا ایندھن بنائے جاؤ گے۔'' یہ ساری روئداد سن کر عبداللہ بن زبعری سہمی نے کہا اگر آج میں محمد (ﷺ) کی موجودگی کے دوران مجلس میں ہوتا تو اس سے ضرور مقابلہ کرتا، چلو تم محمد (ﷺ) سے یہ سوال کرلو یقیناً وہ اس کا جواب نہ دے سکے گا۔ اس طرح تمہارے شکست خوردہ دلوں کو قرار آجائے گا۔ سب قریشیوں نے اس سے یہ سوال معلوم کیا تو اس نے کہا؛

تم محمد (ﷺ) سے کہو کہ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں، یہودی سیدنا عزیر (علیہ السلام) کی پرستش کرتے ہیں، جبکہ نصاریٰ سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کو معبود قرار دیتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے کہ مشرک اور ان کے معبود جہنم کا ایندھن بنیںگے تو پھر بتایا جائے کہ کیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں، سیدنا عزیر اور سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کو بھی ان کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ جہنم کے اندر جھونک دے گا؟

عبداللہ بن زِبَعْرٰی سہمی کے پیش کردہ اس سوال کو سنتے ہی مشرکین قریش کے چہرے خوشی سے دمکنے لگے، اللہ کے رسول ﷺ کو بھی قریشیوں کے اس اعتراض کا علم ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، قریش نے جو سمجھا ہے وہ بالکل غلط ہے، اللہ تعالیٰ کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ مشرکوں کے ساتھ جہنم کا ایندھن وہ معبود بنے گا جو اپنی عبادت پر خوش تھا، اور شرک کی تعلیم دینے والا تھا۔ چونکہ مشرکوں کو شرک پر آمادہ کرنے والے شیاطین ہوتے ہیں جو انہیں مختلف طریقوں سے اولیاء اللہ اور مقربین کی عبادت پر اکساتے ہیں۔ لہٰذا آیت میں ایسے ہی معبودوں کو جہنم کا ایندھن قرار دیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی اس توجیہ کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے ذیل والی آیت نازل فرمائی، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ○ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴾ ①

ترجمہ: یقیناً جن کے لئے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی ٹھہر چکی ہے وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیںگے وہ تو دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے، اور اپنی من مانی چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

امام المغازی محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

قال ابن اسحق: وجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما فيما بلغني مع الوليد بن المغيرة في

ترجمہ: ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے یہ واقعہ معلوم ہوا کہ ایک دن رسول ﷺ مسجد میں ولید بن مغیرہ کے ساتھ

① سورۃ الانبیاء: ۱۰۱، ۱۰۲

المسجد فجاء النضر بن الحارث حتى جلس معهم في المجلس، وفي المجلس غير واحد من رجال قريش، فتكلم رسول الله صلى الله عليه وسلم فعرض له النضر بن الحارث فكلمه رسول الله صلى الله عليه وسلم حتىٰ أفحمه، ثم تلا عليه وعليهم" انكم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم انتم لها واردون، لو كان هولاء الهة ماوردوها وكل فيها خالدون، لهم فيها زفير وهم فيها لايسمعون .①، ②

تشریف فرما تھے، اس دوران نضر بن حارث بھی آ گیا اور ان کے ساتھ مجلس میں بیٹھ گیا۔ اس مجلس میں کفار قریش کے بہت سارے افراد موجود تھے۔ رسول ﷺ گفتگو فرما رہے تھے تو نضر بن حارث نے آنجناب ﷺ کی مخالفت میں بولنا شروع کر دیا، جسے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے کلام کے ذریعے خاموش کرا دیا۔ پھر آپ ﷺ نے نضر بن حارث اور اس کے ساتھیوں پر یہ آیت تلاوت فرمائی: "بے شک تم اور تمہارے معبود جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو جہنم کا ایندھن ہوں گے اگر یہ سچے معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے اور سب کے سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور وہ وہاں چلا رہے ہوں گے اور وہاں کچھ بھی نہ سن سکیں گے۔"

مذکورہ واقعہ کی بقیہ ماندہ تفصیل بھی امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کے قول سے سیرۃ ابن ہشام میں اس طرح مذکور ہوئی ہے۔

قال ابن اسحاق ثم قام رسول الله صلى الله عليه وسلم واقبل عبدالله بن الزبعرى السهمي حتى جلس فقال الوليد بن المغيرة لعبدالله بن الزبعرى: والله ما قام النضر بن الحارث لابن عبدالمطلب آنفاً وماقعد وقدزعم محمد أنا وما نعبد من الهتنا هذه حصب جهنم فقال عبدالله بن الزبعرى: اما والله! لووجدته لخصمته فسلوا محمدا أكل مايعبد من دون الله في جهنم مع من

ترجمہ: ابن اسحاق کہتے ہیں کہ پھر اللہ کے رسول ﷺ اس مجلس سے اٹھ کر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے تشریف لے جاتے ہی عبداللہ بن زبعری سہمی آیا اور مجلس کے اندر بیٹھ گیا۔ ولید بن مغیرہ نے عبداللہ بن زبعری سے کہا، اللہ کی قسم! آج تو عبدالمطلب کے پوتے (محمد ﷺ) کے سامنے نضر بن حارث کیلئے تو "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" (یعنی: محمد ﷺ نے نضر بن حارث کو لاجواب کردیا) والی صورتحال بن گئی تھی۔ اور ہاں محمد

① سورۃ الانبیاء: ۹۸......۹۹
② سیرۃ ابن ھشام ج ۱ ص ۳۸۰



عبده؟ فنحن نعبد الملائكة واليهود تعبد عزيرا والنصارى تعبد عيسىٰ بن مريم فعجب الوليد ومن كان معه فى المجلس من قول عبدالله بن الزبعرى ورأوا انه قد احتج وخاصم فذكر ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم من قول ابن الزِبَعْرىٰ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل من احب ان يعبد من دون الله فهو مع من عبده، انهم انما يعبدون الشياطين ومن امرتهم بعبادته، فانزل الله تعالىٰ عليه فى ذلك ﴿ ان الذين سبقت لهم منا الحسنىٰ اولئك عنها مبعدون لا يسمعون حسيسهاوهم فيما اشتهت انفسهم خالدون ﴾ اى عيسىٰ ابن مريم وعزير ومن عبدوا الأحبار والرهبان الذين مضوا على طاعة الله فاتخذهم من يعبدهم من أهل الضلالة أربابا من دون الله .①

(ﷺ) نے تو یہ بات بھی زور دے کر کہی ہے کہ ہم اور ہمارے معبود جن کی ہم عبادت کیا کرتے ہیں سب جہنم کا ایندھن بنائے جائینگے! (یہ سب کچھ سن کر) عبداللہ بن زبعری نے کہا اللہ کی قسم! اگر میں محمد (ﷺ) کی موجودگی کے وقت یہاں ہوتا تو اس سے خوب زور سے بحث کرتا۔ اچھا تم ایسا کرو کہ محمد (ﷺ) سے یہ پوچھو کیا اللہ کے سوا تمام معبودین اپنے عبادت گذاروں کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے؟ تمہیں معلوم ہے کہ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں، یہودی عزیر (علیہ السلام) کی پوجا کرتے ہیں، اور نصاریٰ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی پرستش کرتے ہیں! (تو پھر ایسے جلیل القدر معبودوں کا کیا حال بنے گا؟)

عبداللہ بن زبعری کے اس قول کو سنتے ہی ولید بن مغیرہ اور جملہ اہل مجلس کو بڑی مسرت محسوس ہوئی اور ان سب کو یہ سوال بہت پسند آیا، یہاں تک کہ ان کے ذہنوں پر یہ بات غالب آ گئی کہ اگر عبداللہ بن زبعری موجود ہوتا تو واقعی طور پر وہ محمد (ﷺ) کو (معاذ اللہ) مغلوب کر دیتا، اور اپنی بات کو دلیل کے ساتھ ثابت کر دیتا۔ عبداللہ بن زِبَعْرَیٰ کی اس ساری بات چیت کا ذکر اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کر دیا گیا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو بھی معبود اپنی عبادت کو پسند کرتا ہے اور اللہ کی عبادت سے ہٹاتا ہے وہ اپنے اپنے عبادت گذاروں کے ساتھ جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ

(۱) سیرۃ ابن ھشام ج ۱ ص ۳۷۱، ۳۷۲



فرشتوں ،عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام میں سے کسی نے بھی اپنی عبادت کو کبھی بھی پسند نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے کسی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہٹایا، بلکہ یہ خود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف مائل کرنے والے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر یہ آیت نازل فرمائی: '' یقیناً جن کیلئے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی ٹھہر چکی ہے وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائینگے۔ وہ تو دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور اپنی من مانی چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یعنی سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام، سیدنا عزیر علیہ السلام اور ایسے علماء وعابد و زاہد افراد جنہوں نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں صرف کر ڈالی، گمراہ لوگوں نے انہیں اللہ کے سوا معبود بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔''

(اس آیت میں ایسے معبودین کہ جنہیں لوگوں نے اپنے طور پر معبود بنالیا جبکہ انہوں نے کبھی بھی لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا کیلئے بشارت ہے اور مشرکین کی شبہ کا موثر ازالہ ہے)

ان تصریحات کے بعد دورِ حاضر کے مشرکین کے اس بیکار فلسفے کی روح نکل جاتی ہے جو انہوں نے عامۃ الناس کو گمراہ کرنے کیلئے اپنی طرف سے گھڑ رکھا ہے اور اسے اپنی عبادت کے ''مقبول ومحترم'' ہونے کیلئے بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں، کہ مشرکین مکہ تو بتوں، مجسموں یا بے جان چیزوں کی عبادت کرتے تھے جن کی اللہ کے نزدیک کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ جبکہ ہم تو اولیاء اللہ اور صالحین کی تعظیم وتوقیر کیلئے یہ مراسم ادا کرتے ہیں۔ یہ ذی روح بھی ہیں او عنداللہ جاہ و منزلت کے حامل بھی۔ لہٰذا ہمارے اور ان کے درمیان بڑا فرق ہے۔ آپ نے بیان شدہ دلائل سے حق وباطل کا خوب اندازہ کرلیا ہوگا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۷۵ تا ۷۸

''وَكذلك نری ابراهيم ملكوت السموات ...... انی بریئ مما تشركون''



میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دیکھے ہوئے مناظر کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والحق ان ابراهيم عليه الصلاة والسلام كان في هذا المقام مناظرا لقومه مبينا لهم بطلان ما كانوا عليه من عبادة الهياكل والاصنام. فبين في المقام الأوّل مع ابيه خطأهم في عبادة الاصنام الارضية التي هي على صور الملائكة السماوية ليشفعوا لهم إلى الخالق العظيم الذي هم عند انفسهم احقر من ان يعبدوه وانما يتوسلون اليه بعبادة ملائكته ليشفعوا لهم عنده في الرزق والنصر وغير ذلك مما يحتاجون اليه .①

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی اس حیثیت ومقام پر اپنی قوم کو حقائق سے آگاہ فرما رہے تھے اور ان کی بتوں یا مجسموں کی عبادت کے طریقہ کو باطل اور بے بنیاد قرار دے رہے تھے، جیسا کہ انہوں نے اپنے باپ کے پاس رہتے وقت ان لوگوں کی بت پرستی کو غلط ثابت کرنے کی سعی فرمائی، جو بت انہوں نے زمین پر تراش رکھے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ یہ حقیقت میں آسمانی فرشتوں کی (خیالی) صورتوں پر گھڑے گئے تھے، تا کہ آسمانی فرشتے ان کیلئے خالق عظیم کے ہاں سفارش کر دیں۔ یہ اپنے آپ کو خالق عظیم کی براہ راست عبادت کے لائق ہی نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ اس خالق عظیم کے حضور اس کے فرشتوں کی عبادت وتعظیم کو بطور وسیلہ کے پیش کرتے تھے، تا کہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے رزق اور دشمنوں پر فتح وکامرانی اور دیگر ضروریات کی مہم رسانی کیلئے سفارش کرتے رہیں۔

اس باب میں بیان شدہ دلائل قطعیہ اور براھین اصلیہ کا تعلق کتاب اللہ کی واضح آیات اور سلف صالحین و مفسرین کرام کے اقوال پر قائم ہیں، ان جملہ دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح نمایاں ہوگئی ہے کہ دورِ جاہلیت کے مشرکین چاہے ان کا تعلق عرب سے ہو یا عجم سے، یہ سب بتوں کی ذات کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے بلکہ وہ تو ان بتوں کے پس منظر میں ان افراد وشخصیات کی پرستش کرتے تھے جن کے زہد وتقویٰ، جن کی عبادت وریاضت، جن کی اطاعت و فرمانبرداری کا انہیں بخوبی علم تھا، جن کے متعلق ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اور اس کے ہاں بڑے عالی قدر مرتبہ کے حامل افراد ہیں۔

مزید تفصیل کے لیئے آئندہ باب کا مطالعہ فرمائیں، جو کہ اسی باب کا ہی تتمہ اور تکملہ ہے۔

---

① تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۱



چوتھا باب

اصنام کے بیان میں

اس باب میں بتوں، مجسموں اور قربان گاہوں کی اصل حقیقت منکشف کی جائیگی اور دلائل و براھین سے اس امر کی کھوج لگائی جائے گی کہ کیا بت پرست اقوام کے ہاں معبود کی شکل دھار لینے والے پتھر، اینٹیں، لکڑیاں، پیتل، تانبہ یا سونے چاندی کے تراشیدہ بت ہی اصل معبود تھے؟ جیسا کہ دورِ حاضر کے قبر پرست مشرک اور آستانہ پرست ظالم تصور کرتے ہیں۔ یا حقیقت میں ایسا کچھ نہ تھا بلکہ ان بتوں سے منسوب اللہ تعالیٰ کے معزز و مقرب بندے ہی ان جملہ عبادات کا مرجع و مقصود تھے؟ یہ سب کچھ آپ کو اس باب میں بقدر وافر مدلل اور مہذب طریقے سے لکھا ہوا ملے گا۔

''اصنام'' کے لغوی معانی:

لفظ ''صنم'' اور لفظ ''وثن'' ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ صنم ہو یا وثن عام طور پر انسانی یا حیوانی شکل میں تراشا جاتا ہے اور اس کی غرض وغایت پوجا و پرستش ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس بات کو یوں سمجھا جائے کہ صنم اور وثن ہر اس شئی کو کہا جاتا ہے جس کی اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا عبادت کی جائے۔ چنانچہ صنم کے مفہوم کو اجاگر کرتے ہوئے مشہور لغت کی کتاب ''محیط المحیط'' کے مؤلف نے اس طرح لکھا ہے:

الصنم الوثن وھو صورۃ او تمثال انسان اوحیوان یتخذ للعبادۃ او کل ماعبد من دون اللہ تعالیٰ.①

صنم یا وثن کا اطلاق ہر اس صورت یا مجسمے پر ہوتا ہے جسے کسی انسان یا حیوان کی شکل پر اس کی عبادت کی غرض سے بنایا گیا ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجی جانے والی ہر چیز کو صنم یا وثن کا نام دیا جاتا ہے۔

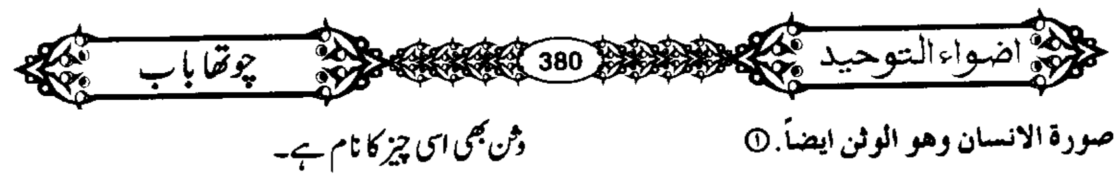
عام طور پر صنم یا وثن لکڑی، پتھر، لوہے اور سونے چاندی وغیرہ سے انسان کی شکل پر بنایا جاتا ہے۔ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور امام خازن رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والأصنام جمع صنم وھو التمثال الذی یتخذ من خشب او حجارۃ اوحدید او ذھب اوفضۃ علی

اصنام جمع ہے صنم کی، یہ وہ مجسمہ ہوتا ہے انسانی شکل کا جسے لکڑی، پتھر، لوہے، سونے یا چاندی سے بنایا جاتا ہے۔

---

① محیط المحیط ص ۵۲۰



صورة الانسان وهو الوثن ايضاً.①

وثن بھی اسی چیز کا نام ہے۔

صنم اور وثن میں فرق:

پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ صنم اور وثن ایک دوسرے کے ہم معنی الفاظ ہیں مگر بعض لوگوں نے ان دونوں لفظوں میں سے ہر ایک کا علیحدہ مفہوم بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک صنم وہ بت ہے جسے انسانی یا حیوانی شکل پر تراشا گیا ہو، اور وثن اس شی کو کہا جاتا ہے جسے بطور بت کے استعمال کیا جاتا ہو، مگر اسے کسی قطع و تراش کے بغیر ہی عبادت کے لیئے نصب کیا گیا ہو۔ جیسا کہ ایک محقق نے لکھا ہے:

الصنم ما كان منحوتا على صورة والوثن ما كان موضوعا على غير ذلك وقد يسمى الصنم وثنا.②

ترجمہ: صنم تو وہ بت ہے جسے کسی خاص شکل و صورت پر گھڑا گیا ہو، اس کے برعکس وثن وہ بت ہے جسے تراش خراش کے بغیر ہی نصب کر دیا گیا ہو، بعض اوقات صنم کو ہی وثن کہہ دیا جاتا ہے۔

صنم اور وثن کے مترادف ہونے کی دلیل:

صنم پر وثن کا اطلاق بھی اہل لغت کی ہاں معروف ہے، اس کی طرف ''فتح المجید'' کے مؤلف نے اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقد يسمى الصنم وثنا كما قال الخليل عليه السلام: "انما تعبدون من دون الله اوثانا وتخلقون إفكا ......الأية" ويقال: ان الوثن اعم وهو قوى فالاصنام اوثان كما ان القبور اوثان .③

ترجمہ: بعض اوقات صنم کو ہی وثن کہدیا جاتا ہے، جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قول کتاب اللہ میں مذکور ہے، فرماتے ہیں: ''تم اللہ کے سوا بتوں کی عبادت کرتے اور اللہ کے خلاف جھوٹ گھڑتے ہو......'' الخ، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وثن اپنے مفہوم کے اعتبار سے صنم کی نسبت عام اور کثیر الجہت ہے، اور یہی رائے زیادہ قوی بھی ہے۔ صنم کو بھی وثن کہا جاتا ہے اور قبروں کیلئے بھی وثن کا لفظ بولا جاتا ہے۔

---

① تفسیر الخازن واللفظ له/ ج ۲۰ ص ۱۴۸ /تفسیر الطبری ج ۷/ ۱۵۹ /المصباح المنیر ۱/ ۱۲ ۴ حرف (ص)
② حاشیه لتطهير الاعتقاد عن أدران الإلحاد ص ۷
③ فتح المجيد ص ۷۹

واضح رہے کہ وثن کا اطلاق جب قبر پر ہوتا ہے تو اس میں ہر قبر شامل نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی قبر وثن کہلاتی ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی دعا

عن ابی هريرة عن النبی ﷺ اللهم لاتجعل قبری وثنا لعن الله قوما اتخذوا قبور أنبياهم مساجد. ①

الٰہی میری قبر کو بت کی طرح عبادت گاہ نہ بنا دینا۔

(صحیح)

کی تشریح کرتے ہوئے علامہ الشیخ عبدالرحمن بن حسن رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ودل الحديث على ان الوثن هو ما يباشره العابد من القبور والتوابيت التی عليها ②

یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ وثن قبر یا قبر کے اوپر بنائے گئے گنبد و چبوترے کو کہا جاتا ہے جسے قبر پرست شخص اپنی عبادت کے لئے براہ راست تصرف میں لاتا ہے۔

تصویر پر لفظ ''وثن'' کا اطلاق:

دیواروں پر تعظیم وتوقیر کی خاطر لٹکائی گئی تصاویر پر بھی بعض اوقات وثن کا اطلاق ہو جاتا ہے، چنانچہ اس کی طرف سے اشارہ کرتے ہوئے امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد يقال للصورة المصورة على صورة الإنسان فی الحائط وغيره صنم ووثن ③

کبھی دیوار وغیر پر بنائی گئی انسانی شکل وصورت کی تصاویر کو بھی صنم اور وثن کہہ دیا جاتا ہے۔

وثن اور صنم کے مابین فرق واضح کرتے ہوئے مشہور مؤلف مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اوثان وثن کی جمع ہے اور وثن تھان کو کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ ایک صنم ہوتا ہے اور ایک وثن۔ اگر کسی جن، فرشتے، پیغمبر، شہید، بزرگ اور ولی کی صورت بنا کر اس کی پرستش کی جائے تو اس کو صنم پرستی کہتے ہیں۔ اور کسی مکان، جگہ، پہاڑ، دریا، جنگل، ٹیلہ، پتھر، کاغذ اور لکڑی وغیرہ کو کسی غیر اللہ کے نام کا مقرر کر کے اس کو پوجیں، اس کیلئے وہ وہ کام کریں جو اللہ کیلئے مخصوص ہیں تو یہ فعل وثن پرستی کہلاتا ہے۔'' ④

---

① رواه المؤطا، كتاب قصر الصلاة فی السفر، باب جامع الصلاة/مسند احمد، رقم الحديث: ۷۳۵۲/واللفظ له/اسناده صحيح/مسند ابی هريرة.

② فتح المجيد ص ۲۴۹

③ تفسير الطبری ج ۷ ص ۱۵۹

④ انوار التوحيد ص ۱۵۶



بعض مفسرین حضرات کی عبارات سے قبرپرستوں کا شبہ

قرآن کریم کی آیات

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا ﴾ ①

ترجمہ: اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی تو نہیں پیدا کر سکتے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴾ ②

ترجمہ: جنہیں تم اس کے سوا پکار رہے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔

﴿ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴾ ③

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے جاہلو! کیا تم مجھ سے اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کا کہتے ہو۔

﴿ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ ④

ترجمہ: اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو ہم نے بھیجا، اس نے کہا اے میری قوم والو! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

﴿ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ ⑤

ترجمہ: اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، اس نے کہا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

یہ آیات اور ان جیسی متعدد دیگر آیات میں وارد ہونے والے الفاظ "من دون اللّٰہ" "غیر اللّٰہ" "وغیرہ" کی تفسیر کرتے ہوئے بعض مفسرین حضرات نے اُصنام کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے عامۃ الناس سے قطع نظر بعض ایسے افراد بھی دھوکہ کھا گئے جو انتہائی پڑھے لکھے، باشعور اور فکر و دانش سے بہرہ ور طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ خاص طور پر وہ لوگ ان تفسیری عبارات سے زیادہ متاثر ہوئے جن کے قلب و دماغ پر قبر پرستی کی لذت کا غلبہ ہو چکا ہے۔ ایسے تمام لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو پکارنے اور مافوق الاسباب حاجات وشدائد

① سورۃ الحج: ۷۳
② سورۃ الفاطر: ۱۳۔
③ سورۃ الزمر: ۶۴۔
④ سورہ ہود: ۵۰۔
⑤ سورۃ ہود: ۶۱

میں غائبانہ طور پر ان سے مدد طلب کرنے یا انہیں نفع ونقصان کے مالک سمجھنے کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے اور ایسی ہستیوں کو "مـن دون اللہ" یا "غیر اللہ" کے الفاظ سے متعارف کرایا گیا ہے تو اس سے صرف اور صرف اصنام (بت) مراد ہیں۔ لہٰذا جو لوگ قبروں، قبوں، گنبدوں اور درگاہوں پر جا کر نذر و نیاز دیتے، منتیں مانتے، ان کے اردگرد طواف کرتے، اعتکاف بیٹھتے اور ان کو اپنی مشکلات وبلیّات میں پکارتے اور ان سے اپنی حاجت برآری کی دعا کرتے ہیں تو ان کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز یہ قبور و آستانے نہیں بلکہ وہ ہستیاں ہیں جو کہ ان قبروں کے اندر مدفون ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ولی اور اسکے برگزیدہ وصالح بندے ہیں۔ بھلا اللہ کے ان صالح بندوں کیساتھ ہاتھ کے گھڑے ہوئے بے جان اور بے قدر بتوں کو کوئی نسبت ہوسکتی ہے؟ ایک طرف عقل وفکر، زہد وتقوی، اور احترام وتکریم کی خوبیاں ہیں، دوسری طرف عقل و دانش، حیات و روح اور عزت ومنزلت سے محرومی ہے۔ لہٰذا ان دونوں کے درمیان مماثلت ومشابہت کی سوچ درست نہیں ہے۔

یہ ہے وہ تباہ کن شبہ اور مہلک ترین دھوکہ جس نے عقل وفکر کے ایوانوں کو اور دوراندیشی و عاقبت سازی کے دریچوں کو مقفل کر کے رکھدیا ہے۔ انسانوں کے ہجوم اور انبوہ کے انبوہ اپنی توحیدی اور فطری معرفت کی عزت و آبرو کو بلا روک ٹوک تباہ کرنے پر تلے نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ شرک اور کفر کو اصنام اور بتوں کی عبادت کے ساتھ خاص کر کے بت پرستی کے سارے اعمال و وظائف بزرگوں اور ان کی قبروں کے ساتھ بجا لا کے بڑے خوش ہوتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ شرک تو بتوں کی عبادت، ان کو پکارنے، ان کیلئے نذر و نیاز دینے، ان پر اعتکاف بیٹھنے یا ان کے اردگرد طواف کرنے کا نام ہے۔ ہم تو قطعاً ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ ہم تو یہ سارے معاملات (از قسم نذر و نیاز، سجدہ و پکار، اعتکاف و طواف وغیرہ) ولیوں، بزرگوں اور اللہ تعالیٰ کے معزز ومقرب بندوں سے کرتے ہیں، بتوں اور مجسموں کی عبادت سے تو ہم بھی نفرت و برأت کا اظہار کرتے ہیں۔

ازالہ شبہ کیلئے قاعدہ:

قبر پرستوں کا یہ شبہ اس کتاب کے تیسرے باب میں کسی حد تک تو بیان ہو چکا ہے۔ اس کے ازالہ کے لئے ہم نے اُس مقام پر دو متفق علیہ اصولی قاعدے بیان کیئے ہیں جس سے اس کا اطمینان بخش ازالہ ہو چکا ہے۔ یہاں ایک تیسرا قاعدہ کلیہ بیان کیا جا رہا ہے اگر اسے خوب ذہن نشین کر لیا جائے تو یہ بات بڑی سہولت کے ساتھ سمجھ آجائے گی۔

اس تمہیدی قاعدہ کلیہ کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا میں آج تک کوئی بھی ایسی قوم نہیں گذری جس نے محض لکڑی، پتھر،



اینٹ، سونے اور چاندی وغیرہ کی بے جان مورت اور مجسمہ کو قدرت وتخلیق کا مالک، عبادتوں اور محبتوں کا مستحق اور مشکل کشائی وحاجت روائی کا اہل قرار دیا ہو۔ ہاں بت جب بھی تراشا گیا، مجسمے جب بھی تراشے اور گھڑے گئے ان کی شکلیں اور صورتیں انبیاء، ملائکہ، جنات، اولیاء اللہ وصالحین اور اللہ تعالیٰ کے محبوب وبرگزیدہ ذی روح اور معزز افراد کی شکلوں کے مطابق ہی بنائی گئیں۔ اور ان بتوں سے وہ کام لیا گیا جو گمراہ صوفی مرید اپنے شیخ کے تصور سے محبت میں اندھے سیاسی ورکر اور مذہبی کارکن اپنے اپنے سیاسی و مذہبی لیڈروں کی بجی سجائی تصویروں سے لیا کرتے ہیں۔ ان تصویروں، صورتوں اور بتوں کو سامنے رکھنے سے ان سے معنون شخصیات کا ذہن پر غلبہ رہتا ہے اور اس سے یکجہتی اور کامل محبت کے جذبات کو تقویت ملتی ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

خلاصہ یہ کہ بتوں کی قطع وتراش میں بنیادی طور پر برگزیدہ بندوں کے ناموں اور ان کی شکل وصورتوں کا بڑا دخل رہا ہے۔ عبادت اگرچہ ظاہری طور پر اس صنم کی ہوتی ہے لیکن حقیقت وذات کے اعتبار سے اس عبادت کا مرجع ومحور وہ بزرگ یا برگزیدہ بندہ ہی ہوتا ہے جس کے نام اور تصور پر بت تراشا گیا ہے۔

ذرا عقل سے غور فرمائیں کہ ایک من کی لکڑی، پتھر، سونا اور چاندی وغیرہ بت بننے سے قبل تو نہ حاجت روا تھا نہ مشکل کشا، الوہیت اور معبودیت کی صفات سے متصف تھا اور نہ نفع ونقصان کی طاقتوں کا مالک تھا۔ بس جونہی تراش کر خوبصورت مجسمے اور منقش بت کی شکل اسے ملی تو وہ الہ ومعبود بن گیا۔ حاجت روائی ومشکل کشائی کے منصب کا اہل بن گیا۔ اور اس میں نفع ونقصان پہنچانے کی بھرپور اور لامحدود طاقت بھی سرایت کر گئی، یہ سب کچھ کیسے ممکن ہے؟ اور کس دلیل پر اس نظریہ کی بنیاد ہے؟

اس اشکال کو سمجھنے کیلئے گذشتہ سطور میں بیان کیئے گئے قاعدہ کلیہ کو ایک مرتبہ پھر پڑھ لینا چاہیئے، آپ کی سہولت کیلئے مختصر سا اشارہ کیا جاتا ہے کہ غیر تراشیدہ پتھر اور لکڑی اور بن ڈھلا سونا اور چاندی وغیرہ حاجت روا اور مشکل کشا اس وجہ سے نہیں سمجھے جاتے کہ ان کے ہاتھ پیر، ناک، کان اور دیگر خدوخال اجاگر نہیں کیئے گئے ہوتے۔ جونہی کسی بزرگ ولی اور اللہ کے کسی محبوب انسان کی شکل وصورت کو نمایاں کر دیا جاتا ہے، تو دل کی توجہ کا قبلہ اور محبتوں کا مرکز بن جاتا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ عقیدت ومحبت بت کے ڈھانچہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس فرد کے ساتھ ہوتی ہے جس کے نام پر بت، مجسمہ یا تابوت وغیرہ بنایا جاتا ہے۔



ہر مشرک و بت پرست کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے تقرب کا حصول ہوتا ہے

دنیا کا ہر مشرک اور بت پرست انسان چاہے وہ بتوں کے آگے جھکتا ہو یا اپنے ذہن میں بت سے موسوم کسی ولی اللہ کی صورت کو جمائے ہوئے ہو، اس کا اصل مقصد نہ بتوں کی خوشنودی کا حصول ہوتا ہے اور نہ ہی ان بتوں کے اصلی ناموں کی رضا کی طلب اس کا مطمع نظر ہوتی ہے، بلکہ وہ غیر اللہ کی عبادت سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے تقرب کا متلاشی ہوتا ہے۔

مشرک لوگ مختلف دھاتوں سے بنائے گئے بتوں اور مجسموں کی پوجا پاٹ کے ذریعے سے ان اولیاء و بزرگان کو خوش کرنا چاہتے ہیں جن کی شکل وصورت پر یہ بت تراشے گئے تھے جب یہ اللہ کے برگزیدہ بندے راضی ہو جائیں گے تو وہ اپنی عبادت کرنے والے لوگوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں گے، جب اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے گا تو ان کو اپنے عذاب سے محفوظ اور اپنی رحمتوں کا حقدار بنا دے گا۔

دیکھا جائے تو مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے دو واسطے بنا رکھے تھے، ایک واسطہ بتوں اور مجسموں کا، دوسرا واسطہ ان بتوں یا مجسموں کے اندر پوشیدہ اولیاء اللہ اور صالحین کا جن کے ناموں اور شکل وصورتوں پر یہ بت تراشے گئے تھے۔ ظاہری طور پر مشرک لوگ غیر اللہ کی ہی عبادت کرتے ہیں لیکن ان کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہوتا ہے، اس لیئے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے، ہماری پکار اور طلب بھی قابل قبول نہیں ہوتی جب تک ہم اولیاء اللہ اور صالحین کا وسیلہ اور واسطہ پیش نہ کریں۔ قرآن کریم نے مشرکوں کے اس عقیدہ کو یوں بیان فرمایا ہے، جو خود انہی مشرکوں کے اقرار و اعتراف پر مشتمل ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى ﴾ ①

ترجمہ: (کہتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اسی لیئے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں۔

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ میر سید سند شریف شرح مواقف میں لکھتے ہیں:

---

① سورۃ الزمر: ٣



فانهم لا يقولون بوجود الٰهين واجبي الوجود ولا يصفون الاوثان بصفات الالوهية وان اطلقوا عليها اسم الألهة بل اتخذوها على انها تماثيل الانبياء أو الزهاد أو الملائكة أو الكواكب واشتغلوا بتعظيمها على وجه العبادة توصلابها الى ما هو اله حقيقة. ①

ترجمہ: بت پرست لوگ نہ تو دو واجب الوجود معبودوں کے قائل تھے اور نہ ہی وہ بتوں کو صفاتِ الوہیت سے متصف مانتے تھے، اس سب کچھ کے باوجود اتنا ضرور تھا کہ انہوں نے ان بتوں کو نام کی حد تک معبود و اِلٰہ ضرور کہا تھا مگر حقیقت یہی برقرار رہی کہ وہ ان بتوں کو نبیوں، زاہدوں، فرشتوں اور ستاروں کی نیابت کرنے والا سمجھتے اور عبادت کے طور پر ان کی تعظیم بجالاتے تھے تاکہ ان کی تعظیم سے حقیقی معبود (اللہ تعالیٰ) تک رسائی ہو سکے۔

بعینہٖ اسی طرح دورِ حاضر کے مشرکوں نے بھی اللہ تعالیٰ تک رسائی اور اس کی رضا کے حصول کیلئے دو واسطے بنا رکھے ہیں۔ ایک واسطہ مٹی کی قبروں، منقش ومزین قبوں، اور قیمتی و عالیشان گنبدوں کا اور دوسرا واسطہ (فرضی یا واقعی) اولیاء اللہ اور صالحین کا جو ان قبروں میں آسودہ خاک ہو چکے ہیں یا جن کی طرف ان قبروں، مزاروں اور خانقاہوں کی نسبت ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا صحیح طریقہ

دور اول کے مشرکوں اور دور حاضر کے قبر پرستوں نے رب کی رضا کے حاصل کرنے کیلئے واسطہ اور جو طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے کفر اور شرک قرار دیا ہے۔ خالی نیت کا اخلاص ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ نیت اور عمل کی قبولیت کیلئے اتباعِ رسول ﷺ بھی حددرجہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ واسطوں، وسیلوں کا محتاج نہیں ہے۔ وہ تو براہ راست لاچار و بے بس انسانوں کی دعاؤں کو سنتا اور ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی فرماتا ہے۔ ایسے عظیم و مقتدر رب کے حضور واسطوں یا وسیلوں کو ڈھونڈنا بذات خود اپنے رب عظیم کی بے مثل و مثال مرتبہ سے لاعلمی کی دلیل ہے۔

شرک کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی؟

توحید اور شرک کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے جذبوں سے لبریز ہر باشعور اور بیدار مغز انسان فطرتی طور پر

① شرح مواقف ص ۵۸۰



اس سوال کا جواب حاصل کرنا چاہتا ہے کہ شرک کی مذمت اور اس سے بچنے کی تلقین کتاب اللہ میں جگہ جگہ موجود ہے۔ اور قرآن کریم ایسی مستند و معتبر کتاب مبارک میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوتی ورسالتی حیات مبارکہ کے واقعات بیان ہوئے ہیں ہر ایک نبی محترم علیہ السلام نے اپنی اپنی قوم کو شرک سے بچنے اور توحید کو اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ہدایت یافتہ قومیں عزت و افتخار کی مستحق ہوگئیں اور شرک کو ترک نہ کرنے والی اقوام عبرت و نصیحت کا سامان چھوڑ کر تباہ و برباد ہوگئیں، کتاب اللہ نے بڑی بڑی اقوام کے واقعات منکشف فرمائے اور بہت سارے عالی قدر نبیوں علیہم السلام کی دعوت کے تذکرے فرمائے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ شرک نے کب انسانی تاریخ میں وجود حاصل کیا اور اس کی پیدائش کے کون کون سے اسباب تھے؟

شریعت مطہرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک و بت پرستی کا آغاز عالی مرتبت نبی سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم سے ہوا اور اس کا سبب اس قوم کا اپنے اولیاء و صالحین کے ساتھ حد درجہ غلو اور حد سے بڑھ کر تعظیم و توقیر کا طریقہ بنا۔ اس قوم نے اولیاء و صالحین کو عبودیت کی حد سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر لا کھڑا کیا۔

قرآن کریم نے تو ان اولیاء و صالحین کے اسماء گرامی بھی بیان فرمائے ہیں جن کی حد درجہ توقیر و تعظیم سے قوم نوح علیہ السلام آہستہ آہستہ شرک کا شکار ہوگئی۔ اللہ کی کتاب میں ان کا تذکرہ اس طرح وارد ہوا ہے:

﴿ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴾ ①

ترجمہ: اور کہا انہوں نے کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔

یہ پانچ اشخاص جن کے اسماء گرامی اس آیت مبارکہ میں مذکور ہوئے ہیں اپنے وقت کے نہایت ہی صالح و پارسا بندے اور اپنے رب کے بہت بڑے ولی تھے۔ زندہ رہے تو اپنے زہد و تقویٰ کی بنا پر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے ہاں مقرب و محبوب بنے رہے۔ وقت اجل آن پہنچا تو اس دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہو گئے، ان کی قوم کو ان اولیاء اللہ سے جس قدر زیادہ محبت تھی اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کو ان پاکباز افراد کی وفات سے دکھ لاحق ہوا۔ رنج و غم نے ان کی غیر موجودگی کے دکھ کو اور بھڑکایا۔ ابلیس ملعون (جو بنو آدم کا کھلم کھلا دشمن ہے) کو ان لوگوں کو گمراہ کرنے کا سنہری موقعہ مل گیا۔ اس ملعون نے نہایت مکاری سے ان لوگوں کو اپنے دام فریب میں پھنسانے کا منصوبہ بنالیا۔

پہلی مرتبہ سوگوار اور افسردہ قوم کے پاس آیا، تو غم واندوہ کا اظہار کرنے اور ان کو تسلی دینے لگا۔ انسانی شکل میں آیا تھا۔ لوگ اس کے غمگین چہرے اور بے قرار حالت کو دیکھ کر مانوسیت کا اظہار کرنے لگے۔ اس نے لوہے کو گرم دیکھا تو

---

① سورۃ نوح: ۲۳

ابلیسی چوٹ لگانا شروع کردی کہنے لگا مجھے تمہاری اداسی اور غمزدگی نے بڑا متاثر کیا ہے، مجھ سے رہا نہیں گیا، میں نے تمہارے لیئے ایک ترکیب سوچی ہے اگر تم اسے اپنا لوگے تو ان بزرگوں سے تمہارا ربط برقرار رہے گا اور تم ان کی طرح عبادتیں کرنے کیلئے بھی تیار و مستعد ہو جاؤ گے، ایسا کرو کہ ان اولیاء اللہ کے مجسمے یا بت بنالو اور انہیں ان کی مساجد و معابد اور ان کی مسندوں کے قریب نصب کردو۔ روزانہ ان کی تصویریں دیکھ کر تمہاری افسردگی ختم ہو جائے گی، اور تمہارا معابد و مساجد سے بھی تعلق برقرار رہے گا۔ (مکمل تفصیل مفسرین کے اقوال کے تحت مذکور ہوگی)

فریب خوردہ قوم نے ابلیس ملعون کی اس تجویز کو غیر مضر سمجھتے ہوئے پوری طرح اختیار کر لیا۔ جب تک یہ لوگ زندہ رہے اولیاء اللہ کے بتوں اور مجسموں کا دیدار ہی کرتے رہے۔ نوبت ان کی عبادت تک نہ پہنچی لیکن جب بوڑھوں کی یہ نسل دار البقاء کی طرف منتقل ہوگئی تو نئی نسل آ گئی جن کے پاس شریعت کا علم بھی نہ ہونے کے برابر تھا، ابلیس ان روشن خیال نوجوان افراد کے پاس انسانی شکل میں آیا اور کہنے لگا تم نہیں جانتے کہ ان بتوں اور مجسموں کی کتنی بڑی عظمت ہے، تمہارے آباء واجداد تو ان کی محبت سے عبادت کیا کرتے، ان سے مدد مانگا کرتے اور بارش بھی انہی سے طلب کیا کرتے تھے، بس تمہارے آباء واجداد کو ان کی طرف سے سب کچھ مل جایا کرتا تھا۔

نئی نسل تھی، انہوں نے اپنے آباء واجداد کی پرانی نسل کو دیکھا تک نہ تھا اور نہ انہیں اپنے پرانے آباء واجداد کے طریقہ عبادت کے بارے میں کوئی آگاہی تھی، خود بھی علم شریعت سے کورے تھے۔ ان میں ابلیس ملعون کے مکر وفریب کے ادراک کی قوت ہی نہ تھی۔ اس سے تصادم یا ٹکراؤ کرنے کا ادنیٰ سا جذبہ بھی انگڑائی نہ لے سکا۔ اس لیئے انہوں نے ابلیس کے اس فریب کو قبول کر کے بتوں اور مجسموں کی باقاعدہ عبادت شروع کر دی۔ کائنات کی یہ پہلی جماعت تھی جس نے اپنے رب کے حق کا انکار کیا اور غیر اللہ کو اپنا معبود و مشکل کشا تسلیم کر لیا، اور یہ وقت تاریخ عالم میں شرک کی پیدائش وظہور کا اولین لمحہ قرار پایا۔

اس ظالم ومشرک اور کافر قوم کی اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول سیدنا نوح علیہ السلام کو اپنا پہلا رسول بنا کر مبعوث فرمایا تاکہ اللہ کا یہ معزز رسول لوگوں کو شرک و بت پرستی سے ہٹائے اور انہیں اکیلے اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کی عبادت کی تعلیم دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـهٍ غَيْرُهُ إِنِّيَ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴾ ①

ترجمہ: ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے فرمایا، اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں، مجھ کو تمہارے لیئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

① سورۃ الاعراف: ۵۹

سیدنا نوح علیہ السلام سے پہلے بھی نبی گذرے ہیں جیسے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا ادریس علیہ السلام، لیکن ان کے عہد مبارک میں شرک و بت پرستی کا وجود تک نہ تھا۔ سب لوگ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرنے والے تھے۔ شرک کا آغاز سیدنا نوح علیہ السلام کے دور سے ہوا اور انہیں پانچ بزرگوں کی عبادت سے یہ سلسلہ چلا جن کے اسماء گرامی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

سیدنا قتادہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن گذرے اس مدت میں سب کے سب لوگ ہدایت پر قائم تھے۔ بعد میں اختلافات نمودار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کیلئے سیدنا نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ یہی بات "اغاثة اللھفان" اور "البداية والنهاية" میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:

قال سعيد عن قتادة ذكر لنا انه كان بين آدم ونوح عليهما السلام عشرة قرون كلهم على الهدى وعلى شريعة من الحق ثم اختلفوا بعد ذلك فبعث الله عزوجل نوحا وكان اول رسول بعثه الله تعالىٰ الى اهل الأرض وبعث عند الاختلاف بين الناس وترك الحق.①

ترجمہ: سیدنا سعید، سیدنا قتادہ رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیوں کا فاصلہ تھا۔ ان دس صدیوں میں لوگ راہِ راست پر اور حق تعالیٰ کے عطا کردہ نظام پر قائم رہے۔ اس کے بعد لوگوں میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو کہ زمین والوں کے لیئے اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول تھے اور انہیں اختلافات پیدا ہوجانے اور حق سے روگردانی کے دور میں مبعوث فرمایا گیا۔

ایک اشکال اور اس کا ازالہ:

گذشتہ سطور میں آپ نے یہ پڑھا ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام سے پہلے کئی انبیاء ورسل علیہم السلام گذر چکے ہیں اور یہ بھی پڑھا ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام زمین والوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے اولین رسول ہیں۔ ظاہری طور پر ان دونوں باتوں میں اختلاف اور تعارض ہے۔ مگر حقیقت میں یہ دونوں حقیقتیں اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں۔ وہ اس طرح کہ واقعی طور پر سیدنا نوح علیہ السلام سے پہلے انبیاء ورسل علیہم السلام تشریف لائے ہیں مگر ان کے زمانہ میں لوگ ہدایت پر تھے۔ شرک یا کفر کا وجود تک نہ تھا۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی بعثت ایسے حالات میں ہوئی کہ توحید کی آواز دب چکی تھی، حق کالعدم ہو گیا۔ اور اہل حق کا فقدان ہو چکا تھا۔ شرک کی آواز غالب، مشرک لوگ ظلم کی آخری حدوں کو پھلانگ چکے تھے۔ ان لوگوں کی راہنمائی کے لیئے سیدنا نوح علیہ السلام

① اغاثة اللهفان ج ۲ ص ۲۰۱/ البداية والنهاية ج ۲ ص ۲۴۰

کو بھیجا گیا تو رسالت کا بنیادی مرحلہ آغاز پذیر ہوا۔ ترتیب کے لحاظ سے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا ادریس علیہ السلام پہلے نبی ہیں، سیدنا نوح علیہ السلام ان کے بعد تشریف لائے، مگر پیامِ رسالت کے کٹھن مرحلہ کو طے کرنے کے اعتبار سے سیدنا نوح علیہ السلام اول الرسل ہیں۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ''میدان حشر میں سفارش کے حصول کیلئے لوگ مختلف انبیاء کے پاس آئینگے۔'' اس طویل حدیث کا ایک حصہ بیان کیا جاتا ہے جس میں سیدنا نوح علیہ السلام کو اولین رسول کے طور پر لوگ مخاطب کریں گے۔ اس طویل حدیث کا ٹکڑا یہ ہے:

......اذهبوا إلى نوح فيأتون نوحا فيقولون يا نوح انت اول الرسل الى اهل الأرض وسماك الله عبدا شكورا اما ترى الى مانحن فيه ......① (صحيح بخاری)

......تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، پس یہ لوگ نوح علیہ السلام کے ہاں پہنچیں گے اور کہیں گے، اے نوح! علیہ السلام آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین والوں کیلئے پہلے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شکر گذار بندہ قرار دیا ہے۔ کیا آپ ہمیں لاحق ہو جانے والی مصیبت و پریشانی سے نجات کا کوئی حل نہیں دیکھتے......؟

ان سب ادلہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شرک و بت پرستی کے خلاف پہلی زوردار آواز جو اس کرہ ارض کے لوگوں نے سنی تھی وہ آواز تھی سب سے پہلے شرک کے خلاف جہاد و دعوت کا پیام لانے والے نبی سیدنا نوح علیہ السلام کی۔ آپ علیہ السلام نے رات دن اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور معبودان باطلہ کی عبادت سے منع کرتے رہے۔

چنانچہ اس بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قَالَ رَبِّ إِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلاً وَّنَهَاراً ٥ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِىْ إِلَّا فِرَاراً ٥ وَإِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِىْ آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَاراً ٥ ثُمَّ إِنِّىْ دَعَوْتُهُمْ جِهَاراً ٥ ثُمَّ إِنِّىْ أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ

ترجمہ: نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا مگر میرے بلانے سے یہ بھاگنے میں اور بڑھتے ہی گئے۔ میں نے جب کبھی تیری بخشش کیلئے بلایا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا۔ اور اڑ گئے اور سرکشی

① رواه البخاری، کتاب الانبیاء باب قول الله تعالىٰ:" انا ارسلنا نوحا الى قومه أن أنذر قومك من قبل أن يأتيهم عذاب اليم".



لَهُمْ إِسْرَاراً ﴾ ①

کی۔ پھر میں نے انہیں با آواز بلند بلایا اور بے شک میں نے ان سے علانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی۔

شرک کے خلاف سیدنا نوح علیہ السلام کا طویل جہاد

قرآن کریم نے سیدنا نوح علیہ السلام کی طویل رسالتی دعوت کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَى قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَاماً فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴾ ②

ترجمہ: اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں ساڑھے نوسو سال تک رہے۔ پھر تو انہیں طوفان نے دھر پکڑا اور وہ تھے بھی ظالم۔

اس طویل مدت میں صرف چند ہی افراد (جن کی تعداد اسی بیان کی جاتی ہے) نے ہدایت کی راہ کو اپنایا۔ ان کے علاوہ باقی پوری قوم نے شرک کے اطوار کو ہلاکت و بربادی کے خوفناک لمحات تک ترک نہ کیا۔

چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہلاکت سے بچ جانے والے افراد کا تذکرہ ملتا ہے:

قال ابن وهب بلغني عن ابن عباس انه نجامع نوح في السفينة ثمانون رجلا احدهم جرهم وكان لسانه عربيا. ③

ترجمہ: ابن وہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں اسی افراد نے نجات حاصل کی تھی، جن میں عربی زبان والا جرھم نامی شخص بھی شامل تھا۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی تبلیغی مدّت کا ان کی رات دن کی انتھک جدوجہد کا ان کی طرف سے تبلیغ کے لئے ہر ممکن طریقہ استعمال کرنے کی خوبصورت مہارت اور ان کی بے مثال بُردباری کا جائزہ لیں تو اس سے ان کی قوم کے تکبر وغرور تمرد و سرکشی اور حد درجہ ضد و جہالت کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قوم نے آخر تک ایک دوسرے کو اپنے معبودوں سے چمٹے رہنے کی تاکیدیں کیں اور توحید سے باز رہنے کا جذبہ پیدا کرتے رہے۔

بے مثال صبر کی انتہا اور طوفان:

بالآخر سیدنا نوح علیہ السلام اپنی قوم کی سرکشی سے ان کے کبر وغرور سے اور ان کی اذیت رسانی سے تنگ آ گئے، اور

---

① سورة نوح: ۵، ۶، ۷، ۸، ۹
② سورة العنكبوت: ۱۴
③ تفسير ابن كثير ج ۲ ص ۲۲۴



انہیں اپنی قوم کے ایمان کو قبول کرنے کی امید باقی نہ رہی تو انہوں نے اپنی قوم کے خلاف بددعا کی کہ میرے پروردگار! ان کافروں اور ظالموں کو ہلاک کر دے۔ اس طرح کہ ان کا کوئی بھی فرد بچنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ میرے پروردگار! مجھے تو ان کی نسل کی ایمان لانے سے بھی امید نہیں رہی، لہٰذا ان کی جو بھی اولاد پیدا ہوگی وہ کافر، مجرم اور سیاہ کار ہی ہوگی۔

قرآن کریم میں سیدنا نوح علیہ السلام کی بددعا اس طرح نقل ہوئی ہے:

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّاراً ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِراً كَفَّاراً﴾ ①

ترجمہ: اور (سیدنا) نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پالنے والے تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے والا نہ چھوڑ اگر تو انہیں چھوڑے گا تو یقیناً یہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کر دینگے، اور ان کے ہاں جو بال بچے ہوں گے وہ بھی بدکار ناشکر ہونگے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی سیدنا نوح علیہ السلام کی اس بددعا کو قبول فرمالیا، چنانچہ سیدنا نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے چند افراد کو کشتی کے ذریعے نجات عطا فرمائی۔ اور بقیہ ماندہ پوری قوم کو خوفناک طوفان نے غرق کر کے تباہ و برباد کر دیا۔ قرآن کریم میں اس خوفناک طوفان اور قوم نوح کی غرقابی کا تذکرہ موجود ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْماً عَمِينَ﴾ ②

ترجمہ: سو ان لوگوں نے اس (نوح) کی تکذیب کی تو ہم نے (نوح علیہ السلام) کو اور ان کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے، بچا لیا۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا، بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے۔

قصہ مختصر قوم نوح علیہ السلام صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہوگئی اور رہتی دنیا تک کے لئے عبرت کا نشان چھوڑ گئی۔ اس مغرور و متکبر اور نہایت ہی بدکار قوم کی ہلاکت و بربادی کے بعد بھی بت پرستی کا سلسلہ نہ تھا بلکہ بدترین ظلم کی یہ عادت جزیرہ عرب میں بسنے والوں کے اندر پھیل گئی۔ اس کی تفصیل آئندہ سطور میں ملاحظہ کریں۔

---

① سورۃ نوح: ۲۶، ۲۷

② سورۃ الاعراف: ۶۴



ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ کے محبوب اور برگزیدہ بندے تھے

اس عنوان کے تحت ہم بتوں کی حقیقت و ماہیت پر روشنی ڈالیں گے تاکہ قارئین کرام ان حقائق کے مطالعہ کر لینے کے بعد قدیم دور کے بت پرستی کے شرک اور دورِ حاضر کی قبر پرستی کے شرک کے درمیان یکسانیت کو علی وجہ البصیرت معلوم کر لیں۔

اسلام کے ظہور سے پہلے کرہ ارض ایسے افکار، نظریات، عقائد اور عادات و رسوم سے بھرا ہوا تھا جن کی بنیاد شرک و کفر اور الحاد پر قائم تھی۔ کہیں یہودیت کے لبادہ میں ان خرافات کو تحفظ ملا ہوا تھا، کہیں نصاریٰ کی اجارہ داری میں شرک و کفر کے کاروبار کو رونق ملی ہوئی تھی اور کسی علاقہ میں مجوسیوں کی طرف سے دو الٰہوں کے تصور و عقیدہ کو اپنی جملہ قوتوں و صلاحیتوں سے پھیلایا جا رہا تھا۔ یہ تو تھے مختلف مذاہب و نظریات کے مملوکہ علاقوں کے حالات، اور جہاں کوئی مذہب و ملت موثر نہ تھا، وہاں بھی نری بت پرستی کا بھرپور رواج تھا۔ بلکہ دیکھا جائے تو بت پرستی ہی روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کا متفقہ شعار بن چکی تھی۔ بس اگر کوئی فرق تھا تو صرف اس قدر کہ کہیں بت پرستی کو مذہبی و قانونی تحفظ نصیب تھا، اور کہیں آباء و اجداد کے طور و اطوار نے اسے لوگوں میں پسندیدہ بنا رکھا تھا۔

ساری دنیا میں مختلف ناموں سے بنائے گئے اور پوجے گئے بتوں کی تفصیل تو اس کتاب میں بیان کرنا مشکل ہے۔ اس لئے ہم ان بتوں کی اصلیت بتانے پر اکتفاء کریں گے جو ارض اسلام جزیرۃ العرب کے قدیم باشندوں کے ہاں معبود اور مشکل کشا کے طور پر مشہور اور معروف تھے۔ ممکن ہوا تو ہم جزیرہ عرب کے علاوہ کچھ دوسرے علاقوں اور عرب قوم کے علاوہ کچھ دوسرے بت پرست اقوام کے مشہور بتوں کی حقیقت سے بھی روشناس کرائیں گے۔

جزیرۃ العرب کے بتوں کا تعارف

جزیرہ عرب میں پتھر، پیتل، تانبے، سونا، چاندی، اینٹ، لکڑی اور دھاتوں سے بنائے گئے بت مختلف قبائل کے معبودوں کی شکل میں موجود تھے۔ یہ سب بت کسی نہ کسی ولی، بزرگ یا مقرب انسان یا فرشتے کے نام سے تراشے ہوئے تھے۔ عزت تو سب کی کی جاتی، اور عبادت بھی ہر قسم کے بتوں کی ہوتی تھی۔ مگر ان سب بتوں سے زیادہ مشہور، زیادہ قابل تعظیم اور زیادہ پرستش کے لائق وہ بت تھے جن کو بڑے اولیاء اللہ کے نام سے پوجا جاتا تھا۔ یہ وہ نام ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے بھی فرمایا ہے۔ ان میں سے پانچ ولی تو وہ ہیں جو قوم نوح علیہ السلام کے ہاں معبود کی حیثیت سے پوجے

جاتے رہے۔ پھر ان کی شہرت کے ڈنکے عرب اقوام میں بھی بجنے لگے۔ ان پانچوں ولیوں (ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر) کو قبائل عرب نے آپس میں بانٹ رکھا تھا۔ کسی قبیلے نے ود کو، کسی نے سواع کو، کسی نے یغوث کو، کسی نے یعوق کو اور کسی خاندان نے نسر کو اپنا معبود بنا لیا تھا۔

قرآن کریم میں سورۃ نوح کی آیت نمبر: ۲۳

﴿ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعاً وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْراً ﴾

ترجمہ: اور کہا انہوں نے کہ ہرگز نہ چھوڑنا اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑنا ود، سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو۔

------ کی تفسیر معتبر مفسرین کے مستند اقوال سے کی جاتی ہے:

الف- اس آیت کی تفسیر میں سب سے پہلے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ قول پیش کیا جاتا ہے جسے امام المحدثین سیدنا امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس طرح نقل کیا ہے:

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: صارت الاوثان التی کانت فی قوم نوح فی العرب بعد اما ود کانت لکلب بدومة الجندل واما سواع کانت لهذیل واما یغوث فکانت لمراد ثم لبنی غطیف بالجوف عند سبأ واما یعوق فکانت لهمدان واما نسر فکانت لحمیر لآل ذی الکلاع أسماء رجال صالحین من قوم نوح فلما هلکوا أوحى الشيطان إلى قومهم أن أنصبوا إلى مجالسهم التی کانوا یجلسون أنصابًا وسموها بأسمائهم ففعلوا فلم تعبد حتى اذا هلک اولئک وتنسخ العلم عبدت [1] (صحیح بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں کہ جو بت قوم نوح میں (معبود کی حیثیت سے مشہور و معروف) تھے وہی بعد میں عربوں کے ہاں بھی مقبول ہوگئے، دومۃ الجندل کے علاقہ میں رہائش پذیر کلب قبیلے کا بت ود تھا۔ سواع قبیلۂ ہذیل کا، یغوث مراد قبیلے کا پھر قوم سبأ کے علاقہ میں جوف مقام پر آباد قبیلہ بنو غطیف کا بت تھا، اور یعوق قبیلے ہمدان کا معبود تھا۔ جبکہ نسر کو ذوالکلاع کے خاندان حمیر نے اپنا معبود بنا رکھا تھا، یہ پانچوں بت قوم نوح علیہ السلام کے نیک لوگوں کے تھے، ان صالح لوگوں نے جب دنیا سے رحلت کی تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈالی اور انہیں یہ تلقین کی کہ ان اولیاء اللہ

---

[1] رواه البخاری، کتاب التفسیر / تفسیر سورة نوح



کے بیٹھنے کے مقامات پر ان کی تصویروں کو نصب کر دیں اور ان تصویروں پر انہی کا نام استعمال کریں، چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، تاہم انہوں نے ان تصویروں کو پوجنے سے احتراز کیا، جونہی یہ لوگ راہی عدم ہوئے اور علم کا بھی زوال ہو گیا تو ان تصویروں کی عبادت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ب۔ مفسرین قرآن میں سے مشہور مفسر سیدنا محمد بن کعب رحمہ اللہ قومِ نوح علیہ السلام کے ان پانچ اولیاء کرام کے متعلق فرماتے ہیں:

هذه اسماء قوم صالحين كانوا بين ادم ونوح فلما ماتوا كانوا لهم أتباعا يقتدون بهم ويأخذون مأخذهم في العبادة فجاء هم إبليس وقال لهم لو صورتم صورهم كان أنشط لكم واشوق إلى العبادة ففعلوا ثم نشأقوم بعدهم فقال لهم ابليس: ان الذين كانوا قبلكم يعبدونهم فعبدوهم ①

ترجمہ: یہ ان صالح و برگزیدہ افراد کے نام ہیں جو سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کے درمیانی عرصہ میں حیات تھے۔ جب یہ فوت ہوئے تو ان کے پیروکاروں نے ان کی اقتدا کرنا شروع کر دی، اور انہی کی طرح عبادت میں مصروف رہنے لگے، اسی دوران ان کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا اگر تم ان اولیاء اللہ کی تصویریں بنالو تو تمہارے شوق عبادت میں اضافہ اور تمہارے دلوں کے سکون و راحت کا سامان مہیا ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کر لیا۔ یہ لوگ ختم ہو گئے ان کے بعد نئی نسل آ گئی تو شیطان نے انہیں بتایا کہ تم سے پہلے والے لوگ تو ان تصویروں کی عبادت کرتے رہے ہیں، یہ خبر سن کر اس نسل نے ان تصویروں کو پوجنا شروع کر دیا۔

ج۔ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہما محمد بن قیس رحمہ اللہ کی روایت سے سورہ نوح کی آیت "ولا تذرن ودا ولا سواعا" کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

① كيف نفهم التوحيد ص ٧٣



كانوا قوما صالحين بين ادم ونوح وكان لهم أتباع يقتدون بهم فلما ماتوا قال أصحابهم الذين كانوا يقتدون بهم لوصورناهم كان أشوق لنا إلىٰ العبادة اذا ذكرناهم فصوروهم فلما ماتوا وجاء آخرون دَبَّ اليهم ابليس فقال: انما كانوا يعبدونهم وبهم يسقون المطر فعبدوهم.①

ترجمہ: یہ نیکوکار اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے، سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کے درمیان کے دور میں ان اولیاء اللہ کا وجود تھا جب یہ نیک لوگ وفات پا گئے تو ان کے تابعداروں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اگر ہم ان اولیاء اللہ کی تصویریں بنالیں تو عبادت میں ہماری دلچسپی بڑھ جائے گی۔ اور ان صورتوں کو دیکھ کر عبادت کا شوق اور اس کی لذت میں اضافہ ہوجائے گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے اولیاء اللہ کی تصویریں بنالیں یہ فوت ہو گئے ان کی جگہ پر دوسرے لوگ آ گئے تو شیطان نے ان کے ذہنوں میں یہ فکر ڈال دی کہ تمہارے اباء واجداد تو ان تصویروں کی عبادت اور ان سے بارش کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے باقاعدہ طور پر ان کو پوجنا شروع کر دیا۔

د۔ بعض سلف صالحین نے قوم نوح علیہ السلام کی گمراہی اور ضلالت کے کئی تدریجی ادوار بیان کیئے ہیں، کہتے ہیں پہلے مرحلہ پر ان پانچوں ولیوں کی قبروں پر اعتکاف کا عمل شروع ہوا، دوسرے مرحلہ میں ان کی تصویریں بنائی گئیں اور تیسرے اور آخری مرحلہ میں ان کی عبادت ہونے لگی۔ چنانچہ امام ابن قیم رحمہ اللہ اس طرح لکھتے ہیں:

قال غير واحد من السلف كان هؤلآء قوما صالحين فى قوم نوح عليه السلام فلما ماتوا عكفوا على قبورهم، ثم صوروا تماثيلهم ثم طال عليهم الأمد فعبدوهم.②

ترجمہ: سلف صالحین میں کئی ایک بزرگوں کا بیان ہے کہ یہ پانچوں افراد قوم نوح علیہ السلام کے نیک اور صالح لوگ تھے جب یہ وفات پا گئے تو لوگوں نے ان کی قبروں پر مجاورت اختیار کر لی۔ پھر ان کی تصویریں اور مجسمے بنا لیئے، اس کے بعد جب کافی زمانہ گذر گیا تو ان کی عبادت شروع کر دی۔

ط۔ قوم نوح علیہ السلام کی مرحلہ وار گمراہی کی تفصیل امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی بیان کی ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین کرام کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

① تفسير ابن كثير ج ٤ ص ٤٣٦/ تفسير الطبرى ج ٢٨ ص ٦٢ / اغاثة اللهفان ج٢ ص ٢٠٢

② اغاثة اللهفان ج ١ ص٢٠٣.



وقد كان بين ادم الى زمن نوح عليه السلام عشرة قرون كلهم على الإسلام قال عبدالله بن عباس وغير واحد من علماء التفسير وكان اول ماعبدت الاصنام ان قوما صالحين ماتوا فبنى قومهم عليهم مساجد وصوروا صور اولئك فيها ليتذكروا حالهم وعبادتهم فيشبهوا بهم، فلما طال الزمان جعلوا أجسادا على تلك الصور فلما تمادى الزمان عبدوا تلك الأصنام وسموها بأسماء أولئك الصالحين ودًّا وسواعاً ويغوث ويعوق ونسرا، فلما تفاقم الأمر بعث الله سبحانهٗ وتعالىٰ وله الحمد والمنة رسوله نوحا فامرهم بعبادة الله وحده لاشريك له . ①

ترجمہ: سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیوں کا وقفہ تھا، اس میں اسلام کو غلبہ رہا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد دیگر مفسرین کا بیان ہے کہ بت پرستی کا اولین آغاز اس طرح ہوا کہ چند نیک لوگ وفات پا گئے ان کی قوم کے لوگوں نے ان کی قبروں پر مساجد تعمیر کرلیں اور ان مسجدوں کے اندر اولیاء اللہ کی تصویریں آویزاں کردیں۔ تاکہ ان کی زندگی کے حالات اور ان کی عبادت کے نقوش تازہ رہیں، اور انہی کی طرح عبادت کی جاتی رہے۔ جب ایک اچھی خاصی مدت گذر گئی تو ان لوگوں نے ان تصویروں کو مجسموں میں بدل ڈالا اس پر بھی جب ایک طویل وقت بیت گیا تو انہوں نے ان بتوں کی اولیاء اللہ کے ناموں سے عبادت شروع کردی۔ یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کے ناموں کی صراحت کے ساتھ پوجا و پرستش کا مرحلہ شروع ہو گیا۔ بالآخر جب بت پرستی نے شدت اختیار کر لی، اور معاملہ پیچیدہ ہو گیا۔ تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ (ہر قسم کی تعریفوں کا مستحق اور جملہ قسم کے احسانات کا مالک ہے) نے اپنے رسول سیدنا نوح علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا، اللہ تعالیٰ کے اس عظیم نبی (علیہ السلام) نے انہیں اکیلے اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ قوم نوح علیہ السلام کی پانچوں بتوں کو قبائل عرب نے بھی اپنا معبود بنا لیا تھا، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ واقعی طور پر عربوں کو یہ بت مل گئے تھے۔ یا انہوں نے اپنے طور پر نئے بت بنا کر انہی ناموں کے ساتھ مشہور کر دیئے تھے؟ اس سوال کا جواب تفسیر المراغی کے مؤلف نے یہ دیا کہ عربوں نے پانچوں

① تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۲

بزرگوں کے نام سے نئے بت تراشے تھے۔ انہیں قوم نوح کے بنائے ہوئے بت نہیں ملے تھے۔ لکھتے ہیں:

وليست المراد أن أعيان هذه الأصنام صارت اليهم بل المراد انهم اخذوا هذه الاسماء وسموا بها أصنامهم ①

ترجمہ: یہ بات درست نہیں ہے کہ عرب قبائل کو بعینہ یہ بت مل گئے تھے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ عربوں نے پرانے بتوں کے صرف نام ہی اپنے بتوں کے لئے استعمال کیئے تھے

م۔ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کے متعلق امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے امام واقدی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

وقال الواقدی: کان ود علی صورة رجل وسواع علی صورة امرأة ويغوث علی صورة اسد، ويعوق علی صورة فرس، ونسر علی صورة نسر من الطير②

ترجمہ: واقدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ود کو مرد کی شکل پر، سواع کو عورت کی صورت پر، یغوث کو شیر، یعوق کو گھوڑے اور نسر کو نسر والے پرندے (گدھ) کی شکل پر تراشا گیا تھا۔

ھ۔ بعض مفسرین کرام نے یہ بیان کیا ہے کہ اس دھرتی پر اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کے سوا جس غیر اللہ کی سب سے پہلے عبادت کی گئی اس کا نام ود تھا۔ یہ اپنی قوم میں اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قدردان، اس سے بہت ڈرنے والا اور اس کی حددرجہ اطاعت کرنے والا صالح انسان تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا پیارا بندہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسے اپنی قوم کا محبوب ومقبول لیڈر وراہنما بنا دیا۔ جب یہ نیک و برگزیدہ انسان وفات پا گیا تو اس کے عقیدتمندوں نے اس کی قبر پر ڈیرے ڈال دیئے۔ رات دن اس کے فراق میں دھاڑیں مار مار کر روتے چلاتے رہتے۔ ابلیس لعین نے ان کی حالت کو دیکھا تو بڑا خوش ہوا کہ اس قوم کی ہلاکت و بربادی کا نہایت نادر موقعہ مل گیا ہے۔ چنانچہ ابلیس لعین انسانی شکل وصورت دھار کر ان غمزدہ لوگوں کے پاس آیا، کہنے لگا میں نے تمہارے رونے پیٹنے اور چیخنے چلانے سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ تمہیں اس ولی اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت ہے، میں نے تمہارے لیئے ایک طریقہ سوچا ہے جس کے اختیار کرنے سے تمہارے بیقرار دلوں کو قرار اور تمہاری اداس روحوں کو تسکین مل جائے گی۔ ایسا کرو کہ اس ولی اللہ کی شکل وصورت بنا کر بستی کے اندر کسی مقام پر آویزاں کر دو۔ ابلیس کی یہ رائے پسند کر لی گئی، تصویر کو لٹکا دیا گیا، ایک زمانہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا، شیطان بڑا خوش ہوا کہ ایک تیر تو خوب نشانہ پر لگا ہے، اب ایک قدم اور آگے بڑھانا چاہیئے، چنانچہ وہ دوبارہ ان لوگوں کے پاس آ کر کہنے لگا کہ پوری بستی میں صرف ایک تصویر سے سب کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا، ایسا کرو ہر شخص اپنے اپنے گھر میں اس طرح کی تصویر بنوا کر

① تفسیر المراغی ج ۲۸ ص ۸۸
② تفسیر الطبری ج ۲۹ ص ۵۳ / تفسیر القرطبی ج ۱۸ ص ۳۰۹



رکھ دے، اس طرح کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوگی اور اس کے ساتھ یہ بھی فائدہ ہوگا کہ ہر شخص ہر وقت اس تصویر کو دیکھ کر اپنا دکھ دور کر سکے گا۔ لوگوں نے کہا یہ تو اچھی تجویز اور بڑا نیک مشورہ ہے۔ ابلیس لعین چونکہ ایسے کاموں میں مہارت رکھتا تھا اس نے ہر ایک کے لیئے علیحدہ تصویریں بنا کر دیدیں۔ لوگوں نے اپنے محبوب راہنما اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ود کی تصویروں کو بطور یادگار کے اپنے گھروں میں سجا کر لٹکا دیا۔ دیکھتے خوش ہوتے۔ یادیں برقرار رہتیں، عبادت کے جذبوں میں تیزی آتی۔ اس طرح معاملہ چلتا رہا۔ یہ لوگ ختم ہو گئے، نئی نسل پیدا ہوئی پھر اس نسل سے نئی نسل نے وجود سنبھالا تو پہلے کے تمام تصورات اور خیالات بھی بدل گئے۔ اس نسل نے ان تصویروں کی عبادت شروع کر دی۔ چنانچہ مفسرین حضرات سیدنا ابوالمطہر رحمہ اللہ کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں:

عن ابی المطهر قال ذكروا عند ابی جعفر وهو قائم يصلی يزيد بن المهلب قال فلما انفتل من صلاته قال: ذكرتم يزيد بن المهلب اما انه قتل فی اول ارض عبد فيها غير الله قال: ثم ذكروا رجلا مسلما وكان محببا فی قومه فلما مات اعتكفوا حول قبره فی أرض "بل" وجزعوا عليه فلما رأى ابليس جزعهم عليه تشبه فی صورة انسان ثم قال إنی أرى جزعكم على هذا الرجل فهل لكم أن أصورلكم مثله، فيكون فی ناديكم فتذكرونه؟ قالوا: نعم فصورلهم مثله قال ووضعوه فی ناديهم وجعلوا يذكرونه فلما راى مابهم من ذكره قال هل لكم أن أجعل فی منزل كل رجل منكم تمثالا مثله فيكون له فی بيته فتذكرونه؟ قالوا: نعم قال فمثل لكل اهل بيته تمثالا لامثله، فاقبلوا فجعلوا يذكرونه به قال: وأدرک أبناؤهم فجعلوا يرون مايصنعون به قال

ترجمہ: سیدنا ابوالمطہر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ ابو جعفر رحمہ اللہ نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی دوران لوگوں نے یزید بن مہلب کا ذکر چھیڑ دیا، ابوجعفر رحمہ اللہ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا، تم یزید بن مھلب کا ذکر کر رہے تھے تو سنو وہ ایسے علاقہ میں قتل ہوا ہے جہاں سب سے پہلے غیراللہ کی پرستش کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ ابوالمطہر کہتے ہیں کہ اس کے بعد لوگوں نے ایک اطاعت شعار ولی اللہ کا تذکرہ شروع کیا جو اپنی قوم میں حد درجہ محبوب انسان تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو لوگوں نے سرزمین ''بل'' میں واقع اس کی قبر پر اعتکاف کرنا شروع کر دیا اور اس کی جدائی پر جزع وفزع کا اظہار کرنے لگے۔ ابلیس نے ان لوگوں کو مغموم اور بے چین دیکھا تو ان کے سامنے انسانی شکل میں آ وارد ہوا۔ اور کہنے لگا مجھے اس ولی اللہ کی جدائی کے غم میں تمہاری بے صبری اور شدید اداسی کو دیکھنے کا موقعہ ملا ہے، کیا تم چاہو گے کہ میں تمہارے لیئے اس ولی اللہ کی تصویر بنا دوں جسے تم اپنی مرکزی مجلس گاہ میں لٹکا دو، اس



وتناسلوا ودرس امر ذکرهم اياه حتى اتخذوه الها يعبدونه من دون الله اولاد اولادهم فكان اول ماعبد من دون الله ودالصنم الذى سموه ودا①

طرح تمہاری یاد برقرار رہے گی۔ لوگوں نے کہا کیوں نہیں! چنانچہ ابلیس نے ان کو ایسی تصویر بنا دی جو ہو بہو ولی اللہ کی شکل وصورت جیسی تھی۔ اسے انہوں نے اپنے شہر کے بڑے ایوان میں آویزاں کر دیا۔ اسے دیکھتے اور اپنی یادوں کو تازہ کرتے رہتے۔ ابلیس نے ان کے شوق دیدار کو بڑھتا دیکھا تو کہنے لگا کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ میں تم میں سے ہر شخص کے گھر کیلئے ایک ایک مجسمہ بنا دوں جسے دیکھتے ہی تمہاری یادیں تازہ ہوجایا کرینگی؟ لوگوں نے کہا ہاں ہاں، یہ بات ہمیں پسند ہے۔ راوی کہتا ہے کہ ابلیس نے ہر گھرانہ کے لیئے تصویر کے ساتھ ملتا جلتا مجسمہ بنا دیا۔ وہ لوگ اس مجسمہ کے آگے کھڑے ہوتے اور یاد کرتے رہتے۔ راوی کہتا ہے کہ ان لوگوں کی اولاد اپنے ماں باپ کے طور طریقوں کو دیکھتی رہتی۔ پھر نسل سے نئی نسل بڑھتی چلی گئی اور صرف دیکھنے اور یاد کرنے کا معاملہ بھی ذہنوں سے اوجھل ہوتا چلا گیا۔ معاملہ یہاں تک آن پہنچا کہ ان لوگوں کی اولاد کی اولاد نے اپنے اس ولی اللہ کے مجسموں کو معبود سمجھ کر پوجنا شروع کر دیا۔ اسی طرح وڈ پہلے ولی اللہ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی گئی۔ یعنی وڈ کے مجسمہ کی پرستش ہوئی جسے انہوں نے وڈ کا ہی نام دے رکھا تھا۔

① تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۲۷ / تفسیر ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۳۷۵......۳۳۷۶.



وقت کے تغیّرات و تصرّفات

کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ پہلے لوگ ایک کام کرتے ہیں، ان کی غرض بھلی اور ان کا مقصد اچھا ہوتا ہے۔ وہ اس کام کو وسیلہ یا واسطہ سمجھ کر انجام دیتے ہیں، ان کے ذہنوں میں اس کام کو اپنی منزل مقصود قرار دینے کا تصور تک بھی نہیں ہوتا۔ مگر بعد میں آنے والے اپنے پہلوں کی غرض سے لاعلمی کی وجہ سے ایسی غلطی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں جو ان کی ہولناک تباہی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

مثلاً قوم نوح علیہ السلام کے اوائل کے لوگوں کا جذبہ دیکھیں، ان کی غرض اور مقصد پر غور کریں تو وہ ایک ظاہری و وقتی ''وسیلہ و واسطہ'' سے بڑھ کر اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا، مگر ان کی کئی نسلوں کے بعد اس ظاہری و وقتی واسطہ و وسیلہ کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جسے پہلوں نے صرف قرب و وسیلہ بنایا، یادوں کی تازگی اور وہ بھی محبتوں کے استحکام و تسلی کے حدود تک کیلئے، گو یہ طریقہ بھی اللہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں ہے، مگر کم تر درجہ کی خرابی ہی رکھنے والا عمل تھا۔ بعد والوں نے اس وسیلہ کو اپنی منزل مقصود سمجھ لیا اور اسے اپنی محبت و عقیدت کا مستحق بنا ڈالا۔ درحقیقت شیطان ہی انسانوں کو تباہ کرنے کے پالان بناتا ہے، بے خبری میں حملہ کرتا ہے اور دین و ایمان کے سرمایہ کو اپنی خبیث سازش کے ذریعے کفر و شرک کی آگ میں جلا کر خوش ہو جاتا ہے۔ اسی بات کیلئے امام قرطبی رحمہ اللہ نے سیدنا محمد بن کعب رحمہ اللہ اور سیدنا محمد بن قیس رحمہ اللہ کا متفقہ قول جو نقل کیا ہے اس کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔

چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وقال محمد بن كعب ايضا ومحمد بن قيس: بل كانوا قوما صالحين بين ادم ونوح وكان لهم تبع يقتدون بهم فلما ماتوا زين لهم ابليس ان يصوروا صورهم ليتذكروا بها اجتهادهم وليتسلّوا بالنظر اليها فصوّرهم فلما ماتوا هم وجاء آخرون قالوا ليت شعرنا! هذه الصور ماكان آباؤنا يصنعون بها فجاء هم الشيطان فقال: كان آباؤكم يعبدونها فترحمهم وتسقيهم المطر فعبدوها فابتدئ عبادة الاوثان من ذلك الوقت. ①

ترجمہ: امام قرطبی کہتے ہیں کہ محمد بن کعب رحمہ اللہ اور محمد بن قیس رحمہ اللہ دونوں کا قول ہے کہ (ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کوئی غیر معروف انسان نہیں بلکہ) یہ بہت ہی نیکوکار افراد تھے، جن کا سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کے درمیان والے دور کے ساتھ تعلق تھا۔ ان اولیاء اللہ کے بہت سارے لوگ متبع اور مقتدی تھے۔ جب یہ اولیاء اللہ فوت ہوگئے تو شیطان نے ان کے معتقدین کے دلوں میں ان کی تصویریں بنا لینے کی خوبصورت خواہش کو ابھارا تاکہ ان کو دیکھ کر انہیں تسلی ملتی رہے اور ان کی محنتوں اور

① تفسیر القرطبی ج ۱۸ ص ۳۰۸



عبادتوں کی یاد بھی ہوتی رہے۔ اس لیئے ان لوگوں نے اولیاء اللہ کی تصویریں بنالیں۔ یہ بھی فوت ہوگئے، ان کے بعد دوسرے لوگ آ گئے، کہنے لگے پتہ نہیں ان تصویروں کا ہمارے آباء و اجداد کے ہاں کیا مقام ومرتبہ تھا؟ کاش ہمیں اس کا علم ہوجاتا! ان کے پاس ابلیس ملعون پہنچا اور یہ بتانے لگا کہ تمہارے باپ دادا ان تصویروں کی عبادت کیا کرتے تھے، (ان سے رحمت مانگا کرتے) یہ ان پر رحمت کیا کرتے، (وہ ان سے بارش طلب کرتے تھے تو) یہ ان کو برسات عطا کرتے تھے، یہ جانتے ہی ان لوگوں نے اولیاء اللہ کی تصویروں کو پوجنا شروع کردیا، بس اسی دور سے بتوں کی عبادت کا سلسلہ جاری ہوا۔

اَلمیّہ ھی اَلمیہ:

مذکورہ بالا تفسیری اقوال واقتباسات سے معلوم ہوا کہ دنیا میں شرک کا اولین آغاز اولیاء کرام کی قبروں کی تعظیم و توقیر سے ہوا اور لطف کی بات یہ ہے کہ شروع سے شرک کی غرض ایک ہی رہی ہے جو آج تک کے ہر مشرک کی زبان پر رٹے ہوئے کلمہ کی طرح جاری وساری ہے۔ یعنی اولیاء اللہ کی عبادت، ان کی قبروں کی تعظیم سے مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور اس کے لئے وسیلوں کی تلاش۔ شروع میں یہی ہدف تھا آج بھی یہی مقصد کارفرما ہے۔

کتنے بڑے افسوس کی بات ہے اور اپنے رب عظیم کی کس قدر ناشکری اور بے قدری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں نے اپنے ہی عظیم رب کے ساتھ شرک جیسے قبیح اور مہلک ترین عمل کی ترقی وترویج کیلئے کتنے پاپڑ بیلے اور علماءِ سوء نے اس سلسلہ میں تصنیف وتالیف کا بیڑا اٹھا کر اس مہلک مرض (شرک) کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ ربِّ مقتدر جل جلالہ کی عطا کردہ جسمانی وکائناتی نعمتوں کا استعمال اپنے ہی رب کے خلاف استعمال کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی بغاوت ہوسکتی ہے؟ رب کے عطا کردہ ہاتھوں، دماغ، علم، قلم، کاغذ، اور دیگر مختلف ذرائع کو شرک جیسے بدترین ظلم کے لئے حرکت میں لانا بہت بڑی بدبختی ومحرومی کی اور حددرجہ جہالت ولاعلمی کی بیّن دلیل ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ بڑے اصحابِ دانش وفکر اور حاملانِ شریعت میں شرک کی آمدنیوں کو دیکھ کر رال ٹپکاتے ہیں، آخرت کی فکر نہیں اور ہلاک شدہ اقوام وملل سے کوئی عبرت پذیری کا جذبہ نہیں رکھتے، مسلمان کہلانے والے بعض افراد جب اپنے ہی رب کے دشمن بن جائینگے تو بھلا ان کو نصرت ومدد کا کونسا سہارا نصیب ہو سکے گا؟ **فاعتبروا یا اولی الابصار!**

عمرو بن لُحیّ جزیرہ عرب میں بت پرستی کا سب سے پہلا معمار ھے

عمرو بن لحی خزاعی وہ پہلا شخص ہے جس نے عربوں کے اندر شرک و بت پرستی کی پہلی اینٹ رکھی اور توحید کی شاندار عمارت کو منہدم کرنے کی ناپاک جدوجہد کی۔ یہی وہ شخص ہے جس نے ملتِ ابراہیمی کو مٹانے اس کے ماننے والوں کیلئے عرصہ حیات تنگ کرنے کی تدبیریں اختیار کیں۔ اسی نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین فطرت کو محرف کرنے کیلئے لوگوں کو شرکیہ رسوم وعقائد اور کفریہ اعمال کے اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اس اعتبار سے عمرو بن لحی جزیرہ عرب میں بت پرستی کا موجد اول ہے۔

عمرو بن لحی کی بت پرستی کا سبب:

تاریخی شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ عمرو بن لحی خزاعی کے قبیلہ خزاعہ نے مکہ مکرمہ پر قبضہ کرنے کیلئے مکہ مکرمہ کو آباد کرنے والے قبیلہ جرھم سے مقابلہ کیا۔ لڑائی لڑی گئی جس کے نتیجے میں خزاعہ نے جرھم قبیلہ کو مغلوب کر لیا۔ اور مکہ مکرمہ کی قیادت کو اپنے قبضہ میں لے لیا، اپنے قبضہ کو مستحکم کرنے کے بعد خزاعہ کے لیڈر عمرو بن لحی نے قبیلہ جرھم کو مکہ مکرمہ سے نکل جانے پر مجبور کیا۔ بالآخر جرھم کے لوگ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر دور و دراز کے علاقوں میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد عمرو بن لحی اور اس کے قبیلہ نے بیت اللہ کے امور کا جملہ انتظام بھی اپنے کنٹرول میں کر لیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اسی دوران عمرو بن لحی سخت بیمار ہو گیا۔ شفا وتندرستی کی امید باقی نہ رہی، کسی نے بتایا کہ شام کے علاقہ ''بلقاء'' میں ایک گرم چشمہ پایا جاتا ہے اس کے پانی سے غسل کرنے کے ساتھ ہر قسم کا مرض دور ہو جاتا ہے۔ عمرو بن لحی نے اس چشمہ کی طرف سفر کیا، گرم پانی سے غسل کرتے ہی بحکم الٰہی اس کو تندرستی مل گئی۔ وہاں کے لوگوں کو عمرو بن لحی نے بتوں کی پوجا کرتے دیکھا تو بہت متعجب ہوا، ان لوگوں سے اس نے بتوں کے بارہ میں بہت زیادہ معلومات

حاصل کیں۔ اس نے ان لوگوں سے پوچھا یہ کیا چیزیں ہیں، لوگوں نے بتایا یہ ہمارے معبود ہیں۔ ہم قحط سالی کا شکار ہوتے ہیں تو ان سے بارش طلب کرتے ہیں، دشمنوں سے لڑائی درپیش ہوتی ہے تو ہم ان سے مدد اور نصرت مانگتے ہیں۔ عمرو بن لحی کو یہ سب باتیں جان کر بڑی خوشی ہوئی، کہنے لگا کچھ بت مجھے بھی دے دو تا کہ ہم بھی تمہاری طرح امن اور جنگ کے حالات میں خوشحال اور سلامتی حاصل کرتے رہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے کچھ بت عمرو بن لحی کو دیدیئے، جنہیں یہ اپنے ساتھ جزیرہ عرب لے آیا، اور لوگوں کو ان کی عبادت کی طرف زور اور جبر سے مائل کرتا رہا۔

قبیلہ خزاعہ کے اس حکمران نے عرب معاشرہ میں سائبہ، بحیرہ، وصیلہ اور حام کی رسوم وخرافات کو پوری قوت سے رواج دیا، اس کے متعلق درج ذیل عبارت میں بھرپور تعارف موجود ہے:

وكان اول من غير دين اسماعيل فنصب الاوثان، وسيب السائبة وبحر البحيرة، ووصل الوصيلة، وحمى الحامي، عمرو بن ربيعة وهو لحي بن حارثة بن عمرو بن عامر الازدي وهو ابوخزاعة، وكانت ام عمرو فهيرة بنت عامر بن الحارث (ويقال قمعة بنت مضاض) وكان الحارث هو الذي يلي أمر الكعبة، فلما بلغ عمرو بن لحي نازعه في الولاية وقاتل جرهما ببني اسماعيل فظفربهم وأجلاهم عن الكعبة ونفاهم من بلاد مكة، وتولى حجابة البيت بعدهم ثم انه مرض مرضا شديدا فقيل له ان بالبلقاء من الشام حمة إن اتيتها برأت فاتاها فاستحم فيها فبرأ، ووجد اهلها يعبدون الأصنام فقال ماهذه؟ فقالوا نستسقي بها المطر ونستنصر بها على العدو فسالهم أن يعطوه منها ففعلوا فقدم بها مكة ونصبها حول الكعبة. ①

ترجمہ: سب سے پہلے جس شخص نے دین اسماعیل علیہ السلام کو بدلا، بتوں کو نصب کیا اور بحیرہ، سائبہ وصلیہ اور حام کی رسموں کو ایجاد کیا اس کا نام عمرو بن ربیعہ ہے۔ یہ ربیعہ لحی بن حارثہ بن عمرو بن عامر الازدی کے سلسلہ نسب سے مشہور قبیلہ خزاعہ کا سردار اوران کا جداعلی تھا۔ عمرو بن لحی کی والدہ فھیرہ بنت عامر بن الحارث تھی (بعض کے نزدیک عمرو بن لحی کی ماں قمعہ بنت مضاض تھی) حارث کعبۃ اللہ کا متولی تھا۔ عمرو بن لحی بلوغت کی حد تک پہنچا تو اس نے حارث سے کعبۃ اللہ کی تولیت کے بارہ میں جھگڑا کر دیا۔ عمرو بن لحی نے اولاد اسماعیل علیہ السلام سے مل کر جرھم سے جنگ کا آغاز کر دیا جس کے نتیجہ میں اسے جرھم پر غلبہ حاصل ہوا اور اس نے جرہم کو کعبۃ اللہ سے بے دخل کر کے سرزمین مکہ سے ہی باہر نکال دیا۔ ان کو جلاوطن کر دینے کی بعد عمرو بن لحی نے خود کو بیت اللہ کے دربانی کا حقدار بنا لیا۔ یہ بھی امر واقع ہے کہ عمرو بن لحی کسی شدید بیماری کا شکار ہوگیا، اسے بتایا گیا کہ سرزمین شام

① اغاثة اللهفان ج ٢ ص ٢٠٧، البداية والنهاية ج ٢ ص ٢٣٧، تلبيس ابليس ص ٥٦ (مبدأ عبادة الأصنام)



میں ''بلقاء'' نامی علاقہ میں گرم پانی کا چشمہ پایا جاتا ہے اگر آپ اس چشمہ پر چلے جائیں تو تندرستی مل جائیگی۔ چنانچہ عمرو بن لحی اس چشمہ پر پہنچا اس کے گرم پانی سے اس نے غسل کیا جس سے وہ تندرست ہوگیا۔ اس نے یہاں کے لوگوں کو بتوں کی عبادت کرتے دیکھا تو ان سے پوچھنے لگا کہ یہ کیا شئی ہے؟ لوگ کہنے لگے ہم ان سے بارش حاصل کرتے ہیں، اور ان کے ذریعے سے اپنے دشمنوں پر غلبہ بھی مانگتے ہیں، عمرو بن لحی نے ان سے کچھ بت دینے کی درخواست کی، جسے ان لوگوں نے قبول کرلیا۔ اور چند ایک بت اس کے حوالے کردیئے۔ جنہیں یہ اپنے ساتھ مکہ مکرمہ میں لے آیا۔ اور کعبۃ اللہ کے باہر ان کونصب کردیا۔

اس تاریخی روایت سے معلوم ہوا کہ عمرو بن لحی شام کے علاقہ سے بتوں کو درآمد کرکے مکہ مکرمہ لایا اور پوری عرب قوم کو بت پرستی کے مہلک مرض کا شکار بنا ڈالا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق عمرو بن لحی یہ بت شام سے نہیں بلکہ جدہ کے ساحل سے لے آیا تھا۔ اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عمرو بن لحی کاہن قسم کا آدمی تھا اپنے ساتھ جنوں میں سے ایک موکل بھی رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ اس موکل نے کاہنوں کے طرز کلام میں عمرو بن لحی سے کہا کہ تو جدہ کے ساحل پر چلا جا وہاں تجھے مورتیاں ملیں گی جو تیری مشکلات میں مدد کریں گی۔ موکل کے بتلانے پر عمرو بن لحی جدہ کے ساحلی علاقہ میں پہنچا، کافی محنت اور بھاگ دوڑ کے بعد اسے مورتیاں مل گئیں، جنہیں اٹھا کر اس نے بیت اللہ کے باہر نصب کردیا اور عربوں کو ان مورتیوں کی عبادت کی طرف راغب کرنے لگا۔ خاص طور پر حج کے موسم میں اس کی یہ خواہش زیادہ ہوجاتی تھی کہ بیت اللہ تک پہنچنے والا ہر شخص ان مورتیوں کی ہی عبادت کرے۔

ظاہری طور پر ان دونوں روایتوں میں تضاد نظر آتا ہے، مگر حقیقت میں ان کے باہمی مفہوم میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ عمرو بن لحی جو بتوں سے والہانہ تعلق رکھنے والا تھا اس سے ان دونوں کا صدور عین ممکن ہے کہ وہ کچھ بت تو بلقاء سے لایا ہو اور کچھ کو ساحل جدہ سے ڈھونڈ کر لایا ہو۔ ابن ھشام نے ایک روایت میں صراحت کے ساتھ یہ بات لکھی

ہے کہ عمرو بن لحی "ھُبل" کا بت بلقاء سے لایا تھا۔ اس کی روشنی میں دوسرا امکان خود بخود درست نظر آتا ہے۔ ابن ہشام کی راویت اس طرح ہے:

قال ابن هشام: حدثني بعض اهل العلم ان عمرو بن لحى خرج من مكة الى الشام في بعض أموره فلما قدم مآب من ارض البلقاء وبها يومئذ العماليق وهم ولد عملاق ويقال عمليق بن لاوذ بن سام بن نوح ر آهم يعبدون الاصنام فقال لهم ماهذه الاصنام التي أراكم تعبدون؟ قالوا له: هذه اصنام نعبدها فنستمطرها فتمطرنا ونستنصرها فتنصرنا فقال لهم: أفلا تعطونني منها صنما فأسيربه إلى ارض العرب فيعبدونه؟ فاعطوه صنما يقال له "هبل" فقدم به مكة فنصبهٔ وامر الناس بعبادته وتعظيمه. ①

ترجمہ: ابن ہشام کہتے ہیں کہ مجھے بعض علماء کرام نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ عمرو بن لحی ایک مرتبہ کسی کام کی غرض سے مکہ سے شام کی طرف گیا، جب وہ بلقاء کے قصبہ مآب میں پہنچا، جہاں عمالیق آباد تھے، یہ عملاق یا عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح کی نسل سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے، عمرو بن لحی نے انہیں بتوں کی عبادت کرتے دیکھا تو ان سے پوچھنے لگا، یہ بت کیسے ہیں جن کی تم عبادت کرتے رہتے ہو۔ انہوں نے کہا یہ بت ہمارے معبود ہیں، ہم ان سے بارش طلب کرتے ہیں تو یہ بارش دیتے ہیں اور ان سے مدد اور نصرت مانگتے ہیں تو یہ ہمیں مدد بھی عطا کر دیتے ہیں، عمرو بن لحی نے کہا کیا مجھے بھی ایک بت دے دوگے جسے میں اپنے ساتھ لیجاؤں گا۔ تاکہ عرب لوگ بھی اس کی عبادت کرتے رہیں؟ اس پر انہوں نے عمرو بن لحی کو "ھبل" نامی بت دیدیا، چنانچہ عمرو بن لحی اسے مکہ لے آیا اور اسے ایک جگہ پر نصب کر دیا۔ اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی عبادت کریں اور اس کا حد سے زیادہ احترام بجالائیں۔

اس کے بعد وہ روایت بیان کی جاتی ہے جس میں اس بات کی نشاندھی کی گئی ہے کہ عمرو بن لحی جدہ کے ساحل سے بت لے آیا تھا۔ یہ روایت تلبیس ابلیس اور إغاثۃ اللہفان میں موجود ہے۔

فكان بين آدم ونوح ألفا سنةٍ ومائتا سنة فاهبط الماء هذه الاصنام من ارض إلى ارض حتى قذفها

ترجمہ: سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کے درمیان دو ہزار دو سو برس کا فاصلہ تھا۔ (طوفان نوح علیہ السلام کی وجہ

① سيرة ابن هشام ج ۱ ص ۸۹، ۹۰ عمرو بن لحى واصنام العرب



إلى ارض جدة فلما نضبت الماء بقيت على الشط فسفت الريح عليها حتى وارتها، قال الكلبي: وكان عمرو بن لحي كاهنا وكان يكنى ابا ثمامة له رئي من الجن فقال له: عجل المسير والظعن من تهامة بالسعد والسلامة، ائت صفا جدة تجد فيها أصناما معدة فاوردها تهامة ولا تهب ثم ادع العرب الى عبادتها تجب، فاتى نهر جدة فاستثارها ثم حملها حتى وردبها تهامة وحضر الحج فدعا العرب الى عبادتها قاطبة①

سے) پانی ان بتوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک زمین سے دوسری زمین تک پھینکتا رہا۔ یہاں تک کہ پانی کی تیز لہروں اور غضبناک موجوں نے ان بتوں کو جدۃ کے ساحل پر لا ڈالا۔ پانی خشک ہو گیا تو یہ بت ساحل کے ایک کنارہ پر پڑے رہے۔ ہواؤں کے جھکڑ چلتے رہے (مٹی اُڑ اُڑ کر پڑتی رہی) جس سے یہ بت چھپ گئے۔ کلبی کہتے ہیں کہ عمرو بن لحی کاہن شخص تھا، اپنی کنیت ابوثمامہ رکھتا تھا، اس کا جنوں میں سے ایک موکل تھا، اسی موکل نے عمرو بن لحی سے کہا، تہامہ سے جلدی سے کجاوہ کس کر خوش بختی اور سلامتی کے ساتھ جدہ کے ساحل پر پہنچنے کی کوشش کر، وہاں تجھے تیار شدہ مورتیاں دستیاب ہوں گی، انہیں اٹھا کر تہامہ میں لے آ، یہاں کے سرداروں اور عام لوگوں سے خوفزدہ ہوئے بغیر تمام عربوں کو ان بتوں کی عبادت کی دعوت دے۔ تیری اس دعوت کو قبول کر لیا جائے گا۔ (یہ سنتے ہی) عمرو بن لحی جدہ کے سمندر پر پہنچا، بتلائے گئے نشانات کی مدد سے اس نے ان بتوں کو تلاش کر لیا، پھر انہیں سواریوں پر لاد کر تہامہ میں لے آیا، جب حج کا موسم آ گیا تو اس نے تمام عربوں کو ان بتوں کی پوجا و پرستش کا حکم دے دیا۔

مذکورہ بالا ایک روایت درست ہو یا دونوں، ہر حال میں یہ بات تو طے شدہ ہے کہ عمرو بن لحی نے ہی جزیرہ عرب میں بت پرستی کی بنیاد ڈالی اور دینِ فطرت کی پاسدار قوم کو جبر و اکراہ کے ذریعے شرک و کفر کی راہوں کا بھٹکا ہوا مسافر بنا دیا۔ کچھ حکمران اپنی رعیت کے لئے باہر سے سامان خورد و نوش اور دیگر متاع دنیویہ کی درآمد کا اہتمام کرتے ہیں، تاکہ رعیت بھوک اور بے بسی کا شکار نہ ہو۔ مگر عمرو بن لحی واحد سیاہ بخت حکمران تھا جس نے اپنی قوم کیلئے باہر سے دہکتے ہوئے

① تلبیس ابلیس ص ۵۳، مبدا عبادۃ الاصنام – اغاثۃ اللھفان ج ۲ ص ۲۰۳

انگاروں اور نہ بجھنے والی آگ کے آلات درآمد کیئے اپنی قوم کے خورد وکلان کی آخرت کو تیرہ وتاریک کرلیا۔ **فیا حسرة علی العباد!**

ہر ملک میں عام لوگوں کا یہ مزاج ہوتا ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں، قومی راہنماؤں یا دینی وسیاسی راہبروں کی اقتداء کرتے ہیں۔ اپنے لیڈروں کی ہر خصلت کو اختیار کر لیتے ہیں، چاہے اس کا تعلق دنیوی امور سے ہو یا اخروی معاملات سے جہاں ان کی محبت کی دلیل ہوتی ہے وہاں وہ اس کے ذریعے سے اپنے آپ کو معزز بھی سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ مشہور جملہ ہے، "**الناس علی دین ملوکھم**" کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین ومذہب پر ہوتے ہیں۔

اسی رواج پذیر عادت کا اثر تھا کہ عرب کے لوگوں نے اپنے حکمران عمرو بن لحی کی جملہ عادت وخصائل کو اختیار کرلیا۔ بلکہ وہ اسے رب قرار دیتے تھے۔ اس لئے اس کی ہر نئی بات کو بخوشی قبول کر لیتے تھے، حیل ومحبت یا عذر و بہانہ کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔

جب عمرو بن لحی نے اپنی رعیت کو بتوں کی پرستش کی طرف راغب کیا تو قوم نے فوراً تعمیل کی، اس نے "لات" کو قومی معبود قرار دیا۔ تو قوم نے بھی فوراً اسے اپنا رب مان لیا۔ اس نے اپنی قوم سے جو بھی کہا چاہے وہ قابل تسلیم تھا یا نہیں قوم نے اسے صحیح تسلیم کرلیا۔ علامہ یاقوت حموی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وقیل: عمرو بن لحی الخزاعی حین غلبت خزاعة علی البیت ونفت عنه جرهما جعلت العرب عمرو بن لحی ربا لایبتدع لهم بدعة الا اتخذوها شرعة لأنه کان یطعم الناس ویکسو فی الموسم فربما نحرفی الموسم عشرة الآف بدنة وکسا عشرة الآف حلة، حتی ان اللات کان یلت له السویق للحج علی صخرة معروفة تسمی صخرة اللات وکان اللات رجلا من ثقیف، فلما مات قال لهم عمرو بن لحی، لم یمت ولکن

ترجمہ: بیت اللہ پر جب خزاعہ کا قبضہ ہوگیا اور اس نے قبیلہ جرہم کو مکہ کی حدود سے باہر نکال دیا تو عرب نے عمرو بن لحی کو اپنا رب تسلیم کرلیا یہ لوگ عمرو بن لحی کی ہر نئی اور نرالی بات کو قانون اور شریعت کی حیثیت دینے لگ گئے پھر یہ لوگوں کو کھلاتا پلاتا بہت تھا۔ اور موسم حج میں تو یہ لوگوں کو خوراک کے علاوہ لباس بھی مہیا کرتا تھا، بعض اوقات تو یہ دس ہزار اونٹنیاں ذبح کر لیتا اور دس ہزار کپڑوں کے جوڑے لوگوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔

یہ لات بھی عمرو بن لحی کے دور میں حاجیوں کے لئے ستو



دخل فی الصخرة ثم امرهم بعبادتها وان یبنوا علیها بنیانا یسمی اللات ودام أمر عمرو وولده بمکة نحو ثلاثمائة سنة .①

پلانے کا کام کرتا تھا۔ جس چٹان پر بیٹھ کر یہ ستو پانی میں ملا کر لوگوں کو پلاتا اس کا نام بھی صخرۃ اللات کے ساتھ مشہور ہو گیا۔ اسے جب موت لاحق ہوئی تو عمرو بن لحی نے لوگوں سے کہا کہ اللات مرا نہیں بلکہ وہ تو اس چٹان کے اندر داخل ہو گیا ہے۔ اس کے بعد عمرو بن لحی نے تمام لوگوں کو اس چٹان کی عبادت کرنے اور اس کے اوپر قبہ تعمیر کرنے کا حکم دیدیا۔ مکہ مکرمہ پر عمرو بن لحی اور اسکی اولاد کی حکمرانی تقریباً تین سو سال تک جاری رہی۔

مذکورہ بالا عبارات ونصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ لات کا موجد اور دیگر بتوں کی عبادت کا بانی سائبہ، بحیرہ، وصیلہ اور حام کی رسموں کا مؤسسِ اول عمرو بن لحی ہی تھا۔ اس کی اولاد کی طویل حکمرانی نے ان شرکیہ رسوم وخرافات کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ باب دوم میں ''شرک فی العادۃ'' کے عنوان کے تحت رسول اکرم ﷺ کا فرمان مبارک گذر چکا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے عمرو بن لحی کو جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے۔

''لات'' ایک ولی اور صالح انسان تھا

مشرکین عرب کے معبودان باطلہ کی تعداد بے شمار تھی، ان کے نام بھی جدا جدا تھے۔ اور ان کے دائرہ اعمال میں بھی اختلاف تھا، انہی بتوں میں سے ایک بت ''لات'' کے نام سے مشہور تھا۔ یہ طائف کے علاقہ میں نصب تھا، اس بت کی بڑی شہرت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ طائف کے باشندے اپنے اس معبود کی عبادت کرتے وقت فخریہ طور پر اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہوتے تھے کہ ہمارا معبود پورے جزیرہ عرب کی معبودوں سے اپنی شہرت اور عظمت کے لحاظ سے بلند مرتبہ والا ہے۔ عربوں کے ہاں اس کی عظمت مسلمہ تھی۔ قرآن کریم میں بھی اس کا نام مذکور ہوا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس بت کے متعلق یہ لکھا ہے:

وکانت اللات صخرة بیضاء منقوشة و علیها بیت بالطائف له استار وسدنة وحوله فناء معظم عند اهل الطائف وهم ثقیف ومن تابعها یفتخرون

ترجمہ: ''لات'' نقش و نگار سے مزین سفید پتھر تھا۔ طائف میں نصب تھا، اس کے اوپر قبہ بھی تعمیر کیا گیا تھا۔ جو پردوں اور غلاف سے ڈھکا رہتا تھا۔ اس کے مجاور

① معجم البلدان ٥/٤



بها علی من عداهم من احیاء العرب بعد قریش. ①

ومحافظ اور جاروب کش مقرر تھے۔ اس کے اردگرد کی کھلی جگہ طائف کے قبیلہ ثقیف اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کے ہاں بڑی عظمت وحرمت کے لائق سمجھی جاتی تھی۔ طائف کے یہ لوگ اپنے اس بت کدہ پر قریش کے علاوہ باقی سب قبائل عرب کے مقابلہ میں فخر و برتری کا اظہار کرتے تھے۔

''لات'' ایک معبود کی حیثیت سے مشرکین کے ہاں مشہور تھا، اس کے سجادہ نشینوں اور مجاوروں نے تو اس کا تعارف ایک مشکل کشا و حاجت روا معبود کی صورت میں کرانا تھا کہ یہ ان کی (آج کے گدی نشینوں اور مجاوروں کی طرح کی) مجبوری تھی۔ لیکن حقیقت میں لات تھا کون؟ اس کی کیا عادات و خصائل تھیں اس کیلئے آپ درج ذیل واضح تصریحات سے حتمی وقطعی تعارف معلوم کر سکتے ہیں۔

''اللات'' کی تفسیر صحیح بخاری میں ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی رو سے اس طرح وارد ہوئی ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما فی قوله ''اللات والعزی'' قال: كان اللات رجلا يلت سويق الحاج. ② (صحیح بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ''اللات والعزى'' کے متعلق یہ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا لات ایک شخص تھا جو حاجیوں کو ستو پانی میں ملا کر پلاتا تھا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لفظ ''اللات'' کی قرأت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سیدنا مجاہد رحمہ اللہ اور سیدنا ربیع بن انس رحمہ اللہ وغیرھم بالاتفاق اس طرح نقل کی ہے:

انهم قرأوا اللاّت: بتشديد التاء وفسروه بانه كان رجلا يلت للحجيج فی الجاهلية السويق فلما مات عكفوا علی قبره فعبدوه. ③

ترجمہ: ان تینوں علماء کبار نے ''اللاّت'' کے لفظ کو تا کی شد کی ساتھ پڑھا ہے، اس کا معنی انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ شخص دور جاہلیت میں حاجیوں کو ستو پانی میں ملا کر

① تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۵۲
② رواه البخاری، کتاب التفسیر سورة النجم، باب ''افرأيتم اللات والعزی''
③ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۵۳



پلایا کرتا تھا، جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو زیارت گاہ بنا دیا۔ اور اس کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔

''اِلٰهه'' نام رکھنا بھی مشرکین کے ساتھ مشابہت ہے

مشرکینِ اوائل نے اپنے بہت سے بتوں (معبودوں) کے ناموں کو اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ سے مشتق کیا ہوا تھا، چنانچہ فتح المجید شرح کتاب التوحید میں ہے

فأما اللات فقرأ الجمهور بتخفيف التاء وقرأ ابن عباس وابن الزبير ومجاهد وحميد وأبو صالح ورويس بتشديد التاء فعلى الأولىٰ قال الأعمش سموا اللات من الإله والعزى من العزيز قال ابن جرير و كانوا قد اشتقوا إسمها من إسم الله تعالىٰ فقالوا :اللات مؤنثة منه تعالى الله عن قولهم علوا كبيرا قال: و كذا العزى من العزيز ①

''اللات'' کو جمہور نے تاء کی تخفیف یعنی بغیر تشدید کے پڑھا ہے جبکہ ابن عباس، ابن الزبیر، مجاہد، حمید، ابو صالح اور رویس نے تاء کے شد کے ساتھ پڑھا ہے، پہلی قرأت کی روشنی میں اَعمش فرماتے ہیں: مشرکین نے ''اللات'' کو ''الٰہ'' سے اور ''العزیٰ'' کو ''العزیز'' سے مشتق کیا ہے، یعنی ''اللات'' اور ''العزیٰ'' کو اللہ تعالیٰ کے ناموں سے مشتق کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ ''اللات'' ''اِلٰہ'' کی مؤنث ہے (تعالیٰ اللہ عن قولھم علوا کبیرا) اسی طرح ''العزیٰ'' کو اللہ تعالیٰ کے نام ''العزیز'' سے مشتق مانتے ہیں۔

اس لئے مسلمانوں کو مشرکین کی اس باطل روش کی مشابہت سے اجتناب کرنا چاہئے لیکن انتہائی دکھ اور افسوس سے کہنا پڑھتا ہے کہ ایران میں بعض بچیوں کا نام ''إلٰهه'' رکھا جا رہا ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے اسم ''الٰہ'' سے مشتق ہے، جو کہ بغیر شعور کے ہے اور مؤنث کا صیغہ ہے، جبکہ یہ بات مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی مؤنث نہیں ہے۔

---

① فتح المجيد ص: ١٥٠/ واللفظ له/ أضواء البيان ٢/ ٣٣٩ تحت تفسير قوله ''وذر الذين يلحدون في أسمائه......'' الاعراف.



عُزّیٰ ایک شیطانہ تھی

مشرکینِ عرب کے مشہور ومعروف بتوں میں سے ایک بت "عزیٰ" تھی، جس کی قریش عبادت کرتے تھے۔ جزیرہ عرب میں جس طرح قریش سارے اقوام وقبائل میں سے سب سے زیادہ عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے تو ان کا معبود بھی جزیرۂ عرب کے دوسرے اقوام وقبائل کے اصنام کے مقابلہ میں سب سے زیادہ معظم مانا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قریش اپنے اس "عُزیٰ" بت کے ساتھ سارے جزیرۂ عرب کے قبائل پر فخر کرتے تھے۔

"عزیٰ" مکہ اور طائف کے درمیان "نخلہ" کے مقام پر تھا۔

اور ظاہری ہیئت اس کی یہ تھی کہ "نخلہ" کے مکان میں تین کیکر (ببول) کے درخت تھے، ان کے اوپر ایک مکان بنا ہوا تھا۔ بس لوگ اس کی عبادت کرتے تھے۔ کتابوں میں کبھی تو لفظ "شجرۃ" افراد کے ساتھ آتا ہے اور کبھی ثلاث سمرات جمع کے ساتھ بھی آتا ہے، جس سے بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ قرب واتصال کی وجہ سے کبھی کبھی تینوں کو بمنزلۂ واحد کی شجرۃ کہہ دیا جاتا ہے۔ افراد اور جمع دونوں کتب تفاسیر میں ملتے ہیں۔

چنانچہ "عزیٰ" کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وكذا العُزّىٰ من العزيز وكانت شجرة عليها بناء وأستار بنخلة وهي بين مكة والطائف، كانت قريش يعظمونها. ①	اور ایسے ہی عُزیٰ تھی جو عزیز سے مشتق ہے اور وہ ایک درخت پر عمارت اور پردے لٹکا کر بنائی ہوئی تھی نخلہ مقام پر جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ قریش اس کی تعظیم کرتے تھے۔

یہاں پر تو "شجرۃ" کا لفظ افراد کے ساتھ آیا ہے، اور دوسری روایات میں:

وكانت العزى شيطانة تأتي ثلاث سَمُرات	اور عزّیٰ شیطانہ تھی وہ کیکر کے تین درختوں پر آتی تھی۔

کے الفاظ جمع کے ساتھ آئے ہیں، جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ بہر حال لفظ جو بھی ہو مقصد یہ ہے کہ لوگ تو بظاہر ان درختوں اور ان کے اوپر اس بنے ہوئے مکان کو عزیٰ سمجھ کر عبادت کرتے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی عُزیٰ اس مکان اور ان درختوں کا نام تھا اور مشرکین اس مکان اور انہی درختوں کو عزیٰ سمجھ کر عبادت کرتے تھے؟

سو معلوم ہو جائے کہ مشرکین کے اگرچہ ظاہری افعال واعمال (نذر ونیاز، اعتکاف وطواف وغیرہ) کا تعلق اس مکان اور ان درختوں کے ساتھ وابستہ تھا۔ لیکن در حقیقت "عُزیٰ" نہ اس مکان اور ان درختوں کا نام تھا اور نہ ہی مشرکین اس مکان اور ان درختوں کو مؤثر بالذات سمجھ کر عبادت کرتے تھے، بلکہ "عُزیٰ" جنات وشیاطین میں سے ایک جنّی شیطانہ تھی کہ جس کا ان درختوں

① تفسیر الطبری ج۲۷ ص ۳۵ / تفسیر ابن کثیر ج۴ ص ۲۵۳، واللفظ له

میں ظہور ہوتا تھا، جس کی وجہ سے مشرکین نے ان درختوں کو متبرک و معظم سمجھ کر عبادت گاہ بنا دیا تھا۔ اب اس پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تحقیق سن لیں۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: كانت العُزّى شيطانة تاتي ثلاث سَمرات ببطن نخلة. ①

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "عُزّیٰ" ایک پری (شیطانہ) تھی جو کہ نخلہ وادی میں کیکر کے تین درختوں پر آتی جاتی تھی۔

کہتے ہیں کہ اس "عُزّیٰ" میں ایک شیطان تھا جو کہ لوگوں اور بالخصوص مجاورین و معتکفین کے ساتھ بات کرتا تھا، تو اس سے لوگ اور زیادہ گمراہ ہوجاتے تھے، جیسا کہ آج بھی قبروں، قبوں اور درگاہوں کے مجاورین کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے۔ کہ شیاطین آ کر مجاورین و معتکفین اور دوسرے معتقدین کو مزید گمراہ کرنے کے لئے ان سے مختلف قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ کوئی اپنے آپ کو خود وہی صاحب قبر جو کہ بزرگ کے نام سے مشہور ہے بتلاتا ہے اور کوئی اپنے آپ کو صاحب قبر کا نائب یا کوئی اور معتقد بتاتا ہے۔ اور پھر لوگوں کو اس بزرگ کے نام پر نذر و نیاز دینے، اس قبر کے آس پاس اعتکاف و طواف کرنے اور اس سے مافوق الاسباب دعا، استغاثہ و استعانت وغیرہ شرکیہ عقائد و اعمال کرنے پر اکساتے ہیں۔

اور شیاطین لوگوں کو بالخصوص وہمی اور بدعقیدہ کو مزید گمراہ کرنے کے لئے ایسے ہتھکنڈے بہت استعمال کرتے ہیں اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ ایک حقیقت حقہ ہے۔ چنانچہ "لات" کی تحقیق کرتے ہوئے امام شہاب الدین یاقوت الحموی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكان فيه وفي العُزّى شيطانان يكلمان الناس. ②

اور اس "لات" اور "عُزّیٰ" دونوں میں دو شیطان تھے جو لوگوں کے ساتھ باتیں کرتے تھے۔

اور اس کی مزید تفصیل "فتنہ قبور" کے باب میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امام نسائی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے "عُزّیٰ" کے متعلق سیدنا ابو الطفیل رضی اللہ عنہ سے یوں روایت نقل کی ہے۔

عن أبي الطفيل قال: لما فتح رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة بعث خالد بن الوليد إلى "نخلة" وكانت بها العُزّى، فأتاها خالد وكانت على ثلاث

سیدنا ابو الطفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کیا تو سیدنا خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو عُزّیٰ کی بیخ کنی کے لئے "نخلۃ" کی طرف بھیجا، خالد رضی اللہ عنہ وہاں گئے تو اس

① معجم البلدان ج۴ ص ۱۱۷ / اغاثة اللهفان ج ۲ ص ۲۱۴
② معجم البلدان ج۵ ص ۴



سمرات فقطع السمرات وهدم البيت الذى كان عليها ثم أتى النبى صلى الله عليه وسلم فأخبره، فقال: ارجع فإنك لم تصنع شيئا فرجع خالد فلما أبصرت السدنة وهم حجبتها، أمعنوا فى الجبل وهم يقولون: ياعُزّى يا عُزّى، فأتاها خالد، فإذا امرأة عريانةٌ ناشرةٌ شعرها تحتفن التراب على رأسها، فعمّمها بالسيف حتى قتلها، ثم رجع إلى النبى صلى الله عليه وسلم فأخبره فقال: تلك العُزّىٰ .①

وقت عزی کیکر کے تین درختوں پر تھی، تو انہوں نے وہ تینوں درخت کاٹ کر اوران پر جو مکان بنا ہوا تھا، گرا کر نبی ﷺ کی طرف چلے آئے۔ اور آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم نے کچھ بھی نہیں کیا، پھر جاؤ۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پھر ''عزی'' کی طرف واپس آئے۔ جب مجاروں نے خالد رضی اللہ عنہ کو دوسری مرتبہ آتے دیکھ لیا تو عدم مقاومت کی وجہ سے خالد رضی اللہ عنہ کو روحانی طور پر ڈرانے کے لئے پینترا بدل کر یاعزی! یاعزی! کہنا شروع کیا۔ مجاوروں کے اس مکروحیلہ اور ڈراوے کی پرواہ کئے بغیر غصہ کی حالت میں خالد رضی اللہ عنہ عزی کے ہاں پہنچے۔ اتنے میں ایک عورت نکلی جس کا بدن ننگا تھا۔ جو کہ اپنے بال نوچ رہی تھی اور اپنے سر پر مٹی ڈال رہی تھی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے وار کر کے تلوار سے اس کو قتل کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر آپ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی عزی تھی۔

محشی فتح المجید، عزی کے متعلق لکھتے ہیں:

ما كانوا يتبركون بالعُزّىٰ ومناة على أنها أحجار مجردة وإنما كانوا يعتقدون فيها البركة من العُزّىٰ التى كانت امرأة يزعمون أنها ولية ودفنت عند هذه الشجيرات، وكذلك مناة ، ولذلك سموا الأشجار العُزّىٰ والحجرمناة كما يسمى الناس اليوم النحاس الذى يقام على القبر حُسَينًا وزينب و غيرهما من الصالحين فهم يتبركون بها على هذه العقيدة الجاهلية .②

وہ (مشرکین) ''عزی'' اور ''مناۃ'' کے ساتھ برکت وغیرہ اس لئے حاصل نہیں کرتے تھے کہ وہ صرف ایک پتھر ہیں بلکہ وہ تو ان میں برکت کا اعتقاد عڑی کی وجہ سے رکھتے تھے جو کہ ایک عورت تھی اور لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ولیہ ہے اور وہ وہیں کیکر کے درختوں کے پاس مدفون ہے۔ اور اسی طرح مناۃ۔ اسی لئے لوگوں نے درختوں کو ''عڑی'' کا نام دے رکھا تھا اور پتھر کو ''مناۃ'' جیسا کہ آج کل لوگ حسین اور زینب اور دیگر صالحین

① رواه النسائى فى التفسير ج٢ ص ٣٥٨، ٣٥٩، سورة النجم واللفظ له / دلائل النبوة ج٥ ص ٧٧ باب ماجاء بعثه خالد بن الوليد إلى "نخلة" كانت بها العزى وما ظهر فى ذلك من الآثار

② حاشية فتح المجيد ص ١٣٦/

کی قبروں پر رکھے ہوئے پیتل وغیرہ کے نام رکھتے ہیں اور اسی جاھلی عقیدہ کی بناء پر ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔

منات ایک انسان تھا

مشرکینِ عرب کے ان مشہور و معروف بتوں میں سے جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے منات ہے۔

یہ بت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ساحلِ بحر کی طرف وادی "قُدَیْد" میں "مُشلَّل" کے مقام پر واقع تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں اس طرح آیا ہے۔

قال سفیان: مناة بالمُشَلَّلِ من قُدَیْد.① (صحیح بخاری) — منات وادی "قدید" میں مشلل کے مقام پر واقع تھا۔

اس "منات" کی عبادت دوسرے قبائل عرب کے علاوہ اوس وخزرج اور خزاعہ بھی کرتے تھے۔ اور حج بیت اللہ کے لئے جب جاتے تو یہیں سے احرام باندھتے تھے۔ چنانچہ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس منات کے متعلق یوں لکھتے ہیں۔

وأما مناة فكانت بالمشلَّل عند قُديد بين مكة والمدينة وكانت خزاعة والأوس والخزرج في جاهليتها يعظمونها ويهلون منها للحج إلى الكعبة.②

اور باقی رہا "مناۃ" سو وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان "قدید" کے پاس "مشلل" میں تھا۔ قبیلہ خزاعہ اور اوس و خزرج جاہلیت کے زمانہ میں اس کی تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔ یہیں سے احرام باندھ کر وہ حجِ کعبہ کے لئے جاتے تھے۔

منات بھی درحقیقت دوسرے بتوں کی طرح ایک انسان تھا جس کی بُعدِ عہد کی وجہ سے لوگوں نے اس کے بت و مجسمے بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔

اب اس کی وضاحت کے لئے مفسرین حضرات کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

من أسماء الأصنام التي كانت أسماء لأناس ود وسواع ويغوث ويعوق ونسر و هي أصنام قوم نوح واللات والعزى ومناة وهي أصنام قريش.③

بتوں کے اسماء میں سے جو انسانوں کے ہی نام تھے، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر یہ قوم نوح علیہ السلام کے بت تھے اور لات اور العزّیٰ اور منات یہ قریش کے بت تھے۔

---

① رواه البخاري كتاب تفسير القرآن باب ومناة الثالثة الأخرى.

② تفسير الطبري ج۲۷ ص ۳۵ وتفسير ابن كثير ج۴ ص ۲۳۵ واللفظ له

③ تفسير الطبري ج۲۷ ص ۳۵ والاتقان ج۲ ص ۱۴۲ واللفظ له



بَعل ایک عورت تھی

قرآن کریم میں ''بعل'' نامی ایک بت کا ذکر آیا ہے۔ سو معلوم ہونا چاہیے کہ ''بعل'' ایک عورت تھی، جس کی مشرک لوگ عبادت کرتے تھے۔

چنانچہ

أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ①

کیا تم بعل کو پکارتے ہو (جو ایک بت تھا یا عورت تھی) اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین حضرات یوں لکھتے ہیں:

قال ابن إسحاق: أخبرني بعض أهل العلم أنهم كانوا يعبدون امرأة اسمها بعل. ②

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے بعض اہل علم سے یہ روایت ملی ہے کہ وہ شرک کی حالت میں ایک عورت کی پوجا کرتے تھے جس کا نام بعل تھا۔

ھبل کون تھا؟

مشرکینِ عرب کے مشہور و معروف بتوں میں سے ایک ''ہبل'' تھا، جو کہ کعبۃ اللہ کے اندر رکھا ہوا تھا۔

مشرکینِ عرب بالخصوص قریش کو اس ''ہبل'' پر بڑا ناز تھا۔ اپنے مصائب و مشکلات میں اس ''ہبل'' کو پکار کر اس سے استغاثہ و استعانہ اور مدد و عون طلب کرتے تھے اور دوسرے بتوں کی بہ نسبت مشرکین سب سے زیادہ فخر، اسی ''ہبل'' کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ احد میں انتہاءِ معرکہ کے بعد قائد مشرکین اُبوسفیان بن حرب احد کی پہاڑی پر چڑھ کر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے وزیرین (اُبوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے متعلق سوال کر کے کہنے لگا۔

أفي القوم محمد؟ فقال: لا تجيبوه. فقال: أفي القوم ابن أبي قحافة؟ فقال: لا تجيبوه فقال: أفي القوم ابن الخطاب؟ ③ (صحيح بخاری)

کیا لوگوں میں محمد ﷺ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جواب نہ دو۔ پھر اس نے کہا کیا لوگوں میں ابوقحافہ کا بیٹا (ابوبکر رضی اللہ عنہ) ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا جواب نہ دو، اس نے پھر کہا کیا قوم (لوگوں) میں خطاب کا بیٹا ہے؟

---

① سورة الصافات، آية رقم ١٢٥

② تفسير الطبری ج٢٣ ص٥٩ / تفسير ابن كثير ج٤ ص ٢٠ / روح المعانی ج١٢ ص ١٤٠ / تفسير الثعالبی ج٤ ص ٢٤ والاتقان ج٢ ص ١٤٢

③ رواه البخاری وسیأتی تخریجه بعدقليل مفصلا.

چونکہ یہ مسئلہ رسول اللہ ﷺ کی اپنی ذات سے متعلق تھا اس لئے آپ ﷺ خاموش رہے اور آپ ﷺ اپنا ذاتی انتقام کسی سے نہیں لیتے تھے۔

ہاں البتہ جب اللہ تعالیٰ کی محارم وحدود کی ہتک و بے حرمتی ہوتی تھی تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ غصہ آجاتا تھا اور بدلہ وانتقام کے لئے فوراً قدم بڑھاتے تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: ما انتقم رسول الله صلى الله عليه وسلم لنفسه في شيء يؤتى إليه حتى انتُهِكَ من حرمات الله فينتقم لله. ① (صحیح بخاری)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کسی شی میں انتقام نہیں لیتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی محرمات کی توہین کی جارہی ہو، تو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کو جواب دینا مناسب نہیں سمجھا اسی لئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کا جواب دینے سے منع فرمایا۔

اور پھر جب ابوسفیان کو مسلمانوں کی طرف سے جواب نہ ملا تو اس نے یقین کرلیا کہ یہ حضرات تو شہید ہو چکے ہیں۔ اس لئے اس نے اس بے انتہاء خوشی کے اظہار کے لئے اپنے سارے معبودانِ باطلہ میں سے سب سے پہلے اسی ''ہبل'' کا نام لے کر (اُعلُ ہُبَل) کا نعرہ بلند کیا تھا۔

چونکہ ''اُعـلُ هبـلُ'' والا نعرہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف تھا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں ''الله أعلىٰ و أجل'' کا جملہ ارشاد فرمایا۔

اب ہم اس طویل روایت کا ایک قطعہ آپ کے سامنے پیش کریں گے۔

عن البراء رضي الله عنه قال:.... وأشرف أبو سفيان فقال: أفي القوم محمد؟ فقال لاتجيبوه. فقال: أفي القوم ابن أبي قحافة؟ فقال: لاتجيبوه فقال: أفي القوم ابن الخطاب؟ فقال: إن هؤلاء قتلوا فلو كانوا أحياء لأجابوا، فلم يملك عمر نفسه فقال: كذبت يا عدوّ الله! أبقى الله عليك مايخزيك. قال أبو سفيان: اُعْلُ هبل، فقال النبي

براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں...... ابوسفیان نے احد کے دن (مسلمانوں کے لشکر کی طرف) جھانکا اور کہا کیا لوگوں میں محمد ﷺ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جواب نہ دو۔ پھر اس نے کہا کیا لوگوں میں ابوقحافہ کا بیٹا (ابوبکر رضی اللہ عنہ) ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا جواب نہ دو، اس نے پھر کہا کیا قوم (لوگوں) میں خطاب کا بیٹا ہے؟ پھر اس نے کہا یہ لوگ تو شہید ہو چکے اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صبر نہ کر سکے تو

① رواه البخاري، كتاب الحدود، باب كم التعزير والأدب



صلى الله عليه وسلم! أجيبوه، قالوا مانقول؟ قال: قولوا: الله أعلىٰ وأجل. قال أبوسفيان: لنا العزى ولاعزى لكم. فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أجيبوه. قالوا مانقول؟ قال: قولوا الله مولانا ولا مولى لكم. ① (صحيح بخاری)

فرمایا: اے اللہ کے دشمن اللہ نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے۔ابوسفیان کہنے لگا: ہبل کی جے، تو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا اب جواب دو۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا ہم کیا جواب دیں۔آپ ﷺ نے فرمایا تم کہو: اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہے۔ابوسفیان نے کہا: ہمارے لیئے عُزّیٰ ہے، تمہارے لیئے کوئی عُزّیٰ نہیں۔تو نبی ﷺ نے پھر فرمایا تم اس کا جواب دو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا ہم کیا جواب دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم کہو: اللہ تعالیٰ ہمارا آقا و مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی آقا و مولیٰ نہیں۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ ''ہبل'' انسان کی صورت پر بنایا گیا تھا، جس کا داہنا ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کر کے امام ابن جوزی رحمہ اللہ اور امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال هشام: وكانت لقريش أصنام في جوف الكعبة وحولها وأعظمها عندهم هبل وكان فيما بلغني من عقيق أحمر على صورة إنسان مكسور اليد اليمنى، أدركته قريش كذلك، فجعلوا له يدًا من ذهب وكان أول من نصبه خزيمة بن مدركة بن إلياس بن مضر وكان يقال له: هبل خزيمة وكان في جوف الكعبة. ②

ہشام نے کہا قریش کے کعبہ اور اس کے ارد گرد کئی بت تھے اور ان کا بڑا ''ہبل'' تھا اور مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ سرخ عقیق کا بنا ہوا تھا جس کی شکل انسان کی طرح تھی، اس کا داہنا ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔جو کہ قریش کو اسی حالت میں ملا تھا تو بعد میں انہوں نے اس کا ہاتھ سونے کا بنوا دیا۔(بیت اللہ) میں اس کو سب سے پہلے خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر نے نصب کیا تھا اسی وجہ سے اس کو ''ہبل خزیمہ'' کہتے تھے اور کعبۃ کے اندر اس کو رکھا گیا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ انسان کون تھا جس کی صورت پر ہُبُل کا بت بنا ہوا تھا؟ سو معلوم ہونا چاہیئے کہ لوگوں نے ''ہُبُل'' نامی بت کو ہابیل بن آدم علیہ السلام کے نام اور اس کی شکل وصورت پر بنا لیا تھا۔جس کو ان کے بھائی قابیل نے قتل کیا تھا۔

اب اس پر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق سن لیں۔

① رواه البخاري كتاب المغازي باب ١٧ غزوة احد واللفظ له / سنن سعيد بن منصور، باب جامع الشهادة، رقم الحديث: ٢٨٥٣.
② إغاثة اللهفان ج٢ ص ٢١٥ واللفظ له /تلبيس إبليس ص ٥٧



قیل انہ کان عندھم صنم اتخذوہ علی اسم ھابیل المقتول کعامرو عمر.①

مشرکین کے ہاں ایک بت تھا جس کو انہوں نے ہابیل مقتول کے نام پر بنایا ہوا تھا۔(جیسے عربی میں عامر اور عمر ہے اسی طرح ہابیل سے ہبل بنالیا)

کیا بعید ہے کہ قابیل نے قتل کے دوران سب سے پہلے ہابیل کا دایاں ہاتھ توڑ دیا ہو تا کہ اس میں مقاومت ومزاحمت کی طاقت ہی نہ رہے۔مگر وہ کہاں مقاومت کرنے والے تھے اس نے تو صاف اور واضح الفاظ میں اعلان کر دیا کہ

مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ②

میں تو اپنا ہاتھ مار ڈالنے کے لئے تجھ پر نہیں چلاؤں گا۔

چونکہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو اپنی خواہش نفس کی تکمیل کے لئے شہید کر ڈالا تھا تو لوگوں نے اس شہید مظلوم سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے محبت ودوستی کی آڑ میں اس کا مجسمہ بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔

اساف اور نائلہ انسان تھے

مشرکین عرب کے ہاں اساف اور نائلہ دو مشہور بت تھے۔جن کی مختلف قبائل عرب عبادت کیا کرتے تھے۔یہ دو پتھر تھے جو کہ صفا ومروہ پہاڑیوں پر رکھے ہوئے تھے۔جن کی لوگ مختلف طریقوں سے پوجا پاٹ کرتے تھے۔اب سوال یہ ہے کہ یہ تھے کیا چیز؟

کیا یہ جس طرح کی پتھروں کی شکل وصورت میں موجود تھے تو واقع میں بھی یہ پتھر ہی تھے یا کچھ اور تھے؟

سو معلوم ہو جائے کہ یہ حقیقت میں پتھر نہیں تھے بلکہ یہ قبیلہ ''جرہم'' کے دو آدمی تھے۔اساف مرد تھا اور نائلہ عورت۔ان کے پورے نام اس طرح ہیں۔اساف بن یعلی اور نائلہ بنت زید۔جنہوں نے کعبۃ اللہ کے اندر زنا کیا تھا تو اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی شکل وصورت کو مسخ کر کے پتھر بنا دیا۔تو اس دور کے لوگوں نے عبرت کے لئے کعبۃ اللہ کے قریب ان کو رکھ دیا۔

بعض روایات کے مطابق اساف کو صفا اور نائلہ کو مروہ پر رکھ دیا۔لیکن مرور زمانہ کی وجہ سے بعد والے لوگوں نے ان کی عبادت اور پوجا پاٹ شروع کر دی۔اب اس پر علماءِ سلف کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابن عباس...... أن إسافاً رجل من جُرهم يقال له: إساف بن يعلي ونائلة بنت زيد من جُرهم و كان يتعشقها في أرض اليمن، فأقبلوا حجّاجا، فَدَخَلا الكعبة فوجدا غفلة من الناس و خلوة من البيت

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں...... بے شک اساف جُرہم قبیلے کا ایک آدمی تھا، جس کو اساف بن یعلی کہتے تھے۔اور نائلہ بنت زید جرہم قبیلہ سے تھی، یمن میں اساف نائلہ سے عشق کرتا تھا۔وہ حج کے لئے آئے تو دونوں کعبہ میں

① فیض الباری ج۴ ص ۹۶، کتاب المغازی، باب غزوة أحد.
② سورة المائدة، آیة رقم: ۲۸

ففجر بها في البيت فمسخا حجرين فأصبحوا فوجدوهما مسخين فأخرجوهما فوضعوهما موضعهما فعبدتهما خزاعة وقريش ومن حج البيت بعد من العرب. ①

داخل ہوئے لوگوں کی غفلت اور بیت اللہ خالی پا کر دونوں نے بدکاری کر لی تو وہ وہیں پتھر بن گئے صبح کو لوگوں نے ان کی شکل مسخ پا کر بیت اللہ سے نکالا اور ان کی جگہ پر رکھ دیا۔ سب سے پہلے خزاعہ ان کی پوجا پاٹ میں مصروف ہوئے اور پھر قریش اور اس کے بعد جو بھی عرب قبائل میں سے حج کے لئے آتا وہ بھی ان کی عبادت کرتا۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اساف اور نائلہ کے متعلق ہشام کے واسطہ سے یوں نقل کیا ہے۔

قال هشام: لما مسخا حجرين وضعا عند الكعبة ليتعظ بهما الناس فلما طال مكثهما وعبدت الأصنام عُبدا معها. وكان أحدهما ملصقا بالكعبة والآخر في موضع زمزم، فنقلت قريش الذي كان ملصقاً بالكعبة إلى الآخر فكانوا يذبحون وينحرون عندهما. ②

ہشام نے کہا: جب ان دونوں کی شکل مسخ ہوگئی اور وہ پتھر کے بن گئے تو لوگوں کی عبرت کے لئے کعبہ کے پاس ہی رکھ دئے گئے تھے۔ جب لمبا زمانہ گذر گیا تو (لوگ اس کو بھول گئے) اور دوسرے بتوں کی پوجا پاٹ شروع ہوئی تو ان کو بھی پوجنا شروع کر دیا۔ دونوں میں سے ایک کعبہ کے ساتھ تھا اور دوسرا زمزم کے کنویں کے پاس تھا۔ تو قریش نے کعبہ کے ساتھ والے کو اٹھا کر دوسرے کے ساتھ منتقل کر دیا۔ پھر لوگ ان دونوں بتوں کے پاس اونٹ اور بھیڑ بکریاں ذبح کیا کرتے تھے۔

آیت:﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ ﴾ کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صفاو مروہ کے اوپر اساف اور نائلہ کے بت رکھے ہوئے تھے جن کو زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب دوران سعی استلام کیا کرتے تھے۔ اگرچہ اسلام آنے کے بعد وہ بت وہاں سے ہٹا دیئے گئے تھے۔ مگر پھر بھی مسلمانوں پر صفاومروہ کی سعی گراں گزرنے لگی۔ اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا جس پر آیت ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ...... ﴾ نازل ہوئی۔

① إغاثة اللهفان ج۲ ص ۲۱۵ واللفظ له / البداية والنهاية ج۲ ص ۲۳۳/ تلبيس ابليس ص ۵۸
② إغاثة اللهفان ج۲ ص ۲۱۵ / تلبيس ابليس ص ۵۸



چنانچہ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یوں نقل کرتے ہیں۔

عن ابن عباس قال: كانت الشياطين تفرق بين الصفا و المروة الليل كله، وكانت بينهما آلهة. فلما جاء الإسلام سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الطواف بينهما فنزلت هذه الآية. وقال الشعبي: كان إساف على الصفا وكانت نائلة على المروة وكانوا يستلمونهما فتحرجوا بعد الإسلام من الطواف بينهما، فنزلت هذه الآية. ①

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام آجانے کے بعد لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے طواف کے بابت مسئلہ دریافت کیا، جس پر یہ آیت اتری اور امام شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اساف بت صفا پر تھا اور نائلہ مروہ پر۔ مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے۔ اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے جس پر یہ آیت اتری۔

قضاعه کا بت ایک عورت کی شکل پر بنایا گیا تھا

قضاعہ قبائل عرب کے مشہور و معروف قبیلوں میں سے ہے تو ان کا بت ''یغوث'' تھا جو کہ عورت کی شکل و صورت پر بنایا گیا تھا۔

قال أبو عثمان: كنا في الجاهلية نعبد صنماً يقال له يغوث وكان صنماً من رصاص لقضاعة تمثال امرأة. ②

ابوعثمان نے کہا: ہم جاہلیت میں ایک بت کو پوجتے تھے جسے یغوث کہتے تھے اور وہ بت سیسہ سے بنا ہوا تھا جس کی قضاعہ پوجا کرتے تھے۔ اور اس کی شکل و صورت عورت کی سی تھی۔

طیئ کا بت انسان کی صورت پر بنایا گیا تھا

قبیلہ ''طیی'' کے بت کے متعلق امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكان لطيئ صنم يقال له "الفلس". ③

اور قبیلہ بنی طیی کا ایک بت تھا جس کا نام ''فلس'' تھا۔

اس ''فلس'' کی تشریح کرتے ہوئے محشی لکھتے ہیں:

① تفسير الطبرى: ج٢ ص ٢٨/ تفسير ابن كثير: ج١ ص ١٩٩ واللفظ له
② حاشية إغاثة اللهفان: ج٢ ص ٢٢١.
③ إغاثة اللهفان ج٢ ص ٢١٧، حاشية سيرة ابن هشام ج١ ص ٩٩

الفلس بفتح الفاء وسكون اللام، قال هشام أبوالمنذر: وكان أنفاً أحمر في وسط جبلهم الذي يقال له "أجأ" أسود كأنه تمثال إنسان و كانوا يعبدونه ويهدون إليه ويعترون عنده عتائرهم ولا يأتيه خائف إلا أمن عنده ولا يطرد أحد طريدة فليجأ بها إليه إلا تركت له ولم تخفر حويته .①

فلس فاء کے فتح اور لام کے سکون کے ساتھ پڑھنا ہے۔ ہشام ابوالمنذر نے کہا: اس کا ناک سرخ رنگ کا تھا قبیلہ طیئ کے مشہور سیاہ پہاڑ "اجأ" کے درمیان رکھا ہوا تھا دور سے گویا کوئی انسانی شکل ہے، اسی کی وہ عبادت کرتے اور تحفے بھی اس کے لئے بھیجتے تھے۔ اور رجب کے مہینے میں اس کے پاس جانور ذبح کرتے تھے۔ اور خوف زدہ شخص یہاں آکر امن میں آجاتا تھا۔ اور اگر کوئی شخص کسی جانور کو یہاں آکر چھوڑ دیتا تو کوئی اس سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص یہاں آکر پناہ لے لیتا تو اس پناہ کو ضائع نہیں کیا جاتا تھا۔

بیت اللہ کے اندر اور باہر بت اور مجسمے کن ہستیوں کے ناموں پر بنائے گئے تھے؟

جب ۸ ھ کو رسول اللہ ﷺ دس ہزار اسلامی فدائیوں کی معیت میں جب مکہ فتح کیا تو اس وقت کعبۃ اللہ کے اندر اور باہر صحیح روایات کے مطابق تین سو ساٹھ بت نصب تھے جن میں خصوصیت کے ساتھ سیدنا ابراہیم و سیدنا اسماعیل علیہما السلام کی صورتیں اور مجسمے بھی شامل تھے۔

چنانچہ اس بارے میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح منقول ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما قدم مكة أبى أن يدخل البيت وفيه الآلهة، فأمر بها فأخرجت، فأخرج صورة إبراهيم وإسماعيل في أيديهما من الأزلام، فقال النبي صلى الله عليه وسلم قاتلهم الله لقد علموا ما استقسما بها قط .② (صحيح بخاری)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو کعبۃ اللہ میں (بہت سے) بت تھے، تو آپ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہونے سے رکے رہے، آپ کے حکم سے انہیں نکالیا گیا (ان بتوں میں) سیدنا ابراہیم و سیدنا اسماعیل علیہما السلام کی صورتیں (مجسمے) نکالے گئے۔ جن کے ہاتھوں میں (پانسہ) کے تیر تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان (کافروں) کو ہلاک کرے

① حاشية سيرة ابن هشام ج ١ ص ٩٩ واللفظ له/ حاشية اغاثة اللهفان ٢/٧ ٢١.

② رواه البخاری، كتاب المغازی، باب أين ركز النبي صلى الله عليه وسلم الراية يوم الفتح



انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ان دونوں بزرگوں (ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام) نے کبھی بھی پانسہ کے تیر نہیں پھینکے۔

اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت یوں آئی ہے:

عن عبدالله رضی الله عنه قال: دخل النبی صلى الله عليه وسلم مكة يوم الفتح وحول البيت ستون وثلاثمائة نُصُب، فجعل يطعنها بعود في يده ويقول: جاء الحق وزهق الباطل و جاء الحق وما يبدئ الباطل وما يعيد. ① (صحيح بخاری ومسلم)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کی لکڑی سے ان کو مارتے ہوئے فرماتے تھے۔ ''حق آ گیا اور باطل ملیا میٹ ہو گیا۔'' حق آیا اور اب باطل نہ آئے گا اور نہ ہی دوبارہ لوٹے گا۔

کعبۃ اللہ کے اندر اور باہر والے اصنام و تصاویر کے متعلق سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہوئے اصحاب المغازی لکھتے ہیں:

عن ابن عباس قال: دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة يوم الفتح وعلى الكعبة ثلاثمائة وستون صنماً. ②

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں فتح کے دن داخل ہوئے تو کعبۃ اللہ کے اوپر تین سو ساٹھ بت موجود تھے۔

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو بیت اللہ کے اندر، باہر اور آس پاس تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔

اب بات یہ ہے کہ یہ بت، صورت اور مجسمے کن ہستیوں کے ناموں پر بنائے گئے تھے اور ان صورتوں اور مجسموں کا ذو صورت اور اصحاب مجسمہ کون تھے؟

سو معلوم ہونا چاہیے کہ ان تین سو ساٹھ صورتوں اور مجسموں میں سے دو مجسمے تو سیدنا ابراہیم و سیدنا اسماعیل علیہما السلام کے تھے جن کی تصریح خود حدیث میں موجود ہے۔ جیسا کہ اوپر صحیح بخاری کی روایت گذر چکی۔ باقی رہے تین سو اٹھاون تو وہ کون تھے؟

تو ان کے بارے میں بھی یاد رکھیں کہ وہ تین سو اٹھاون بت اور مجسمے بھی اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیوں اور مقرب بندوں کے مجسمے تھے جن کو مشرکین نے ظلماً وزوراً محض اپنے خیال و گمان میں ان (برگزیدہ ہستیوں اور مقرب بندوں) کی شکل و صورت پر

---

① رواه البخاری، كتاب المغازی، باب أين ركز النبي صلى الله عليه وسلم الراية يوم الفتح، واللفظ له / مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب إزالة الأصنام حول الكعبة.

② عيون الأثر ج٢ ص ١٧١ / والسيرة الحلبية ج٣ ص ٩٩.



بنایا تھا، جن میں فرشتوں کی صورت ومجسمے خصوصیت کے ساتھ شامل تھے۔ جن کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن میں فرشتوں کے بارے میں مشرکین کی عبادت کا جو اقرار واعتراف ملتا ہے کہ مشرکین عرب فرشتوں کی عبادت کرتے تھے، جیسا کہ آیت مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى (ہم تو ان کو بس اسی لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کے نزدیک کردیں۔) اور وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ (یہ کافر کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم فرشتوں کی پوجا نہ کرتے۔) وغیرہ آیات جن کی تشریح تیسرے باب (اولیاء وصالحین کی عبادت) میں گذر چکی ہے، تو ان کی صورت یہی تھی کہ چونکہ مشرکین نے نہ فرشتوں کو دیکھا تھا اور نہ ہی سابقہ انبیاء کو، اس لئے انہوں نے فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر اور ان کی شکلوں وصورتوں پر محض فرضی وخیالی بت اور مجسمے بنا کر عبادت کرتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت اس طرح بھی آئی ہے۔

عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حين دخل البيت وجدفيه صورة ابراهيم وصورة مريم .①

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے تو سیدنا ابراہیم اور سیدنا مریم کی تصویریں اور مجسمے دیکھے۔

بتوں کا منہدم کرنا واجب ہے

مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ کعبۃ اللہ کے اندر اور آس پاس والے بت اور مجسمے فرشتوں، نبیوں اور ولیوں کے ناموں اور ان کی شکلوں اور صورتوں پر بنائے گئے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مکہ مکرمہ پر غلبہ پانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بتوں کے ساتھ کون سا معاملہ کیا؟

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب بتوں اور مجسموں کو جو کہ فرشتوں، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کے ناموں اور ان کی فرضی وخیالی شکلوں اور صورتوں پر بنائے گئے تھے منہدم کر کے ختم کر دیا، یا ان میں سے کسی بت اور مجسمہ کو صاحب بت اور ذی مجسمہ کی تعظیم وتوقیر کی خاطر چھوڑ دیا تھا؟

سو معلوم ہونا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا امتیاز ان سب بتوں اور مجسموں کو کہ جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہستیوں اور

① البداية والنهاية ج۴ ص ۳۴۶ / السيرة الحلبية: ج۳ ص ۱۰۰



مقرب بندوں کے ناموں اور ان کی شکلوں اور صورتوں پر بنائے گئے تھے جن میں فرشتوں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام سمیت سیدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام جیسے جلیل القدر رسولوں کے مجسمے بھی شامل تھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے منہدم کر دیا اور کسی ایک کو بھی باقی نہیں چھوڑا۔

اب اس پر علماء محققین کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

وقال ابن هشام: وحدثني بعض أهل العلم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل البيت يوم الفتح فرأى فيه صور الملائكة وغيرهم فرأى إبراهيم عليه السلام مصوّراً في يده الأزلام يستقسم بها فقال: "قاتلهم الله جعلوا شيخنا يستقسم بالأزلام ماشأن إبراهيم والأزلام؟ ﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَانَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفاً مُّسْلِماً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ثم أمر بتلك الصور كلها فطمست".①

ابن ہشام نے کہا: مجھے بعض اہل علم نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس میں فرشتوں وغیرہ کی بہت ساری مورتیاں دیکھیں، تو ان میں ابراہیم علیہ السلام کی بھی صورت گھڑی ہوئی تھی اور ان کے ہاتھ میں پانسہ کے تیر تھے جس سے وہ قسمت معلوم کرتے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک فرمائے۔ ان ظالموں نے ہمارے بزرگ ابراہیم علیہ السلام کو تیروں سے قسمت معلوم کرتے ہوئے دکھلایا ہے۔ بھلا ابراہیم علیہ السلام اور ان تیروں کا آپس میں کیا تعلق۔ پھر آپ ﷺ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی ہے۔ "ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی وہ تو یک طرف ہو کر رہنے والے مسلمان تھے۔ اور مشرکوں میں سے نہیں تھے۔" پھر آپ نے ان تمام مورتیوں کے متعلق حکم دیا تو ان سب کو منہدم کر دیا گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ان بتوں اور صورتوں کے مٹانے کا اس طرح حکم دیا ہے:

......فإنه صلى الله عليه وسلم أمر عمر رضي الله عنه وهو بالبطحاء أن يأتي الكعبة فيمحو كل صورة فيها .②

آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا جبکہ آپ بطحاء وادی میں تھے کہ وہ کعبہ جا کر ہر قسم کی صورت اور بت مٹا دے۔

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یوں آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبۃ اللہ کے اندر اور باہر کی ان تمام

① سیرة ابن هشام ج۴ ذکر فتح مکه، نص خطبته عليه السلام
② السيرة الحلبية ج۳ ص ۱۰۰



صورتوں کو بلا امتیاز ملیامیٹ کر دیا جو کہ ملائکہ، سیدنا ابراہیم، سیدنا اسماعیل، سیدنا اسحاق اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر مشتمل تھیں۔

عن أسامة بن زيد رضي الله عنهما قال: دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم في الكعبة فرأى صورًا فدعا بدلو من ماءٍ فأتيته به فجعل صلى الله عليه وسلم يمحوها أي وتلك الصور هي صور الملائكة وصور ابراهيم واسماعيل في أيديهما الأزلام يستقسما بها أي واسحاق وبقية الأنبياء.①

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبۃ اللہ میں داخل ہوا تو آپ نے وہاں صورتیں دیکھ کر مجھ سے پانی منگوایا تو میں آپ کے پاس پانی لایا تو آپ اس کے ساتھ وہ صورتیں مٹانے لگے یعنی فرشتوں کی صورتیں اور ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی صورتیں ان کے ہاتھوں میں پانسہ کے تیر تھے جس کے ساتھ وہ قسمت آزمائی کرتے تھے۔ یعنی اسحق علیہ السلام اور بقیہ انبیاء کرام علیہم السلام۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بلا امتیاز معاملے سے جو کہ ان بتوں کے ساتھ کیا ہے، صاف معلوم ہوتا ہے کہ بت اور مجسمے جن ہستیوں کے ناموں اور شکلوں اور صورتوں پر بنائے گئے ہیں۔ غلبہ و اقتدار پانے کے بعد ان (بتوں اور مجسموں) کا توڑنا اور منہدم کرنا واجب اور ضروری ہے، خواہ وہ بت اور مجسمے کتنے ہی درجہ والی ہستیوں کے ناموں اور شکلوں و صورتوں پر بنائے گئے ہوں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ ان بتوں اور مجسموں کے توڑنے سے اس صاحب بت اور ذی مجسمہ کی توہین لازم نہیں آتی۔

ملتان کا بت انسان کی شکل و صورت پر تھا

بنو امیہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے جناب محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی قیادت میں مکران کو فتح کر کے سندھ کی فتوحات شروع کر دیں۔ تو سندھ کے اس وسیع و عریض علاقوں کی فتح کے علاوہ مسلمانوں نے ملتان کو بھی فتح کر لیا جو کہ سندھ و ہند کی فتوحات میں بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اور وجہ اس کی یہ تھی کہ ملتان کی دوسری استحکامات حربیہ کے علاوہ دو اہم چیزیں خاص طور پر قابل توجہ تھیں۔

۱۔ ایک یہ کہ ملتان کا جو قلعہ تھا وہ بنا اور مواقع کے اعتبار سے بہت بڑا مضبوط قلعہ تھا۔

۲۔ دوسرا یہ کہ اس کے اندر جو بت تھا وہ بڑی اہمیت رکھتا تھا کیونکہ کثیر تعداد میں سندھ و ہند کے لوگ اس کے معتقد تھے۔ بہت دور دراز کے علاقوں سے اس بت کی پوجا پاٹ کے لئے سندھ و ہند کے لوگ آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی آمد سن کر ہندوؤں نے ملتان کے دفاع کے لئے کثیر التعداد، تجربہ کار اور طاقتور فوج جمع کر دی۔

① السيرة الحلبية: ج۳ ص ۱۰۰

باقی رہا کہ ملتان کا یہ مضبوط قلعہ کیسے اور کتنی مدت کے بعد فتح ہوا تو یہ ایک مستقل تاریخی بحث ہے جو کہ ہماری مبحث سے خارج ہے۔ یہاں پر ہم صرف ملتان کے اس بت کے مختصر احوال بیان کریں گے۔ جس کی ہندو لوگ نہایت حسن عقیدت کے ساتھ عبادت کیا کرتے تھے۔

سو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ بت انسان کی شکل وصورت پر بنایا گیا تھا۔ مؤرخین حضرات نے اس پر بڑی لمبی بحث کی ہے۔ چنانچہ علامہ یاقوت الحموی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس صنم پر طویل بحث کے بعد لکھا ہے:

والصنم على صورة إنسان جالس متربع على كرسي من جص وآجر .①

اور (یہ ملتان کا) صنم انسانی شکل کا تھا جو کہ گچ اور اینٹوں سے کرسی پر چوکڑی مارے بیٹھا تھا۔

اور صاحب الأعلاق النفیسۃ نے مزید لکھا ہے:

ولهذا الصنم وغيره من الأصنام سدنة لايأتون النساء ولا يأكلون اللحم ولايذبحون الذبائح ولايلبسون الثياب الدنسة ويتطيبون إذا صاروا إلى الأصنام وليس يدخل عليها غيرهم فمن يطيبها بيده وينالها بكفه فإذا دخل عليها برك على ركبتيه وجمع كفيه وبسطهما ويسأله أن ينظر إليه ويرحمه ويبكي ويتضرع إليه ويدعو .②

اس (ملتان) کے بت کیلئے اور دوسرے بتوں کے لئے خدام تھے، نہ تو وہ عورتوں کے پاس جاتے تھے اور نہ ہی گوشت کھاتے تھے اور نہ ہی جانور ذبح کرتے اور نہ ہی گندے کپڑے زیب تن کرتے۔ اور جب ان بتوں کی طرف جاتے تو خوشبو لگا کر جاتے تو اس وقت ان کے پاس کوئی دوسرا نہیں آسکتا تھا جس کو یہ لوگ اپنے ہاتھ سے خوشبو لگا دیتے اور اپنی ہتھیلیوں سے ان بتوں کو چھوتے۔ جب ان پر یہ داخل ہوتے تو اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے اور اپنے دونوں ہاتھ اکٹھے کر کے ان کو پھیلا دیتے اور سوال کرتے کہ یہ (بت) ان کی طرف دیکھے اور ان پر رحم کرے اور یہ آدمی سوال کرتے ہوئے روتا اور عاجزی سے دعا کرتا۔

ملتان کے اس بت کی تعظیم وتوقیر کے لئے ہندو لوگ بہت دور دراز علاقوں سے آ کر اس کی پوجا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام بلاذری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وبه صنم يعظمه الهند و تحج إليه من أقصى بلدانها ويتقرب إلى الصنم في كل عام بمال عظيم ينفق على بيت الصنم والمعتكفين عليه منهم

اور یہاں ایک بت تھا جس کی تعظیم وتوقیر ہندو لوگ کرتے تھے اور اس بت کا حج دور دراز علاقوں سے کرتے تھے اور اس بت کے لئے ہر سال بہت زیادہ مال پیش کیا جاتا جس کو اس

① معجم البلدان ج۵ ص ۲۲۷/ الأعلاق النفيسة ج۷ ص ۱۲۷

② الأعلاق النفيسة ج۷ ص ۱۲۷-۱۲۸



وسمي المولتان بهذا الصنم. وقد ألبس جميع بدنه جلداً يشبه السختيان الأحمر، لايبين من جثته شيء إلاعيناه وعيناه جوهرتان وعلى رأسه اكليل ذهب وهو متربع على ذلك السرير، وقد مدذراعيه على ركبتيه ويسمي العرب المولتان فرج بيت الذهب لانها فتحت في أول الإسلام وكان بها ضيق وقحط فوجدوا فيها ذهباً كثيرا فاتسعوا به.①

بت کی عمارت پر اور یہاں اعتکاف بیٹھنے والوں (مجاوروں) پر خرچ کیا جاتا اور ملتان شہر کا نام اسی بت کی وجہ سے پڑا ہے۔ اور اس کے تمام بدن پر جلد چڑھا دیا گیا تھا جو بکری کی رنگی ہوئی کھال کی طرح تھا۔ اس کے جسم میں سے صرف اس کی دو آنکھیں ہی ظاہر ہوتی تھیں اور وہ دونوں آنکھیں دو موتی تھے اور اس کے سر پر سونے کا تاج سجایا گیا تھا۔ اور وہ اس تخت پر چوکڑی مارے بیٹھا تھا۔ اور اپنے بازوں گھٹنوں پر پھیلائے ہوئے تھا۔ اہل عرب ملتان کو خانہ زر کی دہلیز کہتے تھے۔ کیوں کہ ملتان اسلام کے ابتدائی زمانہ میں فتح ہوا تھا۔ اس وقت مسلمان تنگ دستی کا شکار تھے ملتان کی فتح سے انہیں ملتان میں خوب سونا ہاتھ لگا جس سے وہ کشادہ حال ہو گئے۔

یہاں تک تو یہ ثابت ہوا کہ یہ بت انسان کی شکل وصورت پر بنایا گیا تھا جیسا کہ اوپر کی روایات سے اس کی آنکھیں، کہنیاں، گھٹنے اور چارزانو ہو کر کرسی پر بیٹھنے وغیرہ سے ہیئت واعضاء ثابت ہوئے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ بت ومجسمہ کس کے نام پر بنایا گیا تھا اور وہ صاحب مجسمہ کون تھا؟

سو معلوم ہونا چاہیے کہ ان بت پرست ہندوؤں (اس سے محو یہ ہندو مقصود ہیں برہمی نہیں کیونکہ برہمی مطلق نبوت کے منکر ہیں) کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ بت سیدنا ایوب علیہ السلام کا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا نبی تھا اور وہ اپنے خیال وگمان میں سیدنا ایوب علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے۔

اس سے قطع نظر کہ ان بت پرستوں کا یہ اعتقاد واقع کے مطابق تھا یعنی یہ بت واقع میں بھی سیدنا ایوب علیہ السلام ہی کی شکل و صورت پر تھا اور بنانے والوں نے بھی یہ بت بناتے وقت انہی کی شکل وصورت کو سامنے رکھ کر یہ بت بنالیا تھا یا کہ دوسرے بتوں کی طرح ان لوگوں نے کوئی ایک فرضی وخیالی بت بنا کر بعد میں سیدنا ایوب علیہ السلام کے نام پر مشہور کر کے پوجنا شروع کر دیا۔

اس سے ہماری بحث نہیں بلکہ اصل بحث اس بات سے ہے کہ وہ بت پرست ہندو اپنے خیال وگمان میں ایک مکرم ومعزز انسان کی عبادت کرتے تھے اور محض ایک بے جان مورت کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ آج کل کے قبر پرستوں کا خیال ہے۔

اب اس پر علماء مؤرخین کی تحقیق دیکھ لیں:

① فتوح البلدان ص:۴۲۷



چنانچہ مؤرخین حضرات میں سے امام ابن الأثیر رحمہ اللہ اور علامہ بلاذری رحمہ اللہ وغیرہما لکھتے ہیں:

وأصابوا ذهباً كثيراً. فجمع في بيت طوله عشرة أذرع وعرضه ثمانية أذرع يلقى إليه من كوّة في وسطه. فسميت الملتان فرج بيت الذهب، والفرج الثغر وكان بدُّ الملتان تهدى إليه الاموال ويحج من البلاد ويحلقون رؤسهم ولحاهم عنده. ويزعمون أن صنمه هو أيوب النبي صلى الله عليه وسلم.①

اور مسلمانوں نے بہت سا سونا پایا یہ تمام مال بت خانہ کی ایک کوٹھڑی میں جمع کیا گیا تھا جو دس گز لمبی اور آٹھ گز چوڑی تھی۔ اس کی چھت میں ایک سوراخ تھا جس سے بت کیلئے نذر و نیاز کی رقم اندر ڈال دی جاتی تھی۔ اس لئے ملتان کا نام (مسلمانوں کی طرف سے) فرج بیت الذہب (خانہ زر کی دلہیز) رکھا گیا۔ ملتان کے اس بت کے لئے نذر و نیاز اور ہدیہ کا مال بھاری مقدار میں آتا تھا اور سندھ و ہند کے باشندے آ آ کر اس کا چکر لگاتے تھے اور اس کے پاس سر اور ڈاڑھی کے بال منڈواتے تھے۔ اور ان کا اعتقاد تھا کہ اس بت خانہ میں سیدنا ایوب علیہ السلام کا بت ہے۔

برهما انسان تھا

ہندوؤں کے ہاں برہما یا برہمن کا بت اور مجسمہ بہت مشہور ہے۔ ہندوؤں کے تقریباً اکثر فرقوں کے پاس برہما کا بت اور مجسمہ موجود ہے اور ہندو لوگ بڑے فخر کے ساتھ اس کی عبادت کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ برہما کون تھا؟

سو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ بھی ایک انسان تھا جس کو ہندو لوگ مکرم و معظم سمجھتے ہوئے اس کے نام اور شکل وصورت پر بت بنا کر پوجا پاٹ کرتے ہیں۔

مولانا سرفراز خان صفدر صاحب (گوجرانوالہ) نے اس برہما کی تحقیق کے بارے میں علامہ عبدالکریم رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ برہما جس کی ہندو لوگ عبادت کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا نبی سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ مولانا موصوف فرماتے ہیں:

”ہندوؤں کے ہاں برہما کا مجسمہ مشہور ہے یہ کون تھے؟ علامہ عبدالکریم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ہندوؤں کے ہاں برہما وہی ہیں جن کو اہل کتاب ابراہام اور مسلمان ابراہیم علیہ السلام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی اس آیت سے کہ (اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اے ابراہیم میں تجھے تمام انسانوں کے لئے پیشوا بنانے والا ہوں) اس کی تائید ہوتی ہے“۔ (حاشیۃ برہان ص ۲۲۰ بابت ماہ اپریل ۱۹۵۲) ②

---

① الكامل في التاريخ ج۴ ص ۵۳۹. واللفظه له/ فتوح البلدان ص ۴۲۷ ② گل دستۂ توحید ص ۶۴

برہما کے متعلق مولانا صفدر صاحب کے کلام کے سیاق وسباق اور بالخصوص علامہ عبدالکریم رحمہ اللہ کی تحقیق کا ذکر کر کے اس پر جرح وقدح نہ کرنے سے بظاہر اس سے علامہ عبدالکریم رحمہ اللہ کے کلام کی تائید معلوم ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں کے ہاں برہما وہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہے اور برہمیوں کی نسبت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے ہے۔ بہر حال یہ مولانا صفدر صاحب کی اپنی رائے ہے۔ مگر میں ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا کیونکہ برہمی ہندو تو نبوت کے سرے سے منکر ہیں۔ تو جب وہ نبوت کے وجود کو ہی نہیں مانتے تو بھلا وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کے کیسے قائل ہوں گے اور ان کی نسبت اس کی طرف کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟

ہاں! البتہ اہل ہند میں سے ایک اور فرقہ ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کا قائل ہے مگر وہ برہمی نہیں ہے ان کو "ثنویہ" کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کر کے امام شہرستانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

من الناس من يظن أنهم سمّوا براهمة لإنتسابهم إلى إبراهيم عليه السلام وذلك خطأ، فإن هؤلاء القوم هم المخصوصون بنفي النبوات أصلاً ورأساً فكيف يقولون بإبراهيم عليه السلام. والقوم الذين اعتقدوا نبوة إبراهيم عليه السلام من أهل الهند فهم "الثنوية" منهم القائلون بالنور والظلمة على رأى "أصحاب الاثنين" وقد ذكرنا مذاهبهم. ①

جس نے یہ خیال کیا کہ برہمیوں کی اللہ کے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت ہے تو یہ خیال غلط ہے۔ اس لئے کہ یہ (براہمہ) شروع سے ہی انبیاء کی نبوت کے منکر ہیں تو یہ ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کے کیونکر قائل ہو سکتے ہیں؟ جو لوگ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کے قائل ہیں انہیں "ثنویہ" کہا جاتا ہے جو روشنی اور اندھیرے کے قائل ہیں دو الٰہ (نور و ظلمت) ماننے والوں کی رائے کے مطابق ہے جن کا مذہب پہلے ہم نے بیان کیا ہے۔

جب یہ ثابت ہوا کہ ہندوؤں کا برہما اور ہے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ہیں اور برہمیوں کی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف غلط ہے تو بھلا برہمیوں کی نسبت کس کی طرف ہے؟

سو معلوم ہونا چاہئے کہ برہمیوں کی اصل نسبت ایک ایسے شخص کی طرف ہے جو کہ انہی میں سے ہے جس کا نام براہم یا برہمن تھا۔ چنانچہ امام شہرستانی رحمہ اللہ آگے فرماتے ہیں:

وهؤلاء "البراهمة" إنما انتسبوا إلى رجل منهم يقال له براهم وقد مهدلهم نفي النبوات أصلاً. ②

یہ براہم اپنی نسبت اپنی قوم کے ایک آدمی کی طرف کرتے ہیں۔ جسے براہم کے نام سے پکارا جاتا ہے اس شخص نے نبوتوں کی نفی کو ان کے ذہنوں میں جما دیا تھا۔

---

① كتاب الملل والنحل ج۲ ص ۲۵۰-۲۵۱ الباب الرابع أراء الهند الفصل الاول: البراهمة
② كتاب الملل والنحل ج۲ ص ۲۵۱/ الباب الرابع، أراء الهند، الفصل الأول، البراهمة

اور ہندوؤں کے اس مذہبی پیشوا کے تعیین کی طرف اشارہ کر کے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ بھی اس طرح لکھتے ہیں:

قال یحیی بن بشر: إن شریعة الهند وضعها لهم رجلٌ یقال له برهمن، ووضع لهم أصناماً وجعل أعظم بیوتها بیتاًبمدینة من السند وجعل فیه صنمهم الأعظم وزعم أنه بصورة الهیولی الأکبر وفتحت هذه المدینة فی أیام الحجاج واسمها الملتان.①

یحییٰ بن بشر نے کہا ہندوستان کا مذہب ان کے مذہبی پیشوا ''برہمن'' نے رکھا اور ان کے لئے بت بھی وضع کئے۔ سندھ کے شہروں میں سے ایک شہر میں ایک بہت بڑا گھر بنایا اور اس میں اپنے بتوں میں سے سب سے بڑا بت رکھا۔ اور وہ اس خیال پر کہ یہ ہیولی اکبر ہے اور یہ شہر حجاج بن یوسف کے عہد میں فتح ہوا جس کا نام ملتان ہے۔

برہمیوں کے متعلق امام شہرستانی رحمہ اللہ کی تحقیق تو آپ نے دیکھ لی کہ برہمی مطلقاً نبوت کے منکر ہیں۔ اب امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کی تحقیق بھی پڑھ لیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

قال المصنف: قد لبس إبلیس علی البراهمة والهندوس وغیرهم فزین لهم جحد النبوات لیسد طریق مایصل من الإلٰه.②

مصنف (ابن جوزی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ابلیس نے برہمیوں وہندوؤں وغیرہ پر اپنی تلبیس کا پردہ ڈالا تو ان کے لئے یہ رچایا کہ نبوت کے منکر ہو جاؤ تا کہ اس تلبیس سے جو فیضِ رحمت پہنچتا ہے اس کا راستہ بند کر دیا جائے۔

اور اسی طرح برہمی ہندوؤں کے احکام بیان کرتے ہوئے امام اسفرائنی رحمہ اللہ شوافع کا مسلک ان کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

وأجمع أصحاب الشافعی علی أن البراهمة الذین ینکرون جمیع الأنبیاء والرسل لاتحل ذبائحهم ولانکاح نسائهم.③

أصحاب الشافعی کا اس پر اجماع ہے کہ برہمی جو تمام انبیاء اور رسولوں کے منکر ہیں ان کا نہ ذبیحہ حلال ہے نہ ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہے۔

---

① إغاثة اللهفان ج۲ ص ۲۱۸ واللفظ له / تلبیس إبلیس: ص ۶۱

② تلبیس إبلیس ص ۶۵ الکلام علی جاحدی النبوات

③ الفرق بین الفرق ص ۳۵۵



رام ایک انسان تھا

دور مت جایئے بلکہ اپنے زمانہ کے ''رام جنم بھومی'' کے قضیہ کو لے لیں جو کہ کئی صدیوں سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان محل نزاع بنا ہوا ہے۔ جس میں طرفین سے ہزارہا نفوس ضائع ہوئے ہیں اور ابھی بھی ہو رہے ہیں جن کی انتہاء کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

''رام جنم بھومی'' کا مطلب

رام: وہ انسان ہے جس کا بت ہندوؤں نے بنا کر وہاں پر رکھا ہوا ہے۔

جنم: کا معنی ہے پیدائش

بھومی: کا معنی ہے جگہ اور اس سے وہ جگہ مراد ہے جہاں بابری مسجد بنی ہوئی ہے، جس میں ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق رام پیدا ہوا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ''رام'' ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق ایک بزرگ اور مکرم و معظم انسان تھا اور وہ اسی جگہ پیدا ہوا تھا۔

اس ''رام'' کا ایک بت اور مجسمہ ہندوؤں نے کئی قرنوں سے بنا کر وہاں پر رکھا ہوا ہے، جس کی وہ پوجا پاٹ کرتے ہیں اور اس جگہ ایک مندر تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جو کہ ایک بین الاقوامی مسئلہ بنا ہوا ہے۔

اس سے قطع نظر کہ ''رام'' کیسا تھا اور کیا واقعی وہ اسی جگہ پیدا ہوا تھا؟ اس سے ہماری بحث نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ یہ بت اور مجسمہ جو اس جگہ پر رکھا ہوا ہے جہاں کروڑوں اور اربوں حسین و جمیل چہروں کا ظاہری مسجود و معبود بنا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے خون بہائے جا رہے ہیں تو کیا یہ جو کچھ ہو رہا ہے محض اس پتھر یا سونے کے دس پندرہ یا بیس، تیس، ستر، اسی سیر (کلو) کے تراشے ہوئے بت اور مجسمہ کے لئے ہوتا ہے؟

الجواب: نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ یہ سب کچھ اس ''رام'' انسان کے لئے ہوتا ہے جس کے نام پر یہ بت اور مجسمہ بنایا گیا ہے۔ جو کہ خود ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق اسی جگہ پیدا ہوا تھا۔

اس مسئلہ کی مزید تشریح کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ صاف واضح ہے کہ جنم و پیدائش انسان اور حیوان کی صفت ہوتی ہے جمادات کی نہیں ہوتی۔



مہاویر انسان تھا

بت پرست مذاہب میں سے ایک مذہب ''جین مت'' کا ہے جس کا بانی ''مہاویر'' ہے جو کہ ایک بڑے خاندان گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا پورا شجرۂ نسب اور تاریخ ولادت مؤرخین نے یوں بیان کی ہے۔

''جین روایت کے مطابق ''مہاویر'' چوبیسویں تھرتھنکر ہیں۔ ان کا اصلی نام ''وردھمان'' تھا۔ وہ ''پٹنہ'' سے ۲۷ میل شمال سے دیسامی سے ایک چھتری گھرانے میں ۵۴۰ ق م کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام ''سرھادتہ'' تھا جو ''کنداپور اور ترسالہ'' کے قبیلے، ''جناتیرکا'' کے سردار تھے۔ انکی والدہ ایک کھشتری خاتون تھی جو ''دیسامی اور مگدھ'' کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔'' ①

اور اس ''مہاویر'' کی وفات کے متعلق معلومات یہ ہیں کہ ''مہاویر نے ۷۲ سال کی عمر میں جنوبی ''بہار'' کے ایک مقام ''پاوا'' ۴۸۶ ق م میں وفات پائی۔'' ②

اس مذہب کے پیروکار بانی مذہب ''مہاویر'' کی مورتیوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اس مذہب کا چرچا اور ترقی دنیا میں بہت زیادہ نہیں ہوئی بلکہ ہندوستان اور اس کے قرب وجوار کے علاقوں تک محدود رہا ہے۔

آج کل یہ مذہب موجودہ ہندوستان اور اس کے گردونواح کے علاقوں کے علاوہ سری لنکا میں بکثرت پایا جاتا ہے۔

''جین مت'' مذہب کے لوگ اپنے اس بانی مذہب ''مہاویر'' کو اپنے اعتقاد کے مطابق نیک وصالح اور اللہ کا ولی بزرگ جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا سفارشی سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا ان بتوں اور مجسموں کی ذات سے کوئی تعلق ولگاؤ نہیں ہے بلکہ ان کی اصل عقیدت اور محبت اس صاحب بت انسان سے ہے جس کے نام پر یہ بت اور مجسمہ بنایا گیا ہے۔

گرونانک انسان تھا

حقیقت میں ''گرونانک'' بھی ایک انسان تھا جس نے سکھ مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔ جو کہ ''۱۴۶۹ء صوبہ پنجاب ضلع شیخوپورہ بمقام تلونڈی میں پیدا ہوئے اور ۱۵۳۹ء میں وفات پائی۔''

دوسرے مؤرخین کی طرح علامہ احمد عبداللہ المسدوسی نے سکھ مذہب اور اسکے بانی کے حالات زندگی پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

''سکھ مذہب ہندوستان کی پیداوار ہے۔ اس کے بانی ''گرونانک'' ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ وفات ۱۵۳۹ء ہے۔'' ③

---

① مذاہب عالم ص ۲۲۲۔
② مذاہب عالم ص ۲۲۳۔
③ مذاہب عالم / ص ۲۳۸



اور علامہ احمد عبداللہ المسدوسی ایک اور جگہ پر یوں لکھتے ہیں:

''لاہور کے پاس تحصیل شرق پور کے ایک گاؤں تلونڈی میں ۱۴۶۹ء میں مہنہ کالو چند کھتری کے گرونا نک پیدا ہوا۔'' ①

گوتم بُدھ انسان تھا

''بدھ مت'' مذہب کا بانی ''گوتم بدھ'' ہے اور یہ اس کا خاندانی نام ہے۔ اصلی نام اس کا ''سدھارتھ'' تھا۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے علامہ احمد عبداللہ المسدوسی لکھتے ہیں:

''بچے کا نام ''سدھارتھ'' رکھا گیا ان کا خاندانی نام گوتم بدھ تھا۔'' ②

گوتم بدھ کو عربی میں ''بوذا'' کہتے ہیں اور بوذا کا معنیٰ ہے منور، عارف اور عاقل۔

عربی میں اس ''بدھ مت'' مذہب کو بوذی یا ''سمنی'' کہتے ہیں۔ چنانچہ کتب تاریخ اور ادیان و مذاہب میں ''بوذیہ'' اور ''سمنیہ'' کے کلمات ملیں گے۔ اور دونوں سے مراد ''بدھ مت'' مذہب ہے۔

''گوتم بدھ'' حکماء ہند میں سے تھا۔ یہ شخص میلاد مسیح سے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال پہلے کا ہے۔

اس امر پر سارے مؤرخین متفق ہیں کہ یہ شخص ہندوستان کا باشندہ تھا اور اس نے ہندوستان کے قبائلی طبقات اور ہندو مذاہب کے خلاف ہندوستان ہی کی سرزمین پر اپنے اس مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔

ہاں! البتہ اس میں کچھ اختلاف ہے کہ یہ شخص ہندوستان کے کس علاقہ کا رہنے والا تھا؟۔

کچھ مؤرخین تو کہتے ہیں کہ یہ شخص ''نیپال'' کا باشندہ تھا اور کچھ حضرات کا خیال ہے کہ یہ شخص ''بنارس'' کا رہنے والا تھا۔ مگر حقیقت میں اس اختلاف کی کوئی خاص نوعیت نہیں ہے کیونکہ ''بنارس'' کا علاقہ ''نیپال'' سے بہت قریب پڑتا ہے۔ خاص طور پر وہ مکان جہاں پر گوتم بدھ پیدا ہوا ہے وہ تو بنارس سے اور زیادہ قریب ہے۔ اور وہ ''کپل وستو'' ہے۔ یہ شہر بنارس سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے۔ تو کیا بعید کہ اس وقت اس سارے علاقہ پر ''نیپال'' کا اطلاق ہوتا ہو، اور یہ سارا علاقہ ''نیپال'' ہی کے نام سے موسوم ہو۔ کیونکہ ''نیپال'' ہندوستان کے ان بڑے صوبوں میں شمار ہوتا تھا جو کہ ایک مستقل ولایت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور آج کل ''نیپال'' ایک شاہی سلطنت پر مشتمل ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ ''گوتم بدھ'' نیپال کے علاقہ میں ''ساکیہ'' قبائل کی راجدھانی بمقام ''کپل وستو'' میں ۵۶۸ یا ۵۶۶ ق م پیدا ہوئے۔ اور اسّی سال کی عمر میں ۴۸۸ یا ۴۸۶ ق م ''کسی نارا'' کے مقام پر ''گورکھپور'' کے علاقے میں وفات پائی۔

---

② مذاہب عالم / ص ۲۰۱
③ مذاہب عالم / ص ۲۳۲

اب اس پر مؤرخین اور محققین کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ اس بارے میں علامہ احمد عبداللہ المسدوسی فرماتے ہیں:

''گوتم بدھ ۵۶۸ ق م'' میں شمالی ہند کے علاقہ ''نیپال'' میں ساکیہ قبائل کی ''راجدھانی'' ''کپل وستو'' میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر دریائے ''رومنی'' کے کنارے ''بنارس'' سے سو میل کے فاصلہ پر گوشہ شمال مشرق میں واقع ہے۔ ان کے والد کا نام ''شدھودھن'' تھا ان کی والدہ کا نام ''مایا'' تھا۔'' ①

اور ان (گوتم بدھ) کی وفات کے متعلق علامہ المسدوسی لکھتے ہیں:

''گوتم بدھ نے اَسّی سال کی عمر میں ۴۸۸ ق م ''کسی نارا'' نامی مقام پر ''گورکھپور'' کے علاقے میں وفات پائی۔'' ②

گوتم بدھ کی تاریخ ولادت ووفات اور دوسرے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے صاحب منجد یوں لکھتے ہیں:

بوذا "بدها غوتما" حوالي ٥٦٦۔ ٤٨٦ ق م من حكماء الهند، مؤسس الديانة البوذية كان اسمه سدهارتا واسم عائلته غوتما، ولقب بوذا أى المنور، البوذية: ديانة أسسها بوذا، هي أقرب إلى فلسفة في الحياة منها إلى الدين إذلا تؤمن بإله. ركنها التجرد والزهد تخلصاً من الشهوات والألم وطريقاً إلى الفناء التام (نير فانا) تباعها منتشرون في النيبال والصين والهند الصينية وكوريا والتبت واليابان. ③

گوتم بدھ تقریباً ۵۶۶ ق م میں پیدا ہوا اور ۴۸۶ ق م میں فوت ہوا۔ جو کہ ہندوستان کے حکماء میں سے تھا وہ بدھ مت مذہب کا بانی ہے گوتم بدھ اس کا لقب تھا جس کا معنیٰ منور ہے۔ بدھ مت مذہب کی بنیاد گوتم بدھ نے رکھی ہے اور یہ زندگی (حیاۃ) کے فلسفہ کے دین کی نسبت زیادہ قریب ہے۔ جبکہ ''بدھ مت'' کو ماننے والے ایک الٰہ واحد پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس مذہب کے ارکان میں سے ایک رکن تجرد اور دنیا سے بے رغبتی ہے۔ شہوات اور تکلیفوں سے بچاؤ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مکمل فنا تک لے جاتے ہیں۔ اس کے پیروکار نیپال، چین، چینی ہند، کوریا، تبت اور جاپان میں پھیلے ہوئے ہیں۔

''بدھ مت'' مذہب کے لوگ اپنے اس بانی مذہب ''گوتم بدھ'' کا بت اور مجسمہ بنا کر عبادت کرتے ہیں۔ ان کی تاریخ ولادت کے دن خوشیاں مناتے ہوئے محفلیں قائم کر کے ان کی سالگرہ مناتے ہیں۔ ان کے نام پر بڑے بڑے خوبصورت گنبد بنا کر اس وضع کی عمارتوں میں ''گوتم بدھ'' کے جسم کے آثار رکھا کرتے ہیں اور ان گنبدوں کا باقاعدہ طواف کیا کرتے ہیں۔ ان پر پھول چڑھاتے ہیں۔

① مذاہب عالم/ ص ۲۳۲۔
② مذاہب عالم/ ص ۲۴۵
③ المنجد حصۃ الأعلام/ ص ۱۴۸



الغرض یہ "بدھ مت" مذہب کے لوگ اپنے بانی مذہب "گوتم بدھ" کی طرح طرح کی عبادتیں کیا کرتے ہیں۔اب اس پر علامہ احمد عبداللہ المسدوسی کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

"گوتم بدھ کے انتقال کے بعد جب رسوم میت ادا کی جاچکیں تو جسم کی راکھ، ہڈیاں، دانت اور بال وغیرہ محفوظ کر لئے گئے۔انہیں گنبد کی وضع کی عمارتوں میں رکھا گیا۔جنہیں "استوپ" کہتے ہیں۔سیلون کے "استوپ" "داگوبا" اور "برما" وغیرہ کے "پیگوڈ" کہے جاتے ہیں۔ایشیاء میں لاکھوں "استوپ" ہیں۔چونکہ "گوتم بدھ" کے اتنے بال اور ہڈیاں نہیں ہیں اس لئے ان میں سے بہتوں میں بت، مقدس تحریریں یا مناجاتیں رکھی گئی ہیں۔استوپوں کا طواف کیا جاتا ہے۔ان پر پھول چڑھائے جاتے ہیں۔یہ گویا "بدھ" آثارِ جسم کی پوجا ہے۔" ①

اس وقت پوری دنیا میں حکومتوں کے اعتبار سے تو یہ بات مسلم ہے کہ عیسائیوں کی حکومتیں زیادہ ہیں لیکن نفری تعداد کے اعتبار سے اکثریت کن کی ہے اس میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ایک رائے یہ ہے کہ اکثریت مسلمانوں کی ہے جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ اکثریت عیسائیوں کی ہے۔البتہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے بعد زیادہ نفری وتعداد بت پرستوں کی ہے۔بہرحال یہ ایک سرسری جائزہ ہے ہماری بحث تو صرف اس موضوع پر ہے کہ اس وقت دنیا میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد بت پرستی کا شکار ہے۔

اب ہم جغرافیائی اعتبار سے ایشیاء کا نقشہ قارئین کے سامنے پیش کریں گے۔سو معلوم ہونا چاہیے کہ علماء جغرافیا نے ایشیاء (آسیا) کو چار حصوں میں اس طرح تقسیم کیا ہے۔

ایشیاء

مشرق بعید	مشرق وسطی	جنوب ایشیا	جنوب مشرق ایشیا
جاپان، جنوبی کوریا، چین، شمالی کوریا، فلپائن، منگولیا	ایران، اسرائیل، اردن، بحرین، امارات عربیة متحدة، ترکی، السعودیة، عراق، عمان، کویت، قطر، لبنان، یمن، یمن جنوبی	افغانستان، پاکستان، برما، بھوٹان، بنگلہ دیش، سری لنکا، مالدیپ، نیپال، ہندوستان	انڈونیشیا، تھائی لینڈ، کمبوڈیا، سنگاپور، لاؤس، ملائیشیا، ویت نام

ماقبل کی سیر حاصل بحث سے یہ بات بخوبی واضح ہوئی کہ اس وقت دنیا میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے بعد سب سے زیادہ تعداد بت پرستوں کی ہے۔اور پھر ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ان سارے بت پرست مذاہب میں سے "بدھ مت" سب سے زیادہ ہیں۔جو کہ ہندوستان سے پھیلتے ہوئے مشرق بعید، جنوب ایشیاء اور جنوب مشرق ایشیاء تک کثرت کے ساتھ پھیلے

① مذاہب عالم ص ۲۷۰



ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ ''بدھ مت'' مذہب دنیا میں اتنی کثرت کے ساتھ پھیلتے ہوئے ان دور دراز علاقوں میں کس طرح پہنچا؟ تو یہ ایک تاریخی وثقافتی مستقل بحث ہے جو کہ ہماری اس مبحث سے خارج ہے۔ جس کی پوری تفصیل کتب تاریخ اور ادیان و مذاہب میں موجود ہے وہاں پر مراجعت کریں۔

اب ہم یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ ان ممالک میں سے کچھ ایسے علاقوں کا ذکر کریں گے جن میں ''بدھ مت'' مذہب کے لوگ کسی ملک میں کثرت اور کسی میں قلت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

أ۔ وہ ممالک جن کا سرکاری مذہب ''بدھ مت'' ہے۔

(۱) جاپان۔ (۲) برما۔ (۳) بھوٹان۔
(۴) سری لنکا۔ (۵) نیپال۔ (۶) سکم۔
(۷) تائیوان۔ (۸) تھائی لینڈ۔ (۹) سنگاپور۔
(۱۰) جنوبی کوریا۔ (۱۱) فلپائن۔

ب۔ وہ لادینی (کیمونسٹ) ممالک جن میں مذہبی اکثریت ''بدھ مت'' ماننے والوں کی ہے۔

(۱) منگولیا۔ (۲) ویت نام۔ (۳) لاؤس۔
(۴) کمبوڈیا۔ (۵) شمالی کوریا۔

ج۔ وہ مسلم ممالک جن میں ''بدھ مت'' پائے جاتے ہیں۔

(۱) پاکستان۔ (۲) افغانستان۔ (۳) بنگلہ دیش۔
(۴) ملائیشیا۔ (۵) انڈونیشیا۔ (۶) برونائی۔
(۷) مالدیپ

د۔ وہ عیسائی ممالک جن میں ''بدھ مت'' مذہب کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

(۱) آسٹریلیا۔ (۲) نیوزی لینڈ وغیرہ



شمس و قمر کو ملائکۃ سمجھ کر عبادت کی گئی ہے

مشرک اقوام نے دنیا میں دوسری مخلوقات کے علاوہ سورج و چاند کی بھی عبادت کی ہے۔ اگرچہ عُبَّادِ شمس و قمر کے ہاں سورج و چاند کی عبادت کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

مثلاً ایک طریقہ ان کی عبادت کرنے کا یہ ہے کہ سورج و چاند کے طلوع و غروب کے وقت ان کو سجدہ کرتے ہیں۔

چنانچہ آیت:

إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ①

میں نے ایک عورت کو دیکھا وہ ان کی (سبأ والوں کی) رانی ہے اور ہر طرح کا سامان (سلطنت کا) اس کے پاس موجود ہے اور اس کے پاس ایک بڑا (شاہی) تخت ہے۔

کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال علماء التاريخ: وكان هذا السرير في قصر عظيم مشيد رفيع البناء محكم وكان فيه ثلاثمائة وستون طاقة من مشرقه ومثلها من مغربه وقد وضع بناؤه على أن تدخل الشمس كل يوم من طاقة وتغرب من مقابلتها فيسجدون لها صباحاً ومساءً. ②

علماء تاریخ کا بیان ہے کہ یہ تخت بہت بڑا، مضبوط، بلند اور کشادہ محل میں تھا۔ جس کے مشرقی حصہ میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) طاق تھے۔ اور اتنے ہی مغربی حصے میں۔ اسے اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اس کے مقابل کے طاق سے غروب ہوتا۔ پس یہ مشرک لوگ صبح و شام اس (سورج) کو سجدہ کر لیتے تھے۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان (شمس و قمر) کا بت اور مجسمہ بنا کر عبادت کرتے ہیں۔ شمس و قمر کی عبادت خواہ کسی طریقہ سے ہو، مگر یہ اچھی طرح سے یاد رکھو کہ عبادِ شمس و قمر ان کو محض سورج و چاند ہی سمجھ کر ان کی عبادت نہیں کرتے، بلکہ وہ مشرک لوگ اس سورج و چاند کو اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں کے مذاہب بیان کرتے ہوئے عبادِ شمس و قمر کے متعلق امام شہرستانی رحمہ اللہ، امام ابن قیم رحمہ اللہ اور علامہ ابن ندیم رحمہ اللہ وغیرہم لکھتے ہیں:

وهم عباد الشمس قد اتخذوا لها صنماً على عجلٍ وقوائم العجلة أربعة أفراس وبيد الصنم جوهر

اور ان عبادِ شمس نے سورج کا ایک بت بنا لیا ہے جس کی شکل ایک بچھڑے کی ہے اور جس کی چاروں ٹانگیں گھوڑوں کی شکل میں ہیں

---

① سورة النمل: ۲۳

② تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ۳۶۰ - ۳۶۱



علی لون النار ویزعمون أن الشمس ملک الملائکة یستحق العبادة والسجود .①

اور اسکے ہاتھ میں آگ کے رنگ کا ایک جوہر ہے، ان لوگوں کا خیال ہے کہ سورج فرشتوں کا سردار ہے، لہذا وہ عبادت اور سجدے کا مستحق ہے۔

اور عبادِ شمس کے متعلق امام شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن ندیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وهم عباد القمر یقولون إن القمر من الملائکة یستحق التعظیم والعبادة.②

عبادِ قمر کا کہنا ہے کہ چاند فرشتوں میں سے ہے، اس کی تعظیم و توقیر اور عبادت اس کا حق ہے۔

مذکورہ بالا عبارتوں کی مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ بلکہ مطلب صاف واضح ہے کہ جن مشرکین نے سورج و چاند کی عبادت کی ہے تو انہوں نے ان کو محض سورج و چاند ہی سمجھ کر عبادت نہیں کی بلکہ انہوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کے مقرب اور معزز فرشتے سمجھ کر عبادت کی ہے۔ اور بالخصوص سورج کو تو فرشتوں کا سردار سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہے۔

آگ کو اللہ تعالیٰ کا نور اور اس کا جزء مان کر عبادت کی گئی

یہ بات اچھی طرح سے یاد رکھیں کہ آتش پرست لوگ جو کہ آگ کی عبادت کرتے ہیں تو وہ بھی آگ کو آگ ہی تصور کر کے عبادت نہیں کرتے بلکہ آتش پرست اس آگ کی عبادت سے ایک ایسی طاقت وقدرت کی تأثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو آگ کی طاقت وقدرت سے اعلیٰ وارفع اور اجل واقوی ہے۔ اور وہی اصل معبود ہے۔ آگ چونکہ اس اصلی معبود تک وصول و رسائی کا واسطہ اور مقرِّب ہے۔ اسی لئے آگ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اس اصل معبود کی تعیین ونوعیت میں آتش پرستوں کے اندر اختلاف ہے کہ وہ کون ہے؟ اور آگ اس کے ساتھ کیا حیثیت ونسبت رکھتی ہے؟

بعض آتش پرست تو کہتے ہیں کہ آگ اللہ تعالیٰ کے نور کا کچھ حصہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آگ اللہ تعالیٰ کا (العیاذ باللہ) جزء ہے۔ چنانچہ عباد النار پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابوزید بن سہل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

ویعظمون النار قربة إلی الله عزوجل لأنها أعظم الاسطقسات ثم یزعم بعضهم أن النار من نور الله عزوجل ویزعم آخرون أنها بعض من الله عزوجل.③

اور وہ (عباد النار) آگ کی تعظیم اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ عناصر کا سب سے بڑا عنصر ہے۔ پھر بعض کا خیال ہے کہ آگ اللہ عزوجل کے نور میں سے ہے جبکہ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ اللہ عزوجل کا ہی ایک جزء ہے۔ (العیاذ باللہ)

---

① الفهرست ص ۴۱۱ واللفظ له / الملل والنحل ج۲ ص ۲۵۸ – ۲۵۹، الفصل الثالث، عبدة الکواکب/ اغاثة اللهفان ج۲ ص ۲۱۹

② الفهرست، ص ۴۱۲/ الملل والنحل ج۲ ص ۲۵۸ ....

③ کتاب البدأ والتاریخ ج۴ ص ۲۷

اور کچھ آتش پرست آگ کو اس زمین کی سطح پر سورج کا نمائندہ تصور کر کے عبادت کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ احمد عبداللہ المسدوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''آگ کو زمین پر سورج کا نمائندہ تصور کیا جاتا تھا۔ سورج یا آگ کی روشنی کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ خدا نور محض ہے۔'' ①

پانی کو ملائکہ سمجھ کر اس کی عبادت کی گئی

بہت سے لوگ دنیا میں ایسے بھی ہیں جو مختلف انداز میں پانی کی عبادت کرتے ہیں، مگر لطف کی بات یہ ہے کہ وہ بھی پانی کو محض پانی ہی سمجھ کر عبادت نہیں کرتے بلکہ وہ پانی کو مقرب ملائکہ سمجھ کر پوجا کرتے ہیں۔

چنانچہ امام شہرستانی رحمہ اللہ عباد الماء کے متعلق اس طرح لکھتے ہیں:

ومن ذلک الجلهكية أى عباد الماء، يزعمون أن الماء ملک ومعه ملائكة. ②

ان مذاہب باطلہ میں سے ایک جلہکیہ (پانی کی عبادت کرنے والا) ہے۔ یہ لوگ یہ خیال وگمان کرتے ہیں کہ پانی ایک فرشتہ ہے اور اس کے ساتھ دوسرے فرشتے ہیں۔

بت پرستوں کا سب سے بڑا شبہ

یہ بات اچھی طرح سے یاد رکھیں کہ کوئی بھی باہوش اور صاحب عقل بت کو محض پتھر، اینٹ اور لکڑی ہی سمجھ کر عبادت نہیں کرتا بلکہ مشرک اقوام جو اصنام اور بتوں کی عبادت کرتے ہیں تو وہ محض اس اعتقاد کی بنیاد پر کہ یہ ستاروں، ارواح سماویہ اور گزرے ہوئے انبیاء واولیاء کی مورتیاں ہیں جیسا کہ پہلے دلائل کے ساتھ گذر چکا ہے۔ اور آئندہ بھی آنے والا ہے۔ تو گویا اصل معبودان بت پرستوں کے یہ بت اور اصنام نہیں ہیں بلکہ ان کے اصل معبود وہ ستارے، ارواح سماویہ اور انبیاء وصالحین وغیرہ ذی شرف مخلوق ہیں جن کے ناموں اور شکلوں اور صورتوں پر یہ بت اور اصنام بنائے گئے ہیں۔ یہ ہے اصل مسئلہ۔

سوال: سوال اب یہ ہے کہ ان بت پرستوں نے ایسا کیا کیوں؟ اور وہ کون سا محرک تھا کہ جس نے ان بت پرستوں کو اللہ تعالیٰ کے ان معزز ومعظم بندوں اور اس کی ان ذی شرف مخلوقات کی مورتیاں بنا کر ان کی عبادت کرنے پر ابھارا ہے؟

الجواب: سو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ایک شبہ کا نتیجہ تھا جو کہ شیطان نے خوبصورت اور مزین کر کے ان بت پرستوں کے اذہان

① مذاهب عالم ص ٦٠.

② الملل والنحل ٢/ ٢٦١ الباب الرابع، الفصل الرابع، عبدة الأصنام.



عالقہ (منجمدہ) میں بٹھادیا ہے۔اوروہ اس طرح کہ انہوں نے یہ کہا کہ ہمارے اندر یہ اہلیت ہی نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرسکیں۔اس اِلٰہ اکبر (اللہ تعالیٰ) کی شان اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے کہ ہم جیسے گنہگار انسان اس کی عبادت کرسکیں۔اس لئے ہم تو اللہ تعالیٰ کے ان بہت نیک وصالح بندوں اور برگزیدہ ہستیوں کی عبادت کریں گے اوروہ (اکابر) اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

تو اسی شبہ نے ان بت پرستوں کو شرک کی لعنت میں مبتلا کر ڈالا ہے۔اور یہ شبہ قدیم زمانہ سے لیکر آج تک بت پرستوں میں رہا ہے۔

جیسا کہ آج کل قبر پرست بھی بعینہ اسی طرح کہتے ہیں کہ ہم بسبب گناہوں کے اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے عرض ومعروض پیش نہیں کرسکتے۔نذرونیاز نہیں دے سکتے اوران کے ہاں براہ راست فریادوزاری نہیں کرسکتے۔اس لئے ہم یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں اور برگزیدہ ہستیوں یعنی (اصحاب قبور) کے لئے کرتے ہیں تو وہ (اکابر) ہماری یہ ساری حاجات ومطالب اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کرکے اس کو منواسکتے ہیں۔

چنانچہ بت پرستوں کے اس شبہ کو امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس طرح نقل کیا ہے۔

ويمكن أن يقال إن العاقل لا يعبد الصنم من حيث أنه خشب أوحجر وإنما يعبدونه لاعتقادهم أنها تماثيل الكواكب أوتماثيل الأرواح السماوية أوتماثيل الأنبياء والصالحين الذين مضوا ويكون مقصودهم من عبادتها توجيه تلك العبادات إلى تلك الأشياء التي جعلوا هذه التماثيل صورًالها.

وحاصل الكلام لعباد الأصنام أن قالوا: إن الإله الأعظم أجل من أن يعبده البشرلكن اللائق بالبشرأن يشتغلوا بعبادة الأكابر من عبادة الله مثل الكواكب ومثل الأرواح السماوية ثم إنها تشتغل بعبادة الإله الأكبر .①

یہ بھی عین ممکن ہے کہ کہا جائے کوئی عقلمند بت کی پوجا اس حیثیت سے نہیں کرتا کہ وہ محض ایک لکڑی یا پتھر ہے وہ تو صرف عقیدہ رکھ کر ان کی عبادت کرتے ہیں کہ یہ بت ستاروں کی مورتیاں ہیں یا آسمانی ارواح کی شکلیں ہیں یا انبیاء اور گزرے ہوئے نیک لوگوں کی تصویریں ہیں۔ ان (مشرکین) کا ان کی عبادت سے مقصود عبادت کو ان اشیاء کی طرف متوجہ کرنا ہے جن کی یہ مورتیاں ہیں۔

عباد الأصنام (بت پرستوں) کی کلام کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے کہا الٰہ الأعظم (اللہ تعالیٰ) کی شان تو بہت بلند و بالا ہے کہ بشر (انسان) اس کی عبادت کرسکیں۔لیکن بندوں کو یہ لائق ہے کہ اللہ کی عبادت کی نسبت اکابر (ان بڑے ولیوں و بزرگوں) کی عبادت میں مشغول رہیں، جیسے کواکب و

① مفاتیح الغیب ج۲۶ ص ۲۴۱



ستارے اور ارواحِ سماویہ ہیں۔ پھر یہ الہٰ الاکبر (اللہ تعالیٰ) کی عبادت میں مشغول ہوں۔

اور بت پرستوں کے اس شبہ کو علامہ مراغی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے:

ومن حديث عبادتهم للأصنام أنهم جعلوا تماثيل الكواكب والملائكة والأنبياء والصالحين الذين مضوا وعبدوها باعتبار أنها رمزٌ إليها وقالوا إن الإلـه الأعظم أجل من أن يعبده البشر مباشرةً، فنحن نعبد هذه الآلهة وهي تعبد الإله الأعظم وهذه شبهة تمسك بها المشركون في قديم الدهر وحديثه، وجاء ت الرسل مفندة لها، ماحية لها من الأذهان العالقة بها، موجهة العقول إلى إفراد الله وحده بالعبادة .①

ترجمہ: مشرکین کے بتوں کی عبادت کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ستاروں، فرشتوں، نبیوں اور پہلے گزرے ہوئے نیک لوگوں کی مورتیں بنالی تھیں اور ان کی عبادت ان لوگوں کی عبادت کی طرف اشارہ ہوتی تھی۔ اور وہ کہتے تھے کہ معبودِ اعظم (اللہ تعالیٰ) اس سے بالاتر ہے کہ کوئی بشر اس کی بلاواسطہ عبادت کر سکے تو ہم ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں اور وہ (ہمارے معبودین) معبودِ اعظم (اللہ تعالیٰ) کی عبادت کرتے ہیں۔

اور مشرکین پرانے زمانے سے اس شبہ میں مبتلا چلے آرہے ہیں۔ رسولوں نے آکر اس شبہ کو ختم کیا اور لوگوں کے ذہنوں سے جن کے ساتھ چمٹا ہوا تھا اسے مٹایا۔ اور لوگوں کی عقلوں کو ایک اللہ کی عبادت کی طرف متوجہ کیا۔

بت پرستوں نے ابتداء ہی سے یہ نظریہ اخذ کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز میں موجود ہے جو کہ ادراک و معلوم اور محسوس و موصوف کی جاتی ہے۔ تو اس نظریہ کے مطابق انہوں نے یہ کہا کہ وہ معبود جس کی عبادت کی جاتی ہے جب وہ عابد کے ادراک و حواس سے غائب ہو تو اس کے قرب اور اس تک رسائی کے لئے واسطہ وسیلہ کی ضرورت ہے۔

اس لئے انہوں نے صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ ہم جن ہستیوں کی عبادت کرتے ہیں تو ہم ان سب کو اس اصلی معبود (جو کہ ہمارے حواس سے غائب ہے) تک پہنچنے کے لئے واسطہ و وسیلہ بناتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول نقل فرمایا:

﴿ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ ②

ترجمہ: ہم ان بتوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں۔

---

① تفسير المراغي ج٢٣ ص ١٤٣

② سورة الزمر:٣

چنانچہ علامہ أبی زید بن سہل رحمہ اللہ نے ان کے اس نظریہ کو اپنی مشہور کتاب ''البدء والتاریخ'' میں اس طرح بیان کیا ہے۔

واعتل عبدة الأصنام بأن الباری جل جلاله فی النهاية القصوى فی كل مايدرك ويعلم ويحس ويوصف. ولابدلكل متقرب إلى من يعظمه ويعبده إذا كان غائباً عن حواسه من واسطة ووسيلة فجعلنا هذه المتوسطات من الإجرام العلوية والسُّفليه إلى عبادته وقربة لديه وهكذا قالت العرب مانعبدهم الإليقربونا إلى الله زلفى. ①

ترجمہ: عبادِ اصنام یہ علت بیان کرتے ہیں کہ کیونکہ باری تعالیٰ کی ذات ادراک، علم، حواس اور وصف سے بہت دور ہے اور جب وہ حواس سے غائب ہے تو یقیناً اس کا قرب حاصل کرنے والا کسی نہ کسی واسطہ اور وسیلہ کو اختیار کرے گا، چنانچہ عبادِ اصنام کہتے ہیں کہ ہم نے اسی لئے ان سفلی وعلوی اجرام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت وقرب کیلئے واسطہ بنایا ہوا ہے، مشرکینِ عرب نے بھی یہی بات کہی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول ذکر فرمایا ہے: ''ہم ان بتوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں''

کافر و مشرک جن ہستیوں کی پوجا کرتے تھے تو وہ بھی ان کو ولی و بزرگ سمجھ کر کرتے تھے

حقیقت یہ ہے کہ کافر و مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کی عبادت کرتے تھے، خواہ عبادت کی کون سی قسم ہو تو وہ ان ہستیوں کو ولی و بزرگ سمجھ کر ہی عبادت کرتے تھے۔

چنانچہ آیت

وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا ②

ترجمہ: اور انہیں راہ سے بہکاتا رہوں گا اور باطل اُمیدیں دلاتا رہوں گا اور انہیں سکھاؤنگا کہ جانوروں کے کان چیر دیں اور ان سے کہونگا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں۔ سنو! جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا۔

کی تفسیر کرتے ہوئے سیدنا شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جانوروں کے کان چیریں، یہ کافروں کا دستور تھا، گائے کا یا بکری کا ایک بچہ بت کے نام کا کردیا، اس کے کان میں نشان ڈال دیتے اور صورت بدلنا، یہ کہ لڑکے کے سر میں چوٹی رکھتے بت کے نام کی، مسلمانوں کو ان کاموں سے بچنا ضرور ہے۔

① كتاب البدء والتاريخ ج۴ ص ۱۹
② سورة النساء:۱۱۹

اپنے بزرگوں سے یہ معاملہ نہ کریئے۔ کافر بھی جن سے کرتے تھے بزرگ ہی جان کر کرتے تھے۔" ①

بت پرستی کے اسباب

مشرکینِ اوائل اور بالخصوص مشرکینِ عرب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور ساری کائنات پر اس کے قبضۂ قدرت اور اختیار و تصرف کا قولاً وعملاً اقرار واعتراف کرتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس نظریہ کو اس آیت:

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْ مَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ②

(اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو تو سہی تم کو آسمان اور زمین سے کون روزی دیتا ہے۔ اور (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا کون مالک ہے۔ اور مردے سے زندہ اور زندہ سے مردہ کون نکالتا ہے۔ اور (دنیا کے) کاموں کو کون چلاتا ہے (کون انتظام کرتا ہے) تو اس کے جواب میں یہ مشرک ضرور کہیں گے کہ اللہ! تو پھر تو کہہ (اچھا) تو پھر تم (شرک سے) کیوں نہیں بچتے۔

اور اس جیسی دیگر آیات میں بیان فرمایا ہے: جس کی تفصیل "شرک فی التصرف" کی بحث میں پہلے گزر چکی ہے۔

سوال: اب سوال یہ ہے کہ جب مشرکین اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار واعتراف کرتے تھے اور اس ساری کائنات میں صرف اللہ ہی کو مختار و متصرف مانتے تھے تو اصنام اور بتوں کی عبادت کیوں کرتے تھے؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ مشرکین یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان بتوں کی عبادت ہی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا ہو کر اس کا قرب ملتا ہے۔ مگر وہ مختلف طریقوں سے۔

الف۔ مشرکین کی ایک جماعت تو یوں کہتی تھی کہ ہمارے اندر یہ اہلیت ہی نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بلا واسطہ عبادت کر سکیں۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں کی عبادت کرتے ہیں تو یہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے ہاں قریب کر دیتے ہیں۔ اور یہی اصلی اور بنیادی شبہ ہے مشرک اور بت پرست اقوام کا، جو کہ قدیم زمانہ سے اس میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

① حاشية موضح القرآن آية رقم ۱۱۹
② سورة يونس: ۳۱



ب - ایک جماعت کہتی ہے کہ ملائکہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و وجاہت کے مالک ہیں۔ اس لئے ہم ملائکہ کی شکلوں و صورتوں پر بت بنا کر عبادت کرتے ہیں تا کہ یہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچائیں۔

ج - کچھ بت پرست کہتے ہیں کہ ہم نے ان بتوں کو عبادت میں اپنے لئے قبلہ بنایا ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے کعبۃ اللہ قبلہ ہے۔

د - کچھ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہر بت کے لئے ایک شیطان بامر الٰہی موکل (مقرر) ہے۔ اسی لئے جو شخص اس بت کی صحیح طریقہ سے عبادت کرے گا تو وہ شیطان اس شخص کی حاجات کو بامر الٰہی پورا کر دے گا۔ ورنہ وہ شیطان موکل بامر الٰہی اس کو نقصان دے گا۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے علامہ حمد بن ناصر الحنبلی لکھتے ہیں۔

فإن قلت: إذا أقروا بذلك فكيف عبدوا الأصنام؟ قلت كلهم كانوا يعتقدون بعبادتهم الأصنام عبادة الله تعالىٰ والتقرب إليه لكن بطرق مختلفة.

فـفرقة قـالت: ليست لنا أهلية عبادة الله تعالىٰ بلا واسطة لعظمته فعبدنا ها لتقربنا إليه زلفى.

وفرقة قـالـت: الـملائكة ذو وجاهة ومنزلة عندالله فـاتـخذنا لنا أصناماً على هيئة الملائكة لتقربنا إلى الله زلفى

وفرقة قالت: جعلنا الأصنام قبلة لنافي العبادة كما أن الكعبة قبلة في عبادته.

وفـرقة اعتـقـدت: أن لـكـل صـنـم شيطـانـاً مؤكلاً بأمر الله. فمن عبدالصنم حق عبادته قضى الشيطان حـوائـجه بأمر الله وإلا أصابه شيطانه بنكبة بأمر الله تعالىٰ.①

اگر آپ یہ کہیں کہ جب وہ اس کا اقرار کرتے ہیں تو وہ ان بتوں کی پوجا کیسے کرتے ہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ ان کا عقیدہ یہی ہے کہ ان بتوں کی عبادت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت مقصود ہے اور مختلف طریقوں سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ہم واسطہ وسیلہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے اس کی عبادت کی اہلیت نہیں رکھتے۔ تو ہم نے ان کی عبادت اللہ تعالیٰ کے قرب کے لئے کی ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ خیال کرتا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہاں جاہ و مرتبہ والے ہیں تو ہم نے اپنے بت فرشتوں کی شکل وصورت پر بنا لئے تا کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔

۳۔ تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ہم نے بتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے قبلہ بنالیا ہے جیسا کہ کعبہ، اللہ کی عبادت کیلئے قبلہ ہے۔

۴۔ چوتھا گروہ یہ کہتا ہے کہ: ہر بت کا اللہ کی طرف سے ایک شیطان مقرر ہوتا ہے تو جس نے بت کی عبادت کا خوب حق ادا

---

① الفواكه العذاب في الرد على من لم يحكم السنة والكتاب أو المناظرة العلنية في مسائل من توحيد الإلهية ص ۴۵-۴۶



کردیا تو شیطان اللہ کی طرف سے اس کی حاجتیں پوری کردیتا ہے اگر بت کی عبادت کا حق ادا نہ کرسکا تو اس کا شیطان اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا دیتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے کئی بار ذکر کیا ہے کہ مشرک و بت پرست لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ربوبیت کے قائل تھے، البتہ وہ توحید الوہیت میں مشرک تھے۔ حتیٰ کہ اہل ہند میں سے بھی بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کے ملائکہ کے قائل تھے مگر وہ اس اعتقاد کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ چونکہ نہایت ہی حسین وخوبصورت ہیں اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی شکل وصورت پر فرضی وخیالی بت بنا کر پوجنا شروع کردیا۔ چنانچہ بت پرستوں کے مذاہب بیان کرتے ہوئے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ بعض اہل ہند کے متعلق سیدنا امام ابومعشر رحمہ اللہ کا قول یوں نقل کرتے ہیں۔

وقال أبو معشر: كان كثير من أهل الهند يعتقد الربوبية ويقرون بأن لله تعالىٰ ملائكة إلا أنهم يعتقدونه صورة كأحسن الصور وأن الملائكة أجسام حسانٌ وانه سبحانه و تعالىٰ وملائكته محتجبون بالسماء فاتخذوا أصناماً على صورة الله سبحانهٗ عندهم وعلى صور الملائكة فعبدوها وقربوا لها لمواضع المشابهة على زعمهم. ①

أبومعشر نے کہا ہے کہ بہت سے ہندوؤں کا اعتقاد یہ ہے کہ رب بے شک ہے اور یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ (فرشتے) بھی ہیں لیکن وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو سب سے اچھی صورت تصور کرتے ہیں۔ اور ملائکہ کے بھی خوب صورت اجسام بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ اور ملائکہ آسمان میں مخلوق سے پوشیدہ ہیں اور اپنے نزدیک (خیال کے مطابق) اللہ کی صورت پر بت بنالئے اور ملائکہ کی صورتوں پر بت بنالئے اور ان کی پوجا کرتے ہیں اور اس مشابہت کی وجہ سے ان کے لئے نذر ونیاز دیتے ہیں۔

خلاصہ بحث

اس طویل سیر حاصل بحث سے آپ حضرات نے بخوبی اندازہ کرلیا ہے کہ جب سے شرک وبت پرستی کی ابتداء (جو کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم سے ہے) ہوئی ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کی عبادت کی گئی ہے وہ انسان، فرشتے اور جنات وغیرہ ذی شرف وذی رتبہ مخلوق تھے۔ جن میں سے کسی کی بالواسطہ اور کسی کی بلاواسطہ عبادت کی گئی ہے۔

کسی بھی ذی شرف وذی رتبہ اور باعزت وباوقار مخلوق کی طرف نسبت کئے بغیر محض پتھر، لکڑی، سونا اور چاندی وغیرہ کی

① تلبيس إبليس ص ٦٠ / مبدأ عبادة الأصنام



عبادت دنیا میں آج تک کسی نے بھی نہیں کی۔ بلکہ یہ جو کچھ بھی ہوا تو انہی مذکورہ مخلوقات کے نام پر ہی ہوا۔ جیسا کہ آپ نے اوپر اسی باب میں ان کی تحقیق معلوم کر لی ہے۔

ہم نے احاطہ واستیعاب کے ساتھ نہیں بلکہ نہایت اختصار کے ساتھ چند مشرک اقوام کے کچھ معبودانِ باطلہ کی حقیقت و احوال علماء سلف وخلف کے اقوال کی روشنی میں آپ حضرات کے سامنے بطور نمونہ پیش کیے ہیں۔

مذہبی اور سیاسی تصویر و فوٹو پرستوں کا بیان

حضرات! آپ جہاں تک بھی سراغ لگائیں گے تو آپ کو یہی ملے گا کہ اصنام اور بتوں کی اصل صاحب صنم و بت، مجسموں کی اصل صاحب مجسمہ اور تصویروں کی اصل اصحاب تصاویر تھے۔

جیسا کہ آج بھی لوگ اپنے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں اور لیڈروں کے سینکڑوں بت، تصویریں اور مجسمے بہ نظرِ عقیدت و محبت اپنے گھروں، دکانوں اور بیٹھکوں میں نصب کرتے ہیں، عقیدت ومحبت ان نصب کی گئی تصویروں اور مجسموں سے نہیں ہوتی بلکہ اصل عقیدت ومحبت صاحب تصویر اور صاحب مجسمہ سے ہوتی ہے۔

مجھے بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کلمہ پڑھنے والے مسلمان بلکہ اہل علم تک بھی بت پرست اقوام کی طرح اپنے مذہبی اور سیاسی بزرگوں، پیشواؤں اور لیڈروں کے فوٹو اور تصویریں بہ نظر عقیدت ومحبت اپنے گھروں، دکانوں اور بیٹھکوں میں نصب کر کے فخر کرتے ہیں کہ ہم فلاں نظریہ، مسلک اور پارٹی کے آدمی ہیں اور یہ ہمارے پیشوا اور قائد ہیں۔

اور آج کل تو ماشاءاللہ سیاسی و مذہبی قائدین کے فوٹو اور تصویریں گلی، کوچوں اور دکانوں میں پچیس، تیس اور پچاس، ساٹھ اور ستر روپیہ میں بک رہی ہیں اور ہزاروں لوگوں کا روزگار بنی ہوئی ہیں۔ اگر کبھی کوئی ناصح

عَن تميم الداري رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الدِّينُ النصيحة قلنا: لمن؟ قال: لِلّٰهِ ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم. ①(صحيح بخاري ومسلم)

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے کہا کن کیلئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کیلئے اس کی کتاب کیلئے اس کے رسول کیلئے مسلمانوں کے امام (امیر) کیلئے اور عام مسلمانوں کیلئے (خیر خواہی) کرنے کا نام ہے۔

والی حدیث کے مطابق ان سے بطور نصیحت کہے کہ یہ تو ایک قسم کی فوٹو پرستی ہے اور شریعت میں یہ چیزیں ممنوع ہیں تو یہ فوٹو پرست لوگ فوراً برہم ہو کر کہتے ہیں کہ آپ حضرات تو بڑے سخت اور متشدد ہیں۔ اتنی شدت و سختی نہیں کرنی چاہیے۔ ہم اس تصویر و

① رواه البخاري، كتاب الايمان، باب قول النبي ﷺ: الدين النصيحة لله ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم/ مسلم كتاب الايمان، باب بيان أنه لايدخل الجنه إلا المؤمنون وأن محبة المؤمنين من الإيمان وان إفشاء السلام سبب لحصولها واللفظ له/ الترمذي، أبواب ،البر والصلة باب في النصيحة.



فوٹو کو نہ تو سجدہ کرتے ہیں اور نہ ہی سلامی دیتے ہیں جس سے ممانعت ہو، بلکہ ہم تو اس صاحب تصویر و فوٹو سے اظہارِ عقیدت و محبت کر کے اس سے اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے ہیں کیونکہ وہ اس پُرفتن دور میں کفر و شرک کے مقابلہ میں ایک عظیم قائد و پیشوا ہے۔

شیطان کتنا بڑا خبیث ہے لوگوں کے عقیدے کے ساتھ کیسے کھیلتا ہے، کیا رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی قائد و پیشوا ہو سکتا ہے؟ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر آپ ﷺ سے عقیدت و محبت رکھنے والے ہو سکتا ہے؟ حاشا و کلا۔ مگر انصاف سے بتایئے کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی تصویر و فوٹو بنا کر اپنے گھروں، دکانوں اور بیٹھکوں میں نصب کی یا بطور تذکرہ و یادگار اپنے پاس رکھی ہے؟ کیا اس وقت فوٹو گرافر (تصویر ساز) نہیں تھے؟

اور پھر اس فوٹو پرستی کے علاوہ غضب کی بات یہ ہے کہ لوگ فوٹوں اور تصویروں کو اپنے گھروں، دکانوں اور بیٹھکوں کے اندر دیواروں پر نصب کر دیتے ہیں اور کبھی اتفاق سے ان فوٹوں اور تصویروں کے نیچے کتب دینیہ رکھی ہوتی ہیں اور بسا اوقات نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ نیچے قرآن کریم بھی رکھا ہوا ہوتا ہے جو کہ ایک اور سنگین جرم ہے۔

تصویر و فوٹو کا مسئلہ تو ایک مستقل بحث ہے جس کا یہ موقع نہیں ہے مگر چونکہ آج کل نام کے مسلمان اپنے سیاسی و مذہبی پیشواو قائدین کی عقیدت و محبت کی وجہ سے ان کے فوٹو و تصویروں کے ساتھ کچھ اس طرح کا برتاؤ کرنے لگے جس طرح مشرک اور بت پرست اقوام اپنے سیاسی و مذہبی پیشواؤں و قائدین کے بتوں اور مجسموں سے کر رہے ہیں۔ تو چونکہ یہ فعل منکر ہے اس لیے ہم نے بطور نصیحت اس فعلِ منکر سے بچنے کے لئے چند کلمات ضمناً لکھ دیے۔ اب ہم اصل موضوع کی طرف واپس آتے ہیں۔

آپ اگر ہندوؤں، بدھ مت، سکھوں اور دیگر بت پرست اقوام سے پوچھ کر دیکھیں تو ان میں اربابِ فہم و انصاف صاف اور کھلے الفاظ میں بتائیں گے کہ اسی عقیدت و محبت والے نظریے کے مطابق انہوں نے اپنے مذہبی و سیاسی بزرگوں، رہنماؤں اور لیڈروں کے نام پر بت اور مجسمے بنائے ہیں جیسا کہ اوپر اسی باب میں آپ نے مشاہدہ بھی کر لیا ہے۔

ویسے تو سونے، چاندی، پیتل، لکڑی اور اینٹ اور پتھر کی بے جان مورتوں اور مجسموں سے انہیں کوئی لگاؤ اور عقیدت و محبت نہیں بلکہ ان سے جو بھی تعلق ہے وہ ان اولیاء و صالحین اور بزرگوں کی عقیدت و محبت کی وجہ سے ہے جن کے ناموں پر یہ مجسمے بنائے گئے ہیں۔

اور بعینہ اسی طرح آج کل کے قبر پرستوں کا حال ہے جو کہ بزرگوں کی قبروں، گنبدوں اور قبوں کے پاس جا کر ان کو بوسہ دیتے ان کے پاس تبرک کے لیے لیٹ جاتے، ان کے ہاں نذر و نیاز پیش کرتے، ریشمی کپڑوں سے ان کو سجاتے، ان کے آستانوں کے سامنے سجدے کرتے اور وہاں پر جا کر جانور ذبح کرتے ہیں۔ مگر ان سارے افعال و اعمال سے ان قبر پرستوں کا جو بھی تعلق و لگاؤ اور عقیدت و محبت ہے تو وہ ان اشخاص کے ساتھ ہے جو کہ ان قبروں، گنبدوں اور قبوں کے اندر سوئے ہوئے یا جو محض ان کی طرف منسوب ہیں۔



حقیقت یہ ہے کہ شیطان کے لیے یہ بات نہایت مشکل تھی کہ وہ کلمہ پڑھنے والوں کو بتوں اور مجسموں کی پرستش کرواتا، کیونکہ اس محاذ پر وہ ایسی شکست کھا چکا تھا کہ اس کا دوبارہ سر اٹھانا اگر محال نہیں تھا تو مشکل ضرور تھا، اس لیے شیطان نے پینترا بدلا اور بزرگوں کے بتوں اور مجسموں کے بجائے ان کی قبروں، گنبدوں اور قبوں سے وہی عقیدت رکھنی شروع کرادی جو پہلے بزرگوں کے بتوں اور مجسموں سے وہ بارہا کرا چکا ہے۔

صنم و بت دنیا میں جب بھی بنائے گئے تو وہ لازماً کسی معبودِ غائب کے نام پر ھی بنائے گئے ھیں۔

ہم جو ہمیشہ سے کہتے چلے آرہے ہیں کہ صنم و بت دنیا میں جب بھی بنائے گئے تو وہ لازماً کسی غائب معبود کے نام پر ہی بنائے گئے ہیں، اگرچہ بظاہر عبادت اس بت کی ہورہی ہوتی ہے لیکن بالذات اصل عبادت اس معبود غائب کی ہوتی ہے جس کے نام پر یہ بت بنایا گیا ہوتا ہے۔ اس دعویٰ کے دلائل ماقبل میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں پر مزید تشفی اور اطمینان قلب کے لئے چند علماء کرام کے اقوال پیش کریں گے۔

چنانچہ اس بارے میں امام شہرستانی رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بڑے تاکید و یقین اور زوردار الفاظ کے ساتھ اس بات کو ثابت کیا ہے کہ جب بھی کوئی بت بنایا گیا ہے تو وہ ضرور کسی غائب معبود کے نام اور اس کی شکل وصورت پر ہی بنایا گیا ہے کیونکہ کوئی بھی عاقل وسمجھ دار انسان کسی جمادِ بے جان کو اپنے ہاتھ سے چھیل تراش کر اپنا الٰہ و معبود نہیں بنا سکتا اور یہ عقلاً بھی محال ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وَبِالْجُمْلَةِ وَضْعُ الْأَصْنَامِ حَيْثُ مَاقَدَرُوْهُ إِنَّمَا هُوَ عَلَىٰ معبودٍ غائبٍ حتى يكونَ الصنم المعمول على صورته وشكله وهيأته نائباً منابه وقائماً مقامه؛ وإلافنعلم قطعا أن عاقلاً ما لاينحت جسماً بيده ويصوره صورة ثم يعتقد أنه إله وخالقه وإله الكل وخالق الكل .①

خلاصہ یہ کہ جب بھی بت بنائے گئے تو وہ کسی غائب معبود کے نام پر بنائے گئے یہاں تک کہ غائب کے نام پر بنایا ہوا بت اس کی اصل شکل وصورت پر بنایا جاتا جو اس غائب کا نائب اور قائم مقام ہوتا۔ ورنہ ہم کو یہ یقینی طور پر معلوم ہے۔ کہ کوئی عاقل شخص اپنے ہاتھ سے شکل وصورت بنائے اور پھر اعتقاد رکھے کہ وہ اس کا معبود اور خالق ہے اور یہی ہستی تمام کائنات کی بھی معبود وخالق ہے۔

① الملل والنحل ج۲ ص ۲۵۹ واللفظ له / اغاثة اللهفان ج۲ ص ۲۲۰



اور پھر اس کی علت بیان کرتے ہوئے امام شہرستانی رحمہ اللہ آگے فرماتے ہیں:

إذ كان وجوده مسبوقا بوجود صانعه، وشكله يحدث بصنعة ناحته. ①

جبکہ اس (معبود) کا وجود اس کے بنانے والے کے وجود سے پیچھے ہے؛ اور اس کی شکل وصورت، اس کے تراشنے والے کا کرشمہ ہے۔

اور اسی حقیقت کو مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ نے بھی اس طرح بیان کیا ہے۔

''وہ لوگ صرف پتھروں کے بتوں کے آگے نہیں جھکتے تھے محض پتھروں کے بتوں کو نذر و نیاز کے ذریعے خوش نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ یہ عقیدہ لے کر ان بتوں کے پاس آتے تھے کہ جن بزرگوں کے نام کے یہ بت ہیں جب ان کے نام کی نذر و نیاز دی جائے گی تو ان کی روحیں خوش ہوں گی اور اپنی مورتیوں میں آ موجود ہوں گی اور پھر نیاز دہندگان کی التجاؤں، دعاؤں اور پکاروں کو سن کر خدا سے ان کی حاجت روائیاں اور مشکل کشائیاں کرادیں گی۔'' ②

حقیقت یہ ہے کہ آج تک کسی بھی باہوش وباعقل انسان نے محض پتھر، اینٹ، سونے چاندی اور لکڑی کی بے جان مورت کو الہ و معبود سمجھ کر عبادت نہیں کی۔ چنانچہ اس حقیقت کو استاذ مولانا عبدالغنی جاجروی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

''بھلا کوئی عقل مند یہ بات مان سکتا ہے کہ ایک پتھر بے جان جس پر کتے اور بلے پیشاب کریں تو ان کو دفع کرنا تو کجا اس کو اس کا شعور تک بھی نہیں ہے وہ اشرف المخلوقات صاحب روح اور صاحب عقل کا مشکل کشا اور حاجت روا ہو؟

بہر حال ایسے بدیہی باطل مذہب پر اتنی کثیر مخلوق عقل والی کا کئی ہزار صدیوں سے ایسا اتفاق اور ایسی والہانہ محبت کہ باوجو کتب الٰہیہ کے دلائل عقلیہ ونقلیہ کے اور وعیدات دنیویہ اور اخرویہ کے اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات دیکھنے کے ان بزرگوں کو تو وہ جھوٹا قرار دیں لیکن اس بدیہی باطل مذہب کو نہ چھوڑیں یہ عقلاً بغیر کسی تاویل کے ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ یقیناً اور بلا ریب ان کے ہاں کوئی نہ کوئی جعلی اور جھوٹی ایسی تاویل اور ہیرا پھیری ضرور ہوگی جس میں سادہ لوح انسان عقلاً پھنس کر اس مذہب کے گرویدہ ہو سکے۔

خلاصہ یہ کہ ہر منیب اور عقل خالص کا مالک اس بات میں تردد نہیں کر سکتا کہ شرک کی دنیا میں بت کو ایک جماد محض جان کر نہیں پوجا گیا'' ③

یہاں تک تو استاذ عبدالغنی رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا کہ کسی عقل مند انسان نے بت کو ایک جماد بے جان سمجھ کر کبھی عبادت

① الملل والنحل ج٢ ص ٢٥٩
② انوار التوحید ص ١٩٣ ـ ١٩٤
③ مقدمه کتاب التوحید ص ٣١٣ ـ ٣١٤



نہیں کی۔ اور پھر آگے چل کر وہ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ بت پرستوں کے اصلی و حقیقی معبود ملائکہ، انبیاء اور اولیاء و صالحین تھے جن کے ناموں پر بت پرستوں نے بت بنا کر پوجنا شروع کیا۔ چنانچہ استاذ عبدالغنی جاجروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

((سوال: ان کے ہاں وہ کون سی تاویل تھی جس کی وجہ سے ان مورتیوں کی تعظیم کرتے تھے؟

الجواب: ''مشرکین کے اصلی اور حقیقی معبود ملائکہ، جنات، کواکب، انبیاء اور اولیاء کرام تھے، اور حقیقتاً انہی کو مشکل کشا اور حاجت روا مانتے تھے۔

لیکن ان کے یہ معبود چونکہ ان کی نظروں سے غائب تھے اس لیے انہوں نے ان معبودوں کے قائم مقام کے نام پر ان کی مورتیاں اور تصویریں تیار کر کے تمام قسم کی تعظیم رکوع، سجدہ، طواف، اعتکاف، نذر و نیاز، نداء و پکار اور زاریاں ان کے لیے ادا کرنا شروع کر دیں۔ اور ان ہی مورتیوں کو وہ اگرچہ الہ، معبود اور واجب التعظیم سمجھتے تھے، لیکن محض اس نظریے سے کہ یہ بزرگوں کی مورتیاں ان کے ہی قائم مقام ہیں۔

اور یقین جانو کہ وہ ان مورتیوں کی ذات کو اپنا اصلی معبود اور مشکل کشا اور صاحب تصرف و تاثیر ہرگز ہرگز نہیں مانتے تھے، بلکہ ان مورتیوں کی تعظیمات شرکیہ سے ان کا مقصود صرف وہی بزرگ تھے، جن کی یہ مورتیاں تیار کی گئیں تھیں اور ان مورتیوں کو وہ بزرگوں کی عبادت کے لئے بمنزلہ قبلہ کے جانتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ مشرکین پتھر بے جان کو مشکل کشا اور معبود نہیں مانتے تھے))①

مولانا سرفراز خان صاحب صفدر نے بھی اس بات کو بڑی شدت و سختی کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ دنیا میں آج تک کسی بھی عقل مند انسان نے پتھر کو پتھر ہی سمجھ کر عبادت نہیں کی ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف لکھتے ہیں:

''دنیا کا کوئی عقل مند انسان اس کو باور نہیں کر سکتا کہ کسی باہوش آدمی نے کبھی محض اینٹ اور پتھر وغیرہ کی عبادت کی ہے۔ یہ جو کچھ بھی ہوا پیغمبروں، بزرگوں، جنوں اور دیگر باعزت اور ذی رتبہ مخلوق کے نام پر ہی ہوا۔ کسی کا مجسمہ قبلۂ توجہ سمجھا گیا تو کسی کا فوٹو، کسی کے اٹھنے بیٹھنے کی جگہ کو متبرک سمجھ کر اس کی پرستش کی گئی تو کسی قبر کو قاضی الحاجت سمجھا گیا۔'' ②

بت پرستی کے اصل اسباب بیان کرتے ہوئے مولانا محمد صادق رحمہ اللہ اس طرح لکھتے ہیں:

''حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک جو بت پوجا ہوتی رہی ہے وہ اسی نظریہ عقیدہ اور ایمان کی بنا پر ہوتی رہی ہے کہ خدا کے پیاروں کی روحیں اپنے بتوں میں اپنے چڑھاوے لینے کے بعد آتی ہیں اور پجاریوں اور حاجت مندوں کی دعاؤں اور التجاؤں کو لے کر خدا کے پاس جا کر ان کے وارے نیارے کر دیتی ہیں اور ہر زمانے میں جتنے بت بھی بنائے

---

① مقدمہ کتاب التوحید ص ۳۱۴-۳۱۵

② گلدستۂ توحید ص ٦٦

گئے ہیں بندگانِ خدا کے نام کے ہی تراشے گئے ہیں۔تو معلوم ہوا کہ انسان ہی پوجا گیا ہے۔'' ①

اور علامہ احمد بن حجر آلِ بوطامی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کوئی عقل مند انسان اس بات کو باور نہیں کرسکتا کہ کوئی صاحب عقل وفہم اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر عبادت کرے اور ان کو اپنا خالق و رازق اور معبود و مشکل کشا سمجھے بلکہ امرِ واقع یہ ہے کہ بت پرستوں نے جو بت بنائے ہیں تو انہوں نے یہ بت اللہ تعالیٰ کے نیک وصالح اور مقرب بندوں کی شکل وصورت پر ہی بنا کر پوجے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حجر آلِ بوطامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إذ لا يتصور عاقل عرف حال المشركين وما أوتوا من فهم وعقل أن ينحتوا أصناماً بأيديهم ويعتقدوا أنها خالقه ورازقه ومدبره ولايوجد عاقل يعتقد ذلك لافي الوثنيين السالفين ولاالحاضرين ولكن عبدوها على انها صور قوم صالحين وتقربوا إليها بالعبادات لكي تشفع لهم عندالله كما نطق القرآن بذلك. ②

ترجمہ: کوئی عاقل بھلا یہ کیسے تصور کرسکتا ہے کہ کوئی صاحب فہم و عقل اپنے ہاتھوں سے بت تراشے اور یہ اعتقاد رکھے کہ یہ بت ہی اس کا خالق، رازق اور اس کے امور کی تدبیر کرنے والا ہے کوئی عاقل یہ عقیدہ نہیں رکھتا نہ تو پہلے بت پرستوں میں اور نہ ہی موجودہ بت پرستوں میں۔لیکن ان کی عبادت کرنے کی وجہ یہ تھی یہ بت نیک لوگوں کی تصویریں تھیں، عبادت کرکے ہی ان کا قرب حاصل ہوتا ہے تاکہ یہ بت اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں، جیسا کہ قرآن نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔

جن لوگوں نے آگ کی عبادت کی تو وہ بھی آگ کے اس عبادت کرنے کو اللہ تعالیٰ کا قرب ونزدیکی سمجھتے تھے۔جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔کہ آگ کے بارے میں آتش پرستوں کے نظریہ میں کچھ اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں کہ آگ اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور کچھ آگ کو اللہ تعالیٰ کا جزء مان کر پوجا کرتے ہیں۔

چنانچہ آتش پرستوں کا مذہب بیان کرتے ہوئے علامہ ابوزید بن سہل رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقول فارس هرمز وايزد ويزدان يزعمون أن عبادتهم النار يقرب إلى البارئ عزوجل لأنها أقوى الاسطقسات وأعظم الأركان كما قال مشركوا العرب في عبادتهم الأوثان، مَانعبدهم إلا ليقربونا الى الله زلفى ولا يجوز أن يكون غير هذا

ھرمزاور ایزد و یزدان کے پجاریوں اہل فارس کا عقیدہ ہے کہ آگ کی پوجا انہیں باری تعالیٰ کے قریب کردیتی ہے، کیونکہ آگ تمام عناصر (آگ، پانی، ہوا اور مٹی)) میں سب سے بڑھ کر قوی اور سب سے بڑا رکن ہے، مشرکین عرب نے بھی بتوں کی عبادت میں بعینہ یہی بات کہی ہے:''ہم ان کی

---

① انوار التوحید ص ۱۹۴.

② حاشیة تطهیر الجنان والارکان ص۴۷.



حالة من يعبد شيئاً من دون الله لأنه يعلم أن معبوده من خشبٍ أو حجرٍ أو نحاسٍ أو شيءٍ من الجواهر غير خالقه ولاصانعه ولا مدبره ولامحوله .①

عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں" غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کا اس کے علاوہ کوئی اور نظریہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ بات تو یہ بت پرست بھی جانتے ہیں کہ ان کے معبود لکڑی، پتھر، پیتل یا وہ کسی جوہر سے بنا ہوا ہے اور یہ خالق وصانع اور مدبر ومتصرف نہیں ہے۔

اور بت پرستوں کے مذاہب بیان کرتے ہوئے امام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح لکھا ہے۔

قد كان المشركون منهم من يعبد الملائكة ويناديهم عند الشدائد ومنهم من يعبد أحجارًا ويهتف بها عند الشدائد. وهي في الأصل صور رجال صالحين كانوا يحبونهم ويعتقدون فيهم فلما هلكوا صوروا صورهم تسليا بها فلما طال عليهم الأمد عبدوهم ثم زاد الأمد طولاً فعبدوا الأحجار.②

مشرکین میں سے کچھ تو ملائکہ کی عبادت کرتے تھے اور سختیوں میں ان کو پکارتے تھے۔ اور کچھ مشرک پتھروں کی پوجا کرتے اور سختیوں میں انہیں آواز دیتے جو کہ اصل میں نیک لوگوں کی ہی صورتیں ہوتیں جن سے لوگ عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ جب یہ لوگ فوت ہوگئے تو انہوں نے ان بزرگوں کی صورتیں بنالیں اور انہی سے وہ دل کو تسکین دیتے تھے۔ جب کچھ مدت زیادہ ہوگئی اور لوگ انہی صورتوں کو پوجتے رہتے تھے پھر جب معاملہ اس سے بڑھا تو پتھروں کی پوجا کی جانے لگی۔

شیطان نے بت پرستوں کو اس طرح دھوکہ دیا کہ جو ولی اور بزرگ پہلے گزر چکے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بہت عبادت کرتے رہے ہیں اور اس کثرت عبادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرلیا تو اللہ تعالیٰ کے اس قرب وتقرب حاصل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت کا مقام دے دیا اسی لیے وہ عبادت کے حقدار ہوگئے۔ جیسا کہ بادشاہ کا کوئی غلام بادشاہ کی خدمت کرتا ہے اور وہ بادشاہ کی اس خدمت کرنے کا حق ایسا ادا کرتا ہے کہ بادشاہ اس سے ایسا راضی ہوجاتا ہے کہ اس کو اپنی سلطنت وبادشاہت میں شریک کرکے کسی علاقے کی تدبیر واختیار اس کو سونپ دیتا ہے تو اب وہ اس سونپے ہوئے علاقے میں خودمختار ہوجاتا ہے تو اس خودمختاری کی وجہ سے اس علاقے کے لوگوں پر اس شخص کی اطاعت فرض سمجھی جاتی ہے، تو شیطان نے بت پرستوں سے کہا کہ تمہاری عبادت براہ راست اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتی جب تک کہ تم ان بزرگوں کی عبادت نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس تک رسائی کے لیے تمہارے لیے یہی واسطے ہیں اس لیے تم کو ان بزرگوں کی عبادت کرنا ہے۔ تو بت پرستوں نے ان گزرے

① كتاب البدء والتاريخ ج ۱ ص ۶۲، الفصل الثاني في إثبات الباري وتوحيد الصانع بالدلائل البرهانية والحجج الاضطرارية
② تطهير الاعتقاد عن أدران الإلحاد ص ۱۴

ہوئے بزرگوں کے نام پر پتھر کے بت بنا لیے اور پھر ان بتوں کو ان بزرگوں کی طرف قبلۂ توجہ بنالیا اور پھر جب یہ لوگ مر گئے اور ان کے بعد والی نسلیں آ گئیں تو وہ ان بتوں اور ان بزرگوں کے درمیان فرق نہ کر سکیں کہ کن کے لیے یہ بت بنائے گئے تھے، اس لیے انہوں نے بعینہٖ انہی بتوں کو سچ مچ کا الٰہ و معبود سمجھ کر ان کی پوجا کرنے لگے۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ بت پرستی کے اسباب بیان کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں:

والمشركون وافقوا المسلمين في تدبير الأمور العظام وفيما أبرم وجزم ولم يترك لغيره خيرة ولم يوافقوهم في سائر الأمور ذهبوا إلى أن الصالحين من قبلهم عبدوا الله وتقربوا إليه فأعطاهم الله الألوهية فاستحقوا العبادة من سائر خلق الله كما أن ملك الملوك يخدمه عبده فيحسن خدمته فيعطيه خلعة الملك ويفوض إليه تدبير بلد من بلاده فيستحق السمع والطاعة أهل ذلك البلد وقالوا لاتقبل عبادة الله إلا مضمومة بعباداتهم بل الحق في غاية التعالي فلاتفيد عبادته تقرباً منه بل لا بد من عبادة هؤلاءِ ليقربوا إلى الله زلفى، وقالوا: هؤلاءِ يسمعون ويبصرون ويشفعون لعبادهم ويدبرون أمورهم وينصرونهم، فنحتوا على أسمائهم أحجارًا وجعلوها قبلةً عند توجههم إلى هؤلاء فخلف من بعدهم خلف فلم يفطنوا للفرق بين الأصنام وبين من هي على صورته فظنوها معبودات بأعيانها .①

ترجمہ: اور مشرکین مسلمانوں کے ساتھ اس بات میں متفق ہیں کہ تمام بڑے بڑے قضاء وقدر اور پختہ کاموں کی تدبیر اللہ ہی کرتا ہے ان میں کسی کو کچھ اختیار نہیں دیا، لیکن باقی امور میں وہ مسلمانوں کے مخالف ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نیک لوگ جو اللہ کی خوب عبادت کرتے تھے اور بارگاہ الٰہی میں مقرب ہوگئے تھے تو ان کو اللہ تعالیٰ نے الوہیت کی خلعت عطا فرمائی۔ جس کی وجہ سے وہ بھی ساری مخلوق میں سے پرستش کے مستحق ہوگئے۔ جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ کی نہایت خدمت کرے، جس کے صلے میں بادشاہ اس کو بادشاہت (گورنری) کی خلعت سے سرفراز کر دیتا ہے اور اپنے ملک کے کسی شہر کی حکومت اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس شہر والوں کی اطاعت وفرمانبرداری کا مستحق ٹھہر جاتا ہے۔ اس بنا پر انہوں نے یہ کہا کہ اللہ کی عبادت ان (لوگوں) کی عبادت شامل کیے بغیر مقبول نہیں ہوتی بلکہ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ کا قرب حاصل کرنے میں مفید نہیں بلکہ ان صالح ونیک بندوں کی عبادت بھی ضروری ہے تاکہ وہ اللہ کے قریب کردیں۔ اور انہوں نے یہ عقیدہ بھی بنالیا تھا کہ یہ (نیک لوگ) سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی اور اپنے پجاریوں کی

① حجة الله البالغة ج ۱ ص ۵۹ باب التوحيد



سفارش بھی کریں گے اور ان کی مدد و نصرت بھی کرتے ہیں۔
اسی وجہ سے انہوں نے ان کے ناموں پر پتھر کے بت تراش لیے اور ان کو نیک لوگوں کی عبادت کے وقت قبلہ بنالیا پھر ان کے بعد والی نسل نے ان پتھروں کی مورتیوں اور جن کے نام پر ان کو تراشا گیا تھا کوئی فرق نہ کیا تو انہی پتھروں کو اصلی معبود قرار دے دیا۔

علماء کرام کی مذکورہ بالا تحقیقی بحثوں اور باریک بینیوں کے بعد بھی اگر کوئی کوڑھ مغز شخص (قبر پرست) یہ کہہ کر اپنے نفس کو دھوکا دے کے شرک تو صرف صنم پرستی و بت پرستی اور مجسمہ پرستی کا نام ہے اور کلمہ پڑھنے والا کوئی بھی پتھروں، پتیلوں، اینٹوں اور لکڑیوں کی نہ تو عبادت کرتا ہے اور نہ ان سے کوئی عقیدت و محبت رکھتا ہے تو وہ شخص یقیناً ایک کھلے مغالطے کا شکار ہے۔ اس کو کسی سرکاری اور بین الاقوامی ہسپتال میں اپنے دماغ کا علاج کروالینا چاہیے تاکہ اس کو پتہ چل جائے کہ صنم، بت اور مجسمہ جو بھی اور جب بھی پتھروں، لکڑیوں اور اینٹوں سے بنائے گئے تو وہ درحقیقت ملائکہ، انبیاء، جنات اور ذی شرف و ذی رتبہ مخلوق اور بعنوان دیگر کسی معبودِ غائب ہی کے نام پر بنائے جاتے تھے اور اصل عبادت بھی اسی معبود غائب ہی کی ہوتی تھی۔ اور یہ صنم، بت اور مجسمہ اس معبود غائب کی عبادت کرنے کے لئے محض قبلۂ وتوجہ ہوتے تھے۔

قبرپرستوں کا ایک شبہ

آج کل کے قبروں کے تجار (پیشہ ور) اور آستانوں کے پجاری کہتے ہیں کہ آپ حضرات کا یہ دعویٰ کہ مشرک و بت پرست اقوام نے پتھروں، اینٹوں اور لکڑیوں وغیرہ کی بن گھڑے محض پتھر، اینٹ اور لکڑی ہی سمجھ کر عبادت نہیں کی ہے، بلکہ انہوں نے پتھروں، اینٹوں اور لکڑیوں کو ملائکہ، انبیاء و اولیاء، جنات اور دیگر باعزت اور ذی شرف و ذی رتبہ مخلوق یعنی کسی معبود غائب کے نام پر چھیل و تراش کر بت بنا کر عبادت کی ہے۔ جو کہ اصل اور بالذات عبادت اس معبود غائب کی ہوتی تھی جن کے نام پر یہ پتھر، اینٹ اور لکڑی کے بت بنائے گئے ہیں تو آپ حضرات کا یہ دعویٰ کلیۃً اور عموماً غلط ہے کیونکہ بعض تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ مشرکین محض اچھے سے اچھے پتھروں کا طواف و عبادت کیا کرتے تھے۔ اور جب کوئی دوسرا پتھر پہلے سے عمدہ مل جاتا تھا تو پہلے کو پھینک دیتے تھے اور اسی دوسرے کی پوجا پاٹ شروع کر دیتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں سیدنا ابو رجاء العطاردی رحمہ اللہ سے ایک اثر اسی طرح کا آیا ہے۔



حدثنا الصلت بن محمد قال سمعت مهدی بن میمون قال سمعت أبارجاءِ العطاردی یقول: کنا نعبد الحجر فإذا وجدنا حجرًا هو خیر منه ألقیناه وأخذنا الآخر فإذا لم نجد حجراً جمعنا جثوة من تراب ثم جئنا بالشاة فحلبنا علیه ثم طفنا به .① (صحیح بخاری)

سیدنا ابورجاء العطاردی فرماتے ہیں: ہم پتھر کو پوجا کرتے تھے جب ہمیں پہلے پتھر سے بہتر کوئی پتھر ملتا تو ہم پہلے کو پھینک کر دوسرے کی پوجا شروع کر دیتے۔ اور جب ہمیں کوئی پتھر نہ ملتا تو ہم مٹی جمع کر کے اس پر بکری کا دودھ دھو لیتے اور اس کے گرد چکر لگا لیتے تھے۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکین جہاں پتھروں، اینٹوں اور لکڑیوں کے گھڑے ہوئے بتوں اور مجسموں کے واسطے سے اولیاء وصالحین اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کی عبادت کرتے تھے تو وہاں پر وہ بن گھڑے محض پتھروں اور لکڑیوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔

ازالۂ شبہ : اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ مشرکین بلا امتیاز نہ ہر پتھر کی پوجا کرتے تھے اور نہ پتھر کو پتھر کی حیثیت سمجھتے ہوئے عبادت کرتے تھے بلکہ مشرکین بن گھڑے جن پتھروں کی عبادت کیا کرتے تھے تو وہ مخصوص قسم کے پتھر ہوتے تھے جن میں ایک باعزت اور ذی شرف مخلوق کی تعظیم وتوقیر اور عزت کا پہلو نمایاں ہوتا تھا۔ اور وہ تھا بیت اللہ۔

مطلب یہ ہے کہ مشرکین بن گھڑے، جن پتھروں کی عبادت کیا کرتے تھے تو وہ ان کی بیت اللہ کی منزلت ومحبت کی وجہ سے تعظیم وتوقیر اور پوجا پاٹ کیا کرتے تھے۔

اب اس پر علماء امت کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ امام نیشاپوری رحمہ اللہ اس طرح فرماتے ہیں:

وإنما عبدتِ العرب الأوثان یعنی أحجاراً مخصوصة کانت لکل قوم زعموا أن البیت حجر فحیثما نصبنا حجراً فهو بمنزلة البیت فکانوا یدورون بذلک الحجر ویسمونه الدوار .②

عرب لوگ مخصوص قسم کے پتھروں کی پوجا کرتے تھے، جو ہر قوم کے مخصوص پتھر ہوتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بیت اللہ بھی پتھروں سے بنا ہے تو جہاں بھی کسی پتھر کو نصب کر دیں تو وہ بیت اللہ کا قائم مقام ہوگا۔ تو اس پتھر کو بیت اللہ تصور کرتے ہوئے اس کے گرد گھومتے تھے اس کو "دوار" کہتے تھے۔

علامہ یاقوت الحموی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین عرب مکہ مکرمہ میں حج بیت اللہ اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے جاتے تھے۔ پھر جب حج وعمرے سے فارغ ہو کر واپس اپنے گھروں اور علاقوں کی طرف لوٹ کر جاتے تھے تو مکہ مکرمہ کی عزت وعظمت کی خاطر

---

① رواه البخاری کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفة وحدیث ثمامه ابن أثال
② تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان علی هامش الطبری ج۷ ص ۱۵۰



احجارِ حرم میں سے اپنے لیے کوئی نہ کوئی پتھر برکت کے لئے اٹھا کر لے جاتے تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

ولقد بلغ من تعظيم العرب لمكة أنهم كانوا يحجون البيت ويعتمرون ويطوفون فإذا أرادوا الانصراف أخذ الرجل منهم حجراً من حجارة الحرم.①

اہل عرب کا مکہ کی تعظیم کا یہ عالم تھا کہ وہ حج وعمرہ کرتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تو واپس جاتے ہوئے لوگ حرم کے پتھروں میں سے پتھر اٹھا کر ساتھ لے جاتے تھے۔

سیدنا سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا قول سند کے ساتھ نقل کرتے ہوئے امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سئل سفيان بن عيينة كيف عبدت العرب الحجارة والأصنام؟ فقال: أصل عبادتهم الحجارة أنهم قالوا: البيت حجر فحيثما نصبنا حجرًا فهو بمنزلة البيت.②

ترجمہ: سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ عربوں نے پتھروں اور بتوں کی کیسے عبادت کی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے پتھروں کی عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کہا کرتے کہ بیت اللہ پتھر کا بنا ہوا ہے تو ہم جہاں بھی کوئی پتھر گاڑ (نصب) کرلیں گے تو وہ گویا بیت اللہ ہی ہے۔

تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو نہ تو بالذات ان پتھروں سے کوئی محبت تھی اور نہ وہ ان پتھروں کی بالذات عبادت کرتے تھے بلکہ ان پتھروں سے جو کچھ (محبت وعقیدت) تھی تو وہ بیت اللہ ہی کی وجہ سے تھے۔ چنانچہ ہشام کا قول نقل کرتے ہوئے امام ابن قیم، امام ابن الجوزی اور امام ابن کثیر رحمہم اللہ اس طرح لکھتے ہیں:

قال هشام: وحدثني أبي وغيره أن اسماعيل عليه السلام لما سكن مكة وولد بها أولاده فكثروا حتى ملئوا مكة ونفوا من كان بها من العماليق ضاقت عليهم مكة ووقعت بينهم الحروب والعداوات وأخرج بعضهم بعضاً فتفسحوا في البلاد والتماس المعاش فكان الذي حملهم على عبادة الأوثان والحجارة أنه كان لايظعن من مكة ظاعن إلا احتمل معه حجراً من حجارة الحرم تعظيماً للحرم وصبابة

ترجمہ: ہشام فرماتے ہیں: مجھے میرے باپ اور دوسرے لوگوں نے بتایا ہے کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام جب مکہ میں رہائش پذیر ہوئے اور وہاں ان کی اولاد ہوئی اور وہ بڑھتی رہی یہاں تک مکہ شہر بھر گیا۔ مکہ ان پر تنگ ہوگیا تو ان کے درمیان لڑائیاں اور دشمنی واقع ہوگئی۔ پھر وہ ایک دوسرے کو مکہ سے نکال دیتے تھے تو وہ دوسرے شہروں میں طلب معاش میں پھیل گئے۔ ان کا بتوں اور پتھروں کی عبادت کا سبب یہ تھا کہ مکہ سے جب کوئی جاتا تو وہ اپنے ساتھ حرم کے پتھروں میں

① معجم البلدان ج۵ ص ۱۸۵
② تلبيس ابليس ص ۶۰/ مبد أعبادة الأصنام.

بمكة فحيثما حلوا وضعوه وطافوا به كطوافهم بالبيت حباً للبيت وصبابة به.①

سے ایک پتھر لے جاتا۔ اس وجہ سے بھی مکہ کے ساتھ محبت اور تعظیم ہی تھی۔ تو جہاں جا کر وہ پڑاوڈالتے اس پتھر کو وہیں رکھتے تو بیت اللہ کے گرد طواف کی طرح اس پتھر کے گرد بھی طواف کرتے، اس کی وجہ بھی بیت اللہ کے ساتھ محبت اور تعظیم ہی تھی۔

سلف صالحین میں سے سیدنا مجاہد، سیدنا قتادۃ اور سیدنا ابن جریج رحمہم اللہ مشرکین عرب کے ان عبادت کیے ہوئے پتھروں کی تعیین یوں کرتے ہیں: چنانچہ امام ابن قیم رحمہ اللہ ان کے اقوال یوں نقل کرتے ہیں:

قال مجاهد وقتادة وابن جريج: كانت حول البيت أحجارٌ كان أهل الجاهلية يذبحون عليها ويشرحون اللحم عليها وكانوا يعظمون هذه الحجارة ويعبدونها.②

امام مجاہد، امام قتادۃ اور امام ابن جریج رحمہم اللہ فرماتے ہیں: بیت اللہ کے گرد مختلف قسم کے پتھر تھے، اہل جاہلیت ان پر جانور ذبح کرتے، ان پر گوشت پھیلاتے، ان کی تعظیم کرتے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔

علمائے سلف کے ان سارے اقوال سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ مشرکینِ عرب ان گھڑے پتھروں کا اگر کہیں پر طواف وعبادت کیا کرتے تھے تو وہ ہر قسم کے پتھر نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ خاص قسم کے پتھر ہوا کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ مشرکین عرب نے ہر بن گھڑے پتھر کی پوجا کرتے تھے اور نہ پتھر کو صرف پتھر سمجھ کر عبادت کرتے تھے بلکہ وہ حرم مکہ مکرمہ کے پتھروں کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ اور وہ بھی حرم مکہ اور بیت اللہ کی تعظیم اور عقیدت ومحبت کی وجہ سے۔

مطلب یہ ہے کہ بُعد عہد اور طولِ زمان کی وجہ سے اگرچہ لوگوں نے اِفراط وتفریط سے کام لیا ہوگا، لیکن دراصل پتھروں کی تعظیم، عبادت اور طواف بھی اگر کیا جاتا تھا تو محض اس لیے کہ تعظیم بیت اللہ اور حرم شریف کی عقیدت، توقیر اور عزت واحترام کا پہلو اس سے نمایاں ہوتا تھا۔ اور بیت اللہ اور حرم کی تعظیم وتوقیر اور عقیدت ومحبت جو کہ سیدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے خلوص کی یادگار رہے، خود صد تکریم کی مستحق ہے۔ مگر کسی نے پتھر کو پتھر ہی سمجھ کر الوہیت کا مقام نہیں دیا۔

دیکھیے! ویسے تو جزیرۂ عرب میں مختلف قسم کے کروڑوں اربوں اور بے شمار درخت موجود تھے مگر نہ تو کسی کی عقیدت ومحبت ان سے وابستہ ہوئی اور نہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نظرِ عمیق اور فراست وتدبر نے ان کو کٹوانے کا حکم دیا۔ (اس کی تشریح فتنۂ قبور کے باب میں آئے گی۔ اِن شاءاللہ) انہوں نے کٹوایا بھی تو صرف وہ درخت جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر تقریباً پندرہ سو (۱۵۰۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جہاد پر بیعت کی تھی۔

کیونکہ شرک وبت پرستی کی ابتداء ہی انبیاء علیہم السلام، بزرگوں اور اولیاء کی قبروں، ان کی عبادت گاہوں اور نشست وبرخاست کی جگہوں سے ہوئی ہے۔

① إغاثة اللهفان ج۲ ص ۲۰۶ واللفظ له/ تلبيس ابليس ص۵۵/مبدأ عبادة الأصنام / البداية والنهاية ج۲ ص ۲۳۷.
② كشف الستور عن مكائد الشيطان لأهل القبور ص ۳۱.



پانچواں باب
آیات الامثال کے بیان میں

اس باب میں وہ قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی برائیوں کی مختلف انداز میں مثالیں دی ہیں۔ مثالیں دے دے کر اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کو نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھایا ہے۔ مثلاً کبھی تو شرک کرنے والے کی مثال آسمان کی بلندیوں سے گرنے والے کے ساتھ دی ہے۔ اور کبھی ایک غلام کے کئی مالکوں کے ساتھ مثال دی ہے۔ اور کبھی شرک کرنے والوں کی مثال مکڑی کے جال سے دی ہے۔ وغیرہ۔ اب پیش خدمت ہیں وہ قرآنی آیات جن میں شرک کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا آسمان سے گرنے کی طرح ہے

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ امن وسکون کا مرکز توحید باری تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ①

ترجمہ: جولوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کیساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں کیلئے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں۔

جبکہ اس کے برعکس شرک خوف وہراس اور قلق واضطراب کا باعث ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ②

ترجمہ: عنقریب میں کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ سوتم گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پور پور پر مارو۔

نیز فرمایا:

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا ③

ترجمہ: ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالدیں گے۔ اس وجہ سے کہ یہ اللہ کیساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری۔

---

① سورہ الانعام: ۸۲
② سورۃ الانفال: ۱۲
③ سورہ آل عمران: ۱۵۱

مقصد یہ ہے کہ جو شخص توحید پر قائم ہے وہ درحقیقت امن وسکون کے مرکز پر قائم ہے اور جس شخص نے توحید کو چھوڑ کر شرک سے جی لگالیا تو وہ اس امن وسکون کے مرکز سے کٹ گیا۔ مشرک کی مثال اس کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہے جو اپنے مرکز سے کٹ جانے کے بعد مختلف چٹانوں سے ٹکراتی پھرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مشرک کی مثال آسمان سے گرنے کی دی ہے کہ جس میں نجات کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ جس نے شرک کیا گویا وہ آسمان سے گر پڑا اور جو آسمان سے گر پڑے اس کے بچنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا اسی طرح مشرک کی نجات کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کی اس مثال کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ①

اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے وہ آسمان سے گر پڑا پھر (راہ میں) پرندے اس کو اچک لیں (نوچ کھائیں) یا آندھی اس کو (اڑا کر) کہیں دور پھینک دے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ سیدنا قتادۃ رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عن قتادة، (فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ) قال: هذا مثل ضربه الله لمن أشرك بالله في بعد من الهدى وهلاكه فتخطفه الطير أو تهوى به الريح في مكان سحيق. ②

سیدنا قتادۃ رحمہ اللہ آیت "فکانما خر من السماء" کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ ایک مثال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرک کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے بیان کیا ہے۔

اگر کوئی آدمی دس، پندرہ یا بیس فٹ کی کسی دیوار سے گر جائے تو چوٹ آنے کے باعث اس کا ہاتھ پیر، کمر یا سر وغیرہ ٹوٹے گا اور پھر اگر اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں اس کی موت کا فیصلہ اس دیوار سے گرنے سے لکھا ہے تو مر جائے گا لیکن اس کا جثہ ضرور مل جائے گا۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص پچاس، ساٹھ یا ستر فٹ کے کسی اونچے مکان سے گر جائے تو اس کو عام مشاہدہ کے مطابق چوٹ زیادہ آئے گی یا پھر زیادہ سے زیادہ وہ مر جائے گا، مگر پھر بھی اس کی لاش ملنے کا قوی امکان ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اسی، نوے اور ہزار میٹر کے کسی اونچے پہاڑ سے گر جائے تو اس کی لاش کا ملنا بڑا مشکل ہوگا۔

اب ذرا فرض کریں کہ ایک شخص آسمان سے گرتا ہے تو اس کا کیا حال ہوگا؟ جثہ ملنا تو دور کی بات ہے، اس کی لاش کے ذرات کا ملنا بھی مشکل ہے اور یہی مثال ہے مشرک اور دوسرے عاصی اور گناہ گاروں کی۔ مثلاً اگر کوئی شخص گناہِ صغیرہ کا مرتکب ہو کر

① سورۃ الحج آیت رقم ۳۱
② تفسیر الطبری ج۱۸ ص۱۱۳



قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس چلا جائے تو توحید کی وجہ سے یہ گناہ اس کو کوئی نقصان نہیں دیں گے اور وہ آسانی سے جنت میں چلا جائے گا۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص شرک سے بچ کر دوسرے کبائر ذنوب و معاصی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں جائے تو اس صورت میں بھی وہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو سزا دیئے بغیر جنت میں لے جائے یا پھر جہنم میں داخل کر کے سزا دینے کے بعد جنت میں لے جائے۔ بہر حال "إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا" آیت کے مطابق جنت میں ضرور جائے گا، لیکن اللہ نہ کرے اگر کوئی شخص شرک کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوا تو نہ موت آئے گی اور نہ جہنم سے نکلے گا اور یہی مطلب ہے مشرک کے آسمان سے گرنے کا۔

یہاں پر مشرک کی تمثیل بیان ہوئی ہے کہ آدمی شرک کا ارتکاب کر کے اپنے اصل مرکز سے کٹ جاتا ہے۔ اور جب وہ اصل مرکز سے کٹ گیا تو کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس شیطان کے ہتھے چڑھ جائے کیونکہ وہ اس صورت میں ایک بے لنگر جہاز ہے جو ہر چٹان سے ٹکرا سکتا ہے۔ اور ایک کٹی ہوئی پتنگ ہے جس کو ہوا جہاں چاہے اڑا کے لے جاسکتی ہے۔

توحید سے انسان کو جس درجے کی سرفرازی اور امن و سکون حاصل ہوتا ہے، مشرک اس سے محروم ہوتے ہی انتہائی درجے کی ذلت و پستی میں گر جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "جو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ وہ آسمان سے گرے اور پرندے اس کو اچک لیں یا ہوا اس کو کسی گہرے کھڈے میں لے جا کر پھینک دے۔"

اس سے صاف واضح ہوا کہ شرک کا ارتکاب کر کے آدمی اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا بلکہ خود اپنے آپ ہی کو اس امن و سکون اور سرفرازی و حفاظت سے محروم کر لیتا ہے جو توحید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور پھر وہ شیطان کے ہر فتنے کا ہدف اور اس کے بچھائے ہوئے جال کا شکار بن جاتا ہے۔

ایک مملوک (غلام) کے کئی مالکوں کا ہونا سبب نزاع ہے

موحد کی مثال اس غلام کی طرح ہے جس کا ایک مالک ہے اور وہ مالک اس غلام کی روزانہ کی کمائی کا تنہا حقدار ہے اور اس غلام کے عمل میں بھی تصرف کا کلی اختیار رکھتا ہے۔

مشرک کی مثال اس غلام کی طرح ہے جس کے کئی مالک ہوں اور وہ اس کی روزانہ کی کمائی اور کیفیت عمل میں باہم جھگڑتے ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی مثال ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ①

ترجمہ: اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے ایک شخص (غلام) ہے اس میں کئی جھگڑالو ساجھی ہیں اور ایک (دوسرا) شخص (غلام) ہے جو صرف ایک ہی شخص کا (غلام) ہے کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہی کیلئے سب تعریف ہے، مگر ان میں اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والمراد تمثيل حال من يثبت آلهة شتى، فإن أولئك الآلهة تكون متنازعة متغالبة كما قال تعالىٰ: "لو كان فيهما آلهة إلا الله لفسدتا" وقال ولعلا بعضهم على بعضٍ فيبقى ذلك المشرك متحيراً ضالاً لايدرى أى هؤلاء الآلهة يعبد وعلى ربوبية أيهم يعتمد؟ وممن يطلب رزقه، وممن يلتمس رفقه فهمه شفاع وقلبه أوزاع أما من لم يثبت إلا الٰها واحدًا فهو قائم بما كلفه عارف بما أرضاه وما أسخطه فكان حال هذا أقرب الى الصلاح من حال الأول وهذا مثلٌ ضرب فى غاية الحسن فى تقبيح الشرك وتحسين التوحيد. ②

ترجمہ: اس آیت سے اس آدمی کا حال بیان کرنا مقصود ہے جو مختلف معبودوں کا اثبات کرتا ہے اور یہ معبود بھی ایک دوسرے کے مخالف اور ایک دوسرے پر غلبہ چاہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ''اگر آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے الٰہ بھی ہوتے تو دونوں (آسمان اور زمین) برباد ہو جاتے۔'' ایک اور مقام پر فرمایا: ''اور ان کا بعض (لڑکر) بعض پر غالب آجاتا (جیسے بادشاہوں کی عادت ہے)'' تو یہ مشرک حیران و پریشان ہو جاتا ہے اس کو کچھ معلوم نہیں کہ ان معبودان باطلہ میں سے کس کی عبادت کرے اور کس کی ربوبیت پر اعتماد کرے؟ کس سے رزق طلب کرے اور کس کو اپنا رفیق بنائے۔ اس کا فہم بکھر چکا ہے اور اسکا قلب منقسم ہے لیکن جس شخص نے ایک ہی معبود مانا اور اس نے جو جو ذمہ داری لگائی وہ اس پر قائم ہے جو شے اس کو راضی یا ناراض کرتی ہے اس کی اسے معرفت ہے تو اس شخص کی حالت پہلے کی نسبت بہت درست ہے۔ اور یہ مثال ایک انتہائی اچھے پیرائے میں بیان کی گئی ہے جس سے شرک کی قباحت اور توحید کا حسن بخوبی واضح ہو گیا ہے۔

---

① سورة الزمر ۲۹

② مفاتيح الغيب ج ۲۰ ص ۲۷۷



اسی آیت کی تفسیر میں علامہ مراغی لکھتے ہیں:

أی ضرب الله مثلاً لقومک وقال لهم: ماذا تقولون فی عبدٍ مملوک قد امتلکه شرکاء بینهم اختلاف وتنازع، فهم یتجاذبونه فی حاجاتهم وهو حائر فی أمره إذا هو أرضی أحدهم أغضب الباقین وإذا احتاج إلیهم فی مهم ردّه کل منهم إلی الآخرین فهو فی عذابٍ دائم وتعب مقیم. ومملوک آخر له مخدومٌ واحدٌ یخدمه مخلصاً وهو یعینه علی مهماته ویقضی له سائر حاجاته، فأیّ العبدین أحسن حالاً وأحمد شأنًا؟ الجواب لایحتاج إلی بیان. هکذا حال المشرک الذی یعبد آلهة شتی یبقی ضالاً حائرًا لایدری أیّ تلک الآلهة یعبد؟ ولا علی أیهم یعتمد؟ وممن یطلب رزقه وممن یلتمس رفقه؟ أما من لم یثبت إلا الهًا واحدًا فهو قائم بما کلفه عارف مایرضیه وما یسخطه ولاشک أن البون بین حالیهما شاسع. ①

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کیلئے مثال بیان کی ہے اوران سے کہا ہے کہ تمہارا اس غلام کے متعلق کیا خیال ہے جس کے کئی شریک مالک بن گئے ہوں اور ان کے درمیان اختلاف اور تنازع رہتا ہو تو وہ اس کو اپنی ضرورتوں اور حاجات کے لیے کھینچتے ہوں اور وہ اپنی اس حالت پر حیران و پریشان ہوتا ہے کہ اگر ایک کو راضی رکھے تو دوسرے ناراض ہوتے ہیں اور جب اس کو کوئی ضرورت پیش آئے تو ہر ایک دوسرے کی طرف بھیج دیتا ہے، تو یہ غلام ایک مستقل عذاب اور ہمیشہ کی ذلت میں مبتلا رہتا ہے۔ جبکہ دوسرا غلام جس کا مخدوم (مالک) ایک ہی شخص ہے اور وہ اس کی خدمت بھی خلوص سے کرتا ہے اور وہ (مالک) اس کے اہم امور میں مدد کرتا ہے اور ہر قسم کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ کون سا غلام اچھی حالت میں ہے اور کس کی شان زیادہ بہتر ہے؟

اس کا جواب محتاج بیان نہیں ہے۔ یہی حال اس مشرک کا ہے جو کئی معبودوں کی پرستش کرتا ہے اور حالت اس کی گمراہی والی ہوتی ہے جس کو کوئی علم نہیں کہ وہ ان معبودوں میں سے کس کی پوجا کرے؟ اور ان میں سے کس پر بھروسہ کرے؟ اور کس سے اپنا رزق مانگے؟ اور کس سے مدد و سہارا ڈھونڈھے؟ البتہ جو شخص ایک ہی الٰہ کو ماننے والا ہے اور وہ اسکے احکام کو بجالاتا ہے، اور اسے معلوم ہے کہ اس کے الٰہ کو کس شی سے خوشی اور کس شی سے ناراضگی ہوتی ہے۔ اب ان دونوں شخصوں کے درمیان فرق بہت واضح ہے۔

① تفسیر المراغی ج۲۳ ص ۱۶۴



مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أی یتنازعون فی ذلک العبد المشترک بینهم ورجُلاً سَلَمًا أی سالماً، "لِرَجُلٍ" أی خالصاً لایملکه أحد غیره "هَلْ یَسْتَوِیَانِ مَثَلاً" أی لایستوی هذا وهذا کذلک لایستوی المشرک الذی یعبد آلهة مع الله والمؤمن المخلص الذی لایعبد إلا الله وحده لاشریک له فأین هذا من هذا؟ قال ابن عباس رضی الله عنهما ومجاهد وغیر واحد، هذه الآیة ضربت مثلاً للمشرک والمخلص.①

ترجمہ: یعنی یہ لوگ آپس میں اس عبد (غلام) مشترک کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ اور اس شخص کے بارے میں جو ایک ہی مالک کا غلام ہے جس میں کوئی دوسرا آدمی شریک نہیں ہے، تو کیا یہ دونوں شخص آپس میں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اسی طرح مشرک جو کئی معبودوں کی عبادت کرتا ہے اور مؤمنِ مخلص (موحد) جو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہ، کی عبادت کرتا ہے۔ کہاں یہ مخلص موحد اور کہاں یہ دربدر بھٹکنے والا مشرک؟ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سیدنا مجاہد اور دوسرے حضرات کا بیان ہے کہ اس آیت نے مشرک اور موحد کی ایک مثال بیان کی ہے۔

چونکہ تقبیح شرک اور تحسینِ توحید کی یہ مثال نہایت ہی واضح وجلی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان کرنے کے بعد "الحمدللہ" کے ساتھ اپنی تعریف کی ہے۔

چنانچہ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولما کان هذا المثل ظاهراً جلیاً قال "الحمدلله" أی علی إقامة الحجة علیهم.②

کیونکہ یہ مثال نہایت واضح اور جلی تھی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے "الحمدللہ" کہہ کر اپنی تعریف کی یعنی اپنے بندوں پر دلیل قائم کرنے پر۔

آیت کا ماحاصل:

اللہ تعالیٰ مشرک اور موحد کی ایک عجیب وغریب اور نہایت درجہ کی حسین مثال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

کہ فرض کرو ایک شخص غلام ہے جس میں کئی ساجھی (شریک) ہیں جن میں باہم تنازع اور ٹکراؤ ہے، ایک مالک کہتا ہے

---

① تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۲.
② تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۲.



کہ ہمارا یہ غلام آج میرا کام کرے دوسرا کہتا ہے کہ میرا کام کرے، تیسرا کہتا ہے جاؤ مزدوری کرو اور شام کو مجھے پیسے دو، جبکہ کوئی اور اس کی مزدوری کی نوعیت پر اختلاف کرتا ہے۔

غرض! ان شرکاء کا اپنے اس غلام کے کسی کام پر اتفاق نہیں ہوتا اور پھر جس طرح ان شرکاء کو اپنے غلام کے کام پر اختلاف ہے اسی طرح اس کی کمائی پر بھی اختلاف ہے۔ یہ غلام بیچارہ مصائب و تکالیف میں مبتلا ہے اور ہمیشہ ہی متحیر و مضطرب رہتا ہے کہ میں اتنے شرکاء میں سے کس کا کہنا مانوں اور کس کا نہ مانوں؟

اور دوسرا وہ شخص جو کہ صرف ایک مالک کا غلام ہے وہ جو اور جس نوعیت کا کام کرے نہ تو اس کے کام اور کام کی نوعیت میں کوئی اختلاف ہے نہ اس کی کمائی میں۔ بلکہ اپنی گنجائش کے مطابق جو اور جیسا بھی کماتا ہے تو وہ صرف اور صرف اسی ایک ہی مالک کا ہوتا ہے۔ تو کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی مثال مشرک کی ہے اور دوسری مثال موحد کی ہے۔

مشرک اپنی مشکلات و مصائب کے حل کے لیے کبھی اس پیر کو پکارتا ہے تو کبھی اس آستانے کی خاک چاٹتا ہے، کبھی اپنا رخ بغداد کی طرف پھیر کر یا غوث! یا غوث! پکارتا ہے تو کبھی علی ہجویری کی دربار پر حاضری دیتا ہے اور کبھی سیہون والے کی درگاہ پر اپنی ناک رگڑتا ہے۔ جبکہ موحد اپنی ساری مشکلات و مصائب اور فوائد و منافع کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتا ہے اس لیے وہ اسی ایک ہی ذات کی عبادت کرتا ہے اور اپنی ساری مشکلات و مصائب کے حل کے لئے اسی کو پکارتا ہے۔

کوئی بھی مالک اپنے مال میں اپنے غلام کی شرکت برداشت نہیں کرتا

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی مالک اپنے حقوق میں اپنے غلام کی شراکت کو برداشت نہیں کرتا۔ حالانکہ مالک کی غلام میں ملکیت عارضی ہوتی ہے حقیقی اور مستقل نہیں۔ جب کہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی ملکیت اپنی مخلوق میں اصلی، حقیقی اور دائمی ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ من کل الوجوہ اپنی مخلوق کا مالک ہوتا ہے۔ تو جب ایک مالک اپنے حقوق میں اپنے عارضی مملوک کی شراکت کو گوارا نہیں کرتا تو بھلا اللہ تعالیٰ اپنے حقوق میں اپنے اصلی اور حقیقی مملوک کی شراکت کیسے برداشت کرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے اس عظیم نکتہ کو درج ذیل بہترین مثال میں بیان فرمایا ہے:

ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِنْ أَنْفُسِكُمْ هَلْ لَكُمْ مِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ①

اللہ تعالیٰ تمہارے (سمجھانے کے) لیے خود تمہاری ایک مثال بیان فرماتا ہے۔ (وہ یہ ہے) تمہارے جو غلام لونڈی ہیں کیا وہ اُس (مال و دولت) میں تمہارے شریک ہیں جو ہم نے تم کو دیا ہے تم (اور وہ) اُس میں برابر ہو تو تم ان سے اپنے (برابر والے) لوگوں کی طرح ڈرتے ہو، جو لوگ عقل رکھتے ہیں ہم ان کو سمجھانے کے) لیے (اپنی) آیتیں یوں کھول کر بیان کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

يعنى عبدكم لكم عليهم ملك اليد وهو طارئ قابل للنقل والزوال أما النقل فبالبيع وغيره والزوال بالعتق ومملوك الله لاخروج له من ملك الله بوجهٍ من الوجود.

فإذا لم يجز أن يكون مملوك يمينكم شريكاً لكم مع أنه يجوز أن يصير مثلكم من جميع الوجوه، بل هو فى الحال مثلكم فى الآدمية حتى أنكم ليس لكم تصرف فى روحه و آدميته بقتل وقطع وليس لكم منعهم من العبادة وقضاء الحاجة فكيف يجوز أن يكون مملوك الله الذى هو مملوكه من جميع الوجوه شريكاً له. ②

تمہارے غلام جن پر تمہاری عارضی ملکیت ہے جبکہ یہ منتقل یا ختم بھی ہو سکتی ہے، منتقلی تو غلام کو بیچنے سے ہوگی جبکہ غلامی کا خاتمہ آزادی سے ہو سکتا ہے اس کے مقابلے میں اللہ کے غلام تو اللہ کی غلامی سے کسی طرح بھی خارج نہیں ہو سکتے۔

تمہارے غلام تمہارے مال میں جب حصے دار نہیں باوجودیکہ وہ من کل الوجوہ تمہارے جیسے ہو سکتے ہیں، بلکہ وہ انسان ہونے میں تو تمہارے ہی جیسے ہیں لیکن تمہیں ان کی روح پر اور انسانیت پر کوئی تصرف حاصل نہیں کہ تم انہیں قتل کر کے یا ہاتھ وغیرہ کاٹ کے کوئی تصرف کرو اور نہ تمہیں ان کو عبادت سے روکنے کا کوئی حق ہے اور نہ قضاء حاجت سے تم روک سکتے ہو (جب یہ غلام تمہارے جیسے ہونے کے باوجود تمہارے شریک نہیں) تو اللہ کے یہ مملوک شریک کیسے ہو سکتے ہیں جو من جمیع الوجوہ اللہ کے غلام و مملوک ہیں۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

① سورة الروم: ٢٨

② مفاتيح الغيب ج ٢٥ ص ١١٩



هذا مثل ضربه الله تعالىٰ للمشركين به العابدين معه غيره الجاعلين له شركاء وهم مع ذلك معترفون أن شركاءه من الأصنام والأنداد عبيد له، ملك له كما كانوا يقولون: لبيك لاشريك لك إلا شريكاً هو لك، تملكه وماملك، فقال تعالىٰ: ضرب لكم مثلاً من أنفسكم أى تشهدونه وتفهمونه من أنفسكم هل لكم من ماملكت أيمانكم من شركاء فيما رزقنكم فأنتم فيه سواءٌ أى يرضى أحدكم أن يكون عبده شريكاً له في ماله فهو وهو فيه على السواء تخافونهم كخيفتكم أنفسكم أى تخافون أن يقاسموكم الأموال قال ابو مجلز: أن مملوكك لا يخاف أن يقاسمك مالك وليس له ذاك كذلك الله لاشريك له، والمعنى أن أحدكم يانف من ذلك فكيف تجعلون لله الأنداد من خلقه. ①

یہ مثال اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، اس کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتے ہیں، باوجود اس کے کہ مشرک لوگ اس بات کے معترف ہیں کہ یہ اصنام و انداد (جن کو وہ اللہ کا شریک بناتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے بندے اور مملوک ہیں جیسا کہ وہ اپنے تلبیہ میں کہا کرتے تھے، ''مولا ہم تیرے دربار میں بار بار حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جس کا تو مالک ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک مثال خود تمہارے نفسوں سے بیان کی ہے۔'' یعنی تم خود اس کا مشاہدہ کرتے ہو اور اچھی طرح اس کو سمجھتے بھی ہو۔ جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے بھی کوئی شریک ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر درجے کے ہوں؟ یعنی تم میں سے کوئی اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ اس کا غلام اس کے مال میں اس کا شریک ہو؟ اسطرح کہ تم دونوں اس مال میں برابر درجے کے ہو۔ تم ان سے اپنے برابر والے لوگوں کی طرح ڈرتے ہو۔ یعنی تم اس بات سے ڈرتے ہو کہ تمہارے غلام تمہارے مال میں حصہ دار بن جائیں گے۔ سیدنا ابو مجلز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تیرے غلام سے تجھے کوئی خطرہ نہیں کہ وہ تیرا مال تقسیم کر کے اپنا حصہ مانگے اور یہ کام وہ کر بھی نہیں سکتا۔ اسی طرح اللہ کا بھی کوئی شریک نہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تم اس کو ناپسند کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی مخلوق میں سے کیوں شریک بناتے ہو؟

یہاں پر اللہ تعالیٰ شرک کی ایک عجیب و غریب مثال بیان فرما رہا ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس

① تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ۴۳۱

کے حقوق میں دوسروں کی شرکت اور حصے داری کے خلاف اللہ تعالیٰ اذہان کو ایک ایسی دلیل کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ جس پر خود مخاطب کا طرز عمل شاہد ہے۔ اس لیے فرمایا کہ تمہیں شرک کے خلاف دلیل ڈھونڈنے کے لیے کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے باہمی طرز عمل ہی کو اللہ تعالیٰ تمہارے آگے بطور مثال پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بتاؤ کہ جو رزق وروزی اور فضل ونعم ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں تو تم اپنے مملوک اور غلاموں کے لیے اس میں اس طرح کی حصہ داری تسلیم کرتے ہو کہ وہ اور تم اس میں برابر کے شریک ہو جاؤ؟ نہیں ہرگز نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے حقوق میں اپنے مملوکوں کے لیے مساوی درجے کی حصہ داری تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتے ہو حالانکہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ہمارا عطا کردہ ہے، تو اللہ تعالیٰ کے حقوق میں تم اس کی مخلوقات کو کیوں شریک بناتے ہو؟ یہ کتنی بھونڈی اور حماقت والی بات ہے کہ جس چیز کو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے اس کو اللہ تعالیٰ کے لیے پسند کرتے ہو، جب کہ تمام اعلیٰ وارفع صفات اور برتر حقوق کا اصل حق دار آسمانوں اور زمینوں میں وہی ہے۔

غیر اللہ سے امیدیں وابستہ کرنا مکڑی کے جال سے سہارا لینے کے مترادف ہے

گھر کے وجود کے لئے دیوار، چھت اور دروازہ کا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ ایسا گھر ہی گرمی اور سردی سے بچاؤ کا باعث بن سکتا ہے اور جس میں مذکورہ امور نہ ہوں وہ گھر نہیں کہلائے گا بلکہ ایک چٹیل میدان ہے کہ جس سے سردی اور گرمی سے بچاؤ حاصل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ مکڑی کا گھر بھی بعینہٖ اس طرح کا ہے کہ جس سے سردی اور گرمی وغیرہ سے بچاؤ کا کوئی امکان نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مشرک کو مکڑی سے تشبیہ دی ہے کہ مکڑی کا گھر انتہائی کمزور اور بودا ہوتا ہے۔ جو اسے کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں دے سکتا اسی طرح مشرک جن ہستیوں سے امیدیں وابستہ کر لیتا ہے وہ اسے ذرہ برابر بھی نفع نہیں دے سکتیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ①

ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے اولیاء (دوست وسرپرست) بنا رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی ہے وہ بھی (اپنے نزدیک) ایک (مضبوط) گھر بناتی ہے حالانکہ سب گھروں میں بودے سے بودا مکڑی کا گھر ہے، کاش یہ لوگ سمجھتے ہوتے۔

کسی گھر کے لیے اصل یہ ہے کہ اس کی اونچی اونچی دیواریں، سایہ دار چھت اور بند کرنے کے لیے دروازہ ہوتا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اگر یہ سب چیزیں اس میں نہ ہوں تو کم از کم ذیل کی دو چیزوں میں سے ایک ضروری ہونی چاہیے۔ مضبوط

① سورۃ العنکبوت، آیۃ رقم: ۴۱



دیواریں ہوں جس سے سردی کا بچاؤ ہو سکے یا چھت سایہ دار ہو، جو کہ گرمی کو دفع کر سکے۔ اگر اس میں ان دونوں چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو وہ ایک چٹیل میدان ہے اسے گھر نہیں کہا جا سکتا۔ اور بیت عنکبوت میں ان دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے نہ وہ سردی دفع کر سکتا ہے اور نہ ہوا اور گرمی وغیرہ۔

چنانچہ اس مثال کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ما الحكمة في اختيار هذا المثل من بين سائر الأمثال؟ فنقول فيه وجوه.

الأول: أن البيت: ينبغي أن يكون له امور حائط حائل وسقف مظل وباب يغلق وأمور ينتفع بها ويرتفع وان لم يكن كذلك فلا بدمن أحد أمرين إما حائط حائل يمنع من البرد وإما سقف مظل يدفع عنه الحر فإن لم يحصل منها شيءٌ فهو كالبيداء ليس ببيت لكن بيت العنكبوت لايجنها ولايكنها وكذلك المعبود ينبغي أن يكون منه الخلق والرزق وجر المنافع وبه دفع المضار. فإن لم تجتمع هذه الأمور فلا أقل من دفع ضرٍّ أوجرّ نفع فإن من لايكون هكذا فهو والمعدوم بالنسبة إليه سواء فإذن كما لم يحصل للعنكبوت باتخاذ ذلك البيت من معاني البيت شيء كذلك الكافر لم يحصل له باتخاذ الأوثان أولياء من معاني الأولياء شيء

الثاني: هو أن أقل درجات البيت أن يكون للظل فإن البيت من الحجر يفيد الاستظلال ويدفع أيضاً

ترجمہ: اس مثال کو اختیار کرنے کی کیا حکمت ہو سکتی ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اس میں کئی وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ یہ کہ ایک مکمل گھر کیلئے کئی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً بڑی بڑی دیواریں جو گرمی، سردی سے روکیں اور سایہ دار چھت اور بند کرنے والا دروازہ ہوا اور دیگر چند چیزیں جن سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اگر یہ امور نہ پائے جائیں تو دو چیزوں میں سے ایک ضرور ہو یا تو روکنے والی دیواریں جو سردی وغیرہ سے بچائیں یا سایہ دار چھت جس سے گرمی وغیرہ سے بچا جا سکے۔ اگر یہ فوائد بھی حاصل نہ ہوں تو وہ گھر نہیں بلکہ چٹیل میدان ہے۔ لیکن مکڑی کا گھر تو نہ چھپاتا ہے نہ محفوظ رکھتا ہے۔ اسی طرح معبود بھی ایسا ہو جس نے پیدا کیا ہو اور وہی روزی دیتا ہو اور نفع دیتا ہو اور ضرر و تکلیف دور کرتا ہو۔ اگر کسی معبود میں یہ صفات جمع نہ ہوں تو کم از کم ضرر دور کرنے اور نفع پہنچانے کی طاقت ضرور رکھتا ہو، تو جس میں یہ صفات بھی نہ ہوں تو وہ معبود ہی نہیں ہو سکتا...... جب مکڑی کو اس طرح کا گھر بنانے کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو اسی طرح کافر کو بتوں کو دوست بنانے کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ گھر کا کم از کم درجہ اس سے سائے کا فائدہ اٹھانا ہے۔ اور وہ گھر جو پتھر سے بنا ہو وہ سائے کا فائدہ دیتا



الهواء والماء والنار والتراب والبيت من الخشب يفيد الاستظلال ويدفع الحر والبرد ولايدفع الهواء القوى ولا الماء ولا النار. والخباء الذى هو بيت من الشعر أوالخيمة التى هى من ثوب إن كان لايدفع شيئاً يظل ويدفع حرّ الشمس لكن بيت العنكبوت لايظل فإن الشمس بشعاعها تنفذ فيه فكذلك المعبود أعلى درجاته أن يكون نافذ الأمرفى الغير فإن لم يكن كذلك فيكون نافذ الأمر فى العابد فإن لم يكن فلا أقل من أن لاينفذ أمر العابد فيه لكن معبودهم تحت تسخيرهم إن أرادوا أجلوه وإن أحبوا أذلوه .①

ہے اور ہوا، پانی اور آگ (دھوپ) اور مٹی سے حفاظت کرتا ہے، اور لکڑی کا گھر بھی سایہ دار ہوتا ہے اور گرمی، سردی روکتا ہے لیکن تیز آندھی، پانی اور آگ سے حفاظت نہیں کر سکتا۔ بالوں یا کپڑے کا خیمہ اگرچہ کسی شے سے حفاظت نہیں کر سکتا مگر سایہ دار ہونے کی وجہ سے دھوپ اور گرمی سے محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن مکڑی کا گھر تو سایہ بھی فراہم نہیں کرتا، کیونکہ سورج کی شعاعیں اس میں نافذ (داخل) ہوتی ہیں۔ پس اسی طرح معبود کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ اس کا حکم دوسروں میں نافذ ہو اگر ایسا نہ ہو تو اس کا حکم عبادت گزار میں نافذ ہونا چاہیے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو کم از کم عابد کا حکم تو اس (معبود) میں نافذ نہ ہو، لیکن ان مشرکین کے معبود تو ان کے تحت مسخر ہیں جب چاہا، اس کی تعظیم کر لی جب چاہا اس کو ذلیل کر دیا۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا مثل ضربه الله تعالىٰ للمشركين فى اتخاذهم آلهة من دون الله يرجون ضرهم ورزقهم ويتمسكون بهم فى الشدائد، فهم فى ذلك كبيت العنكبوت فى ضعفه ووهنه فليس فى أيدى هؤلاء من آلهتهم إلا كمن يتمسك ببيت العنكبوت فإنه لايجدى عنه شيئا فلو علموا هذا الحال لما اتخذوا من دون الله أولياء وهذا بخلاف المسلم المؤمن قلبه لله وهو مع ذلك يحسن العمل فى اتباع الشرع فإنه متمسك بالعروة الوثقى لا انفصام لها لقوتها وثباتها .②

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی پرستش کرتے ہیں اُن سے مدد کی امید اور ان سے رزق و روزی کی امیدیں وابستہ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی مکڑی کے جالے میں بارش اور دھوپ و سردی سے پناہ چاہتا ہے جو کہ کوئی فائدہ نہیں دیتا تو اگر ان (مشرکوں) کو علم ہوتا تو یہ خالق کو چھوڑ کر مخلوق سے امیدیں وابستہ نہ کرتے پس ان کا حال ایمانداروں کے حال کے بالکل برعکس ہے وہ تو ایک مضبوط کڑے کو تھامے ہوئے ہیں۔

① مفاتیح الغیب ج۲۵ ص ۶۸-۶۹

② تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ۴۱۳-۴۱۴



اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی حماقت بیان فرما رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں کو اپنا معبود، معتمد، مشکل کشا اور نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر غائبانہ حاجات میں پکارتے اور ان پر اعتماد کرتے ہیں، ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے مکڑی کا گھر ہے جو نہایت بودا اور کمزور ہے کہ جس میں گرمی، جاڑے، ہوا اور بارش وغیرہ کا کچھ بچاؤ نہیں ہوتا اسی طرح ان جھوٹے معبودوں سے ان کے پوجنے والوں کو کچھ فائدہ نہیں۔ ان کا دین ومذہب مکڑی کے جالے کی طرح بودا اور کمزور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مشرک لوگ اپنے جھوٹے معبودوں کی مدد واعانت کے بھروسہ پر شرک میں گرفتار ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کی پکڑ ہوتی ہے تو جس طرح جاڑے، گرمی، ہوا اور بارش وغیرہ میں مکڑی کا گھر اس کے کچھ کام نہیں آتا، اسی طرح ان مشرکوں کے جھوٹے معبود، ان کے کچھ کام نہیں آتے۔

عاجز مملوک اور بااختیار مالک برابر نہیں ہوسکتے

موحد اور مشرک کی مثال ایک آزاد اور غلام شخص کی سی ہے کہ آزاد شخص ایک بااختیار ہوتا ہے اور اپنی مرضی اور چاہت سے اپنے مال میں تصرف کرتا ہے۔ جب کہ غلام اپنے مالک کی ملکیت ہوتا ہے اور اسے کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اپنے امور میں اپنی چاہت سے تصرف کر سکتا ہے، کیا یہ دونوں شخص درجات ومنازل میں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں تو جس طرح یہ دونوں شخص درجات ومنازل میں برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح موحد اور مشرک بھی باہم برابر نہیں ہو سکتے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ①

اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرتا ہے ایک شخص غلام ہے دوسرے (بندے) کی ملک جو کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک شخص وہ ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے اچھی دولت دے رکھی ہے وہ چھپے اور کھلے اس میں سے خرچ کرتا رہتا ہے کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ شکر اللہ کا (بس تم قائل ہو چکے) لیکن (بات یہ ہے) ان کافروں میں اکثر لوگ (ان باتوں کو) نہیں جانتے۔

چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

في تفسير هذا المثل قولان: القول الأول: أن المراد أنا لو فرضنا عبداً مملوكا لايقدر على شيء وفرضنا حرًا كريما غنيا كثيرا لانفاق سرّا وجهراً

اس مثال کی تفسیر میں دو قول ہیں:

① اگر ہم فرض کریں کہ ایک غلام آدمی ہے جس کا کسی شی پر اختیار وقدرت نہیں۔ اور دوسری طرف ایک آزاد اور معزز

① سورة النحل آیت رقم ۷۵

فصريح العقل يشهد بأنه لايجوز التسوية بينهما في التعظيم والإجلال فلما لم تجز التسوية بينهما مع استوائهما في الخلقة والصورة والبشرية فكيف يجوز للعاقل أن يسوى بين الله القادر على الرزق والإفضال وبين الأصنام التي لاتملك ولا تقدر البتة.

شخص ہے جو سری و جہری طور پر بہت زیادہ خرچ کرنے والا ہے، عقل صریح فیصلہ یہی کرے گی کہ یہ دونوں برابر نہیں نہ بزرگی میں نہ رعب میں، جب یہ دونوں آپس میں برابر نہیں باوجود کہ تخلیق و پیدائش میں دونوں برابر ہیں شکلیں بھی ایک دوسرے کی ملتی ہیں اور ہیں بھی دونوں انسان تو عاقل آدمی کیلئے کیسے روا ہے کہ اللہ جو رزق عطا کرنے پر قادر ہے اور فضیلتیں بھی عطا کرتا ہے اس کے درمیان اور اصنام کے درمیان برابری کرتا پھرے جو کہ کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ کسی چیز پر ان کی قدرت ہے۔

والقول الثاني: أن المراد بالعبد المملوك الذي لايقدر على شيءٍ هو الكافر، فإنه من حيث أنه بقي محروماً من عبودية الله تعالىٰ ومن طاعته صار كالعبد الذليل الفقير العاجز، والمراد بقوله ومن رزقنٰه منا رزقاً حسناً، هو المؤمن فإنه مشتغل بالتعظيم لأمر الله تعالىٰ والشفقة على خلق اللهِ فبين تعالىٰ أنهما لايستويان في المرتبة والشرف والقرب من رضوان الله تعالىٰ.①

② مملوک غلام جو کسی چیز پر قادر نہیں سے مراد کافر شخص ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت سے محروم رہا تو وہ ایک ذلیل، فقیر اور محتاج غلام بن گیا اور ''ومن رزقنه منا رزقا حسنا'' سے مراد مؤمن شخص ہے جو اللہ کے اوامر کی تعظیم اور اللہ کی مخلوق پر شفقت و مہربانی کرنے میں مصروف رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ یہ دونوں قسم کے آدمی شرف و مرتبہ میں اور اللہ کی رضا کے قرب میں برابر نہیں ہو سکتے۔

اور علامہ مراغی مذکورہ آیت کی تفسیر میں یوں ہی لکھتے ہیں:

والمعنى مثلكم في إشراككم بالله مثل من سوّىٰ بين عبدمملوك عاجز وبين حرٍ مالكٍ قد رزقه الله مالاً فهو ينفق منه كيف يشاء .②

مطلب یہ ہے کہ تمہارے اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک ٹھہرانے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک عاجز غلام اور آزاد خود مختار آدمی کہ جس کو اللہ نے مال عطا کیا اور اسے وہ جہاں چاہے خرچ کرے کے درمیان برابری کر دی ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عن ابن عباس: هذا مثل ضربه الله للكافر والمؤمن وكذا قال قتادة واختاره ابن جرير فالعبد المملوك

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ کافر و مومن کی مثال ہے اور سیدنا قتادۃؒ نے بھی اسی طرح

---

① مفاتيح الغيب: ج٢٠ ص ٨٥-٨٦ وحاشية جلالين ص ٢٢٣
② حاشية الجلالين: ص ٢٢٣/ تفسير المراغي ج١٤ ص ١١٥



الذی لایقدر علی شیء مثل الکافر، والمرزوق الرزق الحسن فهو ینفق منه سرًا وجهراً هو المؤمن وقال ابن أبی نجیح عن مجاهد: هو مثل مضروب للوثن وللحق تعالیٰ فهل یستویٰ هذا وهذا؟ ①.

فرمایا اور امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اسی تفسیر کو پسند فرمایا۔ پس بے اختیار غلام سے مراد کافر اور اچھی روزی والے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرنے والے سے مراد مؤمن ہے اور ابن ابی نجیح نے سیدنا مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس مثال سے بت اور اللہ تعالیٰ کے درمیان فرق وجدائی سمجھانا مقصود ہے کہ یہ (بت) اور وہ (اللہ تعالیٰ) برابر نہیں ہو سکتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کے بطلان کو ظاہر کرنے کیلئے ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ فرض کرو کہ ایک غلام ہے جو کہ اموال وتصرفات میں کسی چیز کا بلا اجازت آقا کے اختیار نہیں رکھتا۔ اور دوسرا وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب رزق وروزی دے رکھی ہے جو اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ جس طرح چاہتا ہے اور جہاں چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ اس کو روکنے والا کوئی نہیں تو کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پس جب مالک مجازی اور مملوک مجازی برابر نہیں ہو سکتے تو مالک حقیقی اور مملوک حقیقی کب اور کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ استحقاقِ عبادت موقوف ہے مساوات پر اور وہ یہاں ہے ہی نہیں۔

گونگا اور بولنے والا برابر نہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنی اور معبودان باطلہ کی مثال ان دو اشخاص کے ساتھ دی ہے کہ ایک بالکل آزاد، سلیم الحواس، عاقل اور عالم ہے، جو اپنے آپ کو اور دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ اور دوسرا ایک غلام ہے جو گونگا ہے اپنے آپ کو فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ ہی کسی اور کو بلکہ الٹا اپنے مالک پر بوجھ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ②

ترجمہ: اور اللہ ایک اور مثال بیان کرتا ہے، دو مرد ہیں ایک ان میں گونگا (جو بہرہ بھی ہے) وہ (غلام ہے) کچھ نہیں کر سکتا اپنے مالک پر (اس کا رہنا) ایک بوجھ ہے جہاں کہیں وہ (مالک) اس کو بھیجتا ہے وہ کام بنا کر نہیں آتا۔ کیا یہ (بے مصرف غلام) اور وہ (ہوشیار عقلمند) شخص برابر ہیں جو (اپنے کام تو درست رکھتا ہی ہے دوسرے لوگوں کو بھی) سیدھی روش سکھلاتا ہے اور خود بھی سیدھی روش پر قائم ہے۔

① تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۵۷۸

② سورۃ النحل، رقم الآیۃ ۷۶



مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ مراغی لکھتے ہیں:

ای ضرب الله مثلاً لنفسه والآلهة التي يعبدونها من دونه مثل رجلين أحدهما أخرس أصمّ لايُفهِم ولايَفهَم ولا يقدر على شيءٍ مما يتعلق بنفسه أوبغيره وهو عيال من يعوله ويلي أمره حيثما يرسله مولاه في أمر لايأت بنجحٍ ولا كفاية مهم وثانيهما رجل سليم الحواس عاقل ينفع نفسه وينفع غيره ، يأمر الناس بالعدل وهو على سيرة صالحة ودين قويم. هل يستويان؟ كذلك الصنم لايسمع شيئا ولاينطق لأنه إما خشب منحوت وإما نحاس مصنوع لايقدر على نفع من خدمه ولادفع ضرعنه وهو كَلٌّ على من يعبده، يحتاج أن يحمله ويضعه ويخدمه وهو لايعقل مايقال له فيأتمر بالأمر ولاينطق فيأمر وينهى هل يستوى هو ومن يأمر بالحق ويدعو إليه .①

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی اور جن معبودوں کی وہ پوجا کرتے ہیں کی مثال بیان فرما رہا ہے۔ اس کی مثال دو آدمیوں کی سی ہے جن میں سے ایک گونگا بہرا ہو نہ تو وہ کسی کو کچھ سمجھا سکے اور نہ خود اس کو سمجھ آتی ہو۔ اور پھر جن امور کا تعلق اس کے یا غیر کے ساتھ ہو اس میں ذرا برابر قدرت نہ رکھتا ہو بلکہ وہ اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہو، اس کا آقا و مالک جہاں اس کو کسی کام پر بھیجے تو وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور نہ کوئی فائدہ پہنچا سکے۔ دوسرا آدمی جو سلیم الحواس عاقل سمجھ دار ہو اپنے اور غیروں کے کام کر سکتا ہو، لوگوں کو عدل و انصاف کا حکم کرتا ہو اور صحیح عقیدہ اور درست طریقہ پر گامزن ہو، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح بت جو لکڑی یا کسی دھات سے بنا ہو وہ اپنی دیکھ بھال کرنے والے کو کوئی نفع نہیں دے سکتا اور نہ اس کی تکلیف دور کر سکتا ہے بلکہ وہ اپنے پجاریوں پر بوجھ ہے بلکہ وہ تو اس بات کا محتاج ہے کہ اس کے پجاری اس کی خدمت کریں اسے ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پر رکھیں اس کو تو اتنا بھی معلوم نہیں کہ اسے کیا کہا جا رہا ہے کہ وہ اس پر کاربند ہو اور نہ وہ خود کوئی کلام کر سکتا ہے کہ کسی کام کا حکم دے یا کسی کام سے روکے، کیا یہ اور جو حق بات کا حکم دے اور اسی کی طرف بلائے برابر ہو سکتے ہیں؟

امام ابن کثیر رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال مجاهد: وهذا أيضاً المراد به الوثن والحق تعالىٰ، يعني أن الوثن أبكم لايتكلم ولاينطق بخير

سیدنا مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس مثال سے مقصد بھی وہ فرق دکھانا ہے جو کہ مشرکین کے بتوں اور اللہ تعالیٰ میں ہے۔ مقصد یہ ہے

① تفسير المراغي ج١٤ ص ١١٧



ولا بشيء ولا يقدر على شيء بالكلية فلا مقال ولافعال وهو مع هذا كَلٌّ أي عيال و كلفة على مولاه، أينما يوجهه، أي يبعثه لايأت بخير، ولا ينجح مسعاه هل يستوي من هذه صفاته ومن يأمر بالعدل، أي بالقسط فمقاله حق وفعاله مستقيمة وهو على صراط مستقيم. ①

کہ یہ بت گونگے ہیں نہ کلام کرسکتے ہیں اور نہ کوئی بات کہہ سکتے ہیں نہ کسی چیز پر قدرت رکھ سکتے ہیں، قول وفعل دونوں سے خالی ہیں اور پھر اس کے ساتھ ہی اپنے مالک پر بوجھ ہیں کہیں بھی جائے کوئی بھی بھلائی نہ لائے پس ایک تو ہوا یہ اور ایک وہ شخص جو عدل وانصاف کا حکم کرتا ہے اور خود بھی راہ مستقیم پر ہے، یعنی قول و فعل دونوں کے اعتبار سے تو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

یہاں پر اللہ تعالیٰ شرک کی مثال دو مختلف نوعیت کے اشخاص کے ساتھ بیان فرما رہا ہے اور وہ اس طرح کہ فرض کرو کہ دو شخص ہیں جن میں سے ایک گونگا اور بہرا غلام ہے جو کسی چیز پر کوئی قدرت نہیں رکھتا وہ اپنے آقا پر ایک بوجھ ہے اور آقا جہاں کہیں بھی اسے بھیجتا ہے کسی کام کے لئے تو وہ اس کام کو صحیح نہیں کر کے لاتا۔ اور ایک دوسرا شخص جو آزاد ہے دوسروں کو عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے اور خود بھی سیدھے راستے پر ہے کیا یہ دونوں شخص برابر و یکساں ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ اور اس کی عاجز و بے بس مخلوق کو کیسے یکساں اور برابر قرار دیتے ہو؟

سارے معبودانِ باطلہ مل کر بھی ایک مکھی پیدا نہیں کرسکتے

مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن ہستیوں کی عبادت کرتے ہیں وہ بالکل عاجز اور کمزور ہیں۔ مکھی جیسی حقیر اور کمزور شی بھی پیدا نہیں کر سکتے، پیدا کرنا تو دور کی بات ہے ان کے عجز وکمزوری کا عالم تو یہ ہے کہ اگر مکھی ان کے اوپر سے کوئی چیز لے اڑے تو یہ سب مل کر اپنی اس چھینی ہوئی چیز کو بھی واپس نہیں کرا سکتے تو جو اتنے کمزور ہیں کہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے بھلا وہ دوسروں کے کیا کام آسکتے ہیں؟؟

اللہ تعالیٰ نے اس زبردست مثال کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾ ②

لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے ذرا کان لگا کر سن لو اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے رہے ہو وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ اس سے چھین نہیں سکتے، بڑا بودا ہے طلب کرنے والا اور بڑا بودا (کمزور) ہے وہ جس سے

① تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۵۷۹
② سورة الحج رقم الآية۷۳، ۷۴



طلب کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور وقوت والا اور غالب وزبردست ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أی هم عاجزون عن خلق ذباب واحد بل أبلغ من ذلک عاجزون عن مقاومته والانتصار منه لوسلبها شيئاً من الذی علیها من الطیب ثم أرادت أن تستنقذه منه لما قدرت علی ذلک هذا والذباب من أضعف مخلوقات الله وأحقرها .①

یعنی ان کے تمام کے تمام بت جنہیں یہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، جمع ہوکر ایک مکھی بنانا چاہیں تو سارے عاجز آ جائیں گے اور ایک مکھی بھی پیدا نہ کر سکیں گے۔ بلکہ اس سے بھی عاجز ہیں کہ اگر وہ مکھی ان بتوں سے کوئی خوشبو وغیرہ چھین کر لے جائے تو وہ (بت) اس مکھی سے چھینی ہوئی چیز واپس نہیں کرا سکتے۔ حالانکہ مکھی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک عاجز اور حقیر ترین مخلوق ہے۔

''طالب ومطلوب'' کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ مفسرین کے اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال ابن عباس: الطالب الصنم والمطلوب الذباب واختاره ابن جریر وهو ظاهر السیاق وقال السدی وغیره: الطالب العابد والمطلوب الصنم.②

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ طالب سے مراد بت اور مطلوب سے مراد مکھی ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور سیاق کلام کا ظاہر بھی یہی ہے دوسرا مطلب امام سدی وغیرہ یہ بیان کرتے ہیں کہ طالب سے مراد عابد اور مطلوب سے مراد بت ہیں۔

مکھی کی مثال دینے کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وخصّ الذباب لأربعة أمور تخصه. لمهانته وضعفه ولاستقذاره وكثرته، فإذا كان هذا الذی هو أضعف الحیوان وأحقره لایقدر من عبدوه من دون الله عزوجل علی خلق مثله ودفع أذیته فکیف

مکھی کا ذکر چار مخصوص اسباب کی بنا پر خاص ہے: اس کی حقارت، کمزوری، گندگی اور کثرت کی بنا پر، تو جب اس حیوان کے سب سے کمزور اور حقیر ہونے کے باوجود مشرکین کے معبود (معبودان باطلہ) اس جیسی مخلوق نہیں بنا سکے اور نہ ہی

① تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۵ ② تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۵



يجوز ان يكونوا آلهة معبودين وأرباباً مطاعين وهذا من أقوى حجة وأوضح برهانٍ .①

اس کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو دور کر سکے ہیں تو وہ پوری کائنات کے معبود اور رب کیونکر ہو سکتے ہیں۔ یہ سب سے قوی اور واضح دلیل ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔

مکھی کی مثال دینے کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ بڑی تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں:

واعلم أن الذباب لما كان في غاية الضعف احتج الله تعالىٰ به على إبطال قولهم من وجهين الأول: قوله إن الذين تدعون من دون الله لن يخلقوا ذباباً ولو اجتمعوا له قرئ يدعون بالياء والتاء ويدعون مبنياللمفعول ولن أصل في نفي المستقبل إلا أنه بنفيه نفياً مؤكدًا فكأنه سبحانه قال: إن هذه الأصنام وإن اجتمعت لن تقدر على خلق ذبابة على ضعفها فكيف يليق بالعاقل جعلها معبوداً فقوله ولو اجتمعوا له نصب على الحال كأنه قال: يستحيل أن يخلقوا الذباب حال اجتماعهم فكيف حال انفرادهم.

الثاني: أن قوله: وإن يسلبهم الذباب شيئاً لايستنقذوه منه، كأنه سبحانه قال: أترك أمر الخلق والإيجاد وأتكلم فيما هو أسهل منه، فإن الذباب إن سلب منها شيئاً فيه لاتقدر على استنقاذه ذلك الشيء من الذباب .②

ترجمہ: جان لو کہ مکھی جو کہ انتہائی کمزور حیوان ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کے قول کو اس (مکھی) کیساتھ دو وجھوں سے باطل کیا ہے۔

ا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

"إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَنْ يَخْلُقُوْا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهُ"

میں "تدعون" کو "یا" اور "تا" دونوں کیساتھ پڑھا گیا ہے یعنی "یدعون" اور "تدعون" البتہ "یدعون" کو فعل مجہول کے طور پر بھی پڑھا گیا ہے یعنی "يُدْعَوْنَ" اور لفظ "لن" یہ زمانہ مستقبل کی نفی کے لیے خاص ہے اور اس سے نفی کی تاکید بھی مراد ہوتی ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ تمام اصنام اکٹھے بھی ہو جائیں تو ایک کمزور سی مکھی پیدا نہ کر سکیں تو عاقل کو یہ کیسے گوارا ہے کہ وہ ان (اصنام) کو معبود بنا لیں۔ اللہ کا فرمان "ولو اجتمعوا له" حال ہونے کی وجہ سے محلا منصوب ہے معنیٰ یہ ہوگا کہ اکٹھے ہونے کے باوجود ان بتوں کے لیے مکھی بنانا محال ہے تو جب اکیلے ہوں گے تو کیسے بنا سکیں گے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

"وَاِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ"

① تفسیر القرطبی ج۱۲ ص۹۷
② مفاتیح الغیب ج۲۳ ص ۶۹

میں فرماتا ہے میں پیدا کرنے اور کسی کو وجود میں لانے کی بات چھوڑتا ہوں اور جو کام اس سے آسان ہے اس کی بات کرتا ہوں کہ وہ کر کے دکھا دو۔ (اگر تم میں طاقت ہے) اگر مکھی ان بتوں کی اشیاء میں سے کوئی شی چھین کر لے جائے تو یہ اصنام اپنی وہ شی واپس لانے کی قدرت نہیں رکھتے۔

معبودان باطلہ کی حقارت اور ذلت آمیز تمثیل بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ساری دنیا کے مشرکوں کو چیلنج کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ کہ آؤ اپنے معبودوں کی عجز و بے بسی کی ایک حقیقت افزوں اور حیرت انگیز مثال سن لو۔ اور وہ یہ کہ تمام وہ ہستیاں کہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر پکارتے ہو۔ اگر ایک مکھی کو پیدا کرنا چاہیں۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے حقیر ترین اور ذلیل ترین مخلوق ہے تو اسے بھی پیدا نہیں کر سکتے اگر چہ اس مہم کیلئے سب مل کر اپنا زور لگا ڈالیں۔ پھر بھی ایک مکھی کو پیدا کرنے سے عاجز و بے بس ہو کر رہ جائیں گی۔ اور چونکہ مشرکین اپنے بتوں کو تیل، عطر اور خوشبو وغیرہ لگاتے تھے تو مکھیاں آ کر ان کے اوپر بیٹھ جاتی تھیں، اور ان کے اوپر لگائے ہوئے عطر و خوشبو کھا کر ان کے اوپر پاخانہ کرتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان معبودانِ باطلہ کے اس عجز و کمزوری کو یوں بیان فرمایا کہ " وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ " صرف یہی نہیں کہ تمہارے معبود ایک عاجز و حقیر مکھی کو نہیں بنا سکتے۔ بلکہ ان کے عجز و بے بسی کا یہ عالم ہے کہ جو عطر و خوشبو تم ان کے اوپر لگایا کرتے ہو اگر اس میں سے بھی عاجز و حقیر مکھی کچھ چھین کر لے جائے تو تمہارے یہ معبودانِ باطلہ اس چھینی ہوئی عطر و خوشبو کو اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ اور بعینہ اسی طرح آج کل کے قبر پرست ولیوں اور بزرگوں کی قبروں اور گنبدوں پر بھی پھول چڑھاتے اور عطر و خوشبو لگایا کرتے ہیں تو اسی طرح مکھیاں آ کر ان کی قبروں اور گنبدوں پر بیٹھ جاتی ہیں اور ان کے اوپر چڑھائے ہوئے پھول اور لگائے ہوئے عطر و خوشبو کھا کر ان پر پاخانہ کرتی ہیں۔ تو وہ ولی و بزرگ ان بتوں کی طرح ان مکھیوں کو نہ اپنی قبروں اور گنبدوں کے اوپر سے ہٹا سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے اوپر سے وہ چھینی ہوئی عطر و خوشبو اور پھولوں کو ان سے چھڑا سکتے ہیں۔ اور "ضعف الطالب و المطلوب" (کمزور طالب اور مطلوب) میں نہایت عجیب و غریب اور بلیغ اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے کہ انسان جب کسی ہستی کو اپنا معبود مانتا ہے تو اس وجہ سے مانتا ہے کہ اس سے اس انسان کے ضعف و ناتوانی کا مداوا ہوتا ہے۔ لیکن ان نادانوں نے اپنا معبود ہی ان ہستیوں کو بنایا ہے جو کہ خود ان عابدوں سے بھی بڑھ کر عاجز و بے بس ہیں۔ یہ مشرک لوگ اپنی خستگی کی داد و فریاد ایسوں سے چاہتے ہیں۔ جو بے چارے ایسے بے بس و عاجز ہیں کہ اپنے اوپر اور چہرے سے ایک مکھی کو ہانکنے پر بھی قادر نہیں ہیں تو جو ہستی اپنے وجود سے ایک مکھی کو ہانک نہیں سکتی تو ذرا انصاف سے بتائیے وہ ہستی اپنی عبادت کرنے والوں سے مصائب و مشکلات کیسے ہٹا سکتی ہے؟ حد ہو گئی جہالت کی۔



کفار و مشرکین کے اعمال راکھ کی مانند ہیں

کفار اور مشرکین کے اعمال اس راکھ کی مانند اکارت ہونے والے ہیں کہ جسے سخت اور انتہائی تیز آندھی اڑا کر خلا میں بکھیر دے کہ نہ تو کوئی اسے پا سکے اور نہ ہی اسے جمع کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ①

جن لوگوں نے اپنے مالک (اللہ) کو نہ مانا ان کے اعمال کا حال اس راکھ کی طرح ہے جس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلے، وہ جو انہوں نے (دنیا میں) کیا اس میں سے کچھ (آخرت میں) نہ پائیں گے یہی پرلے درجے کی تباہی (وگمراہی) ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا مثلٌ ضربه الله تعالىٰ لأعمال الكفار الذين عبدوا معه غيره وكذبوا رسله وبنوا أعمالهم على غير أساس صحيح فانهارت وعدموها أحوج ما كانوا إليها فقال تعالىٰ: مثل الذين كفروا بربهم أعمالهم، أى مثل أعمالهم يوم القيامة إذا طلبوا ثوابها من الله تعالىٰ لأنهم كانوا يحسبون أنهم كانوا على شيءٍ فلم يجدوا شيئاً ولا ألفوا حاصلاً إلا كما يتحصل من الرماد إذا اشتدت به الريح العاصفة فى يوم عاصف أى ذى ريح شديدة عاصفة قوية فلم يقدروا على شيءٍ من أعمالهم التى كسبوا فى الدنيا إلا كما يقدرون على جمع هذا الرماد فى هذا اليوم. ②

اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرتے ہیں، ان کافروں اور مشرکوں کی جو کہ اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادت کے خوگر تھے اور رسولوں کی تکذیب کرتے تھے، جن کے اعمال ایسے تھے جیسے بغیر بنیاد کی عمارت ہو جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سخت ضرورت کے وقت خالی ہاتھ کھڑے رہ گئے۔ پس اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "ان کفار کے اعمال کی مثال" یعنی ان کے اعمال کی مثال قیامت کے دن کہ یہ لوگ اعمال کے بہت زیادہ محتاج ہوں گے اور سمجھ رہے ہوں گے کہ اب بھی ہماری بھلائیوں کا بدلہ ہمیں ملے گا۔ لیکن کچھ نہیں پائیں گے مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔ حسرت سے منہ تکنے لگیں گے جیسے تیز آندھی والے دن ہوا راکھ کو اڑا کر ذرہ ذرہ کر دے۔ اس طرح ان کے اعمال بھی اکارت (برباد) ہو گئے تو جیسے اس بکھری اور اڑی ہوئی راکھ کا جمع ہونا محال ہے ایسے ہی ان کے اعمال کا بدلہ محال و ممتنع ہے۔

کفار و مشرکین جو اعمال صالحہ کرتے ہیں: جیسے صدقہ و خیرات، صلہ رحمی اور برالوالدین وغیرہ تو وہ سب کے سب بسبب کفر و شرک کے تباہ و برباد ہو کر رہ جائیں گے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں ایک وجہ اس طرح لکھتے ہیں:

① سورۃ ابراهيم، آية رقم ۱۸

② تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲۷



الوجه الأول: أن المراد منها ماعملوه من أعمال البر كالصدقة وصلة الرحم وبر الوالدين وإطعام الجائع وذلک لأنها تصير محبطة باطلة بسبب كفر ولولا كفرهم لانتفعوا بها .①

پہلی وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ اعمال خیر ہیں جو انہوں نے کیئے، جیسے صدقہ وخیرات، صلہ رحمی، والدین کے ساتھ نیک برتاؤ اور بھوکے کو کھانا کھلانا وغیرہ تو یہ سب کے سب ان کے کفر کے سبب ضائع و برباد ہو جائیں گے اگر ان کا کفر نہ ہوتا تو ان کے اعمال انہیں فائدہ دیتے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے اعمال کی یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ راکھ کی مانند ہیں جس پر تیز اور سخت ہوا چل جائے اور پھر اس راکھ کا ذرہ ذرہ ہوا میں منتشر ہو جائے۔ اب اگر کوئی اس راکھ کو جمع کر کے اس سے کام لینا چاہے تو کیا اس بکھری ہوئی راکھ کا جمع ہونا ممکن ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ اس بکھری ہوئی راکھ کا جمع ہونا محال ہے۔ تو جس طرح اس تند و تیز اور سخت ہوا میں اس بکھری اور اُڑی ہوئی راکھ کا جمع ہونا محال اور ناممکن ہے تو اسی طرح کفار و مشرکین کے اعمال کا بدلہ محال و ممتنع ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے اعمال اگرچہ بظاہر اچھے بھی ہوں لیکن بسبب کفر و شرک کے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہیں بلکہ سب ضائع اور بے کار ہو کر رہ جائیں گے۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال

اللہ تعالیٰ نے توحید کی مثال کھجور کے درخت اور شرک کی مثال حنظل (اندرائن) سے دی ہے۔ کھجور کا درخت بہت مضبوط اور محکم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی جڑیں زمین کی گہرائی میں جا کر دور دور تک پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ جب کہ اس کی شاخیں بلندی کی طرف جارہی ہوتی ہیں۔ اور یہ درخت ہر فصل میں خوب پھل دیتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس حنظل کا درخت جس کی جڑیں مضبوط اور محکم نہیں ہوتیں بلکہ ایک ہی جھٹکے سے اسے زمین کے اوپر ہی اوپر سے اُکھیڑ لیا جاتا ہے۔ یعنی اس کے لئے کوئی ثبات نہیں ہے اور اس کا پھل بھی کڑوا اور ناقابل استعمال ہوتا ہے۔ اس مثال کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ②

(اے پیغمبر!) تو نے اس پر خیال نہیں کیا؟ اللہ نے کلمۂ طیبہ (اچھی بات) کی مثال کیسی بیان کی، ایک پاکیزہ درخت کی سی جس کی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان میں (یعنی اوپر کی طرف) جو اپنے مالک کے حکم سے ہر موسم میں پھل دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ لوگوں سے مثالیں اس لیے بیان کرتا ہے کہ وہ سوچیں سمجھیں۔ اور کلمۂ خبیثہ (ناپاک گندی بات شرک اور کفر

---

① مفاتیح الغیب ج۱۹ ص ۱۰۷
② سورۃ ابراھیم رقم الآیۃ ۲۴-۲۶



کی) مثال اس پلید درخت کی سی ہے جو زمین کے اوپر ہی اوپر سے اُکھیڑ لیا جاتا ہے۔اس کا جماؤ ہی نہیں۔

کلمہ طیبہ کی تفسیر میں مفسرینِ قرآن کے اقوال بیان کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال علی بن أبی طلحة عن ابن عباس فی قوله: مثلاً كلمةً طيبةً، شهادة أن لا إلـه إلا الله، كشجرة طيبة، هو المؤمن أصلها ثابت يقول لا إله إلا الله فی قلب المؤمن وفرعها فی السماء، يقول يرفع بها عمل المؤمن إلى السماء وهكذا قال الضحاک وسعيد بن جبير وعكرمة ومجاهد وغير واحد، إن ذلک عبارة عن عمل المؤمن و قوله الطيب وعمله الصالح وإن المؤمن كشجرة من النخل لايزال يرفع له عمل صالح فی كل حين ووقت وصباحٍ ومساءٍ.①

سیدنا علی بن اَبی طلحہؒ ''کلمة طيبة'' کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ کلمہ طیبہ سے مراد لا الٰہ الا اللہ کی شہادت ہے۔ پاکیزہ درخت سے مراد مؤمن ہے۔اس کی جڑ مضبوط ہے یعنی مؤمن کے دل میں لا الٰہ الا اللہ جما ہوا ہے۔اس کی شاخ آسمان میں ہے۔یعنی اس توحید کے کلمے کی وجہ سے اس کے اعمال آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ اور بہت سے مفسرین (ضحاک،سعید ابن جبیر،عکرمہ اور مجاہد وغیرہ) سے یہی مروی ہے کہ مراد اس سے مؤمن کے اعمال ہیں یعنی اس کے پاک اقوال اور نیک کام۔مؤمن کھجور کے درخت کی طرح ہے ہر وقت ہر صبح وشام اس کے اعمال آسمان پر چڑھتے ہیں۔

اور ''كلمة خبيثة'' کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وقوله تعالىٰ: ومثل كلمةٍ خبيثةٍ كشجرةٍ خبيثةٍ هذا مثل الكافر لا أصل لـه ولاثبات مشبه بشجرة الحنظل ويقال لها الشريان.②

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ''گندے کلمہ کی مثال گندے درخت کی طرح ہے''میں کافر کی مثال بیان کی گئی ہے، کہ جس کی کوئی اصل نہیں اور نہ مضبوطی ہے۔ اس کی مثال حنظل (اندرائن) کے درخت سے دی جسے شریان بھی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ توحید وایمان اور شرک وکفر کے نتائج وثمرات بیان کرتے ہوئے دو درختوں کے ساتھ ایک بہترین انداز میں ان کی مثال بیان فرماتا ہے:

توحید وایمان کی تعبیر اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ اور شرک وکفر کی تعبیر کلمہ خبیثہ سے فرمائی ہے۔توحید وایمان کی مثال کھجور کے درخت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ جس طرح کھجور کے درخت کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں اوپر اونچائی میں جارہی ہیں اور وہ

---

① تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۳۰
② تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۳۰

اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر فصل میں (یعنی جب اس کی فصل آ جائے) اپنا پھل دیتا ہے۔ اسی طرح کلمہ توحید یعنی "لا الٰہ الا اللہ" کی ایک جڑ ہے۔ یعنی اعتقاد راسخ جو مؤمن کے قلب میں مستحکم رہتا ہے۔ اور پھر اس کی شاخیں ہیں یعنی اعمال صالحہ جو کہ ایمان پر مرتب ہوتے ہیں۔ یہ تو ہوئی توحید و ایمان کی مثال جس کی تعبیر کلمہ طیبہ سے کی گئی ہے اور اس کے مقابلے میں شرک و کفر کی مثال ہے جس کی تعبیر "كلمة خبيثة" سے کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "كلمة خبيثة" (شرک و کفر) کی مثال درخت اندرائن (حنظل) سے دی ہے جو کہ زمین کے اوپر ہی اوپر سے اُکھیڑ دیا جائے اور اس کو زمین میں کوئی ثبات نہ ہو۔ کلمہ کفر و شرک کی صفت جو "خبیثہ" لائی گئی ہے یہ توحید و ایمان والے "کلمہ طیبہ" کے مقابل ہوئی اور "اجتثت من فوق الأرض" کہ جس کا مطلب یہ ہے کہ جڑ اس کی زمین کے اندر دور تک نہیں ہوتی اوپر ہی رکھی ہوئی ہوتی ہے۔ جس بناء پر اسے اکھیڑنا آسان ہوتا ہے۔ یہ " أَصْلُهَا ثَابِتٌ " (جڑ اس کی ثابت ہے) کے مقابلہ میں فرمایا گیا ہے اور "مالها من قرار" (اسے کوئی ثبات نہیں) اس کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔

مطلب یہ کہ جس طرح درخت حنظل کی جڑ مضبوط نہ ہونے کی وجہ سے زمین میں اس کو کوئی قرار نہیں ہوتا۔ اسی طرح کافر و مشرک کو بسبب کفر و شرک کے اپنے نیک کاموں اور اعمال صالحہ سے کوئی فائدہ نہیں ملتا۔

کفار و مشرکین کے اعمال چٹیل میدان میں سراب اور گھرے سمندر کی تہ کے اندھیروں کی مثل ہیں

کفار و مشرکین کے اعمال سراب (تودہ) کی مانند ہیں۔ جسے پیاسا شخص چٹیل میدان میں دور سے پانی سمجھ کر تیزی سے اس کی طرف دوڑتا ہے۔ لیکن اسے مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح کفار و مشرکین کو بھی اپنے اعمال سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ ①

اور کافروں کے (نیک) اعمال (جیسے خیرات وغیرہ) اس چمکتی ریت کی طرح ہیں جو چٹیل میدان میں ہو، پیاسا (جنگل میں دور سے) اس کو پانی سمجھتا ہے، جب اسکے پاس آتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا۔ اور وہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے وہ اُس کا حساب پورا چکا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ یا (ان کے اعمال) گہرے سمندر کے اندر اندھیروں کی طرح ہیں جس کو ایک موج نے ڈھانک رکھا ہے اس کے اوپر

① سورة النور آية رقم ۳۹-۴۰



ایک اور موج ہے اس کے اوپر بادل ہے (غرض) کئی اندھیرے ہیں ایک کے اوپر ایک اگر کوئی اپنا ہاتھ نکالے (تو اس قدر اندھیرا ہے کہ) اس کو دیکھ نہ سکے اور جس کو اللہ (اپنی ہدایت کی) روشنی نہ دے اس کو روشنی کہاں سے ملے گی۔

مذکورہ آیتوں کی دونوں مثالوں کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فأما الأول من هذين المثلين فهو للكفار الدعاة إلى كفرهم الذين يحسبون أنهم على شيء من الأعمال والاعتقادات وليسوا في نفس الأمر على شيء، فمثلهم في ذلك كالسراب الذي يرى في القيعان من الأرض عن بُعدٍ كأنه بحر طام، والقيعة جمع قاع كجارٍ وجيرةٍ، والقاع أيضاً واحد القيعان كما يقال: جارٍ وجيران وهي الأرض المستوية المتسعة المنبسطة وفيه يكون السراب، وإنما يكون ذلك بعد نصف النهار، وأما الأول فإنما يكون أول النهار يرى كأنه ماءٌ بين السماء والأرض فإذا رأى السراب من هو محتاج إلى الماء يحسبه ماءً قصده ليشرب منه فلما انتهى إليه، لم يجده شيئاً فكذلك الكافر يحسب أنه قد عمل عملاً وأنه قد حصل شيئاً فإذا وافى الله يوم القيامة وحاسبه عليها ونوقش على أفعاله لم يجد له شيئاً بالكلية قد قيل إما لعدم الإخلاص أو لعدم سلوك الشرع كما قال تعالى: وقدمنا إلى ما عملوا من عملٍ فجعلنا هبآءً منشورا وقال ههنا

پس ان دونوں مثالوں میں سے پہلی مثال تو ان کافروں کی ہے جو کفر کی طرف دوسروں کو بھی بلاتے ہیں اور اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں حالانکہ وہ محض بے راہ ہیں۔ ان کی مثال تو ایسی ہے جیسے پیاسے کو جنگل میں دور سے ریت چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور وہ اسے پانی کا مواج دریا سمجھ بیٹھتا ہے۔ قِیۡعَۃ جمع ہے قَاعٌ کی جیسے جارٌ کی جمع ہے جِیۡرَۃٌ اور قاعٌ واحد بھی ہوتا ہے اور جمع قیعان ہوتی ہے جیسے جارٌ کی جمع جیران ہے۔ اس کے معنی چٹیل وسیع پھیلے ہوئے میدان کے ہیں۔ ایسے ہی میدانوں میں دوپہر کے وقت سراب نظر آیا کرتے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کا وسیع دریا لہریں لے رہا ہے جنگل میں جو پیاسا ہو پانی کی تلاش میں اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور اسے پانی سمجھ کر جان توڑ کوشش کر کے وہاں تک پہنچتا ہے لیکن حیرت وحسرت سے اپنا منہ پیٹ لیتا ہے جب دیکھتا ہے کہ وہاں پانی کا نام ونشان بھی نہیں۔ اسی طرح یہ کفار کہ اپنے دل میں سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ اعمال کیے ہیں بہت سی بھلائیاں جمع کر لی ہیں لیکن قیامت والے دن دیکھیں گے کہ ایک نیکی بھی ان کے پاس نہیں یا تو ان کی بدنیتی (عدم اخلاص) سے غارت ہو چکی ہیں یا مطابق شرع نہ ہونے

ووجد الله عنده فوفاه حسابه والله سريع الحساب وهكذا روى عن أبي بن كعب وابن عباس ومجاهد وقتادة وغير واحد وفي الصحيحين أنه يقال يوم القيامة لليهود: ما كنتم تعبدون؟ فيقولون: كنا نعبد عزير ابن الله، فيقال: كذبتم ما اتخذ الله من ولد، ماذا تبغون؟ فيقولون يارب عطشنا فاسقنا وفيقال ألا تردون؟ فتمثل لهم النار كأنها سراب يحطم بعضها بعضا فينطلقون فيتهافتون فيها. وهذا المثال مثال لذوى الجهل المركب. فأما أصحاب الجهل البسيط وهم الطماطم الأغشام المقلدون لأئمة الكفر الصم البكم الذين لايعقلون. فمثلهم كما قال تعالىٰ أو كظلماتٍ في بحر لجي قال قتادة لجي، هو العميق، يغشاه موج من فوقه موج من فوقه سحاب ظلمات بعضها فوق بعض إذا أخرج يده لم يكد يراها، أي لم يقارب رؤيتها من شدة الظلام فهذا مثل قلب الكافر الجاهل البسيط المقلد الذى لا يدرى أين يذهب ولا هو يعرف حال من يقوده بل كما يقال في المثل للجاهل أين تذهب؟ قال معهم قيل فإلى أين يذهبون؟ قال: لا أدرى .①

کی وجہ سے وہ برباد ہوگئی ہیں۔غرض ان کے یہاں پہنچنے سے پہلے ان کے کام جہنم رسید ہو چکے ہیں یہاں یہ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے ہیں۔حساب وکتاب کے موقع پر اللہ تعالیٰ خود موجود ہے۔اور وہ ایک ایک عمل کا حساب لے رہا ہے۔اور کوئی عمل قابل ثواب نہیں ملتا۔چنانچہ صحیحین میں ہے کہ یہودیوں سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے رہے؟ وہ جواب دیں گے کہ اللہ کے بیٹے عزیر کی۔کہا جائے گا: کہ تم جھوٹ بولتے ہو اللہ کا کوئی بیٹا نہیں۔اچھا بتلاؤ اب کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے اے اللہ ہم بہت پیاسے ہیں پانی پلوایا جائے تو ان سے کہا جائے گا کہ دیکھو وہ کیا نظر آرہا ہے؟ تم وہاں کیوں نہیں جاتے؟ اب انہیں دور سے جہنم ایسی نظر آئے گی جیسے دنیا میں سراب ہوتا ہے جس پر جاری پانی ہوتا ہے یہ وہاں جائیں گے اور جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے یہ مثال تو تھی جہل مرکب والوں کی۔

اب جہل بسیط والوں کی مثال سنئے، جو کورے مقلد تھے۔اپنی گرہ میں عقل مطلق نہیں رکھتے تھے۔بلکہ ائمہ کفر کی کوری تقلید کرتے تھے اور آنکھیں بند کئے ان کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ان کی مثال گہرے سمندر کی تہہ میں موجود اندھیروں جیسی ہے۔جسے اوپر سے تہہ بہ تہہ موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو اور پھر اوپر سے بادل ڈھانکے ہوئے ہوں یعنی اندھیروں پر اندھیرے ہوں یہاں تک کہ ہاتھ کو ہاتھ بھی دکھائی نہ دیتا ہو یہی حال ان جاہل کافروں کا ہے کہ نرے مقلد ہیں یہاں تک

① تفسير ابن كثير ج٣ ص ٢٩٦



کہ جس کی تقلید کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اسے بھی صحیح طور پر نہیں پہچانتے اس کا بھی حق یا ناحق پر ہونا انہیں معلوم نہیں کون ہے جس کے پیچھے ہو لیے اور نہیں معلوم کہ وہ انہیں کہاں لے جا رہا ہے؟ چنانچہ مثلاً کہا جاتا ہے کہ کسی جاہل سے پوچھا گیا کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا ان کے ساتھ جا رہا ہوں پوچھنے والے نے پوچھا کہ یہ کہاں جا رہے ہیں؟ اس نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔

مذکورہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے کفار کی مثال دو مختلف چیزوں کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ ایک وہ جو کفر کے داعی ہیں دوسرے وہ جو داعیان کفر کے اشارہ پر چلنے والے ہیں۔ اب ہم ہر ایک کی الگ الگ تشریح کرتے ہیں۔

الف: دعاۃ الکفر کی مثال:

اللہ تعالیٰ دعاۃ الکفر (کفر کی طرف دعوت دینے والوں) کی تشبیہ و مثال سراب کے ساتھ نہایت بلیغ اور حیرت انگیز انداز میں دیتا ہے اور وجہ تشبیہ اس کی یہ ہے کہ کافر و مشرک کے اعمال اگرچہ اچھے ہوں جیسے نماز، زکوٰۃ، حج، صدقات وغیرہ تو بسبب کفر وشرک کے ان اعمال پر اُسے ثواب نہیں ملے گا باوجود اس کے کہ وہ ان اعمال پر ثواب ملنے کا اعتقاد اور امید رکھتا تھا اور اگر اس کافر و مشرک کے اعمال برے ہوں تو ان پر اسے عذاب ملے گا۔ مطلب یہ ہے کہ کافر و مشرک کے اعمال اچھے ہوں یا برے سب کے سب تباہ و برباد ہو کر رہ جائیں گے۔ اور قیامت کے دن اسے بجائے ثواب کے گناہ اور بجائے جنت کے جہنم ملے گی۔ جن کی وجہ سے اس کی حسرت و افسوس بڑھ جائے گا اور اس کا غم و غصہ اپنے انتہاء کو پہنچے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا ①

اور انہوں نے (دنیا میں) جو (نیک) کام کیے تھے ان پر ہم متوجہ ہوں گے اور ان کو اڑتی خاک کی طرح کر دیں گے۔

تو کافر و مشرک کی مثال اس پیاسے کی طرح ہے جس کو پانی کی سخت احتیاج ہو اور وہ جب دور سے سراب (تودہ) کو کسی چٹیل میدان میں مشاہدہ کر کے دیکھ لیتا ہے۔ تو اس کو پانی سمجھ کر اس کا دل اس سراب کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے اور اس سراب کو اپنی نجات کا سبب سمجھ کر اس کی طرف دوڑنے لگتا ہے اور جب اس سراب کے پاس پہنچتا ہے تو وہاں پانی نہ پا کر اپنی طمع و امید سے محروم ہو جاتا ہے، جسے وہ اپنی نجات کا سبب سمجھتا تھا۔ تو جس طرح اس پیاسے نے سراب کو دیکھ کر پانی کا طمع لیکر اس کے پاس پہنچ کر

① سورة الفرقان آية رقم ٢٣



حسرت وافسوس اٹھایا تو اسی طرح کافر ومشرک اچھے اعمال لیکر ثواب کی نیت سے میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ کر حسرت و افسوس اٹھائے گا یعنی بجائے ثواب کے گناہ اور بجائے جنت کے جہنم ملے گی۔ جو کہ اس کافر ومشرک کے لئے دائمی وسرمدی خسران اور تباہی وبربادی ہوگی۔ یہ تو ہوئی دعاۃ الکفر کی مثال جن کی تفسیر امام ابن کثیر نے "ذوی الجهل المركب" سے کی ہے۔

ب:۔ کفار مقلدین کی مثال:

اب اللہ تعالیٰ ان کفار کی مثال بیان فرماتا ہے جو کہ دوسرے داعیان کفر کی تقلید کرتے ہیں اور خود کچھ بھی نہیں جانتے۔ جن کی تعبیر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے "المقلدون لائمة الكفر" یعنی کفر کے رؤساء اور سرداروں کی باتوں پر بغیر کسی سوچ وفکر کے لبیک کرنے والے) سے کی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ ان ائمۃ الکفر کے مقلدین کی مثال ایک نہایت عمیق اور گہرے سمندر کے ساتھ دیتا ہے کہ دریا بہت گہرا اور کثرتِ پانی کی وجہ سے نہایت تاریک ہو۔ اور پھر اس دریا کے پانی کے اوپر امواج چڑھی ہوئی ہوں تو ظلمات وتاریکی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور پھر جب ان امواج کے اوپر سیاہ بادل چھایا ہوا ہو تو یہ اندھیرا اور تاریکی اپنی انتہاء درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

تو اب فرض کرو کہ اگر کوئی شخص اس دریا کی اس گہرائی میں موجود ہو جو زمین سے ملتی ہو تو کیا وہ شخص اتنی ظلمات وتاریکیوں میں کسی چیز کا مشاہدہ کرسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں اور چونکہ عادۃً اور فطرۃً انسان کا ہاتھ اقرب اور نزدیک ترین عضو ہے کہ جسے انسان آسانی سے دیکھ سکتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کا ذکر فرمایا:

إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا ①

کہ یہ شخص اس طرح کی تاریکیوں کے اندر اگر اپنا ہاتھ (جو کہ مرئی ہونے کے اعتبار سے اقرب ترین عضو ہے) اپنی آنکھوں کے سامنے لاکر کھڑا کردے تو پھر بھی اسے نہیں دیکھ سکے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کفار مقلدین کی مثال اس شخص کے ساتھ دی ہے جو کہ سمندر کی امواج اور سیاہ بادلوں کی ظلمات و تاریکیوں میں موجود ہے تو جس طرح کہ یہ شخص دریا کی اتنی ظلمات وتاریکیوں کی وجہ سے اپنے ہاتھ کو اپنی آنکھوں کے سامنے لاکر کے بھی نہیں دیکھ سکتا تو اسی طرح کفارِ مقلدین کفر وشرک کی مختلف اقسام کی ظلمات وتاریکیوں کی وجہ سے بھی حق کو پہچان کر اس کی اتباع نہیں کرپاتے کیونکہ اس کافر ومشرک کے سامنے کہیں تو کفر وشرک کی ظلمات وتاریکیاں ہیں کہیں بدعات وخرافات کی چھاؤنیاں ہیں اور کہیں پر آباء واجداد کی اندھی تقلید ہے تو وہ ان مختلف اقسام کی بدبودار اور گندی نالیوں میں گرا ہوا ہے چنانچہ وہ

① سورة النور آية رقم ٤٠

جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے ائمۃ الکفر کے اشاروں پر چلتا ہے۔ مثلاً دعاۃ الکفر میں سے کوئی اسے کہتا ہے جاؤ داتا دربار پر حاضری دو اس کی قبر کو سجدہ کرو اور اس سے مانگو تمہاری مشکل حل ہو جائے گی، تو یہ عقیدے کا گندہ آدمی اس داعی شرک کے کہنے پر لبیک کر کے علی ہجویری کے دربار کے آستانے کے سامنے اپنا دامن پھیلا کر سجدہ شروع کر دیتا ہے۔ اور پھر جب اس دربار سے کچھ نہ بن پڑا تو کوئی دوسرا داعی کفر اس کو کہتا ہے کہ سیہون والے کی مٹی تریاق مجرب ہے ادھر جاؤ اپنی مشکل اس کے سامنے پیش کرو تو دوسرے دن دیکھو کہ یہ سیہون والے کی درگاہ کی چوکھٹ کے سامنے سجدہ ورکوع میں مصروف ہو کر اس کی قبر کی مٹی چاٹتا ہے تو کوئی تیسرا کہتا ہے کہ جاؤ بغداد والے کو پکارو تو یہ اپنا رخ بغداد کی طرف پھیر کر یا غوث یا غوث کہہ کر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو پکارتا ہے اور کوئی اس کو کہتا ہے کہ جاؤ سیدوں، پیروں اور بزرگوں سے تعویذ لے لو تمہارا رزق کھل جائے گا اگر بچے نہیں ہوتے تو ہو جائیں گے اور بیماریاں ٹل جائیں گی۔ بس تو یہ بیچارہ عقیدے کا گندہ شرکیہ تعویذات لینا شروع کر دیتا ہے۔ اب ذرا جھانک کر دیکھو تو اس کی گردن میں تعویذات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ کچھ بازو پر باندھے ہوئے ہیں اور کہیں دیکھو تو کمر پر تعویذات کی لائینیں لگی ہوئی ہیں اور اگر کسی مسلمان ملا اور مولوی کے تعویذوں سے کچھ نہ بن پڑے تو کسی غیر مذہب والے مثلاً ہندو، ذکری وغیرہ کے پیشواؤں کے پاس جا کر ان سے تعویذات لینا شروع کر دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دن، رات انہی کفر و شرک، بدعات و خرافات اور آبائی تقالید و رسوم کی ظلمات و تاریکیوں کے اندر اتنا مدغم و منہمک ہو کر باطل کا دلدادہ ہو چکا ہے کہ حق اور باطل کے فرق و امتیاز اس کے سامنے کتنی ہی وضاحت کے ساتھ بیان کیے جائیں پھر بھی حق اس کو باطل اور باطل حق نظر آتا ہے۔



چھٹا باب
فتنۂ قبور کے بیان میں

اس کتاب کا اصل موضوع درحقیقت یہی باب ہے کیونکہ یہ کتاب اصل میں قبر پرستی ہی کے خلاف لکھی گئی ہے۔ جو کہ شرک کی اصل بنیاد ہے۔ اور اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ بت پرستی بزرگوں کی قبروں کی پوجا پاٹ سے شروع ہوئی اور چونکہ فتنۂ قبور ہی کا یہ باب کتاب کا اصل موضوع ہے۔ اس لئے فتنۂ قبور کے سارے شعبہ جات پر قدرے تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ باب اس کتاب کے سارے ابواب میں سے سب سے زیادہ طویل ہے۔ یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے پہلی فصل مسئلہ شد الرحال کے بارے میں ہے اور دوسری فصل فتنۂ قبور کے دوسرے مختلف شعبہ جات کے متعلق ہے۔

فصل اول
مسئلہ شد الرحال

آج کل ایک بڑا فتنہ قبروں اور مقامات معظمہ (بزعم عباد قبور) کیلئے سفر کرنے کا ہے۔ جس کو شد الرحال کہا جاتا ہے۔ اور یہ فتنہ آج کل بہت عام ہو چکا ہے۔ عوام سے لے کر خواص تک جہلاء سے لے کر علماء تک سب اس کی لپیٹ میں آ چکے ہیں۔ اور معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ جن بزرگانِ دین کی قبور، قبے اور مزارات بیرون ممالک میں ہیں ان کے سفرِ زیارت کے لئے پاسپورٹ بن رہے ہیں ویزے جاری کیے جا رہے ہیں کوئی پا بہ رکاب ہے اور کوئی انتظار میں ہے ہزاروں میل دور دراز کے سفر طے کرتے ہوئے لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر کے لوگ قبروں اور مزارات کی زیارت کیلئے جاتے ہیں اور اس عمل کو افضل ترین عبادت سمجھتے ہیں اور یہ سوچتے بھی نہیں کہ جس چیز کو ہم اجر و ثواب کا باعث سمجھتے ہیں تو کیا شریعت اسلامیہ میں اس کا کوئی ثبوت ملتا بھی ہے؟ اور کیا ہم شرع محمدی کی اتباع کر رہے ہیں یا سابقہ امتوں کی؟ اصل بات یہ ہے کہ پہلی امتوں کے لوگ اپنے نبیوں، ولیوں اور بزرگوں جیسے سیدنا عزیر علیہ السلام کی قبر، لوقا، یوحنا و مرقص وغیرہ کی قبور اور کوہِ طور اور دیگر مقدس مقامات کی زیارت کیلئے دور دراز سے سفر کر کے جاتے تھے اور پھر وہاں جا کر ان برگزیدہ بندوں کی قبروں کی مختلف طریقوں سے پوجا پاٹ کر کے شرک میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو جاتے تھے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سختی کے ساتھ منع کر دیا کہ مسلمان، نبیوں، ولیوں، بزرگوں کی قبور، قبوں اور گنبدوں اور دوسرے مقامات معظمہ کی زیارت کیلئے ہرگز سفر کر کے نہ جائیں۔



مساجد ثلاثہ کے سوا کسی بھی مکان کے لئے شد الرحال جائز نہیں ہے۔

تو شد الرحال کی وجہ سے امم سابقین میں جو شرک و بدعات آ چکے تھے ان کے اسباب کو سامنے رکھتے ہوئے جن مقدس مقامات کے لئے حصول اجر وثواب اور تبرک حاصل کرنے کی غرض سے سفر کرنا جائز تھا رسول اللہ ﷺ نے صاف اور واضح الفاظ میں ان کی تعیین ونشاندہی کردی ہے، چنانچہ فرمایا:

عن عبدالملک سمعت قزعة مولیٰ زیاد قال سمعت أبا سعید الخدری ؓ یحدث بأربع عن النبی ﷺ ......ولاتشدالرحال إلا إلی ثلاثة مساجد مسجد الحرام ومسجد الاقصیٰ ومسجدی.① (صحیح بخاری ومسلم)

ترجمہ: عبدالملک فرماتے ہیں: میں نے قزعۃ مولیٰ زیاد سے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے ابوسعید خدری سے سنا ہے وہ نبی ﷺ سے چار باتیں بیان کرتے ہیں ان میں سے ایک بات یہ کہ...... نہ رخت سفر باندھا جائے مگر تین مساجد کی طرف مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد۔

ابوسعید الخدری کی حدیث مختلف طرق سے مروی ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

صحیح متواتر ورد عن جماعة من الصحابة منهم أبوهریرة وأبوسعید الخدری وأبوبصرة الغفاری وعبدالله بن عمر وعبدالله بن عمرو وأبی الجعد الضمری وعلی.②

ترجمہ: یہ حدیث صحیح اور متواتر ہے کئی صحابہ سے مروی ہے، ان میں سے ابوھریرہ، ابوسعید الخدری، ابوبصرہ الغفاری، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، ابوالجعد الضمری اور علی ؓ ہیں۔

ابوسعید خدری والی حدیث مختلف طرق سے مروی ہے، چنانچہ علامہ البانی مزید فرماتے ہیں:

وأما حدیث أبی سعید فله عنه أربع طرق: الأولیٰ عن قزعة عنه بلفظ حدیث أبی هریرة الأول أخرجه البخاری (۱/۳۰۱،۴۶۶) ومسلم (۴/۱۰۲) ③

ترجمہ: حدیث ابوسعید الخدری، ابوسعید الخدری سے چار طرق سے مروی ہے، پہلا طریق قزعہ کا ہے، اس طریق کے الفاظ حدیث ابوھریرہ والے ہیں، اور یہ طریق بخاری ومسلم میں موجود ہے۔

حدیث مذکور سے صاف معلوم ہوا کہ ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی بھی معزز جگہ اور مقدس مکان کیلئے سواری کا انتظام کر کے جانا جائز نہیں خواہ وہ معزز جگہیں اور مقامات معظمہ قبور انبیاء واولیاء ہوں یا بقعہ مبارکہ اور کوہ طور وغیرہ ہوں۔ کیونکہ حدیث مذکور میں استثناء مفرغ ہے یعنی مستثنیٰ منہ محذوف ہے اور استثناء مفرغ میں جب مستثنیٰ منہ محذوف نکالا جائے گا تو یہ ضرور ملحوظ ہو کہ مستثنیٰ منہ کو مستثنیٰ سے کچھ نہ کچھ مناسبت ضرور ہونی چاہیئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں حدیث میں مستثنیٰ کون ہے اور استثناء کی بنیاد کس پر ہے؟

---

① رواه البخاری، کتاب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة باب بیت المقدس واللفظ له/ مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلی حج وغیره / الترمذی، کتاب مواقیت الصلاة، باب ماجاء فی أی المساجد أفضل/شرح السنة کتاب الصلاة باب فضل الصلاة فی المسجد الحرام ومسجد المدینه والاقصیٰ ۴۵۰/مسند ابی یعلیٰ، الرقم: ۱۱۶۸، مسند ابی سعید الخدری

② ارواء الغلیل ۳/۲۲۶ ③ ارواء الغلیل ۳/۲۲۹

سو معلوم ہونا چاہیئے کہ مستثنیٰ یہاں پر مساجد ثلاثہ ہیں جیسا کہ عبارت سے صاف واضح ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس استثناء کی وجہ کیا ہے؟ سو معلوم ہونا چاہیئے کہ استثناء کی وجہ فضل و تقدس ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ مساجد ثلاثہ، دنیا کی ساری جگہوں میں سے سب سے زیادہ افضل، مقدس اور مطہر ہیں اور دنیا کا کوئی بھی موضع و مکان ایسا نہیں جو کہ فضل و تقدس میں ان مساجد ثلاثہ کے برابر و مساوی ہو، چاہے وہ مسجد و محراب کی صورت میں ہو یا قبر و قبہ کی شکل میں ہو یا شجر و حجر کی صورت میں ہو۔ اس لئے تقدیر عبارت مستثنیٰ منہ محذوف نکالنے کی صورت میں یوں ہوگی۔

لاتشد الرحال إلیٰ أی موضع معظم أومکان مقدس إلا إلی ثلا ثة مساجد.

ترجمہ: نہ کسے جائیں کجاوے کسی بھی معظم جگہ یا مقدس مکان کی طرف مگر تین مساجد کی طرف۔

تو اب اس صورت میں مستثنیٰ منہ کو مستثنیٰ سے دو طرح سے مناسبت ہوگی۔

الف۔ ایک فضل و درجہ میں جو کہ دونوں میں پایا جاتا ہے ہاں البتہ یہ الگ بات ہے کہ وہ فضل و تقدس اور درجہ و منزلت جو مستثنیٰ میں موجود ہے تو مستثنیٰ منہ کا فضل و تقدس اس کے برابر و مساوی نہیں بن سکتا۔

ب۔ دوسری مناسبت نفس مکان ہونے میں کہ جیسے مستثنیٰ اماکن ہیں مستثنیٰ منہ بھی اماکن ہیں۔ باقی جو حضرات قبور اولیاء و صالحین کی زیارت کے لئے سفر کو جائز سمجھتے ہیں تو وہ حدیث مذکور کو مساجد کے ساتھ خاص کر کے تقدیر عبارت مستثنیٰ منہ کے محذوف نکالنے کی صورت میں یوں سمجھتے ہیں۔

لا تشد الرحال إلیٰ مسجد إلا الیٰ ثلاثة مساجد

ترجمہ: نہ باندھے جائیں کجاوے کسی مسجد کی طرف سوئے تین مساجد کے۔

مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک مستثنیٰ منہ صرف اور صرف مساجد ہیں۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی دوسری مسجد کیلئے سفر کرنا جائز نہیں۔ باقی رہا قبور اولیاء و صالحین اور دیگر مقامات مقدسہ تو وہ کہتے ہیں کہ ان کا ذکر حدیث مذکور میں نہیں ہے۔ اس لئے ان کے لئے بقصد تبرک اور حصول اجر و ثواب سفر کرنا جائز ہے۔ ان حضرات کے پاس اپنے مدعا کیلئے سوائے چند شبہات کے کوئی خاص دلیل نہیں ہے۔ ہم ان کے ان شبہات پر بعد میں کچھ تبصرہ کریں گے مگر سب سے پہلے حدیث کا وہ مطلب و مفہوم جان لیں جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک علماء سلف و خلف سمجھے ہیں۔ آپ حضرات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ کوہ طور کا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ کوہ طور وہ مقدس پہاڑ ہے کہ جس پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کھڑے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا تھا، کوہ طور وہ متبرک و معزز پہاڑ ہے کہ جس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی آسمانی کتاب تورات سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر اتری کوہ طور وہ معظم پہاڑ ہے کہ جس میں وہ مقدس مکان ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام مقدس میں بقعہ مبارکہ سے تعبیر کر کے یوں ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ①

ترجمہ: جب موسیٰ (علیہ السلام) آگ کے پاس پہنچے تو اس مبارک جگہ میں میدان کے داہنے کنارے ایک درخت سے اس کو آواز آئی اے موسیٰ (علیہ السلام) میں اللہ ہوں سارے جہاں کا مالک۔

① سورۃ القصص رقم الآیۃ: ۳۰



اور سب سے بڑھ کر کوہ طور وہ معزز ومقدس جبل ہے کہ جس پر رب العالمین کی تجلی ہوئی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ① — ترجمہ: پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) کے مالک نے پہاڑ پر تجلی کی تو اس کو چکنا چور کر دیا اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

مگر یہ سب کچھ ہونے کے باوجود سلف صالحین لوگوں کو کوہ طور کے لئے بقصد تبرک اور حصول اجر وثواب کے سفر کر کے جانے سے روکتے تھے اور اپنے اس مدعا کے لئے حدیث مذکور سے استدلال کرتے تھے۔

مسئلہ شد الرحال میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مسلک

اس مسئلہ میں اصحاب رسول اللہ ﷺ کا عقیدہ ونظریہ ظاہر نص کے مطابق تھا کہ وہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی بھی مکان و موضع کے لئے بقصد تبرک اور حصول اجر وثواب کے سفر کر کے جانے کے قائل نہیں تھے۔ اب ہم اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چند حضرات کا عقیدہ اور نظریہ صرف بطور نمونہ کے قارئین کے سامنے پیش کریں گے۔

الف۔ موطا امام مالک، صحیح ابن حبان اور مسند احمد وغیرہ میں سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت آئی ہے کہ جس میں ان کے کوہ طور کے سفر کا ذکر ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں کوہ طور کے سفر سے واپس آیا تو بصرۃ بن ابی بصرۃ غفاری صحابی سے میری ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے کہا کہ کہاں سے آئے ہو تو میں نے کہا کوہ طور سے جب میں نے کوہ طور کا نام لیا تو سیدنا بصرۃ بن اَبی بصرۃ نے شد الرحال والی حدیث پڑھ کر مجھے یوں تنبیہ کی کہ اگر آپ کے سفر کوہ طور سے پہلے مجھے علم ہو جاتا تو میں آپ کو ہرگز کوہ طور کا سفر کرنے کے لئے نہ جانے دیتا۔ اور پھر جب سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کو سیدنا بصرۃ بن ابی بصرۃ رضی اللہ عنہ سے حدیث شد الرحال کا علم ہوا تو انہوں نے سیدنا بصرۃ بن اَبی بصرۃ رضی اللہ عنہ کی موافقت کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی۔ تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصحاب رسول ﷺ حدیث شد الرحال کو اپنے عموم پر محمول کرتے تھے اور صرف مساجد کے ساتھ خاص نہیں کرتے تھے۔

اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات بُصرۃ سے ہوئی یا ان کے والد محترم اَبو بصرۃ سے۔ بعض روایات میں بصرۃ کا لفظ آیا ہے جیسے مؤطا وصحیح ابن حبان وغیرہ۔ اور بعض روایات میں اَبو بصرۃ کا لفظ آیا ہے جیسے مسند احمد وغیرہ میں، آدمی خواہ کوئی بھی ہو سند صحیح ہے اس لئے دونوں ہو سکتے ہیں کیونکہ باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں مگر چونکہ اکثر کتب احادیث میں بصرۃ بن اَبی بصرۃ آیا ہے اس لیے ہم نے متن میں اس کو ذکر کیا۔ مگر اختلاف ضرور ہے اسی لیے بعض ائمہ حدیث نے اَبو بصرۃ کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ علامہ زرقانی رحمہ اللہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کی تحقیق اس بارے میں یوں نقل کرتے ہیں:

---

① سورۃ الاعراف: ۱۴۳



قال ابن عبدالبر: لاأعلم أحدًا ساق هذا الحديث أحسن سياقه من يزيد بن الهاد ولا أتم معنى فيه منه إلا أنه قال فيه فلقيت بصرة بن أبى بصرة ولم يتابعه أحد عليه. وإنما المعروف فلقيت أبا بصرة.①

ترجمہ: ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ اس حدیث کو کسی نے یزید بن الهاد سے بہتر لفظ و معنیٰ کے ساتھ بیان کیا ہو، البتہ اس کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: ''میں بصرہ بن ابی بصرہ سے ملا ہوں'' ان الفاظ پر یزید کی کسی نے متابعت نہیں کی، معروف الفاظ یہ ہیں: ''پس میں ابوبصرہ سے ملا''

اور پھر آگے چل کر علامہ زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بفتح الموحدة وسكون الصاد المهملة، صحابى بن صحابى والمحفوظ أن الحديث لوالده أبى بصرة: حُميل بضم الحاء المهملة مصغرا. ②

ترجمہ: ''بصرہ بن ابی بصرہ'' ب کے فتحہ اور صاد کے سکون کے ساتھ ہے، یہ صحابی ابن صحابی ہیں، محفوظ بات یہ ہے کہ یہ حدیث بصرہ کے والد ابوبصرہ کی ہے، (خود بصرہ کی نہیں)

اب ہم اس طویل روایت کا صرف موضع شاہد آپ حضرات کے سامنے پیش کریں گے۔

قال ابوهريرة: فلقيت بصرة بن أبى بصرة الغفارى فقال: من أين أقبلت؟ فقلت: من الطور، فقال: لوأدركتك قبل أن تخرج إليه ماخرجت إليه، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لاتعمل المطىُّ إلا إلى ثلاثة مساجد، إلى المسجد الحرام وإلى مسجدى هذا وإلى مسجد إيليا أوبيت المقدس .③ (صحيح)

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں...... میں نے ابوبصرۃ کے بیٹے بصرۃ سے ملاقات کی تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ تو میں نے کہا کہ کوہ طور سے تو بصرہ نے کہا اگر میں تجھے پہلے ملتا تو تم کوہ طور نہ جاتے (یعنی میں تمہیں روک دیتا) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، سواری (اونٹ وغیرہ) کام میں نہ لائی جائے مگر تین مسجدوں کی طرف: مسجد الحرام، میری یہ مسجد اور ایلیا یا بیت المقدس والی مسجد۔

مذکورہ روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أخرجه مالك (١/١٠٨-١٠٩/١٦) والنسائى (١/٢١٠) بسند صحيح وكذا أحمد (٦/٧)④"

ب۔ اور اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کوہ طور کے سفر کا انکار ثابت ہے اور وہ اس طرح کہ ان کے تلمیذ سیدنا قزعۃ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے کوہ طور کے سفر کا ارادہ کیا، اور پھر جانے سے پہلے میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے حدیث شد الرحال پڑھ کر مجھے اس عزم سے روک دیا۔ اب دیکھ لیں اصل روایت:

---

① شرح الزرقانى على المؤطأج ١ ص ٢٢٢ ② شرح الزرقانى على المؤطا ج ١ ص ٢٢٣.

③ أخرجه الإمام مالك فى المؤطا: كتاب الجمعة، باب ماجاء فى الساعة التى فى يوم الجمعة: ١٠٨/١ والإحسان بترتيب صحيح ابن حبان، كتاب الصلاة باب صلاة الجمعة: ١٩٢/٤ / المسند للإمام أحمد: الرقم: ٢٣٧٣٨ اسناده صحيح / النسائى، كتاب الجمعة باب الساعة التى يستجاب فيها الدعاء يوم الجمعة / وصححه الألبانى أيضاً.

④ إرواء الغليل: ٢٢٨/٣



عن قزعة قال: أردت الخروج إلى الطور فسألت ابن عمر، فقال ابن عمر: أما علمت أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لاتشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد، المسجد الحرام ومسجد النبي صلى الله عليه وسلم والمسجد الأقصى ودع عنك الطور فلا تأته. ① (حسن)

ترجمہ: سیدنا قزعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کوہ طور جانے کا ارادہ کیا تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: کیا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مسجدوں کے علاوہ کجاوے نہ کسے جائیں، وہ مسجد الحرام، مسجد النبوی اور مسجد الأقصیٰ ہیں، تو طور کا خیال چھوڑ دے وہاں نہ جانا۔

حدیث شد الرحال پر بحث کرنے کے بعد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''کتاب الزیارۃ'' میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسلک یوں بیان کرتے ہیں:

والمقصود هنا: أن الصحابة لم يكونوا يستحبون السفر لشيءٍ من زيارات البقاع لاآثار الأنبياء ولا قبورهم ولا مساجدهم إلا المساجد الثلاثة بل إذا فعل بعض الناس شيئاً من ذلك أنكر عليه غيره كما أنكروا على من زار الطور الذي كلم الله عليه موسىٰ عليه السلام، حتى إن غار حراء، الذي كان النبي صلى الله عليه وسلم يتعبد فيه قبل المبعث، لم يزره هو بعد المبعث ولا أحد من أصحابه وكذا الغار المذكور في القرآن. ②

ترجمہ: مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زمین کے ٹکڑوں، آثار انبیاء یا ان کی قبور کی زیارت کو حتیٰ کہ ان کی مساجد کی طرف سفر کو اچھا نہ سمجھتے تھے ماسوائے تین مساجد کے، کوئی آدمی اگر ایسا کرتا تو دوسرے لوگ اس کو منع کر دیتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے کوہ طور کی زیارت کرنے والے کو منع کیا تھا، جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔ اسی طرح ''غارِ حرا'' جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے سے قبل عبادت کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ نبوت ملنے کے بعد نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زیارت کی اور نہ آپ کے صحابہ میں سے کسی نے زیارت کی، ایسے ہی وہ غار (ثور) جس کا قرآن میں ذکر ہے، (اس کی بھی زیارت مشروع نہیں)

مسئلہ شد الرحال میں جمہور علمائے امت کا مسلک

شد الرحال کے مسئلہ میں جمہور علماء امت کا مسلک کئی وجوہ سے ظاہر نص کے مطابق ہے کہ مساجد ثلاثہ کے سوا کسی بھی مکان وموضع کے لئے سفر کر کے جانا جائز نہیں۔ خواہ وہ قبور انبیاء واولیاء ہوں یا دنیا کی دوسری مساجد ہوں یا کوہ طور وغیرہ مقامات مقدسہ ہوں۔

الف۔ ایک یہ کہ حدیث ''لا تشد الرحال'' اعلیٰ اقسام کی صحیح احادیث میں سے ہے۔

ب۔ دوسرا یہ کہ شد الرحال کی دلیل عبارۃ النص ہے جو کہ اقوی اُدلہ میں سے ہے۔

ج۔ تیسرا یہ کہ حدیث ''لا تشد الرحال'' کا کوئی معارض نہیں ہے۔

---

① أخرجه الأزرقي في أخبار مكة، ٦٥/٢، ذكر حد المسجد الحرام وفضله وفضل الصلاة فيه. وصححه الألباني فقال: أخرجه الأزرقي في أخبار مكة (ص: ٣٠٤) باسناد صحيح ورجاله رجال الصحيح، إرواء الغليل ٢٣١/٣.

② الجامع الفريد، كتاب الزيارة ٣٩٠-٣٩١



د۔ چوتھا یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیث "لا تشد الرحال" پر عمل کیا ہے، جو کہ امت محمدیہ کے افضل ترین افراد ہیں۔

اب اس پر علمائے کرام کے اقوال ملاحظہ فرمائیں چنانچہ اس پہ امام ابوعبداللہ بن بطہ رحمہ اللہ نے امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ اب ہم ابن بطہ رحمہ اللہ کی عبارت کو علامہ ابوالمعالی آلوسی الحنفی رحمہ اللہ کی کلام سے پیش کرتے ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وأما السفر إلى بقعة غير المساجد الثلاثة فلم يوجب أحد من العلماء السفر إليه إذا نذره حتى نص العلماء على أنه لايسافر إلى مسجد قُباء لأنه ليس من الثلاثة مع أن مسجد قباء تستحب زيارته لمن كان في المدينة، لأن ذلك ليس بشد رحلٍ كما في الحديث الصحيح "من تطهر في بيته ثم أتى إلى مسجد قباء لايريد إلا الصلاة فيه كان كعمرة" قالوا ولأن السفر إلى زيارة قبور الأنبياء والصالحين بدعة لم يعملها أحد من الصحابة ولا التابعين ولا أمر بها رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا استحب ذلك أحد من أئمة المسلمين فمن اعتقد ذلك عبادة وفعله فهو مخالف للسنة وإجماع الأمة وهذا مما ذكره أبوعبدالله بن بطة في الإبانة الصغرىٰ من البدع المخالفة للسنة والإجماع .①

ترجمہ: جب کوئی شخص تین مساجد کے علاوہ کسی جگہ کی طرف سفر کی نذر مانتا ہے تو علماء نے اس نذر کو پورا کرنے کو واجب قرار نہیں دیا، حتیٰ کہ علماء نے بیان کیا ہے کہ مسجد "قباء" کی طرف بھی سفر نہ کیا جائے کیونکہ یہ بھی تین مساجد میں سے نہیں باوجود یکہ اہل مدینہ کیلئے اس کی زیارت جائز ہے کیونکہ مدینے سے اگر وہاں کوئی جائے تو یہ شدالرحال نہیں ہوگا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔ جس نے اپنے گھر میں طہارت حاصل کی پھر مسجد قباء صرف نماز کیلئے آیا تو اس کیلئے عمرے کے برابر ثواب ہوگا۔ علمائے کرام نے کہا ہے کہ: چونکہ انبیاء اور صالحین کی قبور کی طرف بقصد سفر زیارت بدعت ہے اسی لیے کسی بھی صحابی یا تابعی نے ان کی طرف سفر نہیں کیا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ ائمہ کرام میں سے کسی نے اس کو مستحب جانا ہے۔ جو آدمی ان (قبور انبیاء وصالحین) کی طرف سفر کرنے کو عبادت جانتا اور سفر کرتا ہے تو وہ سنت اور اجماع امت کا مخالف ہے۔ یہ بیان ابوعبداللہ بن بطہ نے (الابانة الصغرى من البدع المخالفة للسنة والاجماع) میں نقل کیا ہے۔

اور اسی طرح شیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ نے بھی مسئلہ (عدم شدالرحال إلٰی غیر مساجد ثلاثہ) میں جمہور علماء کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وفي الحديث دليل على منع شد الرحال إلى قبره صلى الله عليه وسلم وإلى غيره من القبور والمشاهد لأن ذلك من اتخاذها أعيادًا، بل من أعظم أسباب الإشراك بأصحابها، وهذه هي

ترجمہ: اس حدیث میں واضح دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی طرف یا کسی دوسری قبروں اور مزاروں کی طرف سفر کر کے جانا منع ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس قبر کو زیارت گاہ بنایا گیا ہے۔ اور یہ ممنوع ہے۔ بلکہ یہ

① غاية الأماني ج٢ ص ٢٠٤



المسئلة التي أفتى بها شيخ الإسلام رحمه الله أعني من سافر لمجرد زيارة قبور الانبياء والصالحين ونقل فيها اختلاف العلماء فمن مبيح لذلک کالغزالي وأبي محمد المقدسي ومن مانع لذلک کابن بطة وابن عقيل وأبي محمد الجويني والقاضي عياض وهو قول الجمهور نص عليه مالک ولم يخالفه أحد من الأئمة وهو الصواب لما في الصحيحين عن أبي سعيد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لاتشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام ومسجدي هذا والمسجد الأقصى، فدخل في النهي شدّها لزيارة القبور والمشاهد. فإما أن يكون نهياً وإما أن يكون نفيًا وجاء في رواية بصيغة النهي، فتعين أن يكون للنهي، ولهذا فهم منه الصحابة رضي الله عنهم المنع .①

اصحاب قبور کو شریک بنانے کے بڑے اسباب میں سے ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی انبیاء وصالحین کی قبروں کی طرف قصداً سفر کر کے جانے کے بارے میں یہی فتویٰ دیا ہے۔ اور اس مسئلہ میں علماء کے اختلاف کو نقل فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

أ- امام غزالی رحمہ اللہ اور ابومحمد المقدسی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور کی زیارت کے لئے کجاوے باندھ کر جانا جائز ہے جبکہ ابن بطہ، ابن عقیل، ابومحمد الجوینی اور قاضی عیاض رحمہم اللہ کے نزدیک منع ہے یہی قول جمہور علماء کا ہے امام مالک رحمہ اللہ کی اس پر نص موجود ہے اور ائمہ میں سے کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی، اور یہی قول ہی حق اور درست ہے، اور اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے۔ جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، ومسجدي هذا، والمسجد الأقصىٰ

تین مسجدوں کے علاوہ کسی دوسری جگہ کے لئے با قاعدہ کوچ کر کے سفر نہ کیا جائے مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ۔"

مذکورہ حدیث میں جس نہی کا ذکر ہے اس میں قبور اور مشاہد کی طرف قصداً جانا شامل ہے۔ یہ حکم نہی یا نفی دونوں میں سے کسی ایک کے ذیل میں ضرور داخل ہے ایک روایت نہی کے صیغے سے بھی مروی ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ نہی کے حکم میں ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس ممانعت کو نہی ہی سمجھا۔

① فتح المجيد ص: ٢٦٥-٢٦٦

اور علامہ ابوالمعالی آلوسی رحمہ اللہ نے مساجد ثلاثہ کے سوا دوسرے اماکن اور بالخصوص قبر النبی ﷺ کی طرف شد الرحال کے عدم مشروعیت پر امام مالک رحمہ اللہ کا قول ابوعمرو مالکی رحمہ اللہ کے واسطہ سے یوں نقل کیا ہے۔

قال: السفر إلى غير المساجد الثلاثة ليس بمشروع وأما من سافر إلى مسجد النبي صلى الله عليه وسلم ليصلي فيه ويسلم على النبي صلى الله عليه وسلم وعلى صاحبيه رضي الله عنهما فمشروع باتفاق العلماء وأما لو قصد إعمال المطي لزيارته صلى الله عليه وسلم ولم يقصد الصلاة فهذا السفر إذا ذكر رجل فيه خلافاً للعلماء وأن منهم من قال إنه منهيّ عنه، ومنهم من قال إنه مباح، وأنه على القولين ليس بطاعةٍ ولا قربةٍ فمن جعله طاعة وقربة على مقتضى هذين القولين كان حراماً بالإجماع وذكر حجة كل منهما أو رجح أحد القولين لم يلزمه مايلزم من تنقص إذ لا تنقص في ذلك ولا إزراء بالنبي صلى الله عليه وسلم وقد قال مالك لسائل سأله: إذا نذر أن يأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: إن كان أراد مسجد النبي صلى الله عليه وسلم فليأته وليصلِّ فيه، وإن كان أراد القبر فلا يفعل، للحديث الذي جاء لا تُعمل المطي إلا إلى ثلاثة مساجد والله أعلم. كتبه أبوعمرو ابن أبو الوليد المالكي. ①

ترجمہ: انہوں نے فرمایا: تین مساجد کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر جائز نہیں۔ جس نے مسجد نبوی کی طرف نماز اور نبی ﷺ اور آپ کے دونوں صاحبین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) پر سلام کی غرض سے سفر کیا تو وہ باتفاق العلماء جائز ہے۔ لیکن جس نے سواری پر رخت سفر باندھا صرف آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کی نیت سے اور نماز کا قصد نہ کیا تو اس سفر کے متعلق علماء میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سفر منع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سفر مباح و جائز ہے۔ ان دونوں قولوں کی روشنی میں یہ نہ طاعت ہے اور نہ قربت الی اللہ جس نے اس کو طاعت اور تقرب کہا ہے تو مذکورہ دونوں قولوں کے اعتبار سے بالا جماع حرام ہے۔ اور دونوں قولوں کی حجت ذکر کی ہے۔ اور اگر کوئی شخص ان دونوں قولوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے تو ایسے شخص پر وہ بات لازم نہیں آتی جو اس شخص پر لازم آتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی شان میں نقص کا مرتکب ہوتا ہے، اسلیئے کہ کسی ایک قول کو ترجیح دینے میں نبی ﷺ کی تنقیص لازم نہیں آتی۔ ایک شخص نے امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کرنے کی نذر مانے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر اس شخص نے مسجد نبوی کا ارادہ کیا ہے تو وہ مسجد نبوی جائے اور اس میں نماز پڑھے۔ اور اگر اس نے صرف قبر نبوی کا ارادہ کیا ہے تو نہ جائے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ: "رخت سفر نہ باندھا جائے مگر تین مساجد کی طرف" واللہ اعلم

① غاية الأماني: ج٢ ص ٢١٠

اس سے پہلے سیدنا عبداللہ بن عمر اور بصرۃ بن ابی بصرۃ غفاری رضی اللہ عنہم کے اقوال سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے حدیث شد الرحال کے مستثنیٰ منہ کو عام قرار دے کر نہی کو مساجد اور غیر مساجد سب کے ساتھ عام کر دیا ہے اور یہی ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا مسلک ہے چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فابن عمر وبصرة بن أبي بصرة جعلا الطور مما نهي عن شد الرحال إليه لأن اللفظ الذي ذكراه فيه النهي عن شدها إلى غير الثلاثة مما يقصد به القربة فعلم أن المستثنىٰ منه عام في المساجد وغيرها. وأن النهي ليس خاصًا بالمساجد، ولهذا نهيا عن شدها إلى الطور مستدلين بهذا الحديث والطور إنما يسافر من يسافر إليه لفضيلة البقعة فإن الله سماه (الوادي المقدس) و (البقعة المباركة) وكلم كليمه موسى عليه السلام هناك. وهذا هو الذي عليه الأئمة الأربعة وجمهور العلماء. ①

ترجمہ: پس عبداللہ بن عمر اور بصرۃ بن ابی بصرۃ غفاری رضی اللہ عنہم نے جبل طور پر قصداً جانے کو ممنوع قرار دیا کیونکہ اس لفظِ حدیث کے مطابق جو ان دونوں نے ذکر کی ہے۔ تین مساجد کے علاوہ ہر جگہ کی طرف تقرب إلی اللہ کی غرض سے سفر کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مستثنیٰ منہ عام ہے چاہے مساجد ہوں یا اس کے علاوہ کوئی اور جگہ ہو۔ اس میں صرف مساجد کو خاص کرنا درست نہیں یہی وجہ ہے کہ ان دونوں (ابن عمر و بصرۃ بن ابی بصرۃ) نے اس حدیث سے استدلال لیتے ہوئے جبل طور کی طرف قصداً جانے سے منع فرمایا کیونکہ جو شخص جبل طور پر جانے کی خواہش کرے گا وہ فقط اسی لئے جائے گا کہ وہ مقدس مقام ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے باتیں کی تھیں جس کا نام اللہ تعالیٰ نے وادی مقدس اور مبارک جگہ رکھا ہے۔ اور ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

حدیث ''لا تشد الرحال'' کے مطابق مساجد ثلاثہ کے سوا کسی دوسرے مکان کی طرف شد الرحال کے جواز و استحباب کا قول و اعتقاد رکھنا درحقیقت صریح نہی کے خلاف ہے۔

چنانچہ علامہ ابو المعالی آلوسی حنفی رحمہ اللہ نے بڑی تفصیلی بحث کے بعد امام ابن الکتبی شافعی رحمہ اللہ کا قول اس طرح نقل کیا ہے۔

قال بعد البسملة والحمدلة: لاريب أن المملوك أوقف على ماسئله الشيخ الإمام العالم العلامة وحيد دهره وفريد عصره تقي الدين أبو العباس

ترجمہ: بسم اللہ، اور الحمد للہ کے بعد فرمایا، بے شک مجھے شیخ الامام العلامۃ ابو العباس تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مسئلہ شدّ الرحال کے متعلق سوالات و جوابات پر اطلاع نصیب ہوئی میں نے ایک امام

① فتح المجيد ص ٢٦٦



ابن تيمية وما أجاب به فوجدته خلاصة ماقاله العلماء في هذا الباب، حسبما اقتضاه الحال من نقله الصحيح وما أدرى إليه البحث من الالزام والالتزام لايد اخله تحامل ولايعتريه تجاهل، وليس فيه والعياذ بالله مايقتضى الإزراء والتنقيص بمنزلة الرسول صلى الله عليه وسلم، وكيف يجوز للعلماء أن تحملهم العصبية أن يتفوهوا بالإزراء والتنقيص في حق الرسول صلى الله عليه وسلم، وهل يجوز أن يتصور متصورٌ أن زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم تزيد في قدره وهل تركها مما ينقص من تعظيمه؟ حاش للرسول من ذلك نعم لو ذكر ذاكر ابتداء وكان هناك قرائن تدل على الإزراء والتنقيص أمكن حمله على ذلك مع أنه كان يكون كناية لاصريحاً فكيف وقدقاله في معرض السؤال وطريق البحث والجدال مع أن المفهوم من كلام العلماء وأنظار العقلاء أن الزيارة ليست عبادة وطاعة بمجردها حتى أنه لوحلف أنه يأتي بعبادة أوطاعة لم يبربها لكن القاضي ابن كج من متاخرى أصحابنا ذكر أن هذه الزيارة عنده قربة تلزم ناذرها وهو منفرد به لايساعده في ذلك نقل صريح ولا قياس صحيح والذى يقتضيه مطلق الخبر النبوى في قوله عليه (الصلاة) والسلام: لاتشد الرحال الخ أنه لايجوز شدها

ابن تیمیہ کی کلام کو اس باب میں علماءِ کرام کی کلام کا ماحاصل پایا ان کی کلام میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے رسول اللہ ﷺ کے مقام ومرتبہ میں تنقیص کا کوئی پہلو نکلتا ہو علماء کیلئے یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ محض تعصب کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کے حق میں تنقیص کے مرتکب ہوں اور کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ تصور کرے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت سے آپ ﷺ کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہوتا ہے اور ترکِ زیارت سے آپ ﷺ کی تعظیم میں تنقیص کا پہلو نکلتا ہے؟ ہاں البتہ اگر کوئی شخص ابتداءً یہ بات کہے اور ایسے قرآئن بھی موجود ہوں جو تنقیصِ رسول پر دلالت کریں تو اس صورت میں اس کی بات کو تنقیص پر محمول کرنا ممکن ہے لیکن ایسی صورت میں بات کنایۃً ہوگی صراحتاً نہ ہوگی شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر اس کلام کی وجہ سے تنقیص رسول ﷺ کا الزام کیسے لگایا جاسکتا ہے جب کہ انہوں نے تو سوال کے جواب اور بحث وجدال کے معرض میں یہ بات کہی ہے، پھر علماءِ کرام کی کلام اور عقلاء کی نظر وفکر کا مفہوم یہ ہے کہ محض زیارتِ قبر نبوی فی نفسہ عبادت وطاعت نہیں ہے حتی کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں کوئی عبادت اور طاعت کا کام کرونگا تو زیارتِ قبرِ نبوی سے اس کی نذر پوری نہیں ہوگی، البتہ ہمارے اصحاب کے متاخرین میں سے قاضی ابن کج نے زیارت کو قربت کا ذریعہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی اس بات کی نذر مان لے تو اُس پر اس نذر کا پورا کرنا لازمی ہے، لیکن قاضی ابن کج اس بات میں منفرد ہیں اور کوئی نقلِ صریح اور قیاسِ صحیح بھی ان کی تائید میں نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کی حدیث "لاتشد الرحال" کا اطلاق اس بات کا متقاضی ہے کہ حدیث میں مذکور تین مساجد کے علاوہ کسی



إلی غیر ماذکر، فمن اعتقد جواز الشد إلی غیر ما ذکر أووجوبه أوندبیته کان مخالفاً لصریح النهی ومخالفة النهی معصیة حرره ابن الکتبی الشافعی حامدًا (لله علی نعمه) .①

اور جگہ کی طرف شدرحال جائز نہیں ہے لہذا جو شخص حدیث میں مذکور تین مساجد کے علاوہ کسی اور مقام کی طرف شدرحال کے جواز یا وجوب یا ندب کا قائل ہوا ایسا شخص صریح نہی کا مخالف ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ نہی کی مخالفت معصیت ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ لوگوں نے استحباب زیارتِ قبور والی احادیث سے شد الرحال پر استدلال کیا ہے حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ مطلق زیارت قبور اور چیز ہے اور شد الرحال کچھ اور۔ دوسری بات یہ کہ اگرچہ مطلق زیارت قبور والی حدیث صحیح ہے مگر پھر بھی شد الرحال والی حدیث کے معارض نہیں بن سکتی۔ کیونکہ وہ اعلیٰ اقسام صحیح میں سے ہے۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ آلوسی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وما جاء من الأحادیث فی استحباب زیارة القبور فمحمولة علی مالم یکن فیه شد رحل وإعمال مطی جمعًا بینهما، ویحتمل أن یقال لا یصلح أن یکون غیر حدیث شد الرحال معارضًا له لعدم مساواته إیاه فی الدرجة لکونه من أعلی أقسام الصحیح، والله تعالیٰ أعلم .②

جن اُحادیث میں زیارت قبور کا استحباب وارد ہے ان کو اس سفر پر محمول کیا جائے گا کہ اس میں کجاوے باندھ کر جانا نہ ہو اور نہ سواریوں کو عمل میں لایا جائے احادیث کو جمع کرنے سے یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ اور یہ بھی قوی احتمال ہے کہ کہا جاتا ہے کہ جن احادیث میں شد الرحال کا ذکر نہیں وہ احادیث شد الرحال کے منافی نہیں کیونکہ یہ آپس میں یک درجے کی نہیں کیونکہ یہ شد الرحال اعلیٰ درجے کی صحیح احادیث میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ شد الرحال میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا مسلک

سیدنا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ حدیث شد الرحال کے مطابق مساجد ثلاثہ کے سوا دوسرے اماکن کے لئے سفر کر کے جانے کے سخت مخالف ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

---

① غایة الأمانی ج۲ ص ۲۰۸-۲۰۹.
② غایة الأمانی: ج۲ ص ۲۰۸.

تحقیق درینجا آنست کہ در جاھلیت سفر میکردند بمواضع متبرکہ بزعم خویش پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدّباب تحریف فرمود و سفررا برائے مواضع متبرکہ غیر مساجد ثلاثۃ بقصد خصوصیت تبرک آن مواضع منع فرمود تا امرِ جاھلیت رواج نہ گیرد، ایانمی بینی کہ بصرۃ غفاری نہی را شامل طور داشت و ابوھریرۃ را از طور منع کرد. واللہ اعلم.①

ترجمہ: تحقیق اس مقام میں یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ سفر کرتے تھے مقامات متبرکہ کا اپنے گمان پر۔ پس رسول اللہ ﷺ نے تحریف کا دروازہ بند فرمایا اور تین مساجد کے علاوہ کسی متبرک مقام کا بقصد اس جگہ کے تبرک کے سفر کرنے سے منع فرمایا تاکہ امر جاہلیت رواج نہ پکڑے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ نے نہی میں کوہ طور کو بھی شامل رکھا۔ اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کو کوہ طور پر جانے سے منع کیا۔

مساجد ثلاثہ کے سوا دوسرے اماکن کے لئے بقصد تبرک وعبادت جانے کو شاہ ولی اللہ نے حج کا مترادف قرار دے کر مشرکین کے افعال واعمال شمار کئے ہیں۔

چنانچہ شرک کی اقسام بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

ومنھا الحج لغیر اللہ تعالیٰ وذلک أن یقصد مواضع متبرکۃ مختصۃ بشرکائھم الحلول بھا تقربا من ھؤلاء فنھی الشرع عن ذلک وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتشد الرحال إلا إلی ثلاثۃ مساجد.②

ترجمہ: انہی امورِ شرکیہ میں سے سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسروں کیلئے حج کرنا ہے اور یہ کہ قصد کرنا مواضع متبرکہ مخصوصہ کا اپنے شرکاء کے لئے ہے۔ اس طرح کہ بزرگوں کا تقرب حاصل کرنے میں منہمک ہوجائے۔ پس شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہ کجاوے باندھے جائیں سفر کے لئے اونٹوں پر سوائے تین مساجد کے۔

حدیث لاتشد الرحال کے مطابق مساجد ثلاثہ کے بغیر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ قبروں، کوہ طور اور دوسرے سارے مقامات مقدسہ کی طرف سفر کرکے جانے کی سختی کے ساتھ مخالفت کرتے ہوئے صراحتاً لکھتے ہیں:

① مصفی، ج ۱ ص ۸۸
② حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۱ ص ۶۳، أقسام الشرک

أقول كان أهل الجاهلية يقصدون مواضع معظمة بزعمهم يزورونها ويتبركون بها، وفيه من التحريف والفساد مالا يخفى، فسدّ النبي صلى الله عليه وسلم الفساد لئلا يلتحق غير الشعائر بالشعائر ولئلا يصير ذريعة لعبادة غير الله. والحق عندى أن القبر ومحل عبادةِ وليّ من أولياء الله والطور كل ذلك سواء في النهي والله أعلم .①

ترجمہ: میں کہتا ہوں (یعنی شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) اہل جاہلیت قصد کرتے تھے مقامات معظمہ کا اپنے گمان میں زیارت کرتے تھے ان کی اور ان سے برکت طلب کرتے اور اس میں تحریف اور فساد ہے۔ جوکہ پوشیدہ نہیں ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس فساد کا راستہ روک دیا تا کہ نہ مل جاوے غیر شعائر ساتھ شعائر کے (یعنی ثلاثہ مساجد شعائر اللہ اور ان کے علاوہ غیر شعائر اللہ ہیں) اور تا کہ نہ ہو جائے ذریعہ عبادت غیر اللہ کا اور حق میرے نزدیک (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) یہ ہے کہ قبر اور اولیاء اللہ میں سے کسی ولی کی عبادت گاہ اور کوہ طور سب برابر ہیں منع ہونے میں۔

''قبروں کے لئے سفر کر کے جانے اور اصحابِ قبر سے اپنی کسی حاجت کے طلب کرنے کو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے قتل اور زنا کے گناہ سے بڑھ کر بت پرستی جیسا جرم قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ تفہیمات الٰہیہ میں لکھتے ہیں:

كل من ذهب إلى بلدة أجمير أو إلى قبر سا لار مسعود غازى أوما ضاها ها لأجل حاجة يطلبها فإنه أثم إثماً أكبر من القتل والزنا. ليس مثله إلا من كان يعبد المصنوعات أومثل من كان يدعوا اللات والعزّى .②

ترجمہ: جو اجمیر (یعنی خواجہ معین الدین چشتی کی قبر پر) یا سالار مسعود غازی کی قبر پر یا ان کی مانند کسی اور جگہ پر جاتا ہے ان سے اپنی کسی حاجت کو طلب کرنے کے لئے تو بے شک اس نے بڑا گناہ کیا جو کہ قتل و زنا سے بڑھ کر ہے۔ نہیں ہے مثال اس کی (یعنی گناہ میں) مگر اس شخص کے مثل جو کہ مصنوعات (بتوں) کی عبادت کرتا ہے۔ یا کہ مثل اس کے جو پکارتا ہے لات و عزیٰ کو (یعنی مشرکین عرب)

آپ نے دیکھا کہ قبروں، مزاروں اور عرسوں وغیرہ پر سفر کر کے جانے والوں کے لئے امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے کتنا سخت فتویٰ دیا ہے اور کس قدر ناراضگی کا اظہار کیا ہے؟ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ایسا سخت فتویٰ کیوں دیا ہے؟ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں، قبوں اور گنبدوں وغیرہ کی زیارت کے لئے سفر کرنے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔

① حجة البالغة ج ١ ص ١٩٢ المساجد
② تفهيمات إلهية ج ٢ ص ٤٩، تفهيم: ٣٤



بڑے افسوس کی بات ہے لوگ ہزاروں روپے خرچ کر کے سفر کا رنج وتکلیف اٹھاتے ہوئے قبروں، قبوں اور گنبدوں کی زیارت، اور وہاں کے عرسوں پر جاتے ہیں۔ اور پھر وہاں جا کر نذریں، نیازیں دیتے ہیں۔ قبروں، قبوں وغیرہ کو سجدے کرتے وہاں پر روتے چیختے چلاتے۔ اعتکاف وطواف کرتے اور کئی صدیوں کے فوت شدگان سے مرادیں مانگتے ہیں، اور جب عرس سے واپس آتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ حج سے واپس آئے ہیں۔ لیکن سیدنا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں اور لات وعزیٰ کی پرستش کرنے والوں کی مانند گنہگار و مجرم ہو کر آئے ہیں۔ قتل اور زنا کے گناہ سے بڑا گناہ کر کے لوٹے ہیں۔ آہ! یہ لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے کے بعد انسان نیک وپرہیز گار بن جاتا ہے یا مجرم و گنہگار رہتا ہے؟

روافض ہی سب سے پہلا وہ فرقہ ہے جنھوں نے قبروں کے شد الرحال کے لیے جھوٹی روایات وضع کی ہیں:

قبروں کی طرف شد الرحال کے لئے روافض سب سے پہلا وہ فرقہ ہے جنہوں نے جھوٹی روایات وضع کی ہیں۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واول من وضع هذه الأحاديث في السفر لزيارة المشاهد التي على القبور أهل البدع من الرافضة ونحوهم الذين يعطلون المساجد ويعظمون المشاهد، يدعون بيوت الله التي امر ان يذكر فيها اسمه ويعبد وحده لاشريك له ويعظمون المشاهد التي يشرك فيها ويكذب ويبتدع فيها، دينً لم ينزل الله به سلطاناً فإن الكتاب والسنة إنما فيها ذكر المساجد دون المشاهد.①

ترجمہ: قبروں پر تعمیر کیے ہوئے قبوں کی زیارت کیلئے احادیث سب سے پہلے رافضیوں اور بدعتیوں نے وضع کیں یہ لوگ مساجد کو ویران اور قبروں کی آبادی اور تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کے ان گھروں کو جن میں اکیلے اللہ وحدہ لاشریک لہ کے ذکر کا حکم ہے کو چھوڑ کر قبروں کی تعظیم کرتے ہیں جہاں شرک، جھوٹ اور بدعات جیسے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور یہ ایسا طریقہ ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ نے اتاری ہی نہیں، قرآن اور احادیث میں تو صرف مساجد کی تعظیم وتکریم کا ذکر ہے قبروں اور آستانوں کا نہیں۔

شد الرحال کے مسئلے میں امام سبکی رحمہ اللہ کا مسلک:

ائمہ کرام رحمہ اللہ میں سے ایک امام سبکی رحمہ اللہ ہیں جو کہ مساجد ثلاثہ کے سوا کسی بھی موضع ومکان کے لیے سفر کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ اب ان کا قول ملاحظہ فرمائیں جس کو امام زرقانی شارح مؤطا اور امام ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

---

① الجامع الفريد، كتاب الزيارة ص: ٣٩٧ / غاية الأماني: ج٢ ص ٢٠٦



وقال السبكي ليس في الأرض بقعة لها فضل لذاتها حتى يسافر إليها لذلك الفضل غير هذه الثلاثة وأما غيرها فلايسافر إليها لذاتها بل لمعنى فيها من علم أوجهاد أونحو ذلك فلم تقع المسافرة إلى المكان بل إلى من في ذلك المكان. ①

ترجمہ: امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، زمین میں کوئی ایسا ٹکڑا نہیں جس کی کوئی اپنی فضیلت وخوبی ہو اور پھر اسی فضل وخوبی کی بنا پر اس کی طرف سفر کیا جائے، سوائے ان تین جگہوں کے (مسجد الحرام، مسجد النبوی اور مسجد الاقصیٰ) ان تین جگہوں کے سوا کسی اور جگہ کی طرف سفر کرنا ان جگہوں کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور مقصد کے لیے ہوتا ہے اور وہ مقصد علم حاصل کرنا، جہاد کرنا یا اسی طرح کا کوئی نیک مقصد ہو، اب ان جیسی جگہوں کی طرف سفر ان جگہوں کی بنا پر نہیں بلکہ اس بلند مقصد کے لیے ہے جو یہاں سے حاصل ہوتا ہے۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کرلو کہ "لَاتُشَدُّ الرِّحَالُ" میں جو "تُشَدّ" کا کلمہ ہے تو اگر چہ یہ کلمہ بلفظ نہی بھی آیا ہے مگر اکثر وبیشتر بضم "ت" کے آیا ہے۔ جو کہ لفظ کے اعتبار سے نفی ہے مگر باعتبار معنیٰ کے نہی ہے۔ اور اس میں علم معانی کے اعتبار سے نہی کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی بھی مکان کے لئے بقصد تبرک اور بغرضِ حصولِ اجر وثواب سفر کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ مکان کتنا ہی معزز ومقدس کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ بقصد تبرک اور حصول اجر وثواب کے سفر کرنا انہی مساجد ثلاثہ کا خاصہ ہے۔ چنانچہ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کلمہ، "لَا تُشَدّ" کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بضم أوله لفظ النفي، والمراد النهي عن السفر إلى غيرها. ②

ترجمہ: "لا تشد......" میں تا پر پیش پڑھنی ہے نفی کے لفظ کے اعتبار سے اور معنیٰ ومراد اس لفظ سے نہی ہے۔ یعنی کسی اور جگہ کے سفر کرنے سے روکنا۔

اور امام طیبی کہتے ہیں کہ لفظ نفی کا استعمال کر کے اور اس سے نہی مراد لینے میں صریح نہی کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

---

① شرح الزرقانی علی المؤطا ج ۱ ص ۲۲۴ / فتح الباری ج۳ ص ۶۶
② فتح الباری ج۳ ص ۶۴



قوله : لا"تشدالرحال..." كناية عن النهي عن المسافرة الىٰ غيرها من المساجد وهو ابلغ من ما لو قيل لا تسافر. ①

ترجمہ: حدیث میں لفظ لاتشدالرحال ... سے حدیث میں مذکور تین مساجد کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف رخت سفر باندھ کر جانے کی نہی سے کنایہ ہے اور اس نفی کے صیغہ میں زیادہ مبالغہ ہے اس سے کہ اگر یہ لفظ ہوتا "لاتسافر" (سفر نہ کرو)

امام ابن عقیل رحمۃ اللہ کا فیصلہ کن فتویٰ:

قبروں کی تعظیم، اصحاب قبور سے اپنی حاجات طلب کرنا اور ان کے لئے شد الرحال کرنا اور دوسری خرافاتِ قبور کو بجالانے والوں کو امام ابوالوفا ابن عقیل رحمۃ اللہ نے تو کفار کے ساتھ لا کھڑا کیا ہے۔ چنانچہ ان کا قول نقل کرتے ہوئے امام ابن قیم رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

ورأيت لأبي الوفا ابن عقيل في ذلك فصلاً حسنًا، فذكرته بلفظه، قال: لما صعبت التكاليف على الجهال والطغام عدلوا عن أوضاع الشرع إلى تعظيم أوضاع وضعوها لأنفسهم، فسهلت عليهم إذلم يدخلوا بها تحت أمر غيرهم، قال: وهم كفار بهذه الأوضاع مثل تعظيم القبور وإكرامها بما نهى عنه الشرع من إيقاد النيران وتقبيلها وتخليفها وخطاب الموتى بالحوائج وكتب الرقاع فيها يا مولاى افعل بى كذا وكذا، وأخذ تربتها تبركا وإفاضة طيب على القبور، وشد الرحال إليها وإلقاء الخرق على الشجر اقتداءً بمن عبدا اللات والعزى. ②

ترجمہ: میں نے ابوالوفاء ابن عقیل کی اس مسئلہ میں ایک فصل دیکھی ہے، جسے میں انہیں کے الفاظ میں ذکر کر رہا ہوں، فرماتے ہیں: جہال اور کم عقل لوگوں نے جب شرعی احکامات کو اپنے لئے مشکل پایا تو شریعت سے اعراض کر کے بعض خود ساختہ اشیاء کی تعظیم شروع کر دی اور یہ بات ان کیلئے انتہائی سہل ثابت ہوئی کہ اس میں وہ کسی کے تابع نہیں تھے، فرماتے ہیں کہ یہ ان خود ساختہ چیزوں کی وجہ سے کافر ہیں، مثلاً: قبروں کی تعظیم اور دیگر غیر شرعی امور، اور مثلاً: قبروں کے پاس چراغ روشن کرنا، قبروں اور ان کی دیواروں کو چومنا، فوت شدگان کو مدد کیلئے پکارنا اور "اے میرے مولیٰ مجھے یہ دے اور یہ دے" کے الفاظ پرچیوں میں لکھ کر قبروں میں ڈالنا، اور قبروں کی خاک کو تبرکاً لے لینا اور قبروں پر خوشبوئیں پھیلانا اور قبروں کی طرف رخت سفر باندھنا اور درختوں پر کپڑے اور جھنڈیاں ڈالنا یہ سب امور سراسر لات وعزیٰ کی پوجا کرنیوالوں کی مشابہت اور اتباع ہے۔

① شرح الطيبى على المشكاة ج ٢ ص ٧٢٥.
② إغاثة اللهفان ج ١ ص ٢١٣ - ٢١٤.



شدالرحال کے مسئلے میں علامہ انور شاہ کشمیری ؒ کی رائے

چنانچہ مسئلہ شدالرحال میں علامہ انور شاہ کشمیری ؒ اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں:

مسئلہ : السفر لزيارة قبور الأولياء كما هو معمول أهل العصر لابد من النقل عليه من صاحب الشريعة أو صاحب المذهب أو المشائخ ولايجوز قياس زيارتها على زيارة القبور الملحقة بالبلدة فإنه لاسفر فيها .①

ترجمہ: مسئلہ: اولیاء کی قبور کی زیارت کے لیے سفر کرنا جیسا کہ آج کل لوگوں کا معمول ہے، لیکن اس کے لئے شریعت یا مذہب میں کوئی نقل (دلیل) کا ہونا ضروری ہے۔ان اولیاء کی قبور کی زیارت کو شہر کے ملحقہ قبرستان کی زیارت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ اس میں سفر نہیں ہوتا۔

مخالفین کے چند شبہات اور ان کا ازالہ:

باقی جو حضرات قبور اولیاء وصالحین اور دیگر مقامات مقدسہ کے لئے سفر کرنے کو جائز سمجھتے ہیں تو وہ حدیث شدّ الرّحال کو مساجد کے ساتھ خاص کرتے ہیں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔تو ان حضرات کے اپنے اس مدعا کے لئے چند شبہات ہیں:

الف۔ ان شبہات میں سے جن کو مجوّزین شدالرحال پیش کرتے ہیں ان کا سب سے اہم شبہ مندرجہ ذیل روایت ہے:

حدثني شهر قال سمعت أبا سعيد الخدری وذكرت عنده صلاة في الطور، فقال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاينبغي للمطِيّ أن تشد رحاله إلى مسجد ينبغي فيه الصلاة غير المسجد الحرام والمسجد الأقصىٰ ومسجدى هذا.②

ترجمہ: شہر (بن حوشب) نے مجھے حدیث بیان کی فرمایا: میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا ان کے پاس کوہ طور میں نماز کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: سواریوں پر سفر کرنے والے کے لائق نہیں کہ وہ اپنا کجاوہ کسی بھی مسجد کی طرف سفر کے لئے کسے جس میں نماز پڑھی جاسکتی ہو سوائے مسجد الحرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد (مسجد نبوی) کے۔

اس روایت سے ان حضرات کے استدلال کا جو اہم پہلو ہے وہ یہ ہے کہ اس روایت میں لفظ "لاينبغي" آیا ہے۔جو کہ کلمہ تمریض ہے اور منع وتحریم کے لئے نص صریح نہیں ہے۔مقصد شارع کا یہ ہے کہ بہتر ومناسب یہی ہے کہ ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ دوسرے اماکن کے لئے سفر نہ کیا جائے، جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ اگر ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ دوسرے اماکن کے لئے

---

① العرف الشذی حاشية الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء في أي المسجد أفضل؟

② رواه احمد، مسند ابی سعيد الخدری الرقم: ١١٥٥٢

سفر کیا گیا تو کم از کم جائز تو ضرور ہے زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ اور نامناسب ہے اور بس، باقی رہا عدم جواز تو اس کا ثبوت کلمہ "لاینبغی" سے نہیں ملتا۔

الجواب: اس شبہ کے کئی طرح سے جواب دیے گئے ہیں ہم صرف دو پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں۔

الف۔ سب سے پہلے یہ کہ مذکورہ روایت میں ایک راوی موجود ہے جو کہ محدثین کے ہاں مجروح اور متکلم فیہ ہے اور وہ ہے شہر بن حوشب کہ جس کے متعلق امام مسلم رحمہ اللہ اپنی صحیح کے مقدمہ میں ائمۃ الحدیث کے اقوال یوں نقل کرتے ہیں۔

حدثنا عبیداللہ بن سعید قال سمعت النضر یقول سئل ابن عون عن حدیثٍ لشھرٍ وھو قائم علی أسکفة الباب فقال: إن شھرًا ترکوہ إن شھراً ترکوہ قال مسلم رحمه الله: یقول أخذته ألسنة الناس تکلموا فیه. ① (صحیح مسلم)

ترجمہ: سیدنا عبیداللہ بن سعید کہتے ہیں میں نے نضر رحمہ اللہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے ابن عون سے شہر بن حوشب کی حدیث کے بارے میں پوچھا گیا جب کہ وہ دروازے پر کھڑے تھے فرمانے لگے: شہر کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہے، شہر کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں کی زبانوں نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے۔

اور اس کے علاوہ اس شہر بن حوشب کی ایک اور روایت ہے اور وہ بھی بعینہ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ ہی سے ہے۔ اور اس روایت میں مساجد ثلاثہ کے سوا دوسرے اماکن کے لئے سفر کرنے کی مطلق ممانعت ہے بغیر کسی قید و شرط کے چنانچہ شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ ہم کوہ طور پر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ کہ ہماری ملاقات سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیں حدیث شد الرحال پڑھ کر سنائی۔

عن شھر قال: لقینا أبا سعید ونحن نرید الطور فقال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لاتشد المُطِیُّ إلا إلی ثلاثة مساجد، المسجد الحرام ومسجد المدینة وبیت المقدس. ②

ترجمہ: شہر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم طور پر جانے کی تیاری کر رہے تھے تو ہماری ملاقات سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہوئی وہ فرمانے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے سواریاں تیار نہ کی جائیں مگر تین مساجد کی طرف، مسجد الحرام، مسجد المدینہ اور بیت المقدس۔

اگرچہ یہ روایت بھی شہر بن حوشب کی وجہ سے استدلال کے میدان میں اتنی کارآمد نہیں جتنی ہونی چاہیے تھی مگر شہر بن حوشب کی اس سابقہ روایت کے تو معارض ہے جس کو فریق مخالف نے بطور استدلال پیش کیا تھا۔

---

① مقدمة صحیح مسلم، باب الکشف عن معایب رواة الحدیث ونقلة الأخبار وقول الأئمة فی ذلک.

② رواہ الإمام أحمد: الرقم: ۱۱۸۲۲، مسند ابی سعید الخدری.



ب۔ باقی رہا کلمہ، "لاینبغی" یا "ماینبغی" کہ جس سے فریق مخالف نے قبور اولیاء وصالحین کے شد الرحال کے لیے اس بناء پر استدلال کیا تھا کہ کلمہ "لاینبغی" یا "ماینبغی" منع وتحریم کے لئے نص صریح نہیں ہے۔ تو ان کا یہ دعویٰ غلط اور کلام عرب سے عدم واقفیت کی دلیل ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کلمہ "لاینبغی" یا "ماینبغی" منع وتحریم کے لئے بھی آتا ہے۔ اور عرف شرع میں اس کلمہ کی شان بہت بڑی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ① (اللہ تعالیٰ کی شان کے) لائق نہیں ہے کہ اس کی اولاد ہو۔

اور ایک دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ ② "وہ عرض کریں گے سبحان اللہ! بھلا ہم سے یہ ہو سکتا تھا کہ ہم سوا تیرے اور کسی کو (اپنا) مالک بناتے"

تو اب بتایئے کیا کلمہ "ماینبغی" ان آیتوں میں منع وتحریم کے لئے نص صریح ہے یا نہیں؟

سوال: جو حضرات کہ قبور اولیاء وصالحین اور دیگر مقامات مقدسہ کے لئے بقصد تبرک اور اجر وثواب کے سفر کرنے کے قائل ہیں ان کا ایک اور شبہ یہ بھی ہے کہ وہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر حدیث شد الرحال کو عام کرو گے تو علم وجہاد اور تجارت وغیرہ کے لئے بھی سفر کرنا ممنوع ہو جائے گا حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔

الجواب: یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہونی چاہیے کہ ہر متکلم کے کلام کا اس متکلم کی حیثیت سے وزن ومقتضیٰ ہوتا ہے۔ تو کلام کو اس متکلم کے مقتضیٰ حال پر محمول کرنا ہوگا، نہ کہ اپنی مرضی کے مطابق۔ اس تمہید کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ "لا تشد الرحال" والا کلام کس کا ہے۔ اور اس نے یہ کلام کب اور کس حالت میں کیا ہے؟

تو ظاہر ہے کہ "لا تشد الرحال" والا کلام رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ اور آپ ﷺ نے یہ کلام اس زمانہ اور ان ایام میں فرمایا ہے کہ جب آپ ﷺ کی زندگی کے اکثر وبیشتر اوقات جہاد کے میدانوں میں گزرتے تھے۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد وتجارت وغیرہ کے لئے سفر کرتے ہوئے بھی لوگوں کو مساجد ثلاثہ کے علاوہ دیگر مقامات مقدسہ کے سفر کرنے سے روکتے تھے۔ جس کی پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔ تو یہ سب اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ "لا تشد الرحال" کی تعمیم صرف اماکن کے لئے ہے باقی رہا علم وجہاد اور تجارت وغیرہ جو کہ معنوی اشیاء میں سے ہیں، سو یہ اشیاء چونکہ نہی "لا تشد الرحال" میں شارع کا مقصود نہیں ہے۔ اس لئے ان کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔ کیونکہ شارع کا اصل مقصد "لا تشد

---

① سورة المريم: رقم الآية: ٩٢
② سورة الفرقان رقم الآية: ١٨



الرحال“ سے اماکن ہیں۔اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک سلف وخلف نے یہی مفہوم سمجھا ہے۔اور علاوہ ازیں علم و جہاد اور تجارت وغیرہ کے لئے جو سفر ہوتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ یہ سفر انہی اشیاء کے لئے ہوتا ہے نہ کہ ان اماکن کے لئے جہاں پر یہ اشیاء پائی جاتی ہیں۔بطور مثال اگر کوئی شخص ہندوستان، اٹلی یا روس و امریکہ کا سفر کر کے علم حاصل کرنے یا جہاد و تجارت وغیرہ کے لئے جاتا ہے جو کہ کفر کی سرزمین ہے تو لازماً یہ سفر علم و جہاد اور تجارت وغیرہ کے لئے ہوتا ہے نہ کہ ان اماکن کے لیے کیونکہ یہ اماکن تو کفر کے ہیں۔

چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فمعنى الحديث: لاتشد الرحال إلى مسجد من المساجد أو إلى مكان من الأمكنة، لأجل ذلك المكان إلا إلى الثلاثة المذكورة وشد الرحال إلى زيارة أوطلب علم ليس إلى المكان بل إلى من في ذلك المكان والله أعلم .①

ترجمہ: حدیث کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کسی بھی مسجد یا جگہ کی طرف سفر نہ کیا جائے صرف اس جگہ کی خاطر سوائے تین مذکورہ مساجد کے۔کسی کی زیارت یا طلب علم کے لیے سفر یہ اس جگہ کی طرف سفر نہیں بلکہ اس شخص (استاد، عالم، وغیرہ) کی خاطر ہے جو وہاں رہتے ہیں۔واللہ اعلم۔

قیاسِ اولویت سے استدلال

یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کرلیں کہ اس زمین کے افضل ترین اور محبوب ترین اماکن اللہ تعالیٰ کے ہاں مساجد ہیں۔جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أحب البلاد إلى الله مساجد ها وأبغض البلاد إلى الله أسواقها .② (صحيح مسلم)

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ کے ہاں پسندیدہ جگہیں مساجد ہیں اور ناپسند جگہیں بازار ہیں۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس زمین کے محبوب ترین اماکن مساجد ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ دنیا کی ساری مساجد بشمول مسجد قباء کے نہی ”لاتشد الرحال“ میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کے لئے سفر کرنا جائز نہیں ہے جو کہ فریق مخالف کے ہاں بھی مسلم ہے۔اور پھر ذرا مسجد قباء کے فضائل پر بھی ایک عبوری نظر ڈالئے۔مسجد قباء

---

① فتح الباری: ج٣ ص ٦٦

② رواه مسلم، كتاب المساجد، باب فضل الجلوس في مصلاه، بعد الصبح وفضل المساجد /الترغيب والترهيب ج ١ ص ٢١٥ كتاب الصلاة باب دعاء أحب البلاد إلى الله تعالىٰ مساجدها/ مسند ابي عوانة ج ١ ص ٣٩٠/ بيان فضيلة المساجد وثواب بانيها

اسلام میں سب سے پہلی مسجد ہے اور اس کی تاسیس تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ مسجد قباء اور ان کے آس پاس کے رہنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ①

ترجمہ: ہاں وہ مسجد جس کی شروع دن سے بنیاد پرہیزگاری پر ہوئی ہے (اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے) وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں (اور نماز پڑھائیں) اس میں وہ لوگ ہیں جو خوب پاکی کرنا پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مسجد قباء میں دو رکعت نماز نفل پڑھنے سے پورے عمرے کا ثواب ملتا ہے۔

چنانچہ سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن سهل بن حنيف قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من تطهر في بيته ثم أتى مسجد قُباء فصلى فيه صلاة كان له كأجر عمرة . ② (صحيح)

ترجمہ: سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص گھر میں وضوء کرلے اور پھر مسجد قباء میں آئے اور اس میں نماز پڑھے تو اسے عمرہ کا ثواب ملے گا۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ جب دنیا کی ساری مساجد (بشمول مسجد قباء) احب البلاد ہیں۔ ان کی طرف سفر کرنا جائز نہیں ہے تو بھلا قبروں، قبوں اور گنبدوں کے لئے سفر کرنا کیسے جائز ہوگا؟ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ومن قال بقياس الأولى فقال: إذا كان أفضل بقاع الأرض مساجدها والنهي ورد فيها فما دونها في الفضل كقبور الأنبياء والصالحين أولى بالنهي أما من سافر إلى زيارة قبر فاضل من غير شدالرحال فقربة بالإجماع بلا تردد . ③

ترجمہ: جو قیاس اولیٰ کا قائل ہے وہ کہتا ہے جب زمین کی افضل ترین جگہیں جو کہ مساجد ہیں تو وہ جگہیں جو درجہ میں ان سے کم ہیں، مثلاً (مساجد) تو انبیاء و صالحین کی قبریں تو ان کی طرف سفر کرکے جانا بالاولیٰ ممنوع ہے۔ البتہ جو کسی فاضل کی قبر کی طرف سفر کرے، جس میں شد الرحال نہ ہو تو یہ بالاجماع اور بغیر تردد کے ثواب ہے۔

---

① سورة التوبة، آية رقم : ١٠٨

② رواه ابن ماجه كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها باب ماجاء في الصلاة في مسجد قباء واللفظ له. رواه أحمد في المسند الرقم ١٥٩٢٣ /اسناده صحيح، مسند سهل بن حنيف/النسائي كتاب المساجد باب فضل مسجد قباء والصلاة فيه/ وصححه الباني

③ سير اعلام النبلاء: ج٩ ص ٣٦٨

شدالرحال کی نہی کو عموم پر محمول کرنے اور سیدنا بصرۃ بن أبی بصرۃ الغفاری رضی اللہ عنہ کے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کو کوہ طور پر جانے سے منع کرنے کے ذکر کرنے کے بعد قیاس اولویت کے طور پر استدلال کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهذا النهي يعم السفر إلى المساجد والمشاهد وكل مكان يقصد السفر إلى عينه للتقرب والعبادة بدليل أن بصرة بن أبي بصرة الغفاري، لمّا رأى أبا هريرة راجعاً من الطور الذي كلّم الله عليه موسىٰ قال: لورأيتك قبل أن تأتيه لم تأته، لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لاتشد الرحال إلا إلىٰ ثلاثة مساجد" فقد فهم الصحابي الذي روى الحديث أن الطور و أمثاله من مقامات الأنبياء مندرجة في العموم وأنه لايجوز السفر إليها كمالا يجوز السفر إلى مساجد غير المساجد الثلاثة وأيضا فإذا كان السفر إلى بيت من بيوت الله غير المساجد الثلاثة لايجوز مع أن قصده لأهل مصره يجب تارة و يستحب أخرى ، قدجاء في قصد المساجد من الفضل مالايحصى فالسفر إلى بيوت الموتى من عباده أولىٰ أن لايجوز .①

ترجمہ: اور یہ نہی مساجد اور دوسری جگہوں کے لئے عام ہے اور ہر اس جگہ کے لیے ہے جہاں عبادت اور تقرب کی خاطر سفر کیا جائے، اس ممانعت کی دلیل بصرہ بن ابی بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جب انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو طور پہاڑ سے آتے دیکھا، جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا، فرمایا: اگر میں آپ کو وہاں جانے سے قبل دیکھ لیتا تو آپ وہاں نہ جاتے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: '' تین مساجد کے سوا کسی اور جگہ کی طرف رخت سفر نہ باندھا جائے'' حدیث کے راوی صحابی رضی اللہ عنہ نے حدیث کا یہی معنیٰ سمجھا ہے کہ یہ نہی طور اور اس جیسی دیگر جگہوں کے لیے عام ہے جن میں انبیائے کرام کی قبور وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ان کی طرف بھی سفر کرنا جائز نہیں جیسے تین مساجد کے سوا دوسری مساجد کے لیے جائز نہیں، جب تین مساجد کے سوا اللہ کے گھروں (مساجد) کی طرف خاص سفر کرنا جائز نہیں حالانکہ ان مساجد کی طرف جانا کبھی فرض ہوتا ہے تو کبھی مستحب، اور پھر ان مساجد کی طرف جانے کی فضیلت بھی بہت وارد ہوئی تو اللہ کے بندے جو وفات پا چکے ہیں کے گھروں (قبروں) کی طرف سفر کر کے جانا بالاَولیٰ جائز نہیں۔

شد الرحال کے بغیر زیارتِ قبور سنت ہے

ہماری اس شد الرحال والی بحث سے کوئی ہرگز یہ نہ سمجھے کہ ہم مطلق زیارت قبور کے قائل نہیں ہیں۔ حاشا وکلا، بلکہ مطلق

① اقتضاء الصراط المستقیم ۳۲۸-۳۲۹

زیارت قبور کا مسئلہ امت اسلامیہ کے ہاں ایک متفقہ اور اجماعی مسئلہ ہے جو کہ ہماری معلومات کے مطابق آج تک اس کا کوئی بھی منکر نہیں رہا ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔ باقی رہا مسئلہ شد الرحال کا تو وہ الگ بات ہے کیونکہ شد الرحال کا مسئلہ اور ہے اور مطلق زیارت قبور کا مسئلہ کچھ اور۔

مطلب یہ ہے کہ حدیث "لا تشد الرحال إلا الیٰ ثلاثة مساجد" کے مطابق قبور انبیاء، اولیاء وصالحین اور دیگر مقاماتِ مقدسہ کے لیے سفر کر کے جانا جائز نہیں ہے جبکہ درج ذیل احادیث کی روشنی میں مطلق زیارت قبور بغیر شد الرحال کے جائز ومشروع ہے وہ احادیث یہ ہیں:

۱. عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: زار النبی ﷺ قبر أمه فبکیٰ و أبکیٰ من حوله فقال استأذنت ربی فی أن أستغفر لها فلم یأذن لی، واستأذنت ربی فی أن أزور قبرها فأذن لی، فزوروا القبور فإنها تذکرکم الموت. ① (صحیح)

ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی پس آپ ﷺ رو پڑے اور اپنے ساتھیوں کو بھی رولا دیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کیلئے استغفار کرنے کی اجازت طلب کی اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی چنانچہ میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی پس تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ وہ تمہیں موت یاد دلاتی ہیں۔

۲. عن عبدالله بن بریدة عن أبیه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها فإنها تذکر الآخرة. ② (صحیح مسلم)

بریدہ کا بیٹا اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اس نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا، پس اب تم ان (قبروں) کی زیارت کرو۔

اس سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی جو کہ ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ قبور انبیاء واولیاء کی زیارت کے منکر ہیں۔ (وَهٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ) زیارت قبور انبیاء واولیاء تو اپنی جگہ پر مشروع ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ زیارت قبور کے اسباب جو شارع علیہ السلام نے بیان کئے ہیں، ان کے مطابق ہم تو کفار کی قبروں کی زیارت کے بھی قائل ہیں۔ کیونکہ شارع علیہ السلام نے زیارت قبور کے جو مقاصد بیان کئے ہیں وہ مقاصد جس طرح اولیاء وصالحین اور عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس طرح کفار کی

① رواہ ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی زیارة قبور المشرکین / وصححه الألبانی.

② رواہ مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی صلی الله علیه وسلم ربه فی زیارة قبر أمه / أحمد الرقم: ۲۲۹۰۱ واللفظ له / إسناده صحیح، مسند بریدة.

قبروں کی زیارت سے بھی حاصل ہوسکتے ہیں۔ اور وہ اسباب ہیں تذکرِ موت اور تذکرِ آخرت۔ اور یہ دونوں چیزیں دونوں قسم کی قبروں کی زیارت سے حاصل ہوتی ہیں۔ ہاں البتہ یہ الگ بات ہے کہ اولیاء وصالحین اور عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کرتے وقت مشروع ہے کہ زائر اُن کے لئے دعائے مغفرت اور استغفار کرے جبکہ یہ چیز کفار کے لئے ممنوع ہے۔ باقی رہا نفسِ زیارتِ قبورِ کفار تو شارع کے بیان کردہ اسباب کے مطابق کوئی ممانعت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیارت قبور کے متعلق جو احادیث آئی ہیں، تو اگرچہ ان میں مسلمانوں کے لئے تخصیص بھی ہے، مگر ان میں سے بہت سی احادیث میں عموم کے کلمات آئے ہیں، مثلاً "فزوروا القبور ......" جو پہلے گزر چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث مذکور کے مضمون ومناسبت کی وجہ سے ابن ماجہ میں "باب زیارة قبور المشرکین" قائم کیا ہے۔ اور اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت کی، جس کی تفصیل بعد میں آئے گی، تو وہاں پر بھی الفاظ "فزوروا القبور" عام ہیں۔ یہ تو ہوئے زیارت قبور کے کلمات۔ باقی رہا وہاں قبروں کے پاس جانے کے بعد ان پر سلام کہنا اور اہل قبور کے لئے دعا واستغفار کرنا تو وہاں پر تخصیص کیساتھ مسلمین کے الفاظ آئے ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ زیارت قبور سب کے لئے ہے۔ باقی رہا سلام اور دعاء واستغفار تو وہ صرف مسلمانوں کے لئے ہے کفار کے لئے نہیں، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو زیارت کی اجازت دے دی اور جب آپ ﷺ نے ان کے لئے استغفار کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو استغفار کی اجازت نہیں دی۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: ...... زار النبي صلى الله عليه وسلم قبر أمه، فبكى وأبكى من حوله، فقال: استأذنت ربي أن استغفر لها فلم يأذن لي واستأذنته في أن أزور قبرها فاذن لي. فزوروا القبور فإنها تذكر الموت. ① (صحيح مسلم)

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اپنی والدہ (آمنہ) کی قبر کی زیارت کی تو آپ رو دیے اور جو آپ کے ساتھ تھے ان کو بھی رلایا۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے استغفار کے لئے اجازت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی۔ پھر میں نے اللہ سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دے دی۔ تم بھی قبور کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ یہ موت یاد دلاتی ہیں۔

---

① رواه مسلم، كتاب الطهارة باب استحباب إطالة...... / واللفظ له. / مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجنائز / من رخص في زيارة القبور / الترغيب والترهيب ج ۴ ص ۳۵۷، كتاب الجنائز / الترغيب في زيارة الرجال القبور.



اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقد أذن النبي صلى الله عليه وسلم في زيارتها بعد النهي و علل ذلك بأنها تذكر الموت والدار الآخرة وأذن لنا إذناً عامًا في زيارة قبر المسلم والكافر، والسبب الذي ورد عليه هذا اللفظ يوجب دخول الكافر والعلة وهي تذكر الموت والآخرة موجودة في ذلك كله. ①

ترجمہ: نبی ﷺ نے قبروں کی زیارت سے منع کے بعد اس کی اجازت دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس سے موت اور آخرت یاد رہتی ہے اور اس اجازت میں مسلمان اور کفار کی قبور شامل ہیں کیونکہ اذن عام ہے اور جس سبب سے یہ لفظ وارد ہوئے ہیں ان کی وجہ سے کافر بھی اس میں داخل ہیں۔ اور وہ ہے موت اور آخرت یاد دلانے والی علت جو ان سب (قبور) میں موجود ہے۔

① اقتضاء الصراط المستقیم ص: ۳۲۸-۳۲۹



فصل دوم

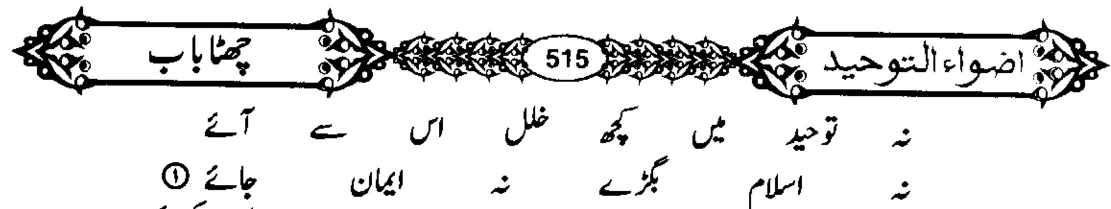
اس فصل میں فتنہ قبور کی دوسری مختلف خرافات و رسوم بیان کی جائیں گی۔

بت پرستی، قبر پرستی سے ہی جنم لیتی ہے

افسوس اور صد افسوس! کہ بزرگوں کی قبروں اور مزاروں پر جو فسق و فجور اور خرابیاں جس انداز سے ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہی ان کی تعداد و مقدار کو بخوبی جانتا ہے کہ کس قدر ہے۔ اگر کہیں موقع ملا تو اسی باب میں کسی جگہ ان بے شمار فسق و فجور اور خرابیوں میں سے کچھ بیان کریں گے۔ ان کے علاوہ ان مزاروں کی تعظیم و تکریم مساجد اللہ جیسی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بجالائی جاتی ہے۔ سالانہ عرس و میلے ان پر لگتے ہیں۔ قبروں کو قبلہ بنا کر ان کی طرف نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ قبروں کے باقاعدہ طواف کیے جاتے ہیں۔ لوگ ان قبروں پر تبرک کے لئے ہاتھ پھیرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عطاء کیے ہوئے حسین و جمیل چہرے ان پر رگڑتے ہیں۔ قبر کے آس پاس برکت کے لئے لیٹ جاتے ہیں۔ اپنے بچوں کو قبروں اور گنبدوں کی دیواروں کے ساتھ بطورِ تبرک لگاتے ہیں۔ اصحاب قبور کی نقلی و جعلی تصویریں اپنے گھروں، دکانوں اور بیٹھکوں میں برکت کے لیے رکھتے ہیں۔ اور قبروں پر خوشبو ملتے اور ان پر پھولوں کے ہار اور ریشمی چادریں چڑھاتے ہیں۔ آخر آپ بتائیے! اگر یہ بت پرستی نہیں ہے، تو پھر بت پرستی کس چیز کا نام ہے؟ کیا ہندو، بدھ مت اور دوسری بت پرست اقوام اپنے بتوں کے ساتھ ان قبر پرستوں سے کچھ زیادہ برتاؤ کرتے ہیں؟

اور اگر وہ بت پرست اپنے بتوں کے ساتھ ان قبر پرستوں سے زیادہ برتاؤ نہیں کرتے اور یقیناً نہیں کرتے تو پھر وہ کیوں کافر و مشرک ہوئے اور یہ موحد و مسلمان؟ مولانا الطاف حسین حالی رحمہ اللہ اس کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو اپنا قبلہ تو کافر
کواکب میں مانیں کرشمہ تو کافر
مگر مؤمنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں



نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے ①

حقیقت یہ ہے کہ قبر پرستوں کا یہ سارا معاملہ جو قبروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ قبر پرست اس کو خواہ کسی بھی نام سے موسوم کر لیں مگر واقع میں یہ بت پرستی ہی ہے اور اسی کو شرک کہتے ہیں۔ یہی وہ دلدل ہے کہ جس میں پھنسے ہوؤں کو اسلام نکالنے آیا اور یہی وہ اوثان پرستی کی جڑ ہے کہ جس کو ملیامیٹ کرنے کے لئے کم وبیش سوا لاکھ انبیاء ورسل علیہم السلام بھیجے گئے اب اس پر امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق ملاحظہ ہو۔ چنانچہ امام ابن قیم ابو محمد المقدسی رحمہ اللہ کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

وقد روينا أن ابتداء عبادة الأصنام تعظيم الأموات باتخاذ صورهم والتمسح بها والصلاة عندها . ②

ترجمہ: اور تحقیق ہم کو روایت پہنچی ہے کہ بت پرستی کی ابتداء مُردوں کی (حد سے بڑھی ہوئی) تعظیم ہی تھی کہ لوگ ان کی تصویریں بناتے۔ ان کی قبروں کا مسح کرتے (یعنی قبروں کو چھوتے) اور ان کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے۔

بت پرستی کے اسباب بیان کرتے ہوئے فقہ حنفی کے مشہور امام علامہ شامی رحمہ اللہ بھی اسی طرح لکھتے ہیں:

أصل عبادة الأصنام اتخاذ قبور الصالحين مساجد . ③

ترجمہ: یعنی دنیا میں بت پرستی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اولیاء وصالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا گیا۔

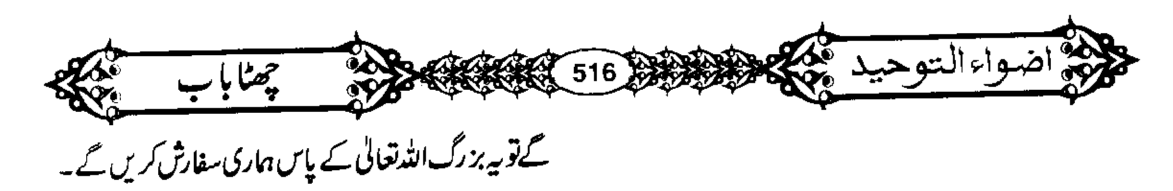
حقیقت یہ ہے کہ بت پرستوں نے اینٹ اور پتھر کے بت انبیاء واولیاء کی شکل وصورت میں بنا کر اس اعتقاد کی بناء پر پوجنا شروع کر دیا کہ یہ اکابر (یعنی انبیاء واولیاء) ہم سے خوش ہو جائیں اور پھر جب وہ خوش ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے لئے سفارش کریں گے اور اسی طرح بعینہ آج کل کے قبر پرست کہتے اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب ہم بزرگوں کی قبروں کا اعتکاف وطواف اور تعظیم وتوقیر کرتے ہیں تو ان کی روحیں ہم سے خوش ہو جاتی ہیں اور خوش ہونے کے بعد یہ اولیاء وبزرگان دین اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے لئے سفارش کریں گے، چنانچہ بت پرستی کے اسباب بیان کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اس طرح لکھتے ہیں:

إنهم وضعوا هذه الأصنام والأوثان على صور أنبيائهم وأكابرهم وزعموا أنهم متى اشتغلو بعبادة هذه التماثيل فإن أولئك الأكابر يكونون شفعاء لهم عند الله تعالىٰ ونظيره في هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الأكابر على اعتقاد أنهم إذا عظموا قبورهم فإنهم يكونون شفعاء لهم عندالله . ④

ترجمہ: ان لوگوں نے یہ پتھر اور دھاتوں کے بنے ہوئے بت انبیاء واولیاء کی صورتوں کے مطابق بنائے اور ان کا خیال یہ تھا کہ ہم ان مجسموں (تصویروں) کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو وہ بزرگ اور نیک وصالح لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے اور اسکی مثال آج بھی دنیا میں موجود ہے کہ بہت سے لوگ انبیاء واولیاء کی قبروں کی تعظیم میں مشغول ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ جب ہم ان بزرگوں کی قبروں کی تعظیم کریں

---

① مسدس حالی ص۱۱۶ شرک اور دعویٰ توحید
② إغاثة اللهفان: ج ۱ ص ۲۱۶، وفتح المجيد، ص ۲۳۶
③ رد المحتار، ج ص ۳۵۲
④ مفاتيح الغيب ج۱۷ ص ۶۳



گے تو یہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے۔

قبر پرستی یہود و نصاریٰ کا شیوہ ہے

شرک کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) جو کہ اپنے آپ کو بڑے موحد سمجھتے تھے اور مشرکین عرب کے بت پرستوں کا مذاق اڑاتے تھے، لیکن اس دعویٰ توحید کے باوجود وہ بھی قبر پرستی کی لعنت میں مبتلا ہو کر شرک کے عمیق گڑھے میں گر چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب و لعنت کے مستحق بنے ہوئے تھے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عن سهيل بن صالح عن أبيه عن ابى هريرة عن النبى ﷺ اللهم لا تجعل قبرى وثنا لعن الله قوما اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد...... .① (صحيح)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔ اس قوم (یہود و نصاریٰ) پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا ڈالا۔

اور صحیح بخاری اور مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا قول یہودی و نصاریٰ کے بارے میں یوں آیا ہے۔

عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مرضه الذى لم يقم منه: لعن الله اليهود والنصارىٰ اتخذ وا قبور أنبيائهم مساجد، قالت: فلو لاذلك لأبرز قبره غير أنه خشى أن يتخذ مسجداً .② (صحيح بخارى ومسلم)

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جس بیماری سے رسول اللہ ﷺ شفایاب نہ ہو سکے اس بیماری میں آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے، کیونکہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اگر یہ ڈر نہ ہوتا تو آپ کی قبر کو ظاہر رکھا جاتا کیونکہ خطرہ تھا کہ اسے سجدہ گاہ بنالیا جائے گا۔

اور صحیح مسلم میں ایک اور روایت بھی آئی ہے جس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔ کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے پانچ دن پہلے یوں ارشاد فرمایا:

ألا إن من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور أنبيائهم وصالحيهم مساجد، ألا فلا تتخذوا القبور مساجد إنى أنهاكم عن ذلك .③ (صحيح مسلم)

ترجمہ: بے شک تم سے پہلے لوگوں (یہود و نصاریٰ) نے اپنے انبیاء و بزرگان دین کی قبروں کو مسجدیں بنالیا، خبردار! تم ایسا نہ کرنا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔

---

① رواه الإمام مالك فى المؤطأ، كتاب قصر الصلاة فى السفر، باب جامع الصلاة/احمد فى المسند، مسند أبى هريرة و اللفظ له/الرقم: ۷۳۵۳،اسناده صحيح. وصححه الألبانى فى تحذير الساجد فقال: عن عطاء بن يسار مرفوعا وسنده صحيح وقد وصله البزار عنه عن ابى سعيد الخدرى وصححه ابن عبد البر مرسلا وموقوفا. تحذير الساجد ص ۲۵......۲۶.

② رواه البخارى، كتاب الجنائز باب مايكره من اتخاذ المساجد على القبور / مسلم كتاب المساجد ومواضع الصلاة باب النهى عن بناء المساجد على القبور واللفظ له/مسند ابى عوانة ج ۱ ص ۳۹۹،بيان حظر الصلاة إلى المقابر.

③ رواه مسلم، تقدم تخريجه فى المقدمة



عرس اور میلے قبر پرستی کی جڑ ہیں

عرس اور میلوں کی مخالفت کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فأمّا اتخاذ قبورهم أعيادًا فهو مما حرمه الله ورسوله، واعتياد قصد هذه القبور في وقت معين، والاجتماع العام عندها في وقت معين هو اتخاذها عيداً. ①

ترجمہ: یعنی انکا قبروں کو عید بنانا یہی ہے کہ خاص قصد کر کے ان کی طرف سفر کیا جائے (عبادت کے لئے) کسی معین وقت اور خصوصی اجتماعات کا اہتمام کیا جائے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے حرام فرمایا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ عرس اور میلوں کو بڑی بدعات وخرافات میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن أعظم البدع ما اخترعوه في أمر القبور، واتخذوها عيداً. ②

ترجمہ: اور سب سے بڑی بدعتوں میں سے ایک بدعت یہ بھی ہے کہ لوگوں نے قبروں کے متعلق بہت سی باتیں از خود گھڑ لی ہیں، اور قبروں کو میلے کی حیثیت دے دی ہے۔

انبیاء وصالحین کی قبروں کو عرس ومیلہ بنانے کی سختی کے ساتھ مخالفت کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والعيد إذا جعل اسماً للمكان: فهو المكان الذي يقصد الاجتماع فيه وإتيانه للعبادة عنده، أو لغير العبادة كما أن المسجد الحرام ومنى ومزدلفة وعرفة جعلها الله عيدًا مثابة للناس يجتمعون فيها وينتابونها للدعاء والذكر والنسك وكان للمشركين أمكنة ينتابونها للاجتماع عندها فلما جاء الإسلام محا الله ذلك كله وهذا النوع من الأمكنة يدخل فيه قبور الأنبياء والصالحين. ③

ترجمہ: یہ شرف صرف کعبۃ اللہ، مزدلفہ، منیٰ اور عرفات ہی کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی اماکن کو لوگوں کے لئے عید قرار دیا ہے۔ کہ ان میں لوگ اکٹھے ہو کر دعا وذکر اور قربانیاں کرتے ہیں۔ اسی قسم کے شرکیہ مقامات مشرکین عرب نے بھی بنا رکھے تھے اور پھر جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ملیا میٹ کر دیا اور اس قسم کے اماکن میں انبیاء وصالحین کی قبور بھی داخل ہوں گی۔

---

① اقتضاء الصراط المستقیم ص: ٣٧٧

② تفهيمات إلٰهية ج٢ ص ٦٧، تفهيم ٥٣

③ اقتضاء الصراط المستقیم ص ٣٧٧، وإغاثة اللهفان، ج١ ص ٢٠٩، ٢١٠



امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنے کے مخالف تھے

سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قبروں پر مسجد بنانے اور اصحابِ قبور کے حق میں غلو کے سخت مخالف ہیں چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ان کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں:

قال الشافعي: وأكره أن يعظم مخلوق حتى يجعل قبره مسجدًا مخافة الفتنة عليه وعلى من بعده من الناس. ①

ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مخلوق کی اس حد تک تعظیم کرنا کہ اس کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیا جائے مکروہ اور حرام ہے کیونکہ اس سے قبروں کی پوجا کرنے والے پر اور بعد والوں پر فتنہ کا ڈر ہے۔

قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی بزرگان دین کی قبروں پر عرس و میلے کو حرام سمجھتے ہیں

اولیاء وشہداء کی قبروں کے سجدے وطواف ان پر چراغاں کرنے ان کے اوپر مسجد بنانے اور ان پر سال بہ سال حاضری دے کر عرس و میلہ رچانے کی شدت وسختی کے ساتھ مخالفت کرتے ہوئے قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سورہ آل عمران کی آیت:

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ولايجوز مايفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود و الطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد عليها ومن الاجتماع بعد الحول كالأعياد ويسمونه عرسًا. ②

ترجمہ: اور یہ جو جاہل (پیر ومرشد اور مفاد پرست گدی نشین) لوگ اولیاء وشہداء کی قبروں پر چراغاں کرتے ہیں ان کی قبروں کے اردگرد سجدے وطواف کرتے ان پر مسجدیں تعمیر کرواتے اور سال بہ سال ان کی قبروں پر اجتماع و میلے رچاتے ہیں کہ جس کو عرس کہتے ہیں یہ قطعاً ناجائز ہے۔

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو میلہ بنانے کے سخت مخالف تھے

دنیا کی کسی بھی قبر کو صرف دعاء کیلئے قصد کر کے جانا خواہ وہ قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کیوں نہ ہو، درحقیقت اس کو میلہ بنانا

---

① اقتضاء الصراط المستقيم ص ٣٣٣ ② التفسير المظهري ج٢ ص ٦٥

ہے جیسا کہ روایت میں آیا ہے۔ سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جو کہ قصد وتحری کے ساتھ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس آ کر دعا کیا کرتا تھا تو آپ نے اس شخص کو اس طرح کے عمل سے منع کر کے استشہاد میں قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''ولا تتخذوا قبری عیدًا'' کو پیش کیا ہے۔

اب پیشِ خدمت ہے اصل حدیث:

عن علی بن الحسین: أنه رأی رجلاً یجیُ إلی فرجةٍ کانت عند قبر النبی صلی الله علیه وسلم فیدخل فیها فیدعو، فنهاه فقال: ألا أحدثکم حدیثًا سمعته من أبی عن جدی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ قال: لاتتخذوا قبری عیدًا ولابیوتکم قبوراً فإنّ تسلیمکم یبلغنی أینما کنتم .① (صحیح)

ترجمہ: سیدنا علی بن حسین (زین العابدین) رحمہ اللہ نے دیکھا کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس ایک سوراخ میں منہ ڈال کر دعا کرتا تھا تو زین العابدین علی بن حسین رحمہ اللہ نے اس کو روک دیا اور فرمایا: میں تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے اپنے ابو (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے) اور انہوں نے میرے دادا (سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے) سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری قبر کو عید نہ بناؤ یعنی بار بار عبادت کی نیت سے حاضری نہ دو اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، تم جو سلام مجھ پر کہو گے وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

اور بعینہ اوپر والی روایت کی طرح ایک اور واقعہ سیدنا حسن بن حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش آیا۔ کہ ایک شخص قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قصد وتحری کے ساتھ دعاء کے لئے آیا کرتا تھا۔ تو حسن بن حسن رضی اللہ عنہ نے بھی ماقبل والا قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر اس شخص کو اس طرح کے عمل سے منع کر دیا۔

اصل روایت اس طرح ہے۔

وقال سعید: حدثنا عبدالعزیز بن محمد أخبرنی سهیل بن أبی سهیل قال: رآنی الحسن بن الحسن بن علی بن أبی طالب عند القبر فنادانی وهو فی بیت فاطمة یتعشی فقال: هلمّ إلی العشاء فقلت لا أریده، فقال: مالی رأیتک عند القبر؟ فقلت:

ترجمہ: امام سعید فرماتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن محمد نے حدیث سنائی وہ کہتے ہیں مجھے سہیل بن ابی سہیل نے خبر دی کہ مجھے حسن بن حسن بن علی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس دیکھا تو مجھے آواز دی اور اس وقت وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں شام کا کھانا کھا رہے تھے، مجھے بھی کھانے کی دعوت دی تو میں نے

① رواه ابوداؤد، کتاب المناسک باب زیارة القبور، عن ابی هریرة وسکت عنه ابوداؤد وهذا یدل علی صحته عنده /مسند ابی یعلی، الرقم: ۴٦۵/ مسند علی بن أبی طالب/مصنف ابن ابی شیبة کتاب الصلوات، باب فی الصلوٰة عندقبر النبی ﷺ الرقم: ۷۵۴۱/صحیح الجامع الصغیر وزیادته ج۲ص ۱۲۱۱ الرقم: ۷۲۲٦ /وقال الألبانی صحیح /القول البدیع للسخاوی ص ۱۵۵ /وقال هو حدیث حسن.



سلمت على النبي صلى الله عليه وسلم فقال: إذا دخلت المسجد فسلم، ثم قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتتخذوا بيتي عيدًا ولا تتخذوا بيوتكم قبورًا وصلّوا عليّ فإن صلاتكم تبلغني حيثما كنتم. لعن الله اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد، ماأنتم ومن بالأندلس إلاسواء .① (حسن)

کہا: مجھے حاجت نہیں ہے، پھر آپ نے پوچھا میں نے تجھے نبی ﷺ کی قبر کے پاس دیکھا تھا وہاں کیا کر رہا تھا؟ میں نے کہا نبی ﷺ پر سلام پڑھ رہا تھا، تو حسن بن حسن نے فرمایا: جب تو مسجد میں آئے تو سلام کرلے۔ پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''تم میرے گھر (قبر) کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ تم مجھ پر درود پڑھو تم جہاں بھی ہوگے مجھ تک تمہارا درود پہنچا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا تھا۔ (نبی ﷺ پر درود بھیجنے کے لحاظ سے) تم اور اندلس والے برابر ہو۔

ان دونوں روایتوں پر ذرا نظر عمیق ڈال کر دیکھیں کہ سیدنا علی بن الحسین الملقب زین العابدین رحمہ اللہ اور ان کے چچا زاد بھائی حسن بن حسن رضی اللہ عنہ جو کہ اہل بیت کے رؤساء میں سے ہیں اور دونوں ایک متحد المفہوم روایت کے راوی ہیں۔ جو کہ دوسرے لوگوں سے اس کے مقصد ومفہوم کو زیادہ سمجھتے ہیں اس لئے ان میں سے ہر ایک نے دعاء کے لئے قبر رسول اللہ ﷺ کے قصد کرنے والے اس شخص (جو کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر دعا کیلئے قصد کر کے جاتا تھا) کو سختی کے ساتھ منع کر کے استشہاد کے لئے لا تتخذوا قبری/ بیتی عیدًا...... والی حدیث کو پیش کیا۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی قبر پر آکر دعاء کے لئے قصد کرنا اس کو میلہ بنانے کے مترادف ہے۔ چنانچہ اوپر والی ان دونوں روایتوں کے نقل کرنے کے بعد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم إن أفضل التابعين من أهل بيته علي بن الحسين رضي الله عنه نهى ذلك الرجل أن يتحرى الدعاء عند قبره صلى الله عليه وسلم واستدل بالحديث وهو راوي الحديث الذي سمعه من أبيه الحسين عن جده عليّ وهو أعلم بمعناه من غيره.

ترجمہ: اہل بیت اور افضل تابعین میں سے علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی قبر پر حاضر ہو کر سلام پڑھنے سے منع کیا ہے۔ اور اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے جسے خود انہوں نے اپنے والد حسین سے اور انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کے مفہوم کو بھی دوسروں کی بنسبت وہ زیادہ جانتے تھے۔

① رواه عبدالرزاق ج۳ص۵۷۷، كتاب الجنائز، باب السلام على قبر النبي ﷺ الرقم: ٦٧٢٦ عن الحسن ابن الحسن/مسند احمد، الرقم: ٨٧٩٠، اسناده حسن، مسند ابي هريرة /مصنف ابن ابي شيبة، كتاب الصلوات، باب في الصلوة عند قبر النبي ﷺ الرقم: ٧٥٤٢ عن الحسن ابن الحسن.



فتبين أنّ قصد قبره للدعاء ونحوه، اتخاذ له عيدًا وكذلك ابن عمه الحسن بن الحسن شيخ أهل بيته كره أن يقصد القبر للسلام ونحوه غير دخول المسجد ورأى أن ذلك من اتخاذه عيدًا فانظر هذه السنة كيف مخرجها من أهل المدينة وأهل البيت الذين لهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم قرب النسب وقرب الدار لانهم إلى ذلك أحوج من غيرهم فكانوا لها أضبط .①

اس حدیث سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ کی قبر پر دعا وغیرہ کے لیے آنا قبر کو عید گاہ بنانے کے مترادف ہے۔ اسی طرح آپ کے تایا کا بیٹا سیدنا حسن بن حسن (جو اہل بیت کے بڑے شیوخ میں سے ہیں) نے بھی قبر پر آ کر (بار بار) سلام کہنے کو ناپسند کیا ہے ہاں مسجد نبوی میں (نماز کے لئے) آنے کو ناپسند نہیں کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ (بار بار) کی حاضری یہ آپ کی قبر کو عید بنانے کے مترادف ہے۔ غور کریں اس سنت کا مدینہ منورہ اور اہل بیت سے کیسے ظہور ہوا وہ اہل بیت جن کی نبی ﷺ سے قرابت نسب اور گھر کے لحاظ سے تھی، ان کو اس کی ضرورت بھی زیادہ تھی اور اس سنت کو وہ یاد بھی خوب رکھتے تھے۔

عرس اور میلوں میں ہندوؤں کی تقلید

یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کرلیں کہ آج کل بزرگوں (واقعی یا فرضی) کی قبروں اور مزاروں پر جو عرس و میلے رچائے جاتے ہیں۔ بالخصوص برصغیر میں کہ جس میں کفریات وشرکیات، بدعات وخرافات اور اخلاقی خرابیاں مثلاً اپنی جیسی محتاج مخلوق کو پکارنا۔ انکی نذر و نیاز دینا، ان کی قبروں کے سامنے ہاتھ باندھ کر نہایت عاجزی کے ساتھ کھڑے ہونا، انکی قبروں کی تصویریں بنا کر پوجنا، غیر اللہ سے حاجات طلب کرنا۔ مال کا ضائع کرنا، چراغ جلانا، ڈہل وطبلہ بجانا، مرثیہ وقوالیاں پڑھنا وغیرہ شامل ہیں تو یہ ''الف'' سے لے کر ''ی'' تک سب کے سب ہندوؤں کے عادات ورسوم اور اندھی تقالید ہیں جو کہ نام کے مسلمانوں نے اسلامی عقائد کے فقدان کی وجہ سے ہندوؤں کی تقلید کر کے انہی سے اپنا لیئے ہیں کہ جن کا اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں جتنی رسوم وخرافات پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب ہندوؤں کی پیداوار ہیں۔ چنانچہ اس پر ایک نو مسلم عالم مولانا عبید اللہ ہندی رحمہ اللہ جو کہ اسلام لانے سے پہلے پنڈت ② تھا۔ ''تحفۃ الہند'' کے نام سے

---

① اقتضاء الصراط المستقیم ص ٣٢٤ / وإغاثة اللهفان ج ١ ص ٢١٢.
② ہندوؤں کا مذہبی راہنما تھا۔

ایک بہترین کتاب لکھی ہے کہ جس میں انہوں نے یہ بات دلائل سے ثابت کر دی کہ ہندوؤں کے اندر کوئی بھی ایسی رسم نہیں ہے کہ جس کی نقل مسلمانانِ ہند میں نہ ہو۔ خواہ وہ رسم اعتقادات وعبادات کے باب سے ہو یا عادات ومعاملات کے باب سے اور حقیقت میں جیسا کہ صاحب تحفۃ الہند نے لکھا ہے واقع اور نفس الامر میں بھی ایسا ہی ہے کہ جتنی خرافات ورسوم ہندوستان کے مسلمانوں میں آ چکی ہیں وہ سب کی سب ہندوؤں کی ایجادات ہیں اور ان نام کے مسلمانوں نے یہ ساری رسوم وخرافات ہندوؤں سے نقل کی ہیں۔ اور یہ حقیقت اس وقت کھل کر آپ حضرات کے سامنے آ جائے گی کہ جب آپ ہندوستان کے نام کے مسلمانوں کے عقائد کو معلوم کر کے تحفۃ الہند کو اول سے لے کر آخر تک مطالعہ کر کے ہندوؤں اور نام کے مسلمانوں کے مشترکہ عقائد کو بھی معلوم کر لیں گے تو اس وقت آپ کو پورا پتہ چلے گا کہ ہندوستان کے نام کے مسلمانوں نے یہ مسخ شدہ اسلام ہندوؤں سے لیا ہے کہ جس کا شریعت محمدی سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ تو صاحب تحفۃ الہند نے جب ہندو مذہب کی قباحتیں بیان کی کہ ہندو لوگ ایسے بے وقوف اور عقل کے اندھے ہیں کہ ان کے معبود گنتی وشمار سے بھی باہر ہیں اور پھر ان کی عبادت کے طریقے بھی فطرت اور عقل انسانی کے خلاف ہیں۔ تو پھر اس پر ہندو لوگ برہم ہو گئے اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے دین و مذہب کے جو عقائد ونظریات ہیں کہ جن کو تم قبیح و برا جانتے ہو وہ تو تمہارے اندر بھی موجود ہیں اور پھر ہندوؤں نے مسلمانوں پر بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔ جن کو تحفۃ الہند والے نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور چونکہ تلخیص عبارت سے ماقبل ومابعد کا پورا پتہ ہر ایک کو نہیں چل سکتا اس لئے وضاحتِ مطلوبہ کے لئے ہم تحفۃ الہند کی ساری عبارت نقل کرتے ہیں۔ اب ملاحظہ فرمائیں ہندوؤں کے اعتراضات ہندوستان کے مسلمانوں پر۔

((اس مقام میں ہندوؤں کا یہ سوال ہے کہ اے مسلمانو! تم نے جو اس فصل میں ہمارے دین پر اعتراضات کئے سو یہ سارے اعتراض تمہارے دین پر بھی آتے ہیں اور سوائے خدا کے اوروں کو معبود ٹھہرانا اور حاجت روا اور نفع ونقصان کا مختار سمجھنا تمہارے دین میں بھی ہے۔ ہم اکثر مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ کوئی کسی کی قبر کو پوجتا ہے ناک رگڑتا ہے چڑھاوا چڑھاتا ہے حاجات طلب کرتا ہے۔ کوئی سید سلطان کے نام کا جانور ذبح کرتا ہے۔ کوئی سوامن کا روٹ دیتا ہے کوئی حضرت امام ضامن کا پیسہ بازو پر باندھ کر ان کو اپنا نگہبان جانتا ہے اور کسی نے حضرت پیر دستگیر کو اپنا معبود ٹھہرا رکھا ہے۔ اور اپنی حاجت روائی کے واسطے ان کی گیارہویں کرتا ہے۔ اور کوئی ان کی قبر کی طرف منہ کر کے ہاتھ باندھ کر گیارہ قدم چلتا ہے اور کہتا ہے کہ یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ یعنی اے شیخ عبدالقادر کچھ دو خدا کے واسطے اور کوئی کہتا ہے یا شیخ عبدالقادر المدد، اور کوئی کہتا ہے اول محی الدین آخر محی الدین ظاہر محی الدین باطن محی الدین اور کوئی پیر دستگیر کے نام پر چراغ جلا کر ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے اور کوئی پیر دستگیر کے نام پر

① مذہبی رہنما

جھنڈا لگا کر کے اس کی تعظیم کرتا ہے اور کوئی حضرت امام حسین کا تعزیہ بنا کر رزق اور اولاد طلب کرتا ہے اور کوئی سید سالار اور شاہ مدار سے حاجات مانگتا ہے اور کوئی خواجہ معین الدین کی قبر سے مال وزر طلب کرتا ہے۔ اور کوئی پیروں سے نفع کی امید اور نقصان کا خوف رکھ کر ان کی نیاز دیتا ہے۔ جیسے بابا فرید گنج شکر کی کھچڑی، شاہ عبدالحق کا توشہ، حضرت علی کا کونڈا، حضرت عباس کی حاضری، تین کوڑی کی نیاز، پیر نصیر کی، پیر نبوی کا نمک بندگی صاحب کی قبر کا غلاف اور کوئی حضرت شاہ قمیص کی قبر کو پوجتا ہے اور حضرت بو علی قلندر کی قبر کی پوجا کرتا ہے اور کوئی حضرت شیخ صدر الدین مالیری کی قبر کو پوجتا ہے۔ بکری وغیرہ چڑھاتا ہے اور کوئی شاہ عنایت ولی کے نام پر چراغ جلاتا ہے اور نیاز مانتا ہے۔ اور کوئی کسی کے نام پر مٹھی نکالتا ہے۔ اور کوئی کسی کے حق میں جب دعا کرتا ہے۔ تو اللہ کے نام کے ساتھ اوروں کے نام ملا دیتا ہے اور کوئی کہتا ہے اللہ اور پنجتن تجھ کو راضی رکھیں اور کوئی کہتا ہے کہ اللہ اور پیر تیری مشکل آسان کر دیں اور کوئی کہتا ہے کہ اللہ اور رسول تجھ پر فضل کریں اور کوئی کہتا ہے کہ اللہ اور غوث اعظم تیری مراد پوری کریں اور کوئی اللہ کا نام نہیں لیتا بلکہ یونہی صرف کہہ دیتا ہے کہ پیر صاحب محبوب پاک تجھ کو خوش رکھے اور بعضے پیر زادے کہتے ہیں دادا پیر تجھ کو خوش رکھے جد پاک تیری حاجت برلا دے اور کوئی اللہ کے نام کی طرح بزرگوں کے نام کا وظیفہ کرتا ہے جیسے کوئی کہتا ہے یا علی کوئی کہتا ہے یا حسین کوئی کہتا ہے میران، اور کوئی یا بھیکہ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ بزرگ ہماری فریاد ہر وقت سنتے ہیں اور ہمارے حال کی خبر رکھتے ہیں۔ اور بعض لوگ اپنے پیر کی صورت کا تصور باندھتے ہیں۔ اس عقیدہ سے کہ پیر کو ہمارے حال کی خبر ہے۔ اور کوئی اپنے بیٹوں کی زندگی پیروں سے مانگتا ہے اور اولاد کے جیتے رہنے کو ان کے نام کو پیروں کی طرف نسبت کرتا ہے کوئی اپنی اولاد کا نام امام بخش رکھتا ہے کوئی پیر بخش کوئی علی بخش کوئی حسن بخش، کوئی میراں بخش، کوئی سالار بخش، کوئی عبدالنبی، کوئی عبدالرسول اور کوئی اپنی اولاد کے سر پر پیر کے نام کی چوٹی رکھتا ہے کوئی کسی کے نام کی بدھی ڈالتا ہے۔ جیسے محرم میں لڑکوں کے سر گلے میں سرخ ڈورے ڈالتے ہیں۔ سبز کپڑے پہناتے ہیں، اور کوئی بابا فرید کے نام کی بیڑی ڈالتا ہے اور کوئی کسی کے نام پر جانور ذبح کرتا ہے اور کوئی کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے اور کوئی لڑکوں کی بیماری میں ستیلا کو پوجتا ہے کسی کی عورت میران زین خان کے نام پر بیٹھک دیتی ہے اور بعض مرد اور عورت جانوروں کی آواز سے بدشگونی لیتے ہیں اور بعض تمہارے ملاں کتاب کو دیکھ کر فال بتلاتے ہیں۔ تجھ پر پیر صاحب خفا ہیں۔ اس واسطے تیرا لڑکا بیمار ہے کسی کو بتلاتے ہیں تجھ پر سید سلطان کی خفگی ہے اس واسطے تجھ پر رزق کی تنگی ہے ان کی نیاز ادا کر، اور کسی کو سیاہ پری، لال پری کی زتھن یعنی خفگی بتلاتے ہیں۔ اور ان کو پوجا کرواتے ہیں اور ہم جو اپنے معبودوں کے نام پر سالگرام اور مہادیو کا لنگ وغیرہ رکھ لیتے ہیں تم لوگ بھی اپنے پیروں کے نام کی چھڑی اور جھنڈی کھڑی کرتے ہو اور ہم اپنے معبودوں کی مورتیں بنا کر پوجتے ہیں تم قبروں کی صورتیں بنا کر پوجتے ہو جیسے تعزیہ پیر خانہ چلہ خانہ، چنانچہ لدھیانہ میں ایک خانقاہ پیر صاحب کے نام پر مشہور ہے اور وہاں جا کر سینکڑوں آدمی سجدہ کرتے ہیں۔ چڑھاوے چڑھاتے اور روشنی کرتے ہیں ہم دیوی کے نام پر جوت جگاتے ہیں اور تم بڑے پیر



کے نام پر چراغ جلاتے ہو اور ہمارے بلدیو کا چبوترہ ہے اور تمہارے امام کا چبوترہ ہے اور ہمارا ٹھاکر دروازہ ہے اور تمہارا امام باڑہ اور ہم کشن جی کی عبادت میں گاتے بجاتے اور ناچتے کودتے ہیں تم اپنے پیر کے نام پر مجلسیں تیار کر کے ڈھولک سارنگی، طبلہ بجوا کر راگ سنتے اور ناچتے کودتے ہو۔ اور تمہارے دین کے بزرگ صوفی اس طرح کی مجلسوں کو عبادت سمجھتے ہیں اور اس میں وضو کر کے بیٹھتے ہیں اور بعضے مسلمان قبروں کی تعظیم میں کسبیوں کو بھی نچواتے ہیں۔ اور ہم پر تم نے اعتراض کیا تھا کہ ہندو کھیل تماشے کو عبادت سمجھتے ہیں دیکھو یہ مجلس اور طبلہ سارنگی کسبی کا ناچ بھی تو کھیل اور تماشا ہی ہے۔ پھر جب کہ یہ سب قباحتیں اور سوائے خدائے اوروں کو نفع نقصان بخشنے والا سمجھنا تمہارے دین میں بھی موجود ہے۔ پھر ہم پر تمہارا اعتراض بیجا ہے)) ①

تحفۃ الہند کی اوپر والی اس طویل عبارت سے آپ حضرات نے بخوبی اندازہ لگایا ہوگا کہ ہندوستان کے قبر پرست اور آستانہ پرستوں نے ہندوؤں کی تقلید کرتے ہوئے اسلام کے لیول میں آ کر توحید رب العالمین پر کیسے ڈاکے ڈالے تو ہندوؤں کا اعتراض قبر پرست اور آستانہ والے نام کے مسلمانوں پر اس لحاظ سے تو صحیح تھا کہ جس طرح ہندو لوگ بہت سے معبودوں کی پوجا کرتے ہیں تو نام کے مسلمان (قبر پرست) بھی بہت سی ہستیوں کی پوجا کرتے ہیں ہاں البتہ فرق صرف یہ ہے کہ ہندو جن کی پوجا کرتے ہیں ان کی کوئی صحیح حقیقت نہیں ہے۔ اور نام کے مسلمان جن کی پوجا کرتے ہیں وہ اکثر و بیشتر اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ باقی نفس عبادت میں تو فریقین میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ہندوؤں کا اصل اعتراض اسلام پر تھا۔ کہ انہوں نے نام کے مسلمانوں (قبر پرستوں) کی ان رسوم و خرافات کو اسلام سمجھا ہوا تھا۔ حالانکہ اسلام ان سب سے بری ہے۔ تو اس اعتبار سے ہندوؤں کے یہ سارے کے سارے اعتراضات سراسر غلط اور بے بنیاد ہیں۔ کیونکہ اسلام نہ ان خرافات و رسوم کا نام ہے اور نہ ہی یہ مسلمانوں کے عقیدے ہیں بلکہ جو کچھ یہ نام کے مسلمان کر رہے ہیں یہ سب کا سب شرک و بدعت ہے کہ جن کو ان نام کے مسلمانوں نے خود ہندوؤں کی صحبت میں رہ کر سیکھا ہے۔ چنانچہ خود صاحب تحفۃ الہند نے ان ہندوؤں کے اوپر والے اعتراضات کو نقل کر کے ان کا جواب یوں دیا ہے۔ ((سو یہ اعتراض ہمارے دین میں ایک بھی روا نہیں۔ اور یہ سب باتیں قرآن و حدیث کے برخلاف ہیں۔ ایسی باتوں کو ہمارے دین میں شرک اور بدعت کہتے ہیں۔ شرک یعنی کسی اور کو اللہ کا شریک بنانا اور بدعت وہ کام ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور ان کے اصحاب کے وقت میں نہ ہوا اور لوگ اس کو دین کا کام سمجھنے لگیں اور ہمارے دین میں شرک اور بدعت کے برابر اور کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور یہ کام بعضے جاہل مسلمانوں نے تمہارے ہندوؤں کی صحبت سے اختیار کر لئے ہیں سو ان کا کچھ اعتبار نہیں۔)) ②

---

① تحفۃ الهند ص ۵۴ - ۵٦

② تحفۃ الهند ص ۵٦

سیدنا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ بزرگوں کی قبروں کے عرس اور میلوں کو ہندوؤں اور آتش پرستوں کے عقائد واعمال کے مترادف قرار دے کر ان عقائد واعمال کو انہی کی تقلید شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

((عادت آتش پرستان وهم عادت بت پرستان هند که روزی ازروز هائے معین درسال عید میکنند و مجمع عام مینما یند پیر ستان نیز عید غدیر خم و عرس هائے قبور بزرگان مقور کرده اند که هم چوتعیش آنهادر آن ایام داد عیش وطرب ولهو ولعب میدهند و ارواح خبیثه شیاطین را خورسند ساخته ارواح طیبه بزرگان را مکدر می نمایند)). ①

ترجمہ: ''یعنی آتش پرستوں اور ہندوؤں کی یہ عادت ہے کہ ایک دن مقرر کر کے کسی جگہ (تھان وغیرہ) میں جمع ہو کر عید مناتے ہیں تو پیر پرستوں نے بھی ان کے قدم بقدم کئی میلے اور عیدیں بنا رکھی ہیں۔ اور آئے دن کسی نہ کسی (واقعی یا فرضی) ولی بزرگ کی درگاہ ومزار پر عرس اور میلے رچاتے ہیں اور انہی کی طرح عیش وعشرت کر کے شیاطین کو خوش اور ارواح بزرگان دین کو ناراض کر لیتے ہیں۔''

آگے چل کر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بت پرستوں نے اپنے پیشواؤں اور معتقدین کے متعلق جو بھی عقیدے رکھے ہیں قبر پرستوں نے بعینہ وہی عقیدے اپنے بزرگوں کے بارے میں رکھنا شروع کر دیئے۔

((وهم عادت بت پرستان هند است که در هر سال شادی تولد کشن، میکنند، پیر پرستان نیز شادی حضرت أمیر المومنین علی مرتضیٰ رضی الله عنه در دوازدهم رجب مقرر ساخته اند و هر سال میکننند، و نیز مانند مجوس نو روزے میکنند حالانکه حضرت أمیر المومنین علی کرم الله وجهه فرموده اند کلُّ یَومٍ نیروزنا. و نیز عادت بت پرستان است که وقت ملاقات تحیه بنام مخلوق میگویند ورام رام راندا میکنند، پیر

ترجمہ: نیز ہندوستان کے بت پرستوں کی یہ بھی عادت ہے کہ ہر سال ''کشن'' بت کے جو کہ ان کے عقیدہ کے مطابق اللہ رسیدہ بزرگ ہے، یوم پیدائش کی خوشی کرتے ہیں، پیر پرستوں نے بھی سیدنا علی أمیر المؤمنین کی بارہویں رجب کو خوشی مقرر کر رکھی ہے۔ اور ہر سال کرتے ہیں نیز آتش پرستوں کی طرح نوروز مناتے ہیں۔ حالانکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ ہر دن ہمارا نوروز ہے۔ نیز بت پرستوں کی عادت ہے کہ ملاقات کے وقت اظہار خوشی کیلئے مخلوق کے نام کے ساتھ سلام کرتے اور رام رام کرتے ہیں۔

① البلاغ المبین ص ۱۵۵ – ۱۵۶



پرستان نیز وقت ملاقات یا علی مدد میگویند و ترک السلام علیکم می نمایند و نیز عادت مشرکان است که همراه جنازه سرود و مزامیر می برند پیر پرستان نیز همراه مردگان خود میبرند و نیز عادت مشرکان است که دربت خانه ها مزا میر و معازف می نوازند و این فعل را عبادت وتقرب بخدا میرانند گور پرستان نیز پیش گورهائے چنین میکنند بلکه درچنین مجالس ناروا باوضو شده می شنوند، ونیز عادت مشرکان است که لُچه گان شرمگاه برهنه کون را بزرگ و پیشوا میدانند حتی که اگر یکی ازان قوم پیاله بنگ دهد بے تأمل می نوشند واصلاً روا نمیدارند، ونیز عادت مشرکان است که علی الصباح نام هائے گذشتگان را بطریق ورد و وظیفه یاد میکنند پیر پرستان نیز نام خدارا گذاشته نام هائے بزرگان گذشته را بوضعیکه یاد خدارا شاید یاد میکنند وفرائض نماز را اداکردن چندان ضرورنمیدانند ونیز عادت مشرکان است که بنام گذشتگان آب می نوشانند و آن سبیل را بنام غیر خدا مشهور میدارند پیر پرستان نیز آب برائے امام حسین می نوشانند و آن را نذر امام میگویند. واین نمی فهمند که نذر بجز ذات او تعالیٰ کردن حرام است و این قدر مباح است

پیر پرست بھی ملاقات کے وقت یاعلی مدد کہتے ہیں اور السلام علیکم نہیں کہتے۔ نیز مشرکین کی یہ بھی عادت ہے کہ جنازہ کے ساتھ خوشی کی چیزیں اور مزمار لے کر چلتے ہیں۔ پیر پرست بھی اپنے مردوں کے ساتھ اس طرح جاتے ہیں۔ مشرکین کی عادت ہے کہ اپنے بت خانوں میں باجے اور ڈھول وغیرہ بجاتے ہیں اور اس فعل کو عبادت اور تقرب الی اللہ سمجھتے ہیں۔ قبر پرست بھی قبروں کے سامنے اسی طرح کرتے ہیں۔ بلکہ اس بدترین مجلس میں باوضو جاکر اس قسم کی باتوں کو سنتے ہیں۔ نیز مشرکوں کی عادت ہے کہ برہنہ (ننگ دھڑنگ) لُچوں کو بزرگ اور پیشوا سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ (بزرگ وپیشوا) کسی کو بھنگ کا پیالہ دے دیں تو وہ بلا تامل پی جاتا ہے، اور قطعاً انکار کرنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ نیز مشرکوں کی عادت ہے کہ علی الصباح اپنے فوت شدگان کے ناموں کو ورد اور وظیفہ کے طریقہ پر پڑھتے ہیں۔ پیر پرست بھی اللہ کا نام چھوڑ کر اپنے گزشتہ بزرگوں کے ناموں کو اس طریقہ پر پکارتے ہیں کہ جس سے یہ شائبہ ہوتا ہے کہ اللہ کو یاد کر رہے ہیں۔ اور فرض نمازوں کو ضروری نہیں سمجھتے۔ نیز مشرکوں کی عادت ہے کہ گزرے ہوئے لوگوں کے نام سے پانی پلاتے ہیں اور اس سبیل کو غیر اللہ کے نام کے ساتھ موسوم کرتے ہیں۔ پیر پرستوں کی بھی عادت ہے کہ امام حسین کے نام کی سبیل قائم کر کے پانی پلاتے ہیں اور اس کو نذر امام حسین کہتے ہیں اور اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی ذات کے لئے نذر دینا حرام ہے۔ صرف اتنی بات جائز ہے کہ پانی یا کھانا اللہ عزوجل کی خوشنودی



کہ آب یا طعام برائے خوشنودی خدا تعالیٰ بمحتاجی دادہ شود کہ ثواب این عمل را بروح حضرت امام حسین یا ہر بزرگی کہ باشد نحل نمودہ آید فقط وہم عادت مشرکان است کہ جانوران را بنام بتان میگذارند پیر پرستان نیز جانوران را نذر و نیاز قبور می سازند)) .①

کیلئے کسی محتاج کو اس نیت سے دیں کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کا ثواب سیدنا امام حسین یا جو بھی بزرگ ہو اس کی روح کو پہنچائے اور بس اور مشرکوں کی یہ بھی عادت ہے کہ جانوروں کو بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں، پیر پرستوں کی بھی یہی عادت ہے کہ جانوروں کو قبور کی نذر و نیاز میں ذبح کرتے ہیں۔

اصحاب قبور کے نام پر نذر و نیاز دینے کی حرمت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

((پس آج کل اولیاء اللہ کی قبور پر جو عرس کئے جاتے ہیں اور ان عرسوں کے لئے لوگ پہلے ہی سے غلہ، دانے اور جانور وغیرہ پیر کے نام پر رکھ دیتے ہیں پھر عرس کے روز قبر پر لے جاتے ہیں۔ یہ سب غیر اللہ کی نذر ہے، اس کا کھانا حرام ہے۔ اسی طرح کسی ولی وغیرہ کی قبر پر غلاف، تیل وغیرہ اسی عقیدہ کے تحت لے جاتے ہیں یہ سب غیر اللہ کی نذر میں داخل ہے اگر اس نذر دینے والے کا عقیدہ مشرکانہ ہے اور ظاہراً زبان سے یہ کہتا ہے کہ میں ایصال ثواب کے لئے قبر پر ذبح کر رہا ہوں یہ سب حرام ہوگا۔))②

زیارت موحدین

زیارتِ قبور کے اہم مقاصد جو شارع نے مقرر کئے تھے وہ تو آپ حضرات نے معلوم کر لئے ہیں اور وہ تھے تذکرِ موت اور تذکرِ آخرت وغیرہ جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اب ہم یہاں پر یہ بیان کریں گے کہ شریعت میں زیارت قبور کی کیا حیثیت ہے اور مسلمان کو اپنے مسلمان بھائیوں کی قبر پر جا کر کیا کرنا چاہیے اور آداب زیارت قبور کیا ہیں؟ سو معلوم ہونا چاہیے کہ مطلق زیارت قبور بغیر شد الرحال اور بغیر ارتکاب منکرات کے سنت و مستحب اور باعث اجر و ثواب ہے۔ اور آداب زیارت یہ ہیں کہ زائر جب قبور مسلمین پر جائے تو سب سے پہلے ان پر سلام پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے ان کیلئے اور اپنے لئے بھی دعاء مغفرت کرے اور پھر بغیر کسی طویل قیام کے وہاں سے چلا جائے دیر تک ٹھہرنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ ہے اصل زیارت قبور کی حقیقت جس کو شارع نے جائز رکھا ہے۔ اب ہم اس پر ان بے شمار ادلہ میں سے صرف چند احادیث بطور نمونہ کے قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

---

① البلاغ المبین ص ۱۶۴ - ۱۶۷
② مقدمہ جواہر القرآن ج ۱ ص ۴۴

۱۔ عن عائشة أنها قالت: كان رسول الله ﷺ كلما كان ليلتها من رسول الله ﷺ يخرج من آخر الليل إلى البقيع فيقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين وأتاكم ما توعدون غدًا مؤجلون وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد. ①
(صحيح مسلم)

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ جب رات کو میرے پاس ہوتے تو رات کے آخری پہر بقیع (قبرستان) کی طرف نکل جاتے اور ان کے لیے سلام ودعا کرتے ہوئے فرماتے۔ اے مومن لوگو! تم پر سلامتی ہو اور جس کا تم وعدہ کیئے گئے ہو وہ تمہارے پاس آ پہنچا ہے اور ہم بھی بلاشبہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اے اللہ! بقیع غرقد (قبرستان) والوں کو بخش دے۔

۲۔ قالت عائشة...... فأن جبريل أتاني...... فقال: إن ربك يأمرك أن تأتي أهل البقيع فتستغفر لهم، قالت: قلت: كيف أقول لهم يا رسول الله؟ قال: قولي: السلام على أهل الديار من المؤمنين والمسلمين ويرحم الله المستقدمين منا والمستأخرين وإنا إن شاء الله بكم للاحقون. ②
(صحيح مسلم)

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: سیدنا جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو بقیع الغرقد (قبرستان) والوں کے پاس جانے کا حکم دیا ہے کہ آپ ان کیلئے بخشش کی دعا کریں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! میں ان کیلئے کیسے دعا کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو کہا کر: مومن اور مسلمان گھر والوں پر اللہ کا سلام ہو اور ہم سے پہلے آنے والوں پر اور ہمارے بعد آنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم یقیناً تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔

اور صحیح مسلم میں ایک روایت سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح آئی ہے:

۳۔ عن سليمان بن بريدة عن أبيه قال: كان رسول الله ﷺ يعلمهم إذ اخرجوا إلى المقابر فكان قائلهم يقول (في رواية ابى بكر) السلام على أهل الديار (وفي رواية زهير) السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين والمسلمين وإنا ان شاء الله للاحقون نسأل

ترجمہ: سیدنا سلیمان اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب وہ قبرستان جاتے تو انہیں یہ دعا سکھاتے: مومن اور مسلمان گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔ اور ہم یقیناً تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے

① رواه مسلم / كتاب الجنائز باب مايقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها.
② رواه مسلم / كتاب الجنائز باب مايقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها.



الله لنا ولكم العافية. ① (صحیح مسلم) اور تمہارے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

مذکورہ احادیث سے صاف واضح ہوا کہ زیارتِ قبور کے شرعی آداب یہ ہیں کہ زائر اپنے ان مسلمان بھائیوں کی قبور کے پاس جا کر اللہ تعالیٰ سے ان اہل قبور کی ارواح کے لئے دعاء مغفرت کرے۔ تو گویا آداب زیارت قبور میں سے یہ بھی ہے کہ زائران اہل قبور کی مغفرت وبخشش کے لئے اللہ تعالیٰ سے مانگے نہ کہ اہل قبور سے اپنے لئے مانگے جیسا کہ آج کل اسی پر بڑی شدّ ومد کے ساتھ عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اور پھر ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن نشین کرلیں کہ آداب دعاء میں سے افضل و بہتر یہ ہے کہ بوقت دعا کے زائر کا منہ قبلہ کی طرف ہو اور قبر کی طرف نہ ہو تا کہ عبادت غیر اللہ کے ساتھ ادنیٰ سی مشابہت بھی نہ ہو۔ کیونکہ دعا ایک عبادت ہے اور سلف صالحین کا عمل بشمول ائمہ اربعہ کے اسی پر رہا ہے کہ وہ (سلف صالحین) دوسرے عام مسلمان تو اپنی جگہ پر بلکہ جب رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر سلام کہتے تھے تو بوقت دعا کے منہ قبلہ کی طرف پھیر کر دعا مانگتے تھے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ سلف صالحین کا عمل اس طرح نقل کرتے ہیں:

ولقد جرّد السلف الصالح التوحيد وحموا جانبه حتى كان أحدهم إذا سلّم على النبي صلى الله عليه وسلم ثم أراد الدعاء استقبل القبلة وجعل ظهره إلى جدار القبر، ثم دعاه فقال سلمة بن وردان: رأيت أنس بن مالك يسلم على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يسند ظهره إلى جدار القبر ثم يدعو ونص على ذلك الأئمة الأربعة أنه يستقبل القبلة وقت الدعاء حتى لايدعو عند القبر فإن الدعاء عبادة. ②

سلف صالحین نے توحید کو خالص کیا ہے اور اس کی حفاظت کی ہے۔ ان میں سے جب کوئی نبی ﷺ پر سلام پڑھ لیتا پھر وہ دعا کا ارادہ کرتا تو قبلہ رو ہو کر اپنی پشت قبر کی دیوار کی طرف کر لیتا پھر دعا کرتا۔ سلمہ بن وردان کہتے ہیں میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ نبی ﷺ پر سلام پڑھتے پھر اپنی کمر قبر کی دیوار کے ساتھ ٹیک دیتے پھر دعا کرتے۔ اسی سے ائمہ اربعہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ دعا کے وقت قبلے کی طرف رخ کیا جائے حتیٰ کہ قبر کے پاس بھی دعا نہ کی جائے کیونکہ دعا بھی ایک عبادت ہے۔

قبروں کے پاس مطلقاً دعا کرنا مکروہ نہیں بلکہ دفن میت کے بعد ان کے لئے دعا واستغفار کرنا مامور بہ ہے۔ جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ ہاں البتہ دعا کے لئے قبروں کا قصد کر کے جانا مکروہ ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فإن الدعاء عند القبر لا يكره مطلقاً بل يؤمر به للميت كما جاء ت به السنة فيما تقدم ضمناً وتبعاً

ترجمہ: قبر کے پاس دعا کرنا بالکل مکروہ نہیں بلکہ میت کے لیے اس کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ احادیث میں بھی اس کا ذکر

① رواه مسلم كتاب الجنائز، باب مايقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها.
② مجموع فتاویٰ ابن تيميه ج ۱ ص ۳۵۲، إغاثة اللهفان ج ۱ ص ۲۱۹ واللفظ له.



وإنما المكروه أن يتحرى المجيئ إلى القبر للدعاء عندهٔ .①

ضمناً اور تبعاً ہوا ہے۔ صرف دعا کی غرض سے قبر پر حاضر ہونا مکروہ ہے۔

احادیثِ رسول ﷺ اور ان پر سلف صالحین کا عمل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد امام ابن قیم رحمہ اللہ زیارتِ موحدین کے عنوان سے زیارت کے اصل مقصودیوں بیان کرتے ہیں:

أما زيارة الموحدين: فمقصودها ثلاثة أشياء

أحدها: تذكر الآخرة والاعتبار والاتعاظ وقد أشار النبي صلى الله عليه وسلم إلى ذلك بقوله: زوروا القبور فإنها تذكركم الآخرة.

الثاني: الإحسان إلى الميت، وأن لايطول عهده به فيهجره ويتناساه كما إذا ترك زيارة الحي مدة طويلة تناساه فإذا زار الحيّ فرح بزيارته وسربذلك، فالميت أولىٰ لأنه قد صار في دارٍ قد هجر أهلها إخوانهم وأهلهم ومعارفهم فإذا زاره وأهدى إليه هدية من دعاء أوصدقة أو أهدى قربة ازداد بذلك سروره وفرحه كما يسرالحيّ بمن يزوره ويهدى له. و لهٰذا شرع النبي صلى الله عليه وسلم للزائرين أن يدعوا لأهل القبور بالمغفرة والرحمة وسؤال العافية فقط. ولم يشرع أن يدعوهم ولا أن يدعوا بهم ولا يصلى عندهم

والثالث: احسان الزائر الى نفسه باتباع السنة والوقوف عندما شرعه الرسول صلى الله عليه

ترجمہ: موحدین (نیک بزرگوں) کی قبور کی زیارت کے تین مقاصد ہیں

(۱) اس سے آخرت کی یاد آتی ہے اور عبرت ونصیحت حاصل ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے: تم قبروں کی زیارت کرو یہ تمہیں آخرت یاد دلاتی ہیں۔

(۲) میت کے ساتھ احسان کرنا، زیارت کا دورانیہ طویل نہ ہو کہ اسے چھوڑ دے یا بھول جائے۔ جیسے کسی زندہ سے ملاقات لمبی مدت تک نہ کی جائے تو وہ اس کو بھول جاتا ہے اور جب اس سے ملاقات کی جائے تو وہ خوشی اور سرور محسوس کرتا ہے۔ لہٰذا میت زیادہ حق دار ہے (کہ اس کی زیارت کی جائے) کیونکہ وہ اس گھر میں منتقل ہو چکا ہے کہ اس کے بھائیوں، اہل عیال اور دوست واحباب نے اسے چھوڑ رکھا ہے جب (اس کے اہل واحباب) زیارت کرتے ہیں اور اسے دعا وصدقہ یا کسی اور نیکی کا ہدیہ پیش کرتے ہیں تو اس کی خوشی ومسرت بڑھ جاتی ہے۔ جیسے زندہ اپنی ملاقات کرنے والے اور تحفہ پیش کرنے والے سے خوش ہوتا ہے۔

① اقتضاء الصراط المستقيم ص ٣٦٤



وسلم فيحسن إلى نفسه وإلى المزور .①

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے قبور کی زیارت کرنے والوں کے لیے دعاء مشروع قرار دی ہے کہ وہ ان کے لیے بخشش اور رحمت کی دعاء کریں اور ان کے لیے عافیت کا سوال کریں۔ ان (اصحاب قبور) کو پکارنا، ان (کے واسطے) سے دعاء کرنا یا ان کی قبروں کے پاس نماز پڑھنا جائز وحلال نہیں ہے۔

(۳) زیارت کرنے والے کا اتباع سنت کے ساتھ اپنی نفس کے ساتھ احسان کرنا، اور رعایت کرنا ان حدود کا جنہیں رسول اللہ ﷺ نے مشروع کیا ہے۔ پس اس صورت میں وہ (زیارت کرنے والا) اپنے نفس اور میت، دونوں کے لئے احسان کرنے والا شمار ہوگا۔

زیارت شرکیہ

زیارت موحدین جس کو زیارت شرعیہ بھی کہتے ہیں۔ وہ تو آپ حضرات نے پڑھ لیا ہے۔ اب زیارت شرکیہ بھی معلوم کرلیں جس کو قبر پرست و آستانہ پرست انجام دیتے ہیں۔ سو معلوم ہوجائے کہ قبر پرست قبروں پر جا کر مختلف قسم کے عقائد ونظریات کے مطابق شرک کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

الف۔ کہ میت (صاحب قبر) جو کہ ولی و بزرگ ہے تو اس کی روح کو اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب ومنزلت اور جاہ ومرتبہ حاصل ہے اور اس قرب الٰہی کی وجہ سے اس کی روح پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ فیض وبرکات نازل ہوتے ہیں۔ اور چونکہ اس کی قبر فیض وبرکات الٰہیہ کا مہبط ہے اس لیے جب زائر اپنی روح کو اس کے ساتھ معلق کردے گا تو اس میت معظم کی روح کے واسطہ سے اس زائر کی روح پر فیض وبرکات نازل ہوں گے۔ جیسا کہ صاف وشفاف آئینہ اور پانی کے واسطہ سے جسم مقابل پر شعاع منعکس ہوجاتی ہے۔

ب۔ اس لئے قبر پرست کہتے ہیں کہ زیارت کا مکمل طریقہ یہی ہے کہ زائر اپنی روح اور قلب دونوں کو اس صاحب قبر کی طرف متوجہ کرلے اور پوری ہمت کے ساتھ اس کی قبر کے ہاں اس طرح اعتکاف کے ساتھ بیٹھا رہے کہ اس (زائر) کا التفات وتوجہ اس صاحب قبر کے سوا دوسری کسی بھی چیز کی طرف بالکل نہ ہو۔ کیونکہ جتنی زائر کی توجہ والتفاف اس مزور (میت معظم) کی طرف زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کی روح سے فیض یاب ہوگا یہیں سے قبر پرستوں نے فیض قبور اور کشف قبور کے مسئلے نکالے ہیں۔ جن کی تفصیل بعد

① إغاثة اللهفان ج ١ ص ٢٣٦ - ٢٣٧.

میں آئے گی اور پھر اس میں غلو کر کے قبر پرستوں نے یہاں تک بھی کہہ دیا کہ اس طرح کے مراقبہ اور کشف واعتکاف کے ذریعہ سے زائر کو اس قبر والی میت کے حالات معلوم ہو جائیں کہ ولی و بزرگ ہے یا کوئی فاسق و فاجر ہے۔

ج۔ اور قبر پرستوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جب نفس ناطقہ ارواح علویہ کے ساتھ متعلق ہو جائے گی تو اس پر ان ارواح علویہ سے نور و ہدایت برسے گی اور اسی بناء پر کواکب کی عبادت کی گئی ہے۔ اور ان کے لئے ہیاکل اور اصنام بنائے گئے ہیں۔ اور بعینہ اسی نظریہ نے قبر پرستوں کے لئے عرس و میلے قبروں پر چادریں چڑھانا ان پر چراغاں کرنا اور ان کے اوپر مسجدیں تعمیر کرنے کو جنم لیا ہے۔

ی۔ اور پھر ترقی کر کے قبر پرستوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جب زائر اپنی روح کو اس میت معظم وو جیہ اور مقرب عند اللہ کے ساتھ متوجہ وملتفت کر دے گا۔ اور اپنے قلب کے ساتھ اس پر معتکف ہو جائے گا تو اس زائر اور اس میت مقرب عند اللہ کے درمیان ایک رابطہ، تعلق اور اتصال پیدا ہوگا اور جو بھی فیض و برکات کہ اس میت معظم ومقرب عند اللہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو جائیں گی تو اس رابطہ واتصال کے واسطہ سے وہ فیض و برکات زائر کو بھی پہنچیں گی۔ جیسے اس شخص کی مانند جو کہ کسی وزیر گورنر یا کوئی اور ایسے شخص کی خدمت کرتا ہے۔ جس کو بادشاہ سے قرب اور جاہ ومنزلت حاصل ہے۔ اب جو انعام واکرام اس وزیر و گورنر یا وہ ذی وجاہت شخص کو بادشاہ کی طرف سے ملتا ہے۔ تو اس (وزیر، گورنر اور ذی وجاہت) کے اس خدمت کرنے والے کو بھی ملتا ہے۔ لہٰذا جتنا کہ اس خادم کا لگاؤ و تعلق اس وزیر، گورنر یا ذی وجاہت والے کے ساتھ زیادہ ہوگا۔ اتنا ہی اس کو بادشاہ سے انعام واکرام ملے گا۔

یہ ہیں قبر پرستوں کے عقائد ونظریات اور اعمال وافعال قبروں اور اصحاب قبور کے ساتھ۔ اب بتائیے ان قبر پرستوں اور بت پرستوں میں کیا فرق ہے؟ وہ بت پرست بھی اپنے بتوں کے ساتھ بعینہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں جو کہ یہ قبر پرست اصحاب قبور کے ساتھ رکھتے ہیں اور اس سے کچھ اور زیادہ وہ بت پرست اپنے بتوں میں نہ اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ ہی عمل کرتے ہیں۔

یہی اصل بت پرستی کے اسرار واسباب ہیں اور انہی عقائد ونظریات کے بل بوتے سورج و چاند کی عبادت کی گئی ہے اور یہیں سے بت پرستی معرض وجود میں آئی ہے۔ اور بعینہ اسی دروازہ سے ابلیس لعین عباد (پرستاروں) ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر پر داخل ہوا تھا۔ چنانچہ قبر پرستی کے اسرار ورموز بیان کرتے ہوئے امام ابن قیم رحمہ اللہ اسی طرح لکھتے ہیں:

وأما الزيارة الشركية فأصلها مأخوذ عن عباد الأصنام، قالوا: الميت المعظم الذى لروحه قرب ومنزلة ومزية عندالله تعالٰى لايزال تأتيه الألطاف من الله تعالٰى وتفيض على روحه الخيرات، فإذا

ترجمہ: شرکیہ زیارت اصل میں بتوں کی پوجا کرنے والوں سے لی گئی ہے۔ انہوں نے کہا: عظمت والا مردہ جس کی روح اللہ کے ہاں قرب ومنزلت اور خوبیوں والی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پر لطف وکرم کی بارش ہوتی رہتی ہے۔



علق الزائر روحه به وأدناها منه فاض من روح المزور على روح الزائر من تلك الألطاف بواسطتها كما ينعكس الشعاع من المرآة الصافية والماء ونحوه على الجسم المقابل له. قالوا: فتمام الزيارة أن يتوجه الزائر بروحه وقلبه إلى الميت ويعكف بهمته عليه ويوجه قصده كله وإقباله عليه بحيث لايبقى فيه التفات إلى غيره. وكلما كان جمع الهمة والقلب عليه أعظم كان أقرب إلى انتفاعه به وقد ذكر هذه الزيارة على هذا الوجه ابن سينا والفارابي وغيرهما وصرح بها عباد الكواكب في عبادتها، وقالوا: إذا تعلقت النفس الناطقة بالأرواح العلوية فاض عليها منها النور. وبهذا السر عبدت الكواكب واتخذت لها الهياكل و صنفت لها الدعوات واتخذت الأصنام المسجدة لها.

وهذا بعينه هو الذي أوجب لعباد القبور اتخاذها أعيادًا وتعليق الستور عليها وايقاد السرج عليها، وبناء المساجد عليها وهو الذي قصد رسول الله صلى الله عليه وسلم إبطاله ومحوه بالكلية، وسد الذرائع المفضية إليه فوقف المشركون في طريقه وناقضوه في قصده وكان صلى الله عليه وسلم في شقٍ وهؤلاء في شقٍ.

وهذا الذي ذكره هؤلاء المشركون في زيارة

اوراس کی روح پر برکات کا فیضان ہوتا رہتا ہے جب زیارت کرنے والی روح اس سے تعلق پیدا کرتی ہے اور اس کے قریب ہوتی ہے تو اس (میت) کی روح کے واسطے سے زائر کی روح پر لطف وکرم برستا ہے۔ جیسے صاف وشفاف شیشے اور پانی سے سامنے والے جسم پر شعاعیں منعکس ہوتی ہیں۔

اور انہوں نے کہا: زیارت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ زائر اپنی روح اور دل کے ساتھ میت کی طرف متوجہ ہو اور اپنی ساری توجہ اور قصد ہمت اس پر لگادے کہ کسی دوسرے کی طرف اس کا دھیان نہ جائے۔ جس قدر اس کی توجہ اور دل زیادہ متوجہ ہوگا اس میت سے فائدہ اسی قدر زیادہ ہوگا۔ زیارت کا یہ طریقہ ابن سینا اور فارابی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

اور ستاروں کے پجاریوں نے بھی اس کی وضاحت کی ہے وہ کہتے ہیں: ''جب روحوں کے ساتھ زندہ انسان کا تعلق بنتا ہے تو اس پر ان (ارواح) کا نور برستا ہے۔ ستاروں کی پوجا کا راز بھی یہی ہے ان (بتوں) کے لیے بڑی بڑی عمارتیں قائم کرتے ہیں اور (عجیب وغریب شرکیہ) دعائیں بنائی گئی ہیں اور ان کے نام پر بت بنائے گئے ہیں۔

اور یہ اس طرح ہے، جس طرح قبر پرست قبروں پر عید (میلے) کرتے ہیں ان پر پردے لٹکاتے ہیں، دیئے روشن کرتے ہیں اور ان پر مسجدیں تعمیر کرتے ہیں۔ اسی عمل کو رسول اللہ ﷺ نے باطل کرنے اور کلیتاً مٹانے کا قصد کیا اور اس (بت پرستی) کا ہر راستہ بند کیا تو مشرک آپ کے راستے میں کھڑے ہوگئے اور آپ کے مقصد میں رکاوٹ ڈالی، آپ ﷺ اپنا کام

القبور هو الشفاعة التى ظنوا أن آلهتم تنفعهم بها وتشفع لهم عندالله تعالىٰ: قالوا: فإن العبد إذا تعلقت روحه بروح الوجيه المقرب عندالله وتوجه بهمته إليه وعكف بقلبه عليه صار بينه وبينه اتصال يفيض به عليه منه نصيب مما يحصل له من الله. شبهوا ذلک بمن يخدم ذاجاهٍ وحظوةٍ وقرب من السلطان فهو شديد التعلق به فما يحصل لذلک من السلطان من الأنعام والإفضال ينال ذلک المتعلق به بحسب تعلقه به، فهذا سر عبادة الأصنام وهو الذى بعث الله رسله وأنزل كتبه بإبطاله وتكفير أصحابه ولعنهم وأباح دماء هم وأموالهم وسبى ذراريهم وأوجب لهم النار والقرآن من أوله إلى آخره مملوء من الرد على أهله وإبطال مذهبهم. ①

(دعوت وتبلیغ) کرتے رہے اور وہ (مشرک) اپنا کام (دعوت میں روڑے اٹکاتے رہے)۔

ان مشرکوں نے قبور کی زیارت میں جو کچھ ذکر کیا ہے اس میں ان معبودان باطلہ کی سفارش بھی ہے جو ان کے گمان کے مطابق یہ ہے کہ یہ معبودان باطلہ ان کو فائدہ دیں گے اور ان کی اللہ کے ہاں سفارش کریں گے۔ ان کا کہنا ہے:

آدمی کی روح جب کسی مقرب ومعزز روح کے ساتھ تعلق جوڑتی ہے اور اپنی ہمت وکوشش کے ساتھ اس کی طرف توجہ کرتی ہے۔ اس بندے اور اس کی روح کے درمیان ایک اتصال (تعلق) پیدا ہو جاتا ہے جس کے ذریعے سے اس (بندے) پر اللہ تعالیٰ کا فیضان ہوتا رہتا ہے جو اس میت کے واسطے سے ہوتا ہے۔

اس کی مثال اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے کوئی کسی بڑے مرتبے وشان والے کی خدمت کرے جس کا کسی بادشاہ سے گہرا تعلق ورابطہ ہو، تو جو انعام واکرام بادشاہ کی طرف سے اس تعلق دار کو ملیں گے اس میں سے یہ خدمت گار بھی حسب تعلق حاصل کرلے گا۔ تو یہ بتوں کی پرستش کا راز ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بت پرستی کے قلع قمع کے لیے رسول مبعوث فرمائے اور بت پرستوں کو کافر وملعون گردانا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ (اگر وہ بت پرستی سے توبہ نہ کریں تو) ان کے خون اور اموال مسلمانوں کے لیے حلال ہیں اور ان کی اولادوں کو غلام ولونڈیاں بنانا جائز ومباح ہے اور قیامت کو

① إغاثة اللهفان ج ۱ ص ۲۳۷-۲۳۸



انجام کار کے طور پر ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔قرآن کریم شروع سے آخر تک بت پرستی کے رد پر اور ان کے عقیدے و مذہب کے بطلان سے بھرا پڑا ہے۔

کشفِ قبور اور فیضِ قبور کا مسئلہ

زیارتِ شرکیہ والے عنوان میں تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے۔کہ قبر پرست قبروں پر جا کر اپنے معتقدات کے مطابق مختلف قسم کی ریاضتیں مراقبہ ومکاشفہ ، چلہ کشیاں اور مجاہدہ و محنتیں کر کے بزعم خویش اصحاب قبور کے حالات کا انکشاف کر کے ان سے فیض و برکات حاصل کرتے ہیں جس کو اپنی اصطلاح میں کشف قبور اور اس کے نتیجہ وثمرہ کو فیضِ قبور کہتے ہیں اور ان قبر پرستوں کے ہاں اس کشفِ قبور اور اس کشف کے ذریعے سے فیض حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔اب ہم یہاں پر ان طرق متعددہ میں سے کچھ طریقے صرف بطورِ نمونہ کے قارئین کے سامنے پیش کریں گے۔

الف۔

قبروں کے پاس بیٹھ کر ریاضتوں چلہ کشیوں اور مجاہدہ ومحنت شاقہ کے ذریعہ سے اصحاب قبور کے حالات کا انکشاف کر کے ان سے فیض حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں چنانچہ اُن طرقِ متعددہ میں سے کچھ پر روشنی ڈالتے ہوئے امداداللہ مہاجر مکی یوں بیان کرتا ہے((پہلے اکیس بار یارب کہے اور آسمان کی طرف "یاروح" اور قبر پر "یاروح" اور دل پر "یا روح الروح " کی ضرب لگائے ان شاءاللہ خواب یا بیداری میں میت کا حال معلوم ہو جائے گا)) ①


ب۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے میت پر فاتحہ پڑھے چنانچہ نص عبارت پیش خدمت ہے:((دوسرا طریقہ پہلے قبر کے پاس بیٹھ کر میت پر فاتحہ پڑھے اور پھر آسمان کی طرف "اکشف لی یا نور" اور دل پر "اکشف لی یانور" اور قبر پر "عن حالہ "کی ضرب لگائے اور قلب کی طرف متوجہ ہو)) ②

ج۔

اور میت کا حال معلوم کرنے اور اس سے فیض حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ طالب فیض اس میت کی قبر کے سامنے نہایت تضرع وعاجزی کے ساتھ بیٹھا رہے اور اپنے آپ کو ہر نسبت سے خالی کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرے کہ اے

---

① کلیۃ امدادیۃ ،ضیاء القلوب ص ۴۵، کشف قبور کے واسطے ذکر۔
② کلیۃ امدادیۃ ،ضیاء القلوب ص ۴۵، کشف قبور کے واسطے ذکر۔



علیم، اے خبیر، اے مبین مجھ کو آ گاہ کر کے اس صاحبِ قبر کی باطنی کیفیت بتا دے اور پھر اس میت کی روح کی طرف متوجہ ہو اور تھوڑی دیر اپنی روح کو اس کی روح سے ملا دے پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی طرف متوجہ ہو۔ تو اگر اپنے اندر کچھ کیفیتیں پائے تو سمجھے کہ نسبت اسی میت کی طرف سے ہے اور یہ فیض و برکات اسی میت ہی کی طرف سے آ رہے ہیں۔

یہ تھی تلخیصِ عبارت کلیات امدادیہ کی، اب پیش خدمت ہے نص عبارت:

((اس کا طریقہ یہ ہے کہ زندہ ہے تو اس کے سامنے بیٹھے اور اگر مردہ ہے تو اس کی قبر کے سامنے بیٹھے اور اپنے کو ہر نسبت سے خالی کرے اور علام الغیوب کی بارگاہ میں دعا کرے کہ اے علیم! اے خبیر! اے مبین! مجھ کو آ گاہ کر اور اس کی باطنی کیفیت بتا اور متوجہ ہو اس کی روح کی طرف اور تھوڑی دیر اپنی روح کو اس کی روح سے ملا دے، پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی طرف متوجہ ہو تو اگر اپنے میں کچھ کیفیتیں پائے تو سمجھے کہ نسبت اسی شخص کی ہے اور خطروں کے پہچاننے کا بھی یہی طریقہ ہے)) ①

اور قبر پرستوں کے ہاں ان کے علاوہ قبروں کے حالات معلوم کر کے اصحابِ قبور سے فیض حاصل کرنے کے اور بہت سے طریقے ہیں۔ جو کہ تصوّف کی کتابوں میں ملیں گے اور ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ قبر پرستوں اور غالی صوفیوں کے ہاں یہ کشف کا جو مسئلہ ہے اگرچہ اس کا اطلاق عام طور پر قبروں پر ہوتا ہے مگر یہ قبور کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ لوگ قبور کے علاوہ دوسری چیزوں کے بھی انکشاف کی محنت و ریاضتیں کر کے ان کے حالات معلوم کرنے کے دعوے کرتے ہیں۔ جیسا کہ زندہ اشخاص کے اندرونی حالات، آسمان و زمین اور عالم وملأالأعلیٰ وغیرہ کے انکشاف ہیں۔ یہ ہیں قبر پرستوں اور اوہام پرستوں کے عقائد و نظریات اور اعمال واصطلاحات کہ جن کا شرع محمدی سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اب ہم اس مسئلہ کی مزید وضاحت کیلئے ذرا قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

ہر عمل و محنت کا کوئی نہ کوئی اثر و نتیجہ ضرور ہوتا ھے

سوال:

کیا قبروں کے پاس بیٹھ کر محنت و ریاضتوں اور مجاہدہ و چلہ کشیوں سے کوئی فائدہ ملتا ہے؟ کیا کشف کے ذریعہ سے مُردوں کے حالات کا پتہ چلا کر ان سے فیض و برکات حاصل ہو سکتے ہیں؟ اور بعبارت دیگر کیا فکر و وہم کے دوڑانے اور مختلف قسم کی محنتوں، ریاضتوں، مجاہدوں اور چلہ کشیوں کا کوئی اثر و ثمرہ ہوتا ہے کہ نہیں؟

جواب:

اس سے پہلے کہ ہم اس سوال کا جواب دیں ایک اصول اور قاعدہ کلیہ سمجھ لیں اور وہ یہ کہ یہ ایک سنت کونیہ ہے کہ ہر عمل اور

① کلیة امدادیة ،ضیاء القلوب ص ۵۵،زندہ اور مردہ اهل الله کی نسبت دریافت کرنے کا طریقہ.

ہر محنت کا کوئی نہ کوئی اثر و نتیجہ ضرور ہوتا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی عمل یا محنت بغیر ثمرہ و نتیجہ کے نہیں ہوتا مثلاً سحر و جادو ایک عمل ہے اگر چہ سحر و جادو کا سیکھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا واقع اور نفس الأمر میں یہ عمل حرام و ناجائز اور کفر و شرک ہے مگر اس عمل کا ثمرہ و اثر مسحور پر ظاہر ہوتا ہے اور بعبارت دیگر سحر و جادو کا نتیجہ ہوتا ہے اور اسی طرح کوئی شخص جہاز رانی کے سیکھنے کیلئے دماغ خرچ کرتے ہوئے بڑی محنتِ شاقہ کے بعد پائلٹ بن سکتا ہے اور اسی طرح دوسرا زیادہ محنت کر کے جہاز بنا سکتا ہے اور اسی طرح کوئی شخص علوم سائنس کے سیکھنے میں محنت کر کے سائنس دان بن کر ریڈیو اور ٹیلیویژن بنا سکتا ہے اور اسی طرح کوئی ڈاکو ڈاکا اور رھزنی کر کے دولت مند بن سکتا ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے اس قول:

وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ۝ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى ①

اور یہ کہ آدمی کو اپنی ہی کوشش سے فائدہ ہوگا اور یہ کہ اس کی کوشش آگے چل کر (قیامت کے دن اس کو) دکھائی جائے گی۔

کے مطابق ہر عمل اور ہر محنت کیلئے کوئی نہ کوئی اثر و نتیجہ ضرور ہوتا ہے یہاں تک تو یہ معلوم ہوا کہ ہر عمل و محنت کا ثمرہ و نتیجہ ہوتا ہے۔ مگر اس سے یہ ضروری نہیں کہ ہر عمل و محنت کا اثر و نتیجہ صحیح و درست اور اس محنت کرنے والے کی مرضی اور تمنا کے مطابق بھی ہو جائے بلکہ کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔ اب اس کیلئے کچھ شواہد و مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

الف۔ اصحابِ فکر ووہم کی محنتوں کا اثر:

یہ برہمی ہندوؤں میں سے ایک فرقہ ہے، جو کہ کثرت فکر و وہم کی وجہ سے اصحاب فکر و وہم کے نام سے مشہور و معروف ہیں یہ لوگ فکر کی بہت تعظیم و توقیر اس اعتقاد کی بنیاد پر کرتے ہیں کہ فکر محسوس و معقول کے درمیان ایک واسطہ ہے اس لیئے یہ لوگ بزعم خویش انکشافِ مغیبات اور علوم و معارف وغیرہ اشیاء کے حصول کیلئے اپنے فکر و وہم کو دوڑاتے ہیں۔

اور اس مہم کیلئے بہت سی ریاضتیں، محنتیں اور مجاہدات و دماغ خوریاں کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اتنی ریاضتوں، چلہ کشیوں اور مجاہدات و محنتوں کی وجہ سے جب فکر اس کائنات سے مکمل طور پر خالی ہوتی ہے تو دوسرا عالم اس کے لئے منکشف ہو جاتا ہے یہاں تک کہتے ہیں کہ کچھ غیبی احوال و کیفیات وغیرہ کی خبر دیتا ہے۔ جو کہ وہم و تخیلات کے اثرات میں سے ہے۔ اور یہ چیزیں مستبعد نہیں۔ کیونکہ وہم کیلئے تصرفاتِ اجسام میں ایسے عجیب و غریب قسم کے اثرات ہوتے ہیں۔ بطورِ مثال دیکھو خواب میں احتلام وہم کا اثر ہے جسم میں، اور اسی طرح آنکھ کی نظر کا وقوع وہم کے تصرفات میں سے ہے۔ اور انکے علاوہ اور بہت سی ایسی اشیاء ہیں کہ جن میں وہم کا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ برہمنیوں کے مذاہب بیان کرتے ہوئے امام شہرستانی رحمہ اللہ اصحابِ فکر و وہم کے متعلق اس طرح لکھتے ہیں:

---

① سورة النجم آیة رقم ۳۹، ۴۰

وهؤلاء أصحاب الفكرة يعظمون الفكر، ويقولون: هو المتوسط بين المحسوس والمعقول. فالصور من المحسوسات ترد عليه والحقائق من المعقولات ترد عليه أيضاً فهو مورد العلمين من العالمين فيجتهدون كل الجهد حتى يصرفوا الوهم والفكر عن المحسوسات بالرياضات البليغة والاجتهادات المجهدة حتى إذا تجرد الفكر عن هذا العالم تجلى له ذلك العالم.

ترجمہ: یہ لوگ جو اپنے آپ کو اصحاب الفکر کہتے ہیں یہ فکر کی تعظیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ محسوس اور معقول کے درمیان ایک واسطہ ہے، محسوسات کی صورتیں اس کی تردید کرتی ہیں اور معقولات کے حقائق بھی اس کی تردید کرتے ہیں۔ پس یہ ان دونوں علموں کا مرکز ہے۔

پس وہ پوری کوشش کرتے ہیں کہ اجتہادات اور تجربات کے ساتھ وہم اور فکر کو محسوسات سے پھیر سکیں۔ یہاں تک کہ جب اس عالم سے فکر خالی ہو جائے تو دوسرا عالم ان کے لیے روشن و واضح ہو جائے گا۔

فربما يخبر عن مغيبات الأحوال وربما يقوى على حبس الأمطار وربما يوقع الوهم على رجل حيّ فيقتله في الحال ولا يستبعد ذلك فإن للوهم أثراً عجيباً في تصرف الأجسام والتصرف في النفوس. أليس الاحتلام في النوم تصرف الوهم في الجسم؟ أليست إصابة العين تصرف الوهم في الشخص؟ أليس الرجل يمشي على جدار مرتفع فيسقط في الحال ولا يأخذ من عرض المسافة في خطواته سوى ما أخذه على الأرض المستوية؟ والوهم إذا تجرد عمل أعمالا عجيبة. ①

بسا اوقات امور غیبیہ کی خبر دیتے ہیں اور کبھی بارش روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی زندہ آدمی کے خلاف شکوک وشبہات ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے فوراً وہ اسے قتل کر دیتا ہے۔ اور یہ کوئی بعید نہیں کیونکہ نفوس اور اجسام میں وہم کا عجیب وغریب اثر ہوتا ہے اور یہ کوئی بعید بھی نہیں۔ جیسے نیند میں احتلام جسم کے وہم کا تصرف ہوتا ہے۔ اسی طرح نظرِ بد آدمی کی شخصیت وطبیعت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

اب دیکھو ان لوگوں کو کہ جن کو اپنی ان ریاضتوں اور محنتوں اذہان ودماغ کے خرچ کرنے اور کثرتِ مجاہدات و چلہ کشیوں سے کچھ نہ کچھ ثمرہ وفوائد ملتا ہے۔ مگر انصاف سے بتائیے کیا یہ ثمرہ ونتیجہ صحیح ودرست موجبِ رضائے الٰہی ہے۔ اور یہ لوگ ولی بزرگ اور اللہ رسیدہ ہیں؟ حاشا وکلا بلکہ یہ تو کافر ومشرک ہیں۔

① الملل والنحل ج ۲ ص ۲۵۳-۲۵۴ الباب الرابع آراء الهند الفصل الأول البراهمة / أصحاب الفكرة والوهم



ب۔ گوتم بدھ کی ریاضتوں کا اثر:

گوتم بدھ کے کچھ حالات باب اصنام میں پہلے گزر چکے ہیں کہ اس نے اپنے مقصد کے حصول کیلئے کئی مصائب ومشکلات اور مشقت وتکالیف اٹھائی ہوئی تھیں جو کہ شہر شہر وقریہ قریہ گھومتے پھرتے رہے اور پھر اس دوران سیاحت کئی مذہبی پیشواؤں کی مریدی وغلامی بھی کرتے رہے۔ چنانچہ علامہ احمد عبداللہ المسدسی ان کے حالات زندگی پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں۔ ''دریائے ایومہ پر پہنچ کر زیور اور جواہرات چین کو دیئے اور کہا کہ ان کو لے کر'' کپل وستو'' کو لوٹ جائے۔ باوفا خادم نے اصرار کیا کہ وہ بھی اپنے آقا کے ساتھ زاہدانہ زندگی بسر کرے گا۔ لیکن گوتم نے کہا نہیں تم واپس کپل وستو جاؤ۔ اور ان کے والد سے تمام حالت بیان کرو۔ چنانچہ خادم اپنے دل پر سل رکھ کر واپس لوٹا۔ گوتم نے اتر کر بھدرا کرایا اور ایک غریب آدمی سے لباس بدل کر زاہدانہ زندگی اختیار کر کے راج گڑھی کی طرف چل دیئے۔ راج گڑھی'' مگدھ'' کی سلطنت کا دار الخلافہ تھا۔ اور خوبصورت اور دلکش وادی میں پانچ پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔'' ①

کہتے ہیں کہ ان پہاڑوں کے غاروں میں پہنچ کر گوتم کئی درویشوں کا مرید بن کر ان سے ہندو مذہب کے فلسفہ سیکھنے کے بعد نفس کشی کیلئے سخت چلوں اور ریاضتوں کا قصد کیا۔ چنانچہ مذاہب عالم والا لکھتا ہے'' ان پہاڑوں کی غاروں میں چند مشہور درویش رہتے تھے گوتم ان کے پاس گیا۔ (التر) نامی فقیر کے مرید ہو گئے۔ جب اس فقیر کی صحبت سے تسکین قلب کی دولت میسر نہ آئی تو ایک عابد وزاہد فقیر'' اورک'' نامی کی طرف گیا۔ ان دونوں درویشوں نے ہندو مذہب کا فلسفہ سکھایا اس کے بعد گوتم نے نفس کشی کیلئے چلوں اور ریاضتوں کا قصد کیا۔'' ارویل'' کے جنگل میں چھ سال تک سخت ریاضتیں اٹھائیں۔ جسم کانٹے کی طرح خشک ہو گیا۔'' ②

گوتم بدھ کی ریاضتوں محنتوں اور دوسرے پریشان کن حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے مذاہب عالم والا لکھتا ہے۔

'' اسی حالت میں تھے کہ ایک روز ایک نا کت خدا دہقان لڑکی کی نظر گوتم پر پڑی گوتم کو شکستہ حال دیکھ کر پوچھا۔ اے فقیر کیا آپ بھوکے ہیں اور کیا آپ میرے ہاتھ سے کھانا تناول کریں گے؟ گوتم نے سر اٹھا کر دیکھا اور پوچھا اے بہن! تمہارا نام کیا ہے لڑکی نے جواب دیا۔ مہاراج میرا نام'' سوجات'' ہے۔ گوتم نے کہا ہاں میں بھوکا ہوں لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمہاری غذا میری بھوک کو تسلی دے سکے گی۔ لڑکی یہ نہ سمجھ سکی کہ اس درویش کی بھوک سے کیا مراد ہے۔ اور کس قسم کی تسلی چاہتا ہے؟ لڑکی نے نہایت محبت اور شفقت سے کھانا لائی۔ گوتم نے ایک بڑ کے درخت کے نیچے بیٹھ کر تناول کیا۔'' سوجات'' چلی گئی گوتم دن بھر اسی درخت کے نیچے یاد الٰہی میں مصروف رہا۔ اسی مراقبہ اور زہد وجہد کی حالت میں گوتم کو مختلف اقسام کے امتحانات اور آزمائشوں میں ڈالا گیا۔'' ③

---

① مذاہب عالم، ص ۲۳۳-۲۳۴۔
② مذاہب عالم، ص ۲۳۴۔
③ مذاہب عالم، ص ۲۳۴۔

ان مختلف سیاحتوں اور عزلتوں میں گوتم بدھ بہت سی مصائب ومشاکل اور آزمائشوں سے دوچار رہا۔ جن میں تین مشہور آزمائشیں شامل ہیں۔ جن کو ہم نے طوالت سے بچنے کیلئے چھوڑ دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کئی محنتوں، ریاضتوں، نفس کشی اور چلہ کشیوں کے بعد کہا جاتا ہے۔ گوتم بدھ کو غیب سے آواز آئی کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر منزلِ مقصود تک پہنچ چکے ہو۔ چنانچہ مذاہب عالم والا لکھتا ہے۔

((جب گوتم ان تینوں آزمائشوں میں پورا اترا تو غیب سے یہ دلنواز آواز آئی۔ دیوتا اسے موتیوں کا ہار، نشان اور پرچم دے رہے ہیں۔ اور اس پر پھولوں اور صندل کے چورے نچھاور کر رہے ہیں۔ وہ شادیانے بجا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں اے جوان مرد دشمن کی فوج نے تیرے درخت کا محاصرہ کرنے کے بعد بالآخر شکست پائی۔ اسی مقام پر اس بہترین کرسی پر تجھے عرفان شہوات نفسانی سے خالی حاصل ہوگا۔ اور تجھے بدھ کی ساری حکومت ملے گی کیونکہ تو نے اپنے شیرین کلامی سے شیطان کی فوج پر فتح پائی۔ (للت دستر اکیسواں باب ۲۰۲-۲۰۳ گاتھائیں)) ①

اب دیکھو کئی محنتوں ریاضتوں ومشقتوں اور چلہ کشیوں کے بعد گوتم بدھ کو غیب سے آواز آتی ہے کہ تم شیطان کی فوج پر فاتح ہو کر کامیاب ہو چکے ہو اور تم کو اپنی منزل مقصود مل چکی ہے جس کی تم تلاش میں تھے۔

اور یہ سب کچھ ان کے ان کئی برسوں کے مختلف اقسام کی مصائب ومشاکل اور تکالیف وآزمائشوں کا ثمرہ ونتیجہ ہے۔ مگر انصاف سے بتائیے کیا یہ ثمرہ ونتیجہ صحیح ودرست تھا اور گوتم کوئی نبی ورسول یا ولی وبزرگ تھا؟

ج۔ آتش پرستوں کی محنتوں کا ثمرہ:

آتش پرست لوگ آگ کی مختلف قسم کی عبادتوں میں بھی بڑی ریاضتیں، محنتیں اور مصائب ومشکلات برداشت کرتے ہیں۔ مثلاً کچھ آتش پرست روزہ کی حالت میں آگ کے آس پاس میں مجاور ومعتکف ہو کر محنت وریاضتیں کرتے ہیں اور کچھ لوگ آگ کے لئے مربع قسم کی بڑی بڑی خندقیں کھود کر ان میں آگ جلاتے ہیں اور کچھ تو بہترین قسم کے طعام وشراب کپڑا اور عطر وخوشبو وغیرہ اس میں ڈال دیتے ہیں۔ الغرض یہ کہ آتش پرست لوگ مختلف قسم کی محنتوں وریاضتوں اور مشقتوں کے ساتھ آگ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر محنت ومشقت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے آپ کو آگ میں جلا دیا جائے۔

چنانچہ آگ پرستوں میں سے ایک فرقہ ایسا بھی ہے کہ جن میں سفاہت وحماقت یہاں تک پہنچ گئی کہ بھڑکتی ہوئی آگ میں چھلانگ لگا کر اپنے آپ کو زندہ جلا دیتے ہیں اور صورت اس کی اس طرح ہوتی ہے کہ آتش پرست لوگ آگ کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اس کے بعد وہ شخص جو کہ اپنے آپ کو آگ میں جلانا چاہتا ہے بہترین کپڑا پہن لیتا ہے بدن پر عطر وخوشبو لگا لیتا ہے۔

① مذاهب عالم کا تقابلی مطالعه ص ۲۳۶

اور بہترین مرکب وسواری پر سوار ہو کر بھڑکتی ہوئی آگ میں چھلانگ لگاتا ہے۔ اور دوسرے لوگ آگ کے آس پاس کھڑے ہو کر اس کی اور بالخصوص اس کے اس طرح کی قربانی کی قبولیت کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ تو اس کے آگ میں جلنے کے تھوڑی دیر بعد شیطان اسی شخص کی شکل وصورت میں لوگوں کے سامنے آ کر ان سے کہتا ہے کہ دیکھو میں وہی شخص ہوں جو کہ ابھی ابھی تمہارے سامنے آگ میں گیا ہے اور یقین کرلو کہ آگ نے اس کو کوئی بھی تکلیف نہیں دی اور وہ سیدھا جنت کے باغات میں پہنچ گیا ہے۔ اور ساتھ ہی شیطان ان لوگوں سے کہتا ہے کہ یہ مذہب بالکل صحیح ودرست ہے اس کو مضبوطی سے پکڑو تو ان لوگوں کا اعتقاد ویقین اس مذہب کے ساتھ اور زیادہ مضبوط ومستحکم ہو جاتا ہے۔ تو شیطان کی اس بناوٹی خوشخبری کے بعد یہ سارے لوگ اس محروق (جلے ہوئے) کی طرح آگ کے اندر جانے کے لئے ایسے تیار ہو جاتے ہیں کہ کوئی معمولی سی جھجک تک بھی محسوس نہیں کرتے۔ چنانچہ اہل ہند کے آتش پرستوں کے مذاہب بیان کرتے ہوئے امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بعض کے مذہب کے متعلق اس طرح لکھتے ہیں:

وطائفة أخرى منهم تبلغ بهم عبادتهم لها إلى أن يقربوا أنفسهم وأولادهم لها. وهؤلاء أكثر ملوك الهند وأتباعهم ولهم سنة معروفة في تقريب نفوسهم وإلقائهم فيها فيعمد الرجل الذي يريد أن يفعل ذلك بنفسه أو بولده أو حبيبه، فيجمله ويلبسه أحسن اللباس وأفخر الحلي، ويركبه أعلى المراكب وحوله المعازف و الطبول والبوقات، فيزف إلى النار أعظم من زفافه ليلة عرسه حتى إذا قابلها ووقف عليها وهي تأجج طرح نفسه فيها فضج الحاضرون ضجّة واحدةً بالدعاء له وغبطته على مافعل فلايلبث إلا يسيراً حتى يأتيهم الشيطان في صورته وشكله وهيأته لاينكرون منه شيئاً فيأمرهم بأمره ويوصيهم بما يوصيهم به ويوصيهم بالتمسك بهذا الدين ويخبرهم أنه صار إلى جنة ورياضٍ وأنهارٍ وأنه لم يتالم بمس

ترجمہ: اور ایک گروہ ان میں سے، ان کی عبادت ان بتوں کیلئے اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو ان کیلئے قربان کردیتے ہیں ہندوستان کے اکثر بادشاہ اور ان کے پیروکاروں کا بتوں کی قربانی کیلئے معروف رواج وطریقہ ہے اور آگ میں کودنا بھی مشہور ہے۔ وہ اس طرح کہ جس آدمی نے آگ میں چھلانگ لگانا ہوتی ہے وہ یا اس کی اولاد یا کوئی اس کا دوست خوب بن سنور کر اچھے کپڑے زیب تن کر کے اور اچھا سا زیور پہن کر عمدہ قسم کی سواری پر سوار ہو کر آتا ہے اور اس کے گرد ڈھول تاشے ہوتے ہیں، پھر اس کو آگ کی طرف لایا جاتا ہے اور یہ منظر شادی بیاہ کی طرح کا ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، یہاں تک کہ آگ کے الاؤ کے پاس آ کر ٹھہر جاتا ہے پھر وہ اپنے آپ کو اس آگ میں پھینک دیتا ہے۔ تو حاضرین شوروغل مچاتے ہیں اور رشک آمیز لہجے میں اس کیلئے دعا کرتے ہیں۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد شیطان ہو بہو اسی آدمی کی شکل وصورت میں آتا ہے وہ ان کو حکم دیتا ہے اور وصیت کرتا ہے اس وصیت



النار له فلا یهولنهم ذلک ولا یمنعهم عن أن یفعلوا مثله .①

میں وہ اسی طریقے کو اپنائے رکھنے کا حکم دیتا ہے اور وہ بتاتا ہے کہ اس کا ٹھکانا جنت کے باغات اور نہریں ہیں اور اس نے آگ میں جب چھلانگ لگائی تھی تو اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ تاکہ وہ اس فعل سے غفلت برتیں نہ اس کو کرنے سے باز رہیں۔

تو ان آتش پرستوں کو آگ کی اس طرح کی عبادت سے گویا ایک قسم کا ثمرہ ملتا ہے۔ کیونکہ آگ میں جلنے کے بعد جب شیطان اس محروق (جلے ہوئے) ہی کی شکل وصورت میں آکر کہتا ہے کہ میں ہی وہ شخص ہوں جو کہ ابھی ابھی تمہارے سامنے آگ میں کود گیا تھا یقین کرلو کہ آگ نے مجھے کوئی بھی تکلیف نہیں دی۔ تو گویا یہ چیز ان لوگوں کے لئے ایک ظاہری فائدہ وثمرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد یہ لوگ اس مذہب کے اور زیادہ گرویدہ ہوجاتے ہیں۔

۵۔ ملحدوں کی ریاضتوں کا ثمرہ

اور اسی طرح کچھ ملحدوں کی مجاہدات وریاضتوں کی خرافات کو بیان کرتے ہوئے امام ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب وہ مجاہدات وریاضتوں میں بہت مبالغہ کرتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں ان کیلئے کرامات جیسے حالات وکیفیات ظاہر ہونے لگتے ہیں یا کچھ اچھے اچھے خواب نظر آنے لگتے ہیں یا یہ کہ بسا اوقات ان کیلئے کچھ احوال وکیفیات منکشف ہوجاتی ہیں تو وہ اس پر بڑے خوش ہوتے ہیں کہ چلو ہم مقصود اصلی کو پہنچ گئے اور اس کے بعد یہ لوگ اتنے مغرور ہوجاتے ہیں کہ صرف اپنے ظاہر کو خرقہ مصلی رقص اور وجد وغیرہ سے زینت دے کر اعمال شرعیہ کو سرے سے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ صوفیوں کی شطحات وشعبدہ بازیوں اور ادعات کی بحث میں امام ابن جوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إن أقوامًا بالغوا فی الریاضة فرأوا ما یشبه نوع کرامات أو منامات صالحة أو فتح علیهم کلمات لطیفة أثمرها الفکر والخلوة فاعتقدوا أنهم قد وصلوا المقصود وقد وصلنا فما یضرنا شیء ومن وصل إلی الکعبة انقطع عن السیر فترکوا الأعمال

ترجمہ: کچھ لوگوں نے خوب ریاضت کی اس میں انہوں نے کچھ کرامات قسم کی چیزیں یا اچھے خواب دیکھے یا کلماتِ لطیفہ جو فکر وخلوت سے پیدا ہوئے ان پر آشکارا ہوئے اس سے وہ سمجھ گئے کہ مقصودِ اصلی کو پہنچ گئے لہٰذا اوامر ونواہی کو ترک کردیا اور کہنے لگے کہ اوامر ونواہی حصول مقصد کے ذرائع

① إغاثة اللهفان ج۲ ص ۲۳۰



إلا أنهم يزينون ظواهرهم بالمرقعة والسجادة والرقص والوجد ويتكلمون بعبارات الصوفية فی المعرفة والوجدو الشوق .①

ہیں اور ہم مقصود پا چکے ہیں اور اب ہمارے لئے کوئی ضرر رساں نہیں ہم کو کوئی چیز ضرر نہیں کرتی۔ جو شخص کعبۃ اللہ کو پہنچ گیا اس کا چلنا (سفر) منقطع ہوگیا۔ اس خیال سے ان لوگوں نے اعمال چھوڑ دیئے مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ لوگ اپنے ظاہر کو پیوند لگے کپڑوں اور جائے نماز اور رقص و وجد سے خوب مزین رکھتے ہیں اور معرفتِ وجد اور شوق کے بارے میں صوفیا کے طریقہ پر گفتگو کرتے ہیں۔

اب دیکھو ان ملحدوں کو اپنی اس طرح کی ریاضتوں واجتہادات اور خلوت کے باعث کچھ احوال و کیفیات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور ان کی یہ ریاضتیں ومجاہدات اور محنت و مشقتیں بغیر نتیجہ کے نہیں ہوتیں بلکہ بارآور ہو جاتی ہیں۔ چاہے ثمرہ غلط ہی سہی مگر حاصل ضرور ہوا ہے۔ اوپر والے ان شواہد و مثالوں میں آپ حضرات نے ان مختلف اذہان وافکار اور عقائد و نظریات والے لوگوں کی محنت و مشقتوں اور ان کے نتائج وثمرات کو اچھی طرح سے دیکھ لیا کہ ہر ایک اپنی نیت و نظریہ اور سمجھ و فہم کے مطابق محنت و مشقتیں اور ریاضت و چلہ کشیاں کر کے ثمرہ پا کر خوش ہو جاتے ہیں کہ میں حق کو پا کر منزل مقصود تک پہنچ گیا ہوں۔ تو اس طرح قبر پرست لوگ اسلام کے لیول میں آ کر قبروں کے اردگرد مجاور و معتکف بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنی اصطلاحات کے مطابق (جن کے کچھ نمونے پہلے گزر چکے ہیں) بڑی ریاضتیں، محنت و مشقتیں اور چلہ کشیاں کرتے ہیں تو ان کے نتیجہ میں ان کے لئے بھی بسا اوقات کچھ احوال و کیفیات ظاہر و منکشف ہونے لگتی ہیں تو مذکورین کی طرح یہ بھی خوش ہوتے ہیں کہ ہم اپنی منزل مقصود کو پہنچ چکے ہیں۔ اور ہمیں قبر سے فیض و برکات حاصل ہو رہے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان سب لوگوں کے اعمال ومحنتوں کے نتائج وثمرات چٹیل میدان کے نصف نہار والی سراب اور بغیر پانی کے گرج والے بادل ہیں۔ کہ جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ واقع یہی ہے یہ سب لوگ شرک و معاصی میں شیطان کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ جو کچھ شیطان ان کو حکم کرتا ہے وہ اس کی تکمیل کرتے رہتے ہیں اور پھر جب ان لوگوں نے شرک و معاصی میں شیطان کی اطاعت کر لی۔ تو شیطان بھی ان کو کچھ تاثیرات اور پوشیدہ چیزوں (جہاں تک ان کو رسائی ہے) کی اطلاع دے دیتا ہے۔ تو گویا جن وانس میں سے ہر ایک دوسرے کی اطاعت کر کے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں چنانچہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ فریقین (گمراہ کرنے والے جنوں اور گمراہ شدہ انسانوں) کو اپنے ہاں جمع کریں گے۔ تو وہاں پر فریب خوردہ اور بھٹکائے ہوئے انسان اپنے گمراہ کرنے والے جنوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کے سامنے اقرار کر کے یہی کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے دنیا میں واقعتاً ایک دوسرے کی اطاعت کر کے اس سے فائدہ اٹھا کر تباہ و برباد ہو گئے

① تبلیس ابلیس ص ۳۶۹-۳۷۰

چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ①

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ ان سب (جنوں اور انسانوں) کو اکٹھا کرے گا اے جنوں (شیطان کے گروہ) تم نے تو بہت آدمیوں کو گمراہ کیا۔ اور آدمی جو (دنیا میں) ان کے دوست تھے وہ کہیں گے۔ مالک ہمارے! ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا اور ہمارے لیے جو وعدہ تو نے کیا تھا (قیامت یا موت کا) اس وعدے تک آن پہنچے۔ اللہ فرمائے گا (اب) دوزخ تمہارا ٹھکانا ہے، اسی میں ہمیشہ رہیں گے مگر جب تک اللہ تعالیٰ چاہے بے شک تیرا مالک حکمت والا جاننے والا ہے۔

حقیقت میں مذکورہ آیت ان لوگوں پر تیر بهدف ہوکر منطبق ہوجاتی ہے۔ جن پر محنت مشقت اور ریاضات و چلہ کشیوں کے بعد جو شیطانی احوال و کیفیات ظاہر و منکشف ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ مذکورہ آیت کی تاویل و تفسیر کے بعد امام ابن قیم رحمہ اللہ اس طرح لکھتے ہیں۔

وهذه الآية منطبقة على أصحاب الأحوال الشيطانية الذين لهم كشوف شيطانية وتأثير شيطاني فيحسبهم الجاهل أولياء الرحمٰن وإنما هم من أولياء الشيطان أطاعوه في الإشراك ومعصية الله والخروج عما بعث به رسله وانزل به كتبه فأطاعهم في أن خدمهم باخبارهم بكثير من المغيبات والتأثيرات. ②

ترجمہ: یہ آیت شیطانی احوال و عادات اپنانے والوں پر منطبق (فٹ) ہورہی ہے۔ جو لوگ شیطانی مکاشفات اور شیطانی اثر و رسوخ والے ہیں جاہل لوگ انہیں اللہ رحمٰن کے دوست تصور کرتے ہیں، حالانکہ وہ شیطان کے دوست ہیں، انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک اور اس کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کے لائے ہوئے دین اور اس کی نازل کردہ کتابوں سے اعراض کرتے ہوئے شیطان کی اطاعت کی ہے پس شیطان نے بعض مغیبات و تاثیرات کی خبر دینے سے بھی ان کی مدد کی ہے۔

اس ساری بحث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ ہر عمل و محنت کا کوئی نہ کوئی اثر و نتیجہ ہوتا ہے اور یہ ایک سنت

---

① سورة الانعام، آية رقم ١٢٨

② إغاثة اللهفان ج٢ ص ٢٣٧

کونیہ ہے جیسا کہ ہم نے ابتدائے بحث میں کہا تھا۔اور یہ ایک بدیہی عمل ہے۔اس کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔باقی ہم نے جو چند شواہد ومثالیں پیش کیں تھیں تو وہ صرف سمجھانے کیلئے تھیں۔یہ تو ہوا عمل ومحنت کے اثر ونتیجہ کا نکلنا جو کہ ایک بدیہی عمل ہے مگر اس سے یہ ضروری نہیں کہ ہر عمل ومحنت کا اثر صحیح ودرست ہو کر موجب رضائے الٰہی بن جائے جیسا کہ اوپر والے شواہد ومثالوں میں آپ حضرات نے اندازہ کر کے دیکھ لیا کہ ہر ایک نے اپنے فکر وخیال اور سمجھ وفہم کے مطابق محنت وریاضتیں اور چلہ کشیاں کر لیں مگر اثر ونتیجہ سب کا غلط نکلا۔اصل حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو کر اس کے راستہ سے ہٹ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ شیطان کو اس پر مسلط کر دیتے ہیں۔بس شیطان ہی اس کا قرین وساتھی یار ومددگار معین ومشیر بن جاتا ہے۔اور جس شخص کا معاون ومشیر اور قرین ودوست شیطان بن جاتا ہے تو صاف ظاہر ہے شیطان اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے ہٹا کر اپنے راستے پر لے چلتا ہے اور پھر شیطان اپنے گمراہ کردہ لوگوں کے گندے اور برے اعمال کو مزین وخوبصورت کر کے ان کے سامنے رکھ دیتا ہے تو یہ گمراہ لوگ اپنے ان اعمال کو نہایت خوبصورت اور بہترین انداز میں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں۔چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۝ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ①

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ کی یاد سے غفلت کرے ہم اس پر ایک شیطان متعین کر دیتے ہیں وہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے اور یہ شیطان ان کافروں کو (اللہ کی) راہ سے روکتے ہیں اور کافر سمجھتے ہیں کہ وہ ٹھیک رستے پر ہیں۔

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ②

ترجمہ: اور ہم نے ان (کافروں) کے کچھ ہم نشیں بنا دیئے ہیں جنہوں نے ان کے اگلے اور پچھلے (سب) کاموں کو ان کی نظر میں اچھا کر دکھایا۔اور جو قومیں جنات اور آدمیوں کی ان سے پہلے گزر چکی ہیں ان کے ساتھ ان پر بھی (عذاب کا) قول پورا ہوا کیونکہ یہ تباہ ہونے والے ہی ہیں۔

اور تیسری جگہ پر ارشاد فرمایا:

---

① سورۃ الزخرف آیۃ رقم ۳۶-۳۷

② سورۃ حم السجدۃ آیۃ رقم ۲۵

فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ③

ترجمہ: پھر جب وہ لوگ (موسیٰ علیہ السلام کی قوم والے) ٹیڑھی چال چلے اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ بدکاروں کو راہ پر نہیں لگاتا۔

اور کبھی کبھی عمل ومحنت کا ثمرہ ونتیجہ صحیح ودرست اور موجب رضائے الٰہی بن جاتا ہے۔ مثلاً شہداء بدر واُحد وغیرہ کے عمل و محنت کا اثر ونتیجہ کہ جنہوں نے صحیح عقیدہ واخلاص کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا مال وجان خرچ کر دیا۔ تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس عطا کر کے ان سے ایسا راضی ہوا کہ ان کیلئے لفظِ اموات کو استعمال کرنے کو بھی برداشت نہیں کیا اور واضح الفاظ میں فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ①

ترجمہ: (اے پیغمبر) جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ مت سمجھو وہ اپنے مالک کے پاس زندہ ہیں ان کو روزی ملتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح عاملین کے اعمال ومحنتوں کے طریقے مختلف ہوتے ہیں تو صحت وعدم صحت کے اعتبار سے ان کے ان مختلف اعمال ومحنتوں کے نتائج وثمرات بھی مختلف ہوں گے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر مدّعی حق و ہدایت اپنے دعویٰ میں صحیح ومصیب ہو۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَى سَبِيلًا ②

ترجمہ: (اے پیغمبر ﷺ ان لوگوں سے) کہہ دے ہر کوئی اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے پھر جو تم میں سے کوئی سیدھے رستے پر ہے اس کو اللہ خوب جانتا ہے۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ ہر عامل کا ہدایت یافتہ اور اس کے عمل ومحنت کے ثمرہ ونتیجہ کا صحیح ودرست ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہاں تک تو یہ معلوم ہوا کہ ہر عمل ومحنت کا کوئی نہ کوئی اثر ونتیجہ ہوتا ہے، چاہے غلط ہی سہی مگر ہوتا ضرور ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب ہر عمل ومحنت کا اثر ونتیجہ ہوتا ہے اور مختلف عقائد ونظریات کی بناء پر عاملین بھی مختلف ہیں۔ جو کہ ہر ایک اپنی نیتوں کے نظریہ اور سمجھ وفہم کے مطابق عمل ومحنت کرتا ہے اور ثمرہ ونتیجہ پا کر خوش ہوتا ہے کہ میرا عمل اور اس کے نتائج صحیح و درست ہیں۔ حالانکہ اوپر والے شواہد وامثلہ سے ثابت ہوا کہ ہر عامل کے عمل کا نتیجہ صحیح نہیں ہوتا۔ تو اس اشتباہ کی وجہ سے پتہ نہیں

---

① سورة الصف آية رقم ٥
② سورة آل عمران، آية رقم ١٦٩
③ سورة بنی اسرآئيل آية رقم ٨٤

چلتا کہ کس عامل کے عمل کا نتیجہ صحیح ہے اور کس کا غلط ہے، کیونکہ ہر ایک اس کے ثمرہ کی صحت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس لئے ایک ایسے معیار اور قانون کی ضرورت ہے جن کے ذریعہ سے یہ پتہ چل سکے کہ کس عامل کے عمل کا اثر و نتیجہ درست ہے اور کس کا غلط ہے تو اس معیار و قانون کیلئے آنے والا عنوان ملاحظہ فرمائیں۔

حق و باطل کا معیار کتاب و سنت ہے

مسلمانو! یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لو کہ حق و باطل کا معیار نہ کثرت عمل پر ہے اور نہ ہی خوبصورت ظاہری نتائج و ثمرات پر بلکہ صرف اور صرف اتباع وحی پر ہے۔ مسلمانو! خوب سمجھ لو کہ شرع نے عمل اور اس کے نتیجہ کی صحت کیلئے ایک معیار مقرر کر دیا ہے۔ تو جو عمل شرع کے اس مقرر شدہ معیار پر پورا اترتا ہے تو اس کا نتیجہ صحیح و درست ہوگا اور جو عمل اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اس کا نتیجہ خوشنما و دل پسند ہی سہی مگر شرعی اعتبار سے غلط ہوگا اور وہ معیار ہے کتاب و سنت۔ اس لئے جو بھی عمل اور محنت اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہو تو اس سے جو نتیجہ نکلے گا وہ صحیح و درست اور مورد قبول ہوگا اور اگر عمل اور محنت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق نہیں اس کا نتیجہ مردود و مطرود، غلط اور بے بنیاد ہوگا۔ اب پیش خدمت ہیں اس پر دلائل:

الف۔ چنانچہ اس معیار کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ①

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری راہ پر چلو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر اپنی محبت کے حصول کو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے ساتھ مشروط کر کے واضح الفاظ میں بیان فرمایا کہ لوگو! اگر تم مجھ سے محبت رکھنا چاہتے ہو تو محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کر لو چنانچہ آیت سابقہ کی تفسیر کرتے ہوئے امام شوکانی رحمہ اللہ اسی طرح لکھتے ہیں:

ففي هذه الآية تعليق محبة الله الواجبة على كل عبد من عباده باتباع رسوله صلى الله عليه وسلم وأن ذلك هو المعيار الذي يعرف به محبة العبد لربه على الوجه المعتبر وأنه السبب الذي يستحق به العبد أن يحبه الله. ②

ترجمہ: اس آیت میں ہر بندے کی اللہ کے ساتھ محبت کو رسول اللہ ﷺ کی محبت کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہے اور یہ وہ معیار ہے جس کے ساتھ بندے کی اللہ کے ساتھ محبت کو پرکھا جاتا ہے اور اسی سبب سے بندہ اللہ کی محبت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

---

① سورة آل عمران آية رقم ٣١

② شرح الصدور بتحريم رفع القبور ص ١٣

اورایک دوسرے مقام پراللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتے ہیں:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ①

(وہ اللہ) جس نے موت اور زندگی (دونوں) کو پیدا کیا کہ تم کو آزما کر دیکھے کہ کون تم میں اچھے کام کرتا ہے (اور کون برے) اور وہ زبردست ہے بخشنے والا ہے۔

یہاں پراللہ تعالیٰ نے احسن عملاً کہا اور اکثر عملاً نہیں کہا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق کا معیار صرف کثرت عمل پر نہیں ہوتا بلکہ اتباع شرع ضروری ہے۔

ب۔ اوراسی معیار کورسول اکرم ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ماليس فيه فهورد...... .② (صحيح بخاري)

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی شے ایجاد کی وہ مردود ہے۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کیلئے چند مثالیں سن لیں۔

الف۔ اسلام سے انحراف نے لوگوں میں ایسا جلدی ریشہ گاڑ دیا کہ صحابہ کرام کے پاکیزہ زمانہ میں بھی بعد والے لوگوں نے حصول اجر وثواب کے لالچ میں بدعات وخرافات کے دروازے کھول دیئے۔ چنانچہ ان جملہ بدعات میں سے ایک وہ مشہور ومعروف واقعہ ہے جس کا امام دارمی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے اور وہ اس طرح کہ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کسی مسجد میں کچھ لوگوں کے حلقے دیکھے۔ جو کہ ہر حلقہ میں ایک شخص بطور مرشد ومعلم ان کے اندر موجود تھا اور اپنے حلقہ والوں کو سوسو بار تکبیر، تہلیل اور تسبیح کی تلقین کر رہا تھا۔ اور وہ لوگ اس شخص کے کہنے پر عمل کر رہے تھے۔ تو سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے کچھ کہے بغیر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر یہ سارا ماجرا ان کو بتا دیا۔ تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ پھر تم نے ان لوگوں کو کیا کہا تو سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کے حکم کا انتظار کرتے ہوئے میں نے ان سے کچھ بھی نہیں کہا اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو لے کر مسجد میں تشریف لا کر ان حلقوں میں سے کسی ایک حلقہ کے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور ان ذاکرین سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ کیا کر رہے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم تکبیر وتہلیل اور تسبیح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں۔ تو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو کر کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ کے امتیو! تم کیسے جلدی ہلاک ہو چکے ہو یہ تمہارے رسول ﷺ کے اصحاب کرام ہیں جو کہ ابھی تک زندہ ہیں اور یہ آپ ﷺ کے کپڑے ہیں جو کہ ابھی تک پھٹے نہیں اور یہ آپ ﷺ کے برتن

---

① سورة الملك آية رقم ٢

② رواه البخاري، كتاب الصلح باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود

ابھی تک ٹوٹے نہیں اور پھر اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم اٹھا کر ان ذاکرین سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ دو باتوں میں سے ایک تم کو ضرور ماننا پڑے گی یہ کہ تم ایک ایسے دین و شریعت پر ہو جو کہ شریعت محمد یہ سے زیادہ ہدایت والی ہے یا یہ کہ تم گمراہی کے دروازے کھولنے والے ہو؟ تو اس پر ذاکرین نے اللہ کی قسم اٹھا کر کہا اے ابوعبدالرحمٰن ہم نے اس عمل سے خیر ہی کا ارادہ کیا ہے۔ تو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بہت سے خیر کے ارادہ کرنے والے ہیں مگر خیر کو نہیں پہنچ پاتے اب سنن الدارمی رحمہ اللہ کی اصل روایت ملاحظہ فرمائیں:

أخبرنا الحكم بن المبارك أنا عمر بن يحى قال سمعت أبي يحدث عن أبيه قال كنا نجلس على باب عبدالله بن مسعود قبل صلاة الغداة، فإذا خرج مشينا معه إلى المسجد، فجاء نا أبوموسىٰ الأشعري فقال: أخرج إليكم أبوعبدالرحمن بعد؟ قلنا لا! فجلس معنا حتى خرج، فلما خرج قمنا إليه جميعاً، فقال له أبو موسى: يا أبا عبدالرحمن إني رأيت في المسجد آنفًا أمرًا أنكرته ولم أر والحمد لله إلا خيرًا قال: فما هو؟ فقال: إن عشت فستراه، قال: رأيت في المسجد قوماً حِلَقًا جلوسًا ينتظرون الصلاة، في كل حلقةٍ رجلٌ، وفي أيديهم حصاً فيقول: كبروا مائةً فيكبرون مائةً، فيقول: هلّلوا مائة فيهللون مائة ويقول : سبحوا مائة فيسبحون مائةً، قال: فما ذا قلت لهم؟ قال: ماقلت لهم شيئاً انتظار رأيك أو انتظار أمرك: قال: أفلا أمرتهم أن يعدوا سيآتهم وضمنت لهم أن لايضيع من حسناتهم، ثم مضى ومضينا معه حتى أتى حلقةً من تلك الحلق فوقف

ترجمہ: (امام دارمی فرماتے ہیں:) ہمیں حکم بن مبارک نے خبر دی وہ کہتے ہیں ہمیں عمر بن یحیٰ نے خبر دی وہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے سنا اور انہوں نے اپنے والد سے حدیث بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں ہم فجر کی نماز سے پہلے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھے رہتے، جب وہ نماز کے لیے نکلتے تو ہم آپ کے ساتھ مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے، ہمارے پاس سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور دریافت کیا، کیا ابھی تک ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت) نہیں آئے؟ ہم نے کہا نہیں! تو وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے یہاں تک کہ وہ گھر سے نکل آئے، جب آپ باہر نکلے تو ہم سب آپ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اے ابوعبدالرحمٰن: ابھی ابھی مسجد میں میں نے ایک عجیب کام دیکھا ہے، لیکن میں اس کو اچھا خیال کرتا ہوں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: اگر آپ زندہ رہے تو ضرور دیکھ لیں گے، میں نے لوگوں کو مسجد میں حلقے بنا کر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے جو کہ نماز کا انتظار کر رہے ہیں، ہر حلقے میں ایک ایک آدمی ہے اور اس کے ہاتھ میں کنکریاں ہیں اور وہ کہتا ہے سو

عليهم فقال: ما هذا الذى أراكم تصنعون؟ قالوا: يا أباعبدالرحمن حصاً نعدبه التكبير والتهليل والتسبيح، قال: فعدّوا سيّآتكم فأنا ضامن، أن لايضيع من حسناتكم شيءٌ ويحكم يا أمة محمد ما أسرع هلكتكم هؤلاء صحابة نبيكم صلى الله عليه وسلم متوافرون وهذه ثيابه لم تبل، وآنيته لم تكسر.

والذى نفسى بيده إنكم لعلى ملة هى أهدى من ملة محمد أومفتتحوا باب ضلالة؟ قالوا: والله يا أبا عبدالرحمن ما أردنا إلا الخير، قال: وكم من مريد للخيرلن يصيبه إن رسول الله صلى الله عليه وسلم حدثنا أن قومًا يقرأون القرآن لايجاوز تراقيهم، وأيم الله ماأدرى لعل أكثرهم منكم ثم تولى عنهم فقال عمرو بن سلمة رأينا عامة أولئك الحلق يطاعنونا يوم النهر وان مع الخوارج. ①

مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہوتو وہ ''اللہ اکبر'' کہنے لگتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے سو مرتبہ ''لا الہ إلا اللہ'' کہوتو وہ کہنا شروع کر دیتے ہیں پھر وہ کہتا ہے۔ سو بار ''سبحان اللہ'' کہوتو وہ ''سبحان اللہ'' کہتے ہیں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا، آپ نے ان کو کیا کہا، تو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آپ کی رائے کے انتظار یا آپ کے حکم کے انتظار میں میں نے انہیں کچھ نہیں کہا، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آپ نے انہیں یہ کیوں نہ کہا کہ وہ اپنے گناہوں کو شمار کریں اور تو ان کی ضمانت دے کہ ان کے نیک اعمال ضائع نہیں ہوں گے۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چلتے رہے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے یہاں تک کہ (مسجد میں) حلقے کے پاس پہنچ گئے اور ان سے پوچھا تم یہ کیا کر رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! ہم کنکریوں پر اللہ اکبر، لا إلہ إلا اللہ اور سبحان اللہ کا ورد کر رہے ہیں، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے تم اپنے گناہوں کو شمار کرو میں ضمانت دیتا ہوں تمہارے اعمال (نیکیاں) ضائع نہیں ہوگی۔ اے امت محمدیہ! افسوس! تم کس قدر جلدی ہلاکت میں پڑ گئے ہو، ابھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد تم میں موجود ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ کپڑے ابھی تک بوسیدہ ہوئے ہیں اور نہ آپ کے استعمال میں آنے والے برتن ٹوٹے ہیں، اللہ کی قسم! تم یا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے افضل دین پر ہو یا تم ہلاکت وتباہی کا دروازہ کھول رہے ہو؟ لوگوں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن ہم تو صرف نیکی و خیرخواہی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن

---

① سنن الدارمی، باب کراهية أخذ الرأى، ج ا ص ٢٠، ٢١، واللفظ له / كتاب الباعث على انكار البدع والحوادث، ص ٦٣، ٦٥



مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کتنے ہی لوگ خیر کا ارادہ کرتے ہیں مگر اس تک پہنچ نہیں پاتے۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ کچھ لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلقوں سے تجاوز نہیں کرے گا۔ اللہ کی قسم تمہاری اکثریت ایسے لوگوں ہی سے لگتی ہے۔ یہ کہہ کر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چلے گئے۔ عمرو بن سلمہ کہتے ہیں کہ ان حلقے والوں کی اکثریت کو ہم نے خوارج کے ساتھ نہروان کی لڑائی میں دیکھا جو کہ ہم (مسلمانوں) پر تیر برسا رہے تھے۔

"**ان قوما یقرأون القرآن لایجاوز تراقیھم ......**" والا جملہ جو کہ مرفوع ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے مختلف الفاظ کے ساتھ صحاح، سنن اور مسانید وغیرہ سے ثابت ہے۔

اب دیکھو ان لوگوں کا عمل بظاہر تو ایک بہترین عمل تھا۔ کیونکہ وہ اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ جیسے مبارک کلمات کے ساتھ ذکر کر رہے تھے جو کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف میں بہترین کلمات ہیں اور وہ بھی کثرت کے ساتھ مگر اس کے باوجود ان کی یہ ساری محنت لاحاصل ہو کر رائیگان چلی گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ عمل اس کثرت اور ظاہری خوبصورتی کے باوجود مردود مطرود ہو کر کیوں رائیگاں چلا گیا؟ تو جواب وہی ہے جو کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حق و باطل کا معیار نہ کثرت عمل پر ہے اور نہ ہی خوبصورت ظاہری نتائج پر بلکہ صرف اتباع وحی پر ہے۔ تو چونکہ ان لوگوں کا یہ عمل کتاب وسنت کے مطابق نہیں تھا۔ اس لئے وہ مردود و مطرود ہو کر تباہ و برباد ہو گیا۔ کیونکہ ان لوگوں کا ذکر کے لئے حلقے قائم کر کے پتھروں پر تکبیر و تہلیل و تسبیح کے کلمات کو ایک مخصوص انداز و تلقین کے ساتھ کہنا، اس کے لئے وقت مقرر کرنا وغیرہ یہ چیز کتاب وسنت کے مطابق نہیں تھی، اور یہی وہ چیز تھی کہ جس پر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انکار کیا تھا۔

ب اور اس طرح روایت میں آیا ہے کہ ایک دن ایک شخص نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں چھینکا اور پھر چھینکنے کے بعد اس نے کہا: "**الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ**" تو اس پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں بھی کہتا ہوں: "**الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ**"، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسے موقعہ پر اس طرح تعلیم نہیں دی تھی۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس ٹائم میں صرف یہ تعلیم دی کہ چھینکنے والا صرف الحمد للہ کہے اب اصل روایت ملاحظہ کریں:



عن نافع، أن رجلاً عَطَسَ إلى جنب ابن عمر فقال: الحمدلله والسلام على رسول الله، فقال ابن عمر: وأنا أقول الحمدلله والسلام على رسول الله، وليس هكذا علمنا رسول الله ﷺ، علمنا أن نقول: الحمدلله على كل حال. ① (حسن)

امام نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک آدمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چھینک ماری اور الحمد الله و السلام على رسول الله کہا تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ کلمات میں بھی کہوں گا مگر اس طرح تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تعلیم نہیں دی ہے۔ آپ نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم "الحمدلله على كل حال" کہا کریں۔

اب دیکھو اس شخص نے بظاہر تو کوئی غلط کام نہیں کیا بلکہ اس نے رسول اللہ پر سلام پڑھا جو کہ شرع میں مطلوب ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ إِنَّ اللهَ وَمَلَا ئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ ②

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی اس (نبی) پر درود بھیجو اور سلام بھیجو۔

اب سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر سلام پڑھنا شرع میں مطلوب اور باعثِ اجر و ثواب ہے اور اس شخص نے آپ ﷺ پر سلام ہی پڑھا ہے تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے اس عمل پر انکار کیوں کیا؟ تو جواب وہی ہے جو کئی بار گزر چکا ہے کہ اس شخص نے آپ ﷺ پر سلام کیلئے جو موقع اختیار کیا ہے وہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا جس کو شرع نے مقرر کیا ہے۔ یعنی اس شخص کا یہ عمل کتاب و سنت کے مطابق نہیں تھا۔ کیونکہ چھینکنے والے کو رسول اللہ ﷺ نے تو یہ حکم دیا ہے کہ وہ صرف الحمدللہ کہے۔ عبادت صرف وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و سنت کے مطابق ہو اور ''والسلام علیٰ رسول اللہ'' جو اس شخص نے اس موقع پر اپنی طرف سے پڑھا تو اس شخص کا یہ عمل آپ ﷺ کی تعلیم و سنت کے مخالف ہونے کی بنا پر عبادت نہ ہوا، بلکہ ایسا عمل تو بدعت کے زمرے میں آسکتا ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے، اس لئے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے عمل کو ناپسند فرما کر اس پر انکار کیا۔

ج۔ اور اس طرح کا ایک اثر سیدنا سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ اور وہ اس طرح کہ ان کے سامنے ایک مرتبہ ایک شخص نے نمازِ عصر کے بعد نفل پڑھنا شروع کیئے تو آپ نے اس کو اس وقت کی نماز پڑھنے سے منع کیا تو اس شخص نے سیدنا سعید رحمہ اللہ سے کہا کیا اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب دے گا؟ تو اس پر سیدنا سعید رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نماز پڑھنے پر عذاب نہیں دے گا بلکہ اللہ تعالیٰ تجھے سنت کی خلاف ورزی پر عذاب دے گا۔ چنانچہ امام بیہقی سیدنا سعید رحمہ اللہ اور نمازِ عصر کے بعد نماز پڑھنے والے اس شخص کے مکالمے کو یوں نقل کرتے ہیں:

---

① رواه الترمذي، كتاب الادب، باب مايقول العاطس إذا عطس قال الشيخ الألباني حسن.

② سورة الأحزاب، آية رقم ٥٦



روی عن سعید أنه نهیٰ عن ذلک فقیل: یا أبا محمد! یعذ نبی الله علی الصلاة؟ قال: لا ولکن یعذ بک علی خلاف السنة. ①

ترجمہ: سیدنا سعید رحمہ اللہ نے اس سے روکا ہے، توانہوں نے کہا: اے ابو محمد! کیا اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب دے گا تو انہوں نے فرمایا نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سنت کی مخالفت پر تجھے عذاب دے گا۔

اب آیئے اصل مسئلہ فیضِ قبور، جو کہ اس بحث کا اصل موضوع ہے۔ اور دیکھئے کہ کیا ان قبر پرستوں کا یہ طرزِ عمل شرع کے اس معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں؟ سو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان لوگوں کا یہ طرزِ عمل اس معیار پر پورا نہیں اترتا جس کو شریعتِ محمدی نے مقرر کر دیا۔ کیونکہ قرآن کریم کی کسی آیت میں کشفِ قبور تو اپنی جگہ بلکہ زیارتِ قبور تک کا بھی مسئلہ نہیں۔ باقی رہی حدیث سو معلوم ہونا چاہیئے کہ حدیث میں زیارتِ قبور کا مسئلہ تو یقیناً ہے۔ مگر اس کا طریقہ و تفصیل خود رسول اللہ ﷺ سے ہی منقول ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبرستان جا کر اہلِ قبور پر سلام کہنا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور اپنے ان مسلمان (اہل قبور) بھائیوں کے لئے دعا کرنا۔ جن کے کچھ دلائل اسی باب میں پہلے گزر چکے ہیں اور کچھ بعد میں آنے والے ہیں۔ مگر کسی بھی حدیث صحیح و حسن نہ سہی بلکہ ضعیف ہی میں بھی نہیں کہ قبر سے فیض حاصل کرنے کے لئے کوئی جا کر لمبی لمبی چادریں سر پر اوڑھ کر قبر کے آس پاس بیٹھ جائے اور اپنی روح کو میت کی روح کے ساتھ ملا کر چلہ کشیاں شروع کر دے یا قبر کے پاس بیٹھ کر میت پر فاتحہ پڑھے اور فاتحہ پڑھنے کے بعد آسمان کی طرف منہ اٹھا کر 'اکشف لی یا نور'، دل پر 'اکشف لی یا نور' اور قبر پر 'عن حاله' کی ضربیں لگائے وغیرہ جو کہ ان کی اصطلاحات ہیں۔ جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ آخر آپ بتایئے کہ یہ کسبی اور تجرباتی افعال و اعمال اور وہ اصطلاحات دِمخنتیں خزینۂ احادیث کی کس کتاب کس باب اور کس فصل میں موجود ہیں؟ اور قرونِ ثلاثہ 'مشھو دلھابالخیر' میں کس فرد سے یہ چیزیں منقول ہیں؟ کیا ہے کوئی شخص جو کہ ہمارا یہ چیلنج قبول کر کے ان کسبی اور تجرباتی افعال و اعمال اور محن و اصطلاحات کے ثبوت کیلئے صحیح و حسن نہ سہی بلکہ ایک ضعیف روایت (جو کہ عقائد کے میدان میں قابلِ قبول بھی نہیں ہے) صادق و مصدوق سے پیش کرے یا قرون ثلاثہ مشھو دلھا بالخیر میں سے کسی ایک ہی فرد کا قول و عمل نقل کر کے ہم کو دکھائے۔ فتخرجوه لنا.

اور زیارتِ قبور کے متعلق قرونِ ثلاثہ مشھو دلھا بالخیر کا طرزِ عمل پہلے گزر چکا ہے کہ وہ ایسا احتیاط کرتے تھے کہ عام قبور تو کیا بلکہ وہ جب رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر سلام کہتے تھے تو سلام کے بعد منہ قبلہ کی طرف پھیر کر دعا کرتے تھے۔ قبر پرستوں کی یہ (کشفِ قبور، فیض قبور والی) اصطلاحات اگر شریعت و اسلام کی چیزیں ہوتیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ ان فیض و برکات اور فضائل و خیرات سے قرونِ مفضلہ جاہل و بے خبر رہتے؟ حاشا و کلا!!

① معرفة السنن والآثار، کتاب الصلاة، فصل فیماروی فی الصلاة بعد العصر، عن علی، ج ٣ ص ٤٢٥



ان ایجاد شدہ اصطلاحات کی تردید کرتے ہوئے سیدنا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"تحصیل فیض از قبور احداث شدہ است، واینکہ بعضی فقراء طریقہ استفادہ باطن از اہلِ قبور احداث کردہ اندر عہدِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وزمان صحابہ وتابعین و تبع تابعین اصلاً نبود". ①

ترجمہ: قبروں سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ نیا پیدا کیا ہوا ہے بعض فقراء نے اصحاب قبور سے استفادہ باطن کا طریقہ نیا پیدا کیا ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم و تابعین اور تبع تابعین عظام رحمہم اللہ کے زمانہ میں بالکل نہیں تھا۔

مسلمانو! یہ بات اچھی طرح سے یاد رکھو کہ مشقتوں اور ریاضتوں اور چلہ کشیوں کے جھیلنے کے بعد کاسبین وعاملین کیلئے جو احوال وکیفیات ظاہر ومنکشف ہوجاتے ہیں تو یہ ان کاسبین وعاملین کی حقانیت کی دلیل نہیں بن سکتے۔ خاص طور پر جبکہ ان کی یہ محن ومشقتیں کتاب وسنت کے مطابق نہ ہوں۔

کیونکہ محن ومشقتوں اور مجاہدات وریاضتوں کے جھیلنے کے بعد ایسے ظہور وکشوف کفار کو بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے۔ اور اسی طرح خود کتبِ صوفیہ میں بھی موجود ہے کہ کثرت ریاضات ومجاہدات سے کفار کو بھی کشف ہوتا ہے چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے صوفی مسیح اللہ صاحب اپنی مایہ ناز کتاب شریعت وتصوّف میں لکھتے ہیں:

''یاد رکھیے کہ کشف ہونا کوئی بڑا کمال نہیں، یہ مجاہدہ وریاضت کافر کو بھی ہونے لگتا ہے مجنونوں کو بھی کشف ہوتا ہے۔ اس لئے کشف بالکل قابلِ التفات نہیں ہے۔'' ②

خلاصہ یہ کہ ان قبر پرستوں کی یہ کشفِ قبور اور فیض قبور والی یہ مشقتیں اور اعمال واصطلاحات اس معیار پر پورے نہیں اترتے جن کو شرع محمدی ﷺ نے مقرر ومتعین کر کے واضح کر دیا ہے۔ اس لئے ان سے جو اثر وثمرہ نکلتا ہے خواہ وہ ناظرین کے سامنے کیسا ہی خوشنما وخوبصورت ہو مگر شرع کے اعتبار سے باطل، غلط اور مردود ہے۔ مسلمانو! یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کرلو کہ عبادات کی ساری اقسام توقیفی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ جس کی چاہے یا جس طرح چاہے عبادت کرے بلکہ عبادات سب کی سب شرع کے بیان پر موقوف ہیں۔ خلاصہ یہ کہ عبادت کے دو اصول ہیں۔

۱۔ یہ کہ عبادت صرف اور صرف اللہ کی کی جائے اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

۲۔ دوسری یہ کہ اللہ کی اس طریقہ پر عبادت کی جائے کہ جس طرح اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے مشروع کر کے حکم دیا ہے یعنی اتباع سنت کا۔ چنانچہ اسی اصول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

---

① البلاغ المبین ص ۲۴۰-۲۴۱

② شریعت و تصوف ص ۳۳۱

ولها أصلان: أحدهما: أن لايعبد إلا الله والثاني: أن لايعبد إلا بما أمرو شرع . ①

اس (عبادت) کے دو اصول ہیں: (۱) صرف اور صرف اللہ کی عبادت کی جائے (۲) صرف اسی طریقے سے عبادت کی جائے جو اس نے مشروع قرار دیا ہے یا جسکا اس نے حکم دیا ہے۔

اور اسی طرح عبادت کے ارکان بیان کرتے ہوئے صاحب ہجر المبتدع لکھتے ہیں:

العبادة لابد من تو فر ركنيها، (١) الإخلاص و هو ميزان الأعمال في باطنها (٢) والمتابعة وهو ميزان الأعمال في ظاهرها . ②

ترجمہ: عبادت میں دو رکنوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ (۱) اخلاص جس کے ذریعے باطنی طور پر اعمال پرکھے جاتے ہیں۔ (۲) اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی، جس کے ذریعے سے ظاہری طور پر اعمال کو جانچا جاتا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کلمہ گو مسلمان کے عمل کی قبولیت کیلئے صرف اور صرف وہی دو شرطیں ہیں جنکو اس سے پہلے ہم نے بیان کیا ہے اور ان دونوں شرطوں کا بیک وقت ہونا ضروری ہے، اس لئے جو بھی عمل ان دونوں شرطوں میں سے کسی ایک شرط سے خالی ہوگا تو وہ عمل خواہ ظاہری صورت میں کتنا ہی بڑا اور کیسا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ اور وہ شرطیں یہ ہیں۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہو اور اس میں کسی غیر اللہ کا کوئی شائبہ تک بھی نہ ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہو۔ چنانچہ سلف صالحین میں سے سیدنا فضیل بن عیاض رحمہ اللہ قرآن کریم کی آیت "لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" والی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے انہی دو شرطوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کا قول امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے العبودیۃ میں یوں نقل کیا ہے۔

وقال الفضيل بن عياض في قوله:" ليبلوكم أيكم أحسن عملاً" قال: أخلصه وأصوبه، قالوا يا أبا علي: ما أخلصه وأصوبه؟ قال: إن العمل إذا كان خالصًا ولم يكن صواباً لم يقبل وإذا كان صواباً ولم يكن خالصًا لم يقبل حتى يكون خالصاً صواباً، والخالص: أن يكون لله والصواب أن يكون على السنة. ③

ترجمہ: فضیل بن عیاض رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، احسن عملا سے مراد وہ عمل ہے جو بالکل خالص اور بالکل درست (طریقے پر) ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ (خالص اور درست) کیا ہے؟ تو فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرمانے لگے کوئی عمل خالص نیت کے ساتھ کیا جائے لیکن وہ

① العبودية ص : ٣٩ - ٤٠
② هجر المبتدع: ص ١٦
③ العبودية ص : ٤١



درست (طریقے پر) نہ ہوتو وہ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگا۔
اسی طرح کوئی عمل صواب (درست) تو ہے مگر اللہ کے لیے
خالص نہیں تو وہ بھی مقبول نہ ہوگا۔عمل وہی مقبول ومنظور ہوگا
جو خالص نیت اور صحیح طریقے پر ادا کیا جائے گا۔خالص وہ عمل
ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور صواب (درست) وہ عمل
ہوتا ہے جو سنت طریقے پر ہو۔

تصوّرِ شیخ کا مسئلہ

اہل اھواء اور اہلِ باطل کی جملہ خرافات اور عقائدِ شرکیہ میں سے ایک ''تصور شیخ'' کا عقیدہ بھی ہے کہ جس نے بہت سے پروانوں کو دیوانہ بنادیا ہے انکے قلوب واذھان سے ایمان وتوحید کی دولت چھین کر اس کی جگہ شرک وبدعات کے ظلمات بٹھادیئے۔

اور صورت تصور شیخ کی یہ ہے، کہ پیروں اور گدی نشین مولویوں نے اپنے مریدوں اور پیروکاروں کو یہ سکھا رکھا ہے کہ چونکہ تم ناقص ہو اور اس نقص کی وجہ سے گناہوں سے نہیں بچ سکتے اس لئے دفع خطرات ووساوس شیطانیہ اور گناہوں سے بچنے کے لئے اپنے شیخ ومربّی کی صورت کو (اپنے) اذہان میں ہمہ وقت اور بالخصوص ہمزات شیاطین، حملاتِ ذنوب اور عبادت کے وقت مستحضر رکھو۔ کیونکہ شہواتِ نفسانیہ کے غلبہ اور وساوس شیطانیہ کے حملات کے وقت جب تم شیخ کی صورت خیالیہ کو اپنے اذہان میں مستحضر رکھو گے تو شیخ کی اس عظمت وجلال کے استحضار کی وجہ سے تم ان سارے خطرات سے بچے رہو گے۔ اور یہ حضرات اس تصور شیخ والے نظریہ کو اپنی اصطلاح میں ''فنافی الشیخ'' کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ شیخ کی تصویر کو پکانے میں ایسے محو ہوجاتے ہیں کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے شیخ ہی کی صورت ان کی آنکھوں کے سامنے ابھرتی رہتی ہے۔ اور یہ لوگ ہمہ وقت اور بالخصوص غلبہ شہوات اور وساوسِ شیطانیہ کے وقت اپنے شیخ کی اس تصویر اور صورتِ خیالیہ کو اپنا آئینہ ایمان سمجھ کر باکمال ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر کے ساتھ اس کی طرف اس اعتقاد کی بنیاد پر متوجہ ہوتے ہیں کہ اب ہم شہوات نفسانیہ وخیالاتِ فاسدہ ووساوسِ شیطانیہ اور ہر قسم کے ذنوب ومعاصی سے بچ رہے ہیں۔

شیطان کتنا بڑا مکار ہے۔ ملعون مکروحیلوں کے مختلف رنگ وڈھنگ سے اور آرزوؤں وتمناؤں کے بل بوتے پر بنی آدم کی عقول وقلوب پر حاوی ہوکر مختلف طریقوں سے ان کو شکار کرتا ہے۔ باطل کو حق کا جامہ پہنا کر نہایت مزین وخوبصورت کرکے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور حق کو متعفن اور مکروہ ومبغوض بنا کر باطل کی شکل وصورت میں ظاہر کرتا ہے۔ ابلیس ہی وہ تجربہ کار شکاری



ہے کہ جس نے بت پرستی کو مزین وخوبصورت کر کے تقرّب الی اللہ کی صورت میں بت پرستوں کے سامنے پیش کیا ہے۔قبروں کے ہاں سجدہ ورکوع ونذر ونیاز اوران کے اردگرد طواف واعتکاف کو تعظیم اولیاء کی صورت میں پیش کیا ہے۔ترک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کولوگوں کے ساتھ محبت ودوستی اوران کے ساتھ حسنِ خلق کی صورت میں پیش کیا۔قول رسول ﷺ سے اعراض کرنے کو تقلید ائمی اوراکتفاء بقول من ھو أعلم منھم کی صورت میں پیش کیا ہے۔نفاق اور مداہنت فی الدین کو عقلمندی اور حسنِ معاشرہ بین الناس کی صورت میں ظاہر کیا ہے۔انکارِ صفاتِ رب کو تنزیہ کی صورت میں پیش کیا ہے اوراسی نے سیدنا آدم علیہ السلام کیلئے اکل حظہ کو

يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبْلَى[1] ترجمہ: اے آدم! کیا میں تجھ کو وہ درخت بتادوں جس (کے کھانے) سے ہمیشہ زندہ رہے۔اور بادشاہت جو کبھی نہ مٹے گی۔

کہہ کر شجرۃ الخلد کی صورت میں پیش کیا۔غرض یہ کہ ابلیس باطل کو مزین وخوبصورت بنا کر لوگوں کے سامنے مختلف صورتوں میں پیش کرتا ہے اور وہی ہر مفتون وہلاک شدہ کا ساتھی ہے۔چنانچہ ابلیس کے انہی مکر وحیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

من مكايده أنه يسحر العقل دائماً حتى يكيده ولايسلم من سحره إلا من شاء الله، فيزين له الفعل الذى يضره حتى يخيل إليه أنه من أنفع الأشياء وينفر من الفعل الذى هو أنفع الأشياء، له حتى يخيل له أنه يضره، فلا إله إلا الله، كم فتن بهذا السحر من إنسان وكم حال به بين القلب وبين الإسلام والإيمان والإحسان؟ وكم جلا الباطل وأبرزه فى صورة مستحسنة وشنع الحق وأخرجه فى صورة مستهجنة ؟ وكم بهرج من الزيوف على الناقدين، وكم روّج من الزغل على العارفين؟ فهو الذى سحر العقول حتى ألقى أربابها فى الأهواء المختلفة والآراء المتشعبة

ترجمہ: شیطان کے حیلوں اور مکر وفریب میں سے ہے کہ وہ ہمیشہ عقل پر جادو چلاتا ہے (عقل ہی کو نشانہ بناتا ہے) اور اس کے اس سحر سے الا ماشاء اللہ کوئی ہی محفوظ ہوگا۔شیطان برے کاموں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے دل میں خیال ڈالتا ہے کہ یہی نفع مند چیزوں میں سے ہے اوراچھے ونفع والے کاموں سے متنفر کرتا ہے یہاں تک کہ دل میں خیال آتا ہے کہ شاید یہ اس کے لیے نقصان دہ ہے۔اللہ ہی معبود برحق ہے۔کتنے ہی لوگ اس سحر میں گرفتار ہوئے ہیں؟ اوراسی جادو کی وجہ سے کتنے ہی دلوں کے درمیان اور اسلام، ایمان اور احسان کے درمیان رکاوٹیں ڈالی گئیں؟ اور شیطان نے باطل کو کتنا ہی روشن اوراس کو اچھی صورت میں پیش کیا ہے اور حق کو بری اور قبیح شکل میں پیش کیا ہے؟ یہی ابلیس ہے

---

[1] سورۃ طٰہٰ: ۱۲۰



وسلك بهم من سبل الضلال كل مسلك والقاهم من المهالك في مهلكٍ بعد مهلك، وزين لهم عبادة الأصنام وقطيعة الأرحام ووأدِ البنات ونكاح الأمهات ووعدهم الفوز بالجنات مع الكفر والفسوق والعصيان وأبرزلهم الشرك في صورة التعظيم و الكفر بصفات الرب تعالىٰ وعلوه وتكلمه بكتبه في قالب التنزيه وترك الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر في قالب التودد إلى الناس وحسن الخلق معهم والعمل بقوله: عليكم أنفسكم والإعراضِ عما جاء به الرسول عليه الصلاة والسلام في قالب التقليد والاكتفاء بقول من هوأعلم منهم والنفاق والإدهان في دين الله في قالب العقل المعيشي الذي يندرج به العبد بين الناس فهو صاحب الأبوين حين أخرجهما من الجنة وصاحب قابيل حين قتل أخاه وصاحب قوم نوح حين أغرقوا وقوم عاد حين أهلكوا بالريح العقيم وصاحب قوم صالح حين أهلكوا بالصيحة وصاحب الأمة اللوطية حين خسف بهم وأتبعوا بالرجم بالحجارة وصاحب فرعون وقومه حين أخذوا الأخذة الرابية، وصاحب عبّاد العجل حين جرى عليهم ماجرى وصاحب قريش حين دعوا يوم بدرٍ، وصاحب كل هالكٍ و مفتون.①

جس نے عقل پر جادو کیا ہوا ہے حتیٰ کہ بہت سے عقل مندوں کو مختلف خواہشات اور متفرق آراء میں پھنسا دیا ہے اور انہیں گمراہی کے راستوں پر ڈال دیا ہے اور ان کو ہلاکت در ہلاکت میں ڈال دیا ہے اور اسی نے بتوں کی پوجا اور قطع رحمی کو مزین کر کے پیش کیا ہے۔ اسی طرح بچیوں کو زندہ دفن کرنے، ماؤں سے نکاح اور کفر و نافرمانی کے باوجود جنت کی کامیابی کے خوش کن وعدے بڑے خوبصورت انداز میں پیش کئے ہیں۔ بڑوں کی تعظیم وعقیدت کی شکل میں شرک کا رواج دیا اور کفر کو اور اللہ تعالیٰ کی پاک صفات اس کے عرش پر بلند ہونے اور کتابوں کے ساتھ گفتگو کرنے کا تنزیہ کے نام پر کفر کو عام کیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو لوگوں کے درمیان پیار ومحبت، حسن سلوک اور پہلے اپنی خبر لینے کے نام پر چھوڑ دیا گیا ہے اور تقلید کے نام پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے اعراض اور اپنے سے زیادہ جاننے والے پر اکتفاء اسی شیطان نے سکھایا ہے۔ منافقت اور دین میں مصلحت بنی......
تمہارے والدین کو جنت سے نکلوانے والا شیطان ہی ہے اسی نے قابیل سے اس کے بھائی کو قتل کروایا، قوم نوح کے غرق کا باعث بھی یہی ہے اور قوم عاد کی تند و تیز آندھی سے ہلاکت میں اسی کا ہاتھ ہے قوم صالح (قوم ثمود) کی چیخ سے ہلاکت اور قوم لوط کو زمین میں دھنسائے جانے اور پتھروں کی بارش کا بھی یہی سبب بنا تھا۔ فرعون اور اس کی قوم کی اچانک پکڑ کا ساتھی شیطان ہی تھا، اور گوسالہ (بچھڑا) پرستوں پر جو کچھ ہوا

① إغاثة اللهفان ج ۱ ص ۱۳۰ — ۱۳۱



وہ بھی ابلیس ہی کا کرشمہ تھا، اور میدان بدر میں فریب خوردہ قریش کا ساتھی شیطان ہی تھا، اور وہی ہر ہلاک ہونے والے اور فریب شدہ کا ساتھی ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ جب کسی شخص پر گناہوں کا ہجوم اور شیطانی وساوس کا خطرہ لاحق ہو جائے تو اس وقت وہ اپنے شیخ کی صورت کو اپنے قلب کا آئینہ بنا کر باکمال ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر اس کی طرف متوجہ ہو جائے تو ان خطرات سے بچ جائے گا۔ اللہ اکبر کیا ان شیطانی دساوس اور خطرات وحملات کا علاج اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نہیں بتلایا جن کی تلاش لوگ اپنے پیروں کی صورت وتصویر میں پیش کر رہے ہیں؟

کیوں نہیں یقیناً ان شیطانی وساوس وخطرات سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے علاج مقرر کرتے ہوئے اپنے بندوں کو بتلایا کہ اے میرے بندو! جب بھی تمہیں شیطانی وساوس وحملات اور ہمزات کا خطرہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو اور اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ وہی تمہاری ہر بات کو ہر وقت سنتا اور تمہارے سارے حالات کو ہر وقت جانتا ہے۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ①

ترجمہ: اور اگر شیطان کا وسوسہ تجھ کو ابھارے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ......

اور شیطانی خطرات وہمزات سے بچنے کے لئے حدیث میں بھی علاج اسی طرح آیا ہے۔

عن أبي العلاء أن عثمان بن أبي العاص أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله إن الشيطان قد حال بيني وبين صلاتي وقراء تي يلبسها علي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذلک شيطان يقال له خنزب فإذا أحسسته فتعوذ بالله منه و اتفل عن يسارک ثلاثًا ففعلت ذلک، فأذهبه الله تعالىٰ عني. ② (صحيح مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوالعلاء فرماتے ہیں: عثمان بن ابوعاص رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی اے اللہ کے رسول: میری نماز اور قرآن کی تلاوت کے درمیان شیطان حائل ہوتا رہتا ہے اور قرأت کو مجھ پر خلط ملط کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ شیطان ہے جس کو خنزب کہتے ہیں، جب تو اسے نماز میں محسوس کرے تو اللہ کے ساتھ پناہ پکڑ اور اپنی بائیں طرف تین بار تھوک لے۔ عثمان بن ابوعاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے یہ عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے

① سورة الأعراف: ٢٠٠، وسورة فصلت: ٣٦

② رواه مسلم، كتاب السلام، باب التعوذ من شيطان الوسوسة في الصلاة.

اس پریشانی (شیطان) کو دور کر دیا۔

اب دیکھو بیماریوں کا علاج قرآن وحدیث میں موجود ہے لوگ اس کو اپنے آئینہ قلب کے اندر اپنے شیخ کی صورت و تصویر کے بٹھانے میں تلاش کر رہے ہیں۔

مسلمانو! یہ بات یاد رکھو کہ صورت وتصویر کھینچنے اور اسے گھر میں رکھنے وغیرہ کی سخت ممانعت آئی ہے۔ خاص طور پر جب کوئی داعی ولابدی امر بھی نہ ہو جیسا کہ روایت میں آیا ہے: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک تکیہ بنا کر گھر میں رکھا تا کہ رسول اللہ ﷺ اس پر ٹیک لگائیں جس پر تصویریں لگیں ہوئی تھیں۔ اور پھر جب آپ ﷺ باہر سے تشریف لائے اور اس تکیہ پر نظر پڑی تو آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر کچھ ناراضگی کے اثرات نمودار ہوئے اور اس وقت تک گھر میں داخل نہ ہوئے جب تک کہ ان تصویروں کو ہٹا نہ دیا گیا۔ اب اصل روایت ملاحظہ فرمائیں:

عن عائشة رضي الله عنها قالت: حشوت للنبي صلى الله عليه وسلم وسادة فيها تماثيل كانها نمرُقةٌ فجاء فقام بين البابين وجعل يتغير وجهه، فقلت: مالنا يا رسول الله! قال: ما بال هذه الوسادة؟ قالت: وسادةٌ جعلتها لك لتضطجع عليها قال: أماعلمتِ أن الملائكة لاتدخل بيتًا فيه صورةٌ و أن من صنع الصورة يعذّبٌ يوم القيامة يقول: أحيوا ما خلقتم. [1] (صحيح بخاری)

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے تکیہ تیار کیا جس میں تصویریں تھیں گویا کہ وہ گدیلا تھا۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو دروازے کے درمیان ٹھہر گئے اور آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! ہم سے کیا غلطی سرزد ہوگئی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تکیہ اس طرح کیوں بنایا گیا؟ تو ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا! (اے اللہ کے رسول!) یہ آپ کے بیٹھنے کے لئے تکیہ بنایا ہے، آپ نے فرمایا: اے عائشہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی تصویر ہو، اور جس نے کوئی تصویر بنائی اسے قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''جو تم نے پیدا کیا ہے اس میں روح ڈالو اسے زندہ کرو۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے ان تماثیل کے اتار پھینکنے کا حکم دیا تو میں نے ان کو اتار کر پھینک دیا۔

---

[1] رواه البخاری، كتاب بدء الخلق باب إذا قال أحدكم آمين والملائكة فی السماء فوافقت إحداهما الأخرى غفر له ماتقدم من ذنبه.

عن عائشة رضی الله عنها قالت: قدم النبی صلی الله علیه وسلم من سفرٍ وعلقت دُرنوکا فیه تماثیل فامرنی أن أنزعه فَنَزَعْتُه .① (صحیح بخاری)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے واپس آئے تو میں نے تکیہ لٹکایا ہوا تھا..........اس میں تصاویر تھیں تو آپ نے مجھے اس کو اتارنے کا حکم دیا تو میں نے اسے اتار دیا۔

ذرا اندازہ لگائیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ تصویر والے تکیہ کو صرف بطور تکیہ کے رکھا ہوا تھا نہ کہ تعظیم کیلئے اور نہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان تصاویر کی تعظیم کا تصور ہی کیا جاسکتا ہے مگر اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے انہیں برداشت نہیں کیا۔

اللہ اکبر! رسول اللہ ﷺ نے احسان کی تعریف یہی فرمائی، کہ اے لوگو! جب تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور بڑائی وکبریائی کو اپنے آئینۂ قلب کے اندر اس طرح بٹھاؤ کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

جیسا کہ حدیث جبرائیل علیہ السلام میں احسان کی تعریف میں آیا ہے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه..... قال: ما الإحسان؟ قال أن تعبد الله کانک تراه، فإن لم تکن تراه فإنه یراک ② (صحیح بخاری)

ترجمہ: سیدنا جبریل علیہ السلام نے پوچھا: احسان کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اسے دیکھ نہیں رہا تو یہ سمجھ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اب دیکھو رسول اللہ ﷺ عبادت کے وقت لوگوں کے دل ودماغ اور خیال وتصور میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور بڑائی وکبریائی بٹھانے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ اور پیر ومولوی حکم رسول اللہ ﷺ کے برعکس اپنے پیروکاروں اور مریدوں کے دل ودماغ میں اپنی صورت وتصویر کی عظمت وجلال کو بٹھا رہے ہیں۔ اس لئے مسلمانو! خوب یاد رکھو پیر کی صورت کو ذہن میں بٹھانا اور تصور شیخ، حرام وناجائز اور عقائد شرکیہ میں سے ہیں۔ کیونکہ جب تکیہ اور کاغذ وکپڑا پر انسان کی تصویر کھینچنا منع ہے کمرے میں لگانے اور رکھنے کی ممانعت ہے۔ تو خیال وتصور میں کسی انسان کی تصویر کو بٹھانا اور جمانا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟

ہائے افسوس! رسول اللہ ﷺ اپنے کمرے سے تصویر اتارنے یا توڑنے پھوڑنے کا حکم دیں اور آپ اسے ادب واحترام، اہتمام والتزام، تعظیم وتوقیر اور دوام واستمرار کے ساتھ آئینۂ ایمان میں فٹ کر کے اپنے قلب کی دیوار کے ساتھ آویزاں کردیں؟ اور پھر حکماً اس کو دیکھیں اور اس کو دیکھنے کی عادت بنائیں؟ انصاف سے فرمایئے اور ایمان سے پوچھ کر بتایئے کیا یہ ایک قسم کی بت پرستی نہیں ہے؟

اب تصور شیخ کے بارے میں سیدنا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ شاہ صاحب تصور شیخ و متصرفیت شیخ کا عنوان قائم کر کے تین وجوہ کی بناء پر تصور شیخ کو شرک قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

① رواه البخاری، کتاب اللباس، باب ما وطی من التصاویر.

② رواه البخاری، کتاب الإیمان، باب سؤال جبریل النبی صلی الله علیه وسلم عن الإیمان والإسلام والإحسان وعلم الساعة وبیان النبی صلی الله علیه وسلم له؟؟؟



(تصورِ شیخ ومتصرفیت شیخ قطع نظر از مذاهب باطله کفار گور پرستان نیز بدین امراض مبتلا اندو میگونید که اول دروقت توجه بندگی صورتِ پیررا ملاحظهٔ نمودن ودرمشاهده جمال آن مستغرق شدن ازواجبات است پس هرگاهی که درین مشاهده خودرا گم می یابند آنرا فنا فی الشیخ می نامند وصاحب اینِ دعویٰ را فانی فی الشیخ چون تأمل نمایند به یقین دانند که این عارضه از سبب اعتقاد ربوبیت درشیخ لاحق شده است که بشکر تربیت وارشادے خودرادر یادش محو میگرداند یا ازجهت اعتقاد متصرفیت شیخ است درخود هاکه خودرا از احاطه تصرفش ناممکن الخروج دانسته زمام تصرف را بدست صورت پیر در داده اند یا ازباعث اعتقاد ووسعتِ علم ماکان ومایکون درشیخ این فنا اختیار کرده اند ونشان وجود این اعتقادات درین گروه همین بس است که ایشان در اوقات مصائب ومهمات خویش متوجه بأرواح بزرگان خود شده بالتجا والحاح مطالب میخوا هندو این معنی از خصائص مالکیت است که خدائے تعالیٰ حوائج بندگان را روا فرماید قول تعالیٰ: ﴿قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُم مِّنْهَا وَمِن كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنتُمْ تُشْرِكُونَ ؁﴾)

ترجمہ: قبر پرستوں کے باطل نظریات میں سے تصور وتصرف شیخ کے قطع نظر، یہ لوگ اور بہت سے امراض میں مبتلا ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ بندگی کے وقت پیر کی صورت کا تصور کرنا اور اس کے جمال کے مشاہدہ میں مستغرق ہونا ضروری باتوں میں سے ہے۔ چنانچہ جب اس مشاہدہ میں اپنے آپ کو گم کر لیتے ہیں تو اس کا نام ''فنافی الشیخ'' رکھتے ہیں۔ اور اس دعویٰ کرنے والے کو فانی فی الشیخ کہتے ہیں۔ اگر آپ ذرا سا بھی غور کریں تو یقینی طور پر یہ جان لیں گے کہ یہ عارضہ شیخ کے ساتھ تعلق ربوبیت کا اعتقاد رکھنے کی وجہ سے پیش آیا ہے کہ اس کی تربیت وارشاد کے شکر میں اپنی یاد کو محو کر دیا، یا اس بنا پر پیش آیا کہ شیخ کو اپنے آپ میں متصرف ہونے کا اعتقاد بنالیا اور خود کو اس کے تصور کے احاطہ سے ناممکن الخروج سمجھ کر اپنے تصرفات کی باگ دوڑ بھی شیخ ہی کے ہاتھ میں دے دی، یا یہ بات اس بناء پر پیش آئی کہ شیخ کی وسعتِ علم کا اس قدر اعتقاد کر لیا کہ علم ماکان و مایکون کا حامل شیخ ہی کو سمجھ کر اس فنا کو اختیار کر لیا، اور ان اعتقادوں کے پائے جانے کے اثرات اس گروہ میں بہت زیادہ ہیں کہ یہ لوگ اپنی پریشانیوں اور ضروری امور کے وقت اپنے بزرگوں کی ارواح کی جانب متوجہ ہو کر ان ارواح سے درخواست کرتے اور اپنے مطالب کے پورا ہونے کے لئے آہ وزاری کرتے ہیں۔ اور یہ تمام باتیں مالک الملک ذوالجلال والاکرام کی خصوصیات میں سے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی حاجت روائی فرماتا ہے۔

① البلاغ المبین ص ۱۹۸–۲۰۰، تصور شیخ ومتصرفیت شیخ. ؁ سورة الانعام: ۶۴



حق تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے پیارے رسول ﷺ
''آپ ﷺ فرما دیجئے۔ کہ حق تعالیٰ نے تم کو ان تمام آفتوں اور ہر ایک پریشانی سے نجات عطا کی۔ پھر اس کے باوجود بھی تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔''

اور اسی طرح سیّد احمد شہید رحمہ اللہ نے تصور شیخ کو تماثیل پرستی کے مترادف قرار دے کر سیدنا ابراہیم الخلیل علیہ السلام کے قول:

مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ① یہ مورتیاں جن (کے پوجنے) پر تم جمے بیٹھے ہو کیا چیز ہیں۔

کا مصداق قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

از جمله اشتغال مبتدعه شغل برزخ است که در متاخران اکثر طرق اشتهار یافته بلکه کلام بعض اکابرهم بران مشتمل گردیده و تصویر شغل مذکور این است که برائے دفع خطرات وجمعیت همّت صورت شیخ راکما ینبغی به تعیین وتشخیص درخیال حاضر می کنند وخود بادب وتعظیم تمام بهمگی همت خود متوجه بآن صورت میشوند که گویا با آداب وتعظیم بسیار روبروی شیخ نشسته اندو دل بالکل بآن سو متوجه می سازند وحال این شغل از احوال تصویر معلوم می توان کرد چه ساختن صورت گناه کبیر عظیمه است ونگاه کردن دران خصوصا به تعظیم وتوقیر البته حرام وقول حضرت ابراهیم علی نبینا وعلیه الصلاة و السلام که قوم خودرا خطاب فرمودند ﴿مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ﴾

ترجمہ: مبتدعہ کے بعض اشغال میں سے ایک شغل برزخ ہے جو اکثر طرق کے متاخر لوگوں میں رواج پا گیا ہے۔ بلکہ بعض اکابرین کا کلام بھی اس پر مشتمل ہے اور مذکورہ شغل کی تصویر یہ ہے کہ خطرات کو دفع کرنے اور ہمت کو جمع کرنے کے لئے شیخ کی صورت کو کما ینبغی معین اور مشخص کر کے خیال میں حاضر کرتے ہیں اور خود مکمل ادب اور تعظیم کے ساتھ اور اپنی تمام تر توجہ کے ساتھ اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں گویا بالکل بہت زیادہ ادب اور تعظیم کے ساتھ شیخ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے دل کو بالکل اسی کی طرف متوجہ کیے ہوئے ہیں اور اسی شغل کا حال تصویر کے احوال سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور اس کو دیکھنا خصوصاً جب تعظیم وتوقیر کے ساتھ ہو حرام ہے اور سیدنا ابراہیم کا وہ قول جو اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا ﴿مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ﴾ اپنے اطلاق کے ساتھ اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ تماثیل کے سامنے عکوف کرنا ممنوع ہے اور عکوف کا معنی ہے لزوم، حضور

① سورة الأنبياء : ٥٢



باطلاق خود دلالت دارد بر آنکه عکوف پیش تماثیل ممنوع است و معنی عکوف لزوم حضور است نشسته یا ایستاده بتعظیم و ادب ومحبت وشک نیست که هر که باصورت ظاهری این عمل کند البته آثم وگنهگار است.①

تعظیم، ادب اور محبت کے ساتھ چاہے بیٹھنے کی صورت میں ہو یا کھڑے ہونے کی، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس نے ظاہری صورت کے ساتھ اس طرح کیا یقیناً وہ آثم اور گناہ گار ہے۔

قبر پرستی کے اسباب

سوال: اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان قبر پرستوں کو کس چیز نے اس قبر پرستی کی لعنت میں اتنی شدت وسختی کے ساتھ جما کر رکھا ہے جب کہ ان کو یہ یقین کامل بھی ہے کہ ان قبروں کے ساکنین ایسے اموات ہیں جو کہ اپنے عابدین کے نہ نفع ونقصان کے مالک ہیں اور نہ موت وحیات کے؟ تو یہ سب کچھ جاننے کے باوجود یہ قبر پرست ان قبروں کے آس پاس مجاور ومعتکف بن کر رات دن ان کی پوجا کیوں کررہے ہیں؟

الجواب: حقیقت یہ ہے کہ ان قبر پرستوں کو کئی وجوہات سے دھوکہ ہوا ہے۔ اب ہم یہاں ان تباہ کنندہ اسباب میں سے چند بنیادی اسباب قارئین کے سامنے پیش کریں گے۔

الف. جہالتِ علمی:

مقصد یہ ہے کہ قبر پرستوں کو انبیاء ورسل علیہم السلام کی اصل بعثت کا مقصد ہی معلوم نہیں تھا کہ انبیاء ورسل علیہم السلام دنیا میں کیوں بھیجے گئے تھے؟ کیونکہ اگر ان کو یہ معرفت ہوتی کہ سارے انبیاء ورسل علیہم السلام دنیا میں صرف اور صرف اثبات توحید رب العالمین اور قطع اسباب شرک کیلئے بھیجے گئے ہیں اور پھر توحید وشرک کی حقیقت کو بھی جان لیتے کہ توحید کس کو کہتے ہیں اور شرک کیا ہوتا ہے۔ تو وہ کبھی بھی کسی دجال کے دجل وفریب میں نہ آتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس فقدان علم کی وجہ سے شیطان نے قبروں کی عبادت اور پوجا پاٹ کو نہایت مزین وخوبصورت کر کے جب ان قبر پرستوں کے دل ودماغ میں بٹھا کر فتنہ قبور کی طرف دعوت دے دی اور پھر ان کے پاس وہ علم بھی نہیں تھا جو شیطان کی اس دعوت کو باطل قرار دے سکے تو انہوں نے اس شیطانی دعوت پر لبیک کہہ کر قبروں کو اپنے حسین و

① صراط مستقیم ص ۱۱۸



جمیل چہروں کا مسجود بنالیا۔اور پھر یہ بات بھی اچھی طرح سے یاد رکھیں کہ قبر پرستوں کے بھی مختلف مراتب ہیں جن کی تفصیل اسی باب میں کہیں پر آئے گی۔ مقصد یہ ہے کہ کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو کہ علم ومعرفت سے تو بالکل عاری ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو کہ کچھ نہ کچھ علم بھی رکھتے ہیں مگر ان کا علم اس درجہ کا نہیں ہے جو شیطان کی اس دعوت سے متصادم ہو کر اس کی اس دعوت کو کلیۃً باطل قرار دے دے۔اس لئے شیطان ان میں سے ہر ایک کو انہی کی حیثیت کے مطابق گمراہ کر کے قبروں کا پجاری بنا رہا ہے۔مثلاً جن کے پاس علم کچھ بھی نہیں ہے جیسا کہ عوام الناس تو شیطان نے ان کو قبروں کے رکوع وسجود، طواف، نذر و نیاز اور اصحاب قبور کی ندا و پکار سے لے کر اعتکاف و چلہ کشیوں تک میں مبتلا کر دیا ہے۔اور جن کے پاس علم تو ہے مگر ناقص اور ناکافی جیسے پیر پرست اور تعویذ فروش ملا اور مولوی تو شیطان ان کے سامنے عوام الناس کے عقائد واعمال کو شرک ظاہر کر کے کہتا ہے کہ دیکھو یہ لوگ بزرگوں کی قبروں کو سجدہ و رکوع اور طواف کرتے ہیں ان کے ہاں نذر و نیاز پیش کرتے اور اصحاب قبور کو اپنی غائبانہ حاجات میں پکارتے ہیں اور یہ صریح شرک ہے۔

اس کے بعد شیطان ان کو کہتا ہے کہ عوام الناس اور جاہل لوگ تو جا کر بزرگوں کی قبروں پر رکوع وسجود، طواف، نذر و نیاز اور طرح طرح کی پوجا پاٹ کر کے شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔چلو آؤ تم ان بزرگوں کی قبروں کے سجدہ و رکوع، طواف اور اصحاب قبور سے استغاثہ واستعانت جو کہ صریح شرک ہے کی بجائے ان بزرگوں کی متبرک قبور پر اعتکاف، مراقبہ اور چلہ کشیاں کر کے ان سے فیض وبرکات حاصل کرو۔تو یہ اہل علم حضرات لمبی لمبی چادریں سر پر اوڑھ کر بزرگوں کی قبروں پر جا کر اعتکاف، مراقبہ، اور مجاورت و چلہ کشیاں شروع کر دیتے ہیں۔اور خوش ہوتے ہیں کہ ہم تو بزرگوں کی قبروں سے اعتکاف، مراقبہ اور مجاورت و چلہ کشیوں کے ذریعہ سے فیض و برکات حاصل کر رہے ہیں اور یہ شرک نہیں ہے، شرک تو اصحاب قبور سے استغاثہ واستعانت نذر و نیاز، ندا و پکار اور ان کی قبروں کا طواف اور سجدہ و رکوع ہے جس میں عوام الناس مبتلا ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں فریق شیطان کے مکر و فریب کا شکار ہو کر شرک کی انتہائی اندھیری وادیوں میں پہنچ چکے ہیں۔

ب۔ جھوٹی احادیث:

قبر پرستی کے جواز کیلئے ایسی احادیث وضع کی گئی جو آج تک لوگوں کی گمراہی اور قبر پرستی کے رواج کا سبب بنی ہوئی ہیں،

مثلاً: حدیث



(إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأصحاب القبور) جب تمہیں امور (کام) پریشان کریں تو اصحاب قبور کو لازم پکڑو۔

اور حدیث

(لو حسن أحدكم ظنه بِحَجَرٍ نَفَعَهُ) اگر تم میں سے کوئی بھی اپنا گمان پتھر کے بارے میں درست رکھے گا تو وہ بھی اسے فائدہ دے گا۔

اور ان جیسی دوسری جھوٹی اور بے سند روایات کہ جن کو مشرکین (قبر پرستوں) نے اپنے خود ساختہ عقائد و اعمال کے اثبات کیلئے وضع کیا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنا حسن ظن کسی حجر پر رکھے تو اس کو نفع دے گا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو جن لوگوں کے ساتھ قتال کا حکم دیا (یعنی مشرکین مکہ) ان بنیادی جرم پتھروں کے ساتھ اعتقاد و عقیدت ہی تو تھا۔

ج۔ منگھڑت حکایات:

سب سے بڑا فتنہ جس نے لوگوں کو قبر پرستی کی لعنت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ وہ یہی خود ساختہ اور من گھڑت حکایات ہیں جو کہ قبر پرستوں کے لئے قبروں کے بارے میں گھڑی جاتی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں بزرگ کی قبر کے ساتھ اپنی کسی مشکل سے خلاصی کے لئے مدد و نصرت طلب کر کے استغاثہ کیا ہے تو اس کی وہ مشکل حل ہوگئی اور فلاں شخص نے اپنی کسی حاجت کے لئے فلاں بزرگ کو پکارا تو اس کی وہ حاجت پوری ہوگئی۔ اور فلاں شخص پر کوئی مصیبت آئی ہوئی تھی تو اس نے شیخ عبدالقادر جیلانی کو پکارا تو وہ مصیبت ہٹ گئی۔ اور فلاں اپاہج و پاگل کو جب داتا کے دربار پر لے جایا گیا تو وہ تندرست ہوگیا۔ اور ان کے علاوہ قبروں کے مجاورین و معتکفین کے ہاں بہت سی ایسی جھوٹی حکایات ہیں جو کہ احاطہٗ و انحصار سے خارج ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ مجاورین و معتکفین اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے سب سے بڑے جھوٹے ہوتے ہیں جو کہ احیاء و اموات دونوں پر جھوٹ بولتے ہیں چنانچہ قبر پرستی کے انہی اسباب کی طرف اشارہ کر کے امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فإن قيل: فما الذي أوقع عباد القبور في الافتتان بها مع العلم بأن ساكنيها أموات لايملكون لهم ضرًا ولا نفعاً ولا موتاً ولا حياةً ولا نشورًا؟ قيل: أوقعهم في ذلك أمورٌ.

ترجمہ: اگر کہا جائے کہ قبر پرستوں کو قبروں کے فتنے میں کس نے ڈالا ہے۔ باوجودیکہ وہ جانتے ہیں ان میں مردے رہتے ہیں (زندہ نہیں) جو نہ تو نفع و نقصان کے مالک ہیں اور نہ موت و زندگی کا اور نہ ہی قبروں سے اٹھائے جانے کا اختیار رکھتے ہیں۔



منها الجهل بحقيقة مابعث الله به رسوله بل جميع الرسل من تحقيق التوحيد وقطع أسباب الشرك. فقل نصيبهم جداً من ذلك، ودعاهم الشيطان إلى الفتنة ولم يكن عندهم من العلم مايبطل دعوته فاستجابوا له بحسب ماعندهم من الجهل وعصموا بقدر ما معهم من العلم.

جواب: ان کو قبر پرستی میں چند امور نے دھکیلا ہے۔

ا۔ نبی ﷺ کی بعثت بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت سے جہالت ہے جبکہ ان انبیاء کو توحید کے محقق کرنے اور شرک کے قلع قمع کیلئے مبعوث کیا گیا تھا تو لوگوں نے اس علم توحید الٰہی کو بہت کم قبول کیا ہے اور شیطان نے انہیں فتنے میں مبتلا کر دیا ہے اور لوگوں کے پاس کوئی ایسا علم نہیں جس سے شیطان کی دعوت کو ٹھکرا سکیں اور اپنے علم کے باعث شیطانی فتنوں سے محفوظ رہ سکیں۔

ومنها: أحاديث مكذوبة مختلقة وضعها أشباه عباد الأصنام من المقابرية على رسول الله صلى الله عليه وسلم تناقض دينه وماجاء به كحديث إذا اعيتكم الأمور فعليكم باصحاب القبور. وحديث"لو حسّن أحدكم ظنه بحجر نفعه". وأمثال هذه الأحاديث التي هي مناقضة لدين الإسلام. وضعها المشركون وراجت على أشباههم من الجهال الضلال والله بعث رسوله يقتل من حسن ظنه بالأحجار وجنب أمته الفتنة بالقبور بكل طريق كما تقدم.

ب: دوسرا سبب جھوٹی اور منگھڑت احادیث ہیں جنہیں بت پرستوں سے مشابہت رکھنے والے قبر پرستوں نے گھڑا ہے جو دین اور اس کی تعلیمات کے منافی ہیں جیسے حدیث (جو گھڑی ہوئی ہے) جب تمہیں امور پریشان کریں تو تم قبر والوں سے درخواست کرو۔ اور دوسری حدیث اگر تم سے کوئی شخص پتھر کے متعلق بھی اپنا گمان صحیح کرلے تو وہ بھی فائدہ دے گا۔ اور اس طرح کی دوسری احادیث جو دین اسلام کے منافی ہیں۔ جنہیں مشرکوں نے گھڑا ہے اور انہی کی طرح جاہل گمراہ لوگوں میں اس کا رواج ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تو رسول اس لیے مبعوث فرمایا کہ جو پتھروں سے اعتقاد رکھتے ہیں انہیں وہ قتل کریں اور امت کو ہر ممکن طریقے سے قبور کے فتنے سے نکالیں۔



ومنها: حكايات حكيت لهم عن تلك القبور أن فلاناً استغاث بالقبر الفلاني في شدة فخلص منها وفلاناً دعاه أو دعابه في حاجة فقضيت له. وفلاناً نزل به ضرفا سترجي صاحب ذلك القبر فكشف ضره وعند السدنة والمقابرية من ذلك شيءٌ كثير يطول ذكره وهم من أكذب خلق الله تعالىٰ على الأحياء والأموات والنفوس مولعة بقضاء حوائجها وإزالة ضرور اتها ويسمع بأن قبر فلان ترياق مجرب والشيطان له تلطف في الدعوة فيدعوهم أولاً إلى الدعاء عنده بحرقة وانكسار وذلة فيجيب الله دعوته لما قام بقلبه لا لأجل القبر فإنه لو دعاه كذلك في الحانة والخمارة والحمام والسوق أجابه فيظن الجاهل أن للقبر تأثيراً في إجابة تلك الدعوة والله سبحانه يجيب دعوة المضطر ولو كان كافرًا .①

ج: ایک سبب قصے و کہانیاں بھی ہیں جوان قبروں کے متعلق بیان کی جاتی ہیں۔ مثلاً فلاں آدمی نے فلاں قبر والے سے شدت وسختی کے وقت استغاثہ (مدد مانگنا) کیا تو وہ اس مصیبت سے نجات پا گیا۔ اور فلاں نے اس قبر والے سے دعا کی یا اس کو کسی ضرورت میں پکارا تو وہ ضرورت پوری ہوگئی۔ اور فلاں آدمی کو کوئی تکلیف پہنچی تو اس نے قبر والے سے امید وابستہ کی تو اس کی تکلیف دور ہوگئی۔ مجاوروں اور قبوریوں کے پاس اس قسم کی بے شمار خرافات ہیں جن کے ذکر سے کئی کتب تحریر کی جاسکتی ہیں۔ یہی قبروں کے مجاور اور قبر پرست زندہ اور مردہ لوگوں پر بے دریغ جھوٹ بولتے ہیں۔ انسانوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی حاجات پوری کی جائیں اور ان کی ضرورتیں پوری ہوں۔ جب یہ سنتے ہیں کہ فلاں آدمی کی قبر ایک قسم کا مجرب تریاق ہے اور شیطان نے اس کی طرف دعوت کو بڑے خفیف و نامعلوم انداز میں پیش کیا۔ شروع میں عجز وانکسار سے پیش آنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتے ہیں اس کے دل کے معاملے کی وجہ سے نہ کہ قبر کی وجہ سے، اگر اسی طرح کوئی شراب کی دکان، شراب خانہ، حمام اور بازار میں بھی اللہ سے دعا کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ قبول کرے گا تو اسی سے جاہل کو دھوکا ہو جاتا ہے وہ گمان کرنے لگتا ہے کہ قبر بھی دعا کی قبولیت میں کوئی تاثیر رکھتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ مضطر ولاچار کی دعا کو قبول کرتا ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔

① إغاثة اللهفان ج ١ ص ٢٣٣......٢٣٤



اموات،احیاء کی دعاء و استغفار کے محتاج ھیں

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال ختم ہوجاتے ہیں مگر وہ جو شریعت نے ثابت کردیا ہے اس لئے وہ میت احیاء (زندوں) کی دعاواستغفار کی محتاج ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کے جنازہ پر دعاواستغفار کو مشروع کردیا گیا۔اور وہ بھی تاکید کے ساتھ اب اس کے بارے میں ان بے شمار دلائل میں سے کچھ بطور نمونہ قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔چنانچہ سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت یوں آئی ہے۔

قال عوف بن مالک: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على جنازة فحفظت من دعائه وهو يقول: اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه، وأكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الأبيض من الدنس، وأبدله دارًا خيرًا من داره وأهلاً خيرًا من أهله وزوجاً خيراً من زوجه، وأدخله الجنة وأعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار، قال: حتى تمنيت أن أكون أنا ذلك الميت. ①

(صحيح مسلم)

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ پڑھایا اور اس جنازہ کی دعا میں نے یاد کرلی آپ نے یہ دعا کی تھی: اے اللہ! اس (میت) کو بخش دے، اس پر رحم کر، اس سے درگزر کر اور اسے معاف کردے اور اس کی اچھی مہمانی کر، اس کے داخل ہونے کی جگہ (قبر) کو کشادہ کردے، اسے پانی، برف اور اولوں سے دھوڈال اور اسے گناہوں سے ایسے صاف کردے جیسے تو سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کرتا ہے اور اس دنیا کے گھر سے بہتر گھر دنیا کے گھر والوں سے بہتر گھر والے اور دنیا کی بیوی سے بہتر بیوی عطا کر اور اس کو جنت میں داخلہ نصیب فرما اور قبر اور جہنم کے عذاب سے محفوظ کر۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے خواہش کی کہ یہ میرا جنازہ ہوتا۔

اور سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میت کے حق میں رسول اللہ ﷺ سے یوں آئی ہے۔

اللهم أنت ربها وأنت خلقتها وأنت هديتها للإسلام وأنت قبضت روحها وأنت أعلم بسرها وعلانيتها، جئناك شفعاء فاغفرله. ② (حسن)

اے اللہ! تو ہی اس (میت) کا رب (پروردگار) ہے اور تو نے اسے پیدا کیا اور اسلام کی طرف رہنمائی کی اور تو نے ہی اس کی روح قبض کی اور تو ہی اس کے باطنی اور ظاہری امور

---

① رواه مسلم، كتاب الجنائز، باب الدعاء للميت في الصلاة.

② رواه ابوداؤد، كتاب الجنائز، باب الدعاء للميت/واللفظ له/مسند احمد، اسناده صحيح بلفظ "أنت خلقتها" دون "اللهم" رقم الحديث: ٧٤٣١/السنن الكبرى للبيهقي كتاب الجنائز، باب الدعاء في صلاة الجنازة. رقم: ٦٩٧٤.

(عیوب وغیرہ) کو جانتا ہے۔ (اے اللہ!) ہم تو صرف اس کے سفارشی بن کر آئے ہیں، لہٰذا اے اللہ! تو اسے بخش دے۔

اور سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت یوں آئی ہے۔

عن أبي هريرة، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا صليتم على الميت فأخلصوا له الدعاء. ① (حسن)

سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے، جب تم نماز جنازہ پڑھو تو میت کے لیے خلوص سے دعا کرو۔

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول جنازہ کے بارے میں یوں آیا ہے۔

عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم مامن ميت يصلِّي عليه أمة من المسلمين يبلغون مائة كلهم يشفعون له إلا شفعوا فيه. ② (صحیح مسلم)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتی ہیں کسی بھی (مسلمان) میت پر سو مسلمان نمازہ جنازہ پڑھیں اور سفارش کریں تو ان کی سفارش اس کے حق میں قبول کر لی جاتی ہے۔

اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جنازہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اس کے قریب قریب یوں نقل کیا ہے۔

عن ابن عباس...... ما من رجل مسلم يموت فيقوم على جنازته أربعون رجلاً لايشركون بالله شيئاً إلا شفعهم الله فيه. ③ (صحیح مسلم)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے...... کسی بھی مسلمان میت کی چالیس ایسے آدمی نماز جنازہ پڑھتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے تو اللہ تعالیٰ اس (میت) کے حق میں ان کی سفارش ضرور قبول فرماتا ہے۔

اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جنازہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یوں بیان کیا ہے۔

عن عثمان بن عفان قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال استغفروا لأخيكم وسلوا له التثبيت فإنه الآن يسأل. ④ (صحیح)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے تو (کچھ دیر) وہاں ٹھہرے رہتے اور فرماتے، اپنے بھائی کے لیے بخشش اور ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ اس سے اب سوال کیا جائے گا۔

---

① رواه أبوداؤد كتاب الجنائز، باب الدعاء للميت /وحسنه الألباني.
② رواه مسلم، كتاب الجنائز، باب من صلى عليه مائة شفعوا فيه.
③ رواه مسلم ،كتاب الجنائز ،باب من صلى عليه مائة شفعوا فيه.
④ رواه أبوداؤد كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف/ وصححه الألباني.



مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ میت احیاء (زندہ) کی دعا واستغفار کی کافی محتاج ہے اب جب کہ میت قبر میں گئی ہی نہیں اور نماز جنازہ کی صورت میں ہماری دعاؤں کی اتنی محتاج ہے تو صاف ظاہر ہے کہ دفن کے بعد قبر میں وہ احیاء کی دعا واستغفار کی بہت زیادہ محتاج ہوگی۔

کیونکہ دفن کے بعد قبر میں منکر ونکیر قبر کے دوسرے سوال و جواب اور آزمائش وامتحان کے لئے پیش ہوں گے جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ والی روایت سے معلوم ہوا۔ سبحان اللہ! تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ابھی جبکہ میت زمین پر رکھی ہوئی ہے اور قبر میں اسے دفنایا نہیں گیا تو ہم ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے اس میت کے لئے دعا مانگتے ہیں اور پھر دفن کے بعد جب وہ کئی ٹن مٹی کے نیچے چلا جاتا ہے تو لوگ اس میت سے اپنے لئے دعا مانگتے ہیں۔ کتنی حماقت کی بات ہے۔ چنانچہ نماز جنازہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام ابن قیم رحمہ اللہ اس طرح لکھتے ہیں:

فهذا مقصود الصلاة على الميت وهو الدعاء له والاستغفار والشفاعة فيه، ومعلوم أنه في قبره أشد حاجةً منه على نعشه فإنه حينئذٍ معرّض للسؤال وغيره وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يقف على القبر بعد الدفن فيقول: سلوا له التثبت فإنه الآن يسأل فعلم أنه أحوج إلى الدعاء له بعد الدفن، فإذا كنا على جنازته ندعو له، لا ندعوبه، ونشفع له لانشفع به فبعد الدفن أولى وأحرى. ②

میت پر نماز جنازہ پڑھنے کا مقصد اس کے لئے دعا استغفار اور سفارش کرنا ہے اور معلوم ہونا چاہیے کہ میت اپنی قبر میں ان چیزوں (دعا و استغفار) کی زیادہ ضرورت مند ہوتی ہے۔ بنسبت قبر میں داخل کرنے سے کیونکہ اس وقت وہ معرض سوال میں ہوتی ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دفن کے بعد قبر پر ٹھہرتے اور فرماتے: اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ اس سے ابھی سوال کیا جائیگا۔ تو معلوم ہوا کہ دفن کے بعد وہ دعا کا زیادہ مستحق ہے۔ جب ہم اس کا جنازہ پڑھتے ہیں تو اس (میت) کے لیے دعا کرتے ہیں اس کیلئے ذریعہ یا اس کے وسیلہ سے دعا نہیں کرتے اسی طرح ہم اس کیلئے سفارش کرتے ہیں اسکے ذریعہ سفارش نہیں کرتے تو معلوم ہوا کہ اس حال میں میت زیادہ ضرورت مند ہوتی ہے۔

② إغاثة اللهفان ج ا ص ۲۲۱

لوگوں کو گمراہ کرکے اللہ تعالیٰ کے راستے سے ہٹانے میں شیاطین کے مختلف ہت کنڈے

باقی رہی یہ بات کہ پیر پرست وقبر پرست لوگ فوت شدہ یا زندہ اولیاء وصالحین اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو جب اپنی غائبانہ حاجات کے لئے پکار کران سے نصرت ومدد طلب کر کے استغاثہ واستعانت کرتے ہیں اور پھر وہ جس فوت شدہ یا غائب ولی و بزرگ کو پکارتے ہیں تو ان داعین و مستغیثین (پکارنے اور استغاثہ کرنے والوں) کے کہنے کے مطابق فوراً وہ مدعو ولی و بزرگ وہاں پر پہنچ کر اس داعی و مستغیث کی اس مشکل کو حل کر دیتا ہے اور وہ داعی و مستغیث خود اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے بھی ہیں۔ اور کبھی کبھی وہ خود مدعو کہتا ہے کہ میں وہی ولی و بزرگ ہوں جس کو تم نے ابھی پکارا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس مدعو کے ساتھ کوئی دوسرا شخص بھی ہوتا ہے جو کہ اس مدعو کی تصدیق کر کے اس داعی و مستغیث سے کہتا ہے کہ واقعی یہ وہی ولی و بزرگ ہیں جس کو تم نے ابھی ابھی اپنی مصائب ومشکلات کو ہٹانے کے لئے پکارا ہے بلکہ سرزمین ہند کے بڑے بڑے علماء کی کتابوں میں یہ بھی آپ کو ملے گا کہ لوگ جب بڑی بڑی مصائب ومشکلات سے دوچار ہوئے تو کئی زمانوں کے فوت شدہ ولی و بزرگ اپنے جسد عنصری کے ساتھ آ کر ان کی مصائب کو حل کر کے چلے گئے۔ تو اس میں کیا راز ہے؟ کیا واقعی مرنے کے بعد قیامت سے پہلے کوئی شخص بطور ولایت و بزرگی کے اس دار فانی میں اپنے جسد عنصری کے ساتھ آ سکتا ہے؟ اور پھر آ کر وہ لوگوں کو نفع ونقصان دے سکتا ہے؟ اور کیا اموات اور غائبین کے پکارنے سے پکارنے والوں کو کوئی فائدہ ملتا ہے؟ اس مسئلہ کی مزید وضاحت مقدمہ میں گزر چکی ہے وہاں پر مراجعت کر لیں۔ ہم یہاں پر صرف بطور اختصار کے یہ بیان کریں گے کہ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے کوئی بھی شخص واپس اس دنیا میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ مرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے: ﴿ وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴾ [1]

جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ لوگوں کے مرنے سے بعث (قیامت تک اٹھائے جانے) تک ایک پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے مرنے کے بعد قیامت سے پہلے کوئی بھی شخص پلٹ کر اس دنیا میں نہیں آ سکتا۔ چنانچہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ مفسرین کے اقوال اس طرح نقل کرتے ہیں۔

وقال مجاهد: البرزخ الحاجز مابين الدنيا والآخرة وقال محمد بن كعب : البرزخ مابين الدنيا والآخرة ليسوا مع أهل الدنيا يأكلون

ترجمہ: اور سیدنا مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ برزخ وہ آڑ ہے جو دنیا وآخرت کے درمیان ہے اور سیدنا محمد بن کعب کہتے ہیں کہ برزخ وہ حجاب وآڑ ہے جو دنیا وآخرت کے درمیان ہے

---

[1] سورة المومنون: ۱۰۰

ویشربون ولا مع أهل الآخرة یجازون بأعمالهم وقال أبو صخر: البرزخ المقابر لا هم فی الدنیا ولاهم فی الآخرة فهم مقیمون إلى یوم یبعثون. ①

وہ نہ تو صحیح طور پر اہل دنیا کے ساتھ ہیں کہ کھائیں، پئیں نہ آخرت والوں کے ساتھ ہیں کہ اعمال کے پورے بدلے میں آجائیں اور سیدنا ابوصخر کہتے ہیں کہ برزخ سے مقابر مراد ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ (اموات) نہ دنیا میں ہیں نہ آخرت میں بلکہ یہ بیچ میں مقیم ہیں۔ قیامت تک۔

اور مذکورہ آیت کی تفسیر صاحب زبدۃ التفسیر بھی اسی طرح کرتے ہیں۔

أی أمامهم وبین أیدیهم حاجز بین الموت والبعث. ②

ترجمہ: یعنی ان کے آگے پیچھے ایک آڑ ہے، موت وبعث کے درمیان۔

ان سارے تفسیری اقوال سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے کوئی بھی شخص لوٹ کر کے اس دنیا میں نہیں آسکتا۔ یہ تو ہوا قرآن کریم کا فیصلہ، اب رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ بھی سن لیں جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شہداء احد کی روحوں کو جنت میں داخلہ کا انعام واعزاز بخشا تو ان کو کہا کہ مانگو مجھ سے جو کچھ مانگنا ہے تو ان روحوں نے اللہ تعالیٰ سے یہی کہا۔ کہ اے ہمارے رب ہمیں آپ نے سب کچھ عطا کیا ہے کون سی نعمت باقی رہ چکی ہے جو ہمیں نہیں ملی جس کا ہم آپ سے مطالبہ کریں اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو "هَلْ تَشْتَهُوْنَ شَيْئًا" (کیا تم کچھ چاہتے ہو) کے ساتھ باربار خطاب کر کے فرمایا کہ مانگو کیا چاہتے ہو تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ اے ہمارے رب ہماری روحوں کو ہمارے اجسام میں داخل کر کے پھر دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم دوسری مرتبہ پھر تیرے راستہ میں شہید ہوجائیں تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو چھوڑ دیا اور ایک روایت میں صاف وضاحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا کہ میں نے اس امر کا پہلے ہی فیصلہ کرلیا ہے کہ ایک مرتبہ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے کوئی شخص دنیا میں واپس نہیں جاسکے گا۔ اب متنِ احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

عن مسروق قال: إنا سألنا عبدالله عن هذه الآیة ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله أمواتًا بل أحیاءٌ عند ربهم یرزقون، فقال أما إنا قد سألنا عن ذلک رسول الله صلى الله علیه وسلم، فقال:

سیدنا مسروق فرماتے ہیں ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت "جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے (شہید ہو) گئے انہیں مردہ مت سمجھو بلکہ وہ اپنے مالک (رب) کے پاس زندہ ہیں انہیں روزی ملتی ہے، کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگے ہم

① تفسیر ابن کثیر ج٣ ص ٢٥٦
② زبدۃ التفسیر ص ٤٥٥

أرواحهم في جوف طير خضر لها قناديل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاء ت ثم تأوي إلى تلك القناديل، فاطلع ربهم إطلاعة، فقال: هل تشتهون شيئاً؟ قالوا أيّ شيءٍ نشتهي ونحن نسرح من الجنة حيث شئنا؟ ففعل ذلك بهم ثلاث مرات، فلما رأوا أنهم لن يتركوا من أن يسألوا. قالوا: يا رب نريد أن ترد أرواحنا في أجسادنا حتى نقتل في سبيلك مرة أخرى فلما رأى ليس لهم حاجة تركوا .① (صحيح مسلم)

نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا آپ نے فرمایا: ان (شہداء) کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں جن کے لیے عرش کے نیچے قندیلیں لٹکائی ہوئی ہیں، جنت میں وہ پرندے جہاں سے چاہتے ہیں کھاتے ہیں پھر ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتے ہیں، ان کے رب نے ان پر جھانکا اور فرمایا، تمہیں کوئی شے چاہیے؟ تو انہوں نے کہا ہمیں کیا چاہیے؟ جبکہ ہم جنت میں جہاں سے چاہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں۔ تین بار اللہ تعالیٰ ان سے یہی پوچھا، جب ان شہداء نے دیکھا کہ سوال کیے بغیر چھٹکارا نہیں تو انہوں نے عرض کی: اے رب! ہماری خواہش یہی ہے کہ آپ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں شہید ہو جائیں، اللہ تعالیٰ جب دیکھیں گے کہ ان کی کوئی ضرورت وحاجت نہیں تو انہیں چھوڑ دیا گیا۔

اور سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یوں آئی ہے۔

عن جابر بن عبدالله قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم يا جابر: أما علمت أن الله عزوجل أحيا أباك فقال له: تمن عليّ فقال: أرد إلى الدنيا فأقتل مرة أخرىٰ فقال: إني قضيت الحكم أنهم إليها لا يرجعون .② (حسن)

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے کہا: اے جابر کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ عزوجل نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور پوچھا کوئی تمنا ہے؟ تو مجھ پر اس کا اظہار کرو، تو آپ کے باپ نے کہا میری تمنا یہ ہے کہ میں واپس دنیا میں جاؤں اور تیری راہ میں دوسری مرتبہ شہید ہو جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ (ایک دفعہ مرنے کے بعد) دوبارہ اس دنیا میں نہیں لوٹائے جائیں گے۔

---

① رواه مسلم، كتاب الإمارة باب بيان أن أرواح الشهداء في الجنة.. الخ.

② رواه أحمد، الرقم: ١٤٨١٧ اسناده صحيح واللفظ له/مسند جابر بن عبدالله /الترمذي، كتاب التفسير ومن سورة آل عمران وحسنه /وصححه الألباني أنظر صحيح الجامع الصغير وزيادته، الرقم: ٧٩٠٥/مسند ابي يعلىٰ، الرقم: ١٩٩٨ /مسند جابر بن عبدالله

اب جب یہ معلوم ہوا کہ سنۃ اللہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے کوئی بھی شخص خواہ وہ کتنا ہی مقرب کیوں نہ ہو پلٹ کر اس دنیا میں نہیں آ سکتا۔ تو بھلا یہ جو کچھ غیر اللہ کے داعین و مستغیثین دعا و استغاثہ کے وقت دیکھتے سنتے ہیں اور اس دعا و استغاثہ کے بعد ان داعین کی مطلوبہ حاجات پوری ہو جاتی ہیں تو اس میں کیا راز ہے؟

کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اولیاء اور صالحین اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے مرنے کے بعد بھی اس دنیا میں آ کر پریشان حال اور مصیبت زدہ کی پریشانیوں اور مصیبتوں کو ہٹا کر ان کی مدد و نصرت اور تعاون و فریاد رسی کرتے ہیں؟

الجواب: حقیقت یہ ہے کہ یہ جو کچھ ان داعین مستغیثین غیر اللہ کے ساتھ بوقت دعا و استغاثہ کے ہوتا ہے یہ سب کے سب شیاطین کے ہتھکنڈے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب اس داعی و مستغیث نے غیر اللہ کو اپنی غائبانہ حاجات میں پکار کر شرک کیا ہے تو ان کو مزید گمراہ کرنے کے لئے شیاطین انہی اولیاء کی صورت میں آ کر کہتے ہیں کہ ہم وہی نبی و ولی ہیں کہ جن کو تم نے اپنی مصائب و مشکلات کے ہٹانے کیلئے ابھی ابھی پکارا ہے۔

اس لئے ہم آپ کی مدد و حاجت روائی اور فریاد رسی کیلئے آ گئے ہیں اور پھر شیاطین کبھی کبھی ظاہری صورت میں ان داعین کی مدد کرتے بھی ہیں۔ مثلاً وہ داعی و مستغیث کبھی کسی صحرا و جنگل میں بھوک و پیاس میں مبتلا ہوتے ہیں یا کہیں راستہ سے بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو شیاطین ان کو آ کر کھانا کھلاتے پانی پلاتے اور راستہ بتلاتے ہیں اور کبھی کبھی شیاطین اس داعی و مستغیث کو کسی امر غائب کی اطلاع بھی دے دیتے ہیں تو وہ مشرک لوگ یہی اعتقاد دل میں بٹھا لیتے ہیں کہ یہ واقع وہی مردہ یا غائب ولی و بزرگ ہے کہ جن کو ہم نے ابھی اپنی مدد و حاجت روائی اور فریاد رسی کے لئے پکارا ہے جبکہ یہ سب کے سب جن و شیاطین ہوتے ہیں جو کہ ان لوگوں کو مزید گمراہ کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہ مشرک لوگ انہی جنات و شیاطین کی عبادت کرتے ہیں چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مشرکین اوائل کی اصناف بیان کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں:

والمشركون الذين وصفهم الله ورسوله بالشرك أصلهم صنفان:

قوم نوح، وقوم إبراهيم:

فقوم نوح كان أصل شركهم العكوف على قبور الصالحين، ثم صوروا تماثيلهم ثم عبدوهم وقوم إبراهيم كان أصل شركهم عبادة الكواكب والشمس والقمر وكل من هؤلاء يعبدون الجن،

جن لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مشرک کہا ہے ان کی دو قسمیں ہیں قوم نوح علیہ السلام اور قوم ابراہیم علیہ السلام قوم نوح میں شرک کی ابتداء صالحین کی قبروں کی پرستش سے ہوئی پھر انہوں نے ان کی تصویریں اور مجسمے بنائے اور ان کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو گئے قوم ابراہیم میں شرک کا آغاز سورج، چاند ستاروں کی پرستش سے ہوا۔ دونوں فریق جنات کی عبادت کرتے ہیں شیاطین ان سے کبھی گفتگو کرتے اور بعض کاموں

فإن الشياطين قد تخاطبهم وتعينهم على أشياء وقد يعتقدون أنهم يعبدون الملائكة، وإن كانوا في الحقيقة إنما يعبدون الجن، فإن الجن هم الذين يعينونهم ويرضون بشركهم، قال تعالىٰ:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ①

و الملائكة لاتعينهم على الشرك لا في المحيا ولا في الممات ولايرضون بذلك، ولكن الشياطين قد تعينهم وتتصورلهم في صور الآدميين فيرونهم بأعينهم ويقول أحدهم: أنا إبراهيم، أنا المسيح، أنا محمد، أنا الخضر، أنا أبوبكر، أنا عمر، أنا عثمان، أنا علي وأنا الشيخ فلان، و قد يقول بعضهم عن بعضٍ هذا هو النبي فلان أوهذا هو الخضر ويكون أولئك كلهم جناً يشهد بعضهم لبعضٍ

والجن كالإنس فمنهم الكافر ومنهم العاصي ومنهم العابد الجاهل فمنهم من يحب شيخًا فيتزيا في صورته، ويقول أنا فلان، ويكون ذلك في برية ومكانٍ قفر فيطعم ذلك الشخص طعامًا ويسقيه شرابًا أويدله على الطريق أويخبره ببعض

میں ان کی امداد و معاونت بھی کرتے ہیں وہ کبھی یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم فرشتوں کی عبادت کر رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہی ہے کہ وہ جنات کی عبادت کر رہے ہیں کیونکہ جنات ہی ان کی مدد کرتے اور ان کے شرک کو بنظر تحسین دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور جس دن اللہ ان سب کو جمع کرے گا تو فرشتوں کو کہے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے ہمارا ولی ہے ان سے ہمارا تعلق نہیں بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ اکثر ان میں انہیں کو مانتے تھے''۔ فرشتے شرک میں کسی کی امداد نہیں کرتے نہ حیات میں۔ نہ موت میں اور نہ اسے پسند کرتے ہیں۔ البتہ شیاطین کبھی کبھی ان کی مدد کرتے اور انسانی شکل میں ان کے سامنے نمودار ہوتے ہیں چنانچہ وہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ پھر کبھی کوئی شیطان ان سے کہتا ہے کہ میں ابراہیم علیہ السلام ہوں۔ مسیح ہوں، محمد ہوں، خضر ہوں، ابوبکر ہوں، عمر ہوں، عثمان ہوں، علی ہوں، یا فلاں شیخ طریقت ہوں اور کبھی ایک دوسرے کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ یہ فلاں نبی، فلاں شیخ، یا خضر ہے حالانکہ وہ سب کے سب جن ہی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے متعلق شہادتیں دیتے ہیں۔ جنات بھی انسانوں کی مانند ہیں ان میں بعض کافر، فاسق، مجرم، باغی اور بعض عابد جاہل ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی شیخ سے محبت کرنے لگتے ہیں اس کا روپ دھار لیتے ہیں اور جنگلوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ راہ گیروں کو کھانے پینے کی چیزیں

① سورة سبا آية رقم: ۴۰-۴۱

الأمور الواقعة الغائبة فيظن ذلك الرجل أن نفس الشيخ الميت أو الحي فعل ذلك، وقد يقول: هذا سر الشيخ وهذه رقيقته وهذه حقيقته أوهذا ملك جاء على صورته، وإنما يكون ذلك جنياً فإن الملائكة لا تعين على الشرك والإفك والاثم والعدوان .①

دیتے، راستہ بتاتے اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات بتاتے ہیں۔ دیکھنے والا دھوکہ میں آ جاتا ہے۔ اور یقین کر لیتا ہے کہ اس نے فلاں مردہ، یا زندہ شیخ کو دیکھا ہے۔ حالانکہ اس نے صرف ایک جن اور شیطان کو دیکھا ہوتا ہے۔ کیونکہ ملائکہ شرک، بہتان اور طغیان وظلم میں کسی کی امداد نہیں کرتے۔

اموات اور غائبین کو پکارنے کی شدید مخالفت کرتے ہوئے علامہ ابوالمعالی آلوسی رحمہ اللہ چیلنج وتحدی کے ساتھ کہتے ہیں کہ اہل قبور اور غائبین کو پکارنا کسی بھی دین وشریعت میں جائز ومشروع نہیں تھا اور حقیقت بھی یہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

ولا يمكن أن يأتي أحد بحجة ولا سلطان على أن دعاء الأولياء والصالحين من أهل القبور أ وغيرهم مشروع مسنون أومباح ولايمكن أن تأتي شريعة بهذا. وما يقوله الجاهلون من الشبه الواهية لايعتدبه ولايلتفت إليه بل هي قاطعة في الطريق حائلة بين أربابها وبين الصراط المستقيم وما كان عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وماجاء به من عندالله وإن زعموا أنها أدلة وبينات فهي جهالات وخيالات وضلالات .②

یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی یہ کہے کہ اہل قبور میں سے اولیاء اور نیک لوگوں سے دعا کرنا جائز ہے اور اس پر دلیل قائم کرنا ممکن ہی نہیں اسی طرح کسی شریعت میں بھی یہ نہیں آیا اور جاہل لوگ جو اس میں کمزور سا شبہ ذکر کرتے ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی اس کی طرف توجہ کی جائے بلکہ یہ صراط مستقیم میں رکاوٹ ہے جو ان کے اور صراط مستقیم کے درمیان حائل تھی اور رسول اللہ ﷺ نہ خود اس طریقہ پر تھے اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طریقہ لے کر آئے تھے اور اگر وہ یہ خیال کریں کہ یہ واضح دلائل ہیں تو حقیقت میں جہالت پر مبنی باتیں ہیں اور گمراہی وضلالت کے باطل خیالات ہیں۔

غیر اللہ سے استغاثہ واستعانت اور مدد ونصرت طلب کرنے والوں کے حالات بیان کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خود میرے زمانے میں کچھ مشرک خیال لوگوں نے اپنی غائبانہ حاجات میں خود مجھے پکار کر مجھ ہی سے مدد مانگی ہے تو شیاطین نے میری صورت میں ان کے پاس پہنچ کر ان کی حاجات پوری کر دیں تو انہوں نے یہی سمجھا کہ یہ خود (ابن تیمیہ رحمہ اللہ) ہی تھا۔ جس نے ان پریشان کن حالات میں ہماری مدد کر کے حاجت پوری کر دی۔ جبکہ مجھے تو ان میں سے کسی بھی چیز کا علم نہیں تھا۔

---

① مجموع فتاویٰ ابن تیمیة: ج ۱ ص ۱۵۸
② غاية الأماني: ج۲ ص ۳۰۰



چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

إحداها أن يدعو غير الله وهو ميت أوغائب سواء كان من الأنبياء والصالحين أوغيرهم فيقول: ياسيدى فلان أغثني أو أنا أستجيربك أو أستغيث بك أو انصرني على عدوى ونحوذلك فهذا هو الشرك بالله والمستغيث بالمخلوقات قد يقضى الشيطان حاجته أوبعضها وقد يتمثل له في صورة الذى استغاث به فيظن أن ذلك كرامةٌ لمن استغاث به وإنما هو شيطان دخله وأغواه لما أشرك بالله كما يتكلم الشيطان في الأصنام وفي المصروع وغير ذلك ومثل هذا واقع كثيراً في زماننا وغيره. وأعرف من ذلك مايطول وصفه في قوم استغاثوا بي وبغيرى وذكروا أنه أتى شخص على صورتي أوصورة غيرى وقضى حوائجهم فظنوا أن ذلك من بركة الاستغاثة بي أوبغيرى وإنما هو شيطان أضلهم وأغواهم وهذا هو اصل عبادة الأصنام .①

ان میں سے ایک یہ ہے غیر اللہ کو پکارا جائے خواہ وہ مردہ ہو یا غائب وہ نبیوں میں سے ہو یا دیگر نیک لوگوں میں سے تو وہ اپنی پکار میں یوں کہے میرے فلاں سردار میری مدد کر یا میں تیری پناہ پکڑتا ہوں یا تیرے ساتھ استغاثہ کرتا ہوں یا وہ کہے میرے دشمنوں کے خلاف میری مدد کر وغیرہ۔ تو یہی خالص اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ مخلوقات سے مدد طلب کرنے والوں کی شیطان حاجت پوری کر دیتا ہے اور کبھی جس شخص کو مدد کے لیے پکارا ہوتا ہے اس کی شکل وصورت میں ظاہر ہو جاتا ہے جس سے پکارنے والا سمجھتا ہے کہ یہ بزرگوں کی کرامت ہے حالانکہ وہ تو صرف شیطان ہوتا ہے جس نے انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اس کو گمراہ کیا ہے کیونکہ اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہوا ہے جس طرح شیطان بتوں میں اور شخص مصروع میں داخل ہو کر باتیں کرتا ہے اس کی مثال ہمارے موجودہ زمانے میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ اور میں ان لوگوں کو جانتا ہوں جن کی تفصیل کافی لمبی چوڑی ہے جنھوں نے اپنی مدد کے لیے مجھے (ابن تیمیہ) اور دیگر کو پکارا ہے اور انہوں نے بتایا کہ میری شکل میں یا کسی اور کی شکل میں کوئی آدمی آیا اور اس نے ان کی حاجات پوری کر دیں اور انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ یہ مجھے (یعنی ابن تیمیہ وغیرہ) کو پکارنے کی برکت سے ہوا۔ وہ تو شیطان ہی ہوتا ہے جس نے ان کو گمراہ اور اغوا کر لیا ہے۔ تو یہی صورت بتوں کی عبادت کی۔

① مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ا ص ۳۵۰



مذکورہ واقعہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب وہ مشرک خیال لوگ اپنی غائبانہ حاجات میں ہمیں پکارا تو ہماری صورت بنا کر شیاطین ہوا میں ان مستغیثین کے ہاں پہنچ کر ان کی حاجات کو پورا کر کے چلے گئے اور پھر بعد میں جب لوگوں نے مجھے اس کی اطلاع دی تو میں نے کہا کہ مجھے تو اس واقعہ کا کوئی علم ہی نہیں۔ بلکہ یہ سب کے سب شیاطین کے ہتھکنڈے ہیں جو کہ میری صورت بنا کر ان مستغیثین کو مزید گمراہ کرنے کے لئے ان کے پاس پہنچ کر ان کی حاجات پوری کر دیتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وأعرف من ذلك وقائع كثيرة في أقوام استغاثوا بي وبغيري في حال غيبتنا عنهم، فرأوني أو ذلك الآخر الذي استغاثوا به قد جئنا في الهواء ورفعنا عنهم. ولمّا حدثوني بذلك بينت لهم أن ذلك إنما هو شيطان تصوّر بصورتي وصورة غيري من الشيوخ الذين استغاثوا بهم ليظنوا أن ذلك كرمات للشيخ فتقوى عزائمهم في الاستغاثة بالشيوخ الغائبين والميتين. وهذا من أكبر الأسباب التي بها أشرك المشركون وعبدة الأوثان وكذلك المستغيثون من النصارىٰ بشيوخهم الذين يسمونهم العلاس ويرون أيضاً من يأتي على صورة ذلك الشيخ النصراني الذي استغاثوا به فيقضي حوائجهم ①

میں ایسی قوموں کے بہت سے واقعات کو جانتا ہوں کہ جو عدم موجودگی میں مجھے اور میرے علاوہ دوسروں سے استغاثہ کرتے ہیں انہوں نے دیکھا کہ ہم ہوا میں اڑتے ہوئے آئے اور ہم نے ان کی تکلیف رفع کر دی۔ جب ان لوگوں نے مجھے یہ واقعہ بتایا تو میں نے ان پر واضح کر دیا کہ دراصل جسے تم نے دیکھا تھا وہ شیطان تھا۔ جس نے میری اور دوسرے مشائخ کی جن سے تم نے مدد طلب کی صورت اختیار کر لی تھی۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ ان مشائخ کی کرامات ہیں۔ اس سے شیاطین کی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ مردہ اور غائب بزرگوں سے مدد طلب کرنے میں راسخ ہو جائیں اور یہ چیز شرک اور بت پرستی کا سب سے بڑا سبب ہے اسی طرح کے واقعات عیسائیوں کو بھی پیش آتے ہیں۔ جو علاّس وغیرہ مشائخ سے مدد طلب کرتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ لوگوں کے گمراہ کرنے میں شیاطین کا یہاں تک دخل ہے کہ جن اولیاء سے مدد طلب کی گئی ان کی شکل وصورت ہی میں آ کر داعین و مستغثین (پکارنے اور مدد طلب کرنے والوں) کو وقتی فائدہ دے کر گمراہ کر دیتے ہیں۔ تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ جن کو ہم پکارتے ہیں وہی آ کر ہماری مدد کر کے چلے گئے اور یہیں سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔

① التوسل والوسیلة، ص ۱۵۴ - ۱۵۵



چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ①

شیطان تو اپنے دوستوں کے دل میں (وسوسے اور غلط خیالات) ڈالتے ہیں اس لئے کہ وہ تم سے (ناحق) جھگڑا کریں اور اگر تم ان کا کہنا مان لو تو تم بھی ضرور مشرک ہو جاؤ گے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں ابواسحاق رحمہ اللہ کے واسطہ سے امام ابن کثیر رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

عن أبي إسحاق قال رجل لابن عمر: إن المختار يزعم أنه يوحى إليه قال: صدق وتلا هذه الآية: وإن الشيطين ليوحون إلى أوليائهم . ②

ابواسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مختار کا دعویٰ ہے کہ اس کی طرف وحی آتی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر یہ آیت "وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ......" پڑھی۔

مسلمانو! یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لو کہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے جنوں میں بھی شیاطین ہیں اور انسانوں میں بھی جو کہ ہر ایک اپنے اپنے دوستوں کی طرف چکنی اور میٹھی میٹھی باتیں القاء کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے ہٹا کر جہنم کا ایندھن بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ③

اور اسی طرح ہم نے شریر آدمیوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنایا (اسلئے کہ) ایک دوسرے کو میٹھی میٹھی باتیں فریب کیلئے سکھائیں اور اگر تیرا مالک چاہتا تو وہ (کافر یا شیطان) ایسے کام نہ کرتے۔ تو انکو اور ان کے بہتانوں کو چھوڑ دے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ مفسرین کے اقوال یوں نقل کرتے ہیں:

عن عكرمة في قوله: يوحي بعضهم إلى بعض زخرف القول غرورًا، قال: للإنس شياطين وللجن شياطين، فيلقى شيطان الإنس شيطان الجن فيوحي بعضهم إلى بعضٍ زخرف القول غرورًا،

سیدنا عکرمہ رحمہ اللہ یوحی بعضهم إلى بعض زخرف القول غروراً کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ انسان میں بھی شیاطین ہیں اور جنوں میں بھی۔ اب انسانی شیاطین جنی شیاطین پر القاء کرتے ہیں۔ چنانچہ ان میں بعض ایک دوسرے کی طرف

---

① سورة الأنعام: ١٢١

② تفسير ابن كثير ج: ٢ ص: ١٧٠

③ سورة الأنعام: ١١٢



وقال أسباط عن السدی عن عكرمة فی قوله، یوحی بعضهم إلی بعض أما شیاطین الإنس فالشیاطین التی تضل الإنس و شیاطین الجن التی تضل الجن یلتقیان فیقول كل واحد منهما لصاحبه أنی أضللت صاحبی بكذا و كذا فأضل انت صاحبك بكذا و كذا فیعلم بعضهم بعضًا ①

بیہودہ باتوں کی وحی کرتے رہتے ہیں۔عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ انسانی شیاطین وہ ہیں جو انسانوں کو گناہ کے مشورے دیتے ہیں اور جنوں کے شیاطین جنوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ میں نے تو اپنے ساتھی کو بھٹکا دیا ہے تو بھی اسی طرح اپنے ساتھی کو بھٹکا دے اس طرح ایک دوسرے کو گناہ کی تعلیم دیتے رہتے ہیں۔

مذکورہ آیت کی تفسیر سیدنا مجاہد رحمہ اللہ سے یوں منقول ہے:

وقال ابن جریج، قال مجاهد فی تفسیر هذه الآیة، كفار الجن شیاطین یوحون إلی شیاطین الإنس كفار الإنس زخرف القول غرورًا .②

ترجمہ: سیدنا مجاہد رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ جن کے کفار شیاطین ہیں وہ شیاطین انس کی طرف وحی بھیجتے ہیں اور شیاطین انس کے کفار انس ہیں اور آگے چل کر امام ابن کثیر رحمہ اللہ یوحی بعضهم إلی بعضٍ زخرف القول کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ای یلقی بعضهم إلی بعض القول المزین المزخرف وهو المزوق الذی یغتر سامعه من الجهلة بأمره .③

ترجمہ: یعنی انسانی شیاطین جنی شیاطین کیساتھ ملکر ہر ایک دوسرے کیطرف ایسی مزخرف اور میٹھی میٹھی باتیں القاء کرتے ہیں کہ جسکے سننے سے جاہل و بے علم لوگ دھوکہ میں آ جاتے ہیں۔

اصحاب رسول ﷺ سے بڑھ کر امت کا کوئی بھی فرد اسلام کو زیادہ نہیں جانتا

تعجب کی بات ہے کہ قبر پرست لوگ اصحاب قبور کو بڑی عقیدت اور اخلاص قلب کے ساتھ پکار کر ان کی قبروں کے سامنے ہاتھ باندھ کر ایسی عاجزی اور انکساری کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسی عاجزی و انکساری کے ساتھ نہ نماز کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں اور نہ ہی صبح و سحری کے اوقات میں اور پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس چیز کو بہترین و افضل ترین عمل

---

① تفسیر ابن کثیر: ج۲ ص ۱۶۶۔۱۶۷

② تفسیر ابن کثیر: ج۲ ص ۱۶۷

③ تفسیر ابن کثیر: ج۲ ص ۱۶۷

سمجھتے ہیں۔ عبادت کی تعریف میں پہلے تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ کسی کے سامنے انتہا درجہ کی عاجزی وانکساری ہی کو عبادت کہتے ہیں۔ ذرا انصاف سے بتائیے کہ یہ جو کچھ قبر پرست ان قبروں اور اصحاب قبور کے ساتھ کر رہے ہیں کیا یہ ان قبروں اور اصحاب قبور کی عبادت نہیں ہے؟ ضرور ہے۔

یہ تو ہوا قبروں اور اصحاب قبور کے ساتھ قبر پرستوں کا معاملہ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مصائب ومشکلات کے ہٹانے کے لئے مُردوں کو پکارنا یا انہیں مُردوں کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ کو پکارنا یا ان کی قبور کے سامنے نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ کھڑے ہو کر دعا کرنا جائز ومشروع اور عمل صالح ہوتا تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے افضل ترین عمل کو قرونِ ثلاثہ مشہود لھا بالخیر اس طرح چھوڑ دیں کہ عمر بھر ایک مرتبہ بھی نہ کریں اور پھر ایسے لوگ آ کر بعد میں ان افضل ترین اعمال کے لئے عمل پیرا ہوں کہ نہ جن کا قول، عمل کے مطابق ہے اور نہ ہی عمل مأمور بہ کے۔

اس لئے مسلمانو! یہ اچھی طرح یاد رکھو کہ ہر وہ عبادت جس پر قرونِ ثلاثہ مشہود لھا بالخیر اور بالخصوص اصحاب رسول ﷺ عمل پیرا نہ ہوئے ہوں۔ تو وہ عبادت یقیناً مردود ومطرود ہے جیسا کہ سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح سے آیا ہے۔

عن حذيفة قال: كل عبادة لايتعبدها أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تعبدوها فإن الأول لم يدع للآخر مقالا .①

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہر وہ عبادت کہ جن کو نبی ﷺ کے صحابہ نے بطور عبادت اختیار نہیں کیا، تم بھی اس عبادت کو اختیار نہ کرو، اس لئے کہ پہلے لوگوں (صحابہ) نے بعد والوں کیلئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔

اور اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کا قول ان کے تلمیذ ماجشون یوں نقل کرتے ہیں:

وقال الماجشون سعمت مالكا يقول: من ابتدع في الإسلام بدعة يراها حسنة فقد زعم أن محمدا خان الرسالة لإن الله يقول: ﴿اليوم أكملت لكم دينكم.....﴾ فما لم يكن يومئذ دينا لايكون اليوم دينا.②

جس نے اسلام میں کوئی بدعت جاری کی اور اسے اچھا جانا گویا اس نے سمجھا ہے کہ محمد ﷺ نے رسالت میں خیانت کی ہے (والعیاذ باللہ) جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے......'' پس جان لینا چاہیے کہ جو چیز نبی ﷺ کے دور میں دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہے۔

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جس عبادت پر اصحاب رسول ﷺ عمل پیرا نہ ہوئے ہوں ان کے قریب تک بھی مت جاؤ۔ اب آؤ ان قبر پرستوں کے ان اعمال وافعال اور عقائد ونظریات پر نظرِ عمیق ڈال کر دیکھیں کہ کیا ان لوگوں کے یہ کرتوت رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل یا اہلِ قرونِ ثلاثہ کے اقوال وافعال کے مطابق ہیں۔ یا قرونِ ثلاثہ سے صحیح وحسن نہ سہی بلکہ ضعیف ہی

① السنن والمبتدعات ص ٦

② السنن والمبتدعات ص ٦



کوئی نقل اگر مل سکتی ہے تو پیش کریں جو کہ ان قبر پرستوں کے اقوال واعمال کی تائید کر سکے؟ نہیں ہر گز نہیں۔

چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ومن المحال أن يكون دعاء الموتى أو الدعاء بهم أو الدعاء عندهم مشروعاً وعملاً صالحاً ويصرف عنه القرون الثلاثة المفضلة بنص رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم يرزقه الخلوف الذين يقولون مالا يفعلون، ويفعلون مالا يؤمرون، فهذه سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم في أهل القبور بضعاً وعشرين سنة حتى توفاه الله تعالىٰ، وهذه سنة خلفاء الراشدين، وهذه طريقة جميع الصحابة والتابعين لهم بإحسان هل يمكن لبشر على وجه الأرض أن يأتي عن أحد منهم بنقل صحيح أو حسن أو ضعيف أو منقطع أنهم كانوا إذا كان لهم حاجة قصدوا القبور فدعوا عندها وتمسحوا بها، فضلاً أن يصلّوا عندها أو سألوا الله بأصحابها أو يسألوهم حوائجهم فليوقفونا على أثرٍ واحدٍ أو حرف واحد في ذلك بل يمكنهم أن يأتوا عن الخلوف التي خلفت بعدهم بكثير من ذلك وكلما تأخر الزمان وطال العهد كان ذلك أكثر حتى لقد وجد في ذلك عدة مصنفات ليس فيها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا عن خلفائه الراشدين ولا عن أصحابه حرف واحد من ذلك. بلى فيها من خلاف كثير كما قد مناه من

مردوں کو پکارنا یا ان کے واسطہ سے دعا کرنا ان کی قبور کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا نہ تو یہ جائز ہے اور نہ ہی یہ نیک عمل ہے۔ پہلی تین صدیاں رسول اللہ ﷺ کے خبر دینے سے اس سے محفوظ ہیں۔ پھر وہ لوگ ان کے بعد آئے جو منہ سے بات کرتے ہیں اس کے مطابق عمل نہیں کرتے اور ایسے کام کر جاتے ہیں جس کا انہیں حکم نہیں دیا جاتا۔ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی زندگی کا ۲۳ سالہ دور اور خلفاء راشدین اور صحابہ و تابعین کا طریقہ اہل قبور میں یہی رہا (کہ وہ نہ ان کو پکارتے، نہ ان کی واسطہ سے دعا کرتے اور نہ ان کی قبور کے پاس جا کر دعا کرتے تھے) کیا کسی آدمی کو یہ ہمت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اور صحابہ و تابعین سے کوئی صحیح، حسن، یا ضعیف اور منقطع روایت پیش کرے کہ جب ان کو کوئی حاجت وضرورت پڑتی تو وہ قبور کا قصد کرتے ہوں وہاں دعائیں وفریادیں کرتے ہوں یا ان کو برکت کے لئے چھوتے ہوں۔ چہ جائیکہ وہ وہاں نماز پڑھیں یا ان قبر والوں کے ذریعے اللہ سے مانگیں یا ان قبر والوں سے اپنی حاجات کا سوال کریں، جو ان خرافات کا معتقد ہے وہ ہمیں کوئی منقول شے دکھائے چاہے وہ ایک حرف ہی ہو، البتہ بعد والے لوگوں سے اس قسم کے خرافات بکثرت مل سکتے ہیں۔ جس قدر خیر القرون سے دوری ہوتی گئی ان خرافات وشرکیات میں اضافہ ہوتا گیا۔ اب حال یہ ہے کہ اس میں بڑی بڑی کتب تصنیف کی جا چکی ہیں

الأحاديث المرفوعة وأما آثار الصحابة فأكثر من ان يحاط بها. ①

جن میں رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی ایک حرف بھی منقول نہیں۔ (جبکہ یہ سب کے سب خرافات، ہفوات وغیرہ ہیں) بلکہ ان میں ان احادیث کی مخالفت کی گئی ہے جن کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور قبر پرستی کے رد میں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بے شمار آثار موجود ہیں۔

جو دین و شریعت قبر پرست لیکر آئے ہیں وہ پورے کا پورا اس دین و شریعت کے متضاد (مخالف) ہے جسے رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کیطرف سے لیکر آئے ہیں

حقیقت میں جو دین و شریعت قبر پرست و آستانہ پرست ایجاد کر کے لے آئے ہیں۔ وہ پورے کا پورا اس دین و شریعت کے متضاد و مخالف ہے جس کو اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ لیکر آئے تھے اور جس پر عمل کر کے آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ومن جمع بين سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم في القبور، وما أمر به ونهى عنه وما كان عليه أصحابه وبين ما عليه اكثر الناس اليوم رأى أحدهما مضادًا للآخر، مناقضاً له بحيث لايجتمعان أبدًا، فنهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلاة إلى القبور وهؤلاء يصلون عندها، ونهى عن اتخاذها مساجد وهؤلاء يبنون عليها المساجد ويسمونها مشاهد مضاهاة لبيوت الله تعالىٰ، ونهى عن إيقاد السرج عليها وهؤلاء يوقفون الوقوف على إيقاد القناديل عليها، ونهى

جو آدمی قبروں سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی سنت و احادیث جس میں آپ ﷺ نے قبروں کی زیارت وغیرہ کا جو حکم دیا اور جس سے روکا ہے اور اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل اور موجودہ دور کے لوگوں کے طرزِ عمل کا موازنہ کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ایک طریقہ دوسرے سے متضاد و مخالف ہے دونوں کبھی بھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے روکا ہے اور یہ (قبر پرست) وہاں نماز پڑھتے ہیں۔ آپ نے قبروں کو مسجد بنانے سے منع کیا ہے تو یہ لوگ ان پر مسجدیں بنا لیتے ہیں اور ان کو زیارت گاہیں کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ جیسے اللہ کے گھروں

① إغاثة اللهفان ج ١ ص ٢٢١ ـ ٢٢٢



أن تتخذ عيدًا. وهؤلاء يتخذونها أعيادًا ومناسك ويجتمعون لها كاجتماعهم للعيد أو أكثر وأمر بتسويتها كما روى مسلم في صحيحه عن أبي الهياج الأسدي، قال: قال علي بن أبي طالب رضي الله عنه: ألا أبعثك على مابعثني عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، أن لاتدع تمثالًا إلا طمسته ولا قبرًا مشرفًا إلاسوّيته، وقال في صحيحه أيضا عن أبي ثمامة بن شفي قال: كنا مع فضالة بن عبيد بأرض الروم برودس فتوفي صاحب لنا فأمر فضالة بقبره فسوّیَ، ثم قال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم يأمر بتسويتها، وهؤلاء يبالغون في مخالفة هذين الحديثين ويرفعونها عن الأرض كالبيت يعقدون عليها القباب.

ونهى عن تجصيص القبر والبناء عليه كماروى مسلم في صحيحه عن جابر قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم عن تجصيص القبر وأن يقعد عليه وأن يبنى عليه بناءً ونهى عن الكتابة عليها كما روى أبوداؤد والترمذي في سننهما عن جابر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم، نهى أن تجصص القبور وأن يكتب عليها، قال الترمذي: حديث حسن صحيح وهؤلاء يتخذون عليها الألواح ويكتبون

(مسجدوں) کی زیارت کی جاتی ہے۔

آپ ﷺ نے قبور پر چراغ جلانے سے منع کیا ہے جب کہ یہ لوگ پوری قندیلیں روشن کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ان قبروں کو عید بنانے (بار بار آنے) سے روکا ہے اور یہ لوگ اُن کو عید بناتے ہیں ان پر اجتماع کرتے ہیں جیسے عید کا اجتماع ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ عقیدت واحترام سے حاضر ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان قبروں کو زمین کے برابر کرنے کا حکم دیا ہے جیسے صحیح مسلم میں ابوالہیاج الاسدی کی روایت ہے فرماتے ہیں: مجھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا کہ ہر تصویر کو مٹا دینا اور اونچی قبر کو برابر کر دینا۔ صحیح مسلم میں ایک اور روایت ثمامہ بن شفی سے ہے، کہتے ہیں ہم فضالہ بن ابوعبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ روم کے علاقے بروڈس میں تھے کہ ہمارا ایک ساتھی فوت ہو گیا تو فضالہ رضی اللہ عنہ نے زمین کے برابر قبر بنانے کا حکم دیا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ قبوری لوگ نبی ﷺ کی ان احادیث کی مخالفت میں کمر بستہ ہیں قبروں کو اتنا اونچا کرتے ہیں جیسے وہ کمرہ ہو اور ان پر قبے تعمیر کرتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے سے منع کیا ہے اور اس پر عمارت اور بلڈنگ بنانے سے بھی روکا ہے اور مجاور بن کر بیٹھنے سے روکا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر کتابت کرنے کتبے لکھنے سے بھی روکا ہے جیسا کہ سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی میں

عليها القرآن وغيره. ونهى أن يزاد عليها غير ترابها كماروى أبوداؤد من حديث جابر أيضًا أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم، نهى أن يجصص القبر أويكتب عليه أويزاد عليه، وهؤلاء يزيدون عليه سوى التراب الآجر والأحجار والجص. ①

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے کہ قبروں کو پختہ بنایا جائے اور ان پر لکھائی کی جائے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ مگر ان لوگوں (قبر پرستوں) نے ان پر تختیاں لگائیں اور قرآنی آیات تحریر کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا کہ قبر پر قبر کی مٹی سے زائد مٹی وغیرہ ڈالی جائے، جیسے امام ابوداؤد نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ کہ قبر کو پختہ بنایا جائے، اس پر لکھا جائے یا کسی شے کا اضافہ کیا جائے، جبکہ یہ قبوری لوگ قبر پر مٹی کے علاوہ پکی اینٹیں، پتھر اور چونے وغیرہ کا اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

قبر پرستوں کے دین اور دین محمدی میں تضاد کی یہ ایک ادنی سی جھلک ہے حقیقت یہ ہے کہ آج شریعت کو بدل کر رکھ دیا گیا ہے چنانچہ علامہ الطاف حسین حالی رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

وہ دین جس سے توحید پھیلی جہاں میں ہوا جلوہ گر حق زمین وزماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گمان میں وہ بدلا گیا آ کے ہندوستان میں
ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلمان ②

تعمیت قبر سیدنا دانیال علیہ السلام

کتب سیر وتاریخ میں موجود ہے کہ عصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ میں سیدنا دانیال علیہ السلام کا جسد اُطہر سرزمین ایران میں پایا گیا، سیدنا دانیال علیہ السلام کے جسد اُطہر کو اس طرح دفن کیا کہ دن کو انھوں نے تیرہ قبریں مختلف اماکن پر کھودیں اور جب رات آ گئی تو اس کے جسد اُطہر کو ان قبور میں سے کسی ایک قبر میں دفن کر کے اس قبر سمیت ساری قبور پر مٹی ڈال کر زمین کے ساتھ برابر کر دی تا کہ بعد والے لوگوں کو صحیح انداز میں یہ پتہ نہ چل سکے کہ سیدنا دانیال علیہ السلام کا جسد اُطہر کس قبر میں دفن ہوا ہے یہ سب کچھ اس لئے کیا تا کہ آپ کی قبر شریف بعد والے لوگوں کے حسین وجمیل چہروں کا مسجود ومعبود نہ بن سکے۔ اب سن لیں اصل روایت جس کو مؤرخین نے نقل کیا ہے۔

① إغاثة اللهفان: ج ا ص ۲۱۴-۲۱۵
② مسدس حالی ص ۱۱۷ شرک اور دعویٔ توحید



وقال يونس بن بكير عن محمد بن اسحق عن أبى خلد بن دينار حدثنا أبو العالية قال: لما فتحنا تستر وجدنا فى مال بيت الهرمزان سريرًا عليه رجل ميت عند رأسه مصحف فأخذنا المصحف فحملناه إلى عمر بن الخطاب فدعاله كعبًا فنسخه بالعربية فأنا أول رجل من العرب قرأه، قرأته مثل ما أقرأ القرآن هذا فقلت لأبى العالية ما كان فيه؟ قال: سيركم وأموركم ولحون كلامكم وما هو كائن بعد قلت: فما صنعتم بالرجل؟ قال: حفرنا بالنهار ثلاثة عشر قبرًا متفرقة فلما كان بالليل دفنّاه وسوينا القبور كلها لنعميه على الناس فلا ينبشونه قلت: فما يرجون منه؟ قال: كانت السماء إذا حبست عنهم المطر برزوا بسريره فيمطرون، قلت: من كنتم تظنون الرجل؟ قال: رجل يقال له دانيال، قلت: منذ كم وجد تموه قدمات؟ قال: منذ ثلاثمائة سنة. قلت ماتغير منه شيء؟ قال: لا إلاشعرات من قفاه إن لحوم الأنبياء لاتبليها الأرض ولا تأكلها السباع. ①

یونس بن بکیر محمد بن اسحٰق سے اور وہ اَبی خلد بن دینار سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ہمیں اَبو العالیہ نے بیان کیا ہے، کہتے ہیں جب ہم نے تستر فتح کیا تو ھرمزان کے گھر کے مال سے ایک تخت ملا جس پر ایک میت تھی جس کے سر کے پاس مصحف (کتاب) تھا ہم وہ مصحف لے کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے کعب کو بلایا جس نے اس کو عربی میں منتقل کر دیا ابو العالیہ کہتے ہیں عربوں میں سے سب سے پہلے میں نے اسے پڑھا، میں نے اس کو قرآن کی طرح پڑھا۔

ابو خلد بن دینار کہتے ہیں میں نے ابو العالیہ سے پوچھا اس میں کیا لکھا تھا۔

میں نے کہا تم اس میت کا کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا ہم نے دن کو تیرہ قبریں کھودیں جب رات ہوئی تو ہم نے اس کو دفن کر کے تمام قبریں برابر کر دیں تا کہ لوگوں سے اوجھل رہیں ان کو کھود نہ سکیں۔ میں نے کہا وہ اس سے کس قسم کی امید رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا جب بارش نہیں ہوتی تو وہ اس تخت کو آسمان کے نیچے کر دیتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا تمہارے خیال میں وہ کون آدمی تھا۔ اس نے کہا وہ آدمی دانیال تھا۔ میں نے کہا: تمہارے خیال میں انہیں فوت ہوئے کتنی مدت ہو گئی ہے؟ اس نے کہا تین سو سال، میں نے پوچھا ان کی کوئی شے تبدیل ہوئی ہو؟ اس نے کہا نہیں سوائے گدی کے چند بالوں کے کوئی شے تبدیل نہیں ہوئی۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے گوشت کو نہ زمین بوسیدہ کرتی ہے اور نہ درندے اسے کھاتے ہیں۔

① البداية والنهاية ج٢ ص ٣٨ واغاثة اللهفان ١/٢٢٢ واقتضاء الصراط المستقيم ص ٣٣٩

اس میں کچھ اختلاف ہے مؤرخین کے درمیان کہ کیا یہ شخص سیدنا دانیال علیہ السلام تھے یا کوئی اور شخص تھا۔ چنانچہ بعض مؤرخین کہتے ہیں: یہ شخص سیدنا دانیال علیہ السلام تھے۔ جیسا کہ روایت سے ثابت ہے اور کچھ حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ شخص سیدنا دانیال علیہ السلام نہیں تھے۔ جو کہ نبی ہیں بلکہ کوئی اور صالح آدمی تھا کیونکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا۔ اور دونوں کے درمیان جو فترہ (درمیانی زمانہ) ہے جس کو فترۃ الرسل کہا گیا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ فترہ چار سو سال ہے۔ اور بعض کے نزدیک چھ سو سال ہے اور بعض تو چھ سو بیس سال بتاتے ہیں۔ اور اوپر والی روایت میں تین سو سال کا ذکر ہے اس لئے یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ شخص سیدنا دانیال علیہ السلام جو کہ نبی ہیں وہ نہیں بلکہ یہ کوئی اور صالح انسان ہوگا۔ اور یہ مسئلہ کتب تاریخ مثلاً: "البدایۃ والنہایۃ" وغیرہ میں بسط وتفصیل کے ساتھ موجود ہے وہاں پر مراجعت کرلیں۔ اس سے ہماری بحث نہیں کہ یہ شخص سیدنا دانیال علیہ السلام تھے جو کہ نبی ہیں یا کوئی اور رجل صالح غیر نبی تھا بلکہ ہماری اصل بحث یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کو جب یہ مبارک جسد ملا ہے۔ تو انہوں نے اس کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کیا؟ اور روایت کی سند بھی صحیح ہے چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ روایت کو نقل کرنے کے بعد اس کی سند کے متعلق فرماتے ہیں:

وهذا إسناد صحيح إلى أبي العالية. (1)

ترجمہ: یہ سند ابوالعالیہ تک صحیح ہے۔

سلف صالحین (صحابہ وتابعین) کے اس فعل وعمل اور معاملہ سے کہ جنہوں نے اس جسدِ مبارک کے ساتھ کیا تھا صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصائب ومشکلات اور نوائب وشدائد کے وقت قبروں کے پاس بیٹھنا، قبروں کے ہاں نماز پڑھنا، اصحاب قبور کے واسطہ سے اپنی حاجات کو مانگنا، قبروں کے ہاں مجاور بننا اور قبروں کے آس پاس اعتکاف ومراقبہ اور چلہ کشیاں کر کے بیٹھے رہنا نہ فضیلت رکھتا ہے نہ سنت ومستحب ہے اور نہ ہی جائز ومشروع ہے کیونکہ اگر یہ سب اعمال جائز ومشروع ہوتے تو مہاجرین وانصار اس پائے ہوئے جسدِ اطہر کو مخفی وگمنام دفن کرنے کے بجائے اس قبر کو متعین ومشخص کر کے پکا بنا کے اس کے اوپر قبہ بناتے تا کہ ان کے بعد آنے والوں کے لئے ایک قابل اتباع سنت متبعہ بن جاتی، چنانچہ مذکورہ روایت کے نقل کرنے کے بعد امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ففي هذه القصة مافعله المهاجرون والأنصار من تعمية قبره لئلا يفتتن به الناس ولم يبرزوه للدعاء عنده والتبرك به، ولو ظفر به المتأخرون لجالدوا عليه بالسيوف ولعبدوه من دون الله، فهم قد

مہاجرین اور انصار صحابہ نے اس واقعہ میں جو کیا وہ صحیح کیا کہ انہوں نے سیدنا دانیال علیہ السلام کی قبر کو گمنام کر دیا تا کہ لوگ اس وجہ سے فتنے میں نہ پڑیں اور انہوں نے دعا وغیرہ کے لئے بھی اس قبر کو ظاہر نہیں کیا۔ بعد والے اگر اس قبر کو

(1) البداية والنهاية ج ٢ ص ٤٩



اتخذوا من القبور أوثاناً من لایدانی هذا ولایقاربه. وأقاموا لها سدنة وجعلوها معابد أعظم من المساجد فلو كان الدعاء عند القبور والصلاة عندها والتبرک بها فضيلة أوسنة أومباحًا لنصب المهاجرون والأنصار هذا القبر علما لذلک، ودعوا عنده وسنوا ذلک لمن بعدهم، ولكن كانوا أعلم بالله ورسوله ودينه من الخلوف التي خلفت بعدهم وكذلک التابعون لهم بإحسان راحوا على هذا السبيل. وقد كان عندهم من قبور أصحاب رسول الله صلى الله عليه تعالىٰ وآله وسلم بالأمصار عدد كثيروهم متوافرون، فمامنهم من استغاث عند قبر صاحب ولا دعاه ولا دعابه ولا دعا عنده ولا استشفى به ولا استسقى به ولا استنصربه ومن المعلوم أن مثل هذا مما تتوفر الهمم والدواعي على نقله بل على نقل ماهو دونه. وحينئذ فلا يخلو لما أن يكون الدعاء عندها والدعاء بأربا بها أفضل منه في غير تلک البقعة أولا يكون. فإن كان أفضل فكيف خفي علماً وعملاً على الصحابة والتابعين وتابعيهم؟ فتكون القرون الثلاثة الفاضلة جاهلةً بهذا الفضل العظيم وتظفر به الخلوف علماً وعملاً؟ ولايجوز أن يعلموه ويزهدوا فيه مع حرصهم على كل خير لاسيما الدعاء فإن المضطر يتشبث بكل سبب

ڈھونڈ نکالتے تو تلواروں سے یہاں لڑائی ہوتی اور اللہ کو چھوڑ کر ان (دانیال) کی پرستش شروع کر دیتے اس لئے کہ انہوں نے تو ایسے لوگوں کی پوجا شروع کر رکھی ہے جو مقام ومرتبہ میں ان (دانیال) کے ہم پلہ بھی نہیں ہیں اور اس کے نگران مقرر کر لیتے اور اسے مسجدوں سے بڑھ کر عبادت خانہ بنا لیتے۔قبر کے پاس اگر دعا کرنا اور ان کے پاس نماز پڑھنا اور قبر کو متبرک جاننا فضیلت ومرتبہ کا کام ہوتا یا سنت اور جائز ہوتا تو صحابہ کرام مہاجرین و انصار ضرور دانیال کی قبر پر کوئی علامت لگا لیتے اور وہاں دعائیں کرتے اور بعد والوں کے لیے سنت جاری کر جاتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعد میں آنے والوں کی نسبت اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کے دین کو زیادہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح تابعین نے وہی راستہ اپنایا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنایا تھا۔ تابعین کے سامنے مختلف علاقوں میں صحابہ کرام کی کثیر تعداد میں قبریں موجود تھیں۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی ان قبروں میں مدفون صحابہ کرام سے نہ استغاثہ (مدد طلب کرنا) کیا نہ ان کو پکارا نہ دعا میں ان کا وسیلہ بنایا اور نہ ان کی قبر کے پاس دعا کی، اسی طرح شفاء وبارش اور مدد بھی ان سے طلب نہیں کی۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اس قسم کے واقعات کو نقل کرنے کے اسباب ودواعی بھی بکثرت موجود ہوتے ہیں بلکہ اس سے کم تر واقعات بھی نقل ہوتے ہیں۔ تو ان قبروں کے پاس یا ان قبر والوں سے دعا کرنا دو باتوں سے خالی نہیں یا تو وہاں دعا

وإن كان فيه كراهة ما فكيف يكونون مضطرين في كثير من الدعاء وهم يعلمون فضل الدعاء عند القبور ثم لا يقصدونه؟ هذا محال طبعاً وشرعاً فتعين القسم الآخر وهو أنه لافضل للدعاء عندها ولا هو مشروع ولا مأذون فيه بقصد الخصوص بل تخصيصها بالدعاء عند ها ذريعة إلى ماتقدم من المفاسد ومثل هذا ممالا يشرعه الله ورسوله البتة بل استحباب الدعاء عندها شرع عبادة لم يشرعها الله ولم ينزل بها سلطانا .①

کرنا افضل ہے یا نہیں۔ اگر افضل ہوتا تو یہ صحابہ وتابعین و تبع تابعین سے جو کہ علم وعمل میں سب سے زیادہ تھے مخفی کیسے رہا؟ کیا پہلی تین خیر القرون صدیاں اس عظیم فضل سے جاہل رہیں؟ اور بعد میں آنے والوں کو اس علم اور عمل کا پتہ چل گیا؟ یہ جائز نہیں کہ ان (صحابہ) کو کسی شے کا علم ہو اور وہ اس میں عمل کی رغبت نہ رکھیں باوجودیکہ وہ خیر کے کاموں میں بہت حریص تھے خصوصاً دعا کیلئے، کیونکہ مضطر ولاچار تو ہر وسیلے سے مدد وسہارا چاہتا ہے اگر چہ اس میں کچھ کراہت ہی ہو۔ پس یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ بہت سے مجبور ولاچار بہت سی دعاؤں کی فضیلت جانتے ہوئے بھی قبروں کا قصد نہ کریں؟ یہ شرعی اور طبعی طور پر محال ہے، لہذا اس وضاحت سے دوسری قسم کا تعین ہوگیا کہ قبروں کے پاس دعا کی کوئی فضیلت نہیں نہ یہ جائز ہے اور نہ اس کی اجازت ہے.......................؟؟

بلکہ ان قبروں کے پاس خصوصی طور پر جا کر دعا کرنا مفاسد کو جنم دیتا ہے، اس جیسی چیزوں کو نہ اللہ نے مشروع قرار دیا ہے نہ اس کے رسول نے،......؟ بلکہ قبروں کے ہاں دعا کو افضل ومستحب جاننا ایک ایسی عبادت کی ایجاد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس کی دلیل اتاری ہے۔

چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر اس بات کو زوردار الفاظ میں تحریر کرتے ہیں کہ دنیا میں کسی بھی شخص کی قبر پر نماز پڑھنے کے لئے قصد کرکے یا اس جگہ کو متبرک سمجھ کر جانا درحقیقت اللہ اور رسول ﷺ سے عداوت و دشمنی قائم کرنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

فأما إذا قصد الرجل الصلاة عند بعض قبور الأنبياء أوبعض الصالحين متبركاً بالصلاة في تلك البقعة فهذا عين المحادة لله ورسوله و المخالفة لدينه

آدمی اگر انبیاء وصالحین کی قبور کے پاس نماز کا قصد کرے ان جگہوں کو متبرک جانتے ہوئے تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کے دین کی مخالفت ہے۔ اور ایک ایسے دین

① اغاثة اللهفان ج ١ ص ٢٢٢،٢٢٣ / اقتضاء الصراط المستقيم ص ٣٣٩-٣٤٠



وابتداع دین لم یأذن الله به فإن المسلمین قد أجمعوا علی ما علموه بالاضطرار من دین رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم من أن الصلاة عند القبر أیّ قبر کان لافضل فیها لذلک ولا للصلاة فی تلک البقعة مزیة خیر أصلاً بل مزیة شر. ①

کی بنیاد ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ بے شک مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے جو انہوں نے ضروری طور پر رسول اللہ ﷺ کے دین سے سمجھا ہے کہ کسی بھی قبر کے پاس نماز ادا کرنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ اس جگہ میں نماز کی کوئی خوبی ہے بلکہ اس میں شر ہی شر ہے۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو تتبع آثار سے منع کرنا

سلف صالحین نہایت دور اندیشی سے شرک و بدعات اور خرافات کے اسباب وذرائع سے بھی لوگوں کو ڈرا کر منع کرتے تھے چنانچہ اس بارے میں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے واقعات خصوصیت کے ساتھ مشہور ومعروف ہیں کہ آپ لوگوں کو تتبع آثار النبی ﷺ سے شدت وسختی کے ساتھ منع کرتے تھے۔ ان مشہور واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ مکہ مکرمہ کو جارہے تھے تو آپ نے لوگوں کو کسی مکان میں صبح کی نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ لوگ اِدھر اُدھر دوڑتے جارہے ہیں اور پھر جب آپ نے لوگوں کے اس طرح جانے کی حقیقتِ حال دریافت کی تو آپ کو بتایا گیا کہ یہاں پر رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ اس لئے لوگ حصول برکت کیلئے ان جگہوں پر نمازیں پڑھتے ہیں جہاں آپ ﷺ نماز پڑھتے تھے۔ تو یہ سنتے ہی فوراً سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس تتبع آثار والے اعمال سے شدت وسختی کے ساتھ منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ اسی تتبع آثار والے اعمال ہی کی وجہ سے ہلاک وبرباد ہوئے۔ چنانچہ اصل روایت ملاحظہ فرمائیں:

فروی غیر واحد عن المعرور بن سوید قال: صلیت مع عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی طریق مکة صلاة الصبح فقرأ فیها ألم تر کیف فعل ربک بأصحاب الفیل، لإیلف قریش، ثم رأی الناس یذهبون مذاهب فقال أین یذهب هؤلاء فقیل: یا أمیر المؤمنین! مسجد صلی فیه النبی

ترجمہ: معرور بن سوید کہتے ہیں میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکے کے راستے میں صبح کی نماز پڑھی تو انہوں نے اس میں سورۂ (اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيْلِ) اور (لِإِيلٰفِ قُرَيْشٍ) تلاوت کی پھر دیکھا کہ لوگ اِدھر اُدھر جارہے ہیں تو انہوں نے فرمایا: یہ لوگ کہاں جارہے ہیں؟ لوگوں نے عرض کی اے امیر المؤمنین! اس جگہ کی طرف

① اقتضاء الصراط المستقیم ص: ۳۳۴



صلى الله تعالیٰ علیه وآله وسلم فهم یصلون فیه، فقال إنما هلک من کان قبلکم بمثل هذا، کانوا یتبعون آثار انبیاء هم، ویتخذونها کنائس وبیعا فمن أدرکته الصلاة منکم فی هذه المساجد فلیصل ومن لافلیمض ولا یتعمدها. ①

جارہے ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، یہ بھی وہاں نماز پڑھیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، تم سے پہلے لوگ اسی طرح کے کاموں کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے کہ وہ بھی انبیاء کے نشانات تلاش کرکے وہاں کنیسہ اور گرجا گھر بنالیتے تھے۔ اگر اس قسم کی مسجدوں میں نماز کا وقت ہوجائے تو نماز وہاں ادا کرلو ورنہ چلتے بنو اور ان جگہوں کا رخ مت کرو جہاں وقت ہو وہیں نماز ادا کرو۔ (ان مساجد کو تلاش کرکے وہاں نماز پڑھنا سنت سے ثابت نہیں)

اور محمد بن وضاح کے واسطہ سے تتبع آثار کے متعلق سلف صالحین کے طرزِ عمل کو بیان کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فقال محمد بن وضّاح، کان مالک وغیره من علماء المدینة یکرهون إتیان تلک المساجد وتلک الآثار التی بالمدینة ما عدا قباء وأحدًا ودخل سفیان الثوری بیت المقدس وصلی فیه ولم یتبع تلک الآثار ولا الصلاة فیها. ②

محمد بن وضاح فرماتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ اور دوسرے مدینہ منورہ کے علماء ان مساجد میں آنا (جہاں رسول اللہ ﷺ نے کبھی نماز پڑھی ہو یا آرام کیا ہو) مکروہ جانتے تھے سوائے مسجد قبا اور احد پہاڑ کے۔ امام سفیان رحمہ اللہ جب بیت المقدس گئے تو اس کے ایک طرف نماز پڑھ لی کوئی خاص مقامِ زیارت تلاش نہیں کیا اور نہ وہاں نماز پڑھی۔

قبروں کے سامنے نماز پڑھنا سلف صالحین کے نزدیک ایک امر مبغوض تھا

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

عن أبی مرثد الغنوی، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتجسلوا علی القبور ولا تصلوا إلیها. ③ (صحیح مسلم)

ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہ بیٹھو تم قبروں پر اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو۔''

---

① اغاثة اللهفان ج ۱ ص ۲۲۳ / اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۸۶، کتاب البدع والنهی عنها: ص ۴۱

② اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۸۶

③ رواه مسلم، کتاب الجنائز، باب النهی عن الجلوس علی القبر و الصلاة علیه/ مسند أبی عوانة ج ۱ ص ۳۹۸، باب حظر الصلاة إلی المقابر.



اس حدیث کے مطابق سلف صالحین قبروں کے ہاں نماز پڑھنے کو مکروہ ومبغوض اور منہی عنہ سمجھ کر لوگوں کو اس سے شدت و سختی کے ساتھ منع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو کسی قبر کے نزدیک نماز پڑھ رہے تھے۔ دیکھتے ہی فوراً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کلمہ تحذیر کے ساتھ ان کو منع کر دیا۔ جیسے کہ صحیح بخاری میں روایت یوں آئی ہے۔

ورأى عمر انس بن مالك يصلي عند قبرٍ. فقال: القبر القبر ولم يأمره بالإعادة .① (صحيح بخاری)

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا یہ قبر ہے اس سے بچو۔ لیکن نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اذہان میں یہ امر راسخ و مسلم ہو چکا تھا کہ قبروں کے نزدیک نماز پڑھنا ایک امر مبغوض اور منہی عنہ تھا جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول سے معلوم ہوا۔ باقی رہی یہ بات کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک قبروں کے ہاں نماز پڑھنا ایک امر مبغوض ومکروہ تھا تو سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کیوں قبر کے نزدیک نماز پڑھ رہے تھے؟ کیا ان کا یہ فعل وعمل اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آپ قبروں کے نزدیک نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے؟ حاشا وکلا جب کہ قبروں کے نزدیک نماز پڑھنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نہی موجود ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کہ جس نے پورے دس برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اس کو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کلیۃً یاد نہ ہو یا صراحۃً اس کی مخالفت کر کے قبور کے نزدیک نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہوں؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یا تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا ہی نہیں ہے یا دیکھا تو تھا مگر اس کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ کوئی قبر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ سے وقتی طور پر ذہول وبھول ہو گئی ہو اور پھر جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو متنبہ کیا تو آپ سنبھل گئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو متنبہ کیا تو آپ بغیر کسی مباحثہ ومناقشہ کے ہٹ گئے۔ چنانچہ امام ابن قیم رحمہ اللہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی توجیہ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

وفعل انس رضى الله عنه لا يدل على اعتقاده جوازه فانه لعله لم يره أولم يعلم أنه قبر أوذهل عنه فلما نبهه عمر رضى الله عنه تنبه .②

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا یہ فعل جواز پر دلالت نہیں کرتا ممکن ہے انہوں نے قبر دیکھی نہ ہو یا انہوں نے خیال نہ کیا ہو یہ قبر ہے، یا ان کو بھول ہو گئی ہو، جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے توجہ دلائی تو انہیں معلوم ہوا کہ یہ قبر ہے۔

---

① رواه البخاری تعلیقاً، کتاب الصلاة باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد.

② إغاثة اللهفان ج ١ ص ٢٠٦



شجرہ بیعۃ الرضوان کو کاٹنا

آپ حضرات کو صلح حدیبیہ کا واقعہ اچھی طرح سے معلوم ہے کہ ۶ ھ میں جب کہ رسول اللہ ﷺ چودہ یا پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ عمرہ ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے جب آپ ﷺ اپنے جانثاروں کے ساتھ حدیبیہ کی وادی پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو دخول مکہ سے منع کر کے یہیں پر روک دیا تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر مقرر کر کے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کیا کہ جاؤ مشرکین مکہ کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم نہ کسی سے لڑنے کیلئے آئے ہیں اور نہ ہی کسی کے علاقے پر قبضہ کرنے کے لئے بلکہ ہمارا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے گھر کا طواف ہے۔ قصہ مختصر جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں آ کر مشرکینِ مکہ کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا تو مشرکینِ مکہ اپنے اسی قدیم و دیرینہ کبر و غرور پر ڈٹے رہے کہ یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا کہ محمد ﷺ ہماری آنکھوں کے سامنے آ کر کعبۃ اللہ کا طواف کریں اور ہم اپنی آنکھوں سے اسے دیکھتے رہیں۔ اور پھر مشرکین مکہ نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں مکہ میں قید کر لیا۔ ادھر سے تو یہ ہوا اور وہاں مسلمانوں کے ہاں یہ بات غلط مشہور ہو گئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مشرکینِ مکہ نے قتل کر دیا ہے۔ تو اس خبر نے عام مسلمانوں کو اور بالخصوص رسول اللہ ﷺ کو سخت پریشان کر دیا۔ جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بدلے انتقام کیلئے مشرکین مکہ کے ساتھ مکمل جہاد کا اعلان کر کے اپنے جاں نثاروں کو جہاد کی ترغیب دے کر ارشاد فرمایا کہ آؤ میرے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کر لو کہ کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹو گے۔ اور پھر آپ ﷺ ایک سمرہ (ببول) کے درخت کے نیچے بیعت لینے کے لئے بیٹھ گئے تو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک پر اس درخت کے نیچے چودہ اور ایک روایت کے مطابق پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جہاد پر بیعت کر لی۔ اور چونکہ بیعت کرنے والے اپنے اس عمل میں صادق و مخلص تھے۔ تو ان کی اس صداقت و اخلاص کی بنیاد پر اللہ علیم و خبیر نے غیر مشروط طور پر ان کے حق میں اپنی رضامندی کا یوں اعلان کر دیا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ①

ترجمہ: (اے پیغمبر) اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہو چکا جب وہ (کیکر یا ببول کے) درخت کے نیچے (حدیبیہ میں) آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جان لیا جو (اخلاص) ان کے دلوں میں تھا تو ان کے (دلوں پر) تسلی اتار دی اور ایک نزدیک والی فتح ان کو انعام میں دی۔

جب اس بیعت کی اطلاع مشرکینِ مکہ کو ملی تو چونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو بارہا آزما چکے تھے اور ان کو یہ مکمل یقین تھا کہ

① سورة الفتح آية رقم: ١٨

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔اس لئے بیعت کی اطلاع ملتے ہی مشرکینِ مکہ نے فوراً سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قید سے رہا کر دیا۔مگر بیعت پہلے ہی مکمل ہو چکی تھی۔اور مبایعین (بیعت کرنے والوں) کو رضائے الٰہی کا انعام مل چکا تھا۔

اسلام میں یہ بیعت بیعۃ الرضوان کے نام سے مشہور و معروف ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چودہ یا پندرہ سو مبایعین سے اپنی رضا مندی کا عام اعلان کر دیا۔

واقعہ صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کتب صحاح وحسان میں بڑی بسط و تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔اور چونکہ یہ مسئلہ ہماری اصل مبحث سے خارج ہے اس لئے ہمیں اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔اس مسئلہ پر ہم نے کچھ تفصیل اپنی کتاب ''غزوات الرسول'' میں تحریر کی ہے۔

باقی یہاں پر ہمارا اصل مقصد صرف اور صرف اس درخت سے ہے کہ جس کے نیچے بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے جاں نثاروں سے جہاد پر بیعت لی۔کہ جس کے نتیجے میں بیعت الرضوان معرضِ وجود میں آئی ہے۔

تو اب دیکھنا یہ ہے کہ سلف صالحین نے اس فضیلت والے درخت کے ساتھ کون سا برتاؤ کیا اور ان کے ساتھ کس طرح کا معاملہ برتنے لگے۔سو معلوم ہونا چاہیے کہ جب تتبع آثار کے معاملات شروع ہونے لگے۔تو یہ فضیلت والا درخت بھی ان کے زد میں آ گیا۔چنانچہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کچھ لوگ تبرک کے لئے اس درخت کے نیچے جا کر نمازیں پڑھنے لگے جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ کی نظرِ عمیق اس کو گوارہ نہ کر سکی کہ کہیں رفتہ رفتہ یہ شرک کا اڈا نہ بن جائے۔اس لئے آپ نے فوراً اس عظیم الشان درخت کے کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔تو آپ کے اس فرمان کی تکمیل کرتے ہوئے اس دور کے مسلمانوں نے اس درخت کو جڑ و ریشہ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔جو کہ آج تک اس درخت کا نام و نشان ہی ختم ہو گیا۔

اور یہ واقعہ کتب سیر و تاریخ میں موجود ہے۔اب ہم وہ تاریخی روایت آپ حضرات کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

روى ابن وضاح في كتابه فقال: سمعت عيسى بن يونس يقول: أمر عمر بن الخطاب رضي الله عنه بقطع الشجرة التي بويع تحتها النبي صلى الله عليه وسلم فقطعها، لأن الناس كانوا يذهبون فيصلون تحتها فخاف عليهم الفتنة .①

ترجمہ: ابن وضاح اپنی کتاب میں روایت کرتے ہیں کہ میں نے عیسیٰ بن یونس سے سنا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا کہ جس کے نیچے نبی ﷺ کی بیعت کی گئی۔کیونکہ لوگ اس کے نیچے نمازیں پڑھنے کے لئے جاتے تھے اور آپ کو ان پر فتنہ کا ڈر پیدا ہوا۔

اب اندازہ لگایئے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کس درخت کو کاٹ کے اس کا نام و نشان ہمیشہ کے لئے ختم کر رہے ہیں۔اور

---

① إغاثة اللهفان ج ١ ص ٢٢٨

پھر ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس درخت کے ساتھ یہ سخت ترین معاملہ کس بنیاد پر کر رہے ہیں؟

کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو اس لئے کاٹا تھا کہ لوگ اس کو سجدہ وطواف کر رہے تھے؟ یا اس کے آس پاس بیٹھ کر اعتکاف ومراقبہ کر رہے تھے؟ یا اس کے پتوں کو اپنے مریضوں کی شفاء کیلئے جھاڑ کر لے جا رہے تھے؟ یا کہ لوگ اس درخت کو کسی پکی چار دیواری میں لا کر اس کے اوپر سنگ مرمر کا قبہ وگنبد بنانا چاہتے تھے۔ سو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ وہ درخت ہے کہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں کیا ہے اور یہ وہی درخت ہے کہ جس کے نیچے بیٹھ کر خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ شرکاء بدر واحد، عشرہ مبشرہ، خلفائے راشدین اور مہاجرین وانصار جیسی ہستیوں سے جہاد پر بیعت لے رہے تھے۔ یاد رکھیں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس فضیلت والے درخت کو کاٹا صرف اس لئے کہ لوگ تبرک کیلئے آ کر اس کے نیچے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ جیسے کہ اوپر والی روایت سے معلوم ہوا۔

مسلمانو! ذرا غور وفکر کر کے سوچو کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس عظیم الشان درخت کو صرف اس لئے جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ کہ لوگ تبرک کیلئے اس کے نیچے نمازیں پڑھا کرتے تھے تو پھر کیا حال ہوگا ہندوستان و پاکستان ومصر وشام اور عراق وایران وغیرہ کے ان ہزاروں لاکھوں پکی اور سنگ مرمر کی چار دیواروں، قبوں اور گنبدوں کا جو کہ اولیاء وبزرگوں (واقعی یا فرضی) کی قبور پر بنے ہوئے ہیں۔ جو کہ روزانہ چوبیس گھنٹے لوگوں کے حسین وجمیل چہروں کیلئے مسجود ومعبود بنے ہوئے ہیں۔ اونٹ، گائے، دُنبے اور بکریوں کے مذبحہ بن چکے ہیں۔ اور نذر ونیاز کے مرجع بنے ہوئے ہیں۔ ایمان سے پوچھ کر بتایئے کیا شجرۃ الرضوان کا کاٹنا اور اس کا نام ونشان ختم کرنا زیادہ حق وار ہے یا ان غیر رسمی پکی عمارتوں، گنبدوں اور قبوں کا کہ جن کے بنانے والے ایسے بنّاء ومستری تھے جو کہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک گناہوں اور ذنوب ومعاصی سے لدے ہوئے تھے؟ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ بنّاء ومستری اور ان کے محرکین کوئی مسلمان بھی تھے کہ نہیں؟ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فإذا كان هذا فعل عمر رضي الله عنه بالشجرة التي ذكرها الله تعالىٰ في القرآن وبايع تحتها الصحابة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم فماذا حكمه فيما عداها من هذه الأنصاب والأوثان التي قد عظمت الفتنة واشتدت البلية بها.①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب وہ درخت اکھاڑ دیا جس کا ذکر قرآن میں ہے اور اس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے بیعت لی تو اس کے علاوہ جو درخت یا بت یا آستانوں کا کیا حکم ہے؟ جن کے ذریعے سے فتنے بڑھ رہے ہیں اور مصیبتیں زیادہ ہو رہی ہیں۔

① اغاثة اللهفان ج ۱ ص ۲۲۸

قبروں کے اوپر جو قبے وگنبدیں بنی ہوئی ہیں چونکہ یہ غیر محترم ہیں اوران کے فاعلین رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کے مطابق ملعون ہیں اس لئے ان کا منہدم کر کے مٹانا مسلمانوں پر واجب وضروری ہے چنانچہ امام ابن قیم رحمہ اللہ ایسے قبے وگنبدوں کے متعلق اسلام کا حکم بیان کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

وأبلغ من ذلک أن رسول الله صلى الله عليه وسلم هدم مسجد الضرار ففي هذا دليل على هدم ما هو أعظم فسادًا منه كالمساجد المبنية على القبور فإن حكم الإسلام فيها أن تهدم كلها، حتى تسوى بالأرض وهي أولى بالهدم من مسجد الضرار وكذلک القباب التي على القبور يجب هدمها كلها لأنها أسست على معصية الرسول لأنه قد نهى عن البناء على القبور كما تقدم فبناءٌ أسس على معصيته ومخالفته بناءٌ غير محترم وهو أولى بالهدم من بناء الغاصب قطعاً وقد أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم بهدم القبور المشرفة كما تقدم، فهدم القباب أو البناء والمساجد التي بنيت عليها أولى وأحرى، لأنه لعن متخذي المساجد عليها ونهى عن البناء عليها فيجب المبادرة والمساعدة إلى هدم مالعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم فاعله ونهى عنه والله عزوجل يقيم لدينه وسنة رسوله من ينصرهما ويذب عنهما فهو أشد غيرة وأسرع تغييراً وكذلک يجب إزالة كل قنديل أوسراج على قبر و طفيه فإن فاعل ذلک ملعون بلعنة رسول الله

سب سے عمدہ بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ضرار کو گرادیا تھا، نبی علیہ السلام کے اس فعل سے یہ معلوم ہوا کہ جس شی کی خرابی مسجد ضرار سے بڑھ کر ہو اس کو گرانا بھی درست ہے، جیسے قبروں پر مسجدیں بنانا، ایسی مسجدوں کے متعلق شریعتِ اسلامیہ کا یہی حکم ہے کہ انہیں گرا کر زمین کے برابر کردیا جائے۔ مسجد ضرار کی نسبت انہیں گرانا زیادہ لائق ہے، اسی طرح قبروں پر ہر قسم کے قبے گرادیے جائیں کیونکہ ان سب کی بنیاد معصیت رسول اللہ ﷺ پر رکھی گئی ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر عمارتیں بنانے سے روکا ہے۔ ہر وہ عمارت جسکی بناء معصیت رسول ﷺ پر ہو اس کا شریعت میں کوئی احترام نہیں بلکہ وہ کسی کی زمین غصب کر کے اس پر بنائی جانے والی عمارت کی بہ نسبت یقینی طور پر گرائے جانے کے زیادہ لائق ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بلند (اونچی) قبروں کے گرانے کا حکم دیا ہے ان قبروں پر جو عمارتیں قبے اور مسجدیں بنائی گئی ہیں وہ گرائے جانے کے زیادہ لائق ہیں۔ کیونکہ ان قبروں پر عمارتیں اور مسجدیں بنانے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ اوران پر عمارتیں بنانے سے روکا ہے لہٰذا جسکو رسول اللہ ﷺ ملعون قرار دیں اسکو گرانے میں جلدی اور ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور سنت رسول ﷺ کو قائم کرنے کیلئے ایسے افراد تیار کردیتا ہے جو ان کی مدد کریں اور ان کا دفاع کریں۔ ایسے ہی قبروں پر



صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم ولا يصح هذا الوقف، ولا يحل إثباته وتنفيذه .①

قمقمے اور دیے وغیرہ ہٹا دیے جائیں اور انہیں بجھا دیا جائے اس قسم کے کام (قبہ وگنبد) بنانے والوں کو رسول اللہ ﷺ کی زبان پر ملعون کہا گیا۔ اور ایسی اشیاء کو وقف کرنا صحیح نہیں......؟

اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو مساجد انبیاء علیہم السلام اور صالحین اور حکام و بادشاہوں کی قبروں کے اوپر بنی ہوئی ہیں۔ ان کا منہدم کر کے مٹانا واجب وضروری ہے اور اس کے بارے میں معروفین علماء اسلام میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اب ان کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

فهذه المساجد المبنية على قبور الأنبياء والصالحين والملوك وغيرهم، يتعين إزالتها بهدم أوغيره، هذا مما لا أعلم فيه خلافاً بين العلماء المعروفين، وتكره الصلاة فيها من غير خلاف أعلمه، ولاتصح عندنا في ظاهر المذهب لأجل النهي الوارد في ذلك، ولأحاديث أخر .②

انبیاء، صالحین اور بادشاہوں وغیرہ کی قبروں پر بنی ہوئی مسجدوں کو گرانا اور زائل کرنا واجب ہے۔ اور معروف ومشہور علماء کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح ان مساجد میں نماز ادا کرنا مکروہ (منع) ہے، ان جگہوں میں نماز ادا کرنے کی جو مختلف احادیث میں نہی وارد ہوئی ہے اس وجہ سے نماز صحیح نہیں ہوگی۔

تتبع آثار کا مختصر جائزہ

یہاں پر ایک مسئلہ ہے تتبع آثار النبی ﷺ کا، اور اس سے ہمارا مقصود وہ اماکن ومقامات ہیں کہ جن میں رسول اللہ ﷺ اپنی حیات طیبہ میں نمازیں پڑھتے تھے یا وہاں پر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر دعائیں کیا کرتے تھے۔ تو کیا آپ ﷺ کے ان آثار کا تتبع کرنا چاہیے اور امت کے لئے آپ ﷺ کی ان جا ہائے نماز اور دعائیں کرنے کی جگہیں وغیرہ میں نمازیں پڑھنا اور وہاں پر جا کر دعائیں کرنا سنت ومستحب ہے اور جو شخص کہ آپ ﷺ کے ان آثار کا تتبع کرے گا وہ متبع سنت کہلائے گا؟

الجواب: سو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اماکن وبقاع جہاں رسول اللہ ﷺ نے نمازیں پڑھیں یا وہاں پر دعائیں کیں وہ دو طرح کی ہیں۔

الف۔ بعض تو وہ اماکن وبقاع ہیں کہ جن کے اندر آپ ﷺ نے قصد وتحری کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور وہاں پر دعائیں کیں تو ایسے اماکن وبقاع میں رسول اللہ ﷺ کے ان آثار کا تتبع سنت ہے آپ ﷺ کے اس طرح کے آثار کے تتبع کرنے والے

---

① إغاثة اللهفان ج ١ ص ٢٢٩

② اقتضاء الصراط المستقيم ص ١٣٠

متبعین سنت کہلائیں گے۔بعینہ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ اوقات سحر میں اٹھ کر نمازیں پڑھتے اور دعائیں کرتے تھے تو یقیناً ان اوقات میں اٹھ کر نمازیں پڑھنا اور دعائیں کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور آپ ﷺ کی اتباع وسنت ہے اس لئے آپ ﷺ کی اس طرح کی سنت کی اتباع کرنا چاہیے چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرکے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فأما الأمكنة التي كان النبي صلى الله عليه وسلم يقصد الصلاة والدعاء عندها، فقصد الصلاة والدعاء فيها سنة اقتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم، واتباعاً له، كما إذا تحرى الصلاة أو الدعاء في وقت من الأوقات فإن قصد الصلاة أو الدعاء في ذلك سنة كسائر عباداته وسائر الأفعال التي فعلها على وجه التقرب.①

وہ جگہیں جہاں رسول اکرم ﷺ نماز ادا کرتے یا وہاں دعا کرتے تو ان جگہوں کا نماز یا دعا کے لیے قصد کرنا سنت ہے اس میں نبی ﷺ کی اقتداء بھی ہے اور اتباع بھی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ جب نماز اور دعا کے لئے مخصوص اوقات تلاش کرتے ہیں تو ان اوقات میں نماز ادا کرنا یا دعا کرنا سنت کہلائے گا جیسا کہ آپ ﷺ کی دیگر عبادات اور افعال جو آپ ﷺ نے اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے کیے ہیں۔

اور اسی طرح مسجد نبوی میں ایک اسطوانہ ہے تو رسول اللہ ﷺ اسطوانہ کے ہاں قصد وتحری کے ساتھ آ کر نماز پڑھتے تھے، تو اس اسطوانہ کے ہاں قصد وتحری کے ساتھ نمازیں پڑھنا یقیناً سنت رسول ﷺ ہے اور آپ ﷺ کے اس اثر کا تتبع کرنے والا متبع سنت کہلائے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا یزید ابن ابی عبید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ صحابی کو دیکھا کرتا تھا۔ جو کہ تحری کے ساتھ آ کر اسی جگہ نمازیں پڑھا کرتے تھے اور پھر جب میں نے اس کی وجہ پوچھی تو سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی جگہ پر تحری کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

حدثنا المكي بن ابراهيم قال حدثنا يزيد بن أبي عبيد قال كنت آتي مع سلمة بن الأكوع فيصلي عند الأسطوانة التي عند المصحف، فقلت يا أبا مسلم أراك تتحرى الصلاة عند هذه الأسطوانة، قال: فإني رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يتحرى الصلاة عندها .② (صحيح بخاري)

ہمیں مکی بن ابراہیم نے حدیث سنائی وہ کہتے ہیں ہمیں یزید بن أبوعبید رحمہ اللہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ آیا کرتا تھا، تو وہ مصحف کے قریب کے ستون کے پاس نماز پڑھتے، میں نے کہا ابومسلم! آپ اسی ستون کے پاس ہی نماز پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ اس ستون کو تلاش کرکے اس کے پاس نماز ادا کرتے تھے۔

① اقتضاء الصراط المستقيم ص ۳۸۸

② رواه البخاري، كتاب الصلاة، باب الصلاة إلى الأسطوانة.

مذکورہ اسطوانہ منبر رسول اللہ ﷺ اور قبلہ کے درمیان کا ایک چھوٹا سا مکان ہے جو کہ بقدر بکری کے گزرنے کے ہے چنانچہ اس کی تعیین صحیح مسلم میں اس طرح آئی ہے۔

عن يزيد يعني ابن أبي عبيد، عن سلمة وهو ابن الأكوع، أنه كان يتحرى موضع مكان المصحف يسبح فيه وذكر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يتحرى ذلك المكان وكان بين المنبر والقبلة قدر ممرّ الشاة. ① (صحيح مسلم)

ترجمہ: یزید بن أبوعبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ مصحف کی جگہ کو تلاش کر کے وہاں نفلی نماز ادا کرتے اور فرماتے رسول اللہ ﷺ بھی اسی جگہ کو تلاش کرتے تھے اور یہ جگہ منبر اور قبلے کے درمیان بکری کے گزرنے کی جگہ کے بقدر تھی۔

یہ تو ہوئے وہ اماکن و بقاع کہ جن کے اندر رسول اللہ ﷺ قصد و تحری کے ساتھ عبادتیں کیا کرتے تھے، جیسے نماز و دعا وغیرہ تو آپ ﷺ کے اس طرح کے آثار کا تتبع کرنا، سنت و مستحب ہے۔ اور ایسا کرنے والے اشخاص متبع سنت کہلائیں گے۔

ب۔ دوسرے وہ اماکن و بقاع کہ جن میں رسول اللہ ﷺ نے اتفاقاً نمازیں پڑھیں یا وہاں پر دعائیں مانگیں بغیر اس کے کہ آپ ﷺ نے اس جگہ کو قصد و تحری کے ساتھ مخصوص کر کے یہ افعال انجام دیئے جیسے کہ جہاد اور حج و عمرہ وغیرہ کے اسفار میں جہاں کہیں نماز کا وقت آتا تھا۔ آپ ﷺ وہاں پر نماز پڑھتے تھے یا جہاں کہیں آرام کی ضرورت ہوتی تھی۔ تو آپ ﷺ وہاں پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ یا مثلاً جہاں کہیں دعا کی ضرورت پڑتی تھی تو آپ ﷺ وہاں پر دعائیں کیا کرتے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ کے ان افعال و اعمال کے یہ اماکن و بقاع چونکہ اتفاقاً تھے اور قصد و تحری کیساتھ نہیں تھے۔ اس لئے آپ ﷺ کے اس طرح کے آثار کا تتبع کرنا سنت و مستحب نہیں ہے۔ اور آپ ﷺ کے اس طرح کے آثار کی تتبع کرنے والا شخص متبع سنت نہیں کہلائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرن اول جو کہ خیر القرون میں افضل ترین قرن تھا۔ اپنے دور میں لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے اس طرح کے آثار کی تتبع سے شدت کے ساتھ منع کرتے تھے جیسے مثلاً جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ لوگ شجرۃ الرضوان کے نیچے جا کر نمازیں پڑھتے ہیں یا تبرک کیلئے وہاں پر دعائیں کرتے ہیں تو آپ نے فوراً شجرۃ الرضوان کے کاٹنے کا حکم دیا اور آپ کے اس حکم کی تعمیل بھی بروقت ہوگئی اور اس طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان جو رسول اللہ ﷺ کے اتفاقی مصلیات (جائے نماز) تھے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ پتہ چلا کہ لوگ آپ ﷺ کے ان مصلیات کا تتبع کر کے وہاں پر جا کر نمازیں پڑھتے ہیں تو آپ نے لوگوں کو اس سے شدت و سختی کے ساتھ منع کر دیا۔ جن کی پوری تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سوا رسول اللہ ﷺ کے اس طرح کے آثار کی تتبع

① رواه مسلم، كتاب الصلاة، باب دنو المصلي من السترة.



کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے بلکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے آثار کی تتبع کرنے سے روکا بھی ہے۔

اور آپ حضرات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اگر ایک صحابی کا قول وفعل اپنے ہم مثل کے قول وفعل کے خلاف ہوتو وہ حجت نہیں ہے چہ جائے کہ جمہور صحابہ کے اقوال وافعال کے خلاف ہو۔ اور یہ مسئلہ اصول فقہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ وہاں پر مراجعت کریں۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرکے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فأما قصد الصلاة في تلك البقاع التي صلى فيها اتفاقا فهذا لم ينقل عن غير ابن عمر من الصحابة بل كان أبوبكر و عمر و عثمان وعلي (رضي الله عنهم) وسائر السابقين الأوّلين من المهاجرين والأنصار يذهبون من المدينة إلى مكة حجاجاً وعماراً أومسافرين، ولم ينقل عن أحدمنهم أنه تحرى الصلاة في مصليات النبي صلى الله عليه وسلم ومعلوم أن هذا لو كان عندهم مستحبا لكانوا إليه أسبق فإنهم أعلم بسنته وأتبع لها من غيرهم وقد قال صلى الله عليه وسلم عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدث بدعة، وكل بدعة ضلالة، وتحرى هذا ليس من سنة الخلفاء الراشدين بل هو مما ابتدع وقول الصحابي وفعله إذا خالفه نظيره ليس بحجة فكيف إذا انفرد به عن جماهير الصحابة .①

ان جگہوں میں نماز کا قصد کرنا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقیہ نماز پڑھی تھی، تو اس بارے میں صحابہ کرام میں سوائے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اور کسی سے کچھ منقول نہیں جب کہ سیدنا ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اور دیگر مہاجرین وانصار میں سے سابقین الاولین مدینے سے مکے جاتے، حج وعمرہ کے لیے یا کسی دوسرے سفر میں جاتے تو ان میں سے کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز والی جگہوں کو تلاش کرکے وہاں نماز نہیں پڑھتا تھا۔ یہ بات واضح ہے کہ یہ کام اگر انکے ہاں مستحب ہوتا تو وہ ضرور اس کی طرف سبقت کرتے کیونکہ انہیں سنت کا علم بھی زیادہ تھا اور سنت کی پیروی بھی دوسروں سے زیادہ کرنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اس کو مضبوطی سے تھامو اور (خبردار) امور دینیہ میں نئی نئی ایجادات سے بچنا، کیونکہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہوتا ہے اور ہر بدعت گمراہی (کا سبب) ہے۔ ان جگہوں میں نماز ادا کرنا یا نماز کیلئے ان جگہوں کو تلاش کرنا خلفائے راشدین کا طریقہ نہیں تھا، بلکہ ایسا کام بدعی امور میں سے ہے، صحابی کا

① اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۸۹، ۳۹۰

قول یا فعل جب اس جیسے کسی دوسرے صحابی کے قول وفعل
کے مخالف ہوتو وہ حجت نہیں ہوتا پس کیونکر حجت ہوسکتا ہے
جب وہ جمہور صحابہ کی مخالفت کرے؟

اس طرح کی اور بھی مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں جیسے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وہ مشہور ومعروف وصیت کہ جس میں آپ نے اپنے عزیز واقرباء کو یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد جب مجھے دفن کروگے تو اونٹ کو ذبح کرنا اور اس کا چمڑا اتار کے اس کے گوشت کی تقسیم کی مدت تک میری قبر پر بیٹھے رہنا یہ آپ کی وصیت تھی۔

مگر آپ کی اس وصیت پر ہماری معلومات کے مطابق نہ ان "موصی لھم" نے عمل کیا کہ جن کو آپ نے وصیت کی تھی اور نہ کسی دوسرے صحابی نے اور نہ ہی آج تک امت اسلامیہ میں سے کسی فرد نے آپ کی اس وصیت کے مطابق عمل کیا۔

حالانکہ آپ کی یہ وصیت صحیح سند سے ثابت ہے۔اب اصل روایت ملاحظہ فرمائیں:

عن ابن شماسة المهری، قال: حضرنا عمرو بن العاص وهو في سياقة الموت...... فإذا أنامت فلا تصاحبني فائحة ولا نارٌ فإذا دفنتموني فَشُنُّوا على التراب شناً ثم أقيموا حول قبري قدر ماتنحر جزورٌ ويقسم لحمها حتى أستانس بكم، وأنظر ماذا أراجع به رسل ربي .① (صحيح مسلم)

ابوشماسہ مہری فرماتے ہیں: ہم عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی موت کے وقت حاضر ہوئے...... انہوں نے فرمایا: جب میری موت واقع ہوجائے تو میرے پاس کوئی نوحہ کرنے والی نہ آئے اور نہ میرے جنازے کے ساتھ آگ لیکر چلنا۔ جب مجھے دفن کرو تو میری قبر پر مٹی برابر کر کے میری قبر کے گرد اتنی دیر ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکے۔ یہاں تک کہ میں تمہارے ساتھ انس حاصل کروں اور دیکھ لوں کہ اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں؟

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتفاقی اماکن ومصلیات کی تتبع اور عدم تتبع آثار کے بارے میں جمہور صحابہ اور بالخصوص خلفائے راشدین کا عمل ہی صواب (درست) ہے۔چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولأن مافعله ابن عمر لم يوافقه عليه أحد من الصحابة، فلم ينقل عن الخلفاء الراشدين ولا عن غيرهم من المهاجرين والأنصار وأن أحدًا منهم

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر کسی صحابی نے موافقت نہیں کی اور مہاجرین وانصار اور خلفائے راشدین سے بھی کوئی شئ منقول نہیں۔ چند ایک صحابہ ان جگہوں کا قصد کیا

① رواه مسلم، كتاب الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ماقبله وكذا الهجرة والحج.



كان يتحرى قصد الأمكنة التي نزلها النبي صلى الله عليه وسلم والصواب مع جمهور الصحابة، لأن متابعة النبي صلى الله عليه وسلم تكون بطاعة أمره وتكون في فعله بأن يفعل مثل مافعل على الوجه الذي فعله فإذا قصد النبي صلى الله عليه وسلم العبادة في مكان كان قصد العبادة فيه متابعة له، كقصد المشاعر والمساجد، وإذا نزل في مكان بحكم الاتفاق لكونه صادف وقت النزول أوغير ذلك مما يعلم أنه لم يتحر ذلك المكان فإذا تحرينا ذلك المكان لم نكن متبعين له فإن الأعمال بالنيات. ①

کرتے تھے جہاں نبی ﷺ کسی ضرورت کے تحت ٹھہرے تھے۔حق اور درست بات جمہور صحابہ کے ساتھ ہے اس لیے کہ نبی ﷺ کی پیروی آپ کے حکم اور فعل میں اطاعت کرنے سے ہوتی ہے اور اسی طرح عمل کرنا چاہیے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا، آپ ﷺ نے اگر کسی مقام پر عبادت کا قصد کیا ہے تو اس مقام کی طرف عبادت کے قصد سے جانے میں آپ کی پیروی ہے۔جیسا کہ مشاعر اور مساجد کا عبادت کی نیت سے قصد ہے۔البتہ اگر آپ ﷺ کسی جگہ اتفاقاً اترے ہوں کہ یہاں ٹھہرنے کا وقت ہو گیا ہو یا کوئی وجہ ہو جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ آپ یہاں کسی خاص ارادے سے نہیں ٹھہرے، تو ایسی جگہ کا قصد کرنا آپ کی اتباع میں شامل نہیں، جبکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔

اھل توحید سے تنقیص اولیاء کے عنوان سے نفرت پیدا کرنا

شیطان بڑا مکار، مخادع اور صاحبِ حیل وتدبیر ہے۔ملعون سب سے پہلے قبر پرستوں کے دل ودماغ میں قبروں کی عظمت بٹھا دیتا ہے۔تو لوگ قبروں کی تعظیم کرنے پر کمربستہ ہو جاتے ہیں اور پھر جب لوگ اس گھوڑ دوڑ کی ٹریننگ والے میدان میں پختہ ہو کر قبروں کے شیدائی بن جاتے ہیں تو شیطان ان کو ایک قدم آگے لے جا کر کہتا ہے کہ آؤ اب ان بزرگوں کی قبروں سے مزید فیض حاصل کرنے کے لئے روزانہ، ہفتہ وار، ماہانہ اور سالانہ حاضری دیتے رہو تو لوگ قبروں پر میلے لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر جب قبروں کے عرس ومیلوں کا رنگ قبر پرستوں کے دل ودماغ پر تیر بھدف ہو کر چڑھ جاتا ہے تو اس کے بعد شیطان کا سب سے بڑا حربہ جو قبر پرستوں پر لگاتا ہے وہ ہے اہل توحید سے تنقیص اولیاء کے عنوان سے عداوت ونفرت پیدا کرنا اور وہ اس طرح کہ شیطان قبر پرستوں سے کہتا ہے کہ جو شخص تم کو ان بزرگوں اور اولیاء کی قبروں کے عرس ومیلوں، اعتکاف وطواف، نذر ونیاز دینے اور اپنی غائبانہ حاجت میں ان اصحاب قبور کی نداوپکار سے روکتا ہے حقیقت میں وہ شخص ان بزرگوں اور ولیوں کی تنقیص کرتا ہے۔ان کے

① اقتضاء الصراط المستقيم ص ٣٨٧

دل میں ان اولیاء کی کوئی وقعت نہیں ہے وہ ان اولیاء کی شان میں گستاخیاں کر کے ان کی توہین کرتا ہے۔ان بزرگوں کی عزت و عظمت اور قدر و قیمت ان کے دل میں نہیں۔بس یہیں سے اہل شرک وقبر پرستوں کے دلوں میں اہل توحید اور حق والوں کے بارے میں عداوت ونفرت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے جب بھی موحدین اور اہل حق مشرک اور قبر پرستوں کو شرک وقبر پرستی سے روکیں۔کہ اللہ کے بندو یہ سجدہ ورکوع طواف واعتکاف نذر ونیاز، غائبانہ حاجات کے لئے کسی کو پکارنا استغاثہ واستعانت یہ سب چیزیں عبادت ہیں اور عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور کسی بھی مخلوق کے لئے یہ چیزیں جائز نہیں ہیں تو مشرک لوگ، قبروں کے پجاری اور آستانہ پرست فوراً برہم ہو کر کہتے ہیں کہ دیکھو یہ وہابی لوگ اولیاء اللہ کو نہیں مانتے، یہ اولیاء کے دشمن ہیں یہ اولیاء اللہ اور بزرگوں کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے۔بس جس قدر اہل حق ان قبر پرستوں کو ان شرکیہ عقائد واعمال سے روکتے ہیں اسی قدر اہل شرک کے دلوں میں اہل حق کی عداوت ونفرت پیدا ہو جاتی ہے یہاں تک بہت سے اہل علم بھی کبھی کبھی اہل شرک سے مل کر اہل توحید سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں۔اور اپنے آپ کو ہی انبیاء واولیاء اور بزرگوں کا محب ومتبع سمجھتے ہیں اور اہل توحید کو ان کا گستاخ ودشمن سمجھتے ہیں۔جبکہ معاملہ پورا اس کے برعکس ہے کہ اصل میں انبیاء واولیاء اور بزرگوں کے محب ومتبع وہی اہل توحید ہیں جو کہ ان انبیاء واولیاء اور بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر دوسروں کو بھی ان کے طریقوں پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں ان کی قبروں کو سجدہ، رکوع، طواف واعتکاف اور نذر ونیاز دینے کی بجائے ان کی سنتوں اور طریقوں کو زندہ کرتے ہیں۔چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

ومن أعظم كيد الشيطان أنه ينصب لأهل الشرك قبر معظم يعظمه الناس ثم يجعله وثنا يعبد من دون الله، ثم يوحي إلى أوليائه أن من نهى عن عبادته واتخاذه عيداً وجعله وثناً فقد تنقصه وهضم حقه، فيسعى الجاهلون المشركون في قتله وعقوبته، ويكفرونه، وذنبه عند أهل الإشراك، أمره بما أمر الله به ورسوله ونهيه عما نهى الله عنه ورسوله من جعله وثناً وعيداً وإيقاد السرج عليه وبناء المساجد والقباب عليه وتجصيصه وإشادته وتقبيله واستلامه ودعائه أو الدعاء به أو السفر إليه

شیطان کے بڑے مکروں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مشرکوں، قبر پرستوں کے دلوں میں کسی بڑے آدمی کی قبر کی تعظیم وتوقیر بٹھا دیتا ہے، پھر لوگ اس کی تعظیم کرنا شروع کر دیتے ہیں، پھر اگلے مرحلے میں لوگ اللہ کے سوا اس قبر کی پوجا شروع کر دیتے ہیں، پھر شیطان اپنے دوستوں اور پیروکاروں سے کہتا ہے کہ جو لوگ اس (قبر والے) کی عبادت، اس پر میلہ لگانے یا ان کی پوجا سے روکتے ہیں وہ اس کی تنقیص اور اس کے حق میں کمی کرتے ہیں، تو مشرک اور جاہل ان (اہل توحید) کو قتل کرنے اور سزا دینے کو دوڑتے ہیں اور ان پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔



أو الاستغاثة به من دون الله مماقد علم بالاضطرار من دين الإسلام أنه مضاد لما بعث الله به رسوله من تجريد التوحيد لله وأن لايعبد إلا الله، فإذا نهى الموحد عن ذلك غضب المشركون واشمأزت قلوبهم وقالوا: قد تنقص أهل الرتب العالية وزعم أنهم لاحرمة لهم ولا قدر. وسرى ذلك في نفوس الجهال والطغام وكثير ممن ينسب إلى العلم والدين حتى عادوا أهل التوحيد ورموهم بالعظائم ونفروا الناس عنهم ووالوا أهل الشرك وعظموهم. وزعموا أنهم هم أولياء الله وأنصار دينه ورسوله، ويأبى الله ذلك، فما كانوا أولياءه، إن أولياؤه إلا المتبعون له، الموافقون له، العارفون لما جاء به، الداعون إليه لا المتشبعون بما لم يعطوا لابسوا ثياب الزور الذين يصدون الناس عن سنة نبيهم ويبغونها عوجاً، وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعاً. ①

مشرکوں کے نزدیک ان کا جرم صرف یہ ہے کہ یہ لوگ (اہل توحید) ان مشرکوں کو وہی حکم دیتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اور اسی چیز سے روکتے ہیں جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے روکا ہے۔ یعنی ان قبروں پر میلے لگانا، دیے روشن کرنا، ان پر مسجدیں اور قبے بنانا اور کسی بھی طریقے سے ان کی پوجا کرنے سے منع کیا ہے۔ اسی طرح قبروں کو پختہ بنانا، لیپ کرنا، چومنا، چھونا، ان کو پکارنا یا وہاں دعا کرنا یا ان کی طرف سفر کرنا، یا اللہ کے سوا کسی سے فریاد کرنا ان امور میں سے ہے جو حتمی طور پر اسلام کے مخالف ہیں یعنی وہ امور جن کے سد باب کیلئے اللہ نے اپنے رسول مبعوث کیے ہیں جن کا کام اللہ کی توحید کو خالص کرنا اور صرف ایک اکیلے اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دینا ہے۔

موحدین جب ان شرکیہ امور سے روکتے ہیں تو مشرکین ناراض ہو جاتے ہیں اور ان کے دل تنگی محسوس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے اہل مرتبت بزرگوں کی تنقیص کی ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی کوئی عزت یا قدر نہیں ہے تو یہ بات جاہل لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتی ہے بلکہ بہت سے اہل علم حضرات بھی اس پروپیگنڈے میں آ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اہل توحید سے عداوت اور لوگوں کو ان سے متنفر کرتے ہیں۔ جبکہ اہل شرک سے محبت اور ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور گمان کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے ولی اور اس کے دین اور رسول کی مدد کرنے والے ہیں۔ اللہ ان سب

① إغاثة اللهفان ج ا ص ۲۳۱



چیزوں کا انکار کرتا ہے۔ پس وہ اس کے دوست نہیں ہیں۔
اس کے دوست تو صرف وہ لوگ ہیں جو اس کی اتباع، اس کی
موافقت کرتے ہیں اور داعی جو دعوت دیتے ہیں۔ اس کو
پہچاننے والے ہیں جھوٹے لوگوں کی طرح نہیں کرتے کہ
جنہیں کوئی شے نہیں دی گئی مگر وہ اس کا اظہار کرتے ہیں اور وہ
جھوٹ کا لباس پہنتے ہیں جو روکتے ہیں لوگوں کو نبی کی سنت
سے اور اس میں وہ کجی تلاش کرتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں
کہ وہ اچھے عمل کر رہے ہیں۔

قبر پرست واہل شرک طعنہ تو اہل توحید کو دیتے ہیں لوگوں کو ان سے نفرت دلاتے اور انبیاء واولیاء کا دشمن سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے راستہ سے ہٹ کر شیطان کے راستوں پر چل کر متاع ایمانی کھو بیٹھے ہیں کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے:

اے چشم اشکبار ذرا دیکھنے تو دے
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا ہی گھر نہ ہو

اور اس بارے میں امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنے قصیدہ نونیہ میں کیا خوب کہا۔

أتحب أعداء الحبيب وتدعي ۔۔۔ حُبًّا له ما ذاك في إمكان
تم اپنے دوست کے دشمنوں سے محبت کرتے ہو (اور اسکے باوجود) اسکی محبت کا دعویٰ کرتے ہو؟ یہ بات بالکل خارج از امکان ہے

وكذا تعادي جاهداً أحبابه ۔۔۔ أين المحبة يا أخا الشيطان ①
اور اسی طرح تم پوری شدومد سے دوست کے پیاروں سے عداوت قائم کرتے ہو، اے شیطان کے بھائی یہ کیسی محبت ہے؟

وھمی و خیالی اور جھوٹے اماکن میں مزارات قائم کرکے شرک کے دروازے کھولنا

قبر پرست و آستانہ پرست جن قبروں، مزاروں، قبوں اور گنبدوں کو اپنے خیال وگمان میں اولیاء وصالحین اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی مرقد ومسکن سمجھتے ہوئے ان کے ہاں نذر ونیاز پیش کرتے، ان کے اردگرد اعتکاف وطواف کرتے، ان کی مٹی کو متبرک وشفاء سمجھتے اور طرح طرح کی عبادتیں کرتے ہیں تو ان کے یہ سارے کے سارے عقائد واعمال عبادت غیر اللہ ہونے کی

① القصيدة النونية، ص:١٥٨، فصل ٢ في النوع الثاني من نوعي توحيد الأنبياء والمرسلين المخالف لتوحيد المعطلين والمشركين.

وجہ سے یقیناً شرک ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ کیا ان قبروں، قبوں اور گنبدوں کی نسبت ان اصحاب قبور کی طرف صحیح و درست ہے یا نہیں۔ اور اگر نسبت صحیح و درست ہے تو پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ کیا وہ مقبورین واقع اور نفس الأمر میں اولیاء و صالحین بھی ہیں یا نہیں؟

الجواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے بعض قبریں، قبے اور گنبدیں ایسے بھی ہیں کہ جن اشخاص کی طرف ان کی نسبتیں کی گئی تو واقع میں بھی یہ نسبتیں ان کی طرف صحیح و درست ہیں اور ان اشخاص کی ولایت و بزرگی بھی صحیح و مسلم ہے مگر اکثر و بیشتر ان قبروں، قبوں اور گنبدوں کی نسبتیں جن اشخاص کی طرف کی گئی ہیں تو واقع میں یہ نسبتیں بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں بلکہ یہ صرف اور صرف قبر پرستوں کے خود ساختہ دجل و فریب ہیں کہ جن کا اصل مقصد قبر پرستی کو زندہ کرنا ہے کہ جس میں ان کا دنیوی مفاد بھی مضمر ہے۔ قبروں، قبوں اور گنبدوں کی نسبتیں اصحاب قبور کی طرف عام طور پر دو طرح سے غلط اور بے بنیاد ہوتی ہیں۔

۱۔ پہلا یہ ہے کہ جس ولی و بزرگ کے نام سے وہ قبر و قبہ یا گنبد مشہور ہے تو یہ نسبت کلیۃً غلط اور بے بنیاد ہے بایں معنیٰ کہ اس نام سے کوئی ولی و بزرگ ہوا ہی نہیں۔ جب ولایت و بزرگی کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ تو اس جگہ میں دفن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسے کہ یہاں ہندوستان، پاکستان اور ایران وغیرہ میں ہزاروں اور لاکھوں قبریں، قبے اور گنبد ہیں جو کہ قبر پرستوں نے یا تو محض قبر پرستی کو زندہ کرنے کے لئے یا جہالت علمی اور آباؤ و اجداد کی تقلید کی وجہ سے کسی شخص کے نام پر مشہور کر رکھے ہیں کہ یہ فلاں ولی مثلاً بچل شاہ، مٹھل شاہ، بدوح شاہ، معصوم شاہ، سخی سرور، سید عبداللہ شاہ بخاری، یوسف اور ولایت علی شاہ وغیرہ کی قبر و گنبد ہے اور حقیقت میں وہاں پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔

۲۔ اور دوسرا یہ کہ یہ قبریں، قبے اور گنبد جن اشخاص کی طرف نسبت کی گئی ہیں تو منسوب الیہم (جن کی طرف منسوب کی گئی ہیں) اشخاص واقع اور نفس الأمر میں ولی بزرگ اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تو ہیں مگر ان قبروں، قبوں اور گنبدوں کی نسبتیں ان کی طرف درست نہیں یعنی وہ ہستیاں ان اماکن منسوبہ میں مدفون نہیں ہیں۔

الف۔ جیسا کہ مصر میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر ایک قبہ اور گنبد بنا ہوا ہے جو کہ تاج الحسین، کے نام سے مشہور و معروف ہے اور جب سے یہ قبہ ایجاد کیا گیا ہے اس وقت سے لے کر آج تک یہ قبہ روزانہ ہزاروں اور لاکھوں حسین و جمیل چہروں کا مسجود و معبود اور قبلہ گاہ بنا ہوا ہے۔ اور وہ بھی محض اس خیال و گمان پر کہ یہاں پر سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا سر مبارک مدفون ہے۔ حالانکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سرزمین عراق کربلا کے میدان میں شہید ہوئے اور آپ کا جسد مبارک یہاں کربلا میں مدفون ہے۔ باقی رہا آپ کا سر مبارک جو کہ بدن سے جدا کر کے عبیداللہ بن زیاد گورنر کوفہ کے پاس پہنچایا گیا تھا۔ تو بعض مؤرخین حضرات کہتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد نے آپ کا سر مبارک کوفہ سے دمشق، یزید بن معاویہ خلیفہ کے پاس بھیجا اور کچھ حضرات اس کے منکر ہیں۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے اور پھر اس میں اختلاف ہے کہ آپ کا سر مبارک دمشق میں پہنچنے کے بعد کہاں اور کس جگہ پر دفن کر دیا گیا؟ معتبر روایات کے

مطابق یزید نے دمشق سے آپ کا سر مبارک عمرو بن سعید امیر مدینہ منورہ کے پاس بھیجا اور ابن سعید نے آپ کا سر مبارک مدینہ منورہ کے مشہور و معروف قبرستان، "بقیع الغرقد" میں آپ کی والدہ طاہرہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ دفن کر دیا۔ مؤرخین حضرات کے ہاں یہ روایت معتبر مانی جاتی ہے۔ اگرچہ ایک کمزور روایت یہ بھی ہے کہ آپ کا سر مبارک وہاں دمشق میں دفن کر دیا گیا ہے اب اس پر علماء مؤرخین کی تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔

فالمشهور عند أهل التاريخ وأهل السير أنه بعث به ابن زياد إلى يزيد بن معاوية ومن الناس من أنكر ذلك وعندى أن الأول أشهر فالله أعلم، ثم اختلفوا بعد ذلك في المكان الذى دفن فيه الرأس فروى محمد بن سعد، أن يزيد بعث برأس الحسين إلى عمرو بن سعيد نائب المدينة فدفنه عند أمه بالبقيع .①

اہل سیر اور تاریخ دانوں کے نزدیک یہ بات مشہور ہے کہ ابن زیاد نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کے پاس بھیجا تھا۔ جب کہ کچھ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور میرے نزدیک پہلی بات زیادہ مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر لوگ اس بارے میں بھی اختلاف کرتے ہیں کہ وہ سر کہاں دفن کیا گیا؟ محمد بن سعد رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق، یزید نے وہ سر عمرو بن سعید رحمہ اللہ حاکم مدینہ کے پاس بھیجا، اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بقیع میں دفن کر دیا۔

اور دمشق میں رأس الحسین کے دفن ہونے والی روایت ضعیف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے اس روایت میں دو ضعیف و کمزور راوی موجود ہیں اور وہ ہیں عثمان بن عبدالرحمٰن اور محمد بن عمر بن صالح چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وذكر ابن أبي الدنيا من طريق عثمان بن عبدالرحمن عن محمد بن عمر بن صالح وهما ضعيفان، أن الرأس لم يزل في خزانة يزيد بن معاوية حتى توفى، فأخذمن خزانته فكفن ودفن داخل باب الفراديس من دمشق .②

ابن ابی الدنیا عثمان بن عبدالرحمٰن سے وہ محمد بن عمر بن صالح سے (اور وہ دونوں ضعیف ہیں) ذکر کرتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کے خزانہ میں پڑا رہا حتیٰ کہ وہ (یزید) فوت ہو گیا تو اس کے خزانہ سے حاصل کر کے، اس کو کفن پہنا کر دمشق شہر کے فرادیس دروازے کے اندرون دفن کیا گیا۔

بہر حال جو بھی ہو خواہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک مدینہ منورہ میں دفن ہو یا دمشق میں مگر مصر میں سر مبارک کے دفن ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کیلئے نہ کوئی صحیح نقل (دلیل) ہے اور نہ ہی کوئی معقول وجہ ہے۔ بلکہ اس دجل و فریب اور مکر و حیلہ کی ذمہ داری ان کٹر اور غالی قبر پرست رافضیوں پر عائد ہوتی ہے جو کہ حصول اقتدار کی خاطر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اپنے

① البداية والنهاية ج٨ ص ٢٢٢ واللفظ له/ تاريخ الإسلام للذهبي ج٥ ص ٢٠/تاريخ الأمم الملوك: ٥/ ٤٦٣.
② البداية والنهاية ج٨ ص ٢٢٢



آپ کو فاطمی ظاہر کر کے چوتھی صدی ہجری کے وسط ۳۵۸ھ میں مصر پر قبضہ کرلیا۔ چنانچہ مذکورہ سن کے حوادث کو بیان کرتے ہوئے امام ابن الأثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم دخلت سنة ثمان وخمسين وثلاثمائة، ذكر ملك المعزّ العلوى مصر فى هذه السنة سَيّر المعز لدين الله أبوتميم معدُّبن اسمٰعيل المنصور بالله القائد أبا الحسن جوهراً غلام والده المنصور وهو رومى فى جيش كثيف إلى الديار المصرية فاستولى عليها .①

پھر ۳۵۸ھ کا آغاز ہوا، اس سن میں ملک المعز العلوی حاکم مصر کا ذکر معزلدین اللہ ابوتمیم معد بن اسمٰعیل المنصور باللہ نے اپنے فوجی کمانڈر ابوالحسن جوہر جوکہ اس کے والد منصور کا غلام تھا، اور یہ رومی النسل تھا، کو ایک بڑا لشکر دیکر مصر کے علاقوں کی طرف روانہ کیا اور اس نے ان علاقوں پر قبضہ کرلیا۔

اور پھر پانچویں صدی ہجری کے بعد انہی قبر پرستوں نے یہ دعویٰ کر کے مشہور کر دیا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک یہاں مصر میں پہنچ گیا ہے اور انہوں نے اس کو وہاں پر دفن کر دیا اور پھر ان رافضیوں نے یہ مشہور قبہ تاج الحسین کے نام سے بنا کر مشہور کر کے ان کو لوگوں کے حسین چہروں کے لئے معبود و مسجود بنالیا تو صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک جھوٹ، من گھڑت غلط اور بے بنیاد دعویٰ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں مدینہ منورہ سے مصر میں کیسے آیا، کیوں آیا اور لایا کس نے؟ اس لئے امت مسلمہ کے سارے اہل علم حضرات نے اس دعویٰ کو فاطمی رافضیوں کا دجل وفریب قرار دے کر رد کر دیا چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وادعت الطائفة المسمون بالفاطميين الذين ملكوا الديار المصرية قبل سنة أربع مائة إلى مابعد سنة ستين وستمائة أن رأس الحسين وصل إلى الديار المصرية ودفنوه بها وبنوا عليه المشهد المشهور به بمصر الذى يقال له تاج الحسين بعد سنة خمس مائه وقد نص غير واحد من أئمة أهل العلم على أنه لاأصل لذلک، وإنما أرادوا أن يروجوا بذلک بطلان ما ادعوه من النسب

فاطمیوں کے ایک گروہ نے دعویٰ کیا ہے، جو دیار مصر کے حکمران بنے ہیں، سن چار سو ہجری کے بعد سے لے کر چھ سو ساٹھ ہجری تک۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر دیار مصر پہنچا تو انہوں نے اسے وہیں دفن کر دیا اور اس پر مشہور درگاہ (زیارت) بنالی جسے تاج الحسین کہتے ہیں اور یہ چھٹی ہجری کا واقعہ ہے۔ اس کے بارے میں بہت سے اہل علم نے صراحت کی ہے کہ اس واقعہ کی کوئی اصل نہیں، جبکہ ان کا ارادہ صرف یہ ہے کہ نسب شریف میں غلط فہمی کا رواج دیں جس کا انہوں نے دعویٰ کیا

① الكامل فى التاريخ ج ٨ ص ٥٩٠



الشریف وھم فی ذلک کذبة خونة .①

ہے، جبکہ وہ اس معاملے میں جھوٹے اور خائن ہیں۔

ب۔ جس طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر لوگوں نے جھوٹا قبہ وگنبد بنا کر شرک کا اڈا بنالیا تو اسی طرح آپ کے والد محترم سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے نام پر بھی قبر پرستوں نے بغیر کسی سند ودلیل کے جھوٹے قبے وقبریں بنا کر پوجا پاٹ شروع کر دی جیسا کہ نجف میں (جس کو نجف اشرف کا نام دیا گیا ہے) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام پر قبہ وقبر بنا کر لوگوں کے حسین چہروں کے لئے معبود ومسجو ٹھہرالیا جو کہ وقتِ ایجاد سے لے کر آج تک شرک کا اڈا بنا ہوا ہے۔ جب کہ یہ قبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ہے ہی نہیں۔ چنانچہ اس پر مؤرخین کی تحقیق بعد میں آئے گی۔ کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دار الخلافہ کوفہ رہا ہے اور آپ کی شہادت بھی کوفہ میں ہی ہوئی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کے جسد مبارک کو یہاں کوفہ کے شہر اور بالخصوص قصرِ خلافت سے اٹھا کر اتنی بعید جگہ پر لے جا کر دفن کر دیا جائے اور وہ بھی بغیر کسی فضیلت اور سبب کے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مدفن میں اگرچہ کچھ اختلاف ہے کہ آپ کس جگہ میں دفن کر دیے گئے؟ چنانچہ بعض مؤرخین نے یہاں تک بھی کہا ہے کہ آپ کو کوفہ سے مدینہ منورہ میں لا کر ''بقیع الغرقد'' میں دفن کر دیا گیا ہے اور وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد واہل بیت نے آپ کو خارجیوں کے خطرہ کی وجہ سے گمنام طریقہ سے دفن کر دیا تاکہ خوارج آپ کو قبر سے رات یا کسی اور طریقہ سے نکال کر آپ کے جسد مبارک کے ساتھ کوئی بے حرمتی نہ کریں۔ مگر ان سارے اختلافات کے باوجود معتبر مؤرخین کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہ نجف میں مدفون ہیں اور نہ ہی مدینہ منورہ یا کسی اور جگہ میں بلکہ آپ کوفہ میں قصر خلافت کے اندر ہی مدفون ہیں اب اس پر مؤرخین کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

والمقصود أن علياً رضی الله عنه لما مات، صلی عليه ابنه الحسن فكبر عليه تسع تكبيرات ودفن بدار الإمارة بالكوفة، خوفاً عليه من الخوارج أن ينبشوا عن جثته، هذا المشهور .②

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کے فرزند سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جنازہ پڑھایا اور نو تکبیریں کہیں اور کوفہ میں دار الامارہ میں دفن ہوئے، اس سے مقصد یہ تھا کہ خوارج آپ کی قبر کو کھود کر آپ کے جسد مبارک کی بے حرمتی نہ کریں، اس واقعہ میں یہی مشہور ہے۔

اور اسی طرح امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ وغیرہ سند کے ساتھ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وحدثني الحارث قال حدثني ابن سعد عن محمد بن عمر، قال: قتل علي (عليه السلام) وهو ابن

مجھے حارث نے حدیث سنائی وہ کہتے ہیں مجھے ابن سعد نے محمد بن عمر سے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ

① البداية والنهاية ج۸ ص ۲۲۲
② البداية والنهاية ج۷ ص ۳۶۵



ثلاث وستين سنة صبيحة ليلة الجمعة لسبع عشرة ليلة من شهر رمضان سنة ۴۰، و دفن عند مسجد الجماعة فی قصر الإمارة .①

تریسٹھ سال کی عمر میں شہید کیے گئے، ۱۷ رمضان ۴۰ ہجری کو جمعہ کے دن فجر کے وقت آپ کو شہید کیا گیا، دارالخلافہ کی جامع مسجد کے پاس آپ کو دفن کیا گیا۔

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مدفن کے متعلق امام ابن کثیر رحمہ اللہ سیدنا جعفر الصادق رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وعن جعفر بن محمد الصادق قال: صلی علی علیّ ليلاً ودفن بالكوفة وعمّی موضع قبره، ولكنه عند قصر الإمارة .②

امام جعفر بن محمد الصادق سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جنازہ رات کے وقت پڑھایا گیا اور کوفہ ہی میں آپ کو دفنایا گیا اور آپ کی قبر کو مجہول رکھا گیا، البتہ قبر کی جگہ قصر الامارہ کے پاس ہی ہے۔

اور امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مدفن کے متعلق پوری سند کے ساتھ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أخبرنی الحسن بن أبی بكر، قال: كتب إلی محمد بن ابراهيم بن عمران الجوری من شيراز أن أحمد بن حمدان بن الخضر أخبرهم، قال: نا أحمد بن يونس الضبی قال حدثنی أبوحسان الزيادی، قال: دفن علی بالكوفة عند قصر الإمارة عند المسجد الجامع ليلاً وعمّی موضع قبره ويقال فی موضع القصر .③

مجھے حسین بن ابو بکر نے خبر دی وہ کہتے ہیں محمد بن ابراہیم بن عمران الجوری نے شیراز سے میری طرف لکھا کہ احمد بن حمدان بن الخضر نے انہیں خبر دی وہ کہتے ہیں ہمیں احمد بن یونس الضبی نے خبر دی وہ کہتے ہیں مجھے ابوحسان الزیادی نے حدیث سنائی انہوں نے کہا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں قصر الامارہ کے پاس جامع مسجد کے نزدیک رات کو دفن کیا گیا اور آپ کی قبر کو مجہول رکھا گیا۔ بعض لوگوں کے خیال سے شاہی محل میں دفن کیا گیا تھا۔

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت اور تعیین مدفن کو مؤرخین کے اقوال سے صحیح قرار دیتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وحاصل الأمر أن علياً قتل يوم الجمعة سحراً وذلك لسبع عشرة خلت من رمضان من سنة

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سن ۴۰ ہجری ۱۷ رمضان جمعہ کے دن سحری (فجر) کے وقت شہید کیا گیا، بعض نے کہا ہے

---

① تاريخ الأمم والملوك ج۴ ص ۱۱۶-۱۱۷ وشذرات اللهب ج۱ ص ۴۹
② البداية والنهاية ج۷ ص ۳۶۶ و تاريخ الإسلام ج۳ ص ۶۵۰-۶۵۱
③ تاريخ بغداد، ج۱ ص۱۳۷-۱۳۸ وطبقات ابن سعد ج۳ ص ۳۸ و مختصر تاريخ دمشق ج۱۸ ص ۹۴

أربعين وقيل أنه قتل في ربيع الأول، والأول هو الأصح الأشهر والله أعلم، ودفن بالكوفة عن ثلاث وستين سنة وصححه الواقدي وابن جرير وغير واحد. ①

کہ آپ کو ربیع الأول میں شہید کیا گیا جب کہ مشہور اور صحیح قول پہلا ہی ہے اور آپ کو کوفہ میں دفن کیا گیا جبکہ آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی، اس واقعہ کو واقدی، ابن جریر وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔

مؤرخین حضرات کی اوپر والی تحقیق سے صاف معلوم ہوا کہ سیدنا علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ کی قبر کوفہ میں قصر خلافت کے اندر ہے، باقی رہا نجف میں جو قبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام پر مشہور و معروف ہے جو کہ کعبۃ اللہ کی طرح روزانہ چوبیس گھنٹے طواف اور استلام کا مرکز بنی ہوئی ہے تو وہ کس کی ہے؟ سو معلوم ہو جائے کہ مؤرخین کی تحقیق کے مطابق وہ سیدنا مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔

چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وما يعتقده كثير من جهلة الروافض من أن قبره بمشهد النجف فلا دليل على ذلك ولا أصل له، ويقال إنما ذاك قبر المغيرة بن شعبة. ②

رافضیوں کا جو یہ عقیدہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نجف اشرف کے قبرستان میں مدفون ہیں، اس کی کوئی دلیل نہیں اور نہ اس کا کوئی اصل ہے، بلکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔

اور امام خطیب بغدادی وغیرہ نجف کی قبر و مزار کے متعلق مؤرخین کے اقوال کو سند کے ساتھ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر روافض کو صحیح معنوں میں نجف کی قبر کے مالک کا علم ہوتا تو وہ بجائے اس کے طواف واعتکاف اور بوسہ و تقبیل کے اس پر پتھر برساتے کیونکہ وہ سیدنا مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے اب ملاحظہ ہو امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی روایت:

حكى لنا أبونعيم أحمد بن عبدالله الحافظ، قال سمعت أبابكر الطلحي يذكر أن ابا جعفر الحضرمي مُطيناً كان ينكر أن يكون القبر المزور بظاهر الكوفة قبر عليّ بن أبي طالب عليه السلام وكان يقول لو علمت الرافضة قبر من هذا لرجمته بالحجارة هذا قبر المغيرة بن شعبة. ③

ابونعیم احمد بن عبداللہ نے ہمیں بیان کیا وہ کہتے ہیں میں نے ابوبکر طلحی سے سنا وہ ابوجعفر الحضرمی کا ذکر کر رہے تھے وہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ کوفہ سے باہر جس قبر کی لوگ زیارت کرتے ہیں وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ کہتے تھے اگر رافضیوں کو پتہ چل جائے کہ یہ کس کی قبر ہے تو وہ اسے پتھر ماریں، یہ قبر سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

---

① البداية والنهاية ج۷ ص ۳۶۶ واللفظ له / تاريخ الأمم الملوك ج۳ ص ۸۲
② البداية والنهاية ج۷ ص ۳۶۵
③ تاريخ بغداد ج۱ ص ۱۳۸ / مختصر تاريخ دمشق ج۱۸ ص ۹۹۵/ تاريخ الإسلام للذهبي ج۳ ص ۶۵۱



مؤرخین حضرات کی ماقبل تحقیق سے صاف واضح ہوا کہ سیدنا علی بن اَبی طالب رضی اللہ عنہ کی قبر کوفہ میں قصر خلافت کے اندر ہے۔اور نجف والی قبر جو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام پر مشہور ہے وہ حقیقت میں سیدنا مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔یہ ہے اصل حقیقت۔

نجف میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قبر کو کس نے اور کتنے صدیوں کے بعد مشہور کر دیا؟

اب جب یہ معلوم ہوا کہ واقع اور نفس الأمر میں نجف والی قبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نہیں ہے اس سے قطع نظر کہ وہ سیدنا مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے جیسا کہ مؤرخین حضرات نے لکھا ہے یا کسی اور کی ہے تو اس سے ہماری بحث نہیں مگر قابل طلب بات یہ ہے کہ جب نجف والی یہ قبر واقعۃً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نہیں ہے بلکہ یہ اس کے نام پر غلط مشہور کر دی گئی ہے تو سوال یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام پر یہ قبر کب مشہور ہوئی؟ اور کس نے مشہور کی؟ اور کس بنیاد پر مشہور کر دی گئی؟ سو یاد رکھیں کہ

الف۔ نجف والی قبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات سے تین سو سال کے بعد ظاہر ہوئی تو صاف ظاہر ہے کہ جو قبر اتنی طویل مدت کے بعد ظاہر ہوگی وہ کسی صورت میں بھی قطعی ویقینی نہیں ہو سکے گی۔خاص طور پر جب کہ اس کے لیے کوئی صحیح سند بھی نہیں ہے۔چنانچہ کچھ دیر بعد اس پر آگے گفتگو آ رہی ہے۔اب ذرا اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے شجرۃ الرضوان کے نیچے بیعت کرنے والوں کے کچھ احوال بھی سن لیں۔چنانچہ تابعین میں سے سیدنا طارق بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں:

کہ ایک مرتبہ جب میں حج کو جا رہا تھا تو راستہ میں میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو کہ ایک مخصوص جگہ پر نماز پڑھ رہے تھے تو میں نے ان سے کہا کہ یہ کون سی نماز کی جگہ ہے؟ انہوں نے کہا یہ شجرۃ الرضوان ہے۔تو طارق بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے فوراً سیدنا سعید بن میتب رحمہ اللہ کے پاس جا کر یہ سارا ماجرا سنایا تو سیدنا سعید رحمہ اللہ نے کہا کہ مجھے میرے والد محترم (المسیب بن حزن رضی اللہ عنہ) نے بتایا جو کہ شجرۃ الرضوان کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں سے تھے۔تو آپ (المسیب بن حزن رضی اللہ عنہ) نے فرمایا۔کہ جب دوسرے سال ہم اس راستہ سے نکلے تو ہم وہ درخت بھول گئے اور اس جگہ کا ہم کو پتہ نہ چل سکا۔ چنانچہ سیدنا سعید بن المسیب رحمہ اللہ ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ جب اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس درخت کو بعد میں نہ جان سکے تو تم نے کیسے جان لیا تم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم والے ہو۔اب ملاحظہ فرمائیں صحیح بخاری کی روایت:

عن طارق بن عبدالرحمان قال: انطلقت حاجًا فمررت بقوم يصلون، قلت ماهذا المسجد؟

طارق بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں حج کے لئے گیا تو راستے میں ایک جگہ لوگوں کو نماز پڑھتے پایا،

قالوا: هذه الشجرة حيث بايع رسول الله صلى الله عليه وسلم بيعة الرضوان فأتيت سعيد بن المسيب فأخبرته فقال سعيد: حدثني أبي أنه كان فيمن بايع رسول الله صلى الله عليه وسلم تحت الشجرة فلما خرجنا من العام المقبل نسيناها فلم نقدر عليها، فقال سعيد إن أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم لم يعلموها وعلمتموها أنتم وأنتم أعلم؟ ① (صحیح بخاری)

تو میں نے پوچھا یہ کون سی مسجد ہے؟ لوگوں نے کہا یہ وہ درخت ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی، پھر میں سعید بن میتب کے پاس آیا اور آپ کو بتایا تو سیدنا سعید نے کہا میرے والد نے مجھے بتایا کہ وہ بھی بیعت کرنے والوں میں سے تھا، لیکن جب ہم اگلے سال وہاں آئے تو ہم اس درخت کے مقام کو بھول گئے تھے ہمیں اس کا علم نہ ہو سکا، پھر سعید بن میتب نے کہا: بے شک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس درخت کو نہ جان سکے تو تم نے کیسے جان لیا تو کیا تم صحابہ سے زیادہ علم رکھتے ہو؟

اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں سیدنا المسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے یوں آیا ہے:

عن سعيد بن المسيب عن أبيه أنه كان ممن بايع تحت الشجرة، فرجعنا إليها العام المقبل فعميت علينا. ② (صحیح بخاری)

سعید بن میتب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی، وہ فرماتے ہیں جب ہم آئندہ سال وہاں آئے تو اس درخت کی ہمیں پہچان نہ ہو سکی۔

ذرا ایمان سے پوچھ کر بتایئے کہ جب صحابی رسول ﷺ کو دوسرے سال میں اس درخت کا علم نہیں کہ جس کے نیچے خود اس نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو بھلا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی موت سے تین سو سال کے بعد میں آنے والے لوگوں کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قبر کا پتہ کیسے چل سکا؟ اور وہ بھی بغیر سند کے۔

ب- نجف میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام پر اس قبر کا انکشاف بنو بُویہ کی وزارت کے زمانہ اور انہی کے ذریعہ سے ہوا ہے۔ اور آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ بنو بویہ وہ غالی اور کٹر قسم کے شیعہ تھے جو کہ خلافت عباسیہ کے دور میں وزارت عظمی کے عہدوں پر فائز رہے تھے۔ یاد رکھیں کہ خلفاء بنی عباس کے بدترین وزراء یہی بنو بویہ ہیں جو کہ غالی شیعہ ہونے کے ساتھ ساتھ عجمی النسل بھی تھے۔ اور بغداد میں ۶۵۶ھ میں سقوط خلافت اسلامیہ جو تاتاریوں کے ہاتھوں سے ہوا تھا تو اس میں بھی انہی رافضیوں کا ہاتھ تھا۔ جن کی قیادت ابن العلقمی الرافضی کر رہا تھا کہ جس نے تاتاریوں کے قائد ہلاکو سے خفیہ ساز و باز کر کے بغداد اور خلیفہ عبداللہ المعتصم

① رواه البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، وقول الله تعالى: لقد رضي الله عن المؤمنين اذيبا يعونك تحت الشجرة.
② رواه البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية وقول الله عزوجل لقد رضي الله عن المؤمنين إذيبا يعونك تحت الشجرة.

باللہ اور بالخصوص فوجی مواقع وغیرہ کا تفصیلی جائزہ لے کر بغداد سے باہر ہلاکو کی طرف پہنچے اور اس کو بغداد پر قبضہ کرنے کی دعوت بھی دے دی اور اس میں داخل ہونے کے اوقات اور طریقہ بھی بتلا دیا۔ چنانچہ اسی ابن العلقمی کی تحریک، تعاون اور تعلیمات کے بل بوتے پر تاتاری فوج ہلاکو کی قیادت میں ۶۵۶ھ میں بغداد میں داخل ہو کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا۔ اور خلافت اسلامیہ کو جو کہ چھ سو سال سے بھی زیادہ قائم تھی ختم کر دیا اور خلیفہ المعتصم باللہ کو شارع بغداد پر گھسیٹ کر نہایت مظلومانہ طریقہ پر قتل کیا۔ ابن العلقمی اور قبروں کی طرف جھوٹی روایتیں وضع کرنے اور قبر پرستی کو سب سے پہلے ایجاد کرنے والے یہی رافضی ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحقیق مسئلہ شد الرحال میں پہلے گزر چکی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح کہ پانچ سو سال بعد فاطمی رافضیوں نے احیاء قبر پرستی کے لئے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر مصر میں تاج الحسین کا قبہ و مزار بنا کر شرک کا اڈا کھول دیا تو اس طرح موت علی رضی اللہ عنہ سے تین سو سال کے بعد بنو بویہ نے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام پر نجف میں قبر و مزار ایجاد کر کے شرک کے دروازے کھول دیے۔ قاتل الله الفريقين أينما وجدوا۔ ''قتل کرے اللہ ان دونوں فریقوں کو جہاں کہیں وہ پائے جائیں۔''

ج - نجف میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قبر کے متعلق بنو بویہ کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے نجف میں اسی مکان پر آ کر اولاد علی سے اپنی کی ہوئی زیادتیوں کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے معذرت کی تھی۔ لیکن یہ دلیل محل نظر ہے، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک بے سند اور جھوٹی کہانی ہے جو کہ ہارون الرشید کی طرف منسوب کی گئی ہے اور ایسی کہانیوں سے عقائد ثابت نہیں ہوتے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ حکایت و کہانی ہارون الرشید ثابت ہو بھی جائے تو پھر بھی اس سے نجف میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قبر ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہارون الرشید نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دفن کے وقت بذات خود موجود تھے اور نہ ہی اس نے اس بارے میں کوئی سند بیان کی بلکہ یہ احتمال موجود ہے کہ جس طرح بنو بویہ نے ہارون الرشید سے سنا ہے اسی طرح ہارون الرشید نے دوسروں سے بھی سنا ہوگا۔ تو صاف ظاہر ہے کہ بغیر سند کے محض سنی سنائی باتوں سے ایسے بنیادی عقائد قائم نہیں ہو سکتے۔

اب اس پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحقیق ملاحظہ ہو: چنانچہ وہ اپنی مشہور کتاب ''کتاب الزیارۃ'' میں ''مشهد علی والحسین من جملة المشاهد المكذوبة'' کا عنوان قائم کر کے اس طرح لکھتے ہیں:

مشهد علي والحسين من جملة المشاهد المكذوبة، هل المشاهد المسماة باسم علي بن أبي طالب وولده الحسين رضي الله عنهما،	سیدنا علی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کی زیارت گاہیں ان زیارت گاہوں میں سے ہیں جن کی صحیح دلیل نہیں ہے۔ آج جو زیارتیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے لخت جگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

صحيحة أم لا؟ وأين ثبت قبر علي؟ فأجاب: أما هذه المشاهد المشهورة فمنها ماهو كذبٌ قطعاً، مثل المشهد الذى بظاهر دمشق المضاف إلى أبي بن كعب، والمشهد الذى بظاهرها المضاف إلى أويس القرني، والمشهد الذى بمصر المضاف إلى الحسين رضي الله عنه إلى غير ذلك من المشاهد التي يطول ذكرها بالشام والعراق ومصرو سائر الأمصار حتى قال طائفة من العلماء منهم عبدالعزيز الكناني، كل هذه القبور المضافة إلى الأنبياء لايصح شيءٌ منها إلا قبر النبي صلى الله عليه وسلم وقد أثبت غيره ايضاً قبر الخليل عليه السلام، وأما مشهد علي فعامة العلماء على أنه ليس قبره، بل قد قيل إنه قبر المغيرة بن شعبة وذلك أنه إنما أظهر بعد نحو ثلاث مائة سنة من موت علي في إمارة بني بويه، وذكروا أن أصل ذلك حكاية بلغتهم عن الرشيد أنه أتى إلى ذلك المكان وجعل يعتذر إلى مَن فيه، مماجرى بينه وبين ذرية علي، وبمثل هذه الحكاية لايقوم شئ فالرشيد أيضاً لاعلم له بذلك ولعل هذه الحكاية إن صحت عنه فقد قيل له ذلك كما قيل لغيره، وجمهور أهل المعرفة يقولون: إن عليا إنما دفن في قصر الإمارة بالكوفة أوقريباً منه، وهذا هو السنة فإن حمل ميت من

کے نام سے مشہور ہیں کیا واقعی وہ صحیح ہیں؟ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قبر کہاں سے ثابت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چند مشہور مشاہد میں سے کچھ قطعی طور پر جھوٹی ہیں جیسے دمشق کے باہر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قبر اور اسی طرح دمشق کے باہر اویس قرنی رحمہ اللہ کے نام سے منسوب قبر اور مصر میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے منسوب زیارت اور دیگر زیارتیں جو شام، عراق، مصر اور دوسرے علاقوں میں ہیں۔

علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے جن میں عبدالعزیز الکنانی ہیں: تمام قبور جو انبیائے کرام کے نام سے منسوب ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے، بعض دیگر علماء نے (ابراہیم) خلیل علیہ السلام کی قبر کی نشان دہی کی ہے۔

لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قبر کے بارے میں عام علماء کی رائے یہی ہے کہ وہ ان کی قبر نہیں بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔

یہ اختلاف اس لیے ظاہر ہوا کہ بنو بویہ کی خلافت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تین سو سال بعد اس کا ظہور ہوا، وہ اس طرح کہ خلیفہ ہارون الرشید سے ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ وہ (ہارون الرشید) اس مزعومہ قبر کی جگہ آئے اور جو بھی اس قبر میں تھا اس سے اس بات پر معذرت کی جو اس کے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے درمیان رونما ہوا۔ جب کہ اس جیسی حکایت سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہارون الرشید کو بھی اصل حقیقت کا علم نہ تھا۔ اور اگر یہ حکایت صحیح بھی ہوتو پھر بھی یہ ایسی ہی حکایت ہے جو کسی غیر سے بھی کہی جا سکتی



الکوفة إلی مکان بعید لیس فیه فضیلة أمر غیر مشروع، فلایظن بآل علی رضی الله عنه أنهم فعلوا به ذلک، ولایظن أیضاً أن ذلک خفی علی اهل بیته والمسلمین ثلاثمائة سنة حتی أظهره قوم من الأعاجم الجهال ذوی الأهواء. ①

ہے۔اس واقعہ کو جاننے والے اکثر اہل علم کا کہنا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں قصر الامارۃ ہی میں دفن ہوئے ہیں یا اس کے کہیں قریب ہی اور یہی صحیح طریقہ ہے۔

اگر کوفہ سے میت کو اٹھا کر کسی دور مقام پر لے جایا جائے تو اس غیر شرعی کام میں کوئی فضیلت نہیں۔اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آل کے متعلق بھی یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ انہوں نے اس طرح کیا ہے اور نہ ہی یہ خیال کیا جائے کہ یہ معاملہ اہل بیت پر مخفی ہوگیا تھا حتیٰ کہ تین سو سال بعد خواہش پرست، جاہل عجمیوں نے اس کو ظاہر کیا ہے؟

حق والوں سے اہل حق ہی محبت کے حقدار ہیں نہ کہ اہل باطل

مسلمانو! یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کرلو! کہ شریعت کے مطابق اور کتاب وسنت کی روشنی میں حق بات کہنا آگ سے کھیلنا ہے۔ ہر ایک کا کام نہیں کہ سب لوگوں کا اور بالخصوص جمہور عوام وخواص کا مذاق واستہزاء، تہمت و بہتان، ملامت و مذمت اور عداوت کے سیلاب برداشت کر سکے بہت ہی کم ایسے خوش نصیب لوگ ملیں گے جو کہ کسی کی پرواہ کیئے بغیر ان سارے کانٹوں پر خندہ پیشانی سے چھلانگیں مارتے رہیں اس لئے دعاۃ الی اللہ کو چاہیے کہ کسی سے خائف و مرعوب ہوئے بغیر اسلام کے عقائد و مسائل، فرائض وواجبات سے لے کر سنن ومستحبات تک کتاب وسنت کے مطابق کھل کر بیان کریں اور جمہور عوام وخواص کی جملہ بدعات وخرافات، رسم ورواج اور آباؤ اجدادی عادات وتقالید کو ذیل کی حدیث:

عن أبی سعید الخدری...... من رأی منکم منکراً فلیغیّره بیده فإن لم یستطع فبلسانه و إن لم یستطع فبقلبه و ذلک أضعف الإیمان. ② (صحیح مسلم)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ...... کہ جو کوئی برائی دیکھے پس چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے ختم کردے اگر اس کی طاقت نہیں تو پھر اپنی زبان سے ختم کرے اگر اس کی طاقت بھی نہیں تو پھر اسے اپنے دل سے برا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔

---

① الجامع الفرید، کتاب الزیارۃ ص ۴۶۴

② رواہ مسلم، کتاب الایمان باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان.

کے مطابق نہایت وضاحت اور جرأتمندی کے ساتھ بیان کریں اور یہ نہ دیکھیں کہ کون راضی ہوتا ہے اور کون ناراض ہوتا ہے۔ بلکہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا لے کر اس خاردار میدان میں نکلیں کیونکہ یہ تو یقینی بات ہے کہ جو شخص اولیاء و بزرگوں کی قبروں کو سجدہ و رکوع، طواف و اعتکاف، مراقبہ و مجاورت، عرس و میلہ اور اصحاب قبور کے نام پر نذر و نیاز دینے اور ان کی نداو پکار سے لوگوں کو منع کرے گا تو قبروں کے پجاری اور آستانہ پرست اس پر تہمت کے پہاڑ کھڑے کر دیں گے۔ عداوت و نفرت کے بادل اس پر چھا جائیں گے۔ تنقیص اولیاء کے عنوان سے تیز تلواروں، ایٹم بم اور اسکڈ میزائلوں کا نشانہ بنیں گے مگر اس سب کچھ ہونے کے باوجود دعاۃ الی اللہ کو یقین کر لینا چاہیئے کہ جن چیزوں سے وہ قبر پرست و آستانہ پرستوں کو روک رہے ہیں حقیقت میں اولیاء و بزرگوں کے اکرام و احترام اور تعظیم و توقیر ہی انہیں چیزوں میں ہے۔ جس سے وہ قبر پرستوں کو منع کر رہے ہیں کیونکہ وہ جو واقع اور صحیح معنوں میں اولیاء و صالحین تھے تو وہ یقیناً ان قبر پرستوں کے ان سارے عقائد و اعمال سے بری الذمہ تھے جو کہ یہ قبر پرست ان کے اور ان کی قبروں کے ساتھ کر رہے ہیں اور حقیقت میں ان اولیاء و صالحین کے محب و متبع ہی وہی لوگ ہیں جو کہ ان کی قبروں کی پوجا پاٹ سے لوگوں (قبر پرستوں) کو منع کر کے ان کے طریقوں پر عمل کر رہے ہیں نہ کہ ان کی قبروں کی پوجا پاٹ کرنے والے، جیسا کہ یہود و نصاریٰ سیدنا موسیٰ و سیدنا عیسیٰ علیہما السلام اور روافض سیدنا علی رضی اللہ عنہ و اہل بیت کے ساتھ تو صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ برگزیدہ ہستیاں ان "لَابِسُ ثِيَابِ الزُّوْرِ" والے مدّعیوں سے بریٔ الذمہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ان برگزیدہ ہستیوں کے محبّ و متبع صحیح معنوں میں وہی سچے اور پکے مسلمان ہیں جو کہ ان کے طریقوں پر چل رہے ہیں چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولاتحسب أيها المنعم عليه باتباع صراط الله المستقيم، صراط أهل نعمته ورحمته وكرامته أن النهي عن اتخاذ القبور أوثانا وأعيادًا و أنصابا والنهي عن اتخاذ ها مساجد اوبناء المساجد عليها وايقاد السرج عليها والسفر إليها والنذر لها واستلامها وتقبيلها وتعفير الجباه في عرصالها غض من أصحابها ولاتنقيص لهم ولا تنقص كما يحسبه أهل الإشراك والضلال بل ذلك من إكرامهم وتعظيمهم واحترامهم ومتابعتهم فيما

اے مخاطب جس پر اللہ کے راستے، صراط مستقیم کی اتباع کرنے کی وجہ سے انعام کیا گیا ہے، جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اس کی رحمتیں اور اس کی کرامتیں نازل ہوئی ہیں۔ قبروں کو بت، میلہ اور آستانہ بنانے سے نہی اسی طرح قبروں کو مساجد بنانے یا قبروں پر مساجد تعمیر کرنے سے نہی، اور قبروں پر چراغ جلانے، قبروں کی طرف سفر کرنے اور ان کیلئے نذر ماننے اور انہیں چھونے، چومنے اور ان کی چوکھٹوں پر پیشانی رگڑنے سے نہی، ان قبر والوں کے حقوق سے اعراض اور چشم پوشی ہے اور نہ ہی ان کیلئے کوئی



یحبونہ و تجنب مایکرھونہ فأنت واللہ ولیھم ومحبھم وناصر طریقتھم وسنتھم وعلی ھدیھم ومنھاجھم وھؤلاء المشرکون أعصی الناس لھم وابعدھم من ھدیھم ومتابعتھم کالنصاری مع المسیح والیھود مع موسیٰ علیھما السلام والرافضۃ مع علی رضی اللہ عنہ فأھل الحق أولیٰ بأھل الحق من أھل الباطل فالمؤمنون والمؤمنات بعضھم أولیاء بعض والمنافقون والمنافقات بعضھم من بعض.①

تنقیص ونقص کا کوئی پہلو ہے، جیسا کہ شرک وضلال میں مبتلا لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ اس میں درحقیقت ان (اہلِ حق) کی تکریم، تعظیم، احترام اور ان کی چاہت میں ان کی متابعت اور ان کی ناپسندیدہ باتوں سے اجتناب کا پہلو ہے۔ اے مخاطب! اللہ کی قسم تم تو ان قبر والوں (اولیاء کرام) کے دوست، محبت اور ان کے طریقہ کے معاون ومددگار رہو اور ان کی سیرت ومنہج کے حقیقی پیروکار رہو۔ جب کہ (اولیاء کی قبروں کے پجاری) یہ مشرکین ان کے سب سے بڑھکر نافرمان ہیں اور ان کی سیرت ومتابعت سے سب سے بڑھکر دور ہیں۔ ان کا تعلق ان اولیاء کرام سے ایسا ہی ہے جیسا کہ نصاریٰ کا عیسیٰ علیہ السلام سے، یہود کا موسیٰ علیہ السلام سے اور روافض کا علی رضی اللہ عنہ سے، اہل حق، اہل باطل کی بنسبت اہل حق کے زیادہ قریب ہیں، مؤمن مرد ومؤمن عورتیں ہی ایک دوسرے کے دوست اور ساتھی ہیں، جبکہ منافق مرد ومنافق عورتیں ایک دوسرے کے دوست اور ساتھی ہیں۔

شیطان کے لوگوں کو گمراہ کرنے کے مختلف مراحل و مراتب

شیطان بڑا مکار، حیلہ باز، مخادع اور نہایت ہی ماہر وتجربہ کار استاد ہے، خبیث مختلف طریقوں آرزوؤں، تمناؤں، لالچوں اور امیدوں کے بل بوتے پر لوگوں کو سیدھی راہ سے ہٹا کر اپنے راستے پر لے جا کر جہنم میں منہ کے بل پھینک دیتا ہے۔ اور پھر جس طرح اس کے گمراہ کرنے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ تو اسی طرح اس کے مراحل، ادوار، اطوار اور مراتب بھی مختلف ہیں اب ہم شیطان کے گمراہ کرنے والے ان طرق مختلفہ کے اطوار ومراحل میں سے کچھ قارئین کے سامنے بطور نمونہ پیش کریں گے۔

① إغاثۃ اللھفان ج ۱ ص ۲۳۱-۲۳۲

الف۔ شیطان سب سے پہلے قبر پرستوں کے دل ودماغ میں قبروں کے نزدیک بیٹھ کر دعا کرنے کو مزین وخوبصورت بنا دیتا ہے اور قبر پرستوں سے نہایت ہمدردانہ، ناصحانہ اور محسنانہ انداز میں کہتا ہے کہ دعا جتنی قبروں کے ہاں بیٹھ کر جلدی قبول اور یقینی طور پر مفید ہے اتنی اپنے گھر میں بیٹھ کر کرنا مفید نہیں۔ اور نہ ہی مسجد اور اوقات سحر میں۔ اس لئے جب لوگوں کو کوئی مشکل پیش آ جاتی ہے تو دعا کرنے کے لئے فوراً قبروں کی طرف دوڑنے لگ جاتے ہیں۔

ب۔ جب قبر پرست اس پہلے نظریہ میں پکے ہوجاتے ہیں تو شیطان ان کو ایک سیڑھی اور آگے لے جا کر کہتا ہے کہ تم کو جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے یا کسی چیز کے لئے قسم اٹھانی ہے تو ان اصحاب قبور کے واسطے سے مانگو اور انہیں کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھاؤ کیونکہ یہ اصحاب قبور اللہ تعالیٰ کے پیارے لاڈلے اور محبوب ہیں۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ کو اپنے ان پیارے اور محبوبوں کا واسطہ دے کر جو بھی مانگو گے یا ان کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھاؤ گے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان پیارے بندوں کا ذمہ رد کرے ہرگز نہیں بلکہ اپنے ان پیارے بندوں کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ تمہاری ساری حاجتوں کو پورا کرے گا تو صاف ظاہر ہے کہ یہ اعتقاد ونظریہ پہلے والے اعتقاد ونظریہ سے کہیں زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہے کہ اس پر کسی مخلوق کے واسطہ سے قسم اٹھائی جائے یا اس سے کسی مخلوق کے واسطہ سے مانگا جائے۔ اور یہی وہ مسئلہ ہے کہ جس کا ائمہ اسلام کے سلف وخلف اور بالخصوص فقہاء احناف نے بشمول سیدنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے انکار کر دیا ہے جس کی تفصیل آنے والے باب میں آئے گی۔

ج۔ اور جب شیطان کا یہ دوسرا حربہ بھی قبر پرستوں پر تیر بہدف ہو کر لگ جاتا ہے تو شیطان ایک اور قدم آگے بڑھ کر قبر پرستوں سے کہتا ہے کہ یہ اصحاب قبور اللہ تعالیٰ کے ایسے مقرب بندے ہیں کہ اس قرب ومحبوبیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ اختیارات ان کے سپرد کر دیے ہیں اس لئے تم جب اور جو بھی مانگو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خود انہی اصحاب قبور سے مانگو کیونکہ یہ اصحاب قبور اللہ تعالیٰ کے وہی سونپے ہوئے اختیارات کو بروئے کار لا کر تمہاری ساری حاجتوں کو پورا کریں گے۔

د۔ اور پھر جب شیطان اس میدان میں بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا ہے تو قبر پرستوں سے کہتا ہے۔ آؤ اب اپنے ان محسنین کا حق ادا کرو، جو کہ ہمہ وقت تمہارے سوالوں کے لئے قبلہ دعا بنے ہوئے ہیں۔ تمہاری مصائب ومشکلات کے ہٹانے کے لئے مرجع رجاء بن چکے ہیں جب وہ تمہارے لئے ہر وقت یہ سب کچھ کر لیتے ہیں تو تم بھی کم از کم ہفتہ، مہینہ اور سال کے بعد ان کی قبروں پر حاضری دے کر کوئی بتی جلا کر عرس ومیلہ تو لگاؤ۔ ان کی قبروں پر دو گز کا ریشمی کپڑا تو بچھاؤ۔ سال بھر ان کی قبروں اور قبوں

کے سامنے ایک بکری ہی ذبح کرلو۔ بس پھر کیا کہیں لوگ قبروں پر جا کر عرس و میلے جمالیتے ہیں۔ چراغاں کرتے ہیں قبروں پر سجدہ و رکوع کے ساتھ عبادتیں کرتے ہیں۔ قبروں کے آس پاس کعبۃ اللہ کی طرح طواف کرتے ہیں حجر اسود کی طرح ان کا تقبیل و استلام کرتے ہیں مساجد ثلاثہ کی طرح ان کے لئے شد الرحال کرتے ہیں۔ صفا و مروہ کی طرح سعی کرتے ہیں۔ میلین اخضرین (دو سبز ستونوں) کی طرح قبروں کے آس پاس میدان مقرر کر کے دوڑتے ہیں اور منیٰ کی طرح میدان متعین کر کے وہاں پر اونٹ، گائے اور بکرے ذبح کرتے ہیں۔

ھ۔ جب قبر پرست قبروں اور اصحاب قبور کو معبود و مسجود بنا کر ہر طرح سے عبادت کرنے لگ جاتے ہیں تو شیطان کہتا ہے کہ کامیابی صرف اس کا نام نہیں کہ انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اس کے عذاب سے بچالے بلکہ یہ بھی کوشش کرلے کہ ان کے دوسرے مسلمان بھائی بھی راہ ہدایت پر آکر جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔ اس لئے جس طرح کہ تم خود ان بزرگوں اور اولیاء اللہ کے فدائی و شیدائی ہو کر کامیاب ہو چکے ہو تو اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی ان بزرگوں کی حقیقت سے آگاہ کراؤ تا کہ وہ بھی ان اولیاء اللہ کی قبروں کے عرس و میلہ میں شامل ہو کر فیض و برکات حاصل کرسکیں تو شیطان کے اس ایحاؤ و ایماء پر لبیک کر کے قبر پرست و آستانہ پرست عبادت قبور کے لئے داعی بن کر دوسرے لوگوں کے لئے وبال جان بن جاتے ہیں۔ لوگوں اور بالخصوص عوام الناس کے سامنے جھوٹی قسمیں کھا کر قبر پرست کہتے ہیں کہ فلاں اپاہج کو جب داتا کے دربار پر لایا گیا تو اسی وقت وہ ٹھیک ہو گیا۔ کئی سالوں کے برص والے بیمار کو جب سیہون میں لعل شہباز قلندر کے آستانہ کے سامنے حاضر کر دیا گیا تو فوراً برص کی بیماری الوداع کہہ کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی۔ فلاں مادر زاد نابینا کو جب کربلاء میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر پر لے جایا گیا تو فوراً ان کی آنکھیں کھل گئیں اور فلاں پاگل و دیوانہ کو جب مشہد میں سیدنا امام رضا کی قبر پر لایا گیا تو پاگل پن فوراً امام رضا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اس پاگل سے رخصت ہو گیا۔ اور ان کے علاوہ بہت سے من گھڑت قصے اور کہانیاں بیان کر کے قبر پرست ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں کے ایمان چھین کر قبروں کے پجاری بنا دیتے ہیں۔ بس اس طرح کرتے کرتے شیطان چوراہے (مرکزی چوک) پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے راستہ سے لوگوں کو ہٹا کر جہنم کا ایندھن بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ اس نے ملعون و مطرود ہونے کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم اٹھا کر کہا تھا کہ:

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ○ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ[1]

(ابلیس نے) کہا جب تو نے مجھے بے راہ کر دیا میں بھی تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا، پھر ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے آؤں گا اور ان کی داہنی طرف سے

[1] سورہ الاعراف رقم الآیۃ: ۱۶-۱۷



اور ان کی بائیں طرف سے اور تو اکثر آدمیوں کو شکر گزار (موحد) نہ پائے گا۔

اور ایک دوسرے مقام پر یوں آیا ہے:

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ①

اور شیطان نے اپنا گمان ان (سبا والوں پر) سچ کر دکھایا وہ اس کے کہنے میں آ گئے، مگر ایک گروہ ایمان والوں کا (شیطان کے شر سے محفوظ رہا)۔

چنانچہ شیطان کے ان مکر وحیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمقصود أن الشيطان بلطف كيده يحسن الدعاء عند القبر وأنه أرجح منه في بيته ومسجده وأوقات الاسحار فإذا تقرر ذلك عنده نقله درجة اخرىٰ من الدعاء عنده إلى الدعاء به والإقسام على الله به وهذا أعظم من الذى قبله فإن شان الله أعظم من ان يقسم عليه أويسأل بأحد من خلقه وقد أنكر أئمة الإسلام ذلك. ②

مقصود یہ ہے کہ شیطان اپنے خفیہ مکر کے ذریعے سے قبر کے پاس دعا کرنے کو بڑا خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے اور یہ وسوسہ بھی ڈالتا ہے کہ قبر کے پاس دعا کرنا گھر میں، مسجد اور سحری کے اوقات میں دعا کرنے سے بہتر ہے، جب بندے کے دل میں قبر کی محبت جاگزیں ہو جاتی ہے تو وہ اس کو ایک درجہ آگے بڑھا دیتا ہے یعنی قبر کے پاس دعا کرنے سے قبر والے سے دعا کرنے کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر اس میت کی قسم ڈالنا بھی شیطان کے مزین کردہ معاملات میں سے ہے اور اس کا گناہ تو پہلے سے بھی زیادہ ہے کیونکہ اللہ کی شان تو بہت بلند ہے کہ اللہ کو کسی کی قسم دی جائے یا اللہ سے کسی مخلوق کے واسطہ سے سوال کیا جائے۔ علمائے اسلام نے اس کا شدید انکار کیا ہے۔

اس کے بعد امام ابن قیم رحمہ اللہ نے واسطہ و وسیلہ کی نفی کے متعلق فقہاء کرام کے فتاویٰ کو بیان فرمایا۔ اور چونکہ وسیلہ کا تفصیلی بیان آگے آنے والا ہے اس لئے ہم نے اس بحث کو یہاں پر چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ واسطہ و وسیلہ کے متعلق فقہاء کرام کے فتاویٰ کو نقل کرنے کے بعد امام ابن قیم رحمہ اللہ پھر شیطان کے مکر وحیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

① سورة سبا رقم الآية: ٢٠

② إغاثة اللهفان ج ١ ص ٢٣٤ واللفظ له / وغاية الأماني ج ٢ ص ٦٥



فإذا قرر الشيطان عنده أن الإقسام على الله به والدعاء به أبلغ في تعظيمه واحترامه و أنجح في قضاء حاجته نقله درجة أخرىٰ إلى دعائه نفسه من دون الله ثم ينقله بعد ذلك درجة أخرىٰ إلى أن يتخذ قبره وثناً يعكف عليه ويوقد عليه القنديل ويعلق عليه الستور ويبني عليه المسجد ويعبده بالسجود له والطواف به وتقبيله واستلامه والحج إليه والذبح عنده ثم ينقله درجة أخرى إلى دعاء الناس إلى عبادته واتخاذه عيدًا ومنسكا وأن ذلك أنفع لهم في دنياهم وآخرتهم.①

پھر جب شیطان بندے کے ذہن میں یہ بات پختہ کر دیتا ہے کہ اللہ کو قبر والے کی قسم دینا اور قبر والے سے دعا کرنا اس کی تعظیم و احترام میں بہت بلیغ ہے اور اس کی حاجات پوری کرنے میں بہت مفید ہے تو اسے ایک درجہ اور آگے منتقل کر دیتا ہے یعنی اللہ کو چھوڑ کر اسی میت وقبر والے سے دعا کرتا ہے پھر ایک درجہ اور آگے منتقل کرتا ہے تو بندہ اس قبر والے کو بت بنا کر اس پر اعتکاف شروع کر دیتا ہے اور اس پر قندیلیں اور چراغ روشن کرنا شروع کر دیتا ہے اس قبر پر پردے بھی لٹکا دیتا ہے اور اس پر مسجد بنا کر اس کی عبادت شروع کر دیتا ہے اس کو سجدے کیے جاتے ہیں اور اس کا طواف کیا جاتا ہے اور اس کو بوسے دیئے جاتے ہیں اور اس کو چھوا جاتا ہے اسی طرح لوگ (بیت اللہ کو چھوڑ کر) اس قبر کا حج کرتے ہیں اس کے پاس جانور ذبح کرتے ہیں۔

پھر شیطان انسان کو گمراہ کرتے ہوئے ایک درجہ اور آگے لے جاتا ہے یعنی لوگوں کو اس شرکیہ عبادت کی دعوت دینا اور پھر اسی قبر پر عید و میلہ منعقد کرنا اور وہیں عبادت کے امور انجام دینا اور یہ کہ یہ امور ان کے لیے دنیا و آخرت میں بہت نفع والے ہیں۔

ذات انواط کا قصہ

غزوہ حنین تاریخ اسلام میں بہت مشہور و معروف غزوہ ہے جو کہ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد واقع ہوا ہے تو اس سفر جہاد میں ذیل والا واقعہ پیش آیا اور وہ اس طرح کہ مسلمانوں کا کچھ ایسے لوگوں پر گزر ہوا جو کہ ایک بیر کے درخت پر اپنے اسلحہ کو لٹکائے

---

① إغاثة اللهفان ج ا ص ٢٣٥ واللفظ له/ وغاية الأماني ج٢ ص ٦٥

ہوئے اس کے آس پاس بڑے احترام وتعظیم کے ساتھ کھڑے تھے۔قصہ مختصر مسلمان اپنے سفر کو جاری رکھتے ہوئے آگے نکل گئے اور پھر اس کے بعد مسلمانوں کا گزر اتفاق سے ایک دوسرے بیر کے درخت پر ہوا تو مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کہ ابھی نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے کہ جن کو سابقین فی الاسلام عشرہ مبشرہ، شرکاء بدر واحد، شرکاء احزاب وحدیبیہ اور مہاجرین و انصار جیسا شرف حاصل نہیں تھا اور نہ ہی ان کی طرح ابھی تک پورے اسلام سے واقف تھے تو ان نومسلموں نے یہی سمجھا تھا کہ شاید غیر مذہب والوں سے صرف ظاہری صورت میں مشابہت کوئی گناہ نہیں ہے اس لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ جس طرح کہ ان مشرکوں کا وہ درخت تھا کہ جن کے اوپر وہ اپنے اسلحہ لٹکائے ہوئے اعتکاف ومجاورت اور عزت واحترام کے ساتھ اس کے آس پاس کھڑے تھے تو آپ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا درخت مقرر کردیں تا کہ ہم بھی اپنے اسلحہ اس کے اوپر لٹکا کر اس کے سامنے کھڑے ہوجائیں تو ان نومسلموں کے اس مطالبے کو رسول اللہ ﷺ نے شرک مع اللہ سے تعبیر کر کے قسم کے ساتھ فرمایا کہ تم مجھ سے اس طرح کے الٰہ ومعبود مانگ رہے ہو جس طرح کہ بنی اسرائیل سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے مانگ رہے تھے۔ یہ روایت جامع ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں ہے اب ملاحظہ کریں اصل روایت:

عن أبی واقد اللیثی، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما خرج إلى حنين مر بشجرة للمشركين يقال له اذات أنواط يعلقون عليها أسلحتهم قالوا: يا رسول الله اجعل لنا ذات أنواط كما لهم ذات أنواط، فقال النبي صلى الله عليه وسلم سبحان الله هذا كما قال قوم موسیٰ: اجعل لنا إلٰها كما لهم آلهة والذی نفسی بيده لتركبُنّ سنن من كان قبلكم. ① (صحيح)

سیدنا ابوواقد اللیثی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب غزوہ حنین کے لیے گئے تو راستے میں مشرکوں کے ایک درخت کے پاس سے گزرے، جسے ''ذات انواط'' کہتے ہیں، جس پر وہ مشرک اپنا اسلحہ وغیرہ لٹکاتے تھے۔ صحابہ (میں سے بعض) نے کہا اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی ایک ''ذات انواط'' مقرر کردیجئے جیسا کہ ان مشرکوں کا ''ذات انواط'' ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سبحان اللہ'' یعنی (اللہ شرک وغیرہ سے پاک ہے۔) تمہارا یہ سوال موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے سوال جیسا ہے جب انہوں نے کہا (اے موسیٰ) ہمارے لیے ایک الٰہ ومعبود مقرر کردیں جس طرح ان مشرکوں کیلئے الٰہ ہیں۔ (پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ضرور پہلوں کے طریقوں پر چلو گے۔

---

① رواه الترمذی، كتاب الفتن، باب ماجاء الترکبن سنن من كان قبلكم وقال حديث حسن صحيح الرقم: ٢١٨٠/ مسند أحمد، الرقم: ٢١٧٩٧،إسناده صحيح ،مسندالحارث بن عوف أبی واقد الليثی/معجم الكبير للطبرانی ،الرقم:٣٢٩٠مسند ابی واقد الليثی،باب الحاء / صحيح الجامع الصغير وزيادته ،الرقم: ٣٦٠١/وقال الألبانی صحيح.

یہاں پر لفظ ''قالوا'' عام ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس درخت پر اپنے اسلحے لٹکانے کا مطالبہ کیا تھا، مگر المعجم الکبیر میں خود سیدنا ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے تصریح موجود ہے کہ یہ مطالبہ کرنے والے نو مسلم تھے۔ المعجم الکبیر کی حدیث کا متن یوں ہے:

عن أبي واقد الليثي، قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى حنين ونحن حدثاء عهد بكفر وللمشركين سدرة يعكفون عندها وينوطون بها أسلحتهم يقال لها ذات أنواط، قال فمررنا بالسدرة فقلنا يا رسول الله! اجعل لنا ذات أنواط كما لهم ذات أنواط، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الله اكبر! إنها السنن، قلتم والذى نفسي بيده كما قالت بنو اسرائيل: اجعل لنا إلهاً كما لهم آلهة، قال إنكم قوم تجهلون، لتركبن سنن من كان قبلكم .① (حسن)

ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین کی طرف نکلے ابھی ہم نئے نئے مسلمان تھے، مشرکین کی ایک بیری تھی، اس بیری کے پاس یہ لوگ بیٹھتے تھے اور اپنے اسلحہ کو اس کے اوپر لٹکاتے تھے (بطور تبرک کے) اس بیری کو ذاتِ انواط کہا جاتا تھا، چنانچہ جب ہم اس بیری کے پاس سے گذرے تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ہمارے لئے بھی کوئی ذاتِ انواط مقرر فرمادیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر، یہ گذشتہ قوموں کی پیروی ہے، اللہ کی قسم! تم نے بالکل اسی طرح کہا جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) جس طرح اس قوم کے ''آلِهَة'' ہیں اسی طرح ہمارے لئے بھی ''آلِهَة'' مقرر فرمادیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم نرے جاہل ہو، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ضرور بالضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقہ پر چلوگے۔

اور معجم الکبیر کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

وكانوا أسلموا يوم الفتح .②

یہ لوگ فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہوئے تھے۔

ذرا اندازہ لگا کر سوچیں تو سہی؟ کہ کیا وہ نو مسلم لوگ رسول اللہ ﷺ سے اس درخت کی عبادت کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے یا اس سے نفع و نقصان کا اعتقاد رکھ کر اس سے کچھ مانگنا چاہتے تھے۔ یا کم از کم اس درخت کو قبلۂ دعا بنانا چاہتے تھے؟ کوئی بھی نہیں نہ یہ نہ وہ۔ لا هذه ولا تلك بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے صرف اور صرف کفار کی طرح ایک مخصوص درخت پر اسلحوں کو لٹکا کر وہاں پر کھڑے ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ کفار کے ساتھ صرف اسی ظاہری مشابہت کو شرک اور الٰہ مع اللہ قرار دے کر غضب ناک ہوگئے۔ اپنے ایمان سے پوچھ کر بتائیے کہ جب اس درخت کے ساتھ اپنے اسلحوں کو لٹکا کر اس کے سامنے کھڑا ہونا

① والمعجم الكبير ج٣ ص ٢٧٥ مسند الحارث بن عوف ابى واقد الليثى باب الحاء واللفظ له/أحمد، الرقم: ٢١٧٩٤، اسناده صحيح /مسند ابى واقد الليثى ② المعجم الكبير مسند الحارث بن عوف أبى واقد الليثى.

شرک اور اتخاذ الہ مع اللہ (پکڑا انہوں نے اللہ کے ساتھ الٰہ) ہے تو بھلا قبروں کے مجاور و معتکف بن کر بیٹھنا۔ ان کے ہاں نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کے ساکنین سے یا ساکنین کے واسطہ سے مانگنا ان کی قبروں کو سجدہ ورکوع کے ساتھ پوجا پاٹ کرنا۔ ان اصحاب قبور کے ساتھ اپنی امیدیں وابستہ کر کے ان کے آستانوں کے سامنے عرضیاں لٹکانا۔ تبرک کے لئے ان کی قبروں کے آس پاس آرام کیلئے لیٹ جانا۔ ان اصحاب قبور کے نام پر نذر و نیاز دینا اور ان کی قبروں کے سامنے اونٹ، گائے، دنبے اور بکریاں ذبح کرنا کیسے توحید اور اسلام بن سکے گا؟ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

فإذا كان اتخاذ هذه الشجرة لتعليق الأسلحة والعكوف حولها اتخاذ إلٰه مع الله تعالىٰ مع أنهم لايعبدو نها ولا يسألو نها فما الظن بالعكوف حول القبر والدعاء به ودعائه والدعاء عنده؟ فأيّ نسبة للفتنة بشجرة إلى الفتنة بالقبر لو كان أهل الشرك والبدعة يعلمون. ①

جب اس درخت کو اسلحہ لٹکانے اور اس کے گرد ٹھہرنے کی وجہ سے الٰہ بنانا ہے باوجود اسکے کہ انہوں نے اسکی عبادت نہیں کی اور نہ اس سے کوئی سوال کیا ہے۔ تو کیا خیال ہے قبر کے گرد اعتکاف کرنا اور وہاں مجاور بننا اور اس قبر والے کے واسطے سے دعا کرنا یا اسی مردے سے یا اسی کے پاس دعا کرنا کیا یہ شرک نہیں؟ درخت کے ساتھ فتنہ وآزمائش اور قبر کیساتھ آزمائش کی کیا نسبت ہو سکتی ہے کاش اہل شرک و بدعت کو اسکا پتہ چل جائے؟

اور حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

ولما كان للمشركين شجرة يعلقون عليها أسلحتهم ويسمونها ذات أنواط فقال بعض الناس. يا رسول الله: اجعل لنا ذات أنواط كما لهم ذات أنواط فقال: الله اكبر قلتم كما قال قوم موسىٰ لموسىٰ: اجعل لنا إلٰها كما لهم آلهة إنها السنن لتركبن سنن من كان قبلكم فأنكر النبى ﷺ مجرد مشابهتهم الكفار فى اتخاذ شجرة يعكفون عليها معلقين عليها سلاحهم فكيف بما هوا أطمّ من ذلك من مشابهتهم المشركين أوهو الشرك بعينه. ②

مشرکین کا درخت، جس پر انہوں نے اپنا اسلحہ لٹکایا ہوا تھا، جسے وہ "ذات انواط" کہتے تھے تو یہ دیکھ کر بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر کر دیں جس طرح ان (مشرکین) کا ذات انواط ہے یہ سن کر آپ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا: تم نے تو ایسے ہی کہا جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اُن سے کہا تھا: ہمارے لیے ایک اِلٰہ (معبود) مقرر کر دو جیسے ان (مشرکوں) کا اِلٰہ ہے۔ یہ پہلے لوگوں کے طریقے ہیں اور تم پہلے لوگوں کے طریقوں کی پیروی کرو گے۔

① إغاثة اللهفان ج ۱ ص ۲۲۴
② إقتضاء الصراط المستقيم ص: ۳۱۴

نبی اکرم ﷺ نے کفار کے درخت پر اسلحہ لٹکا کر اس کے گرد بیٹھنے کے ساتھ مشابہت سے منع فرمایا ہے۔ سلف صالحین سے لے کر اُمتِ اسلامیہ کے ہر دور کے علمائے حق درخت اور ہر فتنے میں ڈالنے والی چیز کو ذات انواط میں داخل کر کے اس کے کاٹنے کو واجب اور ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام طرطوشی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے امام ابوشامہ رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ یوں لکھتے ہیں:

قال الإمام ابوبكر الطرطوشي رحمه الله تعالىٰ في كتابه المتقدم ذكره: فانظروا رحمكم الله أينما وجدتهم سدرة اوشجرة يقصدها الناس ويعظمون من شأنها ويرجون البرءَ والشفاء من قبلها وينوطون بها المسامير والخِرَق فهي ذات أنواط فاقطعوها.①

امام ابوبکر الطرطوشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:......اللہ تم پر رحم فرمائے تم جہاں کہیں بھی بیری یا اس قسم کا کوئی درخت پاؤ کہ لوگ جس درخت کی تعظیم کا قصد کرتے ہوں اور اس کی شان بڑھاتے ہیں۔ اور اس درخت سے شفاء وتندرستی کی امید رکھتے ہیں، اور اس پر اپنے کیل اور کپڑوں کے ٹکڑے لٹکاتے ہیں، تو یاد رکھو اس قسم کا درخت ذاتِ انواط ہے لہٰذا اسے کاٹ دو۔

"قلتم والذى نفسي بيده" کی تشریح کرتے ہوئے صاحب قرۃ عیون الموحدین لکھتے ہیں:

قوله: قلتم والذى نفسي بيده، حلف النبي صلى الله عليه وسلم على ذلك تأكيداً لهذا الخبر وتعظيما له كما قالت بنو اسرائيل لموسى: اجعل لنا إلٰهاً كما لهم آلهة، وإن لم يسموها آلهة أخبرأن التبرك بالأشجار يجعلها آلهة وإن لم يسموها آلهة ولذلك شبّه قولهم هذا بقول بني اسرائيل لموسى: اجعل لنا إلٰهاً كما لهم آلهة، فظهر بهذا الحديث أن التعلق على الأشجار والأحجار وغيرها لطلب البركة بها شرك في العبادة كشرك عبادة الأصنام.②

رسول اللہ ﷺ کا فرمان: والذی نفسی بیدہ آپ نے یہ قسم اس خبر کی تاکید اور تعظیم کے پیش نظر اٹھائی کہ بنی اسرائیل نے بھی موسیٰ علیہ السلام سے اسی قسم کا سوال کیا تھا کہ ہمارے لیے ایک اِلٰہ و معبود مقرر کر دیں جس طرح ان مشرکوں کا الٰہ و معبود ہے اگر چہ ان مشرکوں نے اِلٰہ کا نام نہیں لیا تھا۔ آپ نے خبر دی ہے کہ درختوں کے ساتھ تبرک حاصل کرنا اس کو اِلٰہ بنانا ہے اگر چہ اس کا نام اِلٰہ نہ بھی رکھا جائے۔ نبی ﷺ نے بھی اسی مناسبت سے صحابہ کرام کے اس قول کو بنی اسرائیل کے قول کے مشابہ قرار دیا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا ہمارے لیے ایک اِلٰہ مقرر کر دیں جس طرح ان کا اِلٰہ ہے، لہٰذا اس

① كتاب الباعث على إنكار البدع والحوادث / وجوب قطع الشجرة التي يعتقدفيها العوام... ص: ۱۰۳ / إغاثة اللهفان ج ۱ ص ۲۲۹
② قرة عيون الموحدين ص ۸۲



حدیث سے ثابت ہوا کہ درختوں اور پتھروں وغیرہ سے برکت کے لیے کوئی شے لٹکانا (یا ان سے کسی بھی قسم کا تعلق پیدا کرنا) شرک فی العبادہ ہے جس طرح بت پرستوں کا شرک ہے اسی طرح کا یہ بھی شرک ہے۔

زمین میں دھنس جانے کا نظریہ

عوام الناس کو گمراہ کرنے کے مختلف طریقوں میں سے شیطان کے ہاں ایک طریقہ اولیاء وصالحین کے زمین میں دھنس جانے کا نظریہ ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ شیطان کوئی مکان وموضع معین ومقرر کر کے عوام الناس کے اذہان میں خواب یا بیداری میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ یہاں اس جگہ پر فلاں بزرگ دھنس گیا ہے یعنی اپنی حیات وزندگی ہی کی حالت میں زمین کے اندر چلا گیا ہے اور چونکہ وہ بزرگ زندہ زمین میں دھنس گیا اس لئے وہ ہمیشہ سے زندہ ہے جس کو عوام الناس اپنی اصطلاح میں زندہ پیر کہتے ہیں۔ اور زندہ پیری کا نظریہ عوام الناس کے ہاں بہت مشہور ہے چونکہ اس نظریہ کے مطابق کئی ایسے جعلی قبے اور گنبدیں ہیں جو عوام الناس کے حسین وجمیل چہروں کے لئے مسجود ومعبود بنے ہوئے ہیں اور وہ بھی محض اس خیال وگمان سے کہ یہاں پر فلاں بزرگ دھنس گیا ہے۔ جس کو ہمارے بعض ایرانی قبائلی لہجہ میں کہتے ہیں کہ "پُر ورفتہ" اور اس کلمہ "پرورفتہ" کا معنی یہی ہے کہ زمین کے اندر زندہ دھنس گیا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ان عقل کے اندھوں کو اتنی بھی سمجھ نہیں ہے کہ جو شخص زمین میں دھنسا دیا جاتا ہے وہ ولی و بزرگ کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ تو اللہ کا مطرود وملعون بندہ ہی ہوسکتا ہے۔ کیا دنیا کی اس طویل وعریض تاریخ میں کوئی نبی یا انبیاء علیہم السلام کی بلاواسطہ اتباع میں سے کوئی صحابی وتلمیذ (معاذ اللہ) کہیں زمین میں دھنس گیا ہے؟ حاشا وکلا۔ کیونکہ زمین میں دھنس جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کی عبرتناک سزا ہے اور دنیا میں اس قسم کی سزا کے حق دار اللہ تعالیٰ کے مبغوض بندے ہوتے ہیں، محبوب نہیں بطور مثال قارون زمین کے اندر دھنس گیا تو کیا قارون اللہ تعالیٰ کا ولی و بزرگ تھا؟ اور اس کے دھنس جانے کی جگہ قبہ وگنبد بنانے کی حقدار ہے یا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہے؟ کیا مار پڑی ہے لوگوں کے دماغ پر ہم اس مسئلہ کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے صرف چند مثالوں پر اکتفا کر کے مسئلہ کو ختم کرتے ہیں۔

الف۔ شیخ حسن بن شیخ حسین بلاہ نوش کا زمین میں دھنس جانا:

قبر پرستوں کی خود ساختہ اور جھوٹی کہانیوں میں سے ایک کہانی شیخ حسن بن شیخ حسین بلاہ نوش کے زمین میں دھنس جانے کی کہانی ہے جو کہ عوام الناس اور بالخصوص شیخ حسین کے معتقدین کے ہاں مختلف طریقوں سے منقول ہے جن میں سے ایک یہ ہے:



کہتے ہیں کہ افغانستان کے علاقے سے کچھ ڈاکو شیخ حسن کی غیر موجودگی میں آ کر ان کے گھروں کو لوٹ مار کر کے دوسرے سامان و اموال کے علاوہ ایک سو(۱۰۰) عورتیں قیدی بنا کر لے گئے۔ اور پھر جب شیخ حسن کو اس کی اطلاع ملی تو فوراً اپنے علم باطن کی بدولت یہاں اپنے علاقہ ''مُلک'' سے اُڑے اور ''سیاہ رنگ'' سے اڑ کر بمقام ''سوزبار'' بیٹھ گئے۔ اور پھر یہاں پر دشمنوں سے ان کا مقابلہ ہوا تو شیخ حسن اپنے علم باطن کی وجہ سے اپنا سارا لوٹا ہوا مال و سامان اور بالخصوص وہ قید کی ہوئی عورتیں دشمن کے ہاتھوں سے چھڑا کر اپنے علاقہ و وطن کی طرف روانہ ہوئے تو کہتے ہیں کہ شیخ حسن جب دشمن پر غالب و فائز ہو کر اپنے وطن کو جا رہے تھے تو ''گرم سیل'' کے علاقہ پر پہنچ کر یہاں زمین میں دھنس گئے باقی رہی یہ بات کہ ان کے اس دھنس جانے کے کیا اسباب ہیں؟ تو اس بارے میں ان کے معتقدین میں بڑا اختلاف ہے۔ کچھ لوگ تو کہتے ہیں کہ جب شیخ حسن نے ڈاکوؤں سے اپنے لوٹے ہوئے مال و قیدی چھین کر واپس ہوئے تو ڈاکوؤں نے حکام اور دوسرے قبائل کی مدد و تعاون سے شیخ حسن کے پاس پہنچ کر اس پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے تو شیخ حسن ان دشمنوں کے حملہ سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو زیر زمین دھنسا دیا۔ کیونکہ بقول ان کے معتقدین کے ان کا علم باطن ختم ہو چکا تھا۔ جیسا کہ شیخ حسن نے بقول ان کے معتقدین کے خود اپنے کسی خاص مرید سے کہا ہے کہ میرا علم باطن سوائے ایک مرتبہ کے ظہور کے باقی سب ختم ہو چکا ہے۔ تو میں اپنے علم باطن کی اس ایک کرامت کے جو کہ ابھی تک باقی ہے۔ اس کو استعمال کر کے اپنے آپ کو زمین میں دہنسا دیتا ہوں اور شیخ حسن فوراً زمین میں دھنس گئے اور شیخ حسن کے معتقدین حضرات میں سے کچھ تو کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ شیخ حسن نے بغیر کسی خوف و ہراس کے اپنے علم باطن کو ظاہر کر کے اپنے آپ کو زمین میں دہنسا دیا۔ قصہ مختصر وہاں کے لوگ اور بالخصوص شیخ حسن کے معتقدین کہتے ہیں کہ جب شیخ حسن ''گرم سیل'' کے علاقہ ''صفار'' پہنچے تو یہاں پر زمین میں دھنس گئے اور کہتے ہیں کہ دھنس جانے کے وقت ان کی چادر کا کچھ حصہ زمین کے اوپر سے نظر آ رہا تھا جن کو ان کے مریدوں نے بعد میں نکال کر تبرک کے لئے اپنے پاس رکھا ہے۔ جو کہ بقول ان کے ابھی تک ان کے پاس موجود ہے۔ اور شیخ حسن کے معتقدین میں سے کچھ حضرات تو آپ کی چادر کے ٹکڑے کے وجود کو ان کے مریدوں کے ہاں انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ شیخ حسن کے دھنس جانے کے بعد ان کے والد شیخ حسین بلا نوش آ کر وہاں پر کھڑے ہو گئے اور اپنے بیٹے شیخ حسن سے کہا کہ جب تم خود زمین میں گئے تو اپنی بقیہ چادر کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں تو والد کے کہنے سے وہ اپنی چادر کا وہ بقیہ حصہ بھی لے گئے۔ خلاصہ یہ کہ شیخ حسن کا مزار بقول ان کے معتقدین کے وہاں ''گرم سیل'' کے علاقہ ''صفار'' میں موجود ہے۔ کہ جس کی وہاں کے لوگ پوجا کرتے ہیں۔ اوپر والی کہانی مجھے (اُبوعبدالصبور) شیخ حسن کے معتقدین کے علاوہ ان کے مخالفین بالخصوص وہاں کے اہل علم حضرات سے بھی اسی طرح ملی ہے۔ کہ واقعی یہ لوگ شیخ حسن کے متعلق اسی طرح کے اعتقاد رکھ کر اس کی پوجا کرتے ہیں اور آنے والی کہانیوں کو بھی میں نے انہی علاقوں کے اہل علم حضرات سے تحقیق کر کے لکھا ہے۔



شیخ حسن بن شیخ حسین بلاہ نوش کے متعلق ایک مختصر تاریخی جائزہ

اس شیخ حسن بن شیخ حسین بلاہ نوش کے متعلق مندرجہ بالا جھوٹا قصہ آپ حضرات نے سن لیا جو کہ نقل وعقل، فطرت وجبلت اور اسلامی عقائد کے سراسر خلاف ہے ہاں البتہ اس شیخ حسن بن شیخ حسین بلاہ نوش اور اس کے خاندان کا تاریخی طور پر تذکرہ ملتا ہے، تو اس مناسبت سے ہم چاہتے ہیں کہ اس تاریخی حقیقت کے متعلق چند سطور نہایت اختصار کے ساتھ تحریر کر دیں۔ اور وہ یہ کہ یہ شخص (شیخ حسن) شیخ حسین بلاہ نوش کا بیٹا ہے جیسا کہ مذکور ہوا اور اس شیخ حسین بلاہ نوش کی اور بھی صلبی اولاد ہے اور شیخ حسین بلاہ نوش کے شیخ عبدالعزیز بن شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی نسل سے ہے جبکہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ جناب حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ اور تاریخی طور پر ثابت ہے کہ بہت سے معروف اور معتبر قبائل شیخ حسن بن شیخ حسین بلاہ نوش کی طرف سے منسوب ہیں جنہیں بلاہ نوشی کہا جاتا ہے اور ان قبائل کو اپنا شجرۂ نسب نسل درنسل شیخ حسن بن شیخ حسین بلاہ نوش تک اور شیخ حسین بلاہ نوش سے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تک حفظ ہے۔

بلاہ نوشی کے مشہور قبائل

چنانچہ ان بلاہ نوشی قبائل میں سے چند مشہور ومعروف قبائل حسب ذیل ہیں:

(۱) گمشادزہی: جو کہ کثرت وقوت اور شجاعت وبہادری میں بلاہ نوشی قبائل کے علاوہ دوسرے بلوچ اقوام میں بھی سب سے زیادہ شہرت یافتہ ہیں۔ بلاہ نوش کی طرف نسبت میں یہ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

(۲) عبدل زہی: جو کہ مذکورہ بالا صفات میں گمشادزہی کے ہم پلہ ہیں۔ ان دونوں قبیلوں کا آپس میں قدیم زمانہ سے گہرا تعلق ہے مثلاً: رشتہ ناطہ، اور اس سے بڑھ کر آپس کے معاہدہ کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ہونے والے نقصانات (جو کہ دیگر قبائل سے پہنچے ہوں) کی تلافی میں ہمیشہ سے تعاون رہا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ہماری معلومات کے مطابق بلاہ نوشی قبائل میں یہ دونوں نفری تعداد میں سب سے زیادہ ہیں۔ بالخصوص اول الذکر۔

(۳) سالارزہی: یہ دراصل قبیلہ گمشادزہی کی ایک شاخ ہے۔

(۴) رئیس محمد زہی: (اس قبیلہ کے متعلق مجھے کوئی خاص معلومات نہیں البتہ الدکتور عبدالغفور بن عبدالحق نے مجھے بتایا کہ کدخدا ابراہیم نے مذکورہ قبیلہ کے نسب کی توثیق کی ہے۔)

(۵) موسیٰ زہی۔

(۶) سندک زہی۔



(۷) نُخُدزہی۔

(۸) محمودزہی: (جو کہ خاش وایرانشہر کے درمیان ''ہِنگل وَڈْا'' میں آباد ہے۔) وغیرہ

یہ بلاہ نوشی قبائل ایرانی بلوچستان میں کثرت کے ساتھ اور افغانستان اور پاکستانی بلوچستان میں قلت کے ساتھ آباد ہیں۔

بلاہ نوشی نسّاب سے معلومات

مندرجہ بالا معلومات مجھے خود انہی بلاہ نوشی قبائل کے نسّاب حضرات سے ملی ہیں۔ان میں سے کچھ سپردِ قرطاس کررہا ہوں۔

الف: (۱) محمد شریف بن سخی ملاحسن (۲) ملافقیر (۳) مولوی رحمت اللہ سالارزہی (۴) حکیم شاہ (۵) مولوی عبداللہ شاہ، وغیرہ۔

ان افراد کا تعلق گمشادزہی سے ہے۔

ب: (۱) محمد رضابن شہمیر (۲) یوسف بن رضائی بن ہاشم (۳) جمعہ بن فیض محمد (۴) عبدالملک بن ملک شاہ (۵) مولوی عبدالواحد بن ابراھیم (۶) بہرام بن پیری بن بہرام وغیرہ۔ان کا تعلق عبدل زہی قبیلہ سے ہے۔

ج: (۱) فضیلۃ الشیخ الدکتور عبدالغفور بن عبدالحق (۲) مولوی محمد بن لشکرخان (۳) الشیخ یونس،ان کا تعلق رئیس محمد زہی قبیلہ سے ہے۔

ص: حاجی غلام محمد،اس کا تعلق قبیلہ محمودزہی سے ہے۔

د: (۱) میردڑا (۲) عیسیٰ جورک،ان کا تعلق قبیلہ سندک زہی سے ہے۔

واضح ہو کہ یہ قبائل خاندانی روایات کے مطابق اپنے شجرۂ نسب کو نسل درنسل نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔باقی رہی یہ بات کہ شیخ حسن بن شیخ حسین بلاہ نوش سے منسوب مذکورہ قبائل کی یہ تاریخ کس حد تک ثابت اور درست ہے،تو اس بارے میں عرض ہے کہ یہ ساری ذمہ داری انہی قبائل کے نسّاب حضرات پر عائد ہوتی ہے میں تو محض ناقل ہو۔

مذکورہ قبائل کے نسب کی توثیق

البتہ بعض وجوہ کی بناء پر شیخ حسن بن شیخ حسین بلاہ نوش کا سلسلۂ نسب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تک مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر درست معلوم ہوتا ہے:

(۱) مذکورہ بلاہ نوشی قبائل کے اکثر وبیشتر نساب حضرات سلسلۂ نسب کے بیان کرنے میں کسی حد تک متفق نظر آتے ہیں،خاص طور پر نقلِ اسماء،ان کی ترتیب اور اتصال وغیرہ میں۔

(۲) بلاہ نوشی قبائل میں سے ہر ایک قبیلہ اپنا شجرۂ نسب التزام واہتمام کے ساتھ یاد رکھتا ہے، اور آگے نقل کرتا ہے جو کہ "صاحب البیت ادری بما فیه" (گھر والا ہی گھر کے احوال کو زیادہ بہتر جانتا ہے) کے قاعدہ کے تحت صحت کو مستلزم ہے۔

(۳) شیخ حسین بلاہ نوش کی طرف منسوب قبائل کو دوسری اقوام بھی اس مذکورہ نسبت کے ساتھ جانتے اور مانتے ہیں جو کہ "تانباشد چیزک مردم نگویند چیزھا" یعنی (جب تک تھوڑا کچھ نہ ہو تو لوگ بہت کچھ نہیں کہیں گے) کے قاعدہ کے تحت مذکورہ نسبت کی صحت کو مستلزم ہے۔

(۴) شیخ حسین بلاہ نوش کی طرف منسوب قبائل بالخصوص قبیلہ گمشادزہی کی شجاعت و بہادری بھی اس نسبت کی صحت پر ایک قرینہ ہے کیونکہ بلاہ نوشی قبائل عموماً شجاعت و بہادری میں مشہور و معروف ہیں۔

(۵) شیخ حسین بلاہ نوش کی طرف منسوب قبائل دوسری بلوچ اقوام میں بھی معزز و محترم اور ذی وقار و ذی وجاہت کے ساتھ دیکھے جاتے ہیں۔

مذکورہ وجوہات کی بناء پر ظن غالب یہی ہے کہ شیخ حسن بن شیخ حسین بلاہ نوش کا سلسلۂ نسب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تک صحیح و درست معلوم ہوتا ہے۔ هذا ماعندی و العلم عندالله .

ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ شیخ حسین بلاہ نوش اور اس کے بعد والی نسلیں کئی صدیوں تک "چاغی" (جو کہ پاکستانی بلوچستان کا ایک ضلع ہے) پر حکومت کرتی رہی ہیں اور خود شیخ حسین بلاہ نوش وہیں چاغی میں مدفون ہیں، جس کی قبر کی وہاں کے بدعتی اور مشرک لوگ اپنے شرکیہ عقیدہ کے مطابق زیارت کرتے ہیں اور وہاں بکری و دنبہ ذبح کرتے ہیں جو کہ صریح شرک ہے۔ چنانچہ اسی سال ۱۹۸۸ء میں مجھے کوئٹہ میں کچھ اہل علم حضرات اور بعض بلاہ نوشی معتقدین نے بتایا کہ بلاہ نوش کی قبر پر اس کے عرس کے موقعہ پر اس سال صرف ایک ہی آدمی نے اسی (۸۰) دنبہ ذبح کیے ہیں۔ مزید براں یہ کہ اس شیخ حسین بلاہ نوش (جو کہ شیخ حسن کا والد ہے) کی اولاد اپنے اس نسب سیدی اور چاغی کی حکمرانی پر اپنے باپ دادوں پر فخر کرتے ہوئے مدحیہ اشعار گاتے ہیں، چنانچہ اس بارے میں قبیلہ عبدل زہی کے بہرام بن پیری کے بہت سے اشعار بلوچی زبان میں مشہور ہیں جن میں سے ایک شعر یہ بھی ہے:

ماشی، شی زادگاں، ما چاغی پاگ واجہاں

مطلب اس کا یہ ہے کہ "ہم شیخ ہیں، شیخوں کی اولاد ہیں ہم چاغی کے دستار والے یعنی سفید پوش ہیں"

شیخ حسن بن شیخ حسین بلاہ نوش کے متعلق چونکہ وہ جھوٹا قصہ جو قصہ خوانوں کے ہاں مشہور و متداول ہے جو کہ عقائد اسلامیہ سے متصادم ہے جسے بدعقیدہ اور مشرک خیال لوگوں نے قبر پرستی کی احیاء کیلئے گھڑا ہے تو جب ہم نے قبر پرستوں کی ان خرافات و مشرکانہ عقائد کو انہی قبر پرستوں کی زبانی بیان کردہ کو نقل کر کے رد کر دیا تو مناسب تھا کہ اس شیخ حسن کے متعلق جو حقیقت تاریخی اعتبار سے ثابت ہے وہ بھی تحریر کر دی جائے تا کہ حقیقت خرافات میں گم نہ ہو جائے۔



ب۔ پیر رمضان:

پاکستانی بلوچستان کے ضلع اور تحصیل قلات کے گردونواح میں ایک چھوٹا سا قصبہ بنام ''رودین جو'' واقع ہے۔ اسی قصبہ میں دوسرے جعلی ونقلی گنبدوں، مکانوں اور قبوں کی طرح ایک جعلی مکان بنا ہوا ہے۔ جو کہ ''پیر رمضان'' کے نام سے مشہور ہے اور اس مکان کے اندر ایک قبر ہے اور جہاں پر یہ قبر ہے اس جگہ کو بلوچی زبان میں ''توک'' کہتے ہیں اور یہ جگہ تقریباً قلات سے بیس میل جنوب میں واقع ہے۔ جو کہ عوام الناس کے مرجع رجاء بن کران کے حسین وجمیل چہروں کے لئے معبود بنی ہوئی ہے۔ دمبے اور بکریوں کا مذبحہ بن چکا ہے اس پیر رمضان کے متعلق ان کے معتقدین کے ہاں ایسی ایسی باتیں مشہور ہیں کہ جن کو عقل انسان گوارہ ہی نہیں کرتی۔ شرک وبدعت کے رواج دینے کے لئے کرامات کے عنوان سے طرح طرح کی من گھڑت کہانیاں گھڑی جاتی ہیں اور خود اس پیر رمضان کے متعلق وہاں کے عوام الناس اور بالخصوص ان کے معتقدین کے ہاں یہی مشہور ہے کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیٹا اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے بیٹے کا بیٹا یعنی پوتا ہے جو کہ بہت بڑا ولی اللہ تھا۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے اس علاقہ میں آیا تھا کئی علاقوں کو فتح کر کے جب اس علاقہ میں پہنچا تو اس کو اس علاقے کے لوگوں سے بڑا زبردست مقابلہ کرنا پڑا اور پھر اخیر میں جب دشمنوں نے اس کو ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا تو پیر رمضان اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگا اور پھر جب وہ اس جگہ پر پہنچا تو اپنے گھوڑے سمیت زمین میں دھنس گیا۔ بس وہی رمضان ہے جو کہ ان کے معتقدین کے ہاں آج تک زندہ ہو کر لوگوں کا مشکل کشا بنا ہوا ہے یاد رہے کہ دوسرے خرافات اور شرکیہ عقائد واعمال کے علاوہ یہ بات سارے اہل اسلام اور بالخصوص علماء تاریخ کے ہاں مسلم ہے کہ سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا نہ کوئی بیٹا بنام رمضان کے ہوا ہے اور نہ ہی کوئی پوتا۔

ج۔ کوہ بیگم:

ضلع ''خضدار'' تحصیل ''نال'' کے علاقہ میں ''گرک'' نامی جگہ پر ایک اونچا پہاڑ ہے جو کہ ''کوہ بیگم'' کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں اس پہاڑ کے اندر ایک غیر شادی شدہ عورت دھنس گئی تھی۔

سبب: اس عورت کے یہاں پر دھنس جانے کا سبب ان کے معتقدین کے ہاں یہ ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک ولیہ تھی جو کہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتی تھی اور اس شوق عبادت کی وجہ سے اس نے شادی بھی نہیں کی تھی۔ تو ان کے رشتہ داروں نے ان کو شادی کے لئے بہت کچھ کہا۔ مگر اس نے کسی کی بات نہیں مانی تو کہتے ہیں کہ اس کے بھائی نے اس کی اجازت کے بغیر کسی آدمی سے اس کا نکاح کرا دیا جب اس عورت کو اپنے بھائی کے اس عمل کا پتہ چلا تو وہ سارا علاقہ چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ لوگ اس کی طرف بھاگے اور وہ آگے بھاگتی رہی یہاں تک کہ اس پہاڑ پر پہنچی تو وہاں اس پہاڑ پر پہنچتے ہی اس کے اندر چلی گئی۔



ی۔ خضدار کا زندہ پیر:

خضدار شہر کے جنوب میں ایک خالی جگہ ہے جس میں کبھی کبھی جھنڈے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں وہاں کے عوام الناس اس جگہ کو اس اعتقاد کی بنیاد پر متبرک سمجھ کر اس کی زیارت کرتے اور اپنے بیماروں کی شفاء کے لئے وہاں سے مٹی اٹھا کر لے جاتے ہیں کہ یہاں پر ایک ولی و بزرگ زندہ دھنس گیا ہے۔

عمرو بن لُحی زمین میں دھنس جانے اور دھنسنے والے کو ولی و بزرگ مان کر اس کو پوجنے کے نظریہ کا سب سے پہلا موجِد تھا

زمین میں دھنسنے کے بارے میں عوام الناس اور جہلا کے نظریہ کو تو آپ حضرات نے گزری ہوئی امثلہ کی روشنی میں دیکھ لیا۔

سوال: اب سوال یہ ہے کہ وہ لوگ یہ نظریہ کہاں سے لائے کہ جو شخص زمین میں دھنسا دیا جاتا ہے وہ ولی و بزرگ، قابل تعظیم وتوقیر اور حاجت روا و مشکل کشا ہوتا ہے۔ اور اس نظریہ کا موجد کون ہے؟

الجواب: سو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ قدیم زمانے کے بت پرستوں کا نظریہ ہے اور ہماری معلومات کے مطابق اس نظریہ کا سب سے پہلا ایجاد کرنے والا وہ شخص ہے کہ جس نے قوم نوح کے بعد جزیرہ عرب میں سب سے پہلے بت پرستی کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور وہ ہے عمرو بن لحی جس کی تفصیل باب اصنام میں پہلے گزر چکی ہے۔ چنانچہ اس بارے میں امام یاقوت حموی کی تحقیق ''اللات'' کی بحث میں پہلے گزر چکی ہے۔ کہ ''لات'' جو کہ بنوثقیف کا ایک آدمی تھا، طائف میں ایک معروف ومشہور پتھر پر بیٹھ کر حاجیوں کے لئے ستو بناتا تھا۔ اور پھر بعد میں جب وہ مر گیا تو عمرو بن لحی نے لوگوں سے کہا کہ ''لات'' مرا نہیں بلکہ وہ زندہ ہے اور وہ اسی پتھر کے اندر چلا گیا ہے اور ساتھ ہی عمرو بن لحی نے لوگوں کو اس پتھر کی عبادت کرنے اور اس کے اوپر قبہ وگنبد بنانے کا حکم دیا۔

اب امام یاقوت حموی رحمہ اللہ کی گذری ہوئی اس طویل عبارت کا کچھ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

......حتی إن اللات كان يلت له السويق للحاج على صخرة معروفة تسمى صخرة اللات وكان اللات رجلاً من ثقيف، فلما مات قال لهم عمرو بن لحيّ: لم يمت ولكن دخل فى الصخرة، ثم أمرهم بعبادتها وأن يبنوا عليها بنيانًا يُسَمّى اللات. ①

......بے شک لات ایک معروف پتھر پر حاجیوں کیلئے ستو بنایا کرتا تھا جسے ''صخرۃ اللات'' (لات کا پتھر) کہتے تھے، لات ثقیف قبیلے کا ایک آدمی تھا۔ جب وہ مر گیا تو عمرو بن لحی نے کہا: وہ مرا نہیں لیکن وہ اس پتھر میں داخل ہو گیا ہے، پھر اس نے لوگوں کو اس پتھر کی عبادت کا حکم دیا اور یہ حکم بھی دیا کہ اس پر ایک عمارت بنالیں جس کا نام ''لات'' مشہور ہو گیا۔

① معجم البلدان ج۵ ص۴



کعبة اللہ اور نقلی و جعلی کعبے

کعبۃ اللہ وہ معظم ومکرم بیت ہے اللہ تعالیٰ کا جو کہ مکہ مکرمہ میں واقع ہے۔ جس کو بطور تعظیم وتشریف اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے کعبۃ اللہ اور بیت اللہ وغیرہ کہا جاتا ہے کہ جس کی تعظیم وتوقیر اور عظمت واحترام کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے علاوہ کفار کے دلوں میں بھی رکھا ہے اور حج بیت اللہ ہر مسلمان مرد وعورت پر حسب استطاعت زادِ راہ، راحلہ، امن الطریق اور عورت کے لئے محرم وغیرہ جملہ شروط کے مطابق عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور بیت اللہ کا طواف عبادت ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ان مقررہ اور مفروضہ عبادات میں سے ایک بہترین عبادت ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے اور شریعت اسلامیہ میں کعبۃ اللہ وہ واحد بیت ومکان ہے کہ جس کا طواف کیا جاتا ہے اور اس کے سوا اس روئے زمین کے کسی بھی بیت، مکان اور شجر وحجر کا طواف جائز نہیں ہے۔ اور اسی طرح شریعت اسلامیہ میں جمادات میں حجر اسود کے سوا کسی بھی جماد کا تقبیل وبوسہ جائز نہیں ہے خواہ وہ قبر رسول اور منبر رسول ﷺ ہو یا مقام ابراہیم ہو کہ جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ چونکہ قرآن کریم میں مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کا حکم آیا ہے تقبیل وبوسہ کا نہیں اس لئے مقام ابراہیم کو نہ بوسہ دیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کا استلام کیا جاتا ہے۔ اور سلف صالحین کا یہی مسلک ہے۔ چنانچہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے سلف صالحین کا عمل اسی طرح نقل کیا ہے۔

ولقد أنكر السلف التمسح بحجر المقام الذى أمر الله تعالىٰ أن يتخذمنه مصلّى كما ذكر الأزرقى فى كتاب تاريخ مكة عن قتادة فى قوله تعالىٰ: ﴿واتخذوا من مقام ابراهيم مصلّى﴾ قال: إنما أمروا أن يصلوا عنده ولم يؤمروا بمسحه.①

سلف صالحین نے مقام ابراہیم والے پتھر کو چھونے سے انکار کیا ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسے جائے نماز بنایا جائے، جیسا کہ ازرقی رحمہ اللہ تاریخ مکہ میں قتادہ سے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى﴾ "تم مقام ابراہیم علیہ السلام کو جائے نماز بناؤ" کے بارے میں روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ انہیں یہ حکم ملا ہے کہ وہ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھیں اسے چھونے کا حکم نہیں دیا تھا۔

اور ارکان بیت میں سے استلام صرف اور صرف رکنین یمانیین کے لئے ہے۔ باقی رہا تقبیل سو وہ صرف اور صرف حجر اسود کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی پر علماء سلف کا اتفاق واجماع نقل کیا ہے۔

وهذا كما أنه قد ثبت باتفاق أهل العلم أن النبى صلى الله عليه وسلم لما حج لم يستلم من الأركان

۔ جیسا کہ اہل علم نے اتفاق کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حج کیا تھا تو آپ نے صرف دو یمانی رکن کو چھوا تھا۔ شامی رکنوں کو

---

① إغاثة اللهفان ج ا ص ٢٣٠



إلا الركنين اليمانيين فلم يستلم الركنين الشاميين ولا غيرهما من جوانب البيت ولا مقام إبراهيم ولاغيره من المشاعر، وأما التقبيل فلم يقبل إلا الحجر الأسود. ①

ہاتھ نہیں لگایا تھا اور نہ آپ نے بیت اللہ کا کوئی اور حصہ چھوا تھا اور نہ ہی مقام ابراہیم کو ہاتھ لگایا تھا اسی طرح دیگر مشاعر مقدسہ کو بھی آپ نے بالکل نہیں چھوا تھا۔ باقی رہا چومنے کا مسئلہ تو وہ آپ نے صرف حجر اسود کو چوما ہے۔

اور اسی طرح قبر رسول ﷺ کے عدم تقبیل واستلام پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے سلف صالحین کا اجماع نقل کیا ہے۔

ولكن كلما ضعف تمسك الأمم بعهود أنبيائهم ونقص إيمانهم عوّضوا عن ذلك بما أحدثوه من البدع والشرك وغيره. ولهذا كره الأئمة استلام القبر وتقبيله وبنوه بناءً منعوا الناس أن يصلوا إليه وكانت حجرة عائشة التي دفنوه فيها ملاصقة لمسجده وكان مابين منبره وبيته هو الروضة، ومضى الأمر على ذلك في عهد الخلفاء الراشدين ومن بعدهم. ②

جس قدر امتوں کا دور اپنے انبیاء سے دور ہوگا اور ان کا ایمان کمزور ہوگا تو اسی قدر وہ شرک وبدعات میں زیادہ گرفتار ہوں گے اسی لئے ائمہ کرام نے قبر مبارک کے استلام اور تقبیل کو حرام قرار دیا ہے اور اس بارے میں ایسی آڑ بنادی ہے تاکہ لوگ وہاں تک نہ پہنچ سکیں۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ آپ کے منبر اور گھر کے درمیان والی جگہ رَوْضَة من رياض الجنة ہے، عہد خلفائے راشدین اور بعد میں آنے والوں کے دور میں معاملہ اسی پر رہا۔

سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے رسول اللہ ﷺ کی قبر کے تمسح اور ہاتھ ملنے کی کراہت بھی ثابت ہے۔

قال أبوبكر الأثرم قلت لأبي عبدالله يعني أحمد بن حنبل: قبر النبي صلى الله عليه وسلم يُمَسُّ وَيتمسح به؟ فقال: ما أعرف هذا. ③

امام ابوبکر اثرم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا، نبی ﷺ کی قبر کو چھوا جائے اور مسح کیا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں اس بارے میں (سلف میں) کوئی چیز نہیں جانتا۔

اور امام مالک رحمہ اللہ سے منبر رسول ﷺ کے استلام کی کراہت کا قول منقول ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكره مالك التمسح بالمنبر كما كرهوا التمسح بالقبر. ④

امام مالک رحمہ اللہ منبر کے چھونے کو مکروہ خیال کرتے ہیں جس طرح وہ (سلف صالحین) آپ ﷺ کی قبر کو چھونا ناپسند کرتے تھے۔

① اقتضاء الصراط المستقيم ص: ۴۲۶
② اقتضاء الصراط المستقيم ص: ۳۶۷
③ اقتضاء الصراط المستقيم ص ۳۶۷
④ اقتضاء الصراط المستقيم: ص: ۳۶۸

اور چونکہ رسول اللہ ﷺ نے رکنین یمانیین کے سوا بیت اللہ کے کسی جزء کو استلام نہیں کیا اس لئے سلف صالحین کا عمل بھی اسی پر رہا ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سلف صالحین کا عمل یوں نقل کرتے ہیں:

فإن النبی صلی الله علیه وسلم لم یستلم إلا الرکنین الیمانیین وعلی هذا عامة السلف .①

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے صرف دو یمانی رکنوں کا استلام کیا ہے اور اسی پر عام سلف کا عمل تھا۔

یہی وجہ ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے طواف کعبہ کے دوران جب بیت اللہ کے ارکان اربعہ کا استلام کیا تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کو اس عمل سے منع کر کے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف رکنین یمانیین کا استلام کیا ہے۔ شامیین کا نہیں۔ تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیت اللہ کا کوئی جزء متروک نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ رکنین شامیین کو بھی استلام کیا جاتا ہے۔ تو اس پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ ترجمہ: ”البتہ تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ میں اسوۂ حسنہ ہے۔“ والی آیت تلاوت فرمائی تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سن کر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی طرف رجوع فرمایا۔

چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد رُوی ”أن ابن عباس و معاویة رضی الله عنهم طافاً بالبیت فاستلم معاویة الأرکان الأربعة. فقال ابن عباس: إن رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یستلم إلا الرکنین الیمانیین. فقال معاویة: لیس شیءٌ من البیت متروکاً. فقال ابن عباس: ﴿لقد کان لکم فی رسول الله أسوة حسن﴾ فرجع إلیه معاویة .②

روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم نے بیت اللہ کا طواف کیا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کے چاروں ارکان کا استلام کیا، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، رسول اللہ ﷺ نے تو صرف دو یمانی رکنوں کا استلام کیا ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: بیت اللہ کا کوئی جزء بھی متروک نہیں۔ اس کے جواب میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ﴿ لقد کان لکم فی رسول الله أسوة حسنة ﴾ ”تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہترین اسوہ ہے۔“ یہ سن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔

اب ملاحظہ فرمائیں اس بارے میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت:

عن سالم بن عبدالله عن أبیه رضی الله عنهما قال: لم أر النبی صلی الله علیه وسلم یستلم من البیت إلا الرکنین الیمانیین . ③ (صحیح بخاری)

سالم اپنے والد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو صرف دو یمانی رکنوں کو چھوتے دیکھا ہے۔

---

① إقتضاء الصراط المستقیم ص ۴۲۶
② اقتضاء الصراط المستقیم ص ۴۲۷
③ رواه البخاری، کتاب الحج، باب من لم یستلم إلا الرکنین الیمانیین.



حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے امام ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والجمهور على مادل عليه حديث ابن عمر رضى الله عنه .①	جمہور اہل علم کا موقف سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے مطابق ہے۔

اور مقام ابراہیم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے مقامات و مواضع خواہ یہ مقامات و مصلیات (نماز پڑھنے کی جگہیں) مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں ہوں یا ان کے علاوہ دوسرے اماکن میں ہوں۔ تو ان مقامات و مصلیات کی عدم تقبیل و استلام اور عدم تمسح وغیرہ پر سلف امت اور ائمہ کرام کا اجماع ہے جن کے دلائل اوپر گذر چکے ہیں کہ تقبیل (بوسہ لینا) حجر اسود کے ساتھ خاص ہے۔ اور استلام رکنین یمانیین کے ساتھ مخصوص ہے۔ ذرا ایمان سے پوچھ کر بتایئے کہ جب مقام ابراہیم اور مقامات و مصلیات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقبیل و استلام اور لمس بالید (ہاتھ لگانا) امت کے لئے جائز نہیں ہے۔ تو بھلا ان نقلی و جعلی اماکن و مواضع کی تقبیل و استلام اور لمس بالید وغیرہ کا جواز کہاں سے نکلے گا؟ جو کہ صرف اس خیال و گمان پر پوجے جاتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے یہاں پر آ کر نماز پڑھی ہے یا یہاں پر آ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا ہے یا یہاں پر آ کر سویا ہے؟ اور اگر مان بھی لیا جائے اور تاریخ و واقعہ سے اس بات کی شہادت مل بھی جائے کہ فلاں مکان پر فلاں بزرگ نے آ کر نماز پڑھی ہے۔ یا وہاں پر آ کر سویا ہے۔ یا آ کر وہاں پر بیٹھے تھے تو پھر بھی اس بزرگ کی اس جائے نماز اور بیٹھنے کی جگہ کو مقام ابراہیم اور مقامات و مصلیات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دے کر تقبیل و استلام بجا نہیں لایا جائے گا۔ اب اس پر سلف امت اور ائمہ کرام کا اجماع ملاحظہ فرمائیں:

وقد اتفق العلماء على ما مضت به السنة من أنه لايشرع الاستلام والتقبيل لمقام الذى ذكره الله تعالىٰ فى القرآن وقال: ﴿ واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى﴾ (البقر: ٢/١٢٦) فإذا كان هذا بالسنة المتواترة وباتفاق الأئمة لايشرع تقبيله بالفم ولامسحه باليد فغيره من مقامات الأنبياء أولىٰ أن لايشرع تقبيلها بالفم ولا مسحها باليد، وأيضا فإن المكان الذى كان النبى صلى الله عليه وسلم يصلى فيه بالمدينة النبوية دائماً لم يكن أحد من السلف يستلمه ولا يقبله ولا المواضع التى	اہل علم کا اتفاق ہے کہ جن مقامات کا ذکر قرآن میں آیا ہے ان کا استلام یا تقبیل جائز نہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى﴾ (البقرۃ:٢/١٢٦) ''اور تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔'' جب سنت متواترہ اور ائمہ کرام کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ اس ''مقام ابراہیم'' کو منہ کے ساتھ چومنا یا ہاتھ سے مسح کرنا جائز نہیں تو دیگر مقامات جن کی نسبت انبیائے کرام کی طرف ہے تو وہ بدرجہ اولیٰ جائز نہیں نہ منہ کے ساتھ نہ ہاتھ کے ساتھ، اسی طرح وہ جگہ، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ہمیشہ نماز ادا کرتے تھے، سلف صالحین میں سے کسی سے بھی اس کا

① فتح الباری ج٣ ص ٤٧٤



صلى فيها بمكة وغيرها. فإذا كان الموضع الذي كان يطؤه بقدميه الكريمتين ويصلي عليه لم يشرع لأمته التمسح به ولا تقبيله، فكيف بما يقال: أن غيره صلى فيه أونام عليه .①

استلام یا تقبیل ثابت نہیں اور نہ وہ جگہیں جہاں آپ نے مکہ مکرمہ یا دیگر مقامات میں نمازیں وغیرہ ادا کیں۔

یا وہ جگہیں، جہاں آپ ﷺ کے قدم مبارک لگے یا آپ نے وہاں نمازیں پڑھیں ہیں، جب انہیں چھونا یا چومنا امت کے لئے جائز نہیں تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی بھی فلاں جہاں نماز پڑھے یا سوئے (وہ جگہ بھی قابل استلام یا تقبیل ہے؟)۔

مسجد نبوی کی متعدد توسیعات سے پہلے خاص طور پر فقہاء کے زمانے میں جبکہ منبر رسول ﷺ ابھی تک اپنی اسی حالت پر موجود تھا جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا اور آپ ﷺ اس پر آ کر تشریف فرما ہوتے تھے تو اس وقت کے فقہاء نے اس کے استلام کے بارہ میں اختلاف کیا کہ آیا اس کا (یعنی منبر کا) استلام کرنا جائز ہے کہ نہیں۔ اگر چہ کچھ حضرات اس کے استلام میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ مگر اس وقت کے مشہور و معروف فقہاء اس عمل کو بدعت سمجھتے تھے۔ کیونکہ صحابہ و تابعین کے اندر یہ عمل نہیں تھا اور ان حضرات میں سے اس دور کے سب سے بڑے عالم اور امام دار الہجرۃ سیدنا امام مالک رحمہ اللہ تھے جو کہ اس مسئلہ میں بہت سخت تھے۔ یہاں تک کہ عطا رحمہ اللہ جو کہ اس زمانے کے ایک بڑے عالم تھے۔ لوگ اس سے علوم حاصل کر رہے تھے۔ مگر کہتے ہیں کہ وہ کبھی کبھی منبر رسول ﷺ پر تمسح کرتے تھے۔ اور پھر جب امام مالک رحمہ اللہ کو عطاء کا یہ عمل معلوم ہوا تو امام مالک رحمہ اللہ نے عطاء رحمہ اللہ سے علم لینا ہی چھوڑ دیا۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس بارے میں اسی طرح لکھتے ہیں:

ولهذا لايُسَنّ باتفاق الائمة أن يقبل الرجل أويستلم رُكني البيت اللذين يليان الحِجْر ولا جدران البيت ولا مقام إبراهيم ولا صخرة بيت المقدس ولا قبر أحد من الأنبياء والصالحين، حتى تنازع الفقهاء في وضع اليد على منبر سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم لما كان موجودًا فكرهه مالك وغيره لأنه بدعة. وذكر أن مالكًا

لہٰذا ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ آدمی بیت اللہ کے دو رکنوں کو نہ چھوئے۔ جو حطیم کی طرف ہیں۔ اور نہ بیت اللہ کی دیواروں کو چھوئے اور نہ مقام ابراہیم کو اسی طرح صخرۂ بیت المقدس اور کسی بھی نبی یا ولی کی قبر کو نہ چھوئے۔ بعض فقہاء نے اختلاف کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے منبر پر ہاتھ رکھنا جائز ہے کہ نہیں امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کو مکروہ خیال کیا ہے اور فرمایا کہ بدعت ہے۔ یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے جب عطاء رحمہ اللہ

① اقتضاء الصراط المستقيم ص ٤٢٧



لما رأى عطاءً فعل ذلک لم یأخذ عنه العلم. ① کو منبر کا مسح کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے علم حاصل کرنا چھوڑ دیا۔

اور اسی طرح تمام سلف صالحین کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے۔ کہ کسی بھی نبی وولی کی قبر کا استلام ومسح نہیں کیا جاتا اور نہ ان کی قبور کے پاس بیٹھ کر دعا کرنا مستحب ہے اور نہ ان کی قبور پر دعا کے لئے قصد کر کے جانا جائز ہے۔ کیونکہ انہی چیزوں سے شرک وبت پرستی کی ابتداء ہوئی تھی جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے اب اس کے بارے میں سلف صالحین کا اتفاق واجماع ملاحظہ فرمائیں۔ جسے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یوں نقل کرتے ہیں:

ولهذا اتفق السلف على أنه لايستلم قبرًا من قبور الأنبياء وغيرهم ولا يتمسح به ولا يستحب الصلاة عنده ولا قصده للدعاء عنده أوبه لأن هذه الأمور كانت من أسباب الشرك وعبادة الأوثان. ②

لہٰذا سلف کا اتفاق ہے کہ قبور انبیاء وغیرہ میں سے کسی قبر کا نہ استلام کیا جائے نہ اُسے چھوا جائے اور نہ اس کے پاس نماز جائز ہے نہ دعا کے لیے قصد کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ امور اسباب شرک اور بتوں کی عبادت میں سے ہیں۔

یہ تو ہوا حکم عدم استلام ومسح مطلق قبور انبیاء واولیاء کا اگر چہ اس عموم میں خود خاتم الانبیاء ﷺ کی قبر شریف بھی داخل ہے۔ مگر پھر بھی ائمہ کرام نے آپ ﷺ کی قبر شریف کے عدم استلام ومسح پر خصوصیت کے ساتھ اتفاق کر لیا ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ائمہ کرام کا اتفاق واجماع یوں نقل کیا ہے۔

واتفق الأئمة على أنه لايتمسح بقبر النبي صلى الله عليه وسلم ولا يقبله، وهذا كله محافظة على التوحيد فإن من أصول الشرك بالله اتخاذ القبور مساجد. ③

ائمہ کا اتفاق ہے کہ نبی ﷺ کی قبر کو نہ چھوا جائے نہ اس کو چوما جائے اور یہ توحید کی محافظت کے لیے ہے۔ بے شک قبروں کو مساجد بنانا اشراک باللہ کے اسباب میں سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کے ساتھ جو چیزیں مخصوص ہیں وہ کسی دوسرے اماکن میں ادا نہیں کی جاتیں بطور مثال مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کو لے لیں۔ جو کہ یہ وہی مسجدیں ہیں کہ مسجد حرام کی طرح ان کیلئے بقصد عبادت سفر کر کے جانا جائز ومشروع اور باعث اجر وثواب ہے۔ اور مسجد حرام کو چھوڑ کے دنیا کی باقی ساری مساجد کے مقابلہ میں ان کے اندر نماز پڑھنے کا اجر وثواب کئی گنا زیادہ ہے۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود مذکورہ دونوں مسجدیں عدم تقبیل واستلام اور مسح وغیرہ میں دنیا کی باقی مساجد کی مانند ہیں۔ ان کے اندر کے کسی بھی حصے کا نہ طواف کیا جاتا ہے۔ نہ تقبیل وبوسہ دیا جاتا ہے۔ اور نہ مسح واستلام کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح نہ قبر رسول اللہ ﷺ

---

① الجامع الفرید، کتاب الزیارة ص ٣٣٨

② الجامع الفرید، کتاب الزیارة ص ٣٨٩

③ الجامع الفرید، کتاب الزیارة ص ٣٩٧ واللفظ له/وغاية الأماني، ج: ٢ ص ٢٠٥

کی تقبیل واستلام اور طواف کیا جاتا ہے اور نہ دوسرے انبیاء واولیاء کی قبور کے ساتھ یہ معاملہ جائز ہے اور اسی طرح مسجد اقصیٰ میں جو مخصوص مکان ہے۔ جس کو "القبۃ الصخرۃ" یا صخرۃ بیت المقدس" کہا جاتا ہے۔ تو اس کا بھی طواف اور تقبیل واستلام جائز نہیں ہے اور اسی طرح میدان عرفات میں "جبل رحمت" کے اوپر جو قبہ ہے تو اس کا بھی طواف اور تقبیل واستلام جائز نہیں ہے بلکہ کعبۃ اللہ کے سوا اس روئے زمین کے کسی بھی خطہ کا طواف نہیں کیا جاسکتا اور اگر کسی نے کعبۃ اللہ کے سوا کسی دوسرے مکان کا طواف کیا یا اس کیلئے طواف کرنے کو جائز رکھا تو وہ اس شخص سے زیادہ بدتر ہے۔ جو کہ کعبۃ اللہ کے سوا کسی دوسرے مکان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتا ہے۔ کیونکہ کسی زمانہ میں کعبۃ اللہ کے سوا کسی دوسرے مکان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اٹھارہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور اس مدت میں آپ ﷺ اور مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ اور پھر بعد میں یہ قبلہ منسوخ ہو کر آپ ﷺ اور مسلمانوں کا قبلہ ہمیشہ کے لئے کعبۃ اللہ ہی بن گیا۔ اور چونکہ بیت المقدس جو کہ مسلمانوں کا قبلہ اول تھا اور اب وہ منسوخ ہو چکا ہے۔ اس لئے آج اگر کوئی شخص "القبۃ الصخرۃ" کو اپنا قبلہ مقرر ومتعین کر کے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے یا نماز پڑھنے کے جواز کا اعتقاد رکھے تو وہ شخص یقیناً کافر و مرتد ہو کر واجب القتل ہو جائے گا۔ اور اس مسئلہ میں اہل اسلام میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ جب صخرۃ بیت المقدس کا یہ حال ہے کہ اس کو اپنا قبلہ بنانے والا شخص کافر و مرتد ہو کر واجب القتل ہو جائے گا۔ باوجود یہ کہ "صخرۃ بیت المقدس" کسی زمانہ میں مسلمانوں کا قبلہ تھا تو پھر کیا حال ہوگا اس شخص کا جو کعبۃ اللہ کے سوا کسی دوسرے مکان کا کعبۃ اللہ کی طرح طواف کرتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی زمانہ میں طواف کو کعبۃ اللہ کے سوا کسی بھی مکان کے ساتھ جائز ومشروع نہیں کیا چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

وأما مسجد النبي صلى الله عليه وسلم والمسجد الأقصىٰ وسائر المساجد فليس فيها مايطاف به ولا فيها ما يتمسح به ولا مايقبل فلا يجوز لأحدٍ أن يطوف بحجرة النبي صلى الله عليه وسلم ولا بغير ذلك من مقابر الأنبياء والصالحين ولا بصخرة بيت المقدس ولا بغير هؤلاء كالقبة التي فوق جبل عرفات وأمثالها، بل ليس في الأرض مكانٌ يطاف به كما يطاف بالكعبة ومن اعتقد أن

اور مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور دیگر تمام مساجد ان میں کوئی بھی جگہ ایسی نہیں جس کا طواف کیا جائے اور نہ ان میں کوئی ایسی جگہ ہے جس کو چھوا جائے یا چوما جائے۔ اور کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ نبی ﷺ کے حجرے کا طواف کرے۔ اور نہ دیگر انبیاء کی قبروں کا اور نہ صخرۂ بیت المقدس کا اور نہ ان کے علاوہ کسی اور جگہ کا جیسے جبلِ عرفات کا قبہ وغیرہ۔ بلکہ پوری روئے زمین پر کوئی بھی جگہ ایسی نہیں جس کا طواف کیا جائے جیسے کعبۃ اللہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ



الطواف بغيرها مشروع فهو شر ممن يعتقد جواز الصلاة إلى غير الكعبة فإن النبي صلى الله عليه وسلم لما هاجر من مكة إلى المدينة صلى بالمسلمين ثمانية عشر شهراً إلى بيت المقدس فكانت قبلة المسلمين هذه المدة ثم إن الله حوّل القبلة إلى الكعبة وأنزل الله في ذلك القرآن، كما ذكره في سورة البقرة وصلى النبي صلى الله عليه وسلم والمسلمون إلى الكعبة وهي قبلة ابراهيم (عليه السلام) وغيره من الأنبياء فمن اتخذ الصخرة اليوم قبلة يصلى إليها فهو كافر مرتد يستتاب فإن تاب وإلاقتل، مع أنها كانت قبلة لكن نسخ ذلك؛ فكيف بمن يتخذها مكانًا يطاف به كما يطاف بالكعبة والطواف بغير الكعبة لم يشرعه الله بحالٍ. ①

کعبۃ اللہ کے علاوہ بھی طواف جائز ہے وہ اس آدمی سے بدتر ہے جو کعبہ کے علاوہ کسی سمت منہ کر کے نماز پڑھنے کا اعتقاد رکھتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اٹھارہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھائی اور بیت المقدس ہی اس مدت میں قبلہ تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا اور اس بارے میں سورۂ بقرہ میں آیات بھی نازل فرمائیں تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی شروع کی اور یہی ان کا قبلہ ٹھہرا اور یہی بیت اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء و مرسلین کا قبلہ تھا۔ آج جو شخص ''صخرۂ بیت المقدس'' کو قبلہ بنائے اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو وہ کافر و مرتد ہے۔ اس سے توبہ کرائی جائے گی، اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے گا باوجود اس بات کے کہ بیت المقدس پہلے قبلہ تھا اب منسوخ ہو چکا ہے تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو ''صخرۂ بیت المقدس'' کو طواف کی جگہ بنائے جیسے بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے؟ حالانکہ کعبہ کے غیر کا طواف اللہ تعالیٰ نے کسی بھی حال میں جائز قرار نہیں دیا۔

اور ''للطائفين والقائمين......'' (طواف کرنے والوں کے لئے اور قیام کرنے والوں کے لیے) والی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس طرح لکھتے ہیں:

فالطائف به معروف وهو أخص العبادات عند البيت فإنه لايفعل ببقية من الأرض سواها. ②

''طواف وہ عبادت ہے جو ساری زمین پر بجز بیت اللہ کے کسی دوسری جگہ پر ادا نہیں کیا جاتا۔

① الجامع الفريد، كتاب الزيارة ص ٤٥٩
② تفسير ابن كثير ج٣ ص ٢١٦

اور فقہاء احناف میں سے ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ شرح مناسک میں رسول اللہ ﷺ کی قبر کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

وَلاَ یطوف أی ولا یدور حول البقعة الشریفة لأن الطواف من مختصات الکعبة المنیفة فیحرم حول قبور الأنبیاء والأولیاء ولا عبرة بما یفعله العامة الجهلة ولو کانوا فی صورة المشائخ والعلماء .①

یعنی رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے ارد گرد طواف نہ کرے اس لئے کہ طواف کعبۃ اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس انبیاء اور اولیاء کی قبروں کے گرد پھرنا (طواف کرنا) حرام ہے اور جو جاہل لوگ ایسا کرتے ہیں اگر چہ وہ بصورت مشائخ اور علماء معلوم ہوں۔ ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

یہ ہیں شعائر اللہ اور امت اسلامیہ کا ان میں سے ہر ایک کے ساتھ یہ مختلف نوعیت کا معاملہ۔ اب سوال یہ ہے کہ امت اسلامیہ کا ان شعائر اللہ میں سے ہر ایک کے ساتھ یہ مختلف الانواع معاملے اس طرح کیوں ہیں؟ اور پھر یہ کہ یہ معاملات جو کہ ان شعائر اللہ میں سے ہر ایک کے ساتھ مختلف نوعیت کے ساتھ ہوتے ہیں تو یہ معاملے قبور اور مقامات انبیاء و اولیاء اور دوسرے مقامات مقدسہ کے ساتھ کیوں نہیں ہوتے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے تا کہ ہر حقدار کو اپنا وہ حق ملے جس کا وہ مستحق ہے۔ مثلاً عبادت اللہ تعالیٰ کا حق خالص ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی مخلوق شریک نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی مقرب و معزز کیوں نہ ہو؟ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رسول اللہ ﷺ کو شریک نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ساری امت پر بدون چون و چرا فرض ہے تو ایسی اطاعت مخلوق میں سے کسی بھی مخلوق کی امت اسلامیہ پر فرض نہیں ہو سکتی۔ اب آیئے ذرا شعائر اللہ پر ایک عبوری نظر ڈالتے ہیں۔

طواف بحکم الٰہی کعبۃ اللہ کے لئے مخصوص ہے روضۂ رسول ﷺ کا طواف نہیں کیا جاسکتا۔ تقبیل و بوسہ حجر اسود کے لئے خاص ہے قبر رسول ﷺ کو تقبیل و بوسہ نہیں دیا جاسکتا۔ استلام و تمسح بالید صرف رکنین یمانیین کے لئے ثابت ہے۔ منبر رسول ﷺ کو استلام نہیں کیا جاسکتا۔ سعی صفا و مروہ کی کی جاتی ہے۔ مدینہ منورہ اور بیت المقدس سمیت دنیا کے کسی خطہ میں بغرض عبادت اسی طرح کی سعی نہیں کی جاسکتی۔ دوڑنا صفا و مروہ کے درمیان صرف میلین اخضرین کے لئے مخصوص ہے۔ دنیا کے کسی خطہ کو مکرم و معظم سمجھ کر اجر و ثواب اور تقرب و عبادت کی نیت سے وہاں پر دوڑا نہیں جاسکتا۔ وقوف میدان عرفات کی خصوصیت ہے (اور وہ بھی صرف ۹ ذوالحج کو) دنیا کے کسی میدان کو معظم و مکرم سمجھ کر بغرض عبادت وہاں پر وقوف نہیں کیا جاسکتا۔ مبیت (رات گذارنا) بطور وجوب اور بغرض عبادت مزدلفہ میں کیا جاتا ہے۔ (اور یہ بھی صرف ۱۰ ذوالحج کی رات کو) دنیا کے کسی بھی خطہ میں اس غرض سے

① شرح المناسک، فصل ولیغتنم أیام مقامه بالمدینة المشرقة، ص ۳۴۲

میت نہیں کی جا سکتی۔ رمی میدان ''منیٰ'' میں جمرات ثلاثہ کیلئے ثابت ہے۔ (اور یہ بھی صرف یوم النحر اور ایام التشریق میں، نہ کہ ہمیشہ) دنیا کے کسی بھی پتھر کو بغرض عبادت رمی نہیں کی جا سکتی۔ حلق یا قصر الشعر بغرض عبادت ''منیٰ'' کے میدان، جمرات ثلاثہ کے ہاں کی جا سکتی ہے اور مکہ مکرمہ سے باہر دنیا کے کسی بھی مکان میں بغرض مذکور یہ عمل انجام نہیں دیا جا سکتا۔ وہ مکان جس میں اونٹ، گائے، دنبے اور بکریاں لا کر وہاں پر ذبح کیے جاتے ہیں۔ یہ شرف صرف میدان ''منیٰ'' کو حاصل ہے۔ دنیا کے کسی بھی خطہ کو ''منیٰ'' کی طرح بغرض عبادت مخصوص کر کے یہ عمل وہاں پر انجام نہیں دیا جا سکتا۔ وہ پانی جس کو بطور شفا و تبرک اور کھانا وغیرہ جس غرض کیلئے پیا یا غسل کیا جائے تو بحکم الٰہی مفید ہے وہ صرف اور صرف زم زم ہی کا پانی ہے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

''...... ماء زمزم لما شرب له'' . ① (حسن) ......زم زم کا پانی جس مقصد کیلئے پیا جائے وہی حاصل ہوگا۔

اور صحیح مسلم میں ایک طویل روایت میں برکت اور طعام کے الفاظ آئے ہیں:

...... قال قلت: ما كان لي طعام إلا ماء زمزم فسمنت حتى تكسّرتْ عُكَنُ بطني وما أجد على كبدي سخفة جوع، قال: إنها مباركة إنها طعام طُعم . ② (صحيح مسلم)

ترجمہ: ......فرماتے ہیں: میں نے کہا میرا کھانا زم زم کا پانی تھا جس سے میں موٹا ہو گیا اور میرے پیٹ پر بل پڑنے لگے اور مجھے بھوک کی وجہ سے بالکل کمزوری نہ ہوئی۔ آپ نے فرمایا یہ بابرکت ہے اور کھانے والے کے لیے کھانا بھی ہے۔

اور مسند ابی داؤد الطیالسی اور مسند الفردوس میں ''شفاء سقم'' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

عن...... سليمان بن مغيرة "انها مباركة وهي طعام طعم وشفاء سقم . ③ (صحيح)

سلیمان بن مغیرہ سے روایت ہے: ''بے شک زم زم بابرکت ہے کھانے کا کھانا اور بیماری سے شفاء ہے''

اس لئے دنیا کے کسی بھی مکان کے پانی کو زمزم کی طرح شفاء و تبرک اور طعام وغیرہ کی غرض سے پیا یا اس سے غسل نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ مکان کہ جس پر اپنے بدن کے کسی حصہ کو چمٹا کر یا اس کو پکڑ کر نہایت تضرع اور عاجزی و انکساری کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگی جائے وہ کعبۃ اللہ اور بالخصوص مقام ملتزم ہے۔ دنیا کے کسی بھی مکان، قبر و قبہ، حجر و شجر، گنبد و دیوار اور آستانہ و چوکھٹ پر اپنے بطن، پیٹھ، چہرہ، لب، ہاتھ اور بدن کے کسی بھی حصہ کو اس پر چمٹا کر اس کے سامنے تضرع و عاجزی اور

---

① رواه احمد، الرقم: ۱۴۷۸۵ إسناده حسن /مسند جابر بن عبدالله /صحيح الجامع الصغير وزيادته ، الرقم: ۵۵۰۱ /وقال الألباني صحيح حرف الميم/ابن ماجه ، كتاب المناسك، باب الشرب من زمزم (قال سيوطي ......واختلف الحفاظ فيه فمنهم من صححه ومنهم من حسنه ومنهم من ضعفه والمعتمد الأول) تعليق محمد فؤاد عبدالباقي على ابن ماجه ج۲ ص۱۰۱۸ / الدار القطني ج۲ ص۵۴۵، ترجمة ۲۷۰۲ كتاب الحج باب المواقيت.

② رواه مُسلم، كتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل أبي ذر ﷺ واللفظ له/ والبيهقي، كتاب الحج، باب سقاية الحاج والشرب منها ومن ماء زمزم.

③ مسند أبي داؤد الطيالسي، أحاديث أبي ذر / الديلمي، الرقم: ۳۳۵۱ .صححه السيوطي في الجامع الصغير/وصححه محقق المسند فقال صحيح تحقيق محمد حسن على مسند أبي داؤد، الرقم: ۴۶۰.



انکساری کے ساتھ کھڑے ہو کر دعا نہیں مانگی جا سکتی یہ تو ہوا کعبۃ اللہ اور دوسرے شعائر اللہ کا حال اور مسلمانوں کا ان کے ساتھ یہ معاملہ اب ملاحظہ فرمائیں دنیا کے دوسرے نقلی و جعلی کعبوں اور ان کے ساتھ قبر پرستوں کے معاملات۔

سو معلوم ہونا چاہیے کہ قبر پرست لوگ سینکڑوں اور ہزاروں میل کے لمبے لمبے سفر طے کر کے اولیاء و صالحین (واقعی یا فرضی) کی قبروں پر جا کر اصحاب قبور کی قبروں، آستانوں، قبوں، گنبدوں اور درگاہوں کے ساتھ ہر وہ معاملہ کر گذرتے ہیں جو کہ کعبۃ اللہ اور دوسرے شعائر اللہ کے ساتھ حجاز کی سرزمین مکہ مکرمہ میں بحکم الٰہی انجام دیئے جاتے ہیں۔ بطور مثال قبر پرست لوگ بزرگوں کی قبروں، بیٹھکوں، آستانوں، قبوں اور گنبدوں وغیرہ کا کعبۃ اللہ کی طرح طواف کرتے، حجر اسود کی طرح تقبیل و بوسہ دیتے، رکنین یمانیین کی طرح تمسح و استلام کرتے صفا و مروہ کی طرح وہاں پر میدان مقرر کر کے سعی کرتے، میلین اخضرین کی طرح جگہیں متعین کر کے دوڑتے، عرفات کی طرح میدان متعین کر کے وقوف کرتے، مزدلفہ کی طرح میدان مقرر کر کے بغرض عبادت وہاں پر رات گزارتے انہی قبور کے آس پاس جگہیں مقرر کر کے اپنے سروں کے بال منڈواتے منیٰ کی طرح وہاں پر مکان مقرر کر کے اونٹ، گائے دنبے اور بکریاں لے جا کر ذبح کرتے اس جگہ کے پانی کو ''زم زم'' کی طرح شفاء و تبرک اور کھانا وغیرہ کی غرض سے پیتے، غسل کرتے، وہاں کی مٹی کو شفا سمجھ کر کھاتے اور بیماروں کے لئے اٹھا کے لے جاتے اپنے حسین و جمیل چہروں کو حصول برکت کے لئے ان قبروں، آستانوں، قبوں اور گنبدوں کی مٹی پر رگڑتے۔ ان قبور کے سامنے چیختے چلاتے ان کو رکوع و سجدہ کرتے، ان اصحاب قبور کو اپنے مصائب و مشکلات کے لئے پکارتے، ان کے نام پر نذر و نیاز دیتے، وہاں پر جنتی دروازے، بازار اور پل صراط مقرر کرتے ہیں۔ چنانچہ ان جملہ خرافات میں سے چند ایک صرف بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

الف: جیسا کہ یہاں پاکستان کے صوبہ پنجاب میں پاک پتن شہر میں ایک خوبصورت گنبد ہے تو وہاں کے قبر پرستوں نے اپنے باطل عقیدہ کے مطابق ایک بہشتی دروازہ کے نام سے مخصوص و متعین کر دیا ہے جس کو جنتی دروازہ کہتے ہیں تو وہاں کے عوام الناس اور بالخصوص پاک پتن کے گنبد کے معتقدین کا اعتقاد یہ ہے کہ جو کوئی شخص اس دروازہ سے نکل جائے وہ یقیناً جنتی ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا فاسق و فاجر کیوں نہ ہو۔ چنانچہ مولانا عبید اللہ ہندی رحمہ اللہ قبر پرستوں کے باطل اور خود ساختہ عقیدے بیان کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں:

''بلکہ پاک پتن سے تو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کوئی وہاں جا کر ایک دفعہ جنتی دروازے میں سے نکل جاوے بہشتی ہو جاوے گا'' ①

ب: اور اسی طرح پاکستان کے صوبہ پنجاب، کوٹ مٹھن کا علاقہ ہے جو کہ پہلے ڈیرہ غازی خان، میں واقع تھا اور اب ضلع ''راجن پور'' ہے۔ تو یہاں ''کوٹ مٹھن'' میں ایک گنبد خواجہ غلام فرید کے نام سے مشہور و معروف ہے جو کہ شرک کا اڈا بنا ہوا ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں ایک مرتبہ مجھے وہاں پر اتفاق سے جانا پڑا تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے ''خواجہ غلام فرید'' کی درگاہ کی

① تحفة الهند، ص ۸۹

چوکھٹ پر یہ جملہ ''الا إن اولیاء اللہ لایموتون'' ترجمہ: خبردار بے شک ولی اللہ نہیں مرتے ،لکھا ہوا دیکھا۔قصہ مختصر ''کوٹ مٹھن'' میں ''خواجہ غلام فرید'' کی درگاہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی گلی ہے جو کہ بہشتی بازار کے نام سے مشہور ہے جو کہ ''خواجہ غلام فرید'' کے معتقدین کے عقیدہ کے مطابق اس بازار میں جو جائے گا تو وہ بہشتی ہو جائے گا اگر چہ اس بازار میں مرد بھی جاتے ہیں ،مگر بازار مذکور میں اکثر و بیشتر عورتیں جاتی ہیں یہ معلومات مجھے وہاں کے اہل علم حضرات جیسے ''مولانا عبدالجبار صاحب'' وغیرہ سے ملی ہیں۔

ج : اور اسی طرح ضلع ''ڈیرہ غازی خاں'' میں ایک بڑا علاقہ ''سخی سرور'' کے نام سے مشہور ہے کہتے ہیں کہ یہاں اس علاقہ میں ایک شخص بنام ''سخی سرور'' پیدا ہوئے تھے۔ جو کہ ایک اللہ والا درویش اور صاحب کرامات ولی و بزرگ تھا۔اور ولی کامل ہونے کے ساتھ ساتھ اس شخص میں ایک بہترین صفت اور بھی تھی اور وہ تھی صفت سخاوت جو کہ غریب ،مسکین ،بیوہ اور یتیموں کا ہمہ وقت مدد وتعاون کیا کرتا تھا۔اور اس بزرگ کی یہ صفت اتنی عام ہوگئی کہ اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ اس کی حیات وزندگی والی سخاوت کی امید لے کر اس کی قبر کے پاس جا کر اس سے مانگنے لگے۔تو ان کے معتقدین نے یہ مشہور کر دیا کہ جو بھی اس قبر کے ہاں جا کر مانگتا ہے۔تو مانگنے والے کا مطلب پورا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعد میں اس علاقہ پر اس بزرگ کا نام پڑ گیا۔اور وہ سارا علاقہ ''سخی سرور'' ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔اس ''سخی سرور'' ہی کی قبر و درگاہ اور گنبد کے ساتھ کیا کیا خرافات ،گندے اعمال اور شرکیہ عقائد پائے جاتے ہیں۔(الحفیظ والأمان) کہ قلم لکھنے سے اور زبان بولنے سے قاصر ہے،ان کو تو ہم تفصیل سے بیان کر ہی نہیں سکتے۔اس لئے ہم ان متعدد خرافات میں سے جو کہ ہمیں وہاں کے اہل علم حضرات سے ملی ہیں کچھ بطور نمونہ قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

(۱) بهشتی بازار:

''سخی سرور'' کی درگاہ کے قریب ایک چھوٹی سی گلی ہے جو کہ بہشتی بازار کے نام سے مشہور ہے۔''سخی سرور'' کے معتقدین کے عقیدہ کے مطابق جو شخص اس گلی سے نکل جائے تو وہ جنتی ہو جائے گا۔

(۲) پل صراط:

''سخی سرور'' کے معتقدین کے گندے اور شرکیہ عقائد میں سے ایک خسیس اور بدترین نظریہ ''پل صراط'' کا عقیدہ ہے اور وہ اس طرح کے ان ظالموں نے قیامت کے ''پل صراط'' کے بدلہ میں یہاں دنیا ہی میں ''سخی سرور'' کی درگاہ کے ساتھ ایک اونچا ،پتلا اور نہایت باریک سا ''پل'' بنا دیا ہے کہ جس کے اوپر سے لوگ پیدل گزرتے ہیں اور جو شخص اس ''پل'' سے صحیح وسلامت پار ہو کر گزر



جاتا ہے''سخی سرور'' کے معتقدین کے عقیدہ کے مطابق یہ شخص جنتی ہے اور اس کو میدان محشر کے''پل صراط'' سے گذرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ اس کا پل صراط یہی تھا جو اس نے دنیا ہی میں پار کرلیا۔ اور یہ پل چونکہ پتلا اور نہایت ہی باریک ہے، جس سے گزرنا کافی مشکل ہے۔ اس لئے ہر کوئی شخص اس سے نہیں گذر سکتا۔ حافظ محمد ابراہیم جو کہ''ڈیرہ غازی خاں'' کا باشندہ ہے اس نے مجھے بتایا کہ ہر سال ایک دو آدمی اس''پل صراط'' سے گر کر مر جاتے ہیں۔

(۳) جنت کی گھنٹی:

''سخی سرور'' کی درگاہ کے قریب گیٹ کے اوپر ایک خاص جگہ بنی ہوئی ہے۔ جہاں ایک گھنٹی لٹکی ہوئی ہے اور گھنٹی کے بالمقابل نیچے زمین میں تہہ خانہ بنا ہوا ہے۔ کہ جس کے نیچے اترنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں اور پھر اس گیٹ کے ساتھ چھلانگ لگانے کے لئے ایک جگہ متعین ہے تو لوگ یہاں اس جگہ سے چھلانگ لگا کر اس گھنٹی کو ہاتھ لگاتے ہیں اور چھلانگ لگانے کے بعد ٹھہرنے کیلئے نیچے والی سیڑھیوں کی بالائی سطح میں ایک چھوٹی اور تنگ جگہ ہے۔ کہ جس میں لوگ اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتے اس لئے اکثر و بیشتر چھلانگ لگانے والے ان سیڑھیوں سے پھسلتے ہوئے گر کر مر جاتے ہیں تو''سخی سرور'' کے معتقدین کے عقیدہ کے مطابق جس شخص نے چھلانگ لگا کر گھنٹی کو ہاتھ لگایا تو وہ شخص جنتی ہے۔ اگرچہ گھنٹی کو ہاتھ لگانے اور ٹھہرنے کی اس مقرر شدہ جگہ تک کچھ لوگ پہنچ جاتے ہیں۔ مگر چھلانگ لگانے کی جگہ سے گھنٹی اور گھنٹی سے لے کر ٹھہرنے کی جگہ تک چونکہ بہت دور کا فاصلہ ہے اس لئے اس میں کافی لوگ مر جاتے ہیں۔ یہ گھنٹی والا سلسلہ پہلے تھا مگر اب یہ سلسلہ نہیں ہے۔ حافظ محمد رمضان صاحب نے جو کہ وہاں پنجاب و سندھ کی درگاہوں کی کافی معلومات رکھتے ہیں مجھے بتایا کہ اس عمل کی وجہ سے چونکہ کافی لوگ مر جاتے تھے اس لئے صدر ایوب نے اپنے دور اقتدار میں یہ سلسلہ بند کر دیا۔

اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے حرمین شریفین کی طرح وہاں پر (یعنی قبور اولیاء و صالحین کے آس پاس والی اراضی کو) حرم مقرر کر کے ان کو حرمین شریفین کی طرح مکرم و معظم جانتے ہوئے وہاں کی گھاس کاٹنے اور شکار وغیرہ کرنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ لفظ ''حرم'' پر تفصیلی بحث ان شاءاللہ بعد میں آئے گی۔ ان کے علاوہ قبر پرستوں کی اور بھی بہت سی رسوم و خرافات ہیں۔ ان کے شرکیہ عقائد و اعمال کہاں تک بیان کیے جائیں۔

الغرض جو کچھ ایام حج میں کعبۃ اللہ اور دوسرے شعائر اللہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ہوتا ہے وہ سب اور ان سے بھی زیادہ یہ قبر پرست لوگ قبروں اور اصحاب قبور کے ساتھ کیا کرتے ہیں اب ہم اس بارے میں گفتگو کا رخ امام ابن قیم رحمہ اللہ کے قول کی طرف موڑتے ہیں چنانچہ وہ قبر پرستوں کا نقشہ ایک انوکھے انداز میں کھینچ کر یوں لکھتے ہیں:

ثم إن في اتخاذ القبور أعيادًا من المفاسد العظيمة التي لايعلمها إلا الله تعالىٰ ما يغضب لأجله كل من في قلبه وقار لله تعالىٰ وغيرة على التوحيد و تهجين وتقبيح للشرك. ولكن ما لجرح بميت إيلام فمن مفاسد اتخاذها أعيادًا، الصلاة إليها، والطواف بها، وتقبيلها واستلامها، وتعفير الخدود على ترابها وعبادة أصحابها والاستغاثة بهم وسؤالهم النصر والرزق والعافية وقضاء الديون وتفريج الكربات وإغاثة اللهفات وغير ذلک من أنواع الطلبات التي كان عباد الأوثان يسألونها أوثانهم، فلو رأيت غلاة المتخذين لها عيدًا، وقد نزلوا عن الأكوار والدواب إذا رأوها من مكان بعيد، فوضعوا لها الجباه وقبلوا الأرض وكشفوا الرؤس وارتفعت أصواتهم بالضجيج، وتباكوا حتى تسمع لهم النشيج ورأوا أنهم قد أربوا في الربح على الحجيج فاستغاثوا بمن لايبدئ ولا يعيد ونادوا ولكن من مكان بعيد حتى إذا دنوا منها صلوا عند القبر ركعتين ورأوا أنهم قد أحرزوا من الأجر ولا أجر من صلى إلى القبلتين. فتراهم حول القبر ركعا سجدًا يبتغون فضلاً من الميت ورضوانًا وقد ملأوا أكفهم خيبةً وخسرانًا، فلغير الله بل للشيطٰن مايراق هناک من العبرات ويرتفع من الأصوات ويطلب من الميت من

تعظیم قبور اور ان کو میلہ بنانے میں بڑے بڑے مفاسد اور خرابیاں پائی جاتی ہیں جن کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ان خرابیوں کو وہی شخص ناپسند کرتا ہے جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور وقار ہو اور توحید کے سلسلے میں اس کے دل میں غیرت وحمیت کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ شرک کی قباحت اس کے سینے میں پیوست ہو۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ (شعور وادراک کے لحاظ سے) مردہ دلوں پر کسی چیز کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ قبروں کی تعظیم کے بے شمار نقصانات ہیں۔ جیسے قبروں کو میلے کی جگہ بنالینا۔ وہاں نماز پڑھنا۔ ان کا طواف کرنا، ان کو چومنا چاٹنا، قبرستان کی مٹی کو اپنے چہرہ پر ملنا، اہل قبور کی عبادت کرنا ان سے فریاد کرنا۔ ان سے رزق، مدد اور صحت وعافیت کی دعا کرنا، ان سے اپنے قرضہ کی ادائیگی کا سوال کرنا مصائب وشدائد کو دور کرنے کی التجا کرنا۔ پریشان حال کا اپنی حالت کو تبدیل کرانے کی التجاء کرنا اولیاء کرام کی قبروں کو عیدگاہ اور میلے بنانے والے غالی قسم کے لوگوں کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ لوگ جب دور سے اپنے پیروں کی قبروں کو دیکھتے ہیں تو اپنی سواریوں سے اتر کر پیادہ چلنا شروع کردیتے ہیں۔ اپنی جبینوں کو جھکا لیتے ہیں۔ زمین کو بوسہ دیتے ہیں۔ سروں کو ننگا کرلیتے ہیں اور آہ وزاری کی وجہ سے ان کی آوازیں بلند ہوجاتی ہیں اور تکلف سے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سفر میں ہمیں حاجیوں سے بھی زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے اور ایسے مردوں سے فریاد طلب کرتے ہیں جو نہ پہلی بار پیدا کرسکتے ہیں اور نہ



الحاجات ويسأل من تفريج الكربات، وإغناء ذوى الفاقات ومعافاة أولى العاهات والبليات. ثم انثنوا بعد ذلك حول القبر طائفين تشبيهاً له بالبيت الحرام الذى جعله مباركًا وهدىً للعالمين. ثم أخذوا فى التقبيل والاستلام. أرأيت الحجر الأسود وما يفعل به وفد البيت الحرام؟ ثم عفروا لديه تلك الجباه والخدود التى يعلم الله أنها لم تعفر كذلك بين يديه فى السجود ثم كملوا مناسك حج القبر بالتقصير هناك والحلاق واستمتعوا بخلاقهم من ذلك الوثن إذلم يكن لهم عندالله من خلاق. وقربوا لذلك الوثن القرابين وكانت صلاتهم و نسكهم وقربانهم لغير الله رب العالمين، فلورأيتهم يهنئ بعضهم بعضًا ويقول: أجزل الله لنا ولكم أجرًا وافرًا وحظًا. فإذا رجعوا سألهم غلاة المتخلفين أن يبيع أحدهم ثواب حجة القبر بحج المتخلف إلى البيت الحرام. فيقول: لا ولو بحجك كل عام. هذا ولم نتجاوز فيما حكيناه عنهم ولا استقصينا جميع بدعهم وضلالهم إذ هى فوق ما يخطر بالبال أويدور فى الخيال. وهذا كان مبدأ عبادة الأصنام فى قوم نوح (عليه السلام) كما تقدم. وكل من شمّ أدنى رائحةٍ من العلم والفقه يعلم أن من أهم الأمور سدّا الذريعة إلى هذا

دوبارہ اور دور سے اہل قبور کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور قریب آ کر دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہاں اجر حاصل کرلیا ہے۔ حالانکہ صورت حال یہ ہے کہ جو شخص دو قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا عادی ہوا سے کسی قسم کا کوئی اجر نہیں ملتا۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ لوگ قبر کے اردگرد رکوع وسجود میں مصروف ہیں اور میت کی رضا اور بھلائی کی امید رکھتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے اپنی جھولیاں خسارہ اور ناکامی سے بھر لی ہیں۔ ان کا رونا، دھونا، آوازوں کو بلند کرنا خالص شیطان کیلئے ہے۔ میت سے مرادیں طلب کرتے ہیں۔ مصیبتوں سے گلوخلاصی چاہتے ہیں۔ فقر وفاقہ سے نجات اور مصائب ومشکلات سے چھٹکارا چاہتے ہیں۔ اور قبر کا طواف اس طرح کرتے ہیں جیسے بیت اللہ کا کیا جاتا ہے۔ جسے اللہ کریم نے بابرکت اور تمام جہانوں کیلئے رشد و ہدایت کا مرکز بنایا ہے۔ قبر کا استلام اور بوسہ اسی طرح دیتے ہیں جیسے مسلمان حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ جبینوں اور چہروں کو قبر پر ملنا شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ اس کے سامنے حالت سجود میں اتنے خاک آلودہ نہیں ہوتے۔ قبر کے اعمالِ حج کی تکمیل سر منڈوانے پر ہوتی ہے۔ جس بدنصیب کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حصہ نہیں وہ ان اوثان اور قبور سے اپنا حصہ حاصل کر لیتا ہے۔ وہ اپنے جانوروں کو ان قبور کے پاس آ کر ذبح کرتے ہیں۔ ان کی نمازیں اوران کی قربانیاں غیر اللہ کیلئے مخصوص ہو کر رہ گئی ہیں۔ اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہوئے نظر



المحذور .وأن صاحب الشرع أعلم بعاقبة ما نهى عنه لما يؤل إليه وأحكم في نهيه عنه وتوعده عليه. وأن الخير والهدى في اتباعه وطاعته والشرو الضلال في معصيته ومخالفته .①

آتے ہیں اور اس موقعہ پر وہ کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو اجر عظیم عطا فرمائے" مشرکین کا یہ گروہ جب اپنے اپنے گھروں کو واپس آتا ہے۔ تو وہ غالی مشرک جو قبر پر نہ جاسکا۔ کہتا ہے کہ تم میرا حج بیت اللہ کا ثواب لے لو اور اس کے عوض جو تم نے قبر کا حج کیا ہے۔ وہ میرے ہاتھ فروخت کردو۔ تو اسے جواب ملتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ تم تمام سالوں کے (حج بیت اللہ والے) ثواب مجھے کیوں نہ دے دو۔ اور اس کے بدلہ میں قبر کا حج لینا چاہو تو یہ تبادلہ ممکن نہیں ہے۔ ہم نے جو مذکورہ واقعات بیان کئے ہیں اس میں مبالغہ نہیں کیا بلکہ حقائق بیان کئے ہیں وگرنہ ان لوگوں کی تمام بدعات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ بدعات وخرافات اتنی بڑھ چکی ہیں کہ انسان کے تصور سے بھی باہر ہیں۔ قوم نوح علیہ السلام انہی میں مبتلا ہوکر بت پرستی کا شکار ہوئی تھی۔ جس نے علم وفقہ کی ذراسی خوشبو بھی سونگھی ہے اس سے یہ امور پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ اس پر لازم ہے کہ ان امور کے خطرات سے عوام کو آگاہ کرے تاکہ شرک اور بدعات کا دروازہ بند ہوجائے۔ کیونکہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال قبیحہ کے انجام بد سے امت کو آگاہ فرماتے ہوئے ان کی انتہائی سخت الفاظ میں ممانعت فرمائی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ انسان کی بھلائی اور خیر خواہی اور ہدایت اسی میں ہے کہ انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کا راستہ اختیار کرے اور ہر قسم کی معصیت وگمراہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے بچے۔

① إغاثة اللهفان ۱/۲۱۲-۲۱۳



اسلام میں صرف دو حرم ہیں

قبر پرستوں اور آستانہ پرستوں کی جملہ بدعات وخرافات اور گندے عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ وہ بزرگوں اور ولیوں کی قبروں، گنبدوں اور مدفنوں کے آس پاس وسیع اراضی کو مکرم ومعظم سمجھ کران کے ساتھ حرمین شریفین کا سا معاملہ کرتے ہیں اور بعض ظالم غالی قبر پرست تو یہاں تک جرأت کر کے اولیاء وصالحین کی قبروں اور مدفنوں کے آس پاس کی اراضی کو خود حرم ہی کا نام دے کر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے حرمین شریفین کی طرح وہاں پر شکار کرنے، گھاس اکھاڑنے درخت کاٹنے اور وہاں جنگ وجدال وغیرہ کو ممنوع سمجھتے ہیں اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ حقیقت اور امر واقع ہے۔ اور اس کیلئے بہت سے شواہد موجود ہیں جیسے ایران، ہندوستان وغیرہ میں قبر پرست لوگ بہت سے بزرگوں اور ولیوں کی قبروں اور مدفنوں کے آس پاس کئی گز اراضی کو یا تو حرم ہی کا نام دے کر یا حرم کا نام دیئے بغیر ہی ان کے ساتھ بعینہ وہی چیزیں حرام سمجھتے ہیں جو کہ بحکم الٰہی حرمین شریفین میں حرام ہیں جیسے ہندوستان میں نظام الدین اولیاء، معین الدین چشتی اجمیری وغیرہ کی قبور ہیں کہ جن کے آس پاس والی اراضی کو ان کے معتقدین نہایت ہی معظم ومکرم سمجھ کر ان کے ساتھ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے حرمین شریفین کے جیسا معاملہ کرتے ہیں۔ اور ان سے بڑھ کر ایران کی سرزمین خراسان کے دارالخلافہ، مشہد میں ایک نہایت خوبصورت، بارونق اور چمکدار گنبد ودرگاہ ہے جس کے اندر سنگ مرمر کی ایک قبر پائی جاتی ہے اور یہ امام رضا کے نام سے مشہور ومعروف ہے، صدیوں سے لوگوں کے حسین وجمیل چہروں کیلئے مسجود ومعبود بنی ہوئی ہے، جو کہ حرم ہی کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ میں خود مشہد میں جا کر قبر پرستوں کے شرکیہ عقائد واعمال کو دیکھ چکا ہوں، دوسرے شرکیہ عقائد واعمال کو تو چھوڑیں صرف اسی لفظ ''حرم'' ہی کو لے لیں، جو کہ ہمارا اصل موضوع ہے۔ (الأمان والحفیظ)

اللہ تعالیٰ کی قسم جب مسافر لوگ ''مشھد'' کے ایئرپورٹ یا بس اسٹاپ سے اتریں گے تو کرائے کی گاڑیاں کرائے کشی کے لئے وہاں پر کھڑی ہوئی نظر آئیں گی اور ڈرائیور حضرات بعینہ جدہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ایئرپورٹ اور موقف سیارات (کار اسٹینڈ) کی طرح حرم حرم کرتے ہوئے مسافروں کو وہاں سے لے جاتے ہیں تو ناواقف لوگ اس منظر کو دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں کہ کیا یہ مشھد کی سرزمین ہے یا مکہ مکرمہ اور مدینہ کی؟ آخر آپ بتائیے کہ مشھد کے حرم کا بانی کون ہے؟ قرآن کریم کی کس آیت اور احادیث رسول ﷺ کی کس حدیث سے امام رضا کے حرم کا ثبوت ملتا ہے؟

کیونکہ حرم بنانے اور مقرر کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کہ یا تو اپنے کلام مقدس میں کسی مکان کو حرم کا شرف دیتا ہے یا اپنے کسی نبی ورسول کی زبان پر کسی مکان کو حرم متعین کرتا ہے۔ تو امام رضا کا حرم نہ تو قرآن کریم کی کسی آیت میں ملتا ہے اور نہ ہی رسول ﷺ کی خزینۂ احادیث میں اس کا کہیں پر تذکرہ ہے۔ ہمارے اس بیان سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ہم اولیاء اللہ کی شان میں

گستاخی کرتے ہیں یا ان کے فضائل ومناقب اور ولایت و بزرگی کے منکر ہیں جیسے امام رضا اور ان کے آباؤ واجداد وغیرہ ہیں۔ حاشاوکلا ان حضرات کی ولایت و بزرگی اور فضائل ومناقب اپنی جگہ پر مسلم ہیں۔ ان سے بحث نہیں بلکہ اصل بحث ایک مستقل حکم شرعی سے ہے۔ کہ جن کا اطلاق کسی بھی مکان پر بغیر نص شارع کے نہیں ہوسکتا۔ باقی رہا فضائل ومناقب کا مسئلہ تو اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ تاریخی اعتبار سے امام رضا آل بیت الرسول ﷺ میں سے ہیں۔ اور اپنے دور کے ایک بڑے بزرگ تھے اور امام رضا رحمہ اللہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کے رواۃ میں سے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امام رضا عقیدہ کے اعتبار سے اہل سنت ہی کے مسلک پر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے محدثین حضرات امام ابن ماجہ جیسی شخصیات نے ان سے روایات لیں ہیں۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ میں امام رضا سے روایت یوں آئی ہے:

حدثنا سهل بن أبي سهل ومحمد بن إسماعيل قالا حدثنا عبدالسلام بن صالح أبو الصلت الهروي ثنا علي بن موسىٰ الرضا عن أبيه عن جعفر بن محمد عن أبيه عن علي بن الحسين عن أبيه عن علي بن أبي طالب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الإيمان معرفة بالقلب وقول باللسان وعمل بالأركان. ①

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں سہل بن ابی سہل اور محمد بن اسماعیل نے حدیث سنائی وہ دونوں کہتے ہیں: ہمیں عبدالسلام بن صالح الہروی نے حدیث سنائی وہ کہتے ہیں ہمیں علی بن موسیٰ الرضا نے اپنے باپ سے انہوں نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے علی بن حسین سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے علی بن ابوطالب سے روایت سنائی وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان دل کی معرفت، زبان سے اقرار اور اعضاء کے عمل کا نام ہے۔"

اگرچہ اس روایت میں ایک راوی ابوالصلت الہروی ہے جو کہ ضعیف ہے جس کے متعلق امام بوصیری شارح ابن ماجہ کہتے ہیں:

قلت: أبو الصلت هذا متفق على ضعفه واتهمه بعضهم. ②

ابوالصلت کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے اور بعض نے اس کو متہم قرار دیا ہے۔

ابوالصلت الہروی کا ضعیف اور حدیث مذکور کا ضعیف یا موضوع ہونا اپنی جگہ پر۔ مگر امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کا امام رضا رحمہ اللہ سے روایت لینا اور بالخصوص عقائد کے باب میں تو یہ امام رضا کی سنیت و بزرگی کی دلیل ہے۔ کیونکہ محدثین حضرات کی جرح و تعدیل والی شروط و قیود میں سے راوی کے مجروح ہونے کا ایک سبب ان کے عقیدہ کی خرابی ہے اور چونکہ روافض کے عقیدے (الف) سے لے کر (ی) تک باطل ومردود ہیں اس لئے ہمارے محدثین حضرات شیعہ وروافض کی روایت کو نہیں لیتے۔ امام

① سنن ابن ماجه، المقدمة باب في الإيمان /قال الألباني: موضوع.
② مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه ج ١ ص ٥١



رضا رحمہ اللہ کے پورے شجرۂ نسب کو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ۲۰۳ھ کے حوادث میں یوں بیان کیا ہے۔

علي بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علي بن الحسين بن علي ابن أبي طالب القرشي الهاشمي العلوي الملقب بالرضا، كان المأمون قدهم أن ينزل له عن الخلافة، فابى عليه ذلك فجعله ولي العهد من بعده كما قدّمنا ذلك، توفي في صفر من هذه السنة بطوس، وقد روى الحديث عن أبيه وغيره، وعنه جماعة منهم المأمون وأبو السلط الهروي وأبو عثمان المازني النحوي، وقال سمعته يقول: الله أعدل من أن يكلف العباد مالا يطيقون وهم أعجز من أن يفعلوا مايريدون .①

علی بن موسیٰ بن جعفر......جن کا لقب الرضا تھا، مامون نے ارادہ کیا کہ انہیں خلافت عطا کریں تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ پھر اس نے ولی عہد مقرر کر دیا جیسا کہ ہم پہلے اس کا ذکر کر چکے ہیں۔
امام علی بن موسیٰ صفر سن ۲۰۳ھ میں طوس شہر میں فوت ہوئے۔ انہوں نے اپنے باپ اور دیگر محدثین سے روایت کی ہے اور آپ سے بھی ایک جماعت روایت کرتی ہے ان میں مأمون، ابو السلط الہروی اور ابو عثمان المازنی النحوی بھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے آپ کو سنا آپ کہہ رہے تھے اللہ بے نیاز ہے کہ وہ بندوں کو اس کام کا مکلف بنائے جو وہ کر نہ سکیں اور بندے عاجز ہیں اس بات سے کہ وہ ہر وہ کام کر گزریں جس کا وہ ارادہ کریں۔

مگر اس سب کچھ کے باوجود امام رضا رحمہ اللہ کے نسب سمیت ان کے جو بھی فضائل ومناقب ہیں تو وہ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں قرآن وحدیث سے تو پھر بھی ان کا ثبوت نہیں ملتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ۱۱ھ/۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ کو ہوئی اور تاریخی روایات کے مطابق امام رضا رحمہ اللہ کی ولادت ۱۴۸ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی چنانچہ اس بارے میں امام ابن الاثیر رحمہ اللہ اپنی تاریخ الکامل میں یوں لکھتے ہیں:

وكان مولد علي بن موسیٰ بالمدينة سنة ثمان واربعين ومائة .②

علی بن موسیٰ سن ۱۴۸ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

اور ان کی وفات ۲۰۳ھ میں ہوئی ہے۔ چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثم دخلت سنة ثلاث ومائتين فيها وصل المأمون العراق ومر بطوس فنزل بها وأقام عند قبر أبيه أيامًا

سن دو سو تین کے واقعات وحوادث: مامون جب عراق پہنچا اور طوس مقام سے گزرا تو اپنے والد کی قبر پر صفر کے مہینے کے

① البداية والنهاية ج١٠ ص ٢٥٠ واللفظ له/ كتاب الوالي والوفيات ج٢٢ ص٢٤٨......٢٤٩، رقم الترجمة: ١٨١
② الكامل في التاريخ: ٦/٢٠٣/ كتاب الوالي والوفيات ج٢٢ ص٢٤٨، رقم الترجمة: ١٨١



من شهر صفر، فلما كان فى آخر الشهر أكل على بن موسى الرضىٰ عنباً فمات فجاة، فصلى عليه المأمون ودفنه إلى جانب قبر أبيه الرشيد.①

کئی دن قیام کیا، صفر کے آخر میں علی بن موسیٰ رضا نے انگور کھائے، تو وہ اچانک فوت ہوگئے، مامون نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے والد رشید کے پہلو میں دفن کر دیا۔

اور امام ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام رضا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی پوری تفصیل یوں لکھی ہے:

فى هذه السنة مات على بن موسى الرضىٰ عليه السلام وكان سبب موته أنه أكل عنبًا فاكثر منه، فمات فجاة وذلك فى آخر صفر، وكان موته بمدينة طوس، فصلى المأمون عليه ودفنه عند قبر أبيه (الرشيد).②

۲۰۳ھ میں علی بن موسیٰ الرضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی اس کی موت کا یہ سبب تھا کہ اس نے زیادہ انگور کھالیے پس اسی سے اچانک وہ فوت ہوگیا صفر ۲۰۳ھ کے آخر میں طوس شہر میں اس کی موت واقع ہوئی اور مامون نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اسے اپنے باپ ہارون الرشید کے پہلو میں دفن کیا۔

فائدہ: ان ساری روایات سے ثابت ہوا کہ خلیفہ مامون نے امام رضا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے باپ ہارون الرشید کی قبر کے ساتھ دفن کیا، جس سے صاف معلوم ہوا کہ مشھد میں جو قبر امام رضا کے نام سے مشہور و معروف ہے وہ مشکوک اور غیر یقینی ہے۔ کیونکہ لفظ "عند" شدتِ قرب اور اتصال کو چاہتا ہے تو اس قرب و اتصال کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ یہ قبر اصل میں ہارون الرشید ہی کی ہو۔ اور اگر فرض کرو کہ یہ قبر امام رضا رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ہے۔ تو بھی لفظ "عنـد" کے مقتضا کے مطابق ہارون الرشید کی قبر اس دائرے میں یقیناً داخل ہے جس کو روافض حرم کہتے ہیں۔ جبکہ روافض ہارون الرشید کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس شخص کو شیعہ و روافض اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں اس کے مدفن کو محترم و معظم سمجھ کر حرم کہتے ہیں اور یہ قبر پرستی ہی کی لعنت ہے۔

یہ تو ہوئی امام رضا رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت و وفات کی تاریخ اور قرآن کریم کا نزول

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ③

فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ سے، کہہ دو اللہ فتویٰ دیتا ہے تم کو کلالہ کے بارے میں۔

اس آیت پر ختم ہوا ہے۔ ایک قول تو یہی ہے کہ قرآن کریم کی آخری آیت نزول کے لحاظ سے یہی ہے اور ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ

① البداية والنهاية: ١٠/٢٧٢/تاريخ الأمم والملوك ج ٧ ص ١٥٠/ كتاب الوافى والوفيات ج ٢٢ ص ٢٤٩.
② الكامل فى التاريخ ج٦ ص ٣٥١، ذكر موت على بن موسىٰ الرضىٰ
③ سورة النساء: ١٧٦/٤



وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللّٰهِ① اور ڈرو تم اس دن سے کہ لوٹائے جاؤ گے تم اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف۔

والی آیت نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی آخری آیت ہے۔ مگر سند کے اعتبار سے پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ واللہ اعلم چنانچہ اس بارے میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں یوں فرماتے ہیں:

حدثنا الوليد حدثنا شعبة عن ابى اسحاق سمعت البراء رضی اللہ عنہ يقول آخر آية نزلت: يستفتونک قل الله يفتيكم في الكللة وآخر سورة نزلت براءة. ② (صحيح بخاری)

ہمیں ولید نے حدیث سنائی اس نے کہا کہ شعبہ نے ابواسحاق سے حدیث سنی کہ میں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا آخری آیت جو نازل ہوئی وہ آیت کلالہ ہے اور آخری سورہ، سورۃ البراءۃ۔

خواہ جو بھی ہو مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات وزندگی میں مکمل ہو چکا ہے اور احادیث چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور تقریرات کا نام ہے تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حیات وزندگی میں مکمل ہو چکی ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امام رضا رحمہ اللہ کے دوسرے فضائل ومناقب تو اپنی جگہ پر بلکہ ان کا شجرۂ نسب بھی قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے جب امام رضا رحمہ اللہ کے شجرۂ نسب سمیت ان کے فضائل ومناقب ہی قرآن وحدیث سے نہیں ملتے تو ان کی قبر کے آس پاس والی زمین کا حرم کہاں سے آیا ہے؟ جبکہ بہت سے ایسے مقامات ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے وہاں پر قدم رکھنے، رہنے اور ان کی وہاں پر شہادت وموت کی وجہ سے امام رضا رحمہ اللہ سے لاکھوں اور کروڑوں درجہ فضائل ومناقب میں زیادہ ہیں اور ان کے یہ فضائل و مناقب بھی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ مگر چونکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اماکن مقدسہ کو حرم مقرر ومتعین نہیں کیا اس لئے وہ اماکن اپنے ان قطعی ویقینی فضائل ومناقب کے باوجود حرم نہیں بن سکتے جیسے اماکن شہداء عہد نبوت وغیرہ بطور مثال شہداء بدر کو لے لیں۔ یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں کہ شرکاء بدر جو بھی ہوں خواہ وہ ہستیاں اس دن کی لڑائی میں شہید ہو چکی ہوں یا نہیں سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر "مغفور لهم" اور جنتی ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں شرکاء بدر کے متعلق اس طرح آیا ہے:

عن علی...... فقال النبی صلی الله عليه وسلم ما حملک على ما صنعت؟ قال حاطب والله ما بی

علی سے روایت ہے...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاطب سے) فرمایا: تجھے اس کام پر کس نے ابھارا تھا؟ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ

---

① سورة البقرة: ۲/۲۸۱

② رواه البخاری، كتاب التفسير، تفسير سورة براءة، باب ﴿براءة من الله ورسوله إلى الذين عاهدتم من المشركين﴾



أن لاأكون مومناً بالله ورسوله صلى الله عليه وسلم أردت أن تكون لي عند القوم يدٌ يدفع الله بها عن أهلي ومالي وليس أحد من أصحابك إلا له هناك من عشيرته من يدفع الله به عن أهله وماله. فقال صدق ولا تقولوا له إلا خيرًا. فقال عمر: إنه قد خان الله ورسوله والمؤمنين، فدعني فلأضرب عنقه. فقال: أليس من أهل بدر فقال: لعل الله اطلع على أهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم فقد و جبت لكم الجنة أوفقد غفرت لكم. فدمعت عينا عمر، وقال: الله ورسوله أعلم.① (صحیح بخاری ومسلم)

نے عرض کی: اللہ کی قسم یہ بات نہیں تھی کہ میرا اللہ اور اسکے رسول پر ایمان باقی نہ رہا بلکہ میں نے چاہا کہ قریش کے ہاں میرا احسان ہو جس کے ذریعے سے اللہ میرے اہل اور مال کی حفاظت فرمائے گا۔ آپ کے صحابہ میں سے کسی نہ کسی کا مکہ میں خاندان آباد ہے جس کی وجہ سے اللہ ان کی اوران کے مال کی حفاظت فرمائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے سچ کہا ہے لہٰذا تم بھی اس کے ساتھ بھلائی کا رویہ رکھنا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کی خیانت کی ہے لہٰذا مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ اہل بدر میں سے نہیں؟ پھر آپ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر جھانکا ہے اور فرمایا ہے: تم جو چاہو عمل کرو تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے۔ یا (فرمایا:) میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (یہ سن کر) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور عرض کرنے لگے: اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) بہتر جانتے ہیں۔

اور اسی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے لیے کہ جس کا اوپر والی روایت میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ صحیح مسلم میں بھی ایک اور روایت یوں آئی ہے:

عن جابر أن عبداً لحاطب جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم يشكو حاطبًا فقال يا رسول الله! ليدخلنّ حَاطب النار فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كذبت، لا يدخلها فإنه شهد بدرًا

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حاطب رضی اللہ عنہ کا ایک غلام رسول اللہ ﷺ کے پاس حاطب رضی اللہ عنہ کی شکایت لے کر آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! حاطب رضی اللہ عنہ تو آگ میں جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو غلط کہتا ہے، وہ آگ میں نہیں

① رواه البخاري، كتاب المغازي، باب فضل من شهد بدرًا واللفظ له/ مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أهل بدر رضي الله عنهم وقصة حاطب بن أبي بلتعة/ مسند البزار، رقم الحديث: ٥٣٠. مسند علي بن أبي طالب.



والحديبية. ① (صحيح مسلم) | جائے گا وہ تو بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا ہے۔

اور پھر شرکاء بدر میں سے چودہ حضرات تو وہ ہیں جو کہ اسی دن رسول اللہ ﷺ کی قیاوت میں مشرکین کے ہاتھوں لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ ان میں تیرہ تو وہ ہیں جو بدر کے مقام پر مدفون ہیں اور چودھواں سیدنا عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ ہے جو کہ ابتداء لڑائی مبارزہ میں شدید زخمی ہوئے تھے۔ اور فتح وکامیابی کے بعد جب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بدر سے مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے تو بدر اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مقام ہے جو کہ ''صفراء'' کے نام سے مشہور ہے۔ جب اسلامی لشکر اس مکان پر پہنچا تو سیدنا عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے وہاں پر دم توڑ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو وہیں پر دفن کر دیا اور چونکہ سیدنا عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو یہ کاری زخم عتبہ بن ربیعہ کے ہاتھوں سے مبارزہ کی حالت میں آیا تھا اس لئے سیدنا عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ اسلام کے سب سے پہلے شہید مبارز کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اہل سیر ومغازی لکھتے ہیں:

واستشهد من المسلمين يوم بدرٍ مع رسول الله صلى الله عليه وسلم من قريش ثم من بني المطلب بن عبد مناف: عبيدة بن الحارث بن المطلب، قتله عتبة بن ربيعة، فقطع رجله فمات بالصفراء رجل. ②

بدر کے دن مسلمانوں میں سے عبیدہ بن الحارث بن المطلب شہید ہوئے، جو کہ قریش خاندان کے بنو المطلب بن عبد مناف میں سے تھے، عتبہ بن ربیعہ نے اس کی ٹانگ کاٹ دی تھی تو وہ ''صفراء'' نامی جگہ پر وفات پائی۔

تو ان ہستیوں کے ان بے شمار فضائل ومناقب کے باوجود نہ تو ''بدر'' کو ''حرم'' کا لقب ملا ہے اور نہ ہی ''صفراء'' کو۔ اسی طرح غزوہ ''خیبر'' میں بیس ۲۰ صحابی رسول ﷺ شہید ہوئے۔ جن کی قبریں وہاں ''خیبر'' میں موجود ہیں۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کر کے اہل سیر ومغازی لکھتے ہیں۔

قال ابن اسحاق: وهذه تسمية من استشهد بخيبر من المسلمين من قريش، ثم من بني أمية بن عبد شمس ثم من حُلَفَائِهِمْ:

ربيعة بن أكثم بن سَخْبَرَة بن عمرو بن لكيز بن عامر بن غنم ابن دودان بن أسد، وثقيف بن عمرو، ورفاعة بن مسروح، ومن بني أسد بن عبدالعزى،

ابن اسحاق فرماتے ہیں: یہ خیبر کے مسلمان شہداء کے نام ہیں جو قریش میں سے تھے۔ پھر بنو اُمیۃ بن عبد شمس سے پھر ان کے حلیفوں (حمائیتوں) سے ربیعہ بن اکثم بن سخبرہ بن لکیز بن عامر بن غنم بن دودان بن اسد، ثقیف بن عمرو اور رفاعہ بن مسروح، اور بنی اسد بن عبدالعزی سے: عبداللہ بن الھُبَیْب (اور اس کو الھَیِّب بھی کہتے ہیں، جیسا کہ ابن ھشام

---

① رواه مسلم، كتاب فضائل الصحابة رضي الله عنهم، باب من فضائل أهل بدر رضي الله عنه وقصة حاطب بن أبي بلتعة.

② سيرة ابن هشام ج ۲ ص ۷۴۲، واللفظ له، غزوة بدر الكبرى، ذكر من استشهد من المسلمين يوم بدر / البداية والنهاية ج ۳ ص ۳۲۷

عبدالله بن الهُبَيْبُ ويقال: الهَبِيْب (فيما قال ابن هشام) ابن أهيب بن سحيم بن غِيَرَة من بنى سعد بن ليث حليف لبنى أسد وابن أختهم، ومن الأنصار ثم من بنى سلمة بشر بن البراء بن معرور مات من الشاة التى سُمَّ فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم وفضيل بن النعمان، رجلان، ومن بنى زريق: مسعود بن سعد بن قيس بن خَلَدَة بن عامر بن زريق، ومن الأوس ثم من بنى عبدالأشهل: محمود بن مسلمة بن خالد بن عدى بن مجدعة بن حارثة بن الحارث حليف لهم من بنى حارثة. ومن بنى عمرو بن عوف: أبو ضيّاح بن ثابت بن النعمان بن أمية بن امرئ القيس بن ثعلبة بن عمرو بن عوف والحارث بن حاطب وعُروة بن مُرّة بن سُراقة وأوس بن القائد وأُنَيف بن حُبَيْب وثابت بن أَثْلَة وطلحة ومن بنى غفار: عُمارة بن عقبة رمى بسهم، ومن أسلم: عامر بن الأكوع والأسود الراعي وكان اسمه أسلم قال ابن هشام: الأسود الراعى من أهل خيبر. وممن استشهد بخيبر فيما ذكر ابن شهاب الزهرى من بنى زهرة: مسعود بن ربيعة حليف لهم من القارة ومن الأنصار من بنى عمرو بن عوف: أوس بن قتاده .①

نے کہا ہے) ابن اُھیب بنوسعد بن لیث سے جو بنواسد کے حلیف تھے اوران کے بھانجے تھے۔اورانصار میں سے پھر بنو سلمہ سے: بشر بن براء یہ زہر آلود بکری کا گوشت کھانے سے شہید ہوئے تھے جس میں رسول اللہ ﷺ کو زہر دیا گیا تھا۔ اورفضیل بن نعمان شہید ہوئے۔اور بنوزریق سے مسعود بن سعد بن قیس بن خلدہ بن عامر بن زریق، اوراَوس کی شاخ بنوعبدالاشھل سے محمود بن مسلمۃ بن خالد بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن الحارث ان کے حلیف تھے خود بنوحارثہ سے تھے اور بنوعمرو بن عوف سے اَبوضیاح بن ثابت بن نعمان بن امیہ بن اُمرئ القیس بن ثعلبہ بن عمرو بن عوف اور حارث بن حاطب اورعروۃ بن مرّ ۃ بن سراقہ اوراوس بن قائد اوراُنیف بن حُبَیب اور ثابت بن اَثْلَة اورطلحہ۔اور بنوغفار سے عُمارۃ بن عقبہ شہید ہوئے جن کو تیر لگا تھا۔اوراسلم قبیلہ سے: عامر بن الاَ کوع اورالاسود الراعی جس کا نام اَسلم تھا۔ابن ہشام فرماتے ہیں: الاسود الراعی اہل خیبر سے ہیں اوران لوگوں میں سے ہیں جوخیبر میں شہید ہوئے،ابن شہاب الزہری نے بنوزہرۃ کے جن آدمیوں کا نام ذکر کیا ہے ان میں: مسعود بن ربیعۃ ہیں جو ان کے حلیف ہیں قبیلہ (قارۃ) سے ہیں اور انصار کے قبیلہ بنوعمرو بن عوف میں اَوس بن قتادہ کا ذکر کیا ہے۔

اوراسی طرح حنین وطائف کے غزوات میں کتب سیر ومغازی کے مطابق سولہ صحابی چارغزوہ حنین میں اور بارہ غزوہ

① سيرة ابن هشام ج ٣ ص ١١٧ أسماء شهداء المسلمين يوم خيبر، واللفظ له / عيون الأثر ج٢ ص ١٤٢ – ١٤٣، ذكر من استشهد بخيبر / البداية والنهاية ج٤ ص ٢١٤–٢١٥ فصل فى ذكر من استشهد بخيبر من الصحابة /جوامع السيرة ص ٢١٥ ...... ٢١٦ ذكر من استشهد يوم خيبر.

طائف میں رسول اللہ ﷺ کی زیرِ قیادت کفار کے مقابلہ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

چنانچہ امام المغازی ابن اسحاق وغیرہ شہداء حنین کے متعلق فرماتے ہیں:

وقال ابن اسحاق: وهذه تسمية من استشهد يوم حنين من المسلمين، من قريش ثم من بني هاشم: أيمن بن عبيد، ومن بني أسد بن عبدالعزى: يزيد ابن زمعة بن الأسود بن المطلب بن أسد، جَمَحَ به فرسٌ له يقال له الجناح فقتل، ومن الأنصار، سراقة بن الحارث بن عدى من بني العجلان، ومن الأشعريين: أبو عامر الأشعرى. ①

ابن اسحاق فرماتے ہیں: یہ (ان شہداء کے) نام ہیں جو مسلمانوں میں سے حنین والے دن شہید ہوئے (ان میں سے) قریش خاندان کے بنو ہاشم گھرانے سے ایمن بن عبید، اور بنو اسد سے یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد، جنہیں ان کے جناح نامی گھوڑے نے سرکشی سے گرادیا تھا اور وہ اس سے فوت ہوگئے، انصار میں سے سراقہ بن حارث بن عدی جو بنو عجلان میں سے ہیں اور اشعری قبیلہ سے ابو عامر اشعری شہید ہوئے۔

اور شہداء طائف کے متعلق ائمہ سیر و مغازی لکھتے ہیں:

قال ابن اسحاق وهذه تسمية من استشهد من المسلمين مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الطائف، من قريش ثم من بني أمية بن عبد شمس: سعيد بن سعيد بن العاص بن أميه وعرفطة ابن جَنّاب حليف لهم من الأسد بن الغوث. قال ابن هشام: ويقال ابن حُباب.

ابن اسحاق فرماتے ہیں: یہ شہداء طائف کے نام ہیں جو مسلمانوں میں سے نبی ﷺ کے ساتھ شہید ہوئے ان میں قریش کے بنو اُمیہ میں سے سعید بن سعید بن عاص، وعُرفطہ بن جنّاب جو اُمویوں کے حلیف تھے بنو اسد بن غوث میں سے تھے۔ (ابن ہشام فرماتے ہیں: ان کو ابن حُباب بھی کہتے ہیں۔

قال ابن اسحاق: ومن بني تيم بن مرة: عبدالله بن ابى بكر الصديق، رمى بسهم فمات منه بالمدينة بعد وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن بني مخزوم: عبدالله بن أبي أمية بن المغيرة، من رَمية رُميها يومئذٍ ومن بني عدىّ بن كعب: عبدالله بن

ابن اسحاق نے فرمایا: بنو تیم بن مرہ کے شہداء عبداللہ بن ابوبکر الصدیق جن کو تیر لگا تھا اور وہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد فوت ہوئے۔ اور بنو مخزوم کے شہداء عبداللہ بن أبي أمیہ بن مغیرۃ تیر لگنے سے (شہید ہوئے) جو اس دن لگا تھا اور بنو عدی بن کعب میں سے: عبداللہ بن عامر بن ربیعہ

① سيرة ابن هشام ج۴ ص ۱۳۰۷، شهداء غزوة حنين واللفظ له./ البداية والنهاية ج۴ ص ۳۴۰، فصل فيمن استشهد يوم حنين وبسرية أوطاس / عيون الأثر ج۲ ص ۱۹۲ – ۱۹۳ / جوامع السيرة ص ۲۴۱.



عـامـر بـن ربيـعة حـليف لهـم. ومـن بني سهم بن عـمـرو: السـائـب بـن الـحـارث بن قيس بن عدى وأخـوه عبـدالله ابـن الـحـارث، ومـن بـنـي سعد بن ليث: جليحة بن عبدالله.

واستشهـد مـن الأنصار، من بني سـلـمة: ثابت بن الجذع ومـن بـنـي مـازن بـن النجار: الحارث بن سهـل بن أبي صعصعة ومن بني ساعدة: المنذر بن عبـدالله ومـن الأوس؛ رُقَيْـم بـن ثـابت بن ثعلبة ابن زيـد بـن لـوذان بـن مـعـاوية. فجميع من استشهد بـالـطـائف مـن أصـحـاب رسول الله صلى الله عليه وسـلـم اثنا عشر رَجُلاً، سبعة من قريش وأربعة من الأنصار ورجل من بني ليث .①

جوان کے حمایتی تھے۔اور بنوسہم بن عمرو میں سے: السائب ابن الحارث بن قیس بن عدی، اس کے بھائی عبداللہ بن حارث اور بنوسعد بن لیث سے:" جُلَيْحَة " بن عبداللہ۔ انصار کے شہداء بنوسلمۃ میں سے: ثابت بن جذع اور بنو مازن بن نجار سے: حارث بن سہل بن أبی صعصعۃ اور بنو ساعدہ سے: المنذر بن عبداللہ، اوراوس سے: رقیم بن ثابت بن ثعلبۃ بن زید بن لوذان بن معاویہ سب صحابہ جو طائف میں شہید ہوئے بارہ ہیں۔ سات قریشی چار انصاری اور ایک صحابی بنولیث سے تھا۔

یہ ان اکابر اولیاء کے مولاً اور مدافن ومقابر ہیں (ان کے رہنے اور دفن ہونے کی جگہیں) مگر آج تک کسی نے نہ خیبر کو ''حرم'' کہا ہے اور نہ ہی ''حنین'' و''طائف'' کو۔ کہاں تک ان کے تذکرے کروں اس روئے زمین پر تو لاکھوں اور کروڑوں ایسی جگہیں موجود ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے مَسکن ومَدفن ہیں۔ مگر آج تک ان جگہوں کو''حرم'' کا لقب نہیں ملا۔

اب ایک قدم اور آگے بڑھیں اور ان اماکن کا مشاہدہ کریں کہ جن کے فضائل ومناقب اور تقدیس وبرکات خود نصِ قرآن سے ثابت ہیں۔ جیسے سرزمینِ ''فلسطین'' میں ''بیت المقدس'' اور بیت المقدس کے اندر ''مسجد اقصیٰ'' چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے یہود کو بیت المقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا تو ان کو موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان الفاظ کے ساتھ خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ②

اے میری قوم! پاک زمین (شام کے ملک یا بیت المقدس) میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور پیٹھ موڑ کر مت پھرو کہ تم ناکام واپس لوٹو گے پھر الٹے نقصان میں آجاؤ گے۔

اور مسجد اقصیٰ کے بارے میں یوں ارشاد ہے:

① سيرة ابن هشام ج ۴ ص ۱۳۳۸ ، واللفظ له اسماء شهداء يوم الطائف / البداية والنهاية ج۴ ص ۳۵۱/ عيون الأثر ج ۲ ص ۲۰۲/ جوامع السيرة ص ۲۴۴

② سورة المائدة: ۲۱



سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ①

وہ (اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو راتوں رات ادب والی مسجد (خانہ کعبہ) سے دور کی مسجد (بیت المقدس) میں لے گیا۔ جس کے گرد ہم نے برکت رکھی ہے اس لئے کہ ہم محمد (ﷺ) کو اپنی (قدرت) کی نشانیاں دکھلائیں، بیشک وہی اللہ ہے جو (ہر بات کو اور ہر چیز کو) سنتا اور دیکھتا ہے۔

اور مسجد اقصیٰ کے متعلق شد الرحال کے مسئلہ میں تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے کہ مسجد اقصیٰ ان تین مساجد میں سے ایک ہے جس کے لئے کجاوے باندھ کر سفر کرنا جائز ومشروع اور باعث اجر وثواب ہے مگر اس سب کچھ کے باوجود نہ بیت المقدس کے کسی حصہ کو ''حرم'' کہا گیا ہے اور نہ ہی مسجد اقصیٰ کے کسی حصہ کو؛ کیونکہ ''حرم'' کا اطلاق اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے صرف اور صرف مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر کیا ہے۔

مکہ مکرمہ کی حرمت قرآن کریم وحدیث دونوں سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ②

اللہ نے کعبۃ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا اور عزت والے مہینے کو بھی اور حرم میں قربان ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے ہوں یہ اس لئے تا کہ تم اس بات کا یقین کرلو کہ بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم رکھتا ہے اور بیشک اللہ سب چیزوں کو خوب جانتا ہے۔

اور ایک مقام پر قرآن سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعاء بیت اللہ کے متعلق یوں بیان کرتا ہے۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ

اے ہمارے مالک! میں نے اپنی کچھ اولاد (یعنی اسماعیل علیہ السلام) کو ایک ایسے میدان میں لا کر بسایا جس میں کھیتی نہیں ہوتی۔ تیرے ادب والے گھر کے پاس، اے مالک ہمارے (میں نے ان کو) اس لئے (بسایا) کہ وہ (تیرے گھر

① سورة الإسراء: ١
② سورة المائدة: ٩٧

الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ①

کے پاس) نماز کو درستگی سے ادا کریں تو (ان کی گزر کے لئے) ایسا کردے کہ کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف جھک جائیں اوران کو طرح طرح کے میوے کھلا تا کہ وہ شکر کریں۔

اور مسجد حرام میں مشرکین کے داخلہ کو ممنوع قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ②

مسلمانو! مشرک تو نرے گندے ہیں تو اس سال کے بعد حرمت والی مسجد کے نزدیک نہ آئیں اوراگر تم کو محتاجی کا ڈر ہوتو آگے چل کر اللہ تعالیٰ تم کو اپنے فضل سے اگر چاہے گا تو مالدار کردے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔

یہ تو حرمتِ مکہ کا ثبوت قرآن سے ہے اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ:

عن ابن عباس رضی الله عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم فتح مكة: ان هذا البلد حرمه الله لايُعْضد شوكه ولاينفر صيده ولا يلتقط لقطته إلا من عرّفها . ③ (صحيح بخاری)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا: بیشک اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے عزت واحترام والا بنایا ہے، اس کے نہ تو کانٹے کاٹے جائیں اور نہ شکار بھگایا جائے اور نہ ہی گری پڑی چیز اٹھائی جائے مگر جس نے اعلان کرنا ہو۔

مکہ مکرمہ کی حرمت قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے، جبکہ مدینہ منورہ کی حرمت بھی حدیث سے ثابت ہے۔ اوراب پیش خدمت ہیں حرمت مدینہ کے دلائل۔

عن أنس رضى الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المدينة حرم من كذا إلى كذا لايقطع شجرها ولا يحدث فيها حدث، من أحدث حدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين . ④ (صحيح بخاری)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا مدینہ (شہر) اتنا ادب واحترام والا ہے۔ اس کے نہ تو درخت کاٹے جائیں اور نہ اس میں کوئی بدعت کی جائے جس نے بدعت والا کام کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور فرشتوں اور سب لوگوں کی بھی اس پر لعنت ہو۔

---

① سورة ابراهيم: ۳۷ ② سورة التوبة : ۲۸

③ رواه البخاری ، كتاب الحج، باب فضل الحرم وقوله تعالىٰ: ﴿إنما أمرت أن أعبد رب هذا البلدة الذى حرمها﴾

④ رواه البخاری كتاب الحج باب حرم المدينة.

اور صحیح مسلم میں حرمت مدینہ کے متعلق یوں آیا ہے۔

عن جابر قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن إبراهيم حرّم مكة و إني حرّمت المدينة ما بين لابتيها، لايقطع عضاهها ولا يصاد صيدها .① (صحيح مسلم)

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو عزت واحترام والا بنایا تھا اور میں مدینہ کو عزت واحترام والا بناتا ہوں وہ حصہ جو دو سنگریزوں کے درمیان ہے، اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں اور اس کا شکار نہ کیا جائے۔

اور یہ بات بھی اچھی طرح سے یاد رکھئے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے جو حصے حرم ہیں وہ بھی محدود ہیں سارا مکہ شہر یا مدینہ شہر حرم نہیں ہے بلکہ ان کے مخصوص ومحدود مواضع ہی حرم ہیں۔ اگرچہ سارا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بلکہ مکہ و مدینہ کی وجہ سے حجاز کی ساری سرزمین مقدس ومعظم ہے۔

تقدیس وتعظیم کا مسئلہ اور ہے اور حرم کا مسئلہ کچھ اور ہے۔ تقدیس وتعظیم اپنی جگہ مگر چونکہ شریعت نے حرم کے حدود متعین و مُشخّص کئے ہیں اس لئے کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ حدود شرع سے تجاوز کر کے اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی کرے۔ حرم مکی کی حدود متعین و مُشخّص ہیں۔ جبکہ ''حدیبیہ'' کا مقام حرم میں داخل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ٦ ؁ھ میں جب مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ''حدیبیہ'' کے مقام پر روک کر مکہ مکرمہ میں (یعنی مسجد حرام میں) داخل ہونے نہیں دیا تھا تو حدودِ حرم کے حدیبیہ کے قریب ومتصل ہونے کی بناء پر رسول اللہ ﷺ اوقات نماز میں مسلمانوں کو لے کر حرم کی حدود میں داخل ہو کر نماز پڑھتے اور پھر واپس ''حدیبیہ'' کے مقام پر آ کر ٹھہر جاتے تھے۔

چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کر کے امام ابن سیّد الناس رحمہ اللہ اپنی مغازی میں یوں لکھتے ہیں:

وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم مضطرباً في الحِلّ وكان يصلي في الحرم .②

رسول اللہ ﷺ حِل (حدود حرم کے باہر) میں ٹھہرے ہوئے تھے تو نماز حرم کی حدود میں جا کر پڑھتے تھے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ سارا حدیبیہ حل میں نہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ حرم میں بھی ہے۔ چنانچہ حدیبیہ مقام کی تحقیق کرتے ہوئے کچھ علماء اس طرح کہتے ہیں:

الحديبية وهي قرية ليست بكبيرة بينها وبين مكة

حدیبیہ ایک بستی ہے جو کہ بڑی نہیں اس کے اور مکہ کے درمیان

① رواه مسلم، كتاب الحج باب فضل المدينة ودعاء النبي صلى الله عليه وسلم فيها بالبركة وبيان تحريمها وتحريم صيدها وشجرها وبيان حدود حرمها.

② عيون الأثر ج٢ ص ١٢٠، غزوة رسول الله صلى الله عليه وسلم الحديبية

مرحلة واحدة وبينها وبين المدينة تسع مراحل ويقال: إن بعضها من الحل وبعضها من الحرم وسميت بذلك لِبئر فيها تسمى الحديبية .①

ایک مرحلہ ہے، اور اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان نو مراحل ہیں، بعض نے کہا ہے کہ اس کا کچھ حصہ حل میں ہے اور کچھ حرم میں ہے اور حدیبیہ نام یہ ایک کنویں کی مناسبت سے رکھا ہے۔

جو بھی ہو مقصد یہ ہے کہ سارا مکہ مکرمہ حرم نہیں ہے۔ بلکہ حرم کی حدود محدود ہیں اور اس طرح مدینہ منورہ کی حدود بھی محدود و مشخص ہیں۔ اور وہ ہیں جبل ثور اور جبل عیر یا عائر کے درمیان والا حصہ جس کی پوری تفصیل کتب احادیث و تاریخ اور ان کی شروح میں بسط و تفصیل کے ساتھ موجود ہے وہاں پر رجوع کر لیں۔

مسلمانو! یہ بات اچھی طرح سے یاد رکھو کہ اسلام میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے حرمین شریفین کے سوا دنیا میں تیسرا کوئی حرم نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک حدیث کے مطابق جو کہ ان کے نزدیک صحیح تھی جس کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی مسند میں لائے ہیں۔ جب ''طائف'' کی وادی ''وج'' کو حرم کہا ہے تو محدثین حضرات اس روایت کی جمیع طرق پر تفصیلی بحث کر کے روایت کو ضعیف قرار دے کر رد کر دیتے ہیں جن میں سے ایک امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی ہیں۔ اور وہ روایت یہ ہے:

عن الزبير رضي الله عنه قال: أقبلنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم من لِيَّة حتّٰى إذا كنا عند الدرة وقف رسول الله صلى الله عليه وسلم في طرف القرن الأسود حذوها فاستقبل "نخبا" ببصره وقال مرة يعني واديآ ووقف حتّٰى اتفق الناس كلهم ثم قال ان صيد "وجّ" وعضاهه حرام محرم لله وذلك قبل نزوله "الطائف" وحصاره لثقيفاً .②

زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لیہ وادی سے واپس آئے جب ہم وہاں بیری کے پاس پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرن اسود کے پاس کھڑے ہو گئے اور ''نخب'' وادی کی طرف نگاہ کر کے متوجہ ہوئے اور کبھی کہا اس وادی کی طرف حتیٰ کہ سب لوگ مجتمع ہو گئے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ''وج'' کا شکار کرنا اور اس کے کانٹے کاٹنا حرام و ممنوع ہے۔ اور یہ بات طائف آنے اور ثقیف کے محاصرے سے قبل تھی۔

---

① هامش سيرة ابن هشام ج٣ ص ١١٣٣

② رواه احمد ج ا ص ١٦٥، مسند الزبير، رقم الحديث: ١٤١٦ / ابوداؤد ج٢ ص ٢١٥-٢١٦، كتاب المناسك باب في مال الكعبة / المنتقى من أخبار المصطفى ج٢ ص ٢٥٨، كتاب المناسك، باب ماجاء في صيد وجّ / السنن الكبرى للبيهقي ج٥ ص ٢٠٠، كتاب الحج، باب كراهية قتل الصيد وقطع الشجر بوجّ من الطائف / مسند الحميدي، ج ا ص ٣٤......٣٥، الرقم: ٦٣ مسند الزبير بن العوام.



یہ روایت مسند احمد بن حنبل، سنن أبی داود، البیہقی اور منتقی الأخبار میں مذکور ہے، مگر سب کی اسناد میں محمد بن عبداللہ بن انسان ہیں۔ یہ شخص عام طور پر کتب تراجم ورجال میں اسی نام سے معروف ومشہور ہے۔ اور کبھی کبھی تخفیف واختصار کے لئے محمد بن انسان بھی کہا جاتا ہے۔ مگر اس کا صحیح شجرۂ نسب یوں ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبداللہ بن انسان، یعنی محمد اور انسان کے درمیان دو عبداللہ ہیں ایک اس کا باپ اور دوسرا اس کا دادا ہے۔

مگر اکثر وبیشتر ایک عبداللہ بیچ سے حذف کیا جاتا ہے اور محمد بن عبداللہ بن انسان کہا جاتا ہے۔ عام طور پر کتب تراجم ورجال میں اسی طرح آتا ہے، یہ شخص طائف کا اصلی باشندہ اور قبیلہ ثقیف کا آدمی ہے اور مذکورہ حدیث میں جو کلمہ ''وج'' ہے کہ جس کے اندر شکار کرنے اور اس کے درخت کاٹنے کی ممانعت ہے یہ طائف میں ایک وادی کا نام ہے۔ اب اس پر مسند الحمیدی کے محقق علامہ اعظمی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

وج بفتح الواو وتشدید الجیم ھو الطائف وقیل واد بالطائف. ①

''وج'' واؤ کی فتح اور جیم کی تشدید کے ساتھ ہے یہ طائف ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ طائف میں ایک وادی کا نام ہے

اور چونکہ مذکورہ حدیث امام الشافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح تھی۔ اس لئے انہوں نے وادی، ''وج'' کو حرم کہا ہے اور اس کے اندر شکار کرنے اور وہاں کے درخت کاٹنے کی کراہت کا قول بیان کیا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرکے امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قلت: صحح الشافعی حدیثه واعتمده. ②

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے۔

مگر امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول کو محدثین حضرات نے دو وجہ سے رد کر دیا ہے۔

(۱) ایک یہ کہ یہ روایت سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

(۲) دوسرا اس لئے کہ یہ جمہور امت کے خلاف ہے۔ بلکہ بعض حضرات نے امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول کو اجماع کے خلاف قرار دیا ہے۔ کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ سے پہلے یہ قول کسی سے منقول نہیں۔ اور پھر امام شافعی رحمہ اللہ کے بعد ان کے مقلدین نے بھی آپ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔

چنانچہ آپ کے مسلک کے بہت سے اہل علم حضرات نے بھی دوسرے محدثین کی طرح اس روایت کی سند کو ضعیف قرار دے کر رد کر دیا جیسے امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ جن کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

اب ہم مذکورہ روایت کے راوی محمد بن عبداللہ بن انسان کی حقیقت حال کو محدثین حضرات کے اقوال کی روشنی میں پیش کرتے ہیں مگر قبل اس کے کہ ہم اس شخص پر محدثین حضرات کی جرح وتضعیف کو نقل کریں دو باتیں بطور تمہید سمجھ لیں۔

---

① حاشیہ مسند الحمیدی ج ۱ ص ۳۵
② میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۹۳



۱- ایک یہ کہ محمد بن عبداللہ بن انسان کی مذکورہ روایت میں اس کا کوئی متابع نہیں ہے یعنی یہ روایت اس محمد بن عبداللہ بن انسان کے سوا کسی دوسرے راوی کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچتی بلکہ صرف اور صرف یہ روایت اسی شخص ہی کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچی۔

۲- دوسرا یہ کہ اس محمد بن عبداللہ بن انسان اور اس کے باپ عبداللہ دونوں کی اس روایت کے سوا سارے ذخیرہ احادیث میں کوئی اور روایت نہیں ہے۔ اس لئے بعض محدثین حضرات دوسرے اسباب سمیت ان اشیاء کو بھی سامنے رکھ کر اس محمد بن عبداللہ بن انسان پر جرح کرتے ہیں۔ ہم اس شخص کے متعلق جرح وتعدیل کے میدان میں بسط وتفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ بلکہ نہایت اختصار کے ساتھ ہم محمد بن عبداللہ بن انسان اور اس کی مروی (روایت کردہ) حدیث کے متعلق کبار محدثین، جیسے: امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام نسائی اور امام ابوحاتم رازی وغیرھم رحمہم اللہ کے چند اقوال نقل کر کے اس پر اکتفاء کرتے ہیں۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب التاریخ الکبیر میں محمد بن عبداللہ بن انسان کے ترجمہ میں مذکورہ روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

قال ابوعبداللہ: ولم یتابع علیہ .①

امام ابوعبداللہ فرماتے ہیں: اور اس (محمد بن انسان) کی متابعت (موافقت) نہیں کی گئی۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب ''کتاب الضعفاء الصغیر'' میں محمد بن انسان کے ترجمہ میں اس کی اس روایت کی تضعیف کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں:

محمد بن عبداللہ بن انسان فی حدیثہ نظر .②

محمد بن عبداللہ بن انسان کی حدیث محل نظر ہے۔

اگر چہ مذکورہ روایت کی تضعیف کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ کے مذکورہ ''**کلمات لم یتابع علیہ**'' اور ''**فی حدیثہ نظر**'' والی عبارتیں واضح دلیل ہیں، مگر امام بخاری رحمہ اللہ مذکورہ روایت کی عدم صحت پر پھر بھی صراحت کے ساتھ ''**لم یصح**'' کا کلمہ استعمال کرتے ہیں۔

چنانچہ امام بخاری اپنی کتاب التاریخ الکبیر ہی میں اس محمد بن عبداللہ بن انسان کے باپ عبداللہ بن انسان کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

---

① التاریخ الکبیر ج ۱ ص ۱۴۰
② کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۷۵



عبد الله بن إنسان عن عروة بن الزبير عن أبيه، روى عنه ابنه محمد لم يصح حديثه .①

عبداللہ بن انسان جو عروہ بن زبیر سے وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، ان (عبداللہ) سے ان کا بیٹا (محمد) بیان کرتا ہے (اور) محمد کی حدیث صحیح نہیں ہے۔

اوراس محمد بن عبداللہ بن انسان کے متعلق امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ کا قول نقل کر کے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابی حاتم فرماتے ہیں:

ناعبدالرحمن قال: سألت أبي عن محمد بن عبدالله بن إنسان فقال: ليس بالقوى، في حديثه نظر .②

امام عبدالرحمٰن (بن ابی حاتم) اپنے ابا جان (ابوحاتم رازی) سے محمد بن عبداللہ بن انسان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: وہ قوی نہیں، اس کی حدیث محل نظر ہے۔

محمد بن عبداللہ بن انسان کے ترجمہ میں امام الذہبی رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ اور امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ کے اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

محمد بن عبدالله بن انسان الطائفي عن أبيه بحديث: نهى عن صيد وجّ قال أبوحاتم: ليس بالقوى في حديثه نظر وقال البخارى: لايتابع على حديثه .③

محمد بن عبداللہ بن انسان طائفی اپنے والد سے ایک حدیث کے راوی ہیں کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وج کے شکار سے منع فرمایا ہے" ابوحاتم کہتے ہیں وہ قوی نہیں اس کی حدیث محل نظر ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی حدیث میں موافقت نہیں کی جاتی۔

اس محمد بن عبداللہ بن انسان کے متعلق محدثین کے اقوال نقل کرتے ہوئے صاحب الجوہر النقی فرماتے ہیں:

وقال البخارى: لايصح حديثه وكذا قال ابن حبان والأزدى: ذكر الخلاّل في العلل أن أحمد ضعفه.④

کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: اس (محمد) کی حدیث صحیح نہیں ہے اور یہی قول ابن حبان اور ازدی کا ہے۔ امام الخلال (اپنی کتاب) العلل میں ذکر کرتے ہیں کہ إمام أحمد (بن حنبل رحمہ اللہ) نے اس (محمد) کو ضعیف قرار دیا ہے۔

---

① التاريخ الكبير ج٥ ص ٣٥
② الجرح والتعديل ج٥ ص ٣٥
③ ميزان الاعتدال ج٣ ص ٥٩١
④ الجوهر النقي على البيهقي ج٥ ص ٢٠٠

اسی طرح محمد بن عبداللہ بن انسان کے متعلق محدثین کے اقوال نقل کرتے ہوئے علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وذكر الخلال أن أحمد ضعّفه وقال ابن حبان: محمد بن عبدالله بن انسان المذكور كان يخطئ ومقتضاه تضعيف الحديث فإنه ليس له غيره فإن كان أخطأ فيه فهو ضعيف، وقال العقيلي: لايتابع إلا من جهة تقاربه في الضعف، وقال النووي في شرح المهذب: اسناده ضعيف، وقال البخاري لايصح. ①

امام الخلال ذکر کرتے ہیں کہ امام احمد (بن حنبل رحمہ اللہ) نے اس (محمد) کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ابن حبان کہتے ہیں: محمد بن عبداللہ جن کا ذکر ہو رہا ہے (حدیث میں) خطأ کرتے ہیں اور اس خطأ کا تقاضا ہے کہ اس کی حدیث کو ضعیف قرار دیا جائے کیونکہ ان کی اس کے علاوہ کوئی اور (حدیث) نہیں ہے۔ پس جب وہ غلطی کر جائیں تو وہ ضعیف ہی ہوں گے۔ امام العقیلی فرماتے ہیں: اس کی متابعت (موافقت) صرف اسی انداز میں ہوتی ہے کہ وہ ضعف سے بھی زیادہ قریب ہو جاتے ہیں۔ اور امام النووی شرح المہذب میں فرماتے ہیں: اس کی سند ضعیف ہے۔ اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ وہ صحیح نہیں ہے۔

شوافع میں سے جن حضرات نے اس روایت کو ضعیف قرار دے کر اس کے مقتضاء کے مطابق عمل نہیں کیا ان میں سے ایک امام نووی رحمہ اللہ بھی ہیں جن کا قول علامہ شوکانی نے شرح المہذب کے حوالہ سے نقل کیا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

اب ہم امام نووی کا اصل قول خود شرح المہذب ہی سے حرفیۃً نقل کرتے ہیں:

وأمّا حديث صيد وجّ فرواه البيهقي باسناده عن الزبير بن العوام رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ألا إن صيد وجّ وعضاهه يعني شجره حرام محرم" وذلك قبل نزوله الطائف وحصاره ثقيفاً لكن اسناده ضعيف، قال البخاري في تاريخه لايصح ووجّ بو اومفتوحة ثم جيم مشدّدة. ②

لیکن (وج) کے شکار کے بارہ میں حدیث امام بیہقی اپنی سند سے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خبردار! بیشک "وج" کا شکار اور اس کے کانٹے یعنی درخت حرام ہیں۔" اور یہ طائف کے داخلے اور بنو ثقیف کے حصار سے قبل تھا، لیکن اس کی سند ضعیف ہے، بخاری نے کہا: صحیح نہیں ہے۔ کلمہ (وج) واو کے فتح (زبر) اور جیم کی تشدید کے ساتھ ہے۔

---

① نیل الأوطار ج۵ ص ۱۰۶
② المجموع شرح المهذب ج۷ ص ۴۸۰

اگرچہ دوسرے محدثین کی طرح امام ابن حبان رحمہ اللہ بھی حدیثِ ''وج'' کی تضعیف اور عدم صحت کے قائل ہیں مگر پھر بھی جب انہوں نے عبداللہ بن انسان کے متعلق ''کان یخطی'' وہ غلطی کرتا تھا۔ کا جملہ استعمال کیا ہے تو ابن حبان کا تعقب کرتے ہوئے امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حبان کو عبداللہ بن انسان کے متعلق یہ جملہ کہنا ہی مناسب نہیں تھا کیونکہ ایسے جملے ان اشخاص کے متعلق کہے جاتے ہیں جن کی بہت سی روایات ہوں جب کہ اس عبداللہ بن انسان کی روایت ہی یہی ایک ہے، تو اس کے لئے ایسے جملے کیسے کافی ہوں گے۔

چنانچہ امام ذھبی رحمہ اللہ عبداللہ بن انسان کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

عبدالله بن انسان أبو محمد عن عروة وعنه ابنه محمد في صيد وج، قال ابن حبان وأبو الفتح الأزدي: لم يصح حديثه وتبعا في ذلك البخاري في تاريخه، وذكر الخلال في العلل أن أحمد ضعفه. وقال ابن حبان في الثقات: كان يخطئ وهذا لايستقيم أن يقوله الحافظ إلا فيمن روى عدة أحاديث فأما عبد الله هذا فهذا الحديث أول ماعنده وآخره فإن كان قد أخطأ فحديثه مردود على قاعدة ابن حبان .①

کہ عبداللہ بن انسان ابومحمد جو عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے انکا بیٹا محمد وج کے شکار میں حدیث کے راوی ہیں۔ ابن حبان اور ابوالفتح الازدی نے کہا: کہ اس کی حدیث صحیح نہیں، ان دونوں بزرگوں نے اس معاملہ میں امام بخاری کے قول کی متابعت کی ہے جسے امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے، اور امام الخلال نے اپنی علل میں ذکر کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں کہا ہے کہ: ''وہ غلطی کرتا تھا'' ابن حبان جیسے حافظ کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ ایسی نرم جرح کرے مگر ایسے شخص کے متعلق کہ جو کثیر الروایۃ ہو، جبکہ عبداللہ بن انسان کی تو یہ پہلی اور آخری حدیث ہے، ابن حبان کے قاعدہ کی رو سے تو ایسا راوی اگر حدیث میں خطأ کرے تو اسکی حدیث مردود ہونی چاہئے۔

صاحب کتاب الضعفاء الکبیر مذکورہ روایت کی سند پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهذا الحديث حدثنا محمد بن اسماعيل حدثنا الحميدي حدثنا عبدالله بن الحارث المخزومي حدثنا محمد بن عبدالله بن انسان الطائفي الثقفي عن أبيه عن عروة بن الزبير بن العوّام قال: قال

یہ حدیث ہم کو محمد بن اسماعیل نے سنائی وہ کہتے ہیں حمیدی نے ہم کو حدیث سنائی وہ کہتے ہیں ہمیں عبداللہ بن الحارث المخزومی نے حدیث سنائی وہ کہتے ہیں ہمیں محمد بن عبداللہ بن انسان الطائفی الثقفی نے اپنے باپ سے انہوں نے عروہ بن

① میزان الاعتدال ج۲ ص ۳۹۳



رسول الله صلى الله عليه وسلم: صيد وجّ وعضاهه حرم محرم لله عزوجل. ولايتابع عليه إلا من جهة تقارب هذا .①

الزبیر بن العوام سے حدیث سنائی وہ (عروہ) کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وج کا شکار اور اسکے درخت اللہ عزوجل کیلئے حرام محرم ہیں۔ (اس روایت کے بیان کرنے پر) ان کی متابعت (موافقت) نہیں کی گئی مگر اس جیسی سند کیساتھ۔

امام شافعی نے وادی ''وج'' کو جو حرم قرار دے کر اس کے اندر شکار کرنے کو مکروہ یا حرام کہا ہے تو یہ سب کچھ اس بنیاد پر کہ ان کے نزدیک یہ حدیث واقع اور نفس الامر میں صحیح ہے، جبکہ واقع میں حدیث صحیح نہیں ہے اور یہ تصریح خود امام شافعی رحمہ اللہ ہی سے منقول ہے چنانچہ امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد ذهب إلى كراهته الشافعي والإمام يحيى، قال الشافعي في الإملاء أكره صيد وجّ، قال في البحر بعد أن ذكر هذا الحديث: إن صح فالقياس التحريم لكن منع منه الإجماع .②

امام شافعی اسکے مکروہ ہونے کے قائل ہیں اور امام یحییٰ بھی۔ امام شافعی (کتاب) الاملاء میں کہتے ہیں کہ: میں وج کے شکار کو مکروہ جانتا ہوں۔ بحر میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا کہ: اگر (یہ حدیث) صحیح ہے تو پھر قیاس حرمت کا ہی تقاضا کرتا ہے لیکن اجماع نے اس سے روک دیا ہے۔

کلمہ ''وج'' پر بڑی تفصیلی بحث کے بعد امام عظیم آبادی رحمہ اللہ جمہور فقہاء کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

وقد اختلف الفقهاء في ذلك فالجمهور قالوا: ليس في البقاع حرم إلا حرم مكة والمدينة وأبوحنيفة رحمه الله خالفهم في حرم المدينة .③

فقہاء اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں، جمہور نے کہا کہ: روئے زمین پر صرف حرم دو ہی ہیں۔ حرم مکہ اور حرم مدینہ اس کے سوا کوئی جگہ حرم نہیں۔ اور امام ابوحنیفہ ؒ نے حرم مدینہ میں ان کی مخالفت کی ہے۔

حدیثِ ''وج'' کی تحقیق محدثین حضرات کے اقوال کی روشنی میں تو آپ نے ملاحظہ فرمائی کہ جس کے ضعف پر تقریباً محدثین کا اتفاق ہے، اب حدیث کے فرضِ صحت پر ایک اور تحقیق ملاحظہ فرمائیں جس کو امام منذری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

وہ اس طرح ہے کہ امام منذری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: یہ احتمال بھی ہے کہ وادی ''وج'' کی یہ حرمت ایک معلوم و مخصوص وقت کے لئے تھی اور پھر بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اور امام منذری رحمہ اللہ اپنے اس دعویٰ کے لئے اس حدیث کے ان الفاظ سے دلیل پکڑتے ہیں:

---

① كتاب الضعفاء الكبير ج۵ ص ۹۳
② نيل الأوطار ج۵ ص ۱۰۶
③ عون المعبود ج۶ ص ۱۴



"وذلک قبل نزوله الطائف وحصاره ثقيفاً"

اور یہ آپ ﷺ کے طائف آنے اور ثقیف کے محاصرہ سے قبل تھا۔

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وادی "وج" کا یہ تحریم وحرمت والا حکم رسول اللہ ﷺ کے غزوۃ الطائف سے پہلے کا تھا۔ اور آپ ﷺ کے "نزول الطائف" کے وقت یہ حکم نہیں تھا۔ کیونکہ حصار الطائف کے دوران لشکر اسلام کے ہاتھوں سے درخت کاٹنے اور شکار کرنے کا قوی امکان موجود ہے تو یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت وادی "وج" میں یہ سب چیزیں جائز ومباح تھیں۔ حقیقت میں حدیث "وج" کے فرض صحت پر یہ ایک بہترین توجیہ ہے۔ اب امام منذری رحمہ اللہ کی تحقیق ان کے الفاظ میں پیش خدمت ہے:

ولست أعلم لتحريمه وجهاً الا ان يكون ذلك على سبيل الحمى لنوع من منافع المسلمين وقد يحتمل ان يكون ذلك التحريم انما كان في وقت معلوم و في مدة محصورة ثم نسخ ويدل علىٰ ذلك قوله وذلك قبل نزوله الطائف وحصاره ثقيفاً، ثم عاد الامرفيه إلى الإباحة كسائر بلاد الحل ومعلوم ان عسكر رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا نزلوا بحضرة الطائف وحصروا أهلها ارتفقوا بمانالته أيديهم من شجر و صيدو مرفق فدل ذلک علی انها حل مباح. ①

اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ مجھے معلوم نہیں سوائے اس کے کہ اسے چراگاہ کی حفاظت کے طور پر مسلمانوں کے فائدہ میں حرام قرار دیا گیا ہو اور وہ بھی محصور ومحدود مدت کیلئے پھر اس کو منسوخ کر دیا گیا اور اس کی دلیل راوی کا یہ قول ہے کہ "یہ آپ ﷺ کے طائف آنے اور بنو ثقیف کی قلعہ بندی سے پہلے تھا" پھر حکم دوبارہ جائز وحلال والا لوٹ آیا ہو دوسرے تمام شہروں کی طرح اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جب طائف کے گرد پڑاؤ ڈالا اور اس کا محاصرہ کیا تو وہ اپنے ساتھ جو آیا لے گئے درخت اور شکار وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ (وج) حل میں تھا اور اس میں شکار مباح تھا۔

اب ہم اس مسئلہ کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ایک عبارت پر ختم کرتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب "کتاب الزيارة" میں "وليس في الدنيا إلّا حَرَمَان" کا عنوان قائم کر کے اس مسئلہ پر بڑی تفصیل کی ساتھ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وليس في الدنيا إلاحَرَمَان وليس ببيت المقدس مكان يسمى حرمًا ولابتربة الخليل ولا بغير

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دنیا میں "حرم" صرف دو ہی ہیں۔ بیت المقدس میں کوئی ایسی جگہ نہیں جس کو حرم کہا جا سکے

① مختصر سنن أبي داؤد ج۲ ص ۴۴۲. باب في مال الكعبة



ذلک من البقاع إلا ثلاثة أماکن: أحدها هو حرم باتفاق المسلمین وهو حرم مکة شرفها الله تعالیٰ والثانی: حرم عند جمهور العلماء وهو حرم النبی صلی الله علیه وسلم من عیرٍ إلیٰ ثور برید فی برید فإن هذا حرم عند جمهور العلماء کما لک والشافعی وأحمد وفیه أحادیث صحیحة مستفیضة عن النبی صلی الله علیه وسلم الثالث: "وج" وهو وادٍ بالطائف فإن هذا روی فیه حدیث رواه أحمد فی المسند ولیس فی الصحاح وهذا حرم عند الشافعی لاعتقاده صحة الحدیث ولیس حرماً عند اکثر العلماء وأحمد ضعّف الحدیث المروی فیه فلم یأخذبه. ①

اور نہ ہی تربۃ الخلیل میں کسی جگہ کو اور نہ ہی کسی اور جگہ کو تمام جگہوں میں سے مگر تین جگہوں کو (حرم کہہ سکتے ہیں) ایک ان میں سے جو سب مسلمانوں کے اتفاق سے حرم ہے وہ حرم مکہ ہے اور دوسرا حرم النبی ﷺ جس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے اور یہ حرم عیر پہاڑ سے ثور تک پس بیشک یہ حرم ہے جمہور علماء کے نزدیک جیسے مالک رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ، اور احمد رحمہ اللہ اور اس بارے میں متعدد صحیح احادیث بھی وارد ہیں۔ اور تیسرا "وج" ہے اور یہ طائف میں ایک وادی ہے۔ اس کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں روایت لائے ہیں اور وہ صحاح (یعنی بخاری مسلم وغیرہ) میں نہیں ہے اور یہ امام شافعی کے نزدیک حرم ہے کیونکہ وہ اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں اور یہ اکثر علماء کے نزدیک حرم نہیں ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کو حجت نہیں مانا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام کے اندر حرم صرف اور صرف وہی دو ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور بحکم الٰہی رسول اللہ ﷺ نے متعین ومقرر کیا ہے۔

① الجامع الفرید، کتاب الزیارۃ ص ۲۶۱، ۲۶۲



پکی قبروں، قبوں اور گنبدوں کا فتنہ اور مسلمانوں کا موقف

آج کل قبروں، قبوں اور گنبدوں کا فتنہ اتنا عام ہو چکا ہے کہ الحفیظ والأمان ایمان کی جگہ کفر نے اور توحید کی جگہ شرک نے لے رکھی ہے۔ سنت کی جگہ بدعات نے اپنے ریشے گاڑ دیئے ہیں اور الہ (اللہ) پرستی کی جگہ قبر پرستی، پیر پرستی اور اوہام پرستی نے قبضہ کر لیا ہے۔

ان فتنوں اور مہلک امراض میں سے اولیاء وصالحین کی قبروں پر پکی عمارتیں، خوبصورت سنگ مرمر کی دیواریں، سبز و سفید بارونق اور چمکدار قبے اور گنبد ہیں جو کہ رب العالمین کی طرح شب وروز چوبیس گھنٹے حسین وجمیل چہروں کے لیے مسجود ومعبود بنے ہوئے ہیں اور کعبۃ اللہ کی طرح ان کو چوما اور طواف کیا جاتا ہے۔ یہ تو ہوا ان فتنوں کا عروج، اور اب ان فتنوں کی مواجہت (مقابلہ) میں کلمہ گو مسلمانوں کا موقف بھی سن لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ:

الف۔ کچھ نام کے مسلمان تو وہ ہیں جو کہ ان پکی قبروں، قبوں اور گنبدوں کی تعمیر وترقی اور حفاظت واحیاء کی سرپرستی کر رہے ہیں بالخصوص وہ پیر پرست اور گدی نشین، پیر ومولوی جو کہ اپنے پیٹ کی خاطر عوام الناس کے دین ودنیا کو لوٹ رہے ہیں۔

ب۔ مسلمانوں میں سے کچھ حضرات تو وہ ہیں جو کہ اسلام کو صلاۃ وزکاۃ اور صوم وحج پر ہی محدود ومنحصر کر کے ان فتنوں کی مواجہت ومقابلہ میں سکوت اختیار کیے ہوئے اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ لوگوں کو اخلاق ونرمی سے اسلام کی دعوت دینی چاہیے۔ ان پر شدت وسختی نہیں کرنی چاہیے۔ اسلام میں سختی نہیں ہے اسلام میں صبر وتحمل ہے۔ اب اگر آپ حضرات ان پکی عمارتوں، قبوں اور گنبدوں کے ساکنین کا صراحت کے ساتھ نام لے کر ان کے خلاف آواز اٹھائیں گے کہ یہ اصحاب قبور کئی صدیوں پہلے مر چکے ہیں۔ ان کے قبضۂ وقدرت میں ذرہ بھر اختیار نہیں ہے۔ اور چونکہ یہ پکی عمارتیں، قبے اور گنبدیں غیر محترم ہیں اور اس عدم احترام کی وجہ سے یہ گرانے کے مستحق ہیں۔ اور پھر ساتھ ہی آپ حضرات کو اگر کہیں ان کے گرانے کا موقع مل جائے اور آپ انہیں گرانا شروع کر دیں۔ تو آپ کے اس رویہ سے یقیناً ان عمارتوں، قبوں اور گنبدوں کے معتقدین ناراض ہو کر آپ سے نفرت کریں گے۔ آپ کی ان حرکات کو اصحاب قبور کی توہین سمجھ کر آپ کی دعوت سے متنفر ہو جائیں گے۔ اور آپ کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ خود بھی آپ سے نفرت کریں گے اور دوسروں کو بھی آپ سے نفرت دلائیں گے۔ اس لیے آپ حضرات بجائے اس کے کہ لوگوں کو اپنی دعوت سے نفرت دلا کر اسلام سے دور رکھیں۔ کسی ولی وبزرگ کا نام لیے بغیر (کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کچھ نہیں کر سکتے۔ علی رضی اللہ عنہ حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہیں۔ معین الدین چشتی کچھ نہیں کر سکتے۔ علی ہجویری کے ہاتھ میں ذرہ بھر اختیار نہیں ہے اور امام رضا اور عثمان مروندی وغیرہ کچھ نہیں کر سکتے) لوگوں کے کلمے صحیح کروائیں۔ ان کو صلاۃ وزکوۃ اور صوم وحج کی تعلیم دیتے رہیں۔ ان کو اخلاق حسنہ کی تلقین کریں اور ان کو یہ سمجھائیں کہ اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہونے اور مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا یقین۔ اس

کی تلقین کی جائے، جب اس طرح لوگوں کے عقائد بن جائیں گے تو وہ خود بعد میں ان گنبدوں، درگاہوں، اور قبوں کو گرادیں گے۔

چنانچہ ایک دفعہ میں نے خود ہمارے ایرانی بلوچستان کے علاقے سراوان کے ایک بڑے عالم کو کثیر التعداد مجمع میں تقریر کرتے ہوئے سنا جو کہ صبر و تحمل اور اخلاق حسنہ کے موضوع پر تقریر کر رہا تھا۔ اور طائف کے بت ''اللات'' کا واقعہ بیان کر رہا تھا۔ تو واقعہ کو غلط بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ جب طائف کا وفد مدینہ منورہ میں آ کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ اور پھر بعد میں جب ان کو علم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ طائف کے بت ''اللات'' کے گرانے کا ارادہ کر رہے ہیں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ فوری طور پر اس بت کے گرانے کا حکم نہ دیں اور اپنا یہ حکم فی الحال منسوخ کر دیں تا کہ لوگوں میں نفرت نہ بڑھ جائے۔ کیونکہ لوگ بالخصوص اہل طائف اس بت کو اپنے مال و جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ فی الحال دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھیں اور پھر آہستہ آہستہ جب لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ تو وہ خود ''اللات'' کو اپنے ہاتھوں سے مٹا دیں گے۔

تو وہ مولوی صاحب کہہ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی یہ درخواست منظور کر کے ''اللات'' کے گرانے کا حکم منسوخ کر دیا اور پھر مولوی صاحب مجمع کے لوگوں سے کہہ رہا تھا۔ کہ دیکھو رسول اللہ ﷺ کا اخلاق حسنہ، صبر و تحمل اور دور اندیشی کہ جب لوگوں نے آپ ﷺ کے سامنے اس بات کی وضاحت کر دی کہ اس بت کے مٹانے اور گرانے سے لوگ بگڑ کر اسلام سے نفرت کریں گے تو رسول اللہ ﷺ نے اس بُت کے مٹانے اور گرانے کا حکم منسوخ کر دیا۔

یہ تو ہوئی اس مولوی صاحب کی تقریر!

جبکہ حقیقتِ حال اس کے برعکس ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وفد کی اس درخواست کو شدت و سختی کے ساتھ ٹھکرا دیا اور فوراً سیدنا ابوسفیان بن حرب اور مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہما کو ''اللات'' کے گرانے کے لیے طائف کی طرف روانہ کیا۔ اور یہ دونوں حضرات آپ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کے لیے طائف میں جا کر ''اللات'' کو گرا کر واپس آئے۔ یہ ہے اصل واقعہ جس کی پوری تفصیل بعد میں آئے گی۔

قصہ مختصر! تقریر ختم ہوتے ہی فوراً میں نے اس عالم کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں سے الگ لیجا کر کہا کہ مولانا صاحب آپ نے یہ جو ''اللات'' والا واقعہ بیان کیا تھا تو آپ اصل واقعہ کو منقلب کر کے اس کے برعکس بیان کر رہے ہیں۔ کیونکہ کتب تاریخ و سیر سے یہ واقعہ اس طرح ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی اس درخواست کو مکمل طور پر رد فرما دیا۔ اور فوراً ''اللات'' کے منہدم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور آپ ﷺ کے اس فرمان کی تعمیل بروقت ہو بھی گئی۔ تو آپ نے اپنا یہ بیان کردہ واقعہ کہاں اور تاریخ و سیر کی کس کتاب میں دیکھا ہے؟ تو وہ مجھے کہتا ہے کہ ہاں میں نے بزرگوں سے اسی طرح سنا ہے۔ تو میں نے کہا۔ عجیب بات ہے

آپ اتنے بڑے عالم دین ہو کر لوگوں کی سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر کے ایک صحیح و ثابت شدہ حقیقت و واقعہ کو مسخ کر کے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں؟ تو اس نے اپنی جان چھڑانے کیلئے سیرۃ ابن ہشام کا نام لے لیا۔ تو میں نے کہا مولانا صاحب آپ صبر و تحمل اور اخلاق حسنہ کے عنوان پر نصیحت و تقریر اور واعظ و تبلیغ ضرور کریں۔ مگر ساتھ ساتھ یہ بھی خیال رکھیں کہ صبر و تحمل اور اخلاق حسنہ کی آڑ میں آ کر خاتم الانبیاء ﷺ کی دعوت پر ڈاکہ ڈال کر اپنا ایمان نہ برباد کریں۔ اللہ کے بندے سیرۃ بن ہشام میں ہی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وفد کی اس درخواست کو ﴿......شيئا مسمى﴾ تک کہہ کر اجمالاً و تفصیلاً رد کر کے سیدنا ابوسفیان بن حرب اور مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہما کو فوراً ''اللات'' کے انہدام کیلئے روانہ فرمایا اور ان دونوں حضرات نے طائف میں جا کر آپ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ''اللات'' کو منہدم کر دیا۔ اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت ایسے ہی ہوتی ہے کہ جب بھی ان کو باطل کے مٹانے کیلئے طاقتِ یدوی (ہاتھ کی طاقت) حاصل ہو جاتی ہے تو وہ باطل کے وجود کو ایک سیکنڈ میں بھی برداشت نہیں کرتے۔

تو وہ مولوی صاحب کہنے لگے معاف کرنا یہ واقعہ میں نے کئی زمانہ پہلے دیکھا تھا تو بُعد زمانہ کی وجہ سے بھول کر الٹا ہو گیا ہو گا۔ یہ ہیں ان نام نہاد داعیان اسلام کے نظریات۔ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اصل مقصد سمجھا ہی نہیں بلکہ انہوں نے اسلام کو صرف یہ سمجھا ہے کہ لوگ کثرت کے ساتھ اسلام میں آ کر نمازی بن جائیں اور بس۔ باقی یہ کہ اسلام کس چیز کا نام ہے، اسلام کے اصولی ارکان و قواعد کیا ہیں، رکن اول کی کیا اہمیت ہے، انبیاء علیہم السلام کی اصل بعثت کا کیا مقصد ہے؟ اور دعوت کی ابتداء اعمال سے ہوتی ہے یا عقائد سے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں کا کثرت کے ساتھ اسلام میں آنا شرع میں مطلوب ہے اور یقیناً مطلوب ہے۔ مگر وہاں پر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ① اے لوگوں جو ایمان لائے ہو داخل ہو جاؤ تم اسلام میں پورے کے پورے۔

والے حکم کی پابندی بھی ضروری ہے۔

ایسا نہ ہو کہ نماز کے پابند تو رہیں۔ مگر گلے اور بازو میں تعویذات کے ڈھیر لگے ہوئے ہوں۔ شب خیز و تہجد گزار تو ہے مگر جب اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو انبیاء و اولیاء اور اصحابِ قبور کا واسطہ دے کر مانگتا ہے۔ رات دن لوگوں کو نمازی بنانے میں مصروف تو ہے۔ مگر تعویذ فروشی کی دکان کھول کر تعویذات کی بیوپاری بھی کر رہا ہے۔ اور وہ قبر پرست لوگ جو خوبصورت و چمکدار قبروں، قبوں اور گنبدوں کی پوجا پاٹ کر رہے ہیں۔ تو یہ نام کے داعیان اسلام ان کے خلاف آواز تک نہیں اٹھاتے۔ بلکہ ان کے خلاف آواز اٹھانے والے کو شدت و سختی کا عنوان دے کر اپنی دعوت کے لیے بدترین رکاوٹ سمجھتے ہیں۔

---

① سورۃ البقرۃ الآیۃ: ۲۰۸

تو گویا لوگ خوبصورت اور بارونق و چمکدار عمارتوں، قبوں اور گنبدوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ (جو کہ بت پرستی ہے) جن کی تفصیل باب اصنام میں پہلے گزر چکی ہے۔ (کہ بت پرستی کی ابتداء ہی اولیاء وصالحین کی قبروں، قبوں، اور گنبدوں کی پوجا پاٹ سے ہوئی تھی) مگر یہ نام کے داعیان اسلام ان کے خلاف آواز اٹھانے کو برداشت نہیں کرتے۔

تو اب بتائیے کہ ان نام کے داعیان اسلام کا یہ مسخ شدہ اسلام کس کام کے لیے ہے۔ جب کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا آغاز ہی بت پرستی کے خلاف ہوا ہے۔ جیسا کہ ایک طویل روایت میں سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس طرح آیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی دعوت میں مکہ مکرمہ میں آ کر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ تو پھر میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی بعثت کے مقاصد بیان فرمائے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دے کر بھیجا ہے کہ راستے امن میں آ جائیں، لوگوں کے اندر آپس میں صلہ رحمی قائم ہو جائے۔ اوثان پرستی ختم ہو جائے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی جائے۔

اب ملاحظہ فرمائیں: سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کا اصل واقعہ اختصار کے ساتھ۔

عن أبي سلام الدمشقي وعمرو بن عبدالله أنهما سمعا أبا أمامة الباهلي يحدث عن حديث عمرو بن عبسة السلمي قال رغبت عن آلهة قومي في الجاهلية فذكر الحديث.

قال فسألت عنه فوجدته مستخفياً بشانه فتلطفت له حتىٰ دخلت عليه فسلمت عليه فقلت له مَا أنت فقال نبي فقلت وما النبي فقال رسول الله فقلت ومن أرسلك؟ قال: الله عزوجل. قلت بماذا أرسلك فقال بأن توصل الأرحام وتحقن الدماء وتؤمن السبل وتكسر الأوثان ويعبد الله وحده لايشرك به شئ قلت نعم ما أرسلك به وأشهدك أني قد آمنت بك وصدقتك أفأمكث معك أم ما ترى فقال قدترى كراهة

ابوسلام الدمشقی اور عمرو بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابوامامہ الباہلی کو سنا جو عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کر رہے تھے کہتے ہیں کہ میں نے اپنی قوم کے معبودوں (بتوں) سے اعراض کیا (آگے حدیث لمبی ہے) جس میں یہ ہے کہ میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا۔ پھر میں نے آپ کو اپنی حالت میں چھپتے ہوئے محسوس کیا تو میں نے حیلہ اختیار کیا یہاں تک کہ میں آپ پر داخل ہوا، پھر میں نے کہا آپ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا نبی ہوں، میں نے پوچھا کون سا نبی؟ تو انہوں نے فرمایا اللہ کا رسول، تو میں نے کہا کس نے آپ کو رسول بنایا؟ تو فرمایا اللہ نے، میں نے پوچھا: کیا دے کر آپ کو بھیجا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: صلہ رحمی کی جائے قتل وغارت ختم کی جائے، راستے امن میں آ جائیں یعنی چوری ڈکیتی ختم ہو جائے اور بتوں کو توڑا (ختم کیا) جائے اور ایک اکیلے اللہ کی عبادت کی جائے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے، تو میں نے کہا ٹھیک ہے۔ اور آپ



الناس لما جئت به فامكث في أهلك فإذا سمعتم بي قد خرجت مخرجي فائتني .① (صحیح مسلم)

کو میں گواہ بناتا ہوں کہ میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کرتا ہوں، کیا آپ کیساتھ ٹھہر سکتا ہوں؟ یا کیا خیال ہے آپ کا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ اس پیغام کے بارے میں لوگوں کی ناپسندیدگی تو دیکھ رہے ہیں جو میں لایا ہوں، آپ اپنے گھر والوں میں ٹھہریں، تو جب آپ میرے نکلنے کے بارے میں سنیں تو پھر میرے پاس آنا۔

تو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے آغاز ہی میں اوثان کے توڑنے کا حکم موجود ہے۔اور یہ نام کے داعیانِ اسلام قبروں اور اصحابِ قبور کے خلاف نام لینے تک کو بھی گوارا نہیں کرتے۔

ج۔ تیسرا طبقہ مسلمانوں کا وہ ہے جو کہ قبروں کے اوپر ان پکی عمارتوں، خوبصورت، گنبدوں، مکانوں اور بارونق و چمکدار قبوں کی شدت وسختی کے ساتھ مخالفت کرتے ہیں۔اور یہ حضرات ان چیزوں کو اپنی زبان وہاتھ دونوں کا نشانہ بناتے ہیں کیونکہ یہی چیزیں دراصل شرک کی جڑ ہیں اور انہی چیزوں سے شرک کی ابتداء ہوئی تھی۔اس لیے جب تک یہ چیزیں ختم ہو کر مٹ نہیں جاتیں، اس وقت تک ان آستانہ پرستوں اور قبروں کے مجاورین و معتکفین کے دلوں میں توحید کی مٹھاس بیٹھ نہیں سکتی۔باب الأصنام میں پہلے گزر چکا ہے کہ شرک کی ابتداء اولیاء وصالحین کی قبروں کے سجدہ و رکوع، طواف واستلام، (چومنا) وہاں بیٹھ کر مراقبہ و چلہ کشیوں اور ان کے آس پاس مجاور ومعتکف بننے سے ہی ہوئی تھی۔

تعجب کی بات ہے کہ لوگوں نے اسلام کے صحیح طریقہ پر پابند ہونے اور اس پر متمسک ہو کر عمل کرنے کو شدت وسختی بے صبری وتنگ نظری کا عنوان دے کر دعاۃ اسلام کو کلاشنکوف، برونی گن کی گولی اور آر پی جی، بیم یک کے بم کا نشانہ بنالیا ہے، کون صبر وتحمل اور اخلاق حسنہ وحکمت کے ساتھ اسلام کی دعوت کا مخالف ہے؟

لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ لوگ رب العالمین کے مقابلے میں قبروں، قبوں اور گنبدوں کی عبادت کریں اور ہم زبانیں بند کر کے تماشابین بنے بیٹھے رہیں کہ ہم بڑے نیک وصالح، صابر ومتحمل، مدبر وحکیم، مبلغ وواعظ اور شب خیز وتہجد گزار ہیں۔

کیا انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی صابر ومتحمل، مدبر وحکیم، عابد وزاہد، مبلغ وخطیب اور متقی و پرہیزگار ہوسکتا ہے؟

مگر جب مخاطبین نے ان کی مدبرانہ وحکیمانہ دعوت کو شدت وسختی کے ساتھ ٹھکرایا تو انبیاء علیہم السلام خاموش وتماشابین بنے بیٹھے نہیں رہے۔بلکہ انہوں نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔

اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہونے کا یقین اور مخلوق سے نہ ہونے کا یقین توحید رب العالمین کیلئے کافی نہیں

آج کل بعض نام نہاد داعیانِ اسلام توحید رب العالمین کے اثبات کیلئے ایک مختصر سا جملہ منتخب کر کے بار بار اسی جملے کی

① رواه أحمد ج ۴ ص ۱۱۱، مسند عمرو بن عبسة، الرقم: ۱۶۹۵۳ اسناده صحیح واللفظ له/مسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب اسلام عمرو بن عبسة، الرقم: ۸۳۲.

رٹ لگاتے رہتے ہیں اوراس گھمنڈ میں پھولے جارہے ہیں کہ اب ہم نے شرک کا خاتمہ کردیا اور دعوتِ انبیاء علیہم السلام کا حق ادا کر کے توحید رب العالمین کوکما حقہ پالیا ہے، اور جبکہ ان مصادرِ فتن (قبروں، قبوں، گنبدوں، ندائے اصحابِ قبور اور پکی عمارتوں) کا نام تک لینا گوارا نہیں کرتے جہاں سے قبر پرستوں کو شرک جیسے کینسر کے مہلک مرض نے مکمل طور پر اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور اگر کبھی کوئی قرآن وسنت کا داعی ان کی جماعت میں جا کر مذکورہ مصادرِ فتن کا صرف نام ہی لے لے تو یہ داعیانِ اسلام غیظ وغضب میں لال پیلے ہو کر اس کو فوراً اپنی جماعت سے خارج کردیتے ہیں کہ یہ ہماری جماعت میں اختلاف پیدا کر کے پھوٹ ڈالنا چاہتا ہے اور اب ان داعیانِ اسلام کا خوش کنندہ جملہ ملاحظہ فرمائیں ''اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہونے کا یقین اور مخلوق سے نہ ہونے کا یقین'' حالانکہ مذکورہ جملہ سے نہ تو شرک کا خاتمہ ہوتا ہے اور نہ ہی دعوتِ انبیاء علیہم السلام کا حق ادا ہوتا ہے اور نہ ہی یہ جملہ اثباتِ توحید کیلئے کافی ہے۔

کیونکہ کوئی کلمہ گو مسلمان اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتا ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے علاوہ یہود ونصاریٰ، ہندو سکھ اور دوسرے کفار ومشرکین بھی اللہ تعالیٰ کے سب کچھ کرنے کے قائل ہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کیلئے صرف یہ بات بھی کافی نہیں۔ کہ اللہ کے سوا دوسرے کچھ نہیں کرسکتے۔ کیونکہ یہ ایک عام بات ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کما حقہ ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اگر آپ کسی قبر پرست سے یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کچھ نہیں کرسکتے۔ تو وہ قبر پرست محض اس سے ناراض نہیں ہونگے۔ ہاں البتہ اگر آپ ان قبر پرستوں کے پیر و بزرگ کا نام لے کر کہیں گے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کے ہاتھ میں ذرہ بھر اختیار نہیں۔ علی ہجویری گنج بخش نہیں ہے، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مشکل کشا نہیں ہے۔ معین الدین چشتی اجمیری خود محتاج ہیں وہ کسی دوسرے محتاج کی حاجت کو پورا نہیں کرسکتے۔ اور عثمان مروندی اپنے کئے ہوئے اعمال کے بدلہ میں مرہون ہے۔ دوسروں کے لیے نہ کچھ کرسکتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے کرواسکتے ہیں۔ تو یہ قبر پرست اس سے یقیناً آگ بگولا ہو کر غصہ وناراض ہو کر لڑ پڑیں گے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ مشرکین کو اس بات سے غصہ آتا ہے کہ ان کے معبودان باطلہ کا نام لے کر ان سے اس کائنات میں اختیارات کی نفی کی جائے ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات میں مختار ومتصرف، خالق ورازق، مالک ومدبّر اور قادر وقیوم مانتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب کے قول کو اس طرح بیان فرمایا:

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ①	(اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو تو سہی تم کو آسمان اور زمین میں کون روزی دیتا ہے۔ اور (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا کون مالک ہے۔ اور مردے سے زندہ اور زندے سے مردہ کون نکالتا ہے اور (دنیا کے) کاموں کو کون چلاتا ہے (کون

① سورۃ یونس آیت نمبر ۳۱



انتظام کرتا ہے) تو (اس کے جواب میں یہ مشرک) ضرور کہیں گے کہ اللہ! پھر تو یہ کہہ اچھا تو پھر تم (شرک سے) کیوں نہیں بچتے۔

اور اسی طرح آج کل کے قبر پرستوں سے اگر پوچھا جائے کہ اس کائنات کے اندر تصرف کرنے والا اور مالک ومختار کون ہے؟ تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مگر جب ان کے پیروں اور بزرگوں کا نام لے کر ان سے اس کائنات کے اندر تصرف واختیارات کی نفی کی جائے تو ان کو اس سے غصہ آتا ہے اور اس طرح کے بولنے والے کی زبان کاٹنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس بت، قبر، شجر، حجر اور گنبد و درگاہ وغیرہ سے لوگوں کو دھوکہ ہوتا تھا تو انبیاء علیہم السلام صراحت ووضاحت کے ساتھ اس مصدرِ فتنہ کا نام لے کر مشخص ومتعین کر کے اپنی دعوت کو اس پر مرکوز رکھتے تھے۔

اب ہم ان دعاۃِ توحید انبیاء علیہم السلام میں سے چند حضرات کی دعوت کے کچھ نمونے صرف بطور مثال قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں:

۱ : سیدنا نوح علیہ السلام اور دعوتِ توحید:

باب الاصنام میں پہلے گزر چکا ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام اس زمین کی سطح پر سب سے پہلے وہ رسول ہیں کہ جس نے کفر وشرک کے خلاف آواز اٹھائی جو کہ پورے نو سو پچاس برس قوم کے ان معبودانِ باطلہ کا نام لے کر ان کا پوسٹ مارٹم کرتے رہے جن کے ساتھ انہوں نے اپنی امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں۔ مگر بدقسمتی اور شامتِ نفس کی وجہ سے آخر دم تک

﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾ ①

انہوں نے کہا: ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود کو اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو (چھوڑنا)

قوم کا شعار رہا اس سے صاف معلوم ہوا کہ سیدنا نوح علیہ السلام قوم کے ان معبودانِ باطلہ کا اس طرح نام لے کر مخالفت کرتے تھے جس طرح کہ خود مشرکین نے ان کا نام لے کر ان سے اپنی وفاداری کا اعلان کر دیا تھا۔ تو اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی دعوت وتبلیغ کو صرف اس بات پر محدود ومنحصر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے اور دوسرے کچھ نہیں کر سکتے۔ بلکہ اصل مرض کو مشخص کر کے علاج ومعالجہ کرتے تھے۔ کیونکہ جب تک ان معبودانِ باطلہ کا نام لے کر صراحت ووضاحت کے ساتھ مخالفت نہ کی جائے جو کہ مشرکین کے مطمع نظر بن چکے ہیں اور وہ بھی اصرار واستمرار کے ساتھ تو اس وقت تک نہ شرک کی حقیقت سمجھ میں آ سکتی ہے اور نہ ہی دعوتِ انبیاء علیہم السلام کا حق ادا ہوتا ہے۔

۲ : سیدنا الیاس علیہ السلام اور دعوتِ توحید:

اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں اور دعاۃِ توحید انبیاء علیہم السلام میں سے ایک سیدنا الیاس علیہ السلام ہیں۔ جو کہ دمشق کے مغربی

---

① سورۃ نوح: ۲۳



جانب اہل "بَعْلَبَکْ" کیلئے نبی ورسول بن کر مبعوث ہوئے تھے چنانچہ اہل بعلبک کے بت کے متعلق امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهو اسم صنم كان يعبده أهل مدينة يقال لها بعلبک غربی دمشق.①

وہ ایک بت تھا جس کی شہر والے پوجا کرتے تھے اس کو بعلبک کہتے ہیں جو کہ دمشق کے مغرب میں واقع ہے۔

جب اہل "بعلبک" اس بعل نامی بت کی عبادت میں پھنس گئے تو اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ اور منتخب شدہ نبی ورسول سیدنا الیاس علیہ السلام نے رب العالمین کی وحدانیت کو دوٹوک الفاظ میں قوم کے سامنے پیش کیا اور بغیر کسی خوف وہراس کے قوم کے اس مرجع رجاء اور مطمع نظر والے بت کا نام لے کر کہا کہ: اے اللہ کے بندو! رب العالمین اور احسن الخالقین کو چھوڑ کر تم "بعل" کی عبادت کرتے ہو؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ سیدنا الیاس علیہ السلام کی دعوتِ توحید کا نقشہ یوں پیش کرتا ہے:

وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ○ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ○ أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ○ اللَّهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ○②

بیشک الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھا۔ جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم لوگ (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔ کیا تم بعل کو پکارتے ہو (جو ایک بت تھا یا عورت تھی) اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ اللہ کو جو تمہارا مالک ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا (بھی) مالک تھا۔

"بعل" کی تفصیل باب الأصنام میں پہلے گزر چکی ہے۔

سیدنا الیاس علیہ السلام کے اس وضاحتی بیان سے صاف معلوم ہوا کہ جس جگہ یا جس چیز سے لوگ دھوکہ کھا کر گمراہ ہوتے جا رہے ہوں تو اس مظہر فتنہ کا صراحت ووضاحت کے ساتھ نام لے کر ان کے نقائص وامراض بیان کئے جائیں تاکہ اس مرضِ مہلک کے بیماروں کو اپنے اصل مرض کا صحیح طریقے سے علم ہو جائے اور پھر اپنی اس بیماری کے علاج ومعالجہ کا بندوبست کریں کیونکہ اگر کوئی ڈاکٹر وحکیم لوگوں سے یوں کہے کہ لوگو! اپنے آپ کو مہلک بیماریوں سے بچاؤ تو اتنی بات لوگوں کو ہر مہلک مرض سے بچانے کے لیے کافی نہیں ہوگی کیونکہ لوگ ان امراض سے اپنے آپ کو ظاہری اسباب کے تحت بچانے کی کوشش تو کرلیں گے جن کو وہ امراض سمجھتے ہیں اور جن کو وہ اپنے لیے مرض سمجھتے ہی نہیں تو ان سے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے ڈاکٹر وحکیم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے امراض کو متعین ومشخص کر کے ان سے بچاؤ کے لیے علاج ومعالجہ بتلا دے۔ کہ بھائیو! یہ اصل مرض ہے اور اس سے بچنے کا یہ طریقہ ہے۔

---

① تفسیر ابن کثیر ج۴ ص ۲۰
② سورۃ الصّٰفّٰت آیۃ رقم: ۱۲۳-۱۲۶



۳ : سیدنا یوسف علیہ السلام اور دعوتِ توحید

مصر کی سینٹرل جیل میں سیدنا یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اپنے زمانہ کے مشرکین اور بالخصوص اپنے جیل کے ساتھیوں کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ اس طرح پیش کیا کہ سب سے پہلے قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ①

قیدیو (یا قید خانہ کے رفیقو) یہ مختلف رب بہتر ہیں یا ایک (مالک) اللہ تعالیٰ جو کہ اکیلا زبردست ہے۔

کہ اللہ کے بندو! جب کسی شخص پر مصائب ومشکلات اور نوائب وشدائد پلٹ پڑیں تو ان مصائب کو ہٹانے کے لیے کئی ایسے نقلی وجعلی اِلہ ومعبود اچھے ہیں کہ جن کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی ان کا اتفاق یقینی ہے یا ایک ایسا طاقت ور، زبردست اور بااختیار اِلہ ومعبود؟

اور پھر سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنی دعوت کو اسی پر محدود ومنحصر نہیں کیا بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر قوم کے مطمع نظر نقلی وجعلی معبودانِ باطلہ کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے قوم سے مخاطب ہو کر واضح الفاظ میں کہا کہ لوگو! جن ہستیوں کو تم اپنے نفع ونقصان کا مالک ومختار سمجھ کر رب العالمین کے مقابلہ میں ان کی عبادت کرتے ہو، سو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ نفع ونقصان کا مالک ومختار ہونا تو دور کی بات ہے ان کی تو خود کوئی حقیقت ہی نہیں بلکہ صرف تم اور تمہارے آباؤ واجداد نے ان کو حاجت روا ومشکل کشا کا نام دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی حقانیت کے لیے کوئی سند ودلیل آسمان سے نہیں اتاری ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعوتِ توحید کے وضاحتی بیان کا نقشہ بت پرستوں کے سامنے یوں کھینچا ہے:

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ②

اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہو وہ نرے نام ہیں (جن کی حقیقت کچھ نہیں) جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو انکے پوجنے کی کوئی سند نہیں اتاری، اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔ (اسی کا قول سند ہو سکتا ہے) اس نے تو یہ حکم دیا ہے کہ سوا اُس کے کسی کو نہ پوجو۔ یہی دین درست ہے (یعنی صرف ایک اللہ کو پوجنا) مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے مشرکین سے جو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو تم اپنے نفع ونقصان کا مالک

---

① سورة یوسف: ۳۹
② سورة یوسف: ۴۰

ومختار سمجھ کر پوجا پاٹ کرتے ہو تو یہ صرف اور صرف نام ہی ہیں جو کہ تم اور تمہارے آباؤ واجداد نے رکھے ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں۔یعنی یہ تمہارے مطمع نظر معبودان باطلہ حاجت روا و مشکل کشا اور مالک و مختار نہیں ہیں بلکہ تم اور تمہارے آباؤ واجداد نے یہ نام ان کے لیے اپنی طرف سے جھوٹ موٹ کے گھڑ لیے ہیں۔سیدنا یوسف علیہ السلام کا یہ اصول درحقیقت ایک ایٹم بم بن کر ہر دور کے مشرکین کے دل و دماغ پر پھٹتا رہے گا۔ خاص طور پر اس دور کے قبر پرستوں پر۔اس لیے جس طرح سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے دور کے مشرکین کو کہا تھا کہ: اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو تم اپنے نفع ونقصان کا مالک ومختار سمجھ کر صدقِ دل سے پکارتے اور پوجا پاٹ کرتے ہو تو یہ صرف اور صرف نام ہیں جو کہ تم اور تمہارے آباؤ واجداد نے رکھے ہیں تو آج کل کے قبر پرستوں سے بھی یہی کہا جائے گا۔سیدنا علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو ماں باپ نے ان کا نام علی رکھا ہے اور وہ وہی علی ہے مشکل کشا تم نے رکھا ہے،سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے تو ماں باپ نے ان کا نام حسین رکھا،''یا حسین ادرکنی'' والا لقب تم نے دیا ہے،سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ جب ماں کے پیٹ سے ہوئے تھے تو ان کے ماں باپ نے ان کا نام عبدالقادر ہی رکھا تھا،غوث،غوثِ اعظم اور دستگیر وغیرہ القاب تم نے دیئے ہیں۔

علی ہجویری جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو ان کے ماں باپ نے ان کا نام علی رکھا،داتا اور گنج بخش والے نام تم نے رکھ دیئے ہیں۔

معین الدین اجمیری جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو ماں باپ نے ان کا نام حَسَن رکھا ہے،''بگرداب بلاء افتادہ کشتی مدد کن یا معین الدین چشتی'' والا لقب تم نے دیا ہے۔اور عثمان مروندی جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے تو ماں باپ نے ان کا نام عثمان رکھا،لعل شہباز قلندر،مشکل کشا و حاجت روا اور اولاد بخش والے القاب تم نے دیئے ہیں۔

٤ : سیدنا ابراهیم علیہ الصلاۃ والسلام اور دعوتِ توحید:

سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام بت پرست باپ اور مشرک قوم کے سامنے پیش ہو کر سب سے پہلے ان بتوں کی ذلت وحقارت بیان کرتے ہوئے ان سے بطور استفہام مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اللہ کے بندو: یہ ہیں کیا چیز کہ تم رات،دن جن کے ہاں لگے رہتے ہو؟ یہ تمہارے لیے کر ہی کیا سکتے ہیں؟

چونکہ اہل باطل کے پاس اپنے باطل پر جمے رہنے کا صرف ایک ہی شبہ ہوتا ہے اور وہ ہے آباؤ واجداد کی اندھی تقلید۔اس لیے قوم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہی جواب دیا۔کہ ہم اپنے آباؤ واجداد کو اسی عمل یعنی بت پرستی پر ہی پاتے ہیں۔چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا ترجمہ: جب اس (ابراہیم علیہ السلام) نے اپنے باپ اور اپنی قوم

عَاكِفُونَ. قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ﴾ ①

سے کہا یہ مورتیاں جن (کے پوجنے) پر تم جمے بیٹھے ہو کیا چیز ہیں وہ کہنے لگے ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو انہی کی پوجا کرتے ہوئے پایا۔

گویا قوم نے اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سامنے بطور دلیل پیش کیا کہ: اے ابراہیم ہم جن چیزوں کی عبادت پر جمے ہوئے ہیں تو یہ صرف ہمارا عمل نہیں بلکہ ہمارے آباؤ اجداد اور اکابر جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کا بھی یہی طرز عمل رہا ہے۔ اب آپ بتائیے کیا ہم اور ہمارے سارے کے سارے آباؤ اجداد غلط عمل اور باطل پر تھے اور ہم میں سے کسی نے بھی صحیح طریقہ سے حق کو نہیں پایا نہ ہم نے اور نہ ہی ہمارے آباؤ اجداد نے، اور اگر حق کو پایا ہے تو صرف اور صرف آپ ہی نے؟

یہ تھا قوم کا شبہ، تو صاف ظاہر ہے کہ باطل نہ کسی بڑے سے بڑے آدمی کے قبول کرنے اور اس پر جمے رہنے سے حق بن جاتا ہے اور نہ ہی سارے لوگوں کے سینے سے لگانے سے۔ اس لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بغیر کسی خوف و ہراس اور معاشرتی رواداری کے قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے آباؤ اجداد بھی گمراہ ہی تھے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس بیان کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ②

ترجمہ: ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں تھے۔

یہاں تک تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام مشرکین کے معبودانِ باطلہ کے بطلان کو زبانی طور پر بیان کرتے رہے اور پھر بعد میں جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ لوگ ان معبودانِ باطلہ کی عبادت سے پیچھے نہیں ہٹتے تو آپ نے ان کے سامنے اللہ کی ذات کی قسم اٹھا کر کہا کہ میں تمہارے ان معبودان باطلہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چھوڑ دوں گا۔

چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے اس قول کو عملی جامہ پہنانے کے لیے قوم کے ساتھ ان کے معبد خانے میں گئے اور پھر بعد میں جب وہ لوگ سب کے سب باہر نکل کر میلہ و عرس منانے چلے گئے تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام ان کے بتوں کے پوسٹ مارٹم کے لیے ہتھوڑا لے کر اٹھے اور اس بڑے بت کے سوا (کہ جسے کسی حکمت کے لیے چھوڑا تھا،) باقی سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔

اللہ تعالیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس قول و عمل کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

وَتَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ ۝

ترجمہ: اور اللہ کی قسم جب تم پیٹھ موڑ کر چل دو گے تو میں تمہارے بتوں سے ضرور ایک چال چلوں گا۔ پھر ابراہیم نے

① سورۃ الانبیاء: ۵۳/۵۲/۵۱
② سورۃ الانبیاء: ۵۴



فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ①	ان سب بتوں کو (توڑ کر) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر انکے بڑے بت کو (چھوڑ دیا) تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

دیکھا آپ نے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کس طرح قوم کے معبودانِ باطلہ کو اپنی زبان و ہاتھ دونوں کا نشانہ بنایا۔ اور یہ نہیں سوچا کہ قوم بگڑ جائے گی مجھ سے نفرت کر کے دوسروں کو بھی مجھ سے نفرت دلائے گی بلکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یقین تھا کہ قوم بگڑ جائے گی، خود بھی مجھ سے نفرت کرے گی اور دوسروں کو بھی مجھ سے نفرت دلائے گی۔ تو یہ سب کچھ سوچتے ہوئے آپ نے یہ اقدام کیا اور قوم واقعتاً بگڑ گئی اور بگڑی بھی ایسی کہ آپ کو آگ میں ڈالنے کا نہ صرف پروگرام بنایا بلکہ انہوں نے واقعتاً ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا۔

۵ : سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور دعوت توحید

فرعون اور ان کے لشکر کے دریائے قلزم میں غرق ہونے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات کے بعد جب اللہ تعالیٰ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کے لیے کوہ طور پر بلایا تو ادھر سے سامری نے بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل کو فتنے میں ڈالا جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے ان کو وہاں کوہ طور پر ہی دے دی تھی تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام تورات کو لے کر بڑے غصہ کی حالت میں قوم کے پاس پہنچے اور یہاں پہنچنے پر کیا دیکھتے ہیں؟

اللہ کی پناہ جو لوگ سامری کے مکر وحیلوں کا شکار بن کر اس کے بنائے ہوئے گوسالہ کو اپنا الٰہ ومعبود بنائے بیٹھے ہیں تو ان میں سے کوئی تو اس گوسالہ کو مسجود بنا کر اس کے سامنے سجدہ میں مصروف ہے کوئی رکوع میں کوئی اس کے آس پاس اعتکاف بنائے بیٹھا ہے اور کوئی اس کے سامنے ہاتھ اٹھائے ہوئے اس سے مانگ رہا ہے۔ الغرض لوگ مختلف طریقوں سے گوسالہ کی پوجا پاٹ کر رہے ہیں یہ تو ہوا گوسالہ پرستوں کا حال۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس گوسالہ کے ساتھ کون سا معاملہ کیا؟

معلوم ہونا چاہیے کہ پہنچتے ہی سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس گوسالہ کو سامری اور ان کے بہکائے ہوئے آستانہ پرستوں کے سامنے سے چھین کر آگ میں جلا ڈالا اور پھر جلنے کے بعد اس کی راکھ اور خاکستر کو اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اس محبوب عمل کو اپنے کلام پاک میں اس طرح بیان فرماتا ہے:

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ وَانْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي	کہا چل دور ہو (تیری سزا یہ ہے جب تک تو دنیا میں) زندہ ہے۔ یوں کہتا رہے گا (دیکھو مجھ کو) چھونا نہیں اور اس کے سوا تیرے لیے (آخرت میں ایک عذاب کا) وعدہ ہے جو تجھ پر

---

① سورۃ الانبیاء: ۵۷-۵۸



ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا① | سے ٹلنے والا نہیں اور اب اپنے الٰہ (بچھڑے) کو دیکھ جس کو تو برابر پوجتا رہا ہم اس کو جلا دیں گے پھر اس (راکھ) کو دریا میں اڑا کر بکھیر دیں گے (تا کہ اس کا پتہ اور نشان بھی نہ رہے)۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فحرّقه بالنّار ثم ألقى رماده في البحر.② | پس اس کو آگ میں جلا ڈالا پھر اس کی راکھ کو سمندر میں پھینک دیا۔

دیکھا آپ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے گوسالہ سامری کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کیا؟

بھلا سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے یہ کیوں نہ کہا کہ لوگوں نے جس چیز کو اپنا الٰہ ومعبود بنایا ہوا ہے کیا ضرورت ہے کہ ہم ان کے اس نقلی وجعلی الٰہ ومعبود کا نام لے کر مخالفت کریں یا اس کو آگ میں جلا کر ان کی پوجا کرنے والوں کو مزید غصہ دلا کر اپنے آپ سے نفرت دلائیں؟

اس لیے ان شدت وسختیوں کے بجائے ہم لوگوں کو صلاۃ وزکوٰۃ اور صوم وحج کی تعلیم وتربیت دیتے ہیں اسلام کی خوبیاں ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور ان کو اسلامی اخلاق وآداب سکھاتے ہیں۔ تا کہ وہ ہم سے نفرت نہ کریں اور پھر بعد میں جب یہ سب چیزیں لوگ سیکھ جائیں گے تو گوسالہ پرستی خود چھوڑ دیں گے جیسا کہ آج کل کی عوام الناس اور نام کے داعیانِ اسلام (تبلیغی جماعت) کا نظریہ اور طرزِ عمل ہے۔ اب اگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام آج کل کے لوگوں کی تجویز ونظریہ کے مطابق عمل کر کے گوسالہ سامری کو نہ اپنی زبان کا ہدف بناتے اور نہ ہی اپنے ہاتھ کا بلکہ لوگوں کو فضائل اعمال کی عام وعظ ونصیحت کرتے یا اپنی دعوت کو صرف لسانی حدود تک محدود کرتے تو انصاف سے بتایئے کہ جن لوگوں کے دل ودماغ میں اس گوسالہ کی جو محبت بیٹھ چکی تھی وہ لوگ اس گوسالہ پرستی کو چھوڑ دیتے؟ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے اس وقت جب یہ لوگ ابتداء میں اس گوسالہ پرستی کے فتنہ میں پڑ چکے تھے تو اسی وقت سیدنا ہارون علیہ السلام نے اس گوسالہ کو اپنی زبان کا ہدف بنا کر نہایت فصیح وبلیغ اور حکیمانہ ومدبرانہ انداز میں لوگوں کو سمجھایا کہ اللہ کے بندو! تم فتنہ میں پڑ چکے ہو۔ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کا بنایا ہوا گوسالہ ہے جو کہ ایک عاجز وحقیر مخلوق کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ تمہارا الٰہ ومعبود مالک ومختار اور خالق ورب رحمٰن ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ سیدنا ہارون علیہ السلام کے قول کو گوسالہ پرستوں کے سامنے اس طرح بیان کرتا ہے۔

---

① سورۃ طٰہٰ: ۹۷

② تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ۱۶۴



وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُمْ بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي①

اور ہارون (علیہ السلام) نے (موسیٰ علیہ السلام کے لوٹنے سے) پہلے ہی ان سے کہہ دیا (دیکھو) بھائیو تم اس بچھڑے کی وجہ سے بلا میں پڑ گئے اور تمہارا مالک تو رحمٰن ہے۔ (پاک پروردگار) تو میری راہ پر چلو اور میرا کہا مانو۔

اور ساتھ ہی آپ یہ بھی اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ سیدنا ہارون علیہ السلام کیسے فصیح و بلیغ نبی تھے کہ جس کے متعلق خود سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ

وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ②

اور بھائی میرا ہارون اس کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے تو اس کو میرے ساتھ بھیج دے (اس کو پیغمبر بنا دے) وہ میرا مددگار رہ کر میری بات کی تصدیق کرتا رہے گا کیونکہ مجھ کو ڈر ہے (اگر میں اکیلا جاؤں گا) وہ مجھ کو جھٹلائیں گے۔

تو اللہ تعالیٰ کے اس فصیح و بلیغ نبی نے قوم کے سمجھانے میں کوئی کسر ہی نہیں چھوڑی مگر اس کے باوجود وہ مخدوعین گوسالہ پرستی سے باز نہیں آئے۔

تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر دعوت لسانی سے مسئلہ حل نہیں ہوتا اور داعی میں برائی کو ہاتھ سے روکنے کی طاقت بھی ہے تو طاقت یدوی بھی استعمال کرنا ضروری ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ داعی یہ نہ دیکھے کہ لوگ ناراض ہو کر بگڑ جائیں گے یا مجھ سے نفرت کر کے دوسروں کو بھی بگاڑ دیں گے یا میرا مذاق اڑائیں گے۔ بلکہ وہ داعی ان سب کی پرواہ کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو کماحقہٗ لوگوں کے سامنے پیش کرے۔

٦ : خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت توحید:

دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام کی طرح خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت بھی لسانی و یدوی دونوں ہی رہی ہیں آپ حضرات کو اچھی طرح معلوم ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دور اور جس سرزمین میں مبعوث ہوئے تھے اس زمانہ کے لوگ مختلف قسم کے باطل نظریات میں مبتلا تھے کچھ لوگ تو ملائکہ کی عبادت کرتے تھے کچھ انبیاء و اولیاء کی عبادت اینٹوں، پیتل اور پتھر کے مجسموں کی صورت میں کرتے تھے اور کچھ چاند، سورج اور ستاروں کی عبادت کرتے تھے الغرض یہ کہ اس وقت کے لوگ مختلف نظریات کا شکار تھے ہر

① سورۃ طٰہٰ: ۹۰
② سورۃ القصص: ۳۴



ایک اپنے مُعْتَقَدات کی عبادت کرتا تھا۔

تو رسول اللہ ﷺ نے مبعوث ہوتے ہی بغیر کسی خوف و ہراس اور کسی کی لحاظ داری کے ان مختلف نظریات والے لوگوں کے معتقدات کے خلاف آواز اٹھائی اور بغیر کسی تفریق وتمیز کے ان سب معبودانِ باطلہ کو متعین کر کے ان کو اپنی زبان کا ہدف بنا کر کھلے الفاظ میں ارشاد فرمایا: کہ لوگو! اللہ کے سوا جن ہستیوں کو تم اپنی مصائب و مشکلات اور نوائب و شدائد میں نافع و ضار سمجھ کر پکارتے ہو سو یہ یاد رکھو کہ اس کارخانہ عالم میں ان کے قبضہ قدرت میں ذرہ بھر اختیار نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ①

(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ دے تم جن کو اللہ کے سوا (معبود) سمجھتے ہو بھلا ان کو پکارو تو سہی (وہ قحط میں کچھ کام آتے ہیں) ان کو تو ایک ذرے برابر کا بھی اختیار نہیں نہ آسمانوں میں نہ زمین میں (کہیں ان کی کچھ نہیں چلتی) اور نہ آسمان اور زمین (کے بنانے) میں ان کا کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر یہ فرمایا کہ جن ہستیوں کو تم اللہ کے سوا اپنے نفع ونقصان کے لیے پکارتے ہو تو یہ اتنے عاجز و بے بس ہیں کہ نہ تم سے کسی مصیبت کو کلیۃً ہٹا سکتے ہیں اور نہ ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ بدل سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ②

(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ دے اللہ کے سوا تم جن کو (اللہ کا شریک) سمجھتے ہو وہ تو (اتنا بھی) اختیار نہیں رکھتے کہ کوئی تکلیف تمہاری دور کر دیں یا اس کو سرکا دیں (کسی اور پر ڈال دیں)۔

ایک اور مقام پر فرمایا کہ جن ہستیوں کو تم اللہ کے سوا اپنے نفع ونقصان کے لیے پکارتے ہو وہ تو ایک کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ③

(اور اے مشرکو) جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو، ان کو گٹھلی کے چھلکے برابر بھی اختیار نہیں۔

---

① سورة سبا: ٢٢
② سورة الإسراء: ٥٦
③ سورة الفاطر: ١٣

تو رسول اللہ ﷺ یہ آیتیں پڑھ پڑھ کر مشرکین کو سناتے تھے کہ تمہارا، لات، کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ عزیٰ کچھ نہیں کر سکتا اور منات وہبل وغیرہ کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کے ہاتھ میں ذرہ برابر اختیار نہیں ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى ○ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى ①

(مشرکو) بھلا بتلاؤ تو سہی لات اور عزیٰ اور تیسرا ایک اور بت منات (یہ کس کام کے ہیں)۔

چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں علامہ صابونی فرماتے ہیں:

أی أخبرونا یا معشر الکفار عن هذه الآلهة التی تعبدونها "اللّات و العزی ومناة" هل لها من القدرة والعظمة التی وصف بها رب العزة شیءٌ حتی زعمتم أنها آلهة .②

اے کافرو! اپنے ان معبودوں کے متعلق خبر دو جن کی تم عبادت کرتے ہو، جیسے لات، عزیٰ اور منات، تو کیا ان کو کوئی قدرت و طاقت یا عظمت ہے جن سے رب العزت (اللہ تعالیٰ) متصف ہے۔ حتیٰ کہ تم ان معبودوں کو اپنا الٰہ تصور کرتے ہو۔

تو مشرکین کو سب سے زیادہ غصہ ان کے معبودانِ باطلہ کے نام لینے سے آتا تھا کہ آپ ﷺ ان کے معبودانِ باطلہ کا جو نام لے کر ان سے نفع ونقصان کے اختیارات کی نفی کرتے تھے۔ تو وہ اس بات سے غصہ میں آ کر کہتے تھے کہ دیکھو محمد ﷺ کو جو کہ ہمارے بزرگوں، ولیوں اور معبودوں کا نام لے کر کہتا ہے کہ یہ کچھ نہیں کر سکتے تو مشرکین آپ ﷺ پر مذاق واستہزاء کیا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کی اپنی حیثیت ہی کیا ہے جو کہ ہمارے معبودوں کا نام لیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ پر مشرکین کے مذاق واستہزاء والے عمل کو یوں بیان کیا ہے۔

وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَنِ هُمْ كَافِرُونَ ③

(اے پیغمبر) یہ کافر جب تجھ کو دیکھتے ہیں تو اور کچھ نہیں، تجھ کو مسخر بناتے ہوئے کہتے ہیں کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو (برائی سے) یاد کرتا ہے اور وہ خود رحمٰن کی یاد سے بالکل ہی منکر ہیں۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین کے معبودانِ باطلہ کا صراحت ووضاحت کے ساتھ نام لے کر ان

① سورۃ النجم: ۱۹—۲۰
② صفوۃ التفاسیر ج۳ ص ۲۷۴
③ سورۃ الانبیاء : ۳۶



سے نفع ونقصان کی نفی کرتے تھے۔ جس کا ثبوت خود مشرکین دے رہے ہیں۔ یہاں تک تو رسول اللہ ﷺ کی دعوت لسانی کا بیان تھا اوراب آپ ﷺ کی دعوت یدوی کا بیان بھی ملاحظہ ہو۔

خاتم الرسل ﷺ اور أصنام وأماکن معظمه کا انهدام

فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ مسجد حرام (بیت اللہ) میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سارے بتوں کو جن میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی صورتیں بھی شامل تھیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا یہ تو ہوا کعبۃ اللہ کے اندر اور باہر کے بتوں کا حال جن کی پوری تفصیل باب اصنام میں پہلے گزر چکی ہے اوران کے علاوہ مکہ مکرمہ کے قرب وجوار میں بھی بہت سے ایسے اماکن موجود تھے کہ جن کی مشرکینِ عرب کعبۃ اللہ کی طرح تعظیم وتوقیر اور طواف واستلام کرتے تھے۔ جیسے لات، عزی اور منات والے اماکن جن کی پوری تفصیل باب اصنام میں گزر چکی ہے اور یہ تینوں چونکہ زیادہ مشہور تھے اس لیے قرآن کریم نے ان کا تذکرہ کردیا۔ ورنہ ان کے علاوہ مشرکینِ عرب کے بہت سے اماکن معظمہ تھے کہ جن کی وہ کعبۃ اللہ کی طرح تعظیم وتوقیر کرتے تھے۔ طواف واستلام کرتے اوران کے لیے تحائف وہدایا پیش کرتے تھے اوران کے ہاں جانور ذبح کرتے تھے۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرکے امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وكانت العرب قد اتخذت مع الكعبة طواغيت وهى بيوت تعظمها كتعظيم الكعبة، لها سدنة وحجاب وتُهدى اليها كما تُهدى للكعبة وتطوف بها كطوافها بها وتنحر عندها وهى تعرف فضل الكعبة عليها لأنها كانت قد عرفت أنها بيت ابراهيم الخليل ومسجده. ①

عربوں نے کعبہ کے ساتھ کئی دوسرے طاغوت بنائے ہوئے تھے جن کی کعبۃ اللہ جیسی تعظیم کرتے اور ان کے لیے ہدایا وتحائف پیش کئے جاتے جیسے کعبۃ اللہ کے لیے تحائف وہدایا پیش کئے جاتے اوران کے گرد طواف کرتے جیسے بیت اللہ کے گرد طواف کیا جاتا ہے اوران طواغیت کے پاس جانور ذبح کئے جاتے اور کعبۃ اللہ کی فضیلت ان کے نزدیک ان کے بتوں سے زیادہ تھی، کیونکہ (بیت اللہ) تو ابراہیم (علیہ السلام) کے گھر اوراس کی مسجد کے طور پر معروف تھا۔

ان اماکن میں سے جن کی مشرکینِ عرب کعبۃ اللہ کی طرح تعظیم وتوقیر کرتے تھے۔ ایک ذوالخلصۃ تھا جو بمکان ''تبالہ'' میں واقع تھا جو کہ الکعبۃ الیمانیۃ کے نام سے مشہور تھا۔ کیونکہ کعبۃ اللہ کوالکعبۃ الشامیۃ کہتے تھے اوراس کے مقابلہ میں ذوالخلصۃ کو

① سیرۃ ابن هشام ج ۱ ص ۹۵. تعظیم العرب للأصنام



الکعبۃ الیمانیۃ کہتے تھے۔

قال ابن اسحاق: وكان ذوالخلصة لدوس و خثعم وبجيلة ومن كان ببلادهم من العرب بتبالة .①

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ذوالخلصہ دوس، خثعم اور بجیلہ قبیلے کا بت تھا اور جو عرب اس علاقے (تبالہ) میں رہتے تھے۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ''ذوالخلصہ'' کے متعلق اس طرح لکھتے ہیں:

قلت: وكان يقال لها الكعبة اليمانية والكعبة التي بمكة الكعبة الشامية.②

تو میں کہتا ہوں: کہ اس (ذوالخلصہ) کو الکعبہ الیمانیۃ (یمن کی طرف کا کعبہ) کہا جاتا تھا اور وہ کعبہ جو مکہ میں تھا اس کو ''الكعبة الشامية'' (شام کی طرف کا کعبہ) کہتے تھے۔

تو چونکہ فتح مکہ کے بعد کفر و شرک کی طاقت کمزور ہوگئی اور اسلام کا پلہ بھاری رہا اور وہ وقت آ گیا کہ مصادرِ فتن اور طواغیت کا ہاتھ سے ازالہ کیا جائے اس لیے مکہ فتح ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے قرب و جوار میں مشرکین کے جتنے اماکن اور بیوت معظمہ تھے سب کو منہدم کر کے مٹا دیا۔ چنانچہ مشرکین کے اماکن معظمہ میں سے ایک ذوالخلصۃ تھا جس کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے جو کہ کعبۃ اللہ کی طرح کعبہ ہی کے نام سے مشہور و معروف تھا۔ تو اس ذوالخلصۃ کے مٹانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ چنانچہ سیدنا جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے ذوالخلصۃ کو گرا دیا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے:

حدثنا قيس قال: قال لي جرير: (رضى الله عنه) قال لي النبي صلى الله عليه وسلم: ألا تريحني من ذي الخلصة وكان بيتا في خثعم يسمى الكعبة اليمانية، فانطلقت في خمسين ومائة فارس مِن أحمس وكانوا أصحاب خيلٍ وكنت لا أثبت على الخيل فضرب في صدري حتى رأيت أثر أصابعه في صدري وقال: اللهم ثبته واجعله هادياً مهدياً، فانطلق إليها فكسرها وحرقها .③ (صحیح بخاری)

جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا آپ مجھے ذوالخلصہ سے راحت نہیں پہنچاؤ گے، یہ ذوالخلصہ خثعم قبیلہ میں ایک گھر تھا جس کو یمن والوں کا کعبہ کہتے تھے، تو میں ایک سو پچاس (۱۵۰) گھڑ سوار لے کر چلا جو اَحمس قبیلہ سے تھے اور میں گھوڑے پر ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ تو پھر آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا جس سے آپ کی انگلیوں کے نشان میں نے اپنے سینے پر دیکھے اور آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ اس کو ثابت قدم رکھ اور اس کو ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ بنا، راوی کہتا ہے کہ جریر بن عبداللہ اس کی طرف گئے اس

① سیرۃ ابن هشام ج ۱ ص ۹۸ تعظیم العرب للأصنام
② تفسير ابن كثير ج ۴ ص ۲۵۴
③ رواه البخاری، كتاب المغازی، باب غزوة ذی الخلصة.



بت کو توڑا اور جلا کر راکھ کر دیا۔

حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وفی الحدیث مشروعیة إزالة مایفتتن به الناس من بناء وغیرہ سواء کان إنسانا أوحیوانا أوجمادا.①

حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ جس سے لوگ فتنہ میں پڑ سکتے ہوں اس کو زائل کرنا، مٹانا جائز (بلکہ ضروری) ہے، چاہے انسان یا جانور یا بے جان شئی ہی کیوں نہ ہو ان سب کا زائل کرنا ضروری ہے۔

لوگ تو پکی قبروں، قبوں اور گنبدوں کے نام لے کر لسانی وزبانی مخالفت کو برداشت نہیں کرتے مگر رسول اللہ ﷺ کے قاصد سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے تو ذوالخلصة کو منہدم کر کے آگ لگادی یہ تو ہوا ذوالخلصة کا معاملہ اب سن لیں اللات کا معاملہ۔

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے طائف کے بت اللات کے انہدام کا ذکر اجمالاً کر دیا ہے اب ذرا اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں: سو معلوم ہونا چاہیے کہ طائف کا ایک وفد مدینہ منورہ میں آ کر مشرف بہ اسلام ہوا اور پھر بعد میں جب ان کو یہ پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ طائف کے بت کے انہدام کا ارادہ کر چکے ہیں تو انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ چونکہ اہل طائف، ''اللات'' کو اپنے مال و جان سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں اس لیے آپ ﷺ ان کے انہدام کا حکم کم از کم تین سال تک منسوخ کر دیں تا کہ قوم بگڑ نہ جائے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا اور پھر بعد میں انہوں نے ایک ایک سال سے ہوتے ہوئے اخیر میں ایک مہینہ کی درخواست کی مگر پھر بھی آپ ﷺ نے ان کی یہ درخواست ٹھکرا کر ارشاد فرمایا کہ میں اللات کو اپنی اسی حالت پر ایک لحہ کیلئے بھی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں اور فوراً آپ نے سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور مغیرۃ بن شعبة رضی اللہ عنہ کو اس کے گرانے کے لیے روانہ کیا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات طائف میں جا کر اللات کو منہدم کر کے واپس آئے۔

چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے اہل سیر ومغازی اور مؤرخین لکھتے ہیں:

وقد کان فیما سألوہ رسول الله صلی الله علیه وسلم أن یدع لهم الطاغیة وهی اللّات لایهدمها ثلاث سنین، فأبی رسول الله صلی الله علیه وسلم ذلک، فما برحوا یسألونه سنةً سنةً ویأبی علیهم

(طائف والوں نے) آپ سے جو مطالبہ کیا اس میں یہ بات بھی تھی کہ آپ ان کے بت ''اللات'' کو تین سال تک نہ گرائیں تو رسول اکرم ﷺ نے اس کا انکار فرما دیا تو (اہل طائف) آپ سے (مدت) میں کمی کا سوال کرتے رہے ایک

① فتح الباری ج۸ ص ۷۳

حتى سالوا شهرا واحدًا بعد مَقْدَمِهِم فابى عليهم أن يدعها شيئا مسمىً وانما يريدون بذلك فيما يظهرون أن يتسلموا بتركها من سفهاء هم ونسائهم وذراريهم ويكرهون أن يُرَوِّعُوا قومهم بهدمها حتى يدخلهم الإسلام، فأبى رسول الله صلى الله عليه وسلم عليهم إلا أن يبعث أبا سفيان بن حرب والمغيرة بن شعبة فيهدماها. ①

ایک سال کا تو آپ برابر انکار ہی فرماتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے آپ سے صرف ایک مہینہ کی مہلت مانگی (کہ ہماری روانگی کے ایک ماہ بعد گرادیا جائے) مگر آپ نے انکار ہی فرمایا کہ تھوڑی سی مہلت بھی نہیں ملے گی، بظاہر تو وہ یہی چاہتے تھے کہ اس بت کو نہ گرانے سے اس قوم کے بے وقوف لوگ اور عورتیں اور بچے (بدظن نہ ہوں) بلکہ ان کو تسلی ملے۔ جبکہ اس کو گرانے سے وہ لوگ بدک سکتے تھے، یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہوجائیں۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے انکار فرمایا اور ابوسفیان بن حرب اور مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہما کو اس کے گرانے کیلئے بھیجا تو دونوں نے اس بت کو گرادیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے وفود بھیج کر ان سارے اماکن کو منہدم کرکے مٹادیا اور ایک بھی باقی نہ چھوڑا تاکہ کعبۃ اللہ کا کوئی مشابہ باقی نہ رہ جائے چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرکے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والمقصود أن هذه البيوت كلها هدّمت لما جاء الإسلام جهزّ رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى كل بيت من هذه سرايا تخربه والى تلك الأصنام من كسّرها حتى لم يبق للكعبة مايضاهيها وعُبدالله وحده لاشريك له. ②

اور مقصود یہ ہے کہ یہ سب گھر (بت کدھے) گرادیئے گئے۔ جب اسلام آیا تو رسول اللہ ﷺ نے ہر گھر کی طرف لشکر بھیجے جنہوں نے ان کو خراب کردیا اور ہر بت کی طرف جس نے ان کو توڑدیا حتیٰ کہ (ایک ایسا وقت آیا) جب کعبۃ اللہ کا مشابہ والا کوئی گھر باقی نہ رہا اور ایک اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت ہونے لگی۔

---

① سيرة ابن هشام ج۴ ص ۱۳۹، وفد ثقيف واسلامها واللفظ له/ والكامل فى التاريخ ج۲ ص ۲۸۴/ والبداية والنهاية ج ۵ ص ۳۶ / والطبقات الكبرىٰ ج۵ ص ۵۰۴

② البداية والنهاية ج۲ ص ۱۴۵



سلف صالحین قبروں کے اوپر قبوں اور گنبدوں کے سخت مخالف تھے

اصحاب رسول ﷺ سے لے کر تبع تابعین تک سارے سلف صالحین قبروں کے اوپر قبوں، گنبدوں اور خیمے لگانے والوں کے سخت مخالف تھے۔ اور ان چیزوں کو بہت ہی مکروہ و مبغوض سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کسی غلام نے ان کی قبر پر ایک خیمہ کھڑا کر دیا اور پھر بعد میں جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی قبر پر یہ کھڑا کیا ہوا خیمہ دیکھ لیا تو آپ نے اس عمل کو مکروہ و مبغوض سمجھ کر کہا کہ اے غلام اس خیمہ کو اٹھالو، اس کے سایہ کے لیے اس کی زندگی کا کیا ہوا عمل کافی ہے۔

چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ورأی ابن عمر فسطاطا علی قبر عبدالرحمن فقال: انزعه یا غلام فإنما یظله عمله. ① (صحیح بخاری)

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی قبر پر ایک خیمہ دیکھا تو فرمایا: اے لڑکے اس کو اتارلو اس کے (نیک) عمل ہی اس کے سایہ کیلئے کافی ہیں۔

مذکورہ روایت کی تشریح کرتے ہوئے امام عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وکان الغلام الذی خاطبه عبداللہ بن عمر غلام عائشة أخت عبدالرحمن قوله فإنما یظله...... أی لایظله الفسطاط بل یظله العمل الصالح، فدل هذا علی أن نصب الخیام علی القبر مکروه ولا ینفع المیت ذلک، لاینفعه إلا عمله الصالح الذی قدمه. ②

جس غلام سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مخاطب تھے وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جو عبدالرحمٰن کی بہن تھیں، کا غلام تھا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا تھا کہ اس کو سایہ اس کا عمل دے گا تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ خیمہ اس کو سایہ نہیں دے گا بلکہ اس کے نیک اعمال ہی اس کو سایہ دیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر خیمہ لگانا یہ مکروہ (حرام) ہے اور اس سے میت کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ میت کو تو اس کے نیک عمل کے سوا کوئی شی نفع نہیں دے گی، جو اس نے آگے بھیجے ہوں۔

اور اسی طرح سیدنا ابوموسیٰ الأشعری رضی اللہ عنہ مرض الموت کے وقت اپنے قریبی رشتہ داروں کو یہی وصیت کر کے چلے گئے کہ میری لحد میں کوئی ایسی چیز نہ رکھنا جو کہ میرے اور مٹی کے درمیان حائل ہو اور نہ ہی میری قبر پر کوئی قبہ و گنبد بنانا اب ملاحظہ فرمائیں

① رواہ البخاری تعلیقا، کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر.
② عمدة القاری ج۸ ص ۱۸۳



اصل روایت:

عن أبي جرير أن أبابردة حدثه أن أبا موسى حين حضره الموت قال: إذا انطلقتم بجنازتي فأسرعوا المشي ولاتتبعوني بجمر ولاتجعلوا على لحدي شيئا يحول بيني وبين التراب ولاتجعلوا على قبري بناءً. ① (حسن)

ابو بردہ فرماتے ہیں کہ جب ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت ہوا تو فرمایا میرا جنازہ جلدی جلدی لے کر چلنا اور میرے ساتھ آگ لیکر نہ چلنا اور میری لحد کے اوپر کچھ نہ رکھنا جو میرے اور مٹی کے درمیان حائل ہو اور نہ ہی میری قبر پر کوئی عمارت بنانا۔

اور ایک روایت اس طرح آئی ہے کہ سیدنا حسن بن حسن رضی اللہ عنہ جب فوت ہوگئے تو ان کی بی بی نے ان کی قبر پر ایک سال تک ایک خیمہ لگائے رکھا اور پھر بعد میں وہ خیمہ اٹھالیا گیا تو لوگوں نے غیبی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ کیا ان لوگوں نے اپنی وہ گم کی ہوئی چیز پالی ہے؟

تو اس پر کسی دوسرے نے آواز دے کر کہا کہ نہیں بلکہ ناامید ہو کر لوٹے۔

ولما مات الحسن بن الحسن بن علي رضي الله عنهم ضربت امرأته القبة على قبره سنة ثم رفعت، فسمعوا صائحاً يقول: ألاهل وجدوا مافقدوا؟ فأجابه الآخربل يئسوا فانقلبوا. ② (صحيح بخاری)

اور جب حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم فوت ہوئے تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ (گنبد) بنائے رکھا پھر اٹھالیا گیا۔ بعد میں انہوں نے ایک آواز لگانے والے کو سنا جو کہہ رہا تھا کیا انہوں نے اپنی گم شدہ چیز پالی؟ تو دوسرے نے جواب دیا بلکہ ناامید و ناکام ہو کر لوٹے ہیں۔

اس روایت میں جس عورت کا ذکر ہے اس سے مراد فاطمۃ بنت الحسین ہے جو کہ سیدنا الحسن بن الحسن کی چچازاد بہن بھی ہیں چنانچہ امام ابن حجر رحمہ اللہ یوں لکھتے ہیں:

واسم امرأته المذكورة فاطمة بنت الحسين وهي ابنة عمه. ③

مذکورہ عورت کا نام فاطمہ بنت الحسین تھا اور یہ حسن بن حسن کی چچازاد بہن تھی۔

حضرت حسن بن حسن رضی اللہ عنہ کی بی بی نے آپ کی قبر پر جو قبہ بنایا تھا وہ بھی کسی فائدہ اور اپنے نفس کو تسلی دینے کے لیے بنایا تھا مگر چونکہ یہ فعل قبیح و ناجائز اور معصیت اللہ والرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی تھا۔ اس لیے ان کو اس قبیح فعل پر غیب سے نصیحت و ہدایت مل گئی

---

① رواه أحمد، الرقم: ۱۹۴۳۹ اسناده حسن، مسند ابی موسی / صحیح ابن حبان، كتاب الجنائز، ذكر الزجر عن أن تحلق المرأة أوتسلق أوتخرق عند مصيبة تمتحن بها واللفظ له.

② رواه البخاری تعليقا، كتاب الجنائز، باب مايكره من اتخاذ المساجد على القبور.

③ فتح الباری ج۲ ص ۲۰۰



اور وہ غیبی آواز ملائکہ اور مؤمن جنوں کی طرف سے ہوگی۔ چنانچہ امام ابن حجر رحمہ اللہ اور امام عینی رحمہ اللہ مذکورہ روایت کی یوں تشریح کرتے ہیں۔

وقال ابن المنير: إنما ضربت الخيمة هناك للاستمتاع بالميت بالقرب منه تعليلا للنفس وتخييلا باستصحاب المألوف من الإنس، ومكابرة للحس كما يتعلل بالوقوف على الأطلال البالية ومخاطبة المنازل الخالية فجاء تهم الموعظة على لسان الهاتفين بتقبيح ما صنعوا وكأنها من الملائكة أو من مؤمني الجن. ①

ابن منیر فرماتے ہیں کہ: (حسن بن حسن رحمہ اللہ) کی قبر پر خیمہ اس لیے بنایا گیا تھا کہ میت کے قرب سے فائدہ اٹھایا جائے اور یہ خیال بھی رہے کہ مانوس شخصیت کا اُنس بھی ہو اگرچہ ظاہراً ساتھ نہ تھا، جیسے کسی (محبوب) کے خالی مکانات اور بوسیدہ ٹیلوں کے پاس کوئی اپنے محبوب کو یاد کرے۔ چنانچہ ان کے پاس تو غیبی آواز آئی جس نے ان کے اس فعل کی قباحت وشناعت بیان کردی، اور یہ غیبی آواز کسی فرشتہ یا مؤمن جن کی ہوسکتی ہے۔

ذرا اندازہ لگائیں کہ حسن بن حسن رضی اللہ عنہ تابعی اور پھر اہل بیت میں سے ہیں بلکہ اہل بیت کے کبار تابعین میں سے ہیں مگر پھر بھی اس کی قبر پر قبہ وگنبد کھڑا کرنا بے سود اور فعل قبیح شمار ہوا اور قبیح بھی ایسا تھا کہ جس کے بنانے والوں کو اپنے اس فعل کی قباحت کے لیے غیب سے نصیحت وہدایت آگئی کہ تمہارا یہ فعل قبیح ہے۔ اب جب کہ سیدنا حسن بن حسن رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر تابعی واہل بیت کی قبر پر قبہ وگنبد کھڑا کرنا قبیح وبے سود ہے تو بھلا بعد والوں کی قبروں پر قبہ وگنبد کھڑا کرنے کا جواز کہاں سے نکلے گا؟

قبروں پر قبہ وگنبد کی مخالفت پر امام ابن قیم رحمہ اللہ سلف صالحین کی کچھ وصایا نقل کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

ونهى عمر بن عبدالعزيز أن يبنى القبر بآجرٍ وأوصى أن لايفعل ذلك بقبره وأوصى الأسود بن يزيد: أن لايجعلوا على قبرى آجُرّا، وقال ابراهيم النخعي: كانوا يكرهون الآجر على قبورهم، وأوصى أبوهريرة حين حضرته الوفاة: أن لا تضربوا علىّ فسطاطاً، وكره الإمام احمد ان يضرب على القبر فسطاط. ②

اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے پکی اینٹوں سے قبر بنانے سے منع فرمایا ہے اور انہوں نے وصیت فرمائی کہ ان کی قبر پر پختہ اینٹیں نہ لگائی جائیں۔

اسود بن یزید نے وصیت فرمائی کہ میری قبر پر پختہ اینٹیں نہ لگائیں۔

ابراہیم النخعی نے فرمایا کہ وہ (صحابہ یا تابعین) قبروں پر پکی اینٹیں ناپسند فرماتے تھے۔

---

① فتح الباری ج۲ ص ۲۰۰، واللفظ له / عمدة القاری ج۸ ص ۱۳۴ – ۱۳۵
② إغاثة اللهفان ج ۱ ص ۲۱۵



ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ میری قبر پر خیمہ نہ لگانا۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ قبر پر قبہ اور خیمہ لگانے کو ناپسند سمجھتے تھے۔

مذاهب اربعه کے مشائخ وفقهاء کا قبوں اور گنبدوں کے مٹانے اور منهدم کرنے پر اجماع

قرونِ ثلاثہ سے لے کر محدثین وائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام کے مشائخ قدماء تک سب کے سب پکی قبروں اور ان کے اوپر قبہ وگنبد بنانے کے شدت وسختی کے ساتھ مخالف تھے اور بدعات وخرافات کا رواج اگر ہوا ہے تو یہ بعض متاخرین کے مرہونِ منت ہے جو کہ روافض سے لیے گئے ہیں باقی امتِ اسلامیہ کا ماضی ان رسوم وخرافات سے مبّرا رہا ہے جیسا کہ پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے۔

چنانچہ الشیخ عبداللطیف رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "منهاج التأسيس في الرد على ابن جرجيس" میں قبروں کے اوپر بنائے ہوئے قبوں اور گنبدوں کے مٹانے اور منہدم کرنے پر مذاہب اَربعہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

اب ہم ان کا قول علامہ اَبو المعالی آلوسی حنفی رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں: چنانچہ علامہ اَبو المعالی آلوسی حنفی رحمہ اللہ "الأئمة الأربعة يوجبون هدم القباب على القبور" کا عنوان قائم کر کے اسکے تحت الشیخ عبداللطیف رحمہ اللہ کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

قال العلامة الشيخ عبداللطيف في كتابه "منهاج التأسيس في الرد على ابن جرجيس" عندالكلام على بدع القبوريين مانصه: ومن المحسن أن مشائخ المذاهب الأربعة وفقهاء هم جزموا بوجوب هدم القباب ونهوا عن الطواف بالقبور ودعاء أربابها ودعاء الله عندها، ومنعوا من الذبح لها والغلو فيها، بل وعن عبادة الله بالصلاة عندها فاذا عمل بمقتضى أقوالهم عامل وألزم بها الناس نسبه هؤلاء الجهال إلى الإستخفاف بالأنبياء

علامہ الشیخ عبداللطیف اپنی کتاب "منہاج التأسیس فی الرد علی ابن جرجیس" میں قبور پر بدعات کے بارے میں فرماتے ہیں: درست اور اچھی باتوں میں سے یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے مشائخ اور فقہاء قبوں کے گرانے کے وجوب پر زور دیتے ہیں اور قبروں پر طواف سے روکتے ہیں اور قبر والوں سے دعا کرنے سے بھی منع کرتے ہیں اور انہوں نے قبر والوں کے لیے ذبح کرنے سے بھی روکا ہے اور ہر قسم کے غلو سے بھی روکا ہے، بلکہ قبروں کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے بھی روکا کرتے تھے۔



والصالحين وإلى مخالفة العلماء لأن العلم في عرفهم ماهم عليه من أقوال أسلافهم ومشائخهم من المتاخرين .①

جب کوئی ان أئمہ مھدیین کے فرمان کے مطابق عمل کرے تو یہ جہال (بے وقوف لوگ) اس کو انبیاء کی توہین اور صالحین کی گستاخی شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ علماء کے مخالف ہیں (حالانکہ خود یہ قبوری انبیاء وصالحین کے گستاخ بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھی گستاخ ہوتے ہیں) کیونکہ ان کے نزدیک علم وہ ہے جو وہ اپنے متاخرین اسلاف ومشائخ کے اقوال پر عمل پیرا ہیں۔

چنانچہ اسی طرح شوافع میں سے امام ابن حجر مکی ہیتمی رحمہ اللہ اونچی قبروں اور ان کے اوپر بنے ہوئے قبوں اور گنبدوں کو معصیت رسول ﷺ سمجھتے ہوئے ان کے گرانے کو واجب سمجھتے ہیں۔ اب ان کی اس بارے میں اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

وتجب المبادرة لهدمها وهدم القباب التي على القبور إذهي أضر من مسجد الضرار لأنها أسست على معصية رسول الله صلى الله عليه وسلم لأنه نهى عن ذلك وأمر صلى الله عليه وسلم بهدم القبور المشرفة وتجب إزالة كل قنديل أوسراج على قبر ولايصح وقفه ونذره .②

اور (بلند) قبریں اور قبے گرانے کی طرف جلدی کرنا واجب ہے کیونکہ یہ چیزیں مسجد ضرار سے زیادہ نقصان دہ ہیں، کیونکہ ان کی بنیاد رسول کریم ﷺ کی نافرمانی پر ہے، کیونکہ آپ نے اس سے روکا ہے اور بلند قبروں کو گرانے کا حکم صادر فرمایا ہے، اور ہر قندیل اور دیا (چراغ) جو قبروں پر جلایا جاتا ہو اس کو ختم کرنا واجب ہے اور یہ (دیا قبروں پر) وقف کرنا یا اس کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے۔

شیطان کے عوام الناس کو اماکن کے ساتھ فتنہ میں ڈالنے کے طریقے

جیسا کہ اس سے پہلے کئی بار گزر چکا ہے کہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان کے پاس کئی مختلف ہتھکنڈے ہیں بطور مثال عوام الناس کو گمراہ کرنے کے طریقے اور ہیں اور اہل علم حضرات کیلئے کچھ اور ہیں اور ان طبقات میں سے ہر طبقہ وگروہ اور جماعت کے گمراہ کرنے کے طرق بھی مختلف قسم کے ہیں جن کی کچھ تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور اس کی مزید تفصیل بعد میں آئے گی۔

① غاية الأماني ج ٢ ص ٣٦٥-٣٦٦.
② الزواجر عن إقتراب الكبائر ج ١ ص ١٤٩.



یہاں پر صرف عوام الناس کے فتنہ میں پڑنے کو بیان کریں گے جو کہ شیطان کے جال میں جلد پھنس جاتے ہیں تو شیطان کے عوام الناس کو گمراہ کرنے کے ان مختلف طرق میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ شیطان ہر علاقہ میں کچھ اماکن و مواضع اور درخت، پتھروں کو مخصوص کر کے مشہور و معروف اولیاء و بزرگوں میں سے کسی صاحب کا نام لے کر عوام الناس کو خواب میں آ کر کہتا ہے کہ یہاں اس مکان و موضع پر یا اس درخت، چشمہ اور پتھر کے ہاں فلاں ولی و بزرگ آیا ہے اور پھر خواب دیکھنے اور سننے والوں کو مزید گمراہ کرنے کے لیے کہتا ہے کہ اس ولی و بزرگ کے قدم بابرکت رکھنے کی وجہ سے اس مکان کی مٹی، چشمہ کا پانی اور درخت کے پتے شفاء ہیں بس پھر کیا کہیں لوگ اس مکان کا پانی و مٹی اور درخت کے پتوں کو شفا سمجھتے ہوئے وہاں پر میلہ لگاتے ہیں، اگر خالی مکان ہے تو اس کی مٹی تبرک و شفاء سمجھ کر کھاتے اور بیماروں کے لیے اٹھا کر لے جاتے ہیں اگر کوئی چشمہ و تالاب ہے تو اس کا پانی شفاء و تبرک کے لیے پیتے اور بیماروں کو پلانے اور غسل کرانے کے لیے اٹھا کر لے جاتے ہیں اور اسی طرح اگر کوئی درخت ہے تو اس کے پتوں کو بھی شفاء و تبرک کے لیے کھاتے ہیں بس یوں سمجھو کہ وہ جگہ ایک سرکاری ہسپتال بن گئی اور عوام الناس ایسے اماکن کی بہت زیادہ تعظیم و توقیر کرتے ہیں، اور ایسے اماکن ہر علاقہ میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ان کے لیے کوئی حصر نہیں ہے کیونکہ جو پکی قبریں بارونق و چمکدار قبے اور گنبد ہیں تو وہ اکثر و بیشتر اسی تزیینِ شیطان کے پیداوار ہیں اب ہم صرف بطور نمونہ چند مثالیں قارئین کے سامنے پیش کریں گے۔

الف۔ خضر ٹھکانہ:

کسی شخص (قبر پرست) کے خواب یا خیال میں شیطان یہ بات ڈال دیتا ہے کہ اس جگہ پر سیدنا خضر علیہ السلام آ کر بیٹھ گئے یا یہاں پر آ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تو قبروں کے پجاری اس جگہ کو متبرک سمجھتے ہوئے وہاں پر میلے لگاتے، مجاور و معتکف بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور اس جگہ کی عبادت کو دوسرے اماکن کے مقابلہ میں افضل ترین عبادت سمجھتے ہیں اور یہ خضر ٹھکانہ صرف ایک جگہ اور ایک علاقہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جہاں بھی قبر پرست اور بدعقیدہ لوگ رہتے ہیں اور شیطان ان کے خیال و اذہان میں سیدنا خضر علیہ السلام کے متعلق وساوس و اوہام ڈال دیتا ہے تو عوام الناس اس جگہ کو سیدنا خضر علیہ السلام کے نام پر مشہور کر کے وہاں پر ڈیرے لگاتے ہیں۔

ب۔ دستگیر ٹھکانہ:

دستگیر ٹھکانہ عام طور پر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام پر معروف و مشہور ہے اور یہاں پر بھی وہی خضر علیہ السلام والا معاملہ ہے کہ شیطان اپنے اولیاء (دوستوں) کو کہتا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے اس جگہ پر آ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، نماز پڑھی اللہ کا ذکر کیا وغیرہ تو شیطان کے اس بہکانے پر قبر پرست لوگ اس جگہ کی پوجا پاٹ کرنے لگ جاتے ہیں اور خضر ٹھکانہ کی طرح دستگیر ٹھکانہ



بھی کسی ایک جگہ اور ایک علاقہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جہاں بھی قبر پرست لوگ رہتے ہیں اور شیطان ان کی دل و دماغ میں کسی جگہ کی عظمت بٹھا کر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی بیٹھک بتادیتا ہے تو قبر پرست لوگ وہاں پر دستگیر کے نام پر ٹھکانہ بنالیا کرتے ہیں خاص طور پر ساحلی علاقوں میں۔

ج۔ نیک نور محمد:

ساحل مکران ''اور ماڑہ'' شہر کے مرکزی بازار جونالین کے وسط میں ایک چار دیواری ہے جس کے اندر ایک مکان ہے اور مکان کے اندر ایک قبر ہے جس کو قبر پرست لوگ نیک نور محمد کے نام سے مشہور کر کے پوجا کرتے ہیں۔ قبر پرستوں کا بیان ہے کہ یہاں پر ایک ولی و بزرگ ہستی بنام ''نیک نور محمد'' مدفون ہے حالانکہ اس کی کوئی دلیل و حجت بھی نہیں ہے صرف اور صرف آباؤ واجداد کی اندھی تقلید ہے ان سب پر ہم نے تفصیلی گفتگو اپنی کتاب ''تحفہ اور ماڑہ'' میں کی ہے وہاں پر مراجعت کریں۔

د۔ کنتوکان:

یہ علاقہ ایرانی بلوچستان میں واقع ہے جو کہ ایران شہر سے تقریباً ۲۵ کلومیٹر شمال مشرق میں واقع ہے وہاں پر ایک گرم تالاب واقع ہے جس کو وہاں کے لوگ ''پوتاپ'' کہتے ہیں تو لوگ اس پانی کو شفاء سمجھ کر بیماروں کے لیے وہاں سے لے جاتے ہیں اور اس پانی کو پیتے بھی ہیں اور اس سے غسل بھی کرتے ہیں، ''کنتوکان'' کے گردونواح کے عوام الناس میں یہ پانی بہت مشہور ہے۔

اور اسی طرح کا ایک پانی،

ہ۔ بزمان:

کے علاقہ میں بھی پایا جاتا ہے بزمان ایک بہت بڑا علاقہ ہے، یہ بھی ضلع ایران شہر میں واقع ہے اور ایران شہر سے تقریباً ۹۰-۱۰۰ کلومیٹر جنوب مغرب میں واقع ہے تو یہاں اس علاقہ میں ایک گرم پانی ہے جو کہ چشمہ کی صورت میں زمین سے تھوڑا تھوڑا ابھرتا ہے۔ عوام الناس کا یہاں پر بھی کافی ازدحام ہوتا ہے ان اماکن میں دوسرے بیماروں کے علاوہ خارش والے بیماروں کو زیادہ تر لے جاتے ہیں۔

بس اسی طرح کرتے کرتے شیطان شرک کو عوام الناس کے سامنے مزیّن و خوبصورت کر کے کبھی تو شفاءِ جسمانی کی صورت میں پیش کرتا ہے اور کبھی شفاءِ روحانی کی شکل میں تعظیمِ اولیاء کے عنوان سے پیش کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ شیطان بزرگوں کے قدم بابرکت رکھنے کے عنوان وغیرہ سے کچھ اماکن کو مزین و خوبصورت کر کے عوام الناس کے سامنے رکھ کر ان سے شرک کرواتا ہے۔

چنانچہ دمشق کے کچھ اماکن کی تزئین اورعوام الناس کو ان کے ساتھ فتنہ میں ڈالنے والے شیطانی مکروحیلوں کو بیان کرتے ہوئے امام ابوشامہ رحمہ اللہ اس طرح لکھتے ہیں:

ومن هذا القسم أيضا ما قدم عَمّ الإبتلاء به من تزيين الشيطان للعامة تخليق الحيطان والعمد وسرج مواضع مخصوصة في كل بلد يحكي لهم حاكٍ أنه رأى في منامه بها أحدًا ممّن شهر بالصلاح والولاية فيفعلون ذلک ويحافظون عليه مع تضييعهم فرائض الله تعالىٰ وسننه، ويظنون أنهم متقربون بذلک، ثم يتجاوزون هذا إلى أن يعظّم وقع تلک الأماكن في قلوبهم فيعظمونها ويرجون الشفاء لمرضاهم وقضاء حوائجهم بالنذرلها، وهي من بين عيونٍ وشجر وحائطٍ وحجرٍ، وفي مدينة دمشق (صانها الله تعالىٰ من ذلک) مواضع متعددة. كعوينة الحمّى خارج باب توما والعمود المخلّق داخل باب الصغير والشجرة الملعونة اليابسة خارج باب النصر في نفس قارعة الطريق سهّل الله قطعها واجتثالها من أصلها.①

اوران اقسام سے جن کے ساتھ لوگوں کو اکثر مبتلاء پایا گیا ہے کہ شیطان دیواروں اور ستونوں پر حلقے لٹکانے اور دیے جلانے کو ہر شہر میں مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ کہ اس نے خواب میں ان لوگوں میں سے جو اصلاح اور ولایت و بزرگی میں مشہور ہیں دیکھا ہے، پھر لوگ یہ کام (قبروں پر دیے جلانا اوران کی تعظیم) کرنا شروع کر دیتے ہیں اوران کی حفاظت کرنا شروع کر دیتے ہیں، چاہے اللہ تعالیٰ کے حقوق وفرائض ضائع ہوتے رہیں اوروہ یہ خیال رکھتے ہیں کہ اپنے اس فعل سے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہوجاتے ہیں، پھر حد سے تجاوز کرتے ہوئے ان جگہوں کی تعظیم ان کی دلوں میں واقع ہوگئی، پھران کی تعظیم کرنے لگے اوراپنے مریضوں کی شفاء ان سے مانگنے لگے اوراپنی حاجات ان سے نذر مان کر پوری کروانے لگے، ان کی یہ معظمات ہیں کیا؟ سوائے چشموں، درختوں، دیواروں اور پتھروں کے۔

دمشق شہر (اللہ تعالیٰ اس کو ان خرافات سے محفوظ رکھے) میں ایسی بہت سی جگہیں ہیں جیسے توما دروازے کے بیرون میں "عوینة الحمی" ہے اور "باب الصغیر" کی اندر والی طرف میں "العمود المخلّق" ہے اور "باب النصر" کے اندر اسی سڑک پر ملعون خشک درخت "الشجرة الملعونة اليابسة" ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو کاٹنے اور جڑ سے اُکھیڑنے کو آسان بنادے۔

① كتاب الباعث على إنكار البدع والحوادث ص ۱۰۱ ، البدع المستقبحة

شیطان کے ان نصب کئے ہوئے انصاب وازلام اوران مقررہ اماکن کومنہدم کر کے مٹانا ہر کلمہ گومسلمان بالخصوص اہل علم حضرات پر حسب استطاعت فرض عین ہے۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرکے امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فمن الأنصاب ماقد نصبه الشيطان للمشركين من شجرة أو عمود أو وثن أوقبر أوخشبة أو عين ونحو ذلك والواجب هدم ذلك كله ومحو أثره كما أمر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم عليا رضى الله عنه بهدم القبور المشرفة وتسويتها بالأرض .①

ان انصاب واصنام میں سے جن کو شیطان نے مشرکین کے لیے نصب کیا ہے اُن میں سے شجر، ستون، بت، قبر، لکڑی یا چشمہ وغیرہ ہیں۔ ہر ایک کو ان میں سے گرانا اور مٹانا واجب ہے۔ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ہر بلند قبر کو گرا کر برابر کر کے زمین کی ساتھ ملا دیا جائے۔

جیسا کہ ہم پہلے کئی بار کہہ چکے ہیں کہ شیطان عام طور پر خواب یا بیداری میں لوگوں کے اذہان میں کسی چیز کو نہایت مزین و خوبصورت کر کے ڈال دیتا ہے تو لوگ بغیر سوچ وفکر کے کہ کیا اس چیز کیلئے قرآن وحدیث سے کوئی سند ودلیل ہے کہ نہیں بس محض اس الہامِ شیطانی پر ایمان لاکر عمل کرنا شروع کردیتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں امام ولی اللہ دارانی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

چنانچہ امام ابوشامہ رحمہ اللہ نے ان کے اس قول کو یوں نقل کیا ہے:

وما أحسن ماقال وليّ الله أبو سليمان الداراني رحمه الله تعالىٰ :ليس لمن أُلهم شيئاً من الخيرات أن يعمل به حتى يسمعه من الأثر، فإذا سمعه من الأثر عمل به وحمد الله تعالىٰ حين وافق ما في قلبه .②

جس کسی کے دل میں کوئی بھلائی کی بات ڈالی گئی تو وہ اس پر فوراً عمل شروع نہ کرے حتیٰ کہ کوئی دلیل منقول نہ سن لے۔ پس جب کوئی دلیل سن لے تو پھر اس پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے جب اس کے دل کی بات سے موافقت ہو جائے۔

پھر آگے چل کر امام ولی اللہ دارانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کبھی کبھی خود میرے دل میں کوئی اچھی بات بیٹھ جاتی ہے مگر میں اس کو کتاب وسنت کی گواہی کے بغیر قبول نہیں کرتا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وقال أيضًا: ربما يقع في قلبي النكتة من نكت القوم أيامًا فلا أقبل منه إلا بشاهدين عدلين: الكتاب والسنة .③

بسا اوقات میرے دل میں لوگوں کے نکتوں میں سے کوئی نکتہ پیدا ہو جاتا ہے مگر میں دو عادل گواہوں کے بغیر جو کہ کتاب وسنت ہیں قبول نہیں کرتا۔

ہر دور کے علماء وصلحاء نے عوام الناس کے عقیدہ کی اصلاح کے لیے حسب استطاعت کوششیں کی ہیں، چنانچہ قرن رابع

---

① إغاثة اللهفان ج ١ ص ٢٢٧–٢٢٨.

② كتاب الباعث على إنكار البدع والحوادث ص ١٠٨ .

③ كتاب الباعث على إنكار البدع والحوادث ص١٠٨ .

کے مصلحین میں سے ایک سیدنا ابواسحاق الجبینائی افریقی رحمہ اللہ ہیں، کہتے ہیں ان کے قریب ایک چشمہ تھا جو کہ "عین العافیۃ" کے نام سے مشہور تھا، جس میں عوام الناس مبتلا تھے تو ایک دن صبح کی اذان کے ٹائم میں جا کر اس کو منہدم کر کے عوام الناس کو اس فتنہ سے بچالیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو امام ابوشامہ رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ اس طرح نقل کر کے لکھتے ہیں:

قلت: ولقد أعجبني ماصنعه الشيخ أبو اسحاق الجبينائي أحد الصالحين ببلاد إفريقية في المائة الرابعة، حكى عنه صاحبه الصالح أبوعبدالله محمد بن أبي العباس المؤدب: أنه كان إلى جانبه عين تسمّى "عين العافية" كانت العامة قد افتتنوا بها، يأتونها من الآفاق، من تعذر عليها نكاح أوولدٌ قالت: امضوا بي إلى العافية فتعرف بها الفتنة قال عبد الله فأنا في السحر ذات ليلة إذسمعت أذان أبي اسحاق نحوها، فخرجت فوجدته قدهدمها وأذن الصُّبح عليها، ثم قال: اللهم إني هدمتهالك فلا ترفع لها رأساً قال: فما رفع لها رأس إلى الآن .[1]

الشیخ ابواسحاق الجبینائی نے کتنا اچھا کام کیا ہے جس کا شمار افریقہ کے علاقے میں چوتھی ہجری کے نیک لوگوں میں ہوتا ہے، ان کا ایک شاگرد ان کا حال (واقعہ) بیان کرتے ہیں جن کا نام ابوعبداللہ محمد بن ابوالعباس المؤدب ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابواسحاق کے پڑوس میں ایک چشمہ تھا جس کو "عافیت کا چشمہ" کہتے تھے، عوام الناس اس کی وجہ سے فتنہ میں پڑ گئے تھے، دور دراز علاقوں سے لوگ یہاں آتے تھے۔ جس کا نکاح نہ ہوتا ہو یا اولاد تو وہ عورت کہتی مجھے عافیت والے کنویں (چشمے) پر لے چلو، یہاں سے یہ فتنہ عام ہوا۔ ابوعبداللہ فرماتے ہیں ایک دن سحری کے وقت میں نے ابواسحاق کی اذان اس چشمہ کی جانب سنی تو میں ادھر گیا تو دیکھا کہ (ابواسحاق) نے اس کو گرا کر اس پر صبح کی اذان کہی، پھر فرمایا اے اللہ! میں نے اس کو تیری خاطر گرایا ہے لہٰذا اب اس فتنہ کا سر نہ اٹھے، ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس فتنہ نے اب تک سر نہیں اٹھایا۔

قبر پرست لوگ بزرگوں (واقعی یا فرضی) کے عرس و میلے قدیم زمانہ سے مناتے چلے آرہے ہیں، ہم ساری دنیا کے قبر پرستوں کے عرس و میلوں کو استیعاب کے ساتھ بیان تو کر ہی نہیں سکتے اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت ہے، اس لیے ہم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے سوا صرف برصغیر کے ان کروڑوں اور اربوں بزرگوں (واقعی یا فرضی) میں سے چند اشخاص کے نام صرف نمونہ کے طور پر نذر قارئین کرتے ہیں کہ جن کی ولایت و بزرگی ماسوائے چند افراد (جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ وغیرہ)

[1] كتاب الباعث على انكار البدع والحوادث ص ١٠٣-١٠٤ واللفظ له/ اغاثة اللهفان ج ١ ص ٢٣٠.



کے مسلّم ویقینی بھی نہیں ہے۔

عرس اولیاء وصالحین

نام بزرگ	مقام عرس	تاریخ عرس
میاں نور محمد قادری	منگووال (مغربی گجرات)	یکم محرم
بابا فریدالدین گنج شکر	پنجاب (پاک پتن)	۵۔محرم
خواجہ ضیاءالدین سیالوی	سیال (سرگودھا)	۱۲۔محرم
پیر کا کے شاہ	سیدال والا (سیالکوٹ)	۱۴۔محرم
شاہ فیصل قادری	ٹھٹھہ (سندھ)	۱۷۔محرم
نعمت اللہ صابری	لالہ موسیٰ (گجرات)	۲۲۔محرم
حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ	دھلی (بھارت)	۲۵۔محرم
خواجہ محمد سلیمان	تونسہ	۵۔صفر
خواجہ نظام الدین	ڈیرہ غازی خان	۵۔صفر
بہاءالدین ذکریا ملتانی	ملتان	۵۔صفر
خواجہ عطا محمد	رائے ونڈ (لاہور)	۹۔صفر
سید اقبال محمود	جمال دین والی (صادق آباد)	۱۰۔صفر
سید محمد شاہ نقشبندی	بھیرہ (سرگودھا)	۱۱۔صفر
شاہ عبداللطیف بھٹائی	بھٹ شاہ (سندھ)	۱۲۔صفر
سید علی احمد قادری	ڈیرہ غازی خان	۱۲۔صفر
علی ہجویری المعروف (داتا دربار)	لاہور	۱۹۔صفر
شاہ عبدالرحمٰن (مظفر نگر)	جلال آباد (بھارت)	۲۲۔صفر
خواجہ شمس الدین سیالوی	سیال (سرگودھا)	۲۲۔صفر

مولوی احمد رضا خان بریلوی	بریلی (بھارت)	۲۴-صفر
خواجہ فتح محمد قادری المعروف (قتال)	جلال پور پیر والہ (ملتان)	۲۵-صفر
احمد سرہندی مجدد الف ثانی	سرہند (بھارت)	۲۸-صفر
میاں شیر محمد	شرقپور (شیخوپورہ)	۲-ربیع الاول
علاؤ الدین علی احمد صابر	کلیر (بھارت)	۸-ربیع الاول
خواجہ قطب الدین بختیار کاکی	دہلی (بھارت)	۱۴-ربیع الاول
مولوی غلام قادر چشتی	مسجد بیگم شاہی (لاہور)	۱۸-ربیع الاول
میاں عبدالغفور	دربار محمد (جھنگ)	۱۹-ربیع الاول
خواجہ غلام صدیق قادری	شہداد کوٹ (لاڑکانہ، سندھ)	۲۱-ربیع الاول
بابا فضل شاہ	کمال پور (سیالکوٹ)	۲۳-ربیع الاول
خواجہ غلام فرید	کوٹ مٹھن (پنجاب)	۵-ربیع الاول
شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ	بغداد (عراق)	۱۱-ربیع الاول
شاہ شمس سبزواری	ملتان	۱۴-ربیع الاول
خواجہ نظام الدین اولیا (بھارت)	کوٹ محمد یار (فیصل آباد)	۱۶-ربیع الاول
نیک نور محمد	اورماڑہ (مکران)	۱۵-شعبان
سلطان باہو	دربار باہو (جھنگ)	۱-جمادی الآخرۃ
عثمان مروندی قلندر	سیہون (سندھ)	۱۵-شعبان

عرس کی اصل حقیقت اور اسرار و رموز کیا ھیں؟

عرس مروجہ کا وجود عہد نبوت، قرون ثلاثہ، محدثین و مجتہدین اور ان کے کئی صدیوں بعد تک اسلامی معاشرے میں کہیں بھی نہیں ملتا۔ اور اسلام کا یہ ماضی مجید اس فتنہ مجلوبہ (باہر سے لایا ہوا) سے مبرا رہا ہے۔

اسلام چونکہ ایک عالم گیر مذہب ہے کہ جس کی حفاظت و غلبہ کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھایا ہے کہ وہ اسلام کو دنیا کے

سارے ادیان و مذاہب پر غالب کرے گا۔ چنانچہ ظہور اسلام کے وقت دنیا کی طاقت وقدرت ظاہر یہ فارس و روم تھے، خلافت راشدہ کے دور میں ان دونوں کا خاتمہ ہوا، اور ان کی جگہ اسلام قائم ہو گیا اور پھر پھیلتے پھیلتے دنیا کے اکثر و بیشتر حصوں پر اسلام حاوی وغالب ہو گیا، خاص طور پر خلافت عباسیہ اور خلافت عثمانیہ کے دور میں۔ جب مسلمانوں کا میل جول ایسی مشرک اقوام سے ہوا جو کہ مختلف عقائد ونظریات اور خیالات وتصورات کا شکار تھیں تو اس اختلاط کے نتیجے میں اسلام سے ناواقف مسلمانوں میں کئی ایسے مشرکانہ عقائد ورسوم آ گئے کہ جن کو بعد میں عوام کے علاوہ خواص تک نے بھی اسلام سمجھ کر سینے سے لگا لیا حالانکہ ان کا اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں تھا جن میں سے ایک یہ عرس مروجہ بھی ہے۔ اس پر ہم بعد میں کچھ کلام کریں گے مگر سب سے پہلے مشرک اقوام کے اندر شرک کی مختلف انواع واقسام اور اشکال وتصورات کا ذرا جائزہ لیتے ہیں۔

الف - ایک تصور یہ پایا جاتا ہے کہ خالق اور مخلوق کی محبت کی نوعیت ماں اور ان کی اولاد کی محبت جیسی ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں اناث (مؤنث) اور دیویاں خالق کائنات کا مظہر بن کر پوجی جاتی ہیں، جیسے ملائکہ، جن کو بنات اللہ کہہ کر پوجا جاتا ہے اور اسی طرح ہندوؤں کے ہاں درگا دیوی پاربتی دیوی وغیرہ ہیں۔

ب - ایک تصور یہ بھی رہا ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان محبت کا تعلق باپ اور ان کے بیٹوں جیسا ہے۔ اس تصور کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو ان کے بیٹے قرار دے کر پوجا جانے لگا۔ جیسے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو جن کو ابناء اللہ کہہ کر پوجا جانے لگا۔

ج - تیسرا تصور یہ رہا ہے کہ خالق اور مخلوق کی درمیان محبت ودوستی کی نوعیت دولہا ودلہن کی سی ہے اور اسی تصور کے بل بوتے پر عرس نے جنم لیا، اور وہ اس طرح کہ بزرگوں کے یوم وفات کو یوم وصالِ یار بنا دیا۔ اس اعتبار سے کہ یہ بزرگ وفات پا کر اپنے آقائے حقیقی (اللہ) سے جا ملے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نیک و صالح بندے دنیا کی زندگی میں تکالیف و پریشانیوں سے دوچار ہوتے ہیں اور ان کی خوشی وشادمانی مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے اسی لیے قبر پرستوں کے ہاں بزرگوں کے لیے اس مقام پر لفظ وفات کو معیوب اور غیر مستحسن سمجھا جاتا ہے، تو اس بناء پر لوگ (قبر پرست) یوم وفات کو یوم وصالِ یار اور یوم عرس سے تعبیر کر کے وہ سب کچھ کرنے لگے جو دنیوی شادیوں کے دنوں میں کرتے ہیں، بطور مثال عرس کے دن قبر کو غسل دیا جاتا ہے، ریشمی کپڑے ان پر سجائے جاتے ہیں، مٹھایاں تقسیم کر کے لنگر پر بانٹی جاتی ہیں، قبر کو بوسہ دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ مہندی کی رسمیں بھی ادا کی جاتی ہیں۔ وغیرہ۔

الغرض چونکہ یہ اس بزرگ کے یوم وصال اور شادی کا دن سمجھا جاتا ہے اس لیے جو کچھ شادی کے دنوں میں ہوتا ہے وہ سب کا سب یوم عرس پر اکمل طریقہ سے ادا کیا جاتا ہے۔

یہ ہیں عرس کے اصل اسرار و محتویات کہ جن کا اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ جو کچھ ہم نے یہاں قلم بند کیا ہے درحقیقت یہ ہمارے مخلص دوست اور اس دَور کے عظیم مجاہد حافظ صلاح الدین یوسف۔ کثر اللہ اُمثالہ۔ کے کلام کی تلخیص ہے۔

اب ہم اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے حافظ صاحب کی ساری عبارت کو حرف بحرف نقل کرتے ہیں۔

''آیئے اب ہم بتلاتے ہیں کہ عرس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ عرس کا یہ طریقہ جو پاک و ہند کے بریلوی حلقوں میں رائج ہے عہد صحابہ و تابعین اور اس کے کئی صدیوں بعد تک اسلامی معاشرے میں اس کا وجود نہیں ملتا، صدیوں بعد جب مسلمان اصل اسلام سے نا آشنا ہو گئے تو مشرک قوموں سے ان کا میل جول ہوا تو ان کے اختلاط سے اسلامی تعلیم سے بے خبر مسلمانوں کے اندر کئی مشرکانہ عقائد و اعمال آ گئے۔ تاریخ کے مختلف ادوار یا عالم جہاں آباد کے مختلف اطراف میں شرک کی مختلف شکلیں اور تصورات رائج رہے ہیں۔ ایک تصور مشرک قوموں میں یہ رہا ہے کہ خالق کائنات اور مخلوق کے مابین محبت کی نوعیت اس طرح ہے جس طرح ایک ماں اور اولاد کے مابین محبت ہوتی ہے، اس تصور کے تحت خالقِ کائنات کی مظہر ''دیویاں'' قرار پائیں اور مختلف دیویوں کو پوجا جاتا رہا، جیسے آج بھی ہندوستان میں درگا دیوی، پاربتی دیوی، سرسوتی اور لکشمی دیوی وغیرہ کی پرستش ہوتی ہے۔

ایک تصور یہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان محبت کا تعلق ایسا ہے جیسے باپ اور بیٹوں کے درمیان ہوتا ہے، اس تصور کے تحت خدا رسیدہ بزرگوں کو خدا کا بیٹا قرار دیا گیا اور پھر انہیں خدائی اختیارات کا حامل باور کرا کے دیوتا کے درجے پر انہیں فائز کر دیا گیا اور ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی گئی۔

ایک تیسرا تصور یہ رہا ہے کہ اللہ اور انسانوں کے درمیان اس طرح کا رشتۂ محبت ہے جس طرح دولہا و دولہن یا میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے، اس تصور کے تحت کنواری عورتوں کو عبادت گاہوں میں وقف کیا جانے لگا وہ ساری عمر شادی نہیں کراتیں، جس طرح ہندوؤں کے مندروں میں دیوداسیاں اور گرجوں میں عیسائی نینس ہوتی ہیں، اس تجرد (کنوارپنے) نے انہیں بتدریج خدائی محبوبائیں یا بیویاں بنا دیا اور یوں انہیں بھی خدائی تقدس اور الوہی صفات کا حامل سمجھا جانے لگا۔ یہی تیسرا تصور جاہل مسلمانوں میں آیا اور ملنگوں کا ایک طبقہ معرض وجود میں آ گیا جو عورتوں کی طرح رنگ برنگے کپڑے پہنتا ہے، ہاتھوں اور پیروں میں کڑے اور چوڑیاں پہنے رہتا ہے، عورتوں کی طرح ناچ، گا کر اپنے میاں یعنی اللہ تعالیٰ کو مناتا ہے۔ اسی تصور نے مزید پھیلتے پھیلتے بزرگوں کے یومِ وفات کو یومِ عرس (شادی کا دن) یا یومِ وصالِ یار بنا دیا، یعنی وفات پا کر یہ بزرگ اپنے خواجہ (اللہ میاں) کے حرم سرا میں پہنچ گئے۔ اس اعتبار سے یہ ان کی شادی کا دن ہے یا وصالِ یار (محبوب کی ملاقات) کا دن ہے، اسی لیے بزرگوں کے لیے اس حلقے میں وفات کا لفظ نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے اور وفات کو ''وصال'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی لیے ان کی وفات کے دن عرس (شادی)



کے نام پر وہ سب کچھ کیا جاتا ہے جو شادی کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ قبر کو غسل دیا جاتا ہے۔ ریشمی چادریں اس پر ڈالی جاتی ہیں، حتیٰ کہ رسمِ مہندی بھی ادا کی جاتی ہے۔ پھر تبرک کے نام پر شیرینی تقسیم ہوتی ہے اور لنگر بانٹا جاتا ہے، سلامی کے طور پر نذرانے چڑھائے جاتے ہیں، مزاروں کے بوسے لیے جاتے ہیں اور پھولوں کے ہاروں کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہ ہے عرس کی وہ حقیقت جس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں، فأعاذنا اللہ منہ'' ①

عرس کی عقلی ممانعت

قبر پرستوں سے یہ سوال ہے کہ آپ جو عرس مناتے ہیں تو وہ کس بنا پر ہے؟ کیا جن اشخاص کے تم عرس مناتے ہو تو ان کی ولایت و بزرگی کی بناء پر یہ ہوتا ہے؟ یا بغیر کسی کمال و بزرگی وغیرہ کے ویسے ہی جس کے لیے جی چاہا عرس منا لیا؟ تو صاف ظاہر ہے کہ کوئی بھی قبر پرست اس بات پر تیار نہیں ہو سکے گا کہ ہم کسی عام آدمی کا عرس مناتے ہیں بلکہ وہ اپنے عقیدہ کے مطابق ایسے لوگوں کا عرس مناتے ہیں جو ولی و بزرگ اور اللہ رسیدہ ہوں۔ اور یہ قبر پرست لوگ ان بزرگوں کے عرس مناتے بھی اس لیے ہیں کہ ان بزرگوں کی روحیں خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں۔ تو عرس منانے سے قبر پرستوں کا مقصد یہی ہے کہ جن کے عرس مناتے ہیں تو وہ ان کو ولی و بزرگ سمجھ کر یہ سب کچھ ان کے لیے کرتے ہیں۔

اس لیے ہم کہتے ہیں کہ بزرگوں کا عرس منانا جس طرح روحِ شریعت کے مخالف ہے اسی طرح عقل انسانی کے بھی منافی ہے کیونکہ اسلام کے دامن میں ہزاروں، لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں ایسی قد آور ہستیاں موجود ہیں جو کہ ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اور جن کی عظمت کے سامنے آسمان کی بلندیاں ہیچ ہیں اور نورانی فرشتوں کا تقدس گردِ راہ ہے، بالخصوص انبیاء و رسل علیہم السلام۔

بطور مثال اسلام میں کم و بیش سوا لاکھ کی تعداد تو صرف ان انبیاء علیہم السلام کی ہے جو کہ انسانیت کیلئے آئیڈیل ہیں اور جن میں سے ایک ایک کا وجود کائنات کی ساری مخلوقات پر بھاری ہے۔ اور پھر انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قافلہ ہے ان کی تعداد تقریباً سوا لاکھ سے بھی زیادہ ہوگی پھر ان کے بعد ہر صدی کے وہ لاکھوں اور کروڑوں اکابر اولیاء اللہ بالخصوص تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور محدثین حضرات ہیں جو اپنے اپنے وقت میں رشد و ہدایت کا منبع اور مینارۂ نور تھے اور جن کے آگے بڑے بڑے جابر بادشاہ حاضریاں دیتے تھے۔

اب اگر اسلام شخصیتوں کے عرس و سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو ذرا انصاف سے بتایئے اس امت کو سال بھر میں عرسوں اور سالگراہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لیے ایک لمحہ کی بھی فرصت ہوتی؟

---

① قبر پرستی ص ۱۰۰



عرس اور میلوں کے مفاسد

عرس ومیلوں کے مفاسد و برائیاں انسان کے احاطۂ علمیہ سے کہیں باہر ہیں۔ جو اور جتنے مفاسد و جرائم، ذنوب و معاصی اور فواحش ومنکرات اولیاء وصالحین اور بزرگان دین (واقعی یا فرضی) کے عرس اور میلوں میں ہوتے ہیں وہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔

ہم ان مفاسد کثیرہ میں سے صرف بطور نمونہ کچھ قارئین کے سامنے پیش کریں گے۔

۱۔ جس ولی و بزرگ کے لیے یہ عرس ومیلہ قائم کیا گیا ہے اس کے نام پر نذر و نیاز دینا اور جانور ذبح کرنا جو کہ (یہ دونوں چیزیں) عبادت ہیں جن کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ اور عبادت غیر اللہ کے لیے کرنا شرک ہے۔

۲۔ بغیر کسی دینی محرک کے اجنبی مردوں اور عورتوں کا اختلاط جو کہ اپنی جگہ پر بذات خود ایک خطرناک اور سنگین جرم ہے۔ اگر چہ یہ اختلاط والا معاملہ عرسوں اور میلوں کے ان معینہ اجتماعات کے علاوہ سال کے بارہ مہینوں اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں بھی ہوتا ہے مگر عرس ومیلوں کے اجتماعات کے دوران تو (الحفیظ والأمان) کیا کچھ نہیں ہوتا؟

ان عرسوں ومیلوں میں ایسے سنگین جرائم سرزد ہوتے ہیں کہ جن کے بولنے سے زبان شرماتی اور لکھنے سے قلم۔ ہزاروں آدمی ان غیر اخلاقی مفاسد و جرائم کی وجہ سے قبر پرستی کو خیر باد کہہ کر تائب ہو گئے اور بعد میں قبر پرستی کے خیر باد کہنے کے اسباب بیان کرتے ہوئے انہوں نے صاف اقرار کیا کہ: بزرگ صاحب کی درگاہ کے مجاور، مریدین اور معتکفین نے ہمیں اور ہماری عورتوں کو جو ہمارے ساتھ تھیں نشہ والا کھانا کھلا کر ہماری عورتوں کے ساتھ زنا کیا ہے۔ اور بہت سے نوجوانوں نے خود میرے سامنے قسم اٹھا کر کہا ہے مولوی صاحب: اللہ کی قسم! ہم جو بزرگوں کے عرس ومیلوں پر جاتے تھے تو ہماری اس بزرگ سے نہ کوئی محبت و دوستی ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی عقیدت، بلکہ ہم تو صرف اور صرف عورتوں کو دیکھنے، ان سے رابطہ قائم کرنے اور بدفعلی کی نیت سے جاتے ہیں۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اکثر و بیشتر لوگ بزرگوں کی قبروں، قبوں اور درگاہوں پر عرس اور میلوں میں بزرگوں سے عقیدت ومحبت کے بہانے انہی بداخلاقیوں کی نیت سے جاتے ہیں۔

چنانچہ ان کے لیے کئی ایسے شواہد ہیں جن کو ثقہ اور معتبر اہل علم حضرات بیان کرتے ہیں مگر ان کو تحریر کرنے کے لیے نہ اس کتاب میں جگہ ہے اور نہ ہی شرافت انسانی ان کو گوارا کرتی ہے۔ بالخصوص وہ آثار واشیاء مثلاً مخصوص قسم کے لکڑی، پتھر اور کنڈے وغیرہ جو کہ مقبور کے سرہانے اور قبر کے آس پاس رکھے ہوئے ہوتے ہیں تو قبر پرست بالخصوص عورتیں ان سے کیا برتاؤ کرتی ہیں؟ اب میرا قلم لکھنے سے شرماتا ہے اور زبان بولنے سے۔ آپ یقین جانیئے کہ جو اہل علم حضرات میرے ساتھ ہوا کرتے تھے جن کو ان درگاہوں کی خاصی معلومات تھی انہوں نے میرے سامنے اللہ کی ذات کی قسم اٹھائی اور کہا: عبدالغفور یہ قبر پرست اور بالخصوص عورتیں ان آثار واشیاء کے ساتھ یہی کچھ کر رہے ہیں جو ہم کہہ رہے ہیں۔



۳- رقص وسرود اور مختلف قسم کے دف، مزامیر، باجے اور کسبیوں کے گانے جو کہ ہر ایک اپنی جگہ پر ایک مستقل جرم ہے۔

٤- خرید وفروخت کے لیے بازار لگانا، کیونکہ جب لوگ لاکھوں کی تعداد میں عرس ومیلوں کے موقعہ پر اکھٹے ہو جاتے ہیں تو غیر شعوری صورت میں خرید وفروخت کے بازار لگ ہی جاتے ہیں، کیونکہ تاجر لوگ ایسے ہی مجمعوں کو غنیمت سمجھ کر نفع اندوزی کے لیے اپنا سامانِ تجارت وہاں لے جاتے ہیں۔ اور ایسے خرید وفروخت والے بازاروں کا قیام شعائر اللہ کے ان شرعی اجتماعات کی مشابہت کی وجہ سے توہین ہے۔ جو کہ حج کے موقعہ پر میدانِ عرفات، مزدلفہ اور منیٰ وغیرہ جیسے مقامات مقدسہ پر قائم ہو جاتے ہیں۔

٥- اسی صاحبِ قبر ولی وبزرگ کو اپنے مقاصد ومطالب کے حصول کے لیے پکارنا صریح شرک ہے۔

٦- چرس، بھنگ اور شراب نوشی کا وہاں پر دور دورہ ہوتا ہے۔

٧- بزرگوں کی قبروں پر مجاورت واعتکاف کی وجہ سے بت پرستوں کے ساتھ مشابہت۔

٨- ان اصحابِ قبور کو ایذاء وتکلیف دینا جن کے لیے عرس ومیلے قائم کیے جاتے ہیں، کیونکہ جو بھی بدعات وخرافات اور ناجائز کام ان بزرگوں کی قبور پر ہوتے ہیں تو اس سے ان بزرگوں کی روحوں کو ایذاء وتکلیف ہوتی ہے۔

٩- اللہ تعالیٰ کی لعنت میں داخل ہونا کیونکہ جو شخص قبروں پر مسجد، قبہ اور گنبد بنا کر ان کے اوپر عرس ومیلہ لگائے گا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پر ملعون ہے۔

١٠ ان عرس ومیلوں کے قیام کے موقعوں پر حکومتِ وقت کا تعاون، مساعدات اور فراہم کردہ سہولتیں اور وہ اس طرح کہ کبھی تو لوگوں کے آنے جانے کے لیے ٹرینوں اور سرکاری بسوں کے کرایہ میں تخفیف کر دی جاتی ہے اور کبھی کبھی درگاہوں اور گنبدوں کے منجاروں، مجاوروں اور معتکفین کو نقدی پیسے وغیرہ دیئے جاتے ہیں۔

چنانچہ ۱۹۸۹ء ۱۲ صفر ۱۴۱۰ھ میں جب سندھ میں شاہ عبداللطیف بھٹائی کا عرس قائم ہوا تو صوبہ سندھ کے وزیرِ اعلیٰ سید قائم علی شاہ نے مزار پر حاضری دے کر پچاس ہزار روپیہ نقد پیش کیا۔ اور پھر دوسرے دن جب پاکستان کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو صاحبہ نے مزار پر حاضری دی تو درگاہ کے مجاوروں، منجاروں، مریدوں اور معتکفین کو بطور ہدیہ دس لاکھ روپیہ کا چیک پیش کیا۔

اور ۱۹۷۵ء میں جب اسی بے نظیر بھٹو صاحبہ کے باپ ذوالفقار علی بھٹو کا دورِ حکومت تھا اور پاکستان کا غالباً ہر مکتب فکر کا تعلیم یافتہ شخص جانتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو ''ماؤزے تنگ'' کا پالا ہوا ان چینی کیمونسٹوں کا ایک غالی اور کٹر ترین کیمونسٹ تھا جو کہ تطبیقِ نظام اشتراکیت میں روسیوں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ مگر اس خبیث نے اپنی کرسی اقتدار کی خاطر سندھ کے عوام اور بالخصوص قبر پرستوں کے دل خریدنے کے لیے شاہِ ایران محمد رضا شاہ پہلوی سے لعل شہباز قلندر کے دربار کے تعاون کے لیے درخواست کی تو شاہِ ایران

نے (جو کہ دنیا کے اس دور کا ایک بدترین، متکبر، لامذہب، عیاش اور مجرم تھا) لعل شہباز قلندر کی درگاہ کو ایک سونے کا دروازہ دے دیا جو کہ ابھی تک قلندر کی درگاہ پر چمک رہا ہے اور اس کے اوپر سرکاری گھاٹ لگا ہوا ہے۔

اور اسی طرح ۱۹۹۳ء میں جب بے نظیر بھٹو صاحبہ، دوبارہ پاکستان کی وزیر اعظم بن گئیں تو انہوں نے ۲؍دسمبر ۱۹۹۳ء میں اپنے باپ ذوالفقار علی بھٹو کے عرس کے موقعہ پر ان کی درگاہ کے تعمیرات اور مجاورین و معتکفین کے مصارف و اخراجات وغیرہ کے لیے سرکاری خزانہ سے کروڑوں روپیہ کی منظوری دے دی جو کہ سرکاری اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔

اب اندازہ لگائیں یہ پیسے ایک اسلامی ملک کے خزانہ و بیت المال سے بغیر کسی دینی و اسلامی مقاصد کے نکالے جا رہے ہیں۔

کیا اگر یہ بھاری رقوم دینی مدارس و مساجد پر خرچ ہوتیں، یا کم از کم اس ملک کے ان غریب و مسکین عوام پر خرچ ہوتیں جن کو اپنی رات کا کھانا بھی پوری طرح میسر نہیں ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

کیوں یہ اتنی رقوم اس ملک کے غریب و مسکین عوام کے منہ سے (جو کہ بھوک سے تڑپ رہے ہیں) چھین کر ایسی تعمیرات اور ان کے مجاورین و معتکفین پر خرچ کی جاتی ہیں کہ جن کے بنانے والے اور ان کے معتکفین وغیرہ سب کے سب رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پر ملعون ہیں۔

اور ہم نے ہندوستانی بھائیوں سے یہ بھی سنا ہے کہ ہندوستان میں نام کے مسلمان جب وہاں کے اولیاء و صالحین (واقعی یا فرضی) کے عرس اور میلے منعقد کرتے ہیں تو حکومت ہندوستان جو کہ بت پرستوں کی ہے ان عرس و میلوں میں کافی تعاون کرتی ہے۔

اور جنوبی یمن کے لوگوں سے بھی سنا گیا کہ وہاں کے قبر پرست لوگ جب وہاں کے اولیاء و صالحین کی قبروں پر عرس و میلے رچاتے ہیں تو حکومت کی طرف سے سرکاری طور پر ان کا تعاون ہوتا ہے حالانکہ جنوبی یمن کی حکومت ایک کٹر کمیونسٹ ہے۔

اور حکومتِ عراق کا حال تو آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہی ہیں کہ وہ کس نظریہ کی ہے؟ بالخصوص حزب بعث جو کہ حکم پر حاوی ہے تو وہ ایک خالص روسی کمیونسٹوں کے نظریہ والی تنظیم ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو بھی نہیں مانتی۔

اور جن کا شعار علناً ''آمنت بالبعث رباً لاشریک له و بالعروبة دینا لاثانی له'' ہے جو کہ صریح کفر ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ غیر مذہب اور لادین حکومتیں ان عرس و میلوں کا اتنا تعاون کیوں کرتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ ان کا یہ تعاون اسلام دوستی کی بنیاد پر تو نہیں ہے کیونکہ

اوّلاً: یہ حکومتیں اسلام کے وجود کو نہیں مانتی۔

ثانیاً: اگر یہ تعاون و مساعدات اسلام دوستی کی بنیاد پر ہوتے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان حکومتوں کا یہ اسلامی دوستی والا تعاون مساجد اور دینی مدارس سے کیوں نہیں ہوتا؟

اس لیے ماننا پڑے گا کہ ان لادین حکومتوں کی طرف سے مساجد اور دینی مدارس سے بغیر اپنی کسی دنیوی اغراض ومقاصد کے ایک پیسہ کا خرچ نہ کرنا اور بزرگوں کے ان عرس ومیلوں پر لاکھوں اور کروڑوں روپیہ خرچ کرنا اس میں ضرور کوئی راز ہے۔

جیسا کہ مشہور عربی ضرب المثل ہے۔"هٰذَا أَمْرٌ قُضِيَ بِلَيْلٍ" جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک ایسی سازش ہے کہ جس کی تدبیررات کی تاریکی میں کی گئی ہے۔اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ لادین حکومتیں اپنے دنیوی اغراض ومقاصد کے علاوہ یہ بات اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ ان عرس ومیلوں کے احیاء وترقی میں اسلام کا نقصان ہے اور یہ سب چیزیں روح اسلام کے منافی ہیں۔

۱۱۔ عرس ومیلوں کے احیاء وترقی میں مساجد کی خرابی وبربادی ہے کیونکہ جس قدر ان عرس ومیلوں کی کثرت وترقی ہوگی اتنی ہی لوگوں کی توجہ ودھیان مساجد سے ہٹ کر عرس ومیلوں کی طرف لگ جائے گی۔

۱۲۔ بیت اللہ کے ساتھ مشابہت، کیونکہ عرس ومیلوں کے موقعوں پر کثیر تعداد میں لوگوں کا اجتماع اور وہ بھی بنیت ثواب و عبادت کے تو یہ لازماً بیت اللہ کے ساتھ مشابہ ہے، یہاں تک کہ کبھی کبھی ان عرس ومیلوں میں لوگوں کا اجتماع حج کے موقعہ پر بیت اللہ کے اجتماع سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔جیسا کہ سنا گیا ہے کہ مصر میں احمد بدوی کی قبر پر عرس کے موقعہ پر ستر،اسّی لاکھ تک لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور اجمیر کے متعلق بھی اسی طرح سنا گیا ہے۔جبکہ حج کے موقعہ پر بیت اللہ میں اتنی مقدار میں لوگ جمع نہیں ہوتے۔

کیا اللہ کے سوا کوئی اور مشکل حل کرنے پر قادر ہے؟

اکثر وبیشتر مذہبی حلقوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ آیا اللہ کے سوا کوئی (غیر اللہ) مشکل حل کرسکتا ہے؟یا صرف اللہ ہی اس پر قادر ہے، یہ سوال بڑے زور وشور سے اچھالا جاتا ہے،مگر فریقین میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہو پاتا۔ایک ذی شعور انسان کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے تو وہ اس سوال کو مختلف پہلوؤں سے جانچتا اور پرکھتا ہے کہ کس طرح اللہ کے سوا کوئی اور ہستی مشکل کشائی کرسکتی ہے؟اس سوال کی دس (۱۰) مختلف صورتیں ہیں جن کا جواب قبر پرستوں سے مطلوب ہے۔

بطورِ مثال: زید کو کسی مشکل کا سامنا ہے وہ چاہتا ہے کہ میری یہ مشکل دور ہو، وہ اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کو پکارنا چاہتا ہے جو اس کی مشکل دور کرے۔اب:

۱۔ اگر اللہ کے سوا کوئی اور ہستی مشکل حل کرسکتی ہے تو بتائیے کہ سائل اور مشکل کشا کے درمیان ہزاروں اور لاکھوں میلوں کی دوری پر وہ (مشکل کشا) زندگی وحیاتی میں یا زندگی کے بعد قبر میں اتنے فاصلوں کے باوجود سائل کی آواز سن سکتا ہے؟

۲۔ بالفرض والمحال اگر یہ ثابت ہوجائے کہ وہ مشکل کشا اتنے فاصلوں پر آواز سن سکتا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ دنیا کی ہر زبان سے واقف ہے یا نہیں؟

کیوں کہ دنیوی مصائب ومشکلات میں تو ہر زبان والے پھنس جاتے ہیں۔ مثلاً: کسی عرب کو جب کوئی مشکل پیش آئے گی تو وہ اپنی یہ مشکل، مشکل کشا کے سامنے عربی زبان میں پیش کرے گا، اردو والا اردو زبان میں اپنی مشکل پیش کرے گا، سرائیکی و پنجابی والا سرائیکی و پنجابی زبان میں مشکل پیش کرے گا۔ سندھی، سندھی زبان میں مشکل پیش کرے گا، جرمن جرمنی میں اپنی مشکل پیش کرے گا، انگریز انگریزی میں، پٹھان پشتو زبان میں اپنی مشکل پیش کرے گا اور بلوچ بلوچی زبان میں مشکل کشا کے سامنے اپنی مشکل پیش کرے گا۔ فارسی، فارسی زبان میں اپنی مشکل پیش کریگا۔ علی ہذا القیاس.

اب بطورِ مثال کوئی مشرک وقبر پرست بے اولاد، اولاد مانگنے کے لیے اللہ کے سوا کسی مخلوق (ولی و بزرگ) کو پکار کر اس سے بیٹا مانگتا ہے تو چاہے وہ مدعو (پکارا ہوا) کس زبان کا ہو؟ زندہ ہو یا مر چکا ہو، غائب ہو یا حاضر ہو خواہ کچھ بھی ہو جبکہ پکارنے والا پکارے گا تو وہ اس کو اپنی زبان میں پکارے گا نہ کہ مدعو کی زبان میں اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اس لیے ہم ان قبر پرستوں سے پوچھتے ہیں جو کہ ہندوستان و پاکستان سے سفر کر کے مشہد میں امام رضا کی قبر پر جا کر یا یہیں اپنے اپنے علاقوں ہی سے اس کو پکار کر کہتے ہیں کہ ہم کو بیٹا دے دیں۔ اور یہ بات اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ امام رضا کے زمانہ میں اردو زبان کا وجود ہی نہیں تھا۔

جب سائل کی زبان کا وجود ہی مسئول کے زمانہ میں نہیں تھا تو اب بتایئے امام رضا (مسئول) کے ساتھ قبر میں ''بیٹا'' کا ترجمہ کون کرے گا؟

اور اسی طرح فرض کرو کہ ایک قبر پرست نیویارک، ایک بمبئی، ایک سندھ، ایک پنجاب اور ایک بلوچستان کے ساحل مکران ''گڈانی'' سے سفر کر کے مصر میں احمد بدوی کی قبر پر حاضر ہو کر ان میں سے ہر ایک اپنی زبان میں احمد بدوی کو مخاطب کر کے کہتا ہے مجھے ایک ''سَن'' (Son) بیٹا، پٹ، پتر اور چک یا زھگ، فرزند دیدیں، تو اب بتایئے قبر میں احمد بدوی کے ساتھ ''بوائے، بیٹا، پٹ، پتر اور چک وزھگ'' فرزند کا ترجمہ کون کرے گا؟ اور اسی طرح مصائب ومشکلات میں پھنس کر جو قبر پرست بمبئی، لاہور، پشاور، ملتان، کراچی، گڈانی، اور ماڑہ، پسنی، گوادر وغیرہ سے بغداد کی طرف متوجہ ہو کر یا غوث یا غوث کہہ کر اپنی اپنی زبان میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو پکارتے ہیں تو بتایئے ان حضرات کی ان مختلف زبانوں کا ترجمہ قبر کے اندر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے ساتھ کون کرتا ہے؟ علی ہذا القیاس۔

۳۔ دومنٹ کے لیے اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ وہ ہستی ہر زبان سے واقف ہے تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ اگر ایک لمحہ میں ہزاروں، لاکھوں لوگ اپنی اپنی مشکل اس کے سامنے پیش کریں تو وہ ان سب کی مشکلات کو اسی لمحہ میں سن اور سمجھ لے گا یا شور وغوغا اور التباس واشتباہ کی وجہ سے قطار بنانے کی ضرورت پیش آئے گی؟

۴۔ کیا اس ہستی (مشکل کشا) کو کبھی نیند بھی آتی ہے یا وہ رب العالمین کی طرح ہمیشہ جاگتا رہتا ہے اور اگر کبھی نیند آتی ہے تو

پھر ہمارے پاس ایک لسٹ ہونی چاہیے کہ کب اس کو نیند آتی ہے اور کب وہ جاگ رہا ہوتا ہے تاکہ ہم اپنی مشکل صرف اسی وقت پیش کریں جب وہ سو نہ رہا ہو۔ یا وہ نیند میں بھی سنتا ہے؟

۵۔ ایک شخص بولنے سے قاصر ہے وہ ایسی مشکل میں مبتلا ہے کہ اس کا گلا بند ہو چکا ہے اگر وہ دل ہی دل میں اپنی مشکل پیش کرے تو کیا وہ ہستی اس کی دلی فریاد بھی سن لے گی؟

٦۔ انسان کو پیدائش سے لے کر موت تک چھوٹی بڑی تمام مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اگر وہ تمام مشکلات کو اللہ تعالیٰ ہی حل کر سکتا ہے تو پھر غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر غیر اللہ ان تمام مشکلات کو حل کرنے پر قادر ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی (العیاذ باللہ) کیا حاجت ہے؟

۷۔ اگر غیر اللہ (مشکل کشا) تمام مشکلات کے حل کرنے پر قادر نہیں، تو ہو سکتا ہے کہ کچھ مشکلات حل کرنے کا بیڑا اللہ تعالیٰ نے اٹھایا ہو اور کچھ مشکلات حل کرنے کے اختیارات کسی غیر کو دے رکھے ہوں ایسی صورت میں تو ہمارے پاس یہ فہرست ہونی چاہیے کہ کون کون سی مشکلات اللہ تعالیٰ حل کرنے پر قادر ہے اور کون کون سی مشکلات غیر اللہ حل کر سکتا ہے تاکہ سائل اپنی مشکل اُسی کے سامنے پیش کر سکے جو اس کے حل کرنے پر قادر ہو؟

۸۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا جو ہستی مشکل حل کر سکتی ہے وہ مشکل ڈال بھی سکتی ہے یا اس کی ڈیوٹی صرف حل کرنے پر ہے؟ اور اگر وہ مشکل حل کر سکتی ہے تو پھر ڈالنے والا کون ہے؟

۹۔ بالآخر نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ مشکلات ڈالنے والا ہے اور غیر اللہ مشکل حل کرنے والا۔ بالفرض ایک ہستی مشکل ڈالنے پر مصرّ ہو اور دوسری مشکل دور کرنے پر، تو بتایئے ان دونوں میں سے کون سی ہستی اپنا فیصلہ واپس لے لے گی؟

۱۰۔ کسی بھی برگزیدہ یا گناہ گار ہستی کا جنازہ پڑھنا ہو تو اس کی بخشش کے لیے اللہ تعالیٰ کو آواز دی جائے یا دوسرے مشکل کشا کو؟

شیطان لوگوں کو خود انھی کی حیثیت کے مطابق گمراہ کرتا ھے

لوگوں کو توحید اور صراطِ مستقیم سے ہٹا کر شرک و بدعات کے گندی اور بدبودار نالیوں میں گھسیٹنے کے لیے شیطان کے پاس مختلف قسم کے ہتھکنڈے ہیں۔ چنانچہ شیطان مختلف طریقوں، آرزوؤں، تمناؤں، شکلوں، پوائنٹوں اور رنگ وڈھنگ سے لوگوں کو خود انہی کی حیثیت کے مطابق گمراہ کر دیتا ہے۔

مثلاً: عوام الناس کو گمراہ کرنے کے طریقے اور ہیں اور اہل علم حضرات کو گمراہ کرنے کے طریقے کچھ اور ہیں۔ اور پھر تفاوت سمجھ وفہم اور مراتب عقل کی وجہ سے بھی خود فہمیدہ و سمجھدار عوام الناس اور مراتب علم کے اعتبار سے اہل علم حضرات کو گمراہ کرنے کے طریقے بھی مختلف ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جن ہتھیاروں سے شیطان بے سمجھ عوام الناس کو شکار کرتا ہے تو ان بے سمجھ عوام الناس پر استعمال کئے ہوئے اسلحوں اور ان سے حاصل شدہ شکار کو سمجھدار اور باشعور عوام الناس کے ہاں شرک ظاہر کر کے ان کو کسی دوسرے اسلحے سے شکار کرتا ہے۔ اور اسی طرح اہل علم حضرات میں سے جو ناقص العلم ہیں ان کے سامنے عوام الناس کے عقائد و اعمال کو شرک و بدعات ظاہر کر کے ان کو کسی دوسرے حربہ سے شکار کرتا ہے اور پھر جو ان سے علم و فہم میں کچھ زیادہ ہیں تو ان کے سامنے ناقص العلم کے عقائد و اعمال کو شرک ظاہر کر کے ان کو کسی اور طریقے سے شکار کرتا ہے۔ علی ہذا القیاس۔ بطور مثال:

الف: عوام الناس میں سے وہ لوگ جو کہ بالکل جاہل، ان پڑھ اور بے سمجھ ہیں جیسے بوڑھے، بوڑھیاں اور عام عورتیں وغیرہ تو شیطان ان حضرات کو تعظیم اولیاء کے عنوان سے بزرگوں اور ولیوں کی قبروں کے سجدے و رکوع، نذر و نیاز، ندا و پکار اور ان کی قبروں کے گرد طواف و اعتکاف کرواتا ہے۔ اور ان سے کہتا ہے کہ تم جتنا ان بزرگوں کی تعظیم کرو گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے یہ ولی و بزرگ اور برگزیدہ ہستیاں تم سے خوش ہو کر دنیا میں بھی تمہارے مصائب و مشکلات کو حل کر دیں گی اور قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری سفارش کر کے عذاب الٰہی سے بچا کر جنت میں لے جائیں گی۔

اب ظاہر ہے کہ جو شخص معمولی سا علم رکھتا ہے یا دنیوی کوئی تعلیم یافتہ ہو یا کم از کم کوئی فہمیدہ، باشعور اور سلیم الطبع آدمی ہو تو وہ غیر اللہ کے لیے سجدہ و رکوع، نذر و نیاز، ندا و پکار اور طواف و اعتکاف وغیرہ کو شرک ہی سمجھتا ہے حتیٰ کہ یہاں پاک و ہند میں بریلوی مکتب فکر کے لوگ جو کہ عموماً شرک و بدعات میں کافی معروف ہیں مگر ان کے بہت سے اہل علم حضرات بھی عوام الناس کے ان عقائد و اعمال کو شرک ہی سمجھتے ہیں۔

ب۔ اور پھر عوام الناس میں سے وہ لوگ جو کہ کچھ عقل و سمجھ رکھتے ہیں یا کوئی دنیوی تعلیم یافتہ ہیں یا کم از کم اہل علم حضرات کی صحبت میں بیٹھ کر کچھ نہ کچھ معلومات رکھتے ہیں تو شیطان ان کے سامنے عوام الناس کے اس پہلے طبقے کے لوگوں کے عقائد و اعمال کو شرک ظاہر کر کے کہتا ہے کہ دیکھو اِن اَن پڑھوں، جٹوں، اندھوں، جاہلوں اور حیوان صفت لوگوں کو جو کہ بزرگوں کی قبروں کو سجدہ و رکوع و طواف کرتے ان کے لیے نذر و نیاز دیتے ان سے استغاثہ و استعانت کرتے اور ان کو اس اعتقاد کی بنیاد پر پکارتے ہیں کہ یہی فوت شدگان ہماری مصائب و مشکلات کو حل کرتے ہیں تو یہ تعظیم اولیاء کہاں رہی یہ تو صریح شرک ہے۔ ان اموات کے ہاتھ میں ہے ہی کیا چیز جو کہ ان لوگوں کی مصائب و مشکلات کو بذات خود حل کر سکیں؟

ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ چونکہ یہ اموات (مردے) اللہ تعالیٰ کے ایسے پیارے اور محبوب بندے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شان، عزت، قرب اور جاہ و منزلت ہے تو اس قرب و جاہ و منزلت کی وجہ سے یہ تمہارے مصائب و مشکلات کو اللہ تعالیٰ سے حل کروا سکتے ہیں۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ چونکہ تم بہت گنہگار ہو تو تمہارے ان گناہوں کی وجہ سے

اللہ تعالیٰ تمہاری بات نہیں سنتا اور اس قرب و منزلت اور جاہ و مرتبہ کی وجہ سے ان بزرگوں کی بات رد نہیں کرتا اس لیے تم اپنے مصائب و مشکلات اور مطالب و حاجات اللہ تعالیٰ کے ان پیارے اور محبوب بندوں کے سامنے پیش کر کے ان سے ان مصائب و مشکلات و مطالب و حاجات کے حل کروانے کی درخواست کرو، تو یہ بزرگانِ دین ان مطالب و حاجات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر کے ان سے حل کروائیں گے۔

بس شیطان کے اس بہکانے والی تجویز پر عمل کرتے ہوئے یہ حضرات اپنے دکھ، درد، تکلیف و پریشانی اور دنیا بھر کے مطالب و حاجات کو لے کر اصحاب قبور کے سامنے پیش ہو کر ان اموات (مردوں) سے یہی درخواست کر کے کہتے ہیں کہ اللہ کے پیارے اور محبوب بندو گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہماری بات سنتا نہیں اور مرتبہ وقرب اور جاہ و منزلت کی وجہ سے تمہاری بات رد کرتا نہیں، اس لیے تم ہمارے مصائب و مشکلات اور مطالب و حاجات کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کر کے اس سے حل کرواؤ۔

یہی وہ شبہ ہے جس نے قدیم زمانہ سے لے کر آج تک لوگوں (بت پرستوں و قبر پرستوں) کو اپنے خالق کی عبادت سے ہٹا کر مخلوق کا پجاری بنا دیا ہے جو کہ (ہماری سنتا نہیں، ان کی رد کرتا نہیں) کی اصطلاح سے مشہور ہے۔

جس کی مزید تفصیل ''واسطہ و وسیلہ'' کے باب میں آگے آئے گی ان شاء اللہ۔

خلاصہ یہ کہ شیطان عوام الناس کے اس دوسرے طبقے کے لوگوں کو اسی طرح گمراہ کر کے جہنم کا ایندھن بنا دیتا ہے۔

ج۔ فہم و عدم فہم کے لحاظ سے جس طرح عوام الناس کی کئی اقسام ہیں تو اسی طرح مراتب علم کے اعتبار سے اہل علم حضرات کی بھی کئی اقسام ہیں۔ کسی میں علم کم ہے اور کسی میں اس سے کچھ زیادہ ہے۔ علی ہذا القیاس۔

تو اہل علم حضرات میں سے جو کم علم و ناقص العلم ہیں شیطان ان کے سامنے عوام الناس کے ان دونوں طبقوں کے عقائد و اعمال کو شرک ظاہر کر کے ان سے کہتا ہے کہ دیکھو یہ عوام الناس جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پورا پورا شرک کر رہے ہیں، اولیاء و صالحین کی تعظیم و توقیر کا یہ معنیٰ تو نہیں کہ ان کی قبروں کو سجدہ و رکوع و طواف کرو، ان اصحاب قبور کے نام پر نذر و نیاز دیتے رہو، ان کی قبروں پر قبے و گنبدیں بناؤ، رونق دار جھنڈوں اور ریشمی کپڑوں سے ان کی قبروں کو سجاؤ اور دنیا بھر کے مصائب و مشکلات ہٹانے کے لیے ان اصحاب قبور کو پکار کر یہی اعتقاد رکھنا کہ ہماری مصائب و مشکلات کو یہی اصحاب قبور بذات خود ہٹائیں گے یا اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے ہٹوائیں گے۔

جبکہ ان بزرگوں کے اجساد و ابدان تو قبروں کے اندر بوسیدہ ہو کر مٹی کے ساتھ مل چکے ہیں اور ان کی ارواح علیین میں ہیں۔ جب معاملہ یوں ہے تو پھر اپنے مصائب و مشکلات اور مطالب و حاجات کو لے کر ان بزرگوں کی قبروں پر جا کر ان سے یہ مطالبہ کرنا کہ تم ہمارے یہ مصائب و مشکلات اور مطالب و حاجات کو خود حل کر دو یا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر کے اسی سے ان کو حل کرواؤ یہ تو پوری حماقت ہے۔

اس لیے اس طبقے کے اہل علم حضرات اور وہ لوگ جو کہ ان علماء سے متاثر ہیں تو یہ حضرات شرک صرف اور صرف انہی

چیزوں کو سمجھتے ہیں کہ جن میں عوام الناس مبتلا ہیں اس لیے یہ اہل علم حضرات اور ان سے متاثرین صرف اس عوام الناس کے شرک کی مخالفت کرتے ہوئے قبروں کے اوپر جو قبے اور گنبدیں بنی ہوئی ہیں یا کہیں کچھ لکڑیاں گاڑی ہوئی ہیں جن پر مختلف قسم سے جھنڈے لٹکے ہوئے ہیں جو کہ لوگوں کے حسین وجمیل چہروں کے لیے مسجود ومعبود بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اونٹ، گائے، دنبے اور بکریوں کے مذبحہ بن چکے ہیں اور نذر و نیاز کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔ تو یہ حضرات جا کر ان قبوں، گنبدوں، لکڑیوں اور جھنڈوں کو گرادیتے ہیں اور گرانے کا حکم کرتے ہیں اور لوگوں کو ان پر جانے سے منع کرتے ہیں۔ اور پھر اس پر بہت خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے شرک کا خاتمہ کر دیا ہے اور توحید کی گہرائیوں تک پہنچ گئے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام الناس کے ان دونوں طبقوں کے یہ سارے عقائد و اعمال شرک ہیں اور ان کے معبد خانوں کو گرانا، گرانے کا حکم دینا اور لوگوں کو ان کے ان معتقدات سے منع کرنا ہر مسلمان اور بالخصوص علماء پر حسب استطاعت فرضِ عین ہے مگر بات یہ ہے کہ کیا شرک صرف اور صرف انہی چیزوں کا نام ہے؟ اور کیا صرف انہیں چیزوں پر قابو پا کر ان کو مٹانے اور لوگوں کو ان سے منع کرنے سے انسان صحیح معنوں میں موحد بن کر کامیاب ہو سکے گا؟ حاشا وکلا۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف ان چیزوں کی مخالفت لسانی و یدوی سے شرک کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی صرف اس قبر پرستی و اوہام پرستی کو ختم کرنے والا شخص صحیح معنوں میں موحد بن سکتا ہے کیونکہ انہی قبر پرستوں اور اوہام پرستوں کی شدت وسختی کے ساتھ مخالفت کرنے والے مولوی و اہل علم حضرات جہاں عوام الناس کے ان اوہام پرستیوں کی مخالفت کرتے ہیں ان کے معبد خانوں کو گراتے ہیں اور گرانے کا حکم دیتے ہیں اور لوگوں کو عوام الناس کے ان معتقدات سے شدت وسختی کے ساتھ منع کرتے ہیں جبکہ وہاں پر خود یہی مولوی اور اہل علم حضرات اپنے سروں پر لمبی لمبی چادریں اوڑھ کر بزرگوں کی قبروں پر اعتکاف، مراقبہ، مکاشفہ اور چلہ کشی کے لیے جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور بزعم خویش اپنی ارواح کو اس میت معظم کی روح کے ساتھ ملا کر اس سے فیض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

اور بزعم خود انہی اموات سے دینی و دنیوی مسائل حل کرتے اور کرواتے ہیں۔

اور

اقسمت علیکم یا جبرائیل — بحق اجھز — اقسمت علیکم یا دردائیل

۱۲	۱۹	۱۴
۱۷	۱۵	۱۳
۱۶	۱۱	۱۸

اقسمت علیکم یا میکائیل — بحق لح اجھز — اقسمت علیکم یا رفتمائیل

آئینہ عملیات ص: ۳۲۲ ①

① بعد میں جتنے تعویذات کے نقشہ وغیرہ ہیں ہم ان کے بعد کلمہ ص لکھیں گے تو اسکا معنی یہ ہوگا کہ وہ ''آئینہ عملیات'' کا صفحہ ہے، کیونکہ اس وقت میرے پاس تعویذات کی صرف یہی کتاب تھی۔

۷۸۶

۸	۲	۱۰
۹	۷	۴
۳	۱۱	۶

یا بُدُّوحُ تَبُدُّوحُبُ من البُدُّوح فی البُدُّوح بُدُّوحِکَ یا بُدّوحُ فلان بن فلان علی حب فلان بن فلان

ص: ۳۹

۷۸۶

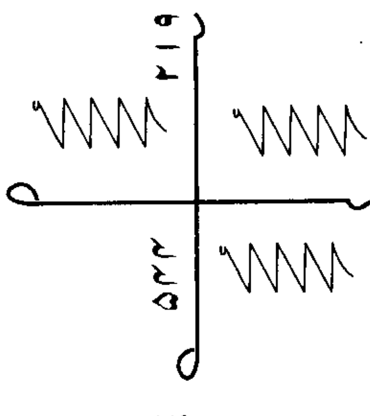
یا میکائیل

۱۶	۱۲۳۸۹۱	۱۸۲۰
۳۶	۱۲۲۳۹۳۰	۱۱۲
۱۱۳	یا باسط احب یا جبرائیل	۴۲۰

یا رفائیل

إیاک نعبد وإیاک نستعین

ص: ۲۸۳



ص: ۲۳۹

فرعون	فرعون	فرعون	نمرود
نمرود	نمرود	ہامان	ہامان
ہامان	شدّاد	شدّاد	شدّاد
علیقا	طلیقا	ملیقا	ابلیس

بحق علیقا ملیقا طلیقا أنت تعلم ما فی قلوبهم

بحق سلیمان بن داؤد علیه السلام هر قسم

آسیب سوخته خاکستر د گردد ودفع شود

ص:۱۰۸

ابلیس	فرعون	ہامان	فرعون	ابلیس
فرعون	ہامان	فرعون	ابلیس	ہامان
ابلیس	فرعون	ہامان	فرعون	ابلیس

ص: ۲۲۱

ناد علیًّا مَظْهَرَ العجائب تجده عوناً لک فی النوائب من کل همّ وغمّ سینجلی بعظمتک یا الله یا الله یا الله، بنبوتک یا محمد یا محمد یا محمد، بولایتک یا علی یا علی یا علی هو الشافی هو الکافی هو المعافی

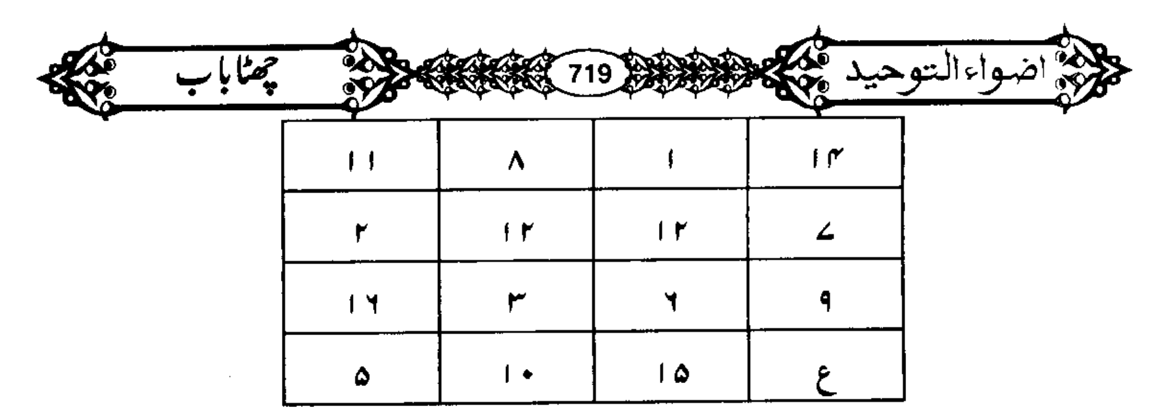
ص: ۲۲۱

جَلْسَا	عَلْسَا	عَمْسَا

ص: ۱۲۵

ا۔	بدّوح	بدّوح	بدّوح
ا۔	بدّوح	بدّوح	بدّوح
ا۔	بدّوح	بدّوح	بدّوح
ا۔	بدّوح	بدّوح	بدّوح

ص: ۳۱۴



۱۱	۸	۱	۱۴
۲	۱۲	۱۲	۷
۱۶	۳	۶	۹
۵	۱۰	۱۵	ع

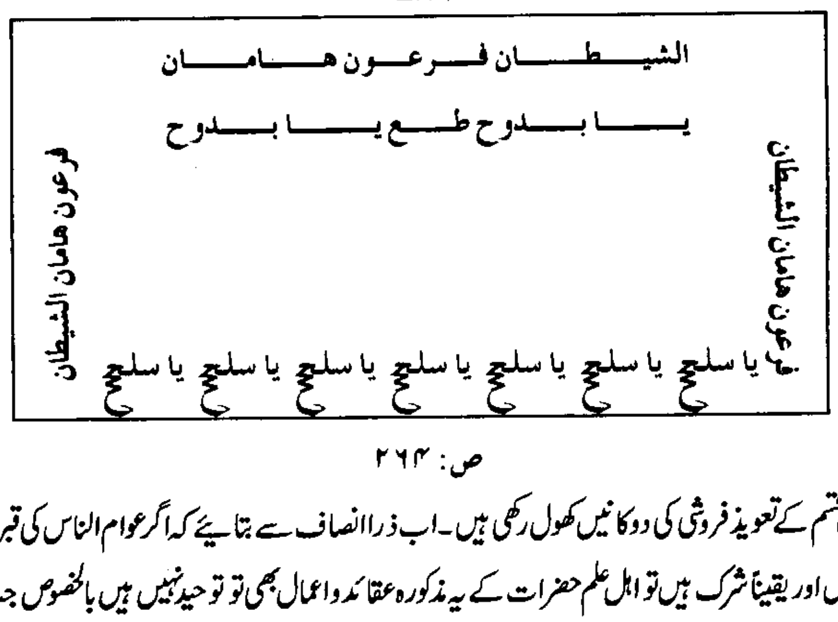
ص: ۱۰۷

۷۸۶

۶	۱	۸
۷	۵	۳
۲	۹	۴

ص: ۱۶۱

۷۸۶



ص: ۲۶۴

وغیرہ قسم کے تعویذ فروشی کی دوکانیں کھول رکھی ہیں۔ اب ذرا انصاف سے بتایئے کہ اگر عوام الناس کی قبر پرستی اور اوہام پرستیاں شرک ہیں اور یقیناً شرک ہیں تو اہل علم حضرات کے یہ مذکورہ عقائد و اعمال بھی تو توحید نہیں ہیں بالخصوص جب کہ دوسرے خرافات کے علاوہ ان تعویذات میں ندالغیر اللہ کی وجہ سے صریح شرک ہے۔ اگر یہ عقائد و اعمال اور افکار و نظریات شریعت و اسلام کی چیزیں ہوتیں تو ان کا ماُ خذ قرآن و حدیث ہوتا۔

اس لیے ان مولویوں اور اہل علم حضرات سے سوال ہے کہ یہ تجرباتی اور کشفی علوم جو کہ آپ حضرات کو ہی ملے ہیں قرآن کریم کے کس جزء (پارے) کون سی سورت اور کس آیت میں موجود ہیں؟ اور خزینۂ احادیث کی کس کتاب میں پائے جاتے ہیں؟ چلو حدیث صحیح یا حسن نہ سہی بلکہ ان علوم کے ثبوت کے لیے کہیں کوئی ضعیف حدیث ہی ملتی ہو تو "فتخرجوہ لنا"

خلاصہ یہ کہ شیطان عوام الناس کے ان عقائد واعمال کو ان اہل علم حضرات کے سامنے شرک ظاہر کر کے ان سے کہتا ہے کہ دیکھو یہ عوام الناس ان مختلف عقائد ونظریات کے بل بوتے پر شرک میں اس طرح مبتلا ہو گئے ہیں کہ کوئی تو اپنے مصائب ومشکلات کو اموات کے سامنے پیش کر کے ان سے مصائب ومشکلات کے حل کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے اور کوئی حل کروانے کا۔ اور یہ صریح شرک ہے۔ کیونکہ ان اموات میں نہ مصائب ومشکلات حل کرنے کی طاقت ہے اور نہ ہی حل کروانے کی۔

اس لیے تم اپنے مصائب ومشکلات کو ان اولیاء وصالحین کے سامنے پیش کرنے اور ان سے ان کے حل کرنے یا کروانے کی بجائے (جو کہ صریح شرک ہے) ان اولیاء وصالحین کی قبروں پر اعتکاف کر کے بیٹھ جاؤ اور اپنی روحوں کو ان اموات کی ارواح معظمہ کے ساتھ ملا کر ان سے فیض وبرکات حاصل کرو۔

بس اس شیطانی الہام پر لبیک کہتے ہوئے یہ حضرات بزرگوں کی قبروں، بیٹھکوں، عبادت گاہوں اور نشست وبرخاست کی جگہوں پر اعتکاف کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور بزعم خویش بزرگوں کی قبروں سے فیض وبرکات حاصل کرنے کے لیے اپنی روحوں کو ان اموات معظمہ عنداللہ کی ارواح سے ملا کر مراقبہ ومکاشفہ کر کے چلہ کشیاں شروع کر دیتے ہیں اور ان بزرگوں کی قبروں، درگاہوں، بیٹھکوں، عبادت گاہوں اور نشست وبرخاست کی جگہوں پر جہاں لوگوں کا عرس ومیلہ لگتا ہے وہاں بیٹھنے اور عبادت کرنے کی بڑی فضیلت سمجھتے ہیں حالانکہ جس جگہ پر لوگوں کا عرس ومیلہ لگتا ہو وہاں بیٹھ کر تو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بھی شرعاً ممنوع ہے۔ جیسا کہ سنن ابوداؤد میں حدیث ہے کہ

عن یحیی بن ابی کثیر قال حدثنی أبوقلابة قال حدثنی ثابت بن الضحاک قال: نذر رجل علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم أن ینحر إبلاً "ببوانة" فأتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: إنی نذرت أن أنحر إبلاً ببوانة، فقال النبی صلی الله علیه وسلم: "هل کان فیها وثن من أوثان الجاهلیة یُعبد"؟ قالوا: لا! قال: "هل کان فیها عید من

ترجمہ: یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے ابوقلابہ نے حدیث سنائی وہ فرماتے ہیں مجھے ثابت بن ضحاک نے حدیث سنائی فرمایا کہ ایک شخص نے "بوانہ" نامی جگہ پر (اللہ تعالیٰ کیلئے) اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی، پھر جب اس نے اپنی نذر پوری کرنے کا ارادہ کیا تو اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے بڑی شدّ ومدّ اور تاکید کے ساتھ لوگوں سے اس جگہ کے بارے میں استبصار وجستجو



أعيادهم"؟ قالوا: لا! قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أوف بنذرك فانه لاوفاء لنذر في معصية الله ولا فيما لايملك ابن آدم. ① (صحيح)

کی کہ جاہلیت کے زمانے میں اس جگہ کوئی بت تھا جس کی لوگ عبادت کرتے تھے؟ تو لوگوں نے کہا نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا کسی زمانے میں یہاں پر لوگ میلہ لگاتے تھے؟ تو لوگوں نے کہا کہ نہیں، تو پھر آپ نے اس کو نذر پوری کرنے کی اجازت دی اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی نذر پوری نہیں کی جائے گی اور جس شئی کا آدم کا بیٹا مالک نہیں اس میں بھی کوئی نذر نہیں ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کے اس مکمل اور تاکید والے استبصار (تحقیق) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر کہیں، کسی جگہ پر لوگوں کا عرس ومیلہ لگتا ہے تو وہاں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بھی شرع میں ممنوع ہے۔ اور سلف صالحین کا عمل بھی اسی پر رہا ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا عمل اس طرح نقل کیا ہے۔

ودخل سفيان الثوري بيت المقدس وصلى فيه ولم يتتبّع تلك الآثار ولا الصلاة فيها. ②

اور سفیان ثوری داخل ہوئے سرزمین فلسطین شہر خلیل میں تو وہاں کی مسجد میں نماز پڑھ لی مگر اس چار دیواری میں داخل ہو کر نماز نہیں پڑھی (جہاں سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام کی قبر ہے۔)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر جو بناء بنائی گئی تھی کہتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری تک تو بالکل بند پڑی ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد جب وہ نقب کر کے کھول دی گئی تو علماء ومشائخ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اتباع کرتے ہوئے اس ساری مجموعی بناء کے اندر نماز نہیں پڑھتے تھے چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكانت البنية التي على قبر إبراهيم عليه السلام مسدودة لايدخلها إليها إلى حدود المائة الرابعة. فقيل: إن بعض النسوة المتصلات بالخلفاء رأت في ذلك مناماً فنقبت لذلك. وقيل: إن النصارىٰ لما استولوا على هذه النواحي نقبوا ذلك، ثم ترك ذلك مسجدًا بعد الفتوح المتأخرة. وكان

ترجمہ: ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر جو عمارت تھی وہ بند پڑی تھی اس میں کوئی بھی چوتھی صدی ہجری تک داخل نہیں ہوتا تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ بعض خلفاء (بادشاہوں) کی عورتوں نے اس عمارت کے بارے میں خواب دیکھا تو اس لیے یہ عمارت کھول دی گئی۔ بعض نے کہا ہے کہ نصاریٰ (عیسائی) جب ان علاقوں پر غالب آئے تو انہوں نے اسے کھودا۔ پھر بعد کی

① رواه أبوداؤد، كتاب الأيمان والنذور، باب ما يؤمر به من الوفاء بالنذر. /صححه الألباني في صحيح الجامع الصغير، الرقم: ٢٥٥١
② اقتضاء الصراط المستقيم ص ٣٨٦

أهل الفضل من شيوخنا لايصلّون في مجموع تلك البنية وينهون أصحابهم عن الصلاة فيها إتباعاً لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم واتقاءً لمعصيته كما تقدم. ①

فتوحات کے بعد اس کو مسجد بنا دیا گیا، ہمارے شیوخ میں سے مرتبہ وفضیلت والے اس ساری بناء (عمارت) میں نماز نہیں پڑھتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی اس میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی اتباع اسی میں ہے اور اللہ کے رسول کی نافرمانی سے اسی طرح بچا جاسکتا ہے۔

د۔ اور پھر اہل علم حضرات میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو علم وفہم میں اس پہلے طبقے کے اہل علم حضرات سے کچھ زیادہ ہیں مگر ان کو بھی ان کی طرح قرآن وحدیث کے مطابق نہ سلف صالحین کے عقیدے کا علم ہے اور نہ ہی دور جاہلیت کے لوگوں کے عقائد واعمال کا پتہ ہے۔ تو ان دونوں چیزوں کے فقدان کی وجہ سے شیطان کے شکار سے یہ حضرات بھی نہ بچ سکے۔

مطلب یہ ہے کہ شیطان پہلے طبقے کے اہل علم حضرات کے عقائد واعمال کو اس دوسرے طبقے کے اہل علم حضرات کے سامنے شرک وبدعات ظاہر کرکے کہتا ہے کہ ان لوگوں کی حماقت کو تو دیکھو جو اموات سے نفع ونقصان کی توقع رکھتے ہیں۔ کیا مُردوں کی قبور پر اعتکاف کرنا، مراقبہ وچلہ کشیاں کرنا، ان کی خیالی صورتوں کو پکار کر ذہن میں تصور کرکے لانا، بزعم خویش اپنی روحوں کو ان اموات کی ارواح سے ملا کر ان سے فیض وبرکات کی توقع رکھنا اور انہی اصطلاحات کے بل بوتے پر اموات سے دینی ودنیوی مسائل حل کروانے کی امید وابستہ کرنا یہ کوئی اسلام ہے؟

کیا رسول اللہ ﷺ انہی چیزوں کے لیے معلم بن کر آئے تھے؟ کیا اولیاء وصالحین سے محبت ودوستی کا یہی مطلب ہے کہ تم ان سے ایسا اعتقاد رکھو جو کہ نہ قرآن وحدیث میں ہو اور نہ ہی سلف صالحین ایسے افکار ونظریات سے واقف ہوں؟ یہ تو صریح ضلالت وگمراہی ہے۔ باقی رہا اولیاء وبزرگانِ دین سے تعلق، رابطہ اور محبت ودوستی کا مسئلہ تو بے شک ان برگزیدہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی عزت ووقار اور جاہ ومنزلت ہے اور ان کی یہ حاصل شدہ عزت وشان اور جاہ ومنزلت کی وجہ سے جو کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے ان سے فیض وبرکات اور مطالب وحاجات حاصل ضرور ہوتے مگر ان کا طریقہ کار یہ نہیں ہے جو ان حضرات نے اپنا لیا ہے بلکہ ان بزرگان دین سے فیض وبرکات حاصل کرنے اور مطالب وحاجات پورا کروانے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ تم جو اور جب بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو گے۔ خاص طور پر مطالب عالیہ کو تو اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں کے واسطہ ووسیلہ سے مانگو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور ان تک رسائی تم کو انہیں اولیاء وبزرگان دین کے واسطہ سے ہی ملے گی۔

① اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۳۱، ۳۳۴

تو یہ اہل علم حضرات شیطان کے اس دجل وفریب والے جال میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس تک رسائی کے لیے بزرگوں کے واسطہ ووسیلہ کو ایک بہترین ذریعہ سمجھتے ہوئے اس شیطانی الہام پر لبیک کہہ کر ایمان لاتے ہیں اور اس نظریہ کو وصول الی اللہ اور عین توحید سمجھتے ہیں۔ بس شیطان اس طبقے کے لوگوں کو بزرگوں کے واسطہ ووسیلہ کے عنوان سے شکار کرتا ہے اور یہ بات اچھی طرح سے یاد رکھیں کہ یہ واسطہ ووسیلہ کا مسئلہ صرف اہل علم حضرات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عوام الناس بھی اس میں شامل ہیں۔ بلکہ عوام الناس اس میں زیادہ پھنس چکے ہیں۔ کیونکہ جب خواص اس میں پھنس کر رہ گئے ہیں تو عوام بہ درجہ اولیٰ۔ ہاں البتہ ہر ایک کے وسیلہ لینے کی نوعیت الگ ہے اور چونکہ یہ واسطہ ووسیلہ کا مسئلہ ایک اہم اور نہایت ہی گہرا مسئلہ بن چکا ہے اور اس میں عوام وخاص دونوں مبتلا ہیں اس لیے اس مسئلہ کا وضاحتی بیان اشد ضروری ہے مگر چونکہ یہ مقام تفصیل کا نہیں ہے اس لیے ہم نہایت اختصار کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔



ساتواں باب

واسطہ ووسیلہ کے بیان میں

وسیلہ وہ مسئلہ ہے جس میں عوام الناس کے علاوہ خواص بھی پھنسے ہوئے ہیں، تفصیل تو بعد میں آئے گی یہاں پر بطور تمہید کے یہ بات ذہن نشین کرلو کہ وسیلہ کی ساری اقسام شرک نہیں بلکہ ان میں سے کچھ شرک وکفر ہیں اور کچھ بدعات محرّمہ ورسوم ہیں اور کچھ جائز ومشروع ہیں جن کی تفصیل ان شاء اللہ بعد میں آئے گی۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم وسیلہ کی تفصیل میں جائیں سب سے پہلے وسیلہ کا لغوی معنیٰ ملاحظہ فرمائیں۔

الوسیلة لغة:

لغت کے اعتبار سے وسیلہ کا معنیٰ قرب ونزدیکی ہے، اب اس بارے میں علماء لغت کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

"الوسیلة: هی القربة. عن ابی وائل والحسن ومجاهد وقتادة وعطاء والسدی وابن زید وعبدبن کثیر وهی فعیلة، من توسلت إلیه أی تقربت. ①

وسیلہ قرب کے معنی میں ہے جو کہ ابووائل، الحسن، مجاہد، قتادہ، عطاء، السدی، ابن زید اور عبد بن کثیر سے منقول ہے۔ یہ فعیلة کے وزن پر ہے توسلت (بمعنی میں نے قرب حاصل کیا) سے مشتق ہے۔

علامہ جاراللہ زمخشری رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ وسیلہ کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الوسیلة" کل مایتوسل به أی یتقرب من قربة أو صنیعة أو غیر ذلک فاستعیرت لما یتوسل به إلی الله تعالیٰ من فعل الطاعات وترک المعاصی. ②

وسیلہ ہر اس شی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے قرب حاصل ہو قربانی یا کوئی عمل وغیرہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے اچھے کام کرنے اور گناہ کے کام چھوڑنے سے مستعار ہے۔

اور شعراء جاہلیت کے کلام میں بھی وسیلہ قرب وتقرب کے معنیٰ میں آیا ہے، جیسا کہ عنترہ کا قول ہے

إن الرجال لهم إلیک وسیلة ... إن یأخذوکِ تکحّلی وتخضّبی ③

ترجمہ: یقیناً لوگوں کو تیری طرف قرب ہے اگر وہ تجھے پکڑیں تو تو سرمہ لگا اور مہندی لگا۔

اور وسیلہ کے لغوی معنیٰ پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر عزت علی عطیہ لکھتے ہیں:

---

① تفسیر القرطبی ج٦ ص ١٥٩

② تفسیر الکشاف ج١ ص ٦٢٨ / واللفظ له، روح المعانی ج٤ ص ١٢٤

③ أوضح الإشارة فی الرد علی من أجاز الممنوع من الزیارة ص ٢٧٥.



والتوسل لغةً: من وَسَل يسل من باب وعد، أي رغب وتقرب ومنه اشتقاق الوسيلة، وهي: مايتقرب به إلى الشيء والجمع الوسائل وتوسل إلى الله بوسيلة تقرب إليه بعملٍ .①

التوسل لغت میں وَسَل یسل سے ہے وَعَد کے وزن پر بمعنی رغبت کرنا اور قرب حاصل کرنا اور وسیلہ کا اشتقاق بھی یہی ہے، وہ ہے کسی ایک چیز کا کسی دوسری چیز کے قریب ہونا، وسیلہ کی جمع وسائل آتی ہے، اللہ کی طرف وسیلہ پکڑنے کا معنیٰ ہوگا کسی عمل کے ذریعہ اس کے قریب ہونا یا اسکا قرب چاہنا۔

وسیلۃ کی اقسام

وسیلہ دو قسم پر ہے:

الف۔ ایک وسیلہ مشروع

ب۔ دوسرا وسیلہ غیر مشروع

جیسے وسیلہ بالأ موات اور وسیلہ بذوات الأ شخاص وغیرہ جس کی تفصیل اِن شاء اللہ بعد میں آئے گی۔

وسیلہ مشروع کی اقسام

وسیلہ مشروع: وہ ہے کہ جس کا حکم قرآن حکیم نے دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے حکایت کر کے واضح الفاظ میں امت کے لئے اس کو بیان فرمایا ہے اور صحابہ کرام ﷢ نے اس پر عمل کیا اس وسیلہ کی کئی اقسام ہیں۔

۱۔ ایمان کے ساتھ وسیلہ پکڑنا:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کے توسل کو اپنے ساتھ ایمان لانے کے ساتھ حکایت کر کے ارشاد فرمایا ہے:

رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ②

ترجمہ: مالک ہمارے ہم نے ایک پکارنے والے کی پکار سنی (یعنی سیدنا محمد یا قرآن کی) جو ایمان کی منادی کرتا ہے (کہتا ہے) ایمان لاؤ اپنے پروردگار پر تو ہم ایمان لائے مالک ہمارے اب ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری برائیاں مٹا دے اور نیک لوگوں کے ساتھ ہم کو موت دے۔

---

① البدعة ص ٣٧٣/واللفظ له/ المصباح المنير ج٢ ص ٨٢٤/ حرف الواو.

① سورة آل عمران: ١٩٣



۲- اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ وسیلہ پکڑنا:

جیسا کہ سیدنا یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کو پکارا ہے:

فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ①

ترجمہ: (وہ یعنی یونس علیہ السلام اپنے قصور کے قائل ہوئے) اور اندھیروں میں پکار اٹھے۔ اے میرے اللہ تیرے سوا کوئی سچا الٰہ نہیں بیشک میں قصوروار تھا۔ ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو غم سے نجات دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیتے ہیں۔ (ان کا رنج و غم دور کر دیتے ہیں)۔

۳- اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ وسیلہ پکڑنا

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا ②

اور اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں اس کو انہی ناموں کے توسل سے پکارو۔

اور حدیث میں اس طرح آیا ہے۔

عن ابن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ماقال عبد قط إذا أصابه هم أوحزن: اللهم إني عبدك وابن عبدك وابن أمتك ناصيتي بيدك ماضٍ فيّ حكمك عدلٌ فيّ قضاؤك أسالك بكل اسمٍ هولك سميت به نفسك أو انزلته في كتابك أوعلمته أحدًا من خلقك أو

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جب بھی کسی بندے کو پریشانی یا غم پہنچے تو وہ یہ کلمات کہے: اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری باندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے میرے بارے میں تیرا حکم جاری ہوتا ہے، میرے بارے میں تیرا فیصلہ درست ہے (عدل پر مبنی ہے)

---

① سورة الانبياء: ۸۷-۸۸
② سورة الأعراف: ۱۸۰



استأثرت به في علم الغيب عندك أن تجعل القرآن ربيع قلبي ونور بصري وجلاء حزني وذهاب همي إلا أذهب الله همه وأبدله مكان حزنه فرجاً. قالوا يا رسول الله: ينبغي لنا أن نتعلم هذه الكلمات: قال أجل: ينبغي لمن سمعهن أن يتعلمهن. ① (صحيح)

میں تیرے ہر اس نام سے مانگتا ہوں جو تو نے خود اپنا نام رکھا ہے یا تو نے اس کو اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے یا تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھلایا ہے یا تو نے (اپنے نام کو) اپنے پاس غیب میں رکھ چھوڑا ہے کہ قرآن کو میرے دل کی بہار بنا دے اور میری آنکھوں کا نور اور پریشانی کو دور کرنے والا اور غم کو لے جانے والا بنا دے، تو اللہ تعالیٰ اس کے غم کو دور کر دیتے (لے جاتے) ہیں اور پریشانی کی جگہ فراخی عطا فرماتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ کلمات سیکھ لینے چاہئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! جو ان کو سنے گا ان کو یہ کلمات سیکھ لینے چاہئیں۔

٤- اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عُلیٰ کے ساتھ وسیلہ پکڑنا:

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

عن علي بن ابي طالب ...... اللهم إني أعوذ برضاك من سخطك ومعافاتك من عقوبتك ...... ② (صحيح مسلم)

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیرے غصہ سے پناہ چاہتا ہوں اور تیری معافی کے ساتھ تیری سزا سے پناہ چاہتا ہوں......۔

٥- أعمال صالحه کے ساتھ وسیلہ پکڑنا:

جیسا کہ وہ تین آدمی (جو اصحاب غار کے نام سے مشہور ہیں) جو بارش کے بچاؤ سے غار میں چھپ گئے اور پھر پہاڑ کے

① رواه أبويعلى مسند، عبدالله ابن مسعود، الرقم: ٥٢٧٦/المستدرك، كتاب الدعاء باب دعاء دفع الكرب المامور بتعلمه"، صحيح ابن حبان، كتاب الرقائق، باب الأدعية، ذكر الأمر لمن أصابه حزن أن يسأل الله ذهابه عنه وإبداله إياه فرجاً. واللفظ له./صحيحه الألباني. الرقم: ٩٦٨./مسنداحمد، رقم الحديث: ٣٧١٢ إسناده صحيح.

② رواه مسلم، كتاب الصلوة، باب مايقال في الركوع والسجود / رواه النسائي، كتاب الصلوة باب نصب القدمين في السجود، الرقم: ١٠٩٩/المستدرك على الصحيحين، كتاب الدعاء/وقال الذهبي في التلخيص: صحيح./صحيح الجامع الصغير وزيادته ج ١ ص ٢٧٥/وقال الألباني: صحيح. رقم الحديث: ١٢٨٠/أحمد، الرقم: ١٢٩٤ إسناده صحيح/مسند علي بن ابي طالب.



اوپر سے ایک چٹان کے ٹکڑے نے آ کر غار کا منہ بند کر دیا تو ان تینوں آدمیوں کو یقین ہوگیا کہ اب انہوں نے مرنا ہے تو اس پریشان کن حالات میں انہوں نے آپس میں کہا کہ اب ہماری نجات کا کوئی راستہ نہیں سوائے ان اعمال کے جن کو ہم نے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کیا تھا۔

اس لئے آؤ! اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال صالحہ کا واسطہ دے کر پکارتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

عن عبدالله بن عمرعن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: بينما ثلاثة نفريتمشون، أخذهم المطرفأوَوا إلى غارٍ في جبل فا نحطت على فم غارهم صخرة من الجبل فانطبقت عليهم. فقال بعضهم لبعض انظروا أعمالاً عملتموها صالحة لله فادعوا الله تعالىٰ بها لعل الله يفرجهاعنكم. فقال أحدهم: اللّهمّ إنه كان لي والدان شيخان كبيران وامرأتي ولي صبية صغارٌ أرعى عليهم فإذا أرحتُ عليهم حلبت فبدأت بوالديّ فسقيتهما قبل بنيّ واني نَاى بي ذات يوم الشجر فلم آت حتي أمسيت فوجدتهما قد ناما فحلبت كما كنت أحلب فجئت بالحلاب فقمت عند رؤسهما أكره أن أوقظهما من نومهما وأكره أن أسقي الصبية قبلهما والصبية يتضاغون عند قدميّ فلم يزل ذلك دأبي ودأبهم حتى طلع الفجر، فان كنت تعلم أني فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج لنا منها فُرجةً نرى منها السماء ففرج الله منها فُرجةً فرأوا منها السماء.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تین آدمی چل رہے (سفر کر رہے) تھے کہ ان کو بارش نے گھیر لیا تو وہ پہاڑ کی ایک غار میں چھپ گئے تو اچانک ایک چٹان غار کے منہ میں آ کر رک گئی اور غار کا منہ بند ہوگیا۔ تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اب اپنے صالح اعمال پیش کرو اور انہی کے ساتھ اللہ سے دعا کرو شاید کہ اللہ تعالیٰ اس غار کا منہ کھول دے۔ ایک نے کہا: اے اللہ میرے بوڑھے والدین تھے اور میری بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے، میں بکریاں چرایا کرتا تھا جب شام کو آتا تو دودھ نکال کر پہلے والدین کو پلاتا پھر بچوں کو تو ایک روز بکریاں چرتے چرتے دور نکل گئیں تو واپس آتے ہوئے رات ہوگئی تو ماں باپ کو دیکھا تو وہ سو رہے تھے پھر میں پہلے کی طرح دودھ نکال کر والدین کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا نہ تو ان کو جگانے کو دل کرتا تھا اور نہ ہی بچوں کو ان سے پہلے دودھ پلانے کو دل کرتا تھا اور بچے میرے قدموں میں پڑے بھوک سے رو رہے تھے، میں صبح طلوع ہونے تک والدین کا انتظار کرتا رہا اور بچے بھوک سے روتے رہے۔ اگر آپ کو معلوم ہے کہ یہ کام میں نے (اے اللہ) تیری رضا کے لئے کیا ہے تو اس



وقال الآخر: اللهم إنه كانت لی ابنة عمّ أحببتها كأشدما یحب الرجال النساء وطلبت إلیها نفسها فأبت حتی آتیها بمائة دینار فتعبت حتی جمعت مائة دینار فجئتها بها. فلما وقعت بین رجلیها قالت یا عبدالله: اتق الله ولا تفتح الخاتم إلا بحقه فقمت عنها، فإن كنت تعلم أنی فعلت ذلک ابتغاء وجهک فافرجْ لنا منها فُرجةً فَفَرَجَ لهم.

وقال الآخر: اللّهمّ إنی كنت استأجرت أجیراً بِفَرَقِ أرزٍ، فلما قضی عمله قال: أعطنی حقی فعرضت علیه فَرَقَه فرغب عنه فلم أزل أزرعه حتی جمعت منه بقراً ورُعاء ها فجاء نی فقال: اتق الله ولا تظلمنی حقی، قلت اذهب إلی تلک البقرو رعاء ها فخذها، فقال: اتق الله ولا تستهزئ بی فقلت: إنی لا أستهزئ بک خذ ذلک البقر و رعاء ها فأخذه فذهب به. فإ كنت تعلم أنی فعلت ذلک ابتغاء وجهک فافرج لنا مابقی، ففرج الله مابقی. ① (صحیح بخاری ومسلم)

چٹان کو ہم سے دور کر حتیٰ کہ ہم آسمان دیکھ سکیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے چٹان کو اتنا کھولا کہ ان کو آسمان نظر آنے لگا۔

دوسرے نے کہا: اے اللہ میری ایک چچا کی بیٹی تھی میں اس سے محبت کرتا تھا میں نے اس سے برائی کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے انکار کر دیا اور کہا پہلے ایک سو دینار دو پس میں نے انتہائی محنت کر کے سو دینار جمع کئے پھر میں اس کے پاس لایا جب میں نے برائی کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور مہر کو اس کے حق کے بغیر نہ کھول تو میں اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔ (اے اللہ) آپ کو معلوم ہے اگر میں نے یہ کام آپ کی رضا کے لئے کیا ہے تو اس چٹان کو ہم سے دور فرما تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اس چٹان کو دور فرما دیا۔

تیسرے نے کہا: اے اللہ میں نے ایک مزدور ایک ٹوکرا چاول مزدوری پر رکھا جب کام مکمل کیا تو اس نے کہا کہ میرا حق دو تو میں نے اس کی مزدوری ایک ٹوکرا چاول پیش کیا تو وہ چھوڑ کر چلا گیا، تو میں اس کو بڑھاتا رہا یہاں تک کہ گائیں کی ایک تعداد جمع ہوگئی اور ساتھ اس کی نگرانی کرنے والے بھی۔ ایک دن میرے پاس آیا اور کہا: کہ اللہ سے ڈر اور میرا حق نہ دبا، میں نے کہا کہ یہ سب گائیں اور ان کے چرواہے لے جا تو وہ کہنے لگا اللہ سے ڈر اور میرے ساتھ مذاق نہ کر تو میں نے کہا میں آپ کے ساتھ مذاق نہیں کر رہا یہ گائیں اور

---

① رواہ البخاری، كتاب الاجارة باب من استأجر أجیرًا فترک أجره فعمل فیه المستأجر فزاد أومن عمل فی مال غیره فاستفضل/ مسلم، كتاب الرقاق طبق ماقال النووی، أو كتاب الذكر والدعاء باب قصة أصحاب الغار الثلاثة والتوسل بصالح الأعمال واللفظ له.



چھوا ہے لے لے تو اس نے لے لئے۔(اے اللہ) اگر آپ
جانتے ہیں کہ یہ کام میں نے تیری رضا کیلئے کیا ہے تو جتنا باقی
ہے اس کو بھی دور فرما تو اللہ تعالیٰ نے باقی پتھر بھی دور فرما دیا۔

٦- رسول اللہ ﷺ پر ایمان اور آپ کی اطاعت کے ذریعہ وسیلہ چاھنا:

اور یہ وسیلہ چونکہ ایمان واسلام کی اصل بنیاد ہے اس لئے یہ وسیلہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتی اور آپ کی وفات کے بعد بھی فرض وضروری ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

اور اسی طرح آپ ﷺ کی دعاء وشفاعت کا توسل بھی برحق ہے جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

اب ہم اس بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی وضاحت آپ کے سامنے رکھتے ہیں، وہ اس کی پوری تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

ولفظ "التوسل" قد يُرادُ به ثلاثة أمور: يرادبه أمران متفق عليهما بين المسلمين

أحدهما: هو اصل الإيمان والإسلام، وهو التوسل بالإيمان به وبطاعته.

والثاني: دعاؤه وشفاعته وهذا أيضاً نافع توسل به من دعاله وشفع فيه باتفاق المسلمين. ومن أنكر التوسل به بأحد هذين المعنيين فهو كافر مرتد يستتاب فإن تاب وإلا قتل مرتدا، ولكن التوسل بالإيمان به وبطاعته هو أصل الدين وهو معلوم بالاضطرار من دين الإسلام للخاصة والعامة فمن أنكر هذا المعنى فكفره ظاهر للخاصة والعامة،

ترجمہ: لفظ "توسل" کبھی تین معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جن میں سے دو پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ پہلا معنیٰ تو ایمان واسلام کی اصل و بنیاد ہے اور وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان اور آپ کی اطاعت کے ذریعہ وسیلہ چاہنا ہے۔

دوسرا معنیٰ آپ کی دعاء وشفاعت ہے۔ اور یہ بھی مفید ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے دعا و شفاعت کی وہ بالاتفاق اس سے وسیلہ حاصل کریں گے۔ توسل کی ان دونوں قسموں کا جو انکار کرے وہ کافر اور مرتد ہے اس سے توبہ کروائی جائے گی اگر توبہ کرے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ ایمان واطاعت کے ذریعہ توسل دین کی اصل و بنیاد ہے اور یہ بات کسی مسلمان سے بھی خواہ عالم ہو یا جاہل



وأما دعاؤه وشفاعته وانتفاع المسلمين بذلك فمن أنكره فهو أيضا كافر لكن هذا أخفى من الأول فمن أنكره عن جهل عُرِّف ذلك فإن أصر على إنكاره فهو مرتد .①

پوشیدہ نہیں ہے۔لہذا جو شخص اس سے انکار کرے وہ صریح طور پر کافر ہے۔رہی آپ ﷺ کی دعا و شفاعت اور اس کا مسلمانوں کے لئے مفید و نافع ہونا تو اس کا بھی انکار کفر ہے لیکن یہ بات پہلی بات سے زیادہ باریک ہے اس لئے اس کا منکر اگر کم فہمی کا شکار ہے تو اسے سمجھانا چاہئے، اگر وہ سمجھانے کے بعد بھی اصرار کرتا ہے تو اسے مرتد جاننا چاہیے۔

۷۔ زندہ انبیاء واولیاء کی دعاؤں کا وسیلہ پکڑنا:

اور اس میں فاضل ومفضول ہونے کی شرط نہیں بلکہ کبھی کبھی فاضل مفضول کی دعاء کا وسیلہ پکڑتا ہے۔

اس وسیلہ کی بے شمار مثالیں ہیں ہم بطور اختصار چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں:

الف: تاریخ اسلام میں ایک معروف ومشہور واقعہ ہے جس کو کتب صحاح وحسان نے روایت کیا ہے۔وہ یہ کہ عہد نبوت میں ایک مرتبہ قحط پڑا، بارش رک گئی تو ایک دن رسول اللہ (ﷺ) مسجد نبوی کے منبر پر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، تو خطبہ کے دوران ایک اعرابی (دیہاتی) شخص مسجد میں داخل ہو کر کہنے لگا، یا رسول اللہ (ﷺ) بارش رک جانے کی وجہ سے لوگ سخت پریشان ہیں، جانور بھوک و پیاس سے تڑپ رہے ہیں، اس لئے آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے ہاں دعاء کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر رحم کریں تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آمین کے لئے آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھالئے۔سب کے ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے اور ابھی تک نیچے کو آئے ہی نہیں تھے، کہ بارش شروع ہوگئی اور شروع ہونے کے بعد پورے ایک ہفتہ تک بارش اسی طرح برستی رہی کہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں رکی، دوسرے جمعہ میں رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ پھر وہی شخص، اور بعض روایات میں دوسرا کوئی شخص آ کر کہنے لگا، یا رسول اللہ! وادیاں بہنے سے بند نہیں ہو رہیں، مکانات گر رہے ہیں، خیمے اکھڑ رہے ہیں، آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء کیجئے کہ بارش رک جائے، تو آپ ﷺ نے بارش کے رک جانے کے لئے ہاتھ اٹھالئے، ہاتھ اٹھاتے ہی بارش مدینہ منورہ سے رک گئی۔(حدیث کا متن اس طرح ہے)

حدثنا اسحق بن عبدالله بن أبي طلحه الأنصاري قال حدثني أنس بن مالك قال: أصابت الناس

امام اوزاعی فرماتے ہیں: کہ ہمیں اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ الانصاری نے حدیث سنائی وہ کہتے ہیں: مجھے انس بن مالک

① التوسل والوسيلة ص ١٤

سَنَةٌ على عهد رسول الله ﷺ فبينا رسول الله ﷺ يخطب على المنبر يوم الجمعة قام أعرابيّ فقال يا رسول الله! هلك المال وجاع العيال فادع الله لنا أن يسقينا قال فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه وما في السماء قزعة، قال: فثار سحاب أمثال الجبال ثم لم ينزل عن منبره حتى رأيت المطريتحادر على لحيته، قال فمطرنا يومنا ذلك وفي الغد ومن بعد الغد والذي يليه إلى الجمعة الأخرى، فقام ذلك الأعرابي أورجل غيره فقال: يا رسول الله تَهَدَّمَ البناءُ وغرق المال فادع الله لنا فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه وقال اللهم حوالينا ولا علينا قال فما جعل يشير بيده إلى ناحية من السماء إلآتفرجت حتى صارت المدينة في مثل الجوبة، حتى سال الوادي وادي قناة شهراً قال فلم يجيء أحد من ناحيةٍ الا حدّث بالجود.① (صحیح بخاری ومسلم)

رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی وہ کہتے ہیں: لوگوں کو قحط سالی پہنچی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک دن آپ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمارہے تھے ایک دیہاتی آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول! مال مویشی ہلاک ہورہے ہیں اور اہل وعیال بھوکے ہیں آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائیں (انس کہتے ہیں) اللہ کے رسول ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھالیے تو اس وقت آسمان پر کوئی بادل نہیں تھا پس اچانک ایک بادل اٹھا پہاڑ جیسا پھر آپ ابھی تک منبر سے اترے بھی نہ تھے کہ بارش برسنا شروع ہوگئی اور آپ کی داڑھی مبارک تر ہوگئی اور پانی اس سے گرر ہا تھا۔ (راوی کہتے ہیں) اس پورے دن میں بارش ہوتی رہی اگلے دن بھی اور اس سے اگلے دن بھی دوسرے جمعہ تک، پھر وہی اعرابی یا کوئی دوسرا آدمی کھڑا ہوکر کہتا ہے کہ اے اللہ کے رسول عمارتیں گر رہی ہیں اور مال (مویشی) غرق ہورہے ہیں اللہ سے دعا کیجئے تو آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اے اللہ ہمارے اردگرد (بارش برسا) ہمارے اوپر نہیں آپ ہاتھ سے آسمان کی جس طرف بھی ہاتھ اٹھاتے تو آسمان کھل جاتا یہاں تک کہ مدینہ شہر تاج کی مانند ہوگیا۔ اور وادی بہہ پڑی اور وادی قناۃ ایک ماہ تک بہتی رہی (راوی کہتے ہیں) جو بھی مدینہ آتا وہ کثرت بارش کی بات کرتا۔

ب: اسی طرح غزوۂ تبوک میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کی ہے۔ جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران سخت گرمی تھی پانی نہیں تھا تو لوگ سخت پریشان تھے یہاں تک کہتے ہیں کہ لوگ اونٹ

① رواه البخاري، كتاب الاستسقاء باب من تمطّر في المطر حتى يتحادر على لحيته / واللفظ له / مسلم، كتاب صلاة الإستسقاء، باب الدعاء في الإستسقاء.



ذبح کر کے اس کی اوجھڑی نچوڑ کر اس کا پانی پینے لگے تو اس حالت کو دیکھ کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول آپ اپنے رب سے بارش کی دعا مانگیں تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے، آپ ﷺ کے ہاتھ اٹھاتے ہی بارش شروع ہو گئی۔

چنانچہ روایات میں اس طرح آیا ہے:

حدثني يونس قال أخبرنا ابن وهب قال أخبرني عمرو بن الحارث عن سعيد ابن أبي هلال عن عتبة بن ابي عتبة عن نافع بن جبير بن مطعم عن عبدالله بن عباس أنه قيل لعمر بن الخطاب رضي الله عنه في شأن العسرة فقال عمر: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى تبوك في قيظٍ شديدٍ فنزلنا منزلاً أصابنا فيه عطش حتى ظننا أن رقابنا ستنقطع حتى إن كان الرجل ليذهب يلتمس الماء فلايرجع حتى يظن أن رقبته ستنقطع حتى أن الرجل لينحر بعيره فيعصر فرثه فيشربه ويجعل مابقي على كبده فقال ابوبكر يا رسول الله إن الله قد عودك في الدعاء خيرًا فادع لنا، قال: تحب ذلك؟ قال: نعم! فرفع يديه فلم يرجعهما حتى مالت السماء فأظلت ثم سكبت فملؤا مامعهم ثم رجعنا ننظر فلم نجدها جاوزت العسكر. ①

ترجمہ: مجھے یونس نے حدیث سنائی وہ کہتے ہیں ہمیں ابن وہب نے خبر دی وہ کہتے ہیں مجھے عمرو بن حارث نے سعید بن اَبی ھلال سے وہ عتبہ بن اَبی عتبہ سے وہ نافع بن جبیر بن مطعم سے وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے تنگی والے لشکر (جنگ تبوک) کے بارے میں پوچھا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک کی طرف گئے موسم سخت گرمی کا تھا ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، ہمیں سخت پیاس لگی ہوئی تھی اور ہمیں گمان ہو چلا کہ پیاس کی وجہ سے ہماری گردنیں ٹوٹ نہ جائیں، آدمی پانی کی تلاش میں نکلتا تو وہ واپس نہیں آتا تھا اسکے بارے میں یہ گمان کیا جاتا کہ اس کی گردن ٹوٹ جائے گی، حتیٰ کہ نوبت یہاں تک آئی کہ آدمی اپنے اونٹ ذبح کر کے اس کی اوجھڑی نچوڑ کر پی جاتا اور جو بچتا اس کو اپنے جگر پر ڈالتا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے سول (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعا کا عادی بنا دیا ہے پس اللہ سے ہمارے لئے دعا کریں، تو آپ نے پوچھا کیا آپ کو یہ بات پسند ہے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! تو آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے، پس آپ نے اپنے ہاتھ واپس نہیں لوٹائے تھے کہ

① تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۴۰

بادل آئے پھر وہ برس پڑے تو صحابہ کرام نے جو کچھ ان کے

پاس تھا سب کچھ بھر لیا۔

جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے کہ زندہ انبیاء واولیاء سے دعا کرانا مطلقاً جائز ہے اور اس میں فاضل ومفضول ہونے کی شرط

نہیں ہے۔

ج : اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اگر آپ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے ملیں تو ان سے کہنا کہ آپ کے لئے اور میری امت کے لئے دعا واستغفار کریں۔ چنانچہ روایات میں یوں آیا ہے:

عن عمر بن الخطاب قال إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن خير التابعين رجل يقال له أويس وله والدة وكان به بياض، فمروه فليستغفر لكم، وفي رواية فإن استطعت أن يستغفر لك فافعل.① (صحيح مسلم)

ترجمہ: سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: بے شک بہترین تابعین میں سے ایک آدمی ہے جس کو اویس کہتے ہیں اس کی والدہ ہے اور اس کا رنگ سفید ہوگا، اس سے کہنا وہ تمہارے لئے استغفار کریں، ایک روایت میں یوں ہے کہ اگر آپ اس سے استغفار کرواسکو تو کروالینا۔

اس حدیث میں لفظ "لکم" میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی داخل ہیں اور پھر لفظ "فإن استطعت أن يستغفر لك" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دخول میں منصوص ہے۔ اویس قرنی رحمہ اللہ افضل التابعین ہونے کے باوجود پھر بھی اصحاب رسول ﷺ کے درجہ کو نہیں پہنچ پاتے مگر اس کے باوجود پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اویس قرنی رحمہ اللہ سے اپنے لئے اور امت کے لئے استغفار کی درخواست کریں۔

د : سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب ایک سال قحط پڑا جس کو عام الرمادۃ کہتے ہیں تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کو مسجد نبوی کے باہر میدان میں جمع کر کے سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی دعا کا وسیلہ پکڑا اور دعا کے لئے اس کے ہاتھ اٹھوائے چنانچہ صحیح بخاری میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بایں الفاظ مروی ہے:

عن أنس أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه كان

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور

① رواه مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أويس القرني.



إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبدالمطلب، فقال: اللهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا صلى الله عليه وسلم فتسقينا وإنا نتوسل إليك بعم نبيك فاستقنا قال: فيسقون.① (صحیح بخاری)

میں جب قحط پڑتا تھا تو وہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے دعا استسقاء کرتے اور فرماتے اے اللہ ہم تیرے نبی کے توسل سے بارش مانگا کرتے تھے تو آپ بارش عطا فرماتے تھے۔ اب تیرے نبی کے چچا کے توسل سے آپ سے بارش مانگتے ہیں پس ہمیں بارش عطا فرما، انس فرماتے ہیں پس وہ بارش دیئے جاتے۔ (یعنی بارش ہو جاتی)

اس میں کوئی شک نہیں کہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے بے شمار فضائل ہیں جن میں سے ایک شرف صحابیت بھی ہے جو کہ باقی سب فضائل سے بڑھ کر ہے مگر بایں ہمہ یہ بھی مسلم ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو السابقین الأولين في الإسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں عشرۃ مبشرۃ بھی شامل ہیں کا درجہ حاصل نہیں ہے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا باقی سارے عشرہ مبشرہ ابھی تک زندہ وحیات تھے جن میں سے ایک خود سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے مگر پھر بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی دعا کا وسیلہ پکڑا ہے۔

چنانچہ ان جیسی احادیث نقل کرنے کے بعد الدکتور عزت علی عطیہ کہتے ہیں

"فدل ذلک على جواز التوسل بدعاء المسلمين ولو كان الداعي أقل درجة من المدعوّله".②

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی دعا کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے اگرچہ دعا مانگنے والا مرتبہ میں کم ہو اس سے جس کے لئے دعا مانگی گئی ہے۔

اور ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ سلف صالحین کے کلام میں جو وسیلہ کا لفظ آیا ہے تو وہ عام طور پر دعا کے معنیٰ میں آیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا و شفاعت کے ساتھ وسیلہ پکڑتے تھے۔

چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کر کے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فإن لفظ التوسل والتوجه في عرف الصحابة ولغتهم هو التوسل و التوجه بدعائه وشفاعته، ولهذا يجوز أن يتوسل ويتوجه بدعاء كل مؤمن.③

ترجمہ: صحابہ کرام کے عرف اور ان کی لغت میں وسیلہ پکڑنے اور متوجہ کرنے کا مطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور سفارش مراد تھا۔ اسی لئے ہر مومن کی دعا کے ساتھ وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔

---

① رواه البخاري، كتاب الاستسقاء باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا.
② البدعة، ص: ۳۷۹
③ التوسل والوسيلة ص ۱۵۲

اور حقیقت میں جائز وسیلہ یہی ہے جو اُحیاء (زندوں) کی دعاء و استغفار کے ذریعہ ہو۔

چنانچہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ پکڑا تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی۔

وقد بين الزبير بن بكار في الأنساب صفة ما دعا به العباس في هذه الواقعة والوقت الذي وقع فيه ذلك. فأخرج باسناده أن العباس لما استسقى به عمر قال: اللهم إنه لم ينزل بلاء إلا بذنب ولم يكشف إلا بتوبة وقد توجه القوم بي إليك لمكاني من نبيك وهذه أيدينا إليك بالذنوب ونواصينا إليك بالتوبة فاسقنا الغيث فأرخت السماء مثل الجبال حتى أخصبت الأرض وعاش الناس. ①

زبیر بن بکار نے اپنی کتاب الانساب میں اس واقعہ میں عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء کا طریقہ اور وقت بیان کیا ہے جس میں یہ واقعہ پیش آیا۔ وہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ عباس رضی اللہ عنہ کو جب عمر رضی اللہ عنہ نے بارش کی دعا مانگنے کو کہا تو عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ مصیبت گناہ کی پاداش میں ہی نازل ہوتی ہے اور مصیبت دور بھی توبہ ہی کے ذریعے ہوتی ہے اور ان لوگوں نے مجھے آپ کے حضور تیرے نبی کے چچا ہونے کی بناپر، پیش کیا ہے، تو یہ ہمارے گناہ آلودہ ہاتھ آپ کے سامنے پھیلے ہوئے ہیں اور توبہ کیلئے ہماری پیشانیاں آپ کے سامنے جھکی ہوئی ہیں، پس ہمیں بارش عطا فرما، تو پہاڑوں جیسے بادل اُمنڈ آئے اور زمین سرسبز ہوگئی اور لوگوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔

اور اسی طرح جب بلاد الشام میں قحط پڑا تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا یزید بن الاسود الجرشی رحمہ اللہ کی دعا کا وسیلہ پکڑا چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكذلك معاوية بن أبي سفيان لما أجدب الناس بالشام استسقى بيزيد بن الأسود الجرشي فقال: اللهم إنا نستشفع أونتوسل بخيارنا يايزيد ارفع يديك، فرفع يديه ودعا ودعا الناس حتى سقوا. ②

ترجمہ: اور اسی طرح جب شام کے لوگ خشک سالی اور قحط کا شکار ہوئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسود الجرشی رحمہ اللہ کو بارش کی دعا میں وسیلہ بناتے ہوئے یوں فرمایا، اے اللہ! ہم اپنے میں سے سب سے بہترین شخص کو (بارش کے لئے) وسیلہ بناتے ہیں۔ اے یزید اپنے دونوں ہاتھ اٹھایئے پس انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور ان کے ساتھ لوگوں

---

① فتح الباری ج۲ ص ۴۹۷ ② التوسل والوسیلة ص ۱۵۲



نے بھی دعا مانگی یہاں تک کہ بارش نازل ہوئی اور لوگ سیراب ہوگئے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وسیلہ کا معنیٰ بزرگوں سے ان کی حیاتی و معیت میں ان سے دعا کرانا ہے اور سلف صالحین کے ہاں توسل کا یہی معنیٰ تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

واعلم أن التوسل بين السلف لم يكن كما هو المعهود بيننا فإنهم إذا كانوا يريدون أن يتوسلوا بأحد كانوا يذهبون بمن يتوسلون به ايضا معهم ليدعوا لهم ثم يستعينون بالله ويدعونه ويرجون الإجابة منه ببركة شموله ووجوده فيهم وهو معنى الاستعانة بالضعفاء أي استنزال الرحمة ببركة كونه فيهم.

ترجمہ: اور جان لیجئے کہ توسل سلف کے ہاں وہ نہیں جو آج ہمارے درمیان پایا جاتا ہے وہ جب کسی کا وسیلہ پکڑتے تو اس کی طرف جاتے جس کا وسیلہ لینا ہوتا اور ان کے لئے وہ دعا بھی کرتا پھر وہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرتے اور اس سے دعا کرتے اللہ تعالیٰ سے دعا کی قبولیت کی امید رکھتے اس ہستی کی شمولیت اور موجودگی کی بنا پر، اور یہی معنی ہے ''الاستعانۃ بالضعفاء'' کا یعنی رحمت کا نزول متبرک ذات کی موجودگی کی وجہ سے۔

أما التوسل بأسماء الصالحين كما هو المتعارف في زماننا بحيث لايكون للمتوسَّلين بهم علم بتوسلنا بل لا تشترط فيه حياتهم أيضاو إنما يتوسل بذكر أسماء هم فحسب زعماً منهم أن لهم وجاهة عندالله وقبولا فلا يضيعهم بذكر أسماء هم فذلك أمر لا أحب أن أقتحم فيه فلا أدعي ثبوته عن السلف ولاأنكره. ①

باقی نیک لوگوں کے ناموں سے وسیلہ پکڑنا جیسا کہ ہمارے اس زمانے میں معروف ہے اس حیثیت سے کہ جس سے وسیلہ پکڑا جارہا ہے اس کو ہمارے وسیلہ کا علم ہی نہ ہو بلکہ حال یہ ہے متوسل بہ کا زندہ ہونا بھی مشروط نہیں ہوتا، یہ تو صرف ان کے ناموں کا وسیلہ پکڑتے ہیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی قدر و منزلت ہے اور یہ درجہ قبولیت پر فائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے ناموں کے ذکر کی وجہ سے ضائع نہیں کریگا پس یہ امر ایسا ہے کہ اس میں داخل ہونا میں پسند نہیں کرتا اور نہ ہی سلف صالحین سے ثبوت کا میں دعویٰ کرتا ہوں اور نہ ہی انکار۔

---

① فیض الباری ج۳ ص ۴۳۴. کتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحين.



وسیلہ غیر مشروع

وسیلہ غیر مشروع وہ ہے جس کی اصل وبنیاد اسلام میں نہیں ہے نہ قرآن وحدیث میں کہیں اس کا ثبوت ملتا ہے نہ ہی سلف صالحین، ائمہ مجتہدین اور محدثین وفقہاء کے اقوال وفرمودات سے، ہاں البتہ متأخرین امت میں سے بعض حضرات صوفیاء وغیرہم کچھ ضعیف، واہی اور موضوع روایات کی رو سے اس طرح کے وسیلہ کے جواز کے قائل ہیں جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

اور آج کل یہ مسئلہ عوام وخواص دونوں میں بہت عام ہو چکا ہے، بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ بڑے بڑے علماء ومصنفین اس مسئلہ میں اتنے منغمس ومنہمک ہو چکے ہیں کہ قرآن وحدیث کی طرف تو توجہ ہی نہیں دیتے۔ اور جب سلف صالحین، ائمہ مجتہدین اور محدثین وفقہاء کرام کے اقوال، واسطہ ووسیلہ بالأموات اور بذوات الأشخاص وغیرہ کی تردید ونفی میں ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تو ان کی غلط توجیہ وتاویل کر کے اپنے غلط نظریہ کے مطابق ان کی مصداق ومحملیں نکالتے ہیں۔

۱- اموات (مردوں) کے ساتھ وسیلہ پکڑنا:

ان سے اپنی حاجات طلب کرنا اور انہی کو پکار کر ان سے استغاثہ واستعانت کرنا، یہ مسئلہ قدیم زمانہ سے لے کر آج تک بہت ہی عام ہو چکا ہے اور اس مسئلہ میں اکثر وبیشتر عوام الناس مبتلا ہیں۔

اگرچہ یہ لوگ اس کو وسیلہ کہتے ہیں مگر حقیقت میں یہ وسیلہ ہے ہی نہیں کیونکہ وسیلہ تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کو جائز ومشروع واسطہ سے طلب کرنا، جیسے ایمان، عمل صالح، اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ وصفات علیا اور زندہ انبیاء واولیاء کی دعا وشفاعت وغیرہ۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

باقی اموات کو پکار کر ان سے نفع ونقصان کی امیدیں وابستہ رکھنا درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ سے اعراض ہے اور یہ وسیلہ کہاں؟ بلکہ یہ تو شرک اکبر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِينَ ①

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو مت پکار جو نہ تمہیں فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پھر اگر (بالفرض) تو ایسا کرے تو بے شک تو بھی ظالموں میں سے ہوگا۔

① سورة یونس: آیت نمبر ١٠٦



ایک اور دوسرے مقام پر یوں آیا ہے:

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ○ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ①

ترجمہ: اور جن معبودوں کو یہ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ نہیں پیدا کر سکتے بلکہ وہ خود (دوسرے کے) پیدا کئے ہوئے ہیں۔ (یہ) مردے ہیں زندہ نہیں (ان میں آدمی کی طرح جان نہیں ہے) اور ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب زندہ کیے جائیں گے۔

اور یہ مسئلہ گذشتہ ابواب میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔

۲-اموات سے دعا طلب کرنا:

یعنی فوت شدہ انبیاء و اولیاء سے یہ کہنا کہ ہم چونکہ بہت گنہگار ہیں اور تم اللہ تعالیٰ کے پیارے اور محبوب بندے ہو اس لئے تم ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، مثلاً: یوں کہے ''یا رسول اللہ ادع لی'' یا یوں کہے ''یا علی ادع لی'' یا یوں کہے ''یاشیخ عبدالقادر الجیلانی ادع لی'' وغیرہ تو اس طرح کے وسیلے ممنوع اور غیر مشروع ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ:

إذا مات الإنسان انقطع عمله إلاّ من ثلاث إلا من صدقةٍ جاريةٍ أوعلم ينتفع به او ولد صالح يدعوله. (صحيح مسلم) ②

ترجمہ: جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین قسم کے اعمال کے، سوائے جاری (باقی) رہنے والے صدقہ کے یا نفع والے علم کے یا نیک اولاد کے جو اس کے لئے دعا کرتی رہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ و تابعین میں سے کسی بھی فرد نے آپ ﷺ کی قبر کے ہاں جا کر اپنی کسی بھی حاجت کے لئے حاضر ہو کر آپ سے دعا کی درخواست نہیں کی۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأما سؤال الميت فليس بمشروع ولا واجب ولامستحب بل ولامباح ولم يفعل هذا قط أحد من الصحابة والتابعين لهم باحسان ولا استحب

ترجمہ: جہاں تک فوت شدگان سے سوال کرنے کا تعلق ہے تو یہ شریعت میں جائز نہیں ہے۔ یہ نہ واجب ہے نہ مستحب اور نہ ہی مباح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں سے کسی نے

---

① سورة النّحل: ۲۰ - ۲۱

② رواه مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته

ذلک أحد من سلف الأمة، لأن ذلک فیه مفسدة راجحة ولیس فیه مصلحة راجحة، والشریعة إنما تأمر بالمصالح الخالصة أو الراجحة وهذا لیس فیه مصلحة راجحة بل إما أن یکون مفسدة محضة أو مفسدة راجحة وکلا هما غیر مشروع. ①

بھی اسے مستحب قرار نہیں دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی مصلحت نہیں پائی جاتی۔ بلکہ اس میں سراسر فساد و بگاڑ ہے۔ شریعت صرف انہی کاموں کا حکم دیتی ہے جن میں کوئی خاص اور واضح مصالح موجود ہوتے ہیں۔ لیکن فوت شدہ سے سوال کرنے میں کوئی قابل لحاظ مصلحت نہیں پائی جاتی بلکہ اس میں یا تو خالص فساد ہے یا راجح مفسدہ اور یہ دونوں طرح کے مفاسد غیر مشروع ہیں۔

۳- ذوات اشخاص کے ساتھ وسیلہ پکڑنا

جیسے مثلاً: لفظ ''جاہ، صدقہ، طفیل اور حق و حرمت'' وغیرہ ہیں مطلب یہ ہے کہ مذکورہ کلمات سے اللہ تعالیٰ کو اس کے مقرب و معزز بندوں کا واسطہ دے کر کوئی چیز (نفع) مانگنا، یا دنیوی مصائب و مشکلات کے ہٹانے کی توقع رکھنا، جیسے یوں کہا جائے۔

یا ربّ بجاہ محمد أو بحق محمد أو بحق أنبیائک وأولیائک أو بحرمتهم اِقض حاجتی هذه أو ادفع عنی شر الأعداء وکیدهم ومصائب الدنیا وغیرها.

ترجمہ: اے میرے رب محمد کے طفیل یا محمد کے واسطہ سے یا اپنے انبیاء کے واسطہ سے اور اپنے ولیوں کے واسطہ سے یا ان کی حرمت و عزت کے طفیل میری یہ ضرورت پوری کر دے یا مجھ سے دشمنوں کا شر اور مکر اور دنیاوی مصائب و مشکلات دور فرما۔

تو اس طرح کا وسیلہ بدعت اور مستحدث فی الدین ہے کیونکہ اس طرح کا وسیلہ نہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور نہ ہی سلف صالحین سے باوجود کثرت حاجات و دواعی کے مثلاً: سلف صالحین (صحابہ، تابعین، و تبع تابعین) کو کبھی کبھی قحط سالی کی وجہ سے بارش کی حاجت پڑتی تھی اور اسی طرح لڑائی و جہاد کے میدانوں میں ان کو سخت مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا مگر ان پریشان کن اور نا مساعد حالات میں انہوں نے کسی بھی مخلوق کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں مانگی۔

ہاں البتہ اس کے برعکس انہوں نے مصائب و مشکلات کے وقت زندہ اولیاء و صالحین کی دعاؤں کا وسیلہ لیا ہے، جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب قحط پڑا جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دعا سے توسیلہ پکڑ کر دعا کے لئے آپ کے ہاتھ اٹھوائے مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہ تو قبر شریف پر جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا مانگی اور نہ ہی

① التوسل والوسیلة ص ۴۴

آپ ﷺ کی ذات کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل عشرہ مبشرہ، شرکاء بدر و اُحد، احزاب و حدیبیہ اور مہاجرین و انصار کی موجودگی میں ہو رہا تھا۔ مگر اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وسیلہ کو چھوڑ کر آپ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کا کیوں وسیلہ لے رہے ہیں؟

آخر کیا وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس مشکل اور نا مساعد حالت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وسیلہ کو چھوڑ کر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کا وسیلہ لے رہے ہیں اور پھر اصحاب رسول ﷺ میں سے کوئی بھی آپ پر اعتراض نہیں کر رہا ہے بلکہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے اتفاق و اجماع کر رہے ہیں۔ آخر یہ کیوں؟

وجہ یہ تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سمیت اصحابِ رسول ﷺ کو قرآن کریم کی آیت

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ①

ترجمہ: (اے پیغمبر ﷺ) بے شک (ایک دن) آپ وفات پانے والے ہیں اور وہ بھی (ایک دن) بیشک مر جائیں گے۔

اور آیت

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ②

ترجمہ: اور محمد (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں، آپ سے پہلے اور کئی رسول ہو گزرے ہیں، کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں (اسلام سے کفر کی طرف) پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پھر جائے تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور اللہ جلد بدلہ دیگا شکر کرنے والوں کو۔

اور ان جیسی آیات اور سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول

......عن عائشة قالت مات النبي صلى الله عليه وسلم وإنه لبين حاقنتي وذاقنتي. ③ (صحيح بخاری)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب وفات پا گئے تو آپ کا سر مبارک میری ٹھوڑی اور سینے کے درمیان تھا۔

اور اس امت کے افضل ترین فرد اور رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

...... فقال أبوبكر: أما بعد، فمن كان منكم يعبد محمدًا فإن محمدًا قدمات ومن كان منكم يعبد

ترجمہ: اے لوگو جو شخص تم میں سے محمد (ﷺ) کی پوجا کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد ﷺ فوت ہو گئے ہیں اور جو شخص تم میں سے

① سورة الزمر: ٣٠ ② سورة آل عمران: ١٤٤
③ رواه البخاري، كتاب المغازي باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، وقول الله تعالى: ﴿إنك ميت وإنهم ميتون﴾



الله فإن الله حيّ لا يموت .① (صحيح بخاری)

اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ ہی زندہ رہے گا کبھی اس کو موت نہ آئے گی۔

والا یہ خطبہ یاد تھا جو کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے منبر پر کھڑے ہو کر دیا تھا کہ جس کے بعد سب مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی موت کا یقین ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ (عام الرمادة) میں رسول اللہ ﷺ کی دعا سے وسیلہ کو چھوڑ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی دعا کا وسیلہ لیا اور پھر مہاجرین و انصار نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے اتفاق و اجماع اس لئے کیا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے تھے اور سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ زندہ تھے۔

اصحاب رسول ﷺ کے اس اتفاق و اجماع والے عمل سے صاف معلوم ہوا کہ اموات (مردوں) سے کسی بھی طرح کا وسیلہ لینا جائز و مشروع نہیں ہے خواہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی کیوں نہ ہوں ورنہ اصحاب رسول ﷺ بشمول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ ﷺ کی دعا کا وسیلہ چھوڑ کر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کا وسیلہ ہرگز نہ لیتے۔

چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ اپنی تفسیر روح المعانی میں آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ②

مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور اس تک (پہنچنے کا) وسیلہ ڈھونڈو۔

کے تحت لکھتے ہیں:

فإنه لو كان التوسل به عليه الصلاة والسلام بعد انتقاله من هذه الدار لما عدلوا إلى غيره بل كانوا يقولون: اللهم إنا نتوسل إليك بنبينا فاسقنا وحاشاهم أن يعدلوا عن التوسل بسيد الناس إلى التوسل بعمه العباس وهم يجدون أدنىٰ مساغ لذلك فعدولهم هذا مع أنهم السابقون الأولون وهم أعلم منا بالله تعالىٰ ورسوله صلى الله عليه

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے اس دار فانی سے رحلت کے بعد اگر آپ کی ذات کے ساتھ وسیلہ پکڑنا جائز ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی بھی کسی دوسرے کی طرف رجوع نہ کرتے، بلکہ وہ یوں کہتے: اے اللہ ہم آپ کو اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ دیتے ہیں تو ہمیں بارش دے۔
اللہ کی پناہ! یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سید الأولین والآخرین کا وسیلہ چھوڑ کر آپ کے چچا عباس کا وسیلہ

---

① رواه بخاری، كتاب المغازی باب مرض النبی صلى الله عليه وسلم ووفاته.
② المائدة:٣٥

وسلم وبحقوق الله تعالیٰ ورسوله علیه الصلاة والسلام ومایشرع من الدعاء وما لایشرع وهم فی وقت ضرورة و مخمصة یطلبون تفریج الکربات وتیسیر العسیر وإنزال الغیث بکل طریق دلیل واضح علی أن المشروع ماسلکوه دون غیره .①

ڈھونڈتے رہیں۔ حالانکہ وہ اس کی کم از کم گنجائش بھی پاتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم السابقون الأولون ہونے اور حقوق اللہ وحقوق الرسول ﷺ کو ہم سے زیادہ پہچاننے اور اس بات کو خوب جانتے ہوئے کہ دعا کا کونسا طریقہ جائز ہے، اور کونسا ناجائز، اور حالات بھی نہایت نامساعد اور بارش کی بھی شدید ضرورت ہر حالت میں یہ واضح دلیل ہے کہ جائز وہی عمل ہے جو انہوں نے اختیار کیا نہ کہ کوئی دوسرا عمل۔

اسی طرح واقعہ استسقاء عمر بدعا عباس کے تذکرہ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ازیں جا ثابت شد که توسّل بگذ شتگان وغائبان جائز نداشته اند و گرنه عباس (رضی الله عنه) از سرور عالم صلی الله علیه وسلم بهتر نبود چرا نگفت که توسل میکر دیم به پیغمبر تو والحال توسّل می کنیم بروح پیغمبر تو.②

ترجمہ: اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ غائب اور مردوں کا وسیلہ لینا جائز نہیں ورنہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بہتر نہیں تھے۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ پہلے ہم تیرے پیغمبر کو وسیلہ بناتے تھے اور اب تیرے پیغمبر کی روح کو وسیلہ بناتے ہیں۔

اور اسی طرح صاحب ﴿مقدمة الواسطة بين الحق والخلق﴾ عدم جواز التوسل بذوات الأشخاص کے لئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے دلیل پکڑتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔

ولو لم یکن فی النصوص علی عدم جواز التوسل بذوات الأنبیاء والصالحین غیر توسل عمر بن الخطاب بدعاء العباس وترکه التوسل بذات النبی لکفی فی الرد علی هذا الفریق .③

ترجمہ: انبیاء وصالحین کی ذات کے ساتھ وسیلہ نہ پکڑنے کی روایات نہ بھی ہوتیں سوائے عمر بن الخطاب کے فعل کے جس میں عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب کی دعا کا وسیلہ پکڑنے کا ہے اور نبی کی ذات کا وسیلہ چھوڑنے کا ہے تو یہ مخالف فریق کے رد کے لئے کافی تھا۔

---

① روح المعانی ج۴ ص ۱۲۶۔

② البلاغ المبین ص: ۳۷۔

③ مقدمة الواسطة بین الحق والخلق ص ۲۔

اور یہ جو روایات آتی ہیں کہ اصحاب رسول ﷺ آپ کے ساتھ وسیلہ پکڑتے تھے جیسے عمر رضی اللہ عنہ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ وسیلہ آپ ﷺ کی دعا و شفاعت کا تھا نہ کہ آپ کی ذات کا چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کر کے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

وأما التوسل بدعاء ه وشفاعته كما قال عمر فإنه توسل بدعائه لابذاته ولهذا عدلوا عن التوسل به إلى التوسل بعمّه العباس ولو كان التوسل هو بذاته لكان هذا أولى من التوسل بالعباس. فلما عدلوا عن التوسل به إلى التوسل بالعباس علم أن مايفعل فى حياته قدتعذر بموته بخلاف التوسل الذى هو الإيمان به والطاعة له فإنه مشروع دائما .①

ترجمہ: باقی آپ ﷺ کی دعا وشفاعت کے ذریعہ سے وسیلہ، جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تو واضح رہے کہ وہ آپ کی دعا سے وسیلہ ہے نہ کہ آپ کی ذات سے اسی لئے آپ کے وصال کے بعد آپ سے وسیلہ طلب کرنے کی بجائے آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ مانگا گیا۔ ورنہ اگر آپ کی ذات سے وسیلہ جائز ہوتا تو ظاہر ہے کہ آپ ﷺ عباس کے وسیلہ سے بدرجہا اولیٰ وافضل تھے لیکن جب اصحاب رسول ﷺ نے آپ کی وفات کے بعد آپ کا نہیں بلکہ عباس کا وسیلہ چاہا تو معلوم ہوا کہ یہ چیز (دعا) جو آپ کی حیات میں ممکن تھی آپ کی موت سے رک گئی بخلاف اس وسیلہ کے جو آپ پر ایمان واطاعت کے ذریعہ سے ہے تو وہ ہر وقت جائز وموجود ومطلوب ہے۔

اور وسیلہ کی ان تینوں اقسام کو "ادعیہ بدعیہ" کے عنوان سے بیان کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقدذكر علماء الإسلام وأئمة الدين الأدعية الشرعية وأعرضوا عن الأدعية البدعية فينبغى اتباع ذلك.

والمراتب فى هذا الباب ثلاث:

إحداها: أن يدعو غير الله وهو ميت أوغائب سواء كان من الأنبياء والصالحين أوغيرهم فيقول: ياسيد فلان أغثنى أوأنا أستجيربك أو أستغيث

ترجمہ: علماء اسلام اور ائمہ دین نے شرعی دعائیں بیان کردی ہیں اور بدعی دعاؤں سے اعراض کیا ہے لہٰذا ہمیں بھی چاہیئے کہ ان کی اتباع کریں اس باب (بدعی دعاؤں) میں تین درجے ہیں۔

ایک یہ کہ اللہ کے علاوہ ان کو پکارا جائے جو وفات پا چکے ہیں اور موجود نہیں ہیں عام اس سے کہ کوئی نبی ہو یا ولی مثلاً

① التوسل والوسيلة ص: ۴۹



بک أو انصرنی علی عدوی، وأعظم من ذلک أن یقول: اغفرلی وتب علیّ، کما یفعله طائفة من الجهال المشرکین. وأعظم من ذلک أن یسجد لقبره ویصلی إلیه ویری الصلاة إلیه أفضل من استقبال القبلة حتی یقول بعضهم: هذه قبلة الخواص والکعبة قبلة العوام.

وأعظم من ذلک أن یری السفر إلیه من جنس الحج حتی یقول إن السفر إلیه مرات یعدل حجة وغلاتهم یقولون: الزیارة إلیه مرة أفضل من حج البیت مرات متعددة ونحو ذلک. فهذا شرک بهم وإن کان یقع کثیر من الناس فی بعضه.

الثانیة: أن یقال للمیت أو الغائب من الأنبیاء والصالحین: ادع الله لی أو ادع لنا ربک أو اسأل الله لنا کما تقول النصاری لمریم وغیرها. فهذا أیضا لایستریب عالم أنه جائز وأنه من البدع التی لم یفعلها أحد من سلف الأمة. ①

کہے: اے فلاں مجھے پناہ دے، یا تیری دہائی ہے، یا دشمن کو مغلوب کردے، اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس سے بخشش وتوبہ چاہے، جیسا کہ بہت سے جاہل شرک کرتے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اس کی قبر کو سجدہ کرے یا اس کی قبر کی جانب رخ کر کے نماز پڑھے اور سمجھے کہ یہ نماز قبلہ رو نماز سے بہتر ہے۔ بلکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں قبر خواص کا قبلہ ہے اور کعبہ عوام کا قبلہ! اور یہ کہ اس کی زیارت کے لئے سفر کرنا حج کے سفر کی طرح ہے اور یہ کہ اس کی زیارت کے لئے چند دفعہ کا سفر ایک حج کا ثواب رکھتا ہے۔ بلکہ بہت سے غالی تر ایک مرتبہ کی زیارت کو متعدد حجوں سے بھی افضل قرار دیتے ہیں۔ یہ چیز سراسر شرک ہے اگرچہ بہت سے لوگ اس کے مرتکب کیوں نہ ہوں۔

دوسرا درجہ یہ ہے: کہ نبیوں یا صالح لوگوں میں سے جو فوت ہوگئے ہیں یا غیر حاضر ہیں ان سے کہا جائے: اللہ سے میرے لئے دعا کرو یا اپنے پروردگار سے ہمارے لئے درخواست کرو۔ جیسا کہ عیسائی مریم وغیرہ سے درخواستیں کرتے ہیں۔ اس چیز میں کسی عالم کو بھی اختلاف (شک) نہیں ہوسکتا کہ وہ ناجائز ہے۔ اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا سلف امت میں سے کوئی بھی مرتکب نہیں ہوا۔

① التوسل والوسیلة ص: ۱۴۹



اور آگے چل کر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ادعیہ بدعیہ کی تیسری قسم کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الثالثة: أن يقال: أسألك بفلانٍ أو بجاه فلانٍ عندك ونحو ذلك الذي تقدم عند أبي حنيفة وأبي يوسف وغيرهما أنه منهيٌّ عنه وتقدم أيضا أن هذا ليس بمشهور عن الصحابة، بل عدلوا عنه إلى التوسل بدعاء العباس وغيره .①

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس طرح دعا کرے: اے اللہ! میں تجھ سے فلاں شخص کے حوالہ سے یا اس کی عزت مرتبت کے ذریعہ سے درخواست کرتا ہوں جس کے بارے اوپر گذر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وابو یوسف رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے نزدیک ناجائز ہے۔ نیز یہ بھی مذکور ہو چکا ہے کہ یہ چیز صحابہ میں مشہور نہ تھی بلکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کے بجائے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کی دعاؤں کو وسیلہ بنایا تھا۔

① التوسل والوسيلة ص: ۱۵۲



خالق کو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا

﴿ فَلاَ تَضْرِبُواْ لِلّٰهِ الأَمْثَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ ﴾ ①

ترجمہ: تم اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں نہ بیان کرو (کیونکہ وہ مخلوقات کی مشابہت سے پاک ہے) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ کو چھوڑ کر قبروں کے پجاری اور مشرک لوگ ولیوں، بزرگوں اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے دروازوں پر جا کر عاجزانہ دعائیں مانگتے، اپنی مصائب ومشکلات کے ہٹانے کی درخواستیں ان کے سامنے پیش کرتے اور اپنے جیسی محتاج مخلوق کے سامنے عاجزی کے دامن پھیلاتے ہیں جو کہ رب العالمین کے ساتھ ایک کھلی بغاوت ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ہماری براہِ راست اللہ تک رسائی نہیں ہوسکتی ہے اس لئے ہم اپنی درخواستیں اللہ تعالیٰ کے ان صالح ومقبول بندوں کے سامنے پیش کریں گے اور جو کچھ مانگنا ہے انہیں سے مانگیں گے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگان دین واولیاء اللہ کو سب کچھ عطا کیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی یہ ہستیاں ہماری مرادیں پوری کردیں گی جیسا کہ دنیاوی بادشاہوں تک ان کی رعایا کی رسائی وزیروں، گورنروں اور دوسرے مقرب اشخاص کے سہارے اور واسطوں کے بغیر ممکن نہیں ہے اسی طرح ہماری رسائی اللہ تعالیٰ تک ان ولیوں، بزرگوں اور برگزیدہ بندوں کے سہارے اور واسطے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ ہیں قبر پرستوں کے اصل شبہات۔

درحقیقت ان لوگوں کو کئی وجوہ سے مغالطہ ہوا ہے ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان وجوہات میں سے کچھ قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں تا کہ فریب خوردہ لوگوں کے منشأ مغالطہ کا پتہ چل سکے۔

پہلا مغالطہ:

یہ ہے کہ ان قبروں کے پجاری اور آستانہ پرستوں نے اللہ عزوجل کی بارگاہ عالیہ کو دنیا کے شاہی درباروں پر قیاس کرلیا ہے کہ جس طرح دنیا کے بادشاہوں تک ہر شخص کی رسائی نہیں ہوسکتی بلکہ امراء ووزراء کی وساطت اور چپڑاسیوں اور دربانوں کی منت کشی اور احسان مندی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح خالق بزرگ وبرتر کے دربار عالیہ میں بھی کوئی شخص براہِ راست عرض ومعروض پیش نہیں کرسکتا بلکہ اس کو درمیانی واسطوں کا سہارا ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔

ازالۂ مغالطہ: اللہ اکبر! انہی قیاسات فاسدہ کی وجہ سے شمس وقمر کی عبادت کی گئی، جیسا کہ روایات میں اس طرح آیا ہے۔

عن ابن سيرين قال: أول من قاس إبليس وما عبدت الشمس والقمر إلا بالمقاييس. ②

ترجمہ: محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا اور شمس وقمر کی عبادت بھی قیاسات سے ہی ہوئی ہے۔

---

① سورة النحل: ۷۴
② رواه الدارمي ج ۱ ص ۶۷، باب تغير الزمان وما يحدث فيه، المقدمة.

اور امام الشعبی رحمہ اللہ سے سنن الدارمی میں ہی ایک روایت یوں آئی ہے:

عن الشعبی قال: واللہ لئن أخذتم بالمقاییس لتحرّمنّ الحلال ولتحلنّ الحرام. ①

ترجمہ: امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم اگر تم قیاسات کے پیچھے چلتے رہے تو حلال چیزوں کو حرام کردو گے اور حرام کو حلال۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرنا سراسر غلط اور صریح ضلالت وگمراہی ہے کیونکہ بادشاہ اور ان کی رعایا کے درمیان واسطوں کی ضرورت تو اس لئے پیش آتی ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا کا دکھ، درد، داد وفریاد خود نہیں سن سکتا اور نہ ہی ہر شخص اپنی آواز براہِ راست اس تک پہنچا سکتا ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ دنیا کے سارے انسانوں، فرشتوں، جنات اور حیوانات میں سے ایک ایک کی آواز وہ اس طرح سنتا ہے کہ گویا باقی ساری کائنات خاموش ہے اور صرف وہی ایک گفتگو کر رہا ہے۔ اور اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ بیک وقت مختلف زبانوں کے شوروغل والی آواز کو مختلف مطالب وحاجات کے باوجود اس طرح سنتا ہے کہ ایک کی آواز سننے کی وجہ سے دوسرے کی آواز کا سننا اسے مغالطہ میں نہیں ڈال سکتا اور نہ ہی وہ کثرتِ مسائل اور مانگنے والوں کے الحاح وزاری اور بار بار مانگنے کی وجہ سے تھکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سننے کے اس انداز کو امام ابن کثیرؒ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

یعلم دبیب النملة السوداء علی الصخرة الصماء فی اللیلة الظلماء. ②

ترجمہ: نہایت تاریک رات میں سنگِ سیاہ پر کالی چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی اللہ تعالیٰ سنتا اور جانتا ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ اپنے قصیدۃ نونیہ میں اللہ تعالیٰ کی اس صفتِ رؤیت اور سمع کے کمال کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

فیری دبیب النمل فی غسق الدجی ویری کذاک تقلب الأجفان

اللہ تعالیٰ اندھیری رات میں چیونٹی کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے اور پلکوں کے جھپکنے کو بھی دیکھتا ہے

وضجیج أصوات العباد بسمعه ولدیه لا تشابه الصوتان ③

اور اسی طرح بندوں کی آہ وزاری کی آواز کو بھی سنتا ہے اور اس کے ہاں آوازوں کا اشتباہ واختلاط نہیں ہوتا۔

اور چونکہ کثرت فاصلہ اور دوری کی وجہ سے دنیا کے بادشاہوں تک ہر آدمی کی رسائی ممکن نہیں مگر قدرتِ ذاتیہ اور احاطہ علمیہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ ہر شخص سے اس کی رگ گردن (شاہ رگ) سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قرب کے متعلق روایات میں یوں آیا ہے۔

عن الصلت بن حکیم بن معاویة بن حیدة القشیری عن أبیه عن جده أن أعرابیا قال یا رسول

ترجمہ: صلت بن حکم بن معاویہ بن حیدہ قشیری اپنے باپ کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بدوی نے

① سنن الدارمی ج ۱ ص ۱۸ باب تغیر الزمان وما یحدث فیه، المقدمة ② البدایة والنهایة ج ۱ ص ۵/

③ القصیدة النونیة ص ۳۲، فصل فی قدوم رکب الإیمان وعسکر القرآن.

الله: (صلى الله عليه وسلم) أقريب ربنا فننا جيه أم بعيد فنناديه؟ فسكت النبى صلى الله عليه وسلم فأنزل الله ﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي ﴾ ①

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے سرگوشیاں کرلیں یا دور ہے کہ ہم اونچی اونچی اواز سے اسے پکاریں؟ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ''جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں پوچھیں (کہ میں دور ہوں یا نزدیک تو کہہ دیجئے) میں نزدیک ہوں جب کوئی دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں قبول کرتا ہوں، لوگوں کو بھی چاہئے کہ میرا حکم مانیں (ایمان لائیں اور نیک کام کریں) اور ایمان پر قائم رہیں......''

ذرا انداز لگائیں ایسا دربار جس میں ہر شخص ہر آن و ہر لحہ اپنی درخواست پیش کرسکتا ہو اور جہاں ہر درخواست پر اگر چاہے تو فوراً کاروائی کرلے اور جو ہر درخواست کے پورے کرنے اور ہر شخص کی ساری مرادیں برلانے کی قدرت رکھتا ہو اور پھر وہ ذات شفیق ومہربان بھی ایسی ہو کہ شفقت والی ماں بھی اپنے پیارے بیٹے پر اس قدر شفقت نہ کرسکتی ہو، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

عن عمر بن الخطاب قال قدم على النبى صلى الله عليه وسلم سَبْىٌ فإذا امرأة من السبي تحلب ثديها تسقى إذا وجدت صبياً فى السبى أخذته فالصقته ببطنها وأرضعته فقال لنا النبى صلى الله عليه وسلم: أترون هذه طارحة ولدها فى النار؟ قلنا: لاوهى تقدر على أن لا تطرحه، فقال: الله أرحم بعباده من هذه بولدها. ② (صحيح بخارى)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس لونڈیاں آئیں، ان میں ایک عورت تھی جس کی چھاتی دودھ سے بھری ہوئی تھی دودھ بہہ رہا تھا جب اس نے بچے کو دیکھا تو اس کو پکڑ کر اپنی چھاتی سے لگالیا اور اس کو دودھ پلانا شروع کیا، تو نبی ﷺ نے ہم سے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟ ہم نے کہا نہیں اور وہ طاقت رکھتی ہے کہ اس کو آگ میں نہ پھینکے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اپنے بندوں پر اس عورت کے اپنے بچے کی نسبت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

تو ایسی بارگاہ کو چھوڑ کر اپنے جیسی محتاج مخلوق کے دروازوں کی ٹھوکریں کھاتے پھرنا اور خالق کائنات کی دی ہوئی حسین و جمیل ناک اور چہروں کو اموات (مردوں) کی قبروں، درگاہوں اور آستانوں پر رگڑتے ہوئے ان کی مٹی چاٹنا عقل و انصاف کی

① تفسير ابن كثير ج ١ ص ٢١٨.
② رواه البخارى، كتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته.



بات ہوگی یا جہالت وحماقت کی؟

دوسرا مغالطہ:

قبروں اور آستانوں کے پجاریوں کو دوسرا مغالطہ یہ ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مطلق العنان بادشاہت کو دنیا کے عارضی بادشاہوں کی طرح یوں سمجھ لیا کہ جس طرح شاہانِ دنیا کچھ مناصب و اختیارات اپنے گورنروں، وزیروں اور ماتحت افسروں کو تفویض کر دیتے ہیں اور اس تفویض کے بعد انہیں زیر اختیار معاملوں میں بادشاہ سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ وہ اپنے سپرد کیئے ہوئے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے ان امور میں خود ہی فیصلے کیا کرتے ہیں، تو شاید یہی صورت بعینہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں بھی ہوگی۔ کہ اس نے بھی اس کائنات میں تصرفات کے کچھ اختیارات اپنے نبیوں، ولیوں، اماموں اور شہیدوں کو سونپ دیئے ہوں گے اور رب العالمین کے جو محکمے باعطائے الٰہی ان برگزیدہ بندوں کے سپرد کر دیئے گئے ہیں وہ ان میں خود مختار ہیں جو چاہیں کریں، جس کو چاہیں، جتنا اور جیسے چاہیں اور جب بھی چاہیں دیں اور جس سے چاہیں چھین لیں۔

ازالۂ مغالطہ: حقیقت میں مشرک اور قبر پرستوں کا اللہ تعالیٰ کی حقیقی اور مطلق العنان بادشاہت کو دنیا کے عارضی بادشاہوں اور ان کے وزراء و گورنروں پر قیاس کرنا ہی باطل ہے۔ اور بطلان کی وجہ یہ ہے کہ شاہان دنیا کو گورنروں، وزیروں اور دوسرے افسر و معاونین کی ضرورت اس لئے ہے کہ وہ اپنی سلطنت کے چلانے میں عاجز و قاصر ہیں، مددگاران اور معاونین کے محتاج ہیں جو کہ اپنے قلمرو کے ہر چھوٹے بڑے کام کو خود کرنے سے قاصر ہیں تو اس عجز و قصور کی وجہ سے شاہانِ دنیا اپنی مملکت کے کچھ اختیارات و مناصب اپنے ماتحت وزراء، گورنروں اور افسروں کے حوالے کر دیتے ہیں کہ جن کے بعد انہی زیرِ اختیار امور میں بادشاہ سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ ان تفویض شدہ اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے بادشاہ سے رجوع کئے بغیر ان امور میں خود ہی فیصلے کیا کرتے ہیں تو اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ شاہانِ دنیا اپنے ان گورنروں، وزیروں اور افسروں کے تعاون و مدد کے بغیر نظام مملکت نہیں چلا سکتے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی مطلق العنان بادشاہت ہے جس کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہاء اور جس کی بادشاہت پر نہ کبھی انقلاب آیا ہے اور نہ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ اسے ساری کائنات کے ایک ایک ذرہ کا علم ہے اور اس پر قدرت بھی۔ کائنات کی کوئی چھوٹی بڑی چیز نہ اس کے علم سے باہر ہے اور نہ اس کے حکمِ قضاء و قدر سے آزاد ہے۔ رب العالمین کا علم، اس کا ارادہ، اس کی مشیت، اس کی قدرت اور اس کی تکوینِ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز پر حاوی اور کائنات کے ایک ایک ذرے کو محیط ہے۔ درخت کا ایک پتہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم و ارادہ اور حکم کے بغیر ہل نہیں سکتا اور ایک چھوٹے سے چھوٹا دانہ اگر ساتویں زمین کی تخوم و تاریکی میں چھپ جائے تو اللہ تعالیٰ کا علم اسے بھی محیط ہے۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:



﴿ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴾ ①

اور ایک پتا بھی نہیں گرتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور نہ کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر نہ کوئی خشک جو کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا نظام چلانے کے لئے کسی گورنر، وزیر، کسی نائب و مشیر اور کسی معاون و مساعد کا محتاج نہیں اور نہ ہی اس کائنات کے نظام میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی ہوسکتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴾ ②

ترجمہ: (اے پیغمبران لوگوں سے) کہہ دو تم جن کو اللہ کے سوا (معبود) سمجھتے ہو بھلا ان کو پکارو تو سہی (وہ قحط میں کچھ کام آتے ہیں) ان کو تو ایک ذرہ برابر بھی اختیار نہیں نہ آسمان میں اور نہ زمین میں (کہیں ان کی کچھ نہیں چلتی) اور نہ آسمان اور زمین (کے بنانے) میں ان کا کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴾ ③

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) کہہ سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے جس نے کوئی اولاد نہیں رکھی (اس کا کوئی بیٹا بیٹی نہیں ہے) اور نہ کوئی سلطنت میں اس کا ساجھی (شریک) ہے اور نہ اس کو ذلت سے بچنے کے لئے کسی حمایتی کی ضرورت ہے اور آپ خوب اس کی بڑائی بیان کرتے رہیں۔

جس ذات کی یہ شان ہو کہ اس کی قدرت وتکوین زمین وآسمان، لوح وقلم، عرش وکرسی، بر و بحر، جن وانس، حیوانات و جمادات کی ایک ایک چیز پر حاوی ہو، دور ونزدیک اس کے سامنے یکساں ہو، کائنات کے ایک ایک ذرے کا علم بھی رکھتا ہو، ہر مخلوق کی فریاد ہر وقت سن سکتا ہو، ہر ایک کے دکھ، درد، مصیبت وتکلیف کو خود اس مصیبت زدہ سے بھی زیادہ جانتا ہو اور سارے مصائب و

① سورة الأنعام: ٥٩
② سورة سبا: ٢٢
③ سورة الإسراء: ١١١



مشکلات کے ہٹانے پر قدرتِ کاملہ بھی رکھتا ہو تو بھلا اس ذات کو ضرورت ہی کیا ہے کہ اپنے تصرفات کے کچھ اختیارات اپنے بندوں کے سپرد کر دے؟

تو معلوم ہوا کہ قبر پرست و آستانہ پرستوں نے جو اللہ تعالیٰ کی ازلی و ابدی بادشاہت کو دنیا کے عارضی بادشاہوں اور ان کے گورنروں و وزیروں اور افسروں پر قیاس کیا تھا وہ باطل و بے بنیاد ٹھہرا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے سربراہان ممالک اپنے عجز و قصور کی بناء پر مجبور ہیں کہ کچھ مناصب و اختیارات اپنے گورنروں، وزیروں اور افسروں کے حوالے کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ بسبب عدم احتیاج اپنی اس ساری کائنات کے تصرفات میں سے کسی بھی قسم کے مناصب و اختیارات اپنی کسی بھی مخلوق کے حوالے نہیں کرتا خواہ وہ کتنی ہی درجہ و مرتبہ والی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ﴾ ① ترجمہ: اور (اے مشرکو) جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو ان کو (کھجور کی) گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں ہے۔

سوال: باقی رہا ملائکہ مؤکلون کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مختلف کاموں کے لئے متعین کیا ہے۔ جس سے مشرک خیال لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے ان (ملائکہ مؤکلون) کو کلی اختیار دے رکھا ہے؟

جواب: سو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ جن کاموں کے لئے متعین کیے گئے ہیں تو وہ (ملائکہ موکلون) ان کاموں میں مختار و مأذون نہیں ہیں کہ جب چاہیں اور جس طرح چاہیں وہ کام سرانجام دیں، نہیں اور ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ (ملائکہ موکلون) انہیں متعین کئے ہوئے کاموں کو بھی اس وقت سرانجام دیں گے جب اللہ تعالیٰ ان کو حکم دے گا، جیسا کہ مثلاً: سیدنا جبرئیل علیہ السلام جس کو اللہ تعالیٰ نے وحی لانے کے لئے متعین کیا ہے تو جبرئیل علیہ السلام اپنی مرضی و چاہت کے مطابق جب بھی چاہتے تو وحی نہیں لا سکتے تھے، بلکہ وحی کا لانا تو اپنی جگہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر سیدنا جبرئیل علیہ السلام زمین پر بھی نہیں آ سکتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ﴾ ② ترجمہ: اور ہم نہیں اترتے مگر تیرے مالک (رب) کے حکم سے۔

باقی فرشتوں کو اسی پر قیاس کر لو۔

چنانچہ اس کائنات میں مخلوق کے عجز اور عدم اختیارات کو بیان کرتے ہوئے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اس طرح لکھتے ہیں۔

---

① سورۃ فاطر: ۱۳
② سورۃ مریم: ۶۴

إن الخلق عجزٌ، عدمٌ لا هلك بأيديهم ولا ملك، لاغنى بأيديهم ولا فقر ولا ضرّبأيديهم ولا نفع ولا ملك عندهم إلا الله عزوجل، لاقادر غيره ولا معطى ولا مانع ولاضار ولا نافع غيره ولا محيى ولا مميت. ①

ترجمہ: بے شک مخلوق عاجز اور عدم محض ہے، نہ ہلاکت ان کے ہاتھ میں ہے اور نہ ملک، نہ مالداری ان کے قبضہ میں ہے نہ فقر، نہ نقصان ان کے ہاتھ میں ہے اور نہ نفع، نہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے پاس کوئی ملک ہے اور نہ اس کے سوا کوئی قادر ہے، نہ اس کے سوا کوئی دینے والا ہے نہ روکنے والا، نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے، نہ اس کے سوا کوئی زندگی دینے والا ہے نہ موت۔

غیر اللہ سے اس کارخانہ عالم میں اختیارات کی نفی کرتے ہوئے علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز کتاب ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں۔

"اگر کسی گوید که خدا و رسول برین عمل گواه اند کافر شود، اولیاء قادر نیستند برایجاد معدوم یا اعدام موجود، پس نسبت کردن ایجاد واعدام واعطائے رزق یا اولاد ودفع بلا ومرض وغیر آن بسوی ایشان کفر است، "قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعاً وَلاَ ضَرّاً إِلاَّ مَا شَاءَ اللّٰهُ"۔ یعنی بگو ای محمد (صلی الله علیه وسلم) مالک نیستم من برائے خویشتن نفع راو نه ضرر را مگر آنچه خدا خواهد. ②

ترجمہ: اگر کوئی شخص یوں کہے کہ اس بات پر اللہ و رسول گواہ ہیں تو کافر ہو جائے گا (کیونکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب سمجھا) اللہ کے اولیاء کسی غیر موجود چیز کو وجود عطاء کرنے اور کسی موجود کو معدوم کر دینے پر قادر نہیں ہیں۔ پس وجود دینے نہ دینے، رزق یا اولاد دینے اور مصیبت اور بیماری کے ہٹانے وغیرہ کی نسبت ان کی طرف کرنا کفر ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محمد ﷺ (آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے بھی نہ نفع کا مالک ہوں نہ نقصان کا مگر جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے)۔

آگے چل کر قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ پانی پتی ارشاد الطالبین کے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں۔

"دعاء از اولیائے مردگان یا زندگان واز أنبیاء جائز نیست. رسول خدا فرمود صلی الله علیه

ترجمہ: فوت شدہ یا زندہ بزرگوں سے اور انبیاء علیہم السلام سے دعائیں مانگنا جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "دعا

① الفتح الربانی، ص: ۲۸۴ – ۲۸۵، مجلس ۶۱
② ارشاد الطالبین، ص: ۱۸
ـہ سورۃ الأعراف: ۱۸۸

وسلم " الدعاء مخ العبادة" یعنی دعاء خواستن از خدا عبادت است. پستر این آیت خواند "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ "۔ آنچه جهال میگویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاًلله، یا خواجه شمس الدین پانی پتی شیئاًلله جائز نیست شرک وکفر است. ①

عبادت کا مغز ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ''اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں سنوں گا بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں ذلیل وخوار ہوکر داخل ہوں گے'' اور جو جاہل لوگ کہتے ہیں ''یا شیخ عبدالقادر شیئًا للہ......یعنی اللہ کے واسطے کچھ دو یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئًا للہ...... جائز نہیں بلکہ شرک وکفر ہے۔

تیسرا مغالطہ:

یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہ بسا اوقات اپنی رعیت کے نفع اور اس کے ساتھ احسان وانعام اور شفقت ورحم کرنے کا ارادہ بغیر کسی خارجی تحریک وتوجہ دلانے کے نہیں رکھتے اور پھر جب وہ خارج والا محرک بادشاہ سے مل کر اس کو رعیت کے بارے میں نصیحت کرتا ہے اور اس کی تعظیم بجالاتا ہے یا کوئی دلالت کرنے والا بادشاہ کو رعیت کی طرف اس طرح متوجہ کرتا ہے کہ بادشاہ خوف ورجاء کے میدان میں پہنچ جاتا ہے تو اس وقت بادشاہ کی ہمت وارادہ اپنی رعیت کے مسائل وحاجات کے پورا کرنے پر آمادہ وتیار ہوجاتی ہے، یا بسبب اس رقت ونرمی کے جو بادشاہ کے دل میں بوجہ نصیحت کرنے والے کی نصیحت کے پیدا ہوئی یا پھر اس خوف ورجاء کی وجہ سے جو دلالت کرنے والے کی دلالت سے حاصل ہوئی۔ تو مخلوق سے امیدیں وابستہ رکھنے والوں نے یوں سمجھ لیا کہ جس طرح شاہان دنیا بغیر کسی خارجی محرک کے اپنی رعایا کے مطالب وحوائج کی طرف توجہ نہیں دیتے تو شاید اللہ تعالیٰ بھی اپنے کسی برگزیدہ بندہ کی تحریک وتوجیہ کے بغیر اپنی مخلوق پر رحم وشفقت نہیں فرماتے اور ان کے مقاصد وحاجات کو پورا نہیں کرتے۔

ازالۂ مغالطہ: لیکن درحقیقت مشرکوں کا خالقِ ارض وسماء کو مخلوق کے ساتھ اس طرح قیاس کرنا پہلے قیاسوں سے کہیں بدتر اور کئی وجوہ سے باطل ہے۔

الف: شاہانِ دنیا میں چونکہ مادۂ رحم وشفقت کی نقص وکمی ہوتی ہے اس لئے ان کو کسی خارجی محرک وموجّہ کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ اس محرِک وموجّہ کی تحریک وتوجیہ کی وجہ سے ان کے قلوب میں رقت ونرمی پیدا ہو اور اپنی رعایا کی طرف شفقت و مہربانی کے ساتھ متوجہ ہوجائیں اور اس کے برعکس اللہ تعالیٰ تو ارحم الراحمین ہے بھلا اس ذات کو کسی خارجی تحریک وتوجیہ

---

① ارشاد الطالبین، ص: ۱۸
ـ سورة المؤمن: ۶۰



کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کہ جس نے اپنی مخلوقات کے دلوں میں رحم وشفقت کا مادہ پیدا کیا ہے جو کہ ایک دوسرے کے ساتھ رحم کھاتے ہیں، شفقت ومہربانی کرتے ہیں۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

عن الزهری أخبرنا سعید بن المسیب أن أباهریرة قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول جعل الله الرحمة مائة جزءٍ فأمسک عنده تسعة وتسعین جزءً وأنزل فی الأرض جزءً واحداً فمن ذلک الجزء یتراحم الخلق حتی ترفع الفرس حافرها عن ولدها خشیة أن تصیبه .① (صحیح بخاری ومسلم)

ترجمہ: زہری کہتے ہیں کہ ہمیں سعید بن المسیب نے بتایا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے بنائے ہیں اور ننانوے اپنے پاس محفوظ کیے ہیں صرف ایک حصہ زمین پر اتارا ہے، پس اسی حصہ سے مخلوق آپس میں رحم وشفقت کرتے ہیں، یہاں تک کہ گھوڑا اپنے بچہ سے سم (پاؤں) اٹھا کر رکھتا ہے ڈرتے ہوئے کہ کہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

ب: ہر شخص کو اپنے ارادے کے خلاف مُکرَہ ومجبور کیا جاسکتا ہے مگر ایک واحد ذات ہے رب العالمین کی جس کو ساری کائنات میں کوئی بھی شخص اپنے ارادے کے خلاف مُکرَہ ومجبور نہیں کرسکتا، جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

﴿وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ ②

ترجمہ: اور اللہ (جو چاہتا ہے) وہ حکم دیتا ہے اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں جو فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کردیا تو بعد میں کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کو نہ زور وطاقت کے ذریعہ سے ٹھکرا کر واپس کرسکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو اپنے ارادہ کے خلاف پر مُکرَہ ومجبور کرکے منواسکتا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں اس طرح آیا ہے:

عن أبی هریرة قال: قال النبی ﷺ: لایقولن أحدکم اللهم اغفرلی إن شئت، اللهم ارحمنی إن شئت لیعزم المسالة فانّه لامُكْرِهَ لَهُ .③(صحیح بخاری ومسلم)

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دعا میں اس طرح نہ کہو کہ: اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے معاف فرما، اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما، دعا میں عزم

① رواہ البخاری، کتاب الأدب، باب جعل الله الرحمة مائة جزء./مسلم، کتاب التوبة، باب فی سعة رحمة الله وأنها سبقت غضبه.
② سورہ الرعد: ۴۱
③ رواہ البخاری، کتاب الدعوات، باب لیعزم المسألة فإنه لامکره له واللفظ له/ مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة، باب العزم فی الدعاء ولا یقل ان شئت.



وپختگی اختیار کرو، بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرنے والے ہیں اس کو مُکْرِہ و مجبور کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

اور یہ بات اچھی طرح یادرکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے وہ نیک وصالح بندے اور برگزیدہ ہستیاں جیسے انبیاء وملائکہ وغیرہم جو کہ قیامت کے دن میدانِ محشر میں دوسرے گنہگار بندوں کی شفاعت وسفارش کریں گے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت ورضامندی کے بعد ہی کریں گے، کیونکہ کوئی بھی شخص کسی دوسرے کی شفاعت وسفارش کو اللہ تعالیٰ کی مرضی واجازت کے بغیر نہیں کرسکے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئاً إِلَّا مِن بَعْدِ أَن يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَى ﴾ ①

ترجمہ: آسمانوں میں کتنے ایسے فرشتے ہیں ان کی سفارش کچھ کام نہیں آسکتی مگر ہاں اللہ جس کے لئے چاہے حکم دے اور اس کی مرضی ہو تو (یہ اور بات ہے)

اور فرمایا:

﴿ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ﴾ ②

ترجمہ: (بغیر) اس کے حکم کے کون اس کے پاس سفارش کرسکتا ہے۔

اور فرمایا:

﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى ﴾ ③

ترجمہ: اور وہ (فرشتے) کسی کی سفارش نہیں کرسکتے مگر جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو۔

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ۝ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ﴾ ④

ترجمہ: (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ دیں تم جن کو اللہ کے سوا (معبود) سمجھتے ہو بھلا ان کو پکارو تو سہی (وہ قحط میں کچھ کام آتے ہیں) ان کو تو ایک ذرہ برابر بھی اختیار نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں اور نہ آسمان اور زمین (کے بنانے) میں

---

① سورة النجم: ٢٦
② سورة البقرة: ٢٥٥
③ سورة الأنبياء: ٢٨
④ سورة سبا: ٢٢-٢٣



ان کا کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

اور اللہ کے پاس سفارش کام نہیں آتی مگر جس کو وہ حکم (اجازت) دے۔

ان آیات کے مجموعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ ہر وہ ہستی کہ جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا پکارا جائے شفیع و سفارشی سمجھ کر جو کہ نہ وہ ہستی اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں کسی چیز کی مالک ہے، نہ اس کی حکومت میں شریک ہے اور نہ اس کی معاون و مساعد ہے تو اس کی شفاعت و سفارش اللہ تعالیٰ کی اجازت و مرضی کے بغیر بیکار ہے۔

جس سے صاف ظاہر ہوا کہ کوئی بھی ہستی چاہے وہ نبی ہو یا ولی جن ہو یا فرشتہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مرضی کے خلاف نہیں منوا سکتا۔

یہ تو ہوئی اللہ تعالیٰ کی شان، تو اس کے برعکس شاہانِ دنیا کو ان کے ارادہ و مرضی کے خلاف مُکرَہ و مجبور کیا جا سکتا ہے کیونکہ شاہانِ دنیا کے ہاں جو سفارشی ہیں وہ یا تو خود حکومت میں کسی حصے کے مالک ہوتے ہیں، یا ساری سلطنت شاہی میں شریک ہوتے ہیں، یا تو حفاظتِ حکومت میں بادشاہ کے قریب و نزدیک یہ معاون و مشیر کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے یہ حضرات بادشاہ سے اجازت لئے بغیر ہی سفارش کر سکتے ہیں اور پھر بادشاہ ان کی سفارشات اپنی مرضی کے خلاف قبول و منظور بھی کر لیتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بادشاہ کو اپنے ان سفارشیوں کی کبھی کبھی احتیاج (ضرورت) پڑ جاتی اور کبھی کبھی ان سے خوف و ہراس کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی ان کے احسان و انعام کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے تو ان وجوہات کی بناء پر بادشاہ مُکرَہ و مجبور ہو کر اپنی مرضی کے خلاف بھی ان سفارشیوں کی بات مان لیتا ہے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کبھی کبھی مجبور ہو کر اپنے بیٹے، بیوی اور غلام و نوکر کی بات اپنی مرضی کے خلاف بھی مان لیتا ہے کیونکہ بادشاہ جانتا ہے کہ اگر میں نے اپنے بیٹے کی سفارش نہ مانی تو وہ فوج میں رخنے ڈال کر یا کوئی اور سازش کر کے میرے خلاف بغاوت کر کے انقلاب لا سکتا ہے، اگر اپنی بیوی کی سفارش نہیں مانی تو وہ مجھ سے ناراض ہو کر میرے کھانے میں زہر ڈال کر مجھے مروا سکتی ہے اور اسی طرح اگر میں نے اپنے غلام کی سفارش نہ مانی تو وہ بھی ناراض ہو کر میری اطاعت سے نکل جائے گا یا میرے خلاف کوئی نہ کوئی سازش کر کے مجھے نقصان دے سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر کچھ گفتگو دوسرے باب میں شفاعت کی بحث میں گزر چکی ہے۔ وہاں پر مراجعت کریں۔

ج: یہ بات بخوبی ذہن نشین کر لیں کہ مخلوقات کی جتنی سفارشات ایک دوسرے کے حق میں ہیں ان سب کا دارومدار دو چیزوں پر ہے۔ اور وہ ہیں رغبت اور رہبت۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی سفارش قبول و منظور نہیں کرتا جب تک وہ اس سفارش کرنے والے سے ان دونوں چیزوں یا ان میں سے کسی ایک کو مدنظر نہ رکھے کہ یا تو مشفوع الیہ اس شافع کی

طرف محتاج ہو کر اس سے کسی چیز کی امید رکھتا ہے یا خوف زدہ ہو کر اس سے ڈرتا ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں جس طرح مخلوق میں اکمل طریقہ سے موجود ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں بدرجہ اتم مفقود ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ کسی کا محتاج ہو کر اس سے کوئی امید رکھتا ہے اور نہ ہی کسی کی گرفت سے خوف زدہ ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی کی سفارش قبول و منظور فرماتا ہے تو یہ محض اس کا فضل و کرم اور رحمت و مہربانی ہے کیونکہ نہ تو اللہ تعالیٰ کو کسی شخص سے کسی چیز کی کوئی امید ہوتی ہے اور نہ ہی اس پر کسی کا کوئی دباؤ ہوتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور اس کو پناہ نہیں دی جاتی۔

﴿ قُلْ مَنۢ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ ①

ترجمہ: اے پیغمبر ان سے پوچھ (بھلا یہ تو بتلاؤ) اگر تم جانتے ہو کہ کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے؟ اور وہ بچا لیتا ہے اور اس (کی پکڑ اور عذاب) سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور وہ کھلایا نہیں جاتا۔

﴿ قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ ﴾ ②

ترجمہ: (اے پیغمبر) ان کافروں سے کہہ دو کیا میں اللہ کے سوا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور کسی (دوسرے) کو اپنا معبود بناؤں اور وہ (اللہ سب کو) کھلاتا ہے اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔ کہہ دیجئے مجھ کو تو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے (اللہ کا) حکم مانوں......''

ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے۔

﴿ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ ﴾ ③

ترجمہ: اور اللہ تو بے پرواہ ہے اور تم ہی محتاج ہو۔

ساری مخلوق مغلوب اور وہ سب پر غالب ہے۔

﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴾ ④

ترجمہ: اور وہ زبردست (غالب) ہے اپنے بندوں کے اوپر اور وہ حکمت والا خبردار ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ ساری مخلوقات کو تباہ و برباد کر دے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

---

① سورة المؤمنون: ۸۸
② سورة الأنعام: ۱۴
③ سورة محمد: ۳۸
④ سورة الأنعام: ۱۸

﴿قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئاً إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ①

(اے پیغمبر) کہہ دیجئے اگر اللہ تعالیٰ مریم کے بیٹے مسیح اور اس کی ماں اور زمین پر جتنے لوگ ہیں سب کو تباہ کرنا چاہے تو اس کے سامنے کسی کی کچھ چل سکتی ہے؟ اور اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہت ہے آسمانوں اور زمین اور ان کے بیچ کی وہ جو چاہتا ہے بناتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتا ہے۔

اور وہ جس کو ہلاک و برباد کردے تو وہ اس کے بدلۂ انتقام سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔

﴿فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ○ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا﴾ ②

آخر ان کے مالک نے ان کے گناہ پر (بسبب گناہ کے) ان کو الٹ مارا، پھر ان کو پورا غارت کردیا اور اس کو ڈر نہیں کہ ان کا جو انجام ہوا۔

خالقِ کائنات کو دنیوی بادشاہوں پر قیاس کرنے والوں کے مذکورہ قیاسات کی تینوں وجوہات کو باطل قرار دیتے ہوئے امام ابن تیمیہ اور علامہ حمد بن ناصر الحنبلی رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

فإن الوسائط التي بين الملوك وبين الناس تكون على أحدو جوه ثلاثة:

بادشاہوں اور لوگوں کے درمیان تعلقات تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ میں منحصر ہوتے ہیں۔ یا تو

إما لإخبارهم عن أحوال الناس بما لايطلعون عليه. ومن قال: إن الله لايطلع على أحوال العباد حتى يخبره بذلك بعض الأنبياء أوغيرهم من الأولياء والصالحين فهو كافر. بل هو سبحانه يعلم السرو أخفى لايخفى عليه خافية في الأرض ولا في السماء

(۱) لوگوں کے حالات کی خبر دینے پر جس پر وہ خود اطلاع نہیں پاسکتے۔ اور جس نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات پر اطلاع نہیں رکھتا حتیٰ کہ بعض انبیاء اس کی خبر دیں یا ان کے علاوہ اولیاء وصالحین تو وہ کافر ہے۔ بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ پوشیدہ ومخفی امور جانتا ہے اور اس پر کوئی شی مخفی نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمانوں میں۔

والثاني: أن يكون الملك عاجزاً عن تدبير رعيته ودفع أعدائه إلا بأعوان يعاونونه فلا بدله من أعوان وأنصار لذله وعجزه. والله سبحانه ليس له ظهير

(۲) یا بادشاہ اپنی رعایا کے امور چلانے سے اور دشمن کو انصار ومعاونین کے بغیر دور کرنے سے عاجز ہو، اس بادشاہ کے لئے انصار ومعاونین کا ہونا کمزوری وعاجزی کی بناء پر ضروری

① سورة المائدة: ۱۷.
② سورة الشمس: ۱۵.

ولا ولی من الذل و کل ما فی الوجود من الأسباب فهو سبحانه ربه و خالقه. فهو الغنی عن کل ماسواه و کل ماسواه فقیر إلیه بخلاف الملوک المحتاجین إلی ظهرائهم وهم فی الحقیقة شرکائهم والله سبحانه لیس له شریک فی الملک بل لا إله إلا الله وحده لاشریک له، له الملک وله الحمد ولهذا لا یشفع عنده أحد إلا بإذنه لا ملک مقرب ولا نبی مرسل فضلا عن غیرهما.

فإن یشفع عنده بغیر إذنه فهو شریک له فی حصول المطلوب أثر فیه الشفاعة حتی یفعل ما یطلب منه والله تعالیٰ لاشریک له بوجه من الوجوه.

الثالث: أن یکون الملک لیس مریدًا النفع لرعیته والإحسان إلیهم إلا بمحرک یحرکه من خارج، فإذا خاطب الملک من ینصحه ویعظمه أومن یدل علیه بحیث یکون یرجوه ویخافه تحرکت إرادة الملک و همته فی قضاء حوائج رعیته. والله تعالیٰ رب کل شیءٍ وملیکه وهو أرحم بعباده من الوالدة بولدها. و کل الأسباب إنما تکون بمشیئته وإرادته فما شاء کان وما لم یشأ لم یکن. وهو سبحانه إذا أراد إجراء نفع العباد بعضهم علی یدبعض جعل هذا یحسن إلی هذا أویدعوله أو یشفع له فهو

ہے۔اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا عدم کمزوری کی وجہ سے کوئی مددگار ودوست نہیں، کائنات میں جتنے بھی اسباب ووسائل ہیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کا رب اور خالق ہے پس وہ اپنے سے ماسوا ہر چیز سے بے پرواہ ہے اور کائنات میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کے محتاج ہیں بخلاف دنیاوی بادشاہوں کے جو اپنے مددگاروں کے محتاج ہوتے ہیں اور وہ درحقیقت بادشاہت میں ان کے شریک ہیں، جبکہ اللہ سبحانہ کا بادشاہت (ملک) میں کوئی شریک نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کیلئے سب تعریفیں ہیں، اسی لئے اس کے ہاں کوئی سفارش نہیں کرسکتا مگر اس کی اجازت سے، نہ تو کوئی مقرب فرشتہ سفارش کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی بھیجا ہوا نبی سفارش کرنے کی جرأت کرتا ہے چہ جائیکہ کوئی ایرا غیرا ہو۔ اگر کوئی اس کے ہاں سفارش اس کی اجازت کے بغیر کرے گا تو وہ حصولِ مطلوب میں اس کا شریک ہوگا اور اس میں سفارش نے اثر کیا حتیٰ کہ اس نے وہ کام کیا جس سے مطلب حاصل ہوا۔اور اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی شریک نہیں کسی بھی وجہ سے۔

(۳) یا یہ کہ بادشاہ خارجی محرک کے بغیر اپنی رعیت کو نہ تو نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے ساتھ کوئی نیکی کرسکتے ہیں۔ اگر بادشاہ کو وہ شخص مخاطب کرے جو اس کو نصیحت کرے اور اس کی تعظیم کرے۔

اس حیثیت سے کہ بادشاہ کو اس سے کوئی امید یا خوف ہو تو پھر بادشاہ کا ارادہ و ہمت حرکت میں آتے ہیں اور اپنی رعایا کی



الذی خلق ذلک کله وهو الذی خلق فی قلب هذا المحسن والداعی إرادة الإحسان و الدعاء والشفاعة ولا یجوز أن یکون فی الوجود من یکرهه علی خلاف مراده أویعلمه مالم یکن یعلم والشفعاء الذین یشفعون عنده لایشفعون إلا بإذنه. ①

حاجات پوری کرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ تو ہر شئی کا رب اور اس کا مالک ہے اور وہ اپنے بندوں پر ماں کے اپنے بچے پر رحم کرنے سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے، اور ہر اسباب صرف اسی کے ارادہ و مشیت کے تابع ہیں جو وہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے نفع و فائدہ کا ارادہ بعض بندوں کے بعض پر احسان کے ذریعہ فرمایا تو یہ آدمی اس پر احسان و نیکی کرتا ہے یا اس کے لئے دعا کرتا ہے یا اس کی سفارش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات تو وہ ہے جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہے اور اسی ذات نے اس احسان و نیکی اور دعا کرنے والے کے دل میں احسان، دعا و سفارش کا ارادہ پیدا کیا ہے اور کائنات میں کسی کی طاقت و جرأت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے ارادہ کے خلاف مجبور و مُکرَہ کر سکے یا اللہ تعالیٰ کو ایسی باتیں بتائے جو اس کو معلوم نہ ہوں۔ جتنے بھی سفارشی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کرتے ہیں تو وہ سب اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

خلاصہ یہ کہ شاہانِ دنیا بسبب احتیاج کے اپنے وزیروں، گورنروں اور معاونین و مشیروں کی سفارشات اپنی مرضی کے خلاف بھی مان لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بسبب عدم احتیاج کے اپنی مرضی کے خلاف کسی بھی شخص کی سفارش قبول نہیں کرتا۔ اسی کی طرف اشارہ کر کے امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

فالشفعاء عند المخلوقین هم شرکاؤهم فإن قیام مصالحهم بهم وهم أعوانهم وأنصارهم الذین قیام أمر الملوک والکبراء بهم، ولو لاهم لما

ترجمہ: مخلوق کے سفارشی تو ان کے شریک ہوتے ہیں ان (مخلوق) کے کاموں کو سرانجام دینا انہی کے ساتھ ممکن ہے کیونکہ وہی ان کے انصار و معاونین ہیں جو بادشاہوں اور اُمراء

① الواسطة بین الحق والخلق ص ۱۸۔۱۹۔۲۰
الفواکه العذاب، ص: ۵۵۔۵۶ واللفظ له

انبسطت أيديهم وألسنتهم في الناس فلحاجتهم إليهم يحتاجون إلى قبول شفاعتهم وإن لم يأذنوا فيها ولم يرضوا عن الشافع لأنهم يخافون إن يردوا شفاعتهم فتنقض طاعتهم لهم ويذهبون إلى غيرهم فلايجدون بدًا من قبول شفاعتهم على الكره والرضى. فأمّا الغني الذي غناه من لوازم ذاته وكل ماسواه فقير إليه بذاته، وكل من في السموات والأرض عبيدله مقهورون بقهره. مصرفون بمشيئته، لوأهلكهم جميعاً لم ينقص من عزه وسلطانه وملكه وربوبيته وإلهيته مثقال ذرة .①

کے کام سرانجام دیتے ہیں اگر یہ (انصار ومعاونین) نہ ہوتے تو بادشاہوں کے ہاتھ اور ان کی زبانیں لوگوں کے اندر نہ پھیلتیں۔ تو (یہ شاہان دنیا) بسبب احتیاج کے لوگوں کی سفارش قبول کرنے پر مجبور ہیں اگر چہ یہ (بادشاہ) شافع کو اجازت نہ دیں اور نہ ہی ان پر راضی ہوں کیوں کہ ان کی سفارش رد کرنے سے اپنی اطاعت ختم ہونے کا خوف ہوتا ہے۔ اور اس بات کا بھی ڈر ہوتا ہے کہ کہیں ہمارے یہ ساتھی دوسروں کے پاس نہ چلے جائیں پس اسی وجہ سے ان کی شفاعت و سفارش خوشی و ناپسندیدگی کے باوجود قبول کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

لیکن وہ ذات جو غنی ہے اور اس کی غنیٰ اس کی ذات کے ساتھ لازم ہے اور باقی جو کچھ بھی ہیں وہ سب اس کی ذات کے محتاج ہیں اور آسمان وزمین میں جو بھی ہے وہ اس کے غلام ہیں اور اس کے غلبہ کے تحت مغلوب ہیں، اس کے مشیت کے تحت ان میں تصرف کیا جاتا ہے۔ اگر وہ (اللہ تعالیٰ) ان تمام مخلوقین کو ہلاک کردے تو اس سے اس کی عزت (غلبہ) وسلطنت، ملک اور ربوبیت والوہیت میں ذرہ برابر بھی نقص نہیں آئے گا۔

خالق اور مخلوق کے درمیان اس طرح کے واسطے ڈھونڈنا جس طرح بادشاہوں کے حاجب ودربان ہوتے ہیں جو کہ عوام الناس اور رعایا کے مسائل و حاجات بادشاہ تک پہنچادیتے ہیں تو بعینہ اولیاء وصالحین اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے لوگوں کی حاجات اور مسائل اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق وروزی اور فوائد ومنافع کا بندوبست اپنے انہی برگزیدہ بندوں کے واسطے سے کرتا ہے اور ان کے مصائب ومشکلات کو انہی سفارشیوں اور طفیلیوں، شفعاء ووسطاء کے ذریعہ سے ہٹادیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے متعلق اس طرح کا اعتقاد ونظریہ صریح کفر وشرک ہے۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرکے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور علامہ حمد بن ناصر الحنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

① إغاثة اللهفان ج ا ص ۲۳۹...... ۲۴۰.

وإن أثبتم وسائط بين الله وبين خلقه كالحجاب الذين بين الملك ورعيته بحيث يكونون هم يرفعون إلى الله حوائج خلقه. فالله إنما يهدى عباده ويرزقهم بتوسطهم. فالخلق يسألونهم وهم يسألون الله كما أن الوسائط عند الملوك يسألون الملوك الحوائج للناس لقربهم منهم والناس يسألونهم أدباً منهم أن يباشروا سؤال الملك أولأن طلبهم من الوسائط أنفع لهم من طلبهم من الملوك لكونهم أقرب إلى الملك من الطالب للحوائج. فمن أثبتهم وسائط على هذا الوجه فهو كافر مشرك يجب أن يستتاب فإن تاب وإلا قتل.①

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطے ثابت کرو جس طرح کہ بادشاہ اور رعایا کے درمیان حجاب و پردہ ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ واسطے اللہ تعالیٰ کے ہاں مخلوق کی حاجات پیش کریں تو اللہ تعالیٰ بھی بندوں کو ہدایت اور رزق انہی کے واسطے سے دیتا ہے، پس مخلوق ان واسطہ رکھنے والوں سے مانگتے ہیں اور یہ واسطہ رکھنے والے اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں جیسے بادشاہوں نے دربان و داروغے رکھے ہوئے ہیں کہ وہ بادشاہ سے قرب کی بناء پر لوگوں کے لئے سوال کرتے ہیں اور لوگ ان کا ادب واحترام کرتے ہوئے پھر ان سے ہی سوال کرتے ہیں تا کہ یہ وسائط خود بادشاہ سے سوال کر لیں۔ یا پھر لوگ وسائط سے اس لئے سوال کر لیتے ہیں کہ ان کے ذریعہ لوگوں کو بادشاہ سے مانگنے کی بنسبت زیادہ فائد ہوجاتا ہے کیونکہ یہ لوگ (وسائط) طالب حاجت کی نسبت بادشاہ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ تو جس شخص نے ان لوگوں (برگزیدہ بندوں) کو اللہ تعالیٰ کا اس طرح کا واسطہ ثابت کیا تو وہ کافر، مشرک ہے اس کے ذمے توبہ کرنا واجب ہے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

① مجموع فتاوی ابن تیمیه، ج: ۱۱ ص ۱۲۶ واللفظ له/ الفواکه العذاب، ص: ۴۱......۴۲.



ہماری سنتا نہیں بزرگوں کی رد کرتا نہیں

جیسا کہ ہم پہلے کئی بار کہہ چکے ہیں کہ لوگوں کو توحید رب العالمین سے ہٹانے اور شرک وبدعات کی لعنت میں مبتلا کرنے کے لئے شیطان کے پاس مختلف قسم کے ہتھیار ہیں جو کہ وہ انہی مختلف نوعیت کے ہتھیاروں سے ہر طبقہ کے لوگوں کو خود انہی کی حیثیت کے مطابق گمراہ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے ہٹا کر قبروں کے پجاری بنانے کے لئے شیطان کے ان کثیر التعداد اور مختلف الأنواع ہتھیاروں میں سے ایک ''ہماری سنتا نہیں بزرگوں کی رد کرتا نہیں'' والا شبہ ہے کہ جس نے اکثر اہل ارض کو اپنی لپیٹ میں لے کر تباہ وبرباد کر کے جہنم کا ایندھن بنا دیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ شیطان نہایت محسنانہ اور ناصحانہ انداز میں لوگوں کے پاس آ کر کہتا ہے کہ لوگو! تم بہت ہی فاسق وفاجر اور مجرم وگنہگار ہو، تو تمہارے ان ذنوب ومعاصی اور جرائم ومنکرات کے ارتکاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو براہِ راست نہیں سنتا اور تمہاری دعاؤں کو قبول نہیں کرتا تو صاف ظاہر ہے کہ اگر تم ان گناہوں کے ہوتے ہوئے مر گئے تو جہنم کے سوا تمہارے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں تو یہ انجام یقیناً لوگوں اور بالخصوص بڑے گنہگاروں کے لئے پریشان کن ہوگا۔

اس کے بعد ڈاکٹر وحکیم بن کر شیطان لوگوں کو اس کا علاج بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ گنہگارو! اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے تو اس کا واحد علاج یہ ہے کہ جیسا کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے مقرب اور برگزیدہ بندے دنیا میں ہو گزرے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا قرب اور جاہ ومنزلت حاصل ہے جیسے انبیاء واولیاء ہیں اور اسی طرح ملائکہ ہیں جو کہ وہ بھی انہیں مذکورین کی طرح مقرب بارگاہ الٰہی ہیں کہ جن کی ہر بات اللہ تعالیٰ سن کر قبول کر لیتا ہے اور ان کی کسی بات کو بھی رد نہیں کرتا۔ تو چونکہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہاری دعاؤں کو براہِ راست نہیں سنتا اور اس قرب وجاہ ومنزلت کی وجہ سے ان بزرگوں کی باتوں (دعاؤں) کو رد نہیں کرتا، اس لئے تم اپنے مصائب ومشکلات اور مطالب وحاجات کو لے کر ان بزرگوں کے سامنے رکھو تو وہی تمہارے ان مصائب ومشکلات اور مطالب وحاجات کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کر کے اس سے حل کروائیں گے۔ چنانچہ اس ایحاءِ شیطانی پر ایمان لا کر مشرک وبت پرست لوگ کہتے ہیں کہ ہاں! واقعی گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہماری باتوں کو نہیں سنتا اور قرب ووقار اور جاہ ومنزلت کی وجہ سے ان بزرگوں کی باتوں کو رد نہیں کرتا۔ اس لئے ہمیں اللہ تعالیٰ سے اپنے مطالب وحاجات کے منوانے اور اپنے ان تباہ کنندہ ذنوب ومعاصی اور جرائم ومنکرات کے مٹانے اور معاف کروانے کے لئے ان بزرگوں کے واسطہ ووسیلہ کی ضرورت پڑے گی۔

آپ یقین جانیں خود میرا کئی مرتبہ قبر پرستوں سے مباحثہ ومناظرہ ہوا ہے تو انہوں نے صاف اور واضح الفاظ میں یہی شبہ

پیش کیا کہ عبدالغفور! آپ کیا کہتے ہیں؟ ہم اتنے گنہگار ہیں کہ ہمارے ان کمائے ہوئے جرائم و معاصی کو اگر ان مضبوط پہاڑوں پر رکھ دیا جائے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں، تو اب بتایئے کہ ان جرائم کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں، التجاؤں اور فریادوزاریوں کو براہِ راست کیسے سنے گا؟ بلکہ ہمیں اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے ان کے مقرب اور برگزیدہ بندوں کے واسطے ووسیلے کی ضرورت پڑے گی۔

مسلمانو! یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ ہندو، بدھ مت اور دنیا کے سارے مشرک اقوام اور بت پرست اسی شبہ کے شکار ہیں، اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ہمارا ان بتوں کی عبادت کرنا یہ ہمیں اللہ کے قریب کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول یوں نقل کیا ہے:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى ﴾ ①

ترجمہ: (ہم ان کو الٰہ سمجھ کر نہیں پوجتے) ہم تو ان کو بس اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کے نزدیک کردیں۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

﴿ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ﴾ ②

اور کہتے ہیں اللہ کے پاس یہ ہمارے سفارشی ہیں۔

ان آیات میں اسی شبہ کا بیان ہے۔

اللہ اکبر! شیطان کے اس حربہ نے اکثر اہل ارض کو کافر ومشرک بنا کر جہنم کو بھر دیا ہے اور اس کے اس حربہ سے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے سوا کوئی نہیں بچا۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ ③

اور ابلیس نے اپنا گمان ان پر سچ کر دکھایا وہ اس کے کہنے میں آ گئے مگر ایک گروہ ایمان والوں کا (ابلیس کے شر سے بچا رہا)۔

اور فرمایا:

﴿ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴾ ④

ترجمہ: وہ (ابلیس) بولا تیری عزت کی قسم اب تو میں سب آدمیوں کو گمراہ کردوں گا مگر جو ان میں خالص تیرے بندے ہوں گے۔

---

① سورة الزمر: ۳
② سورة یونس: ۱۸
③ سورة سبأ: ۲۰
④ سورة ص: ۸۲-۸۳

اسی طرح کرتے کرتے شیطان اکثر اہل ارض کو خالق کی عبادت سے ہٹا کر مخلوق کا عابد بنا کر جہنم میں منہ کے بل پھینک دیتا ہے۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴾ ①　　ترجمہ: اور اکثر لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں مگر (پھر بھی) شرک کرتے ہیں۔

کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا:

نار دوزخ کے ارادے ٹھن گئے　　جو کوئی بندوں کے بندے بن گئے۔ ②

اس مسئلہ پر کچھ گفتگو باب اصنام میں پہلے ہو چکی ہے وہاں پر مراجعت کریں۔ یہاں پر صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جہاں پر اللہ تعالیٰ اپنے نیک وصالح اور مقرب بندوں کی دعا وفریاد سنتا ہے اگر چاہے تو اس پر کاروائی کر لیتا ہے تو وہاں وہ اپنے عاصی و گنہگار بندوں کی دعا وفریاد بھی سنتا ہے اور چاہے تو اس پر بھی کاروائی کر لیتا ہے۔ سنتا تو سب کی ہے باقی رہا اس کو قبول کرنا سو وہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ کس کی دعا قبول کرنی ہے اور کس کی قبول نہیں کرنی۔

جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے عاصی و گنہگار بندوں کی دعاؤں کو قبول کرنے پر مجبور نہیں اسی طرح وہ اپنے نیک وصالح اور مقرب بندوں کی دعاؤں کو قبول کرنے پر بھی مجبور نہیں۔

مسلمانو! یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر کے خوب سمجھ لو، کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان رابطہ بالکل ڈائرکٹ ہے ہر کوئی شخص جب بھی چاہے اپنے عرض ومعروض کو بغیر کسی دوسرے کے واسطہ کے اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کر سکتا ہے۔ تعجب کی بات ہے: لوگ تو کہتے ہیں کہ ہم بہت بڑے گنہگار ہیں تو گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہماری باتیں نہیں سنتا اور ہمارے مطالب وحاجات کو پورا نہیں کرتا اس لئے ہمیں اپنی دعاؤں، التجاؤں اور مطالب وحاجات کے منوانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نیک و صالح اور مقرب بندوں کے واسطوں کی ضرورت ہے۔

یا سلام! کیسا اندھا پن اور گندی تجویز ہے لوگوں کی۔ جو اشخاص کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ومعزز ہیں تو وہ ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دامن میں موجود ہیں۔ یا تو بالکل ہی معصوم ہیں جیسے: انبیاء علیہم السلام یا پھر تھوڑے اور معمولی سے گناہوں کے مرتکب ہیں، جیسے: عام اولیاء وصالحین ہیں۔ تو یہ پہلے سے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی لپیٹ میں ہیں، بغیر کچھ مانگنے کے ہر آن وہر لحظہ حسب درجات اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر برستی رہتی ہے، ان کی تو یہ حالت ہے۔

---

① سورۃ یوسف: ۱۰۶
② ٹھن گئے: یعنی پختہ ہو گئے



رحمتِ الٰہی کا اصل مزہ تو تب ہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے بڑے مجرموں اور گنہگاروں کی دعاؤں اور التجاؤں کو سن کر ان کے جرائم و گناہوں کو معاف کر دے۔

جب اللہ تعالیٰ گنہگاروں کی باتوں (دعاؤں) کو نہیں سنتا اور ان کی دعاؤں کو قبول کر کے ان کے گناہوں کو معاف نہیں کرتا جیسے کہ بت پرست، قبر پرست اور مشرکوں کا کہنا ہے تو بتائیے:

﴿ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ ①

ترجمہ: اور میری مہربانی (رحمت) تو ہر چیز پر (آدمی، جانور، درخت، پتھر سب پر) وسیع ہے؟

پھر کس کیلئے ہے؟

یہ تو لوگوں کا کہنا ہے کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہماری باتوں کو براہِ راست نہیں سنتا اور ہمارے گناہوں کو معاف نہیں کرتا۔

اب ہم قرآنِ کریم سے پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ گنہگاروں کی باتوں کو براہِ راست سن کر ان کے گناہوں کو معاف نہیں کرتا یا کہیں دوسرے مقرب و معزز بندوں کے واسطوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے؟

سو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندہ کی دعا خواہ وہ کتنا ہی مجرم و گنہگار ہو براہِ راست سنتا ہے اور اس کے گناہ کو معاف کر دیتا ہے اگرچہ یہ اُس پر واجب نہیں بلکہ یہ محض اس کا فضل و کرم اور رحمت و مہربانی ہے۔

اب قرآن کا فیصلہ سن لیں:

﴿ وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴾ ②

ترجمہ: اور جو کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہے، تو اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔

اب دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بھی شخص گناہ کرے پھر گناہ کو متعین و مشخص بھی نہیں کیا کہ کتنا اور کس نوعیت کا ہو بلکہ گناہ کو مطلق چھوڑ دیا کہ گناہ خواہ قتل ہو، زنا ہو، چوری ہو یا ڈاکہ زنی وغیرہ ہو، خواہ کچھ بھی ہو۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس گناہ سے معافی مانگنے کو کسی دوسرے مقرب بندے کے واسطہ و وسیلہ کے ساتھ مشروط بھی نہیں کیا کہ یہ مجرم و گنہگار کہیں جا کر اللہ تعالیٰ کے کسی مقرب محبوب بندے کی احسان مندی اور منت کشی کر کے اس کے ذریعہ و واسطہ سے دعاء کروائے تب میں اس کے گناہ معاف کروں گا۔ نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا:

---

① سورة الاعراف: ١٥٦.

② سورة النساء: ١١٠.

"ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللهَ" اس"یستغفر" کا فاعل وہی ہے جو"من یعمل سوء" میں"یعمل" کا ہے۔یعنی"یستغفر" کا فاعل ضمیر"ھو" ہے جوکہ"مَن"کی طرف لوٹتی ہے۔جس کا معنی یہ ہے کہ گناہ کرنے کے بعد پھر یہی مجرم وگنہگار براہِ راست مجھ سے اپنے اس ارتکاب کیے ہوئے گناہ کی معافی مانگے تو میں اس کے گناہ کو معاف کردوں گا۔

اسی لئے"يَسْتَغْفِرِ اللهَ" کے بعد فرمایا:"يَجِدِ اللهَ غَفُوْراً رَّحِيماً"

اوراسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں آسمان اول پر نزول فرما کر یہ اعلان فرماتا ہے کہ ہے کوئی سائل کہ میں اس کو دوں، ہے کوئی گناہوں کی معافی مانگنے والا کہ میں اس کے گناہوں کو معاف کروں؟

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ينزل ربنا تبارك وتعالىٰ كلَّ ليلة إلى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر يقول:

من يدعوني فاستجيب له من يسألني فاعطيه من يستغفرني فاغفر له .[1] (صحيح بخاری)

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا پروردگار تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا پر تشریف لاتا ہے جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اور فرماتا ہے: کون مجھ سے دعا کرنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون مجھ سے مانگنے والا ہے کہ میں اس کو دوں، کون مجھ سے گناہوں کی معافی مانگنے والا ہے کہ میں اس کے گناہوں کو بخش دوں۔

اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہورہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کی باتوں اور دعاؤں کو براہِ راست سنتا ہے اور اپنی چاہت کے مطابق کاروائی بھی کرتا ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں کہ مانگنے والا اور استغفار کرنے والا کوئی معصوم ہو یا گنہگار ہو کیونکہ "من یسألنی" "من یدعونی" اور "من یستغفرنی" میں کلمہ "مَن" عام ہے چاہے وہ درخواست دینے، سوال کرنے اور استغفار کرنے والا معصوم ہے یا کوئی گنہگار ہے۔

ایک اور طویل حدیث میں تو بندے کے بار بار گناہ کرنے اور گناہ کی معافی مانگنے اور اللہ تعالیٰ کا اس کو معاف کردینے کا ذکر ہے۔اب ملاحظہ فرمائیں متنِ حدیث۔

سمعت عبدالرحمن بن أبي عمرة قال: سمعت أبا هريرة قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن عبداً أصاب ذنباً وربما قال: أذنب ذنباً،

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک بندہ گناہ کے کام کو پہنچتا ہے، کبھی فرمایا کوئی گناہ کرتا ہے تو کہتا ہے: اے میرے رب میں نے گناہ کرلیا ہے کبھی آپ نے فرمایا میں گناہ کے

[1] رواه البخاري، كتاب التهجد، باب الدعاء في الصلاة من آخر الليل/الترمذي أبواب الدعوات، باب ٨٠/ابو داؤد، كتاب السنة باب في الرؤية.

فقال: ربِّ أذنبت وربما قال: أصبت فاغفرلی، فقال ربّه: أعلم عبدی أن له ربًّا يغفر الذنب ويأخذبه؟ غفرت لعبدی. ثم مكث ماشاء الله ثم أصاب ذنبا أوأذنب ذنباً، فقال: ربِّ أذنبت أو أصبت آخر فاغفره، فقال: أعلم عبدی أن له رباً يغفر الذنب ويأخذبه؟ غفرت لعبدی، ثم مكث ماشاء الله ثم أذنب ذنباً وربما قال: أصاب ذنباً قال: ربِ أصبت أوأذنبت آخَرَ فاغفره لی، فقال: أعلم عبدی أنّ له ربًّا يغفر الذنب ويأخذ به. غفرت لعبدی ثلا ثا فليعمل ماشاء .① (صحیح بخاری)

کام کو پہنچا پس آپ میری مغفرت فرمادیں، تو اس کا رب تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: کیا میرے بندے کو معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو معاف کرتا ہے اور وہ مؤاخذہ (پکڑ) بھی کرتا ہے؟ (تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے): میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا۔

تھوڑی مدت ٹھہرنے کے بعد پھر دوبارہ گناہ کرلیتا ہے تو پھر کہتا ہے: اے میرے رب میں نے گناہ کرلیا ہے یا گناہ کے کام کو پہنچا ہوں دوسری بار پس آپ اس کو معاف فرمادیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا میرے بندے کو علم ہے کہ اس کا کوئی رب ہے اور گناہ معاف کرتا ہے اور مؤاخذہ بھی کرتا ہے؟ (تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا۔ تھوڑی مدت ٹھہرنے کے بعد پھر جب دوبارہ گناہ کرلیتا ہے کبھی فرمایا: گناہ کے کام کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے: اے میرے رب مجھ سے پھر ایک اور گناہ ہوگیا ہے تو آپ میرے اس گناہ کو معاف فرمادیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا میرے بندے کو علم ہے کہ اس کا رب گناہ معاف کرتا ہے اور پکڑ بھی کرتا ہے۔ (تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) میں نے اپنے بندے کو تیسری بار بھی معاف کردیا ہے۔ جو وہ چاہے عمل کرے۔

① رواه البخاری، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ يريدون أن يبدلوا كلام الله...... ﴾



سیدنا امام أبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ توسل بذوات الأشخاص کے سخت مخالف تھے

سیدنا امام أبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ توسل بذوات الأشخاص کے شدت وسختی کے ساتھ مخالف تھے۔ اور آپ کا یہ قول بہت ہی مشہور و معروف ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کی ذات کا واسطہ دے کر اس سے کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو آپ کے بلاواسطہ تلمیذ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس طرح نقل کرتے ہیں۔

عن أبی یوسف عن أبی حنیفة لاینبغی لأحد ان یدعو الله إلا به.①

ترجمہ: آپ نے فرمایا کسی کے لائق نہیں کہ وہ دعا کرے اللہ سے مگر اسی کے ساتھ

اس ''بہ'' والی ضمیر کی تشریح کرتے ہوئے علماء کرام اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء وصفات کی طرف راجع کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی طرح شرح کرتے ہوئے امام ابن قیم اور علامہ شامی رحمہما اللہ لکھتے ہیں:

وقوله: (إلا به) أی بذاته وصفاته وأسمائه.②

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول: (صرف اسی کے ساتھ) یعنی اللہ کی ذات وصفات اور اسماء کے ساتھ مراد ہے۔

مخلوق کے ذریعہ دعاء کے عدم جواز پر سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء کے اقوال کی توجیہ:

سوال: باقی رہی یہ بات کہ سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ ومقلدین (مذہب) اور دوسرے علماء حضرات کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟ (کہ مخلوق کے ذریعہ دعا جائز نہیں) تو کیا یہ حضرات اعمالِ صالحہ کے ذریعہ یا زندہ انبیاء واولیاء کی دعاؤں وغیرہ کے وسیلے کے منکر ہیں؟

الجواب: نہیں ہرگز نہیں! بلکہ ان حضرات کے اس قول کے دو معنیٰ ہیں:

الف۔ ایک یہ کہ خالق کو مخلوق کی قسم دلانا۔

ب۔ دوسرا یہ کہ خالق کو کسی مخلوق کی ذات کا واسطہ دے کر کوئی سوال کیا جائے۔ یہ ہے ان حضرات کے قول کا مطلب جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کے اس قول کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں:

---

① در المختار ج۵ ص ۲۵۴، کتاب الحظر والإباحة.

② اغاثة اللهفان ج ۱ ص ۲۳۵، در المختار ج۵ ص ۵۲۴، کتاب الحظر والإباحة

والذی قاله أبوحنیفة وأصحابه وغیرهم من العلماء من أنه لایجوز أن یسأل الله تعالیٰ بمخلوق: لابحق الأنبیاء ولا غیرذلک یتضمن شیئین کما تقدم.

أحدهما: الإقسام علی الله سبحانه و تعالیٰ به. وهذا منهیٌ عنه عند جماهیر العلماء کما تقدم، کما ینهی أن یقسم علی الله بالکعبة والمشاعر باتفاق العلماء.

والثانی: السؤال به، فهذا یجوّزه طائفة من الناس، ونقل فی ذلک آثار من بعض السلف. وهو موجود فی دعاء کثیر من الناس لکن ماروی عن النبی صلی الله علیه وسلم فی ذلک کله ضعیف بل موضوع ولیس عنه حدیث قد یظن أن لهم فیه حجة إلا حدیث الأعمی الذی علّمه أن یقول: أسالک وأتوجه إلیک بنبیک محمد نبی الرحمة" وحدیث الأعمی لاحجة فیه فانه صریح فی أنه إنما توسل بدعاء النبی صلی الله علیه وسلم وشفاعته.①

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے اہل علم حضرات کا یہ قول: کہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مخلوق کے کسی حق کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے سوال کرے خواہ وہ کوئی نبی ہو یا غیر، دو معنیٰ رکھتا ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

اولاً: یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کی قسم دلانا، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ جمہور علماء دین کے نزدیک یہ ممنوع ہے۔ مثلاً: اس بات سے منع کیا گیا کہ کعبۃ اللہ اور مشعر حرام کی قسم اللہ تعالیٰ کو دلائی جائے۔

ثانیاً: اس کی مخلوق کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا۔ ایک گروہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور اپنے مذہب کی تائید میں اسلاف میں سے بعض کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ اس طرح کے الفاظ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کی دعاؤں میں بھی ملتے ہیں، لیکن اس ضمن میں نبی کریم ﷺ سے جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ سب کی سب ضعیف بلکہ موضوع اور من گھڑت ہیں، آپ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے جس کو یہ لوگ حجت کے طور پر پیش کرتے ہیں، صرف ایک نابینا صحابی کی حدیث ملتی ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے درج ذیل دعا کی تعلیم دی۔ (اے اللہ میں تیرے نبی محمد ﷺ جو کہ نبی رحمت ہیں کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں) لیکن اس مسئلہ میں "حدیث اعمیٰ" ان کو کوئی حجت مہیا نہیں کرتی۔ اس حدیث سے یہ صراحت ہوتی ہے کہ نابینا صحابی نے نبی کریم ﷺ کی دعا اور سفارش کو وسیلہ بنایا تھا۔

اس حدیث پر مزید گفتگو آگے آرہی ہے۔

① التوسل والوسیلة، ص: ۶۳-۶۴



کلمہ ''حق'' کے بارے میں فقہائے احناف کا مسلک

امام ابوالعز الحنفی شارح العقیدۃ الطحاویۃ اور علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ عدم جواز التوسل بذوات الاشخاص کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین کے اقوال یوں نقل کرتے ہیں:

ولهذا قال أبو حنيفة وصاحباه: رضي الله عنهم يكره أن يقول الداعي: أسألك بحق فلان أو بحق أنبيائك ورسلك وبحق البيت الحرام والمشعر الحرام ونحو ذلك.①

ترجمہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے دونوں صاحبین فرماتے ہیں: دعا کرنے والا کسی کے حق (واسطۂ حرمت وعزت) کے ساتھ یا انبیاء ورسولوں کے حق کے ساتھ دعا، کرے یا بحق بیت الحرام اور مشعر الحرام تو یہ مکروہ وحرام ہے۔

فقہاء احناف میں سے صاحب تنویر الأبصار موجودہ وسیلہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وبحق رسلك وأنبيائك وأوليائك.②

اور تیرے رسولوں، تیرے انبیاء اور تیرے اولیاء کے طفیل کے اس طرح کہنا حرام ہے۔

صاحب الدر المختار تنویر الأبصار کے اس قول کی تعلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وكره قوله بحق رسلك وأنبيائك وأوليائك أو بحق البيت لأنه لا حق للخلق على الخالق تعالىٰ.③

ترجمہ: اللہ کو اس کے رسولوں، انبیاء واولیاء اور بیت اللہ کے حق کا واسطہ دینا مکروہ وحرام ہے کیونکہ خالق کے ذمہ مخلوق کا کوئی حق نہیں۔

واسطہ و وسیلہ کے متعلق صاحب ہدایۃ کا عقیدہ

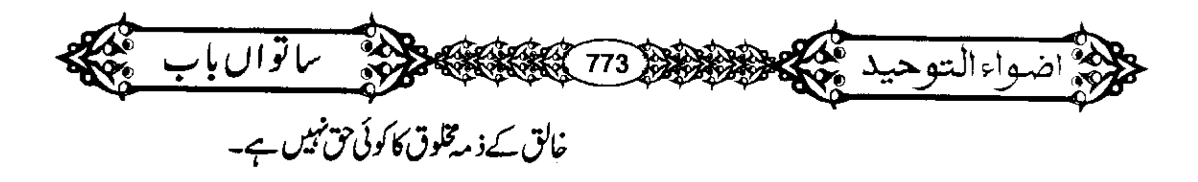
صاحب ہدایہ وسیلہ بذوات الأشخاص کے قائل نہیں ہیں، چنانچہ وہ اپنی مشہور ومعروف کتاب الهدایۃ میں یوں لکھتے ہیں:

ويكره أن يقول في دعائه بحق فلانٍ أو بحق أنبيائك ورسلك لأنه لا حق للمخلوق على الخالق.④

ترجمہ: دعا کرنے والا اپنی دعا میں کسی کے حق کے ساتھ دعا نہ کرے یا وہ یہ کہے کہ اے اللہ تیرے انبیاء اور رسولوں کے حق کے واسطے تجھ سے دعا کرتا ہوں تو یہ سب مکروہ ہے کیونکہ

---

① شرح العقيدة الطحاوية ص: ٢٦٢ واللفظ له/ شرح الفقه الأكبر، ص: ١١٠
② تنوير الأبصار، ج٥ ص: ٢٥٤، كتاب الحظر و الإباحة
③ در المختار، ج٥ ص: ٢٥٤، فصل في البيع
④ الهداية ج٤ ص ٤٧٣، كتاب الكراهية مسائل متفرقة



خالق کے ذمہ مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔

وسیلہ کے باب میں حق و حرمت میں کوئی فرق نہیں ہے

ذوات اشخاص کے ساتھ عام طور پر وسیلہ کے جو کلمات استعمال ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ اطلاق کلمہ ''حق و حرمت'' کا ہوتا ہے اس لئے فقہاء کرام نے تفریق کئے بغیر ان دونوں کلمات پر کراہت کا قول اطلاق کیا ہے۔ چنانچہ فتاوی بزازیہ میں اس طرح آیا ہے۔

ویکرہ أن یقول فی الدعاء بحق فلانٍ وبحق محمد لأنہ لاحق لأحد علی اللہ تعالیٰ وفی بعض النسخ قال: لاینبغی أن یقول بلا ذکر لفظ الکراھیة ویقول: مکان الحق الحرمة أی بحرمة محمد علیہ السلام. ①

ترجمہ: مکروہ ہے دعاء کرنے والے کے لئے کہ وہ کہے بحق فلان اور بحق محمد ﷺ کیونکہ کسی کا کوئی حق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہیں ہے، بعض نسخوں کے الفاظ یہ ہیں: کہ نہیں لائق کراھیة کے لفظ کے بغیر کہ وہ (حق کی جگہ حرمت) کے الفاظ استعمال کرے یعنی وہ کہے محمد ﷺ کی حرمت کے ساتھ۔

فقھاء کے کلام میں کراھت کا اطلاق بغیر کسی تقیید کے کراھت تحریمی کے لئے ھوتا ھے۔

یہ بات اچھی طرح سے یادرکھیں کہ فقہاء کرام کے کلام میں جہاں بھی لفظ کراہت کا اطلاق بغیر کسی تقیید کے ہوگا تو اس کراہت سے کراہت تحریمی ہی مراد ہوگی۔ اب اس پر فقہاء کرام کے اقوال ملاحظہ ہوں:

کل مکروہ حرام عند محمد وعندھما إلی الحرام أقرب. ②

ہر مکروہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک حرام کے معنی میں ہے اور ان دونوں (ابوحنیفہ وابو یوسف) کے نزدیک حرام کے زیادہ قریب ہے۔

تنویر الأبصار کی اس ''کل مکروہ'' والی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے صاحب در المختار لکھتے ہیں:

أی کراھة تحریم. ③

یعنی کراہت سے تحریم مراد ہے۔

---

① فتاوی البزازیة علی حاشیة العالمکیریة ج٦ ص ٣٥١، کتاب الکراھیة.
② تنویر الأبصار ج٥ ص: ٢١٤، کتاب الحظر والإباحة.
③ درالمختار ج٥ ص ٢١٤، کتاب الحظر والإباحة.

جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ فقہاء کرام کے کلام میں جہاں بھی لفظ کراہت کا اطلاق بغیر تحریم وتنزیہ کی قید کے ہوگا تو اس کراہت سے کراہت تحریم ہی مراد ہوگا۔

چنانچہ صاحب درالمختار لکھتے ہیں:

وهی المرادة عند الإطلاق. ①

اور یہی (کراہت تحریم) ہی اس سے مراد ہے۔ جب مطلق طور پر ذکر کیا جائے۔

خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جہاں کہیں بھی لفظ کراہت کا اطلاق بغیر کسی تقیید کے ہوگا تو اس سے کراہت تحریم ہی مراد ہوگا۔ چنانچہ امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے واسطہ سے سیدنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں۔

وأیده شارحه ابن أمیر حاج بما ذکره محمد فی المبسوط أن أبا یوسف قال لأبی حنیفة: إذا قلت فی شیء: أکره فما رأیک فیه؟ قال: التحریم. ②

ترجمہ: اور شارح ابن امیر حاج نے تائید کی ہے جو امام محمد رحمہ اللہ نے المبسوط میں ذکر کیا ہے کہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ جب آپ کسی شی میں کراہت کا ذکر کریں تو اس سے آپ کی کیا رائے ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا تحریم کی۔

آیت " وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ " سے غلط استدلال

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ③

ترجمہ: مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس تک (پہنچنے کا) وسیلہ ڈھونڈو اور دین کے دشمنوں سے اس کی راہ میں (یعنی رضا مندی کے لئے) لڑو تا کہ تم مراد کو پہنچو۔

بعض لوگوں نے مذکورہ آیت سے غلط استدلال لے کر اللہ تعالیٰ کو اپنے مقرب بندوں کی قسم دلانے اور فوت شدگان وغائبین کی مدد ونصرت طلب کرنے کو جائز ومشروع سمجھا حالانکہ آیت کا ان لوگوں کے اس طرح کے عقیدہ سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اب ہم مذکورہ آیت کی تفسیر مفسرین حضرات کے اقوال سے نقل کریں گے۔

---

① در المختار ج۵ ص ۲۱۴/ کتاب الحظر والإباحة۔

② در المختار ج۵ ص: ۲۱۴، کتاب الحظر والإباحة

③ سورة المائدة: ۳۵

واستدل بعض الناس بهذه الآية على مشروعية الإستغاثة بالصالحين وجعلهم وسيلة بين الله تعالىٰ وبين العباد. والقسم على الله بهم بأن يقال: اللهم إنا نقسم عليک بفلان أن تعطينا كذا ومنهم من يقول للغائب أو الميت من عباد الله تعالىٰ الصالحين: يا فلان ادع الله تعالىٰ ليرزقني كذا وكذا ويزعمون أن ذلک من باب ابتغاء الوسيلة ويروون عن النبي صلى الله عليه وسلم. أنه قال: إذا أعيَتْكم الأمور فعليكم بأهل القبور أوفا ستغيثوا بأهل القبور وكل ذلک بعيد عن الحق بمراحل.

وتحقيق الكلام في هذا المقام لأن الاستغاثة بمخلوق وجعله وسيلة بمعنى طلب الدعاء منه لاشک في جوازه إن كان المطلوب منه حياً ولا يتوقف على أفضليته من الطالب بل قد يطالب الفاضل من المفضول.

فقد صح أنه صلى الله عليه وسلم قال لعمر رضي الله عنه لما استأذنه في العمرة: لاتنسانا يا أخي من دعائک، وأمره أيضاً أن يطلب من أويس القرني رحمه الله تعالىٰ عليه أن يستغفر له. وأمر أمته صلى الله عليه وسلم بطلب الوسيلة كما مر آنفاً وبان يصلوا عليه. وأما إذا كان المطلوب ميتاً أو غائبا فلا يستريب عالم أنه غير جائز وأنه من البدع التي لم يفعلها أحد من السلف. نعم! السلام على أهل

بعض لوگوں نے اس آیت (آیت وسیلہ) سے نیک لوگوں سے مدد مانگنے کے جواز پر استدلال کیا ہے اور ان نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان وسیلہ و واسطہ بنایا ہے اور اللہ پر ان کے ساتھ قسم اٹھانے کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ کہ اے اللہ ہم آپ کو فلاں کی قسم دیتے ہیں کہ آپ ہم کو فلانی شئ عطا کر۔ اور ان میں سے بعض لوگ غائبین یا فوت شدگان میں سے نیک لوگوں سے کہتے ہیں اے فلاں اللہ تعالیٰ سے میرے لئے یہ یہ مانگو اور اس کو اللہ تعالیٰ کا وسیلہ تلاش کرنے کے زمرے میں رکھتے ہیں۔ اور اس ضمن میں نبی ﷺ سے ایک روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ جب تم کو معاملات پریشان کریں تو قبر والوں سے رجوع کیا کرو یا یہ کہ تم اہل قبور سے مدد طلب کرو۔ اور یہ سب کچھ حق سے کوسوں دور ہے۔ اور درست بات یہ ہے کہ اس مقام پر مخلوق سے مدد چاہنا اور اس کو وسیلہ بنانا دعا، طلب کرنے کے معنیٰ میں تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔ خصوصاً جب مطلوب منہ (جس سے دعاء کا مطالبہ کیا جا رہا ہے) وہ زندہ ہو اور اس کا طالب دعا سے افضل ہونا کوئی مشروط نہیں بلکہ فاضل مفضول سے دعا کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا جب اس نے آپ ﷺ سے عمرہ کی اجازت چاہی تھی: اے چھوٹے بھائی اپنی دعا میں ہمیں نہ بھولنا۔ اور آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ وہ اویس القرنی رحمہ اللہ سے استغفار کی دعا کروائیں۔ اور آپ کا اپنی



القبور مشروع ومخاطبتهم جائزة.

فقد صح أنه صلى الله عليه وسلم كان يعلم أصحابه إذا زاروا القبور أن يقولوا: السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين وإنا إن شاء الله تعالىٰ بكم لاحقون يرحم الله المستقدمين منا ومنكم والمستأخرين، نسأل الله تعالىٰ لنا ولكم العافية، اللهم لاتحرمنا أجرهم ولا تفتنابعدهم واغفرلنا ولهم، ولم يرد عن أحد من الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم وهم أحرص الخلق على كل خير أنه طلب من ميت شيئا. ①

امت کو وسیلہ طلب کرنے کا حکم دینا جیسا کہ ابھی پیچھے گذرا ہے۔اور آپ پر درود پڑھنا۔

لیکن اگر یہ استغاثہ جس سے کیا جا رہا ہے وہ میت ہے یا غائب ہے تو اس کے ناجائز ہونے میں کوئی بھی عالم شک نہیں کرتا اور یہ ایسی بدعت ہے کہ سلف صالحین میں سے کسی سے بھی یہ سرزد نہیں ہوئی۔

ہاں اہل قبور کو سلام کہنا اور ان کو سلام کے کلمات میں مخاطب کرنا یہ مشروع وجائز ہے، آپ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ صحابہ کو زیارت قبور کے وقت یہ دعا سکھاتے تھے ''اے مومنو! گھروں سے اٹھ کر ایک نیا گھر بسانے والو ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں ہم سے پہلے جانے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے اور پیچھے رہ جانے والوں پر بھی، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنی اور تمہاری عافیت کا سوال کرتے ہیں، اے اللہ ہم کو ان کے اجر سے محروم نہ کرنا اور ان کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈالنا۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان کو معاف فرما۔'' باوجود اس بات کے کہ صحابہ خیر کے کام پر بہت زیادہ حریص تھے۔ مگر پھر بھی کسی سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے کسی بھی میت سے کچھ مانگا ہو۔

اور پھر آگے چل کر علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ توسل بالذات اور اللہ تعالیٰ کو اپنی کسی مخلوق کے ساتھ قسم دلانے کے واسطہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ومن الناس من منع التوسل بالذات والقسم على الله تعالىٰ بأحد من خلقه مطلقاً وهو الذى يرشح به

بعض لوگ توسل بذوات الأشخاص اور اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کی قسم دینے کو ممنوع وناجائز قرار دیتے ہیں اور اس کی حد متعین

① روح المعانی ج۴، ص ۱۲۴ ـ ۱۲۵



كلام المجد ابن تيمية رحمه الله . ونقله عن الإمام أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه وأبي يوسف وغيرهما من العلماء الأعلام. وأجاب عن الحديث بأنه على حذف مضاف أي بدعاءِ أو شفاعةِ نبيك صلى الله عليه وسلم ففيه جعل الدعاء وسيلة وهو جائز بل مندوب والدليل على هذا التقدير قوله في آخر الحديث "اللهم فشفعه فيّ" بل في أوله أيضا مايدل على ذلك. ①

کرتے ہیں اور امام المجد ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور اس کو امام ابوحنیفہ اور ابویوسف رحمہما اللہ اور دوسرے بڑے بڑے علماء سے نقل کیا ہے۔ اور حدیث کے بارے میں جواب دیا ہے کہ اس میں مضاف محذوف ہے جس کا معنیٰ یہ بنے گا کہ تیرے نبی کی دعا یا سفارش کے ساتھ، تو اس میں دعا کو وسیلہ بنایا ہے اور وہ جائز ہے بلکہ مندوب ہے اور اس کی دلیل حدیث کے آخری الفاظ "اے اللہ اس کی سفارش جو میرے بارے میں ہے قبول فرما، بلکہ اسی حدیث کے شروع میں بھی ایسے الفاظ ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں سے مراد وسیلۂ دعا ہے نہ کہ کوئی اور۔

کیا اللہ تعالیٰ پر مخلوق کا کوئی حق ہے؟

کسی شخص کے حق کے حوالہ سے دعا کرنا یہ دو اصولوں پر مبنی ہے۔

الف۔ ایک یہ کہ کیا اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق ہے؟

ب۔ دوسرا یہ کہ کیا اللہ تعالیٰ سے اُس شخص کے اس حق کا حوالہ دے کر سوال کرنا درست ہے؟

پہلے مسئلہ (سوال) میں بہت بڑا اختلاف ہے، اس میں تقریباً تین مسلک ہیں۔

۱۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ مخلوق کا خالق پر حق ہے۔ اور یہ حضرات مخلوق کو خالق پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح خالق کا مخلوق پر حق ہے اسی طرح مخلوق کا خالق پر بھی حق ہونا چاہیے۔ اور یہی معتزلہ کا مذہب ہے۔

۲۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ نہیں مخلوق کا خالق پر کسی صورت میں کوئی حق نہیں ہے۔ ہاں! البتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ اور حکم کے مطابق عمل ضرور کرتا ہے۔ یہ مذہب ہے جہمیوں اور اشاعرہ کا۔

۳۔ ایک تیسری جماعت بھی ہے جو کہ ان دونوں کے بین بین ہے وہ کہتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر دیا ہے اسی طرح اپنے نفس پر رحمت کو لکھ دیا ہے اور اپنے مؤمن بندوں کا حق اپنے اوپر واجب کر لیا ہے تو اس پر یہ

① روح المعانی ج۴ ص ۱۲۶

پابندیاں کسی مخلوق نے نہیں لگائی ہیں۔ اور یہی مسلک اہل حق کا ہے۔

چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کر کے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأما السوال بحق فلان فهو مبني على أصلين:
أحدهما: ماله من الحق عندالله
والثاني: هل نسال الله بذلك كما نسال بالجاه والحرمة؟
أما الأول: فمن الناس من يقول للمخلوق على الخالق حق يعلم بالعقل وقاس المخلوق على الخالق كما يقول ذلك من يقوله من المعتزلة وغيرهم، ومن الناس من يقول: لاحق للمخلوق على الخالق بحالٍ، لكن يعلم مايفعله بحكمه و وعده وخبره كما يقول ذلك من يقوله من أتباع جهم والأشعري وغيرهما ممن ينتسب إلى السنة، ومنهم يقول: بل كتب الله على نفسه الرحمة وأوجب على نفسه حقًا لعباده المؤمنين كما حرم الظلم على نفسه، لم يوجب ذلك مخلوق عليه ولا يقاس بمخلوقاته، بل هو بحكم رحمته وحكمته وعدله كتب على نفسه الرحمة وحرم على نفسه الظلم، كما قال في الحديث الصحيح الإلهي: "ياعبادي إني حرمت الظلم على نفسي وجعلته بينكم محرّماً فلا تظالموا" وقال تعالى:

کسی کے حق کے حوالہ سے دعا کرنا دو مسئلوں پر مبنی ہے، ایک یہ کہ کیا اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق ہے؟ اور دوسرا یہ کہ کیا عزت و جاہ کی طرح اس حق کی بناء پر سوال بھی درست ہے؟

پہلے مسئلہ میں معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ہاں جس طرح خالق کا مخلوق پر حق ہے اسی طرح مخلوق کا بھی خالق پر حق ہے۔ برخلاف ان کے جہمیہ واشعریہ وغیرہ فرقے جو اہل سنت ہونے کے مدعی ہیں، کہتے ہیں کہ مخلوق کا خالق پر کسی حال میں بھی کوئی حق نہیں، لیکن وہ اپنے وعدہ اور حکم کے مطابق عمل ضرور کرتا ہے۔

ایک تیسری جماعت بھی ہے جس کی راہ بین بین ہے، وہ کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے لئے ظلم کو حرام کرلیا ہے ٹھیک اسی طرح اپنے اوپر رحمت فرض کرلی ہے، اور اپنے مومن بندوں کا حق واجب کرلیا ہے۔ اس پر یہ پابندیاں کسی مخلوق نے نہیں لگائیں اور نہ اسے مخلوقات پر قیاس کیا جاتا ہے بلکہ اس نے محض اپنی رحمت وحکمت وعدالت کے مطابق اپنے اوپر رحم وکرم لازم اور ظلم و جور حرام کیا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے "اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام کیا ہے پس آپس میں ظلم نہ کرو۔ قرآن میں فرمایا: "تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت فرض کرلی ہے۔ (الانعام:۵۴)

(۶۔۵۴) كتب ربكم على نفسه الرحمة وقال تعالىٰ: (۳۰۔۴۷) وكان حقاً علينا نصر المؤمنين، وفي الصحيحين عن معاذ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "يا معاذُ أتدري ماحق الله على العباد؟ قلت: الله ورسوله أعلم. قال: حقه عليهم أن يعبدوه ولا يشركوا به شيئاً يا معاذُ أتدري ماحق العباد على الله إذا فعلوا ذلک؟ قال: حقهم عليه أن لايعذبهم."

فعلى هذا القول لأنبيائه وعباده الصالحين عليه سبحانه حق أوجبه على نفسه مع أخباره.

وعلى الثاني يستحقون ماأخبر بوقوعه وإن لم يكن ثم سبب يتقضيه. ①

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور مؤمنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے۔(الروم:۴۷)

صحیحین میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''اے معاذ! تجھے معلوم ہے کہ اللہ کا حق اس کے بندوں پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا ان پر اس کا حق یہ ہے کہ اس کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کریں۔ اے معاذ! تجھے معلوم ہے کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے اگر وہ ایسا کریں؟ آپ نے فرمایا: اس پر ان کا یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب میں مبتلا نہ کرے۔ پس اس آخری قول کے بموجب انبیاء وصالحین کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے جو اس نے اپنے اوپر فرض کرلیا ہے اور جس کی خبر بھی دے دی ہے اور دوسرے قول کے مطابق صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ جو وعدے اللہ نے انبیاء وصالحین سے کیے ہیں وہ حتماً پورے ہوں گے اگرچہ وہ اس پر مجبور نہیں۔

ماقبل کے تفصیلی بیان سے آپ حضرات نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ کیا اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس طرح کا ہے؟

اس تفصیل کے سمجھنے کے بعد اب یہ بھی سمجھ لیں کہ جو حضرات کہتے ہیں کہ مخلوق کا خالق پر حق نہیں تو یہ بات اس اعتبار سے توصیح ہے کہ اگر اس سے مقصود یہ ہو کہ خالق پر کسی مخلوق کا ویسا حق نہیں جیسا کہ مخلوق کا مخلوق پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ بہت سے جاہل اور بے علم عابد وزاہد یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ عبادت وریاضت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر ان کا حق واجب ہوگیا ہے۔ اب ہم اس بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تشریح پیش کرتے ہیں چنانچہ وہ اس طرح لکھتے ہیں:

---

① التوسل والوسيلة، ص: ۵۷



فمن قال ليس للمخلوق على الخالق حق يسأل به، كما روى أن الله تعالىٰ قال لداود: وأى حق لآبائك عليّ؟ (فهو) صحيح إذا أريد بذلك أنه ليس للمخلوق عليه حق بالقياس والإعتبار على خلقه كما يجب للمخلوق على الخالق، وهذا كما يظنه جهال العباد من أن لهم على الله سبحانه حقًا بعبادتهم، وذلك أن النفوس الجاهلية تتخيل أن الإنسان بعبادته وعلمه يصير له على الله حق من جنس مايصير للمخلوق على المخلوق كالذين يخدمون ملوكهم وملاكهم فيجلبون لهم منفعة ويدفعون عنهم مضرة ويبقى أحدهم يتقاضى العوض والمجازاة على ذلك ويقول له عندجفاءٍ أوإعراضٍ يراه منه: ألم أفعل كذا! يمن عليه بمايفعله معه وان لم يقله بلسانه كان ذلك فى نفسه وتخيلُ مثل هذا فى حق الله تعالىٰ من جهل الإنسان وظلمه .①

جن لوگوں کا خیال ہے کہ مخلوق کا خالق پر کوئی ایسا حق نہیں جس کی بنیاد پر سوال کیا جا سکے جیسا کہ روایت کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا داؤد علیہ السلام سے کہا: بھلا تیرے آباء کا مجھ پر کیا حق ہے؟ تو یہ خیال صحیح ہے کہ اگر اس سے مقصود یہ ہو کہ اللہ پر کسی مخلوق کا ویسا حق نہیں جیسا کہ مخلوق کا مخلوق پر ہوتا ہے، جیسا کہ بہت سے بے علم عابد سمجھ بیٹھے ہیں کہ عبادت و ریاضت کی وجہ سے اللہ پر ان کا حق واجب ہو گیا ہے۔ ان کم فہموں کو یہ خیال اس وجہ سے ہو جاتا ہے کہ جہالت کی بنا پر انسان کو وہم سا ہو جاتا ہے کہ عبادت وعلم کے سبب فانی انسان کا اللہ پر اسی طرح حق ہو جاتا ہے جس طرح مخلوق کا مخلوق پر ہوتا ہے۔ یہ عابد ومعبود کو بادشاہوں اور ان کے خدام پر قیاس کرتے ہیں جو اپنے آقاؤں کی چاکری کرتے ہیں نفع پہنچاتے ہیں نقصان سے بچاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا اپنے آقاؤں پر حق ہو جاتا ہے جس کے معاوضہ کے ہمیشہ متمنی رہتے ہیں اور ذرا سی بے اعتنائی پر اگر زبانِ قال سے نہیں تو زبانِ حال سے فوراً کہہ دیتے ہیں، کیا میں نے تیرے لئے یہ اور وہ نہیں کیا؟ رب ذوالجلال کی جناب میں ایسا خیال انسان کے ظلم اور جہالت کا ثبوت ہے۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مخلوق کا خالق پر حق ہے تو یہ بھی اس اعتبار سے صحیح ہے کہ اگر اس سے مراد وہ حق ہے جس کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت، فضل وکرم اور رحمت کی بناء پر اپنے اوپر واجب ٹھہرایا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس حق کے حوالہ سے دعا کرنا کیسا ہے؟

سو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر اس حق کا مستحق شخص جس کا واقع میں یہ حق ہے کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا وسوال کرے تو

① التوسل والوسيلة ص: ۵۷-۵۸

اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ یہ مستحق اللہ تعالیٰ سے اس کے اس وعدہ کے ایفاء کی درخواست کرتا ہے یا یہ کہ ان اسباب کے ساتھ دعا کرے جن پر اللہ تعالیٰ نے مسببات کو معلق کر لیا ہے جیسے اعمالِ صالحہ تو ایسی ایسی دعا وسوال یقیناً صحیح و درست ہوگا۔ لیکن اگر کوئی دوسرا شخص جو کہ اس حق کا مستحق نہیں ہے اس مستحق کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرے تو صاف ظاہر ہے کہ یہ سوال جو کہ سائل سے بالکل ایک اجنبی چیز ہے اور ساتھ ہی یہ کسی ایسے سبب پر مبنی بھی نہیں ہے جو قبولیتِ دعا وسوال سے مناسبت رکھتا ہو۔ اس لئے یہ دعا وسوال درست نہیں ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ومن قال: بل للمخلوق على الله حق فهو صحيح إذا أراد به الحق الذي أخبر الله بوقوعه فإن الله صادق لا يخلف الميعاد وهو الذي أوجبه على نفسه بحكمته وفضله ورحمته وهذا المستحق لهذا الحق إذا سأل الله تعالىٰ به يسأل الله تعالىٰ إنجاز وعده أو يسأله بالأسباب التي علق الله بها المسببات كالأعمال الصالحة فهذا مناسب وأما غير المستحق لهذا الحق إذا سأله بحق ذلك الشخص فهو كما سأله بجاه ذلك الشخص وذلك سؤال بأمر أجنبي عن هذا السائل لم يسأله بسبب يناسب إجابة دعائه. ①

جن لوگوں کا خیال ہے کہ خالق پر مخلوق کا حق ہے تو یہ اس شرط پر بجا ہے کہ اگر اس سے مراد وہ حق ہے جس کی خود اس نے خبر دی ہے، کیونکہ وہ صادق ہے اور اسی نے اپنی حکمت، فضل اور رحمت کی بنا پر اپنے اوپر یہ حق واجب ٹھہرایا ہے۔ پس اس حق کا مستحق شخص اگر اس کا حوالہ دے کر دعا کرے تو گویا اس سے اس کے وعدہ کے ایفاء کی درخواست کرتا ہے۔ یا یہ کہ ان اسباب کے ساتھ دعا کرے جن پر اللہ تعالیٰ نے مسببات کو معلق کیا ہے۔ مثلاً: نیک اعمال تو ایسا سوال درست ہے۔ لیکن اگر غیر مستحق، مستحق کے حق کے واسطہ دے کر مانگتا ہے تو یہ ایسا مانگنا ہے جیسا اس کی عزت وحرمت کے واسطہ سے مانگا جائے جو سائل سے اجنبی چیز ہے اور کسی ایسے سبب پر مبنی بھی نہیں جو قبولیت دعا سے مناسبت رکھتا ہو۔

یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق ہے جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے تو وہ حق مسلم ہے لیکن بحث اس میں ہے کہ کیا کوئی دوسرا شخص اس مستحق کے اس حق کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے سوال کر سکتا ہے؟ تو اس بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس قسم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

---

① التوسل والوسيلة ص: ٦٠

أما المقام الثاني فانه يقال: مابين الله ورسوله أنه حق للعباد على الله فهو حق لكن الكلام في السؤال بذلك، فيقال: إن كان الحق الذي سأل به سبباً لإجابة السؤال حَسُنَ السؤال به كالحق الذي يجب لعابديه وسائليه وأما إذا قال السائل: بحق فلان وفلان، فأولئك إذا كان لهم عندالله حق أن لايعذبهم وأن يكرمهم بثوابه ويرفع درجاتهم كما وعدهم بذلك وأوجبه على نفسه، فليس في استحقاق أولئك ما استحقوه من كرامة الله مايكون سببا لمطلوب هذا السائل فإن ذلك استحق ما استحقه بما يسره الله له من الإيمان والطاعة.

وهذا لايستحق ما استحقه ذلك، فليس في إكرام الله لذلك سبب يقتضي إجابة هذا. وإن قال: السبب هو شفاعته ودعاؤه فهذا حق إذا كان قد شفع له ودعاله وان لم يشفع له ولم يدع له لم يكن هناك سبب. ①

دوسری بحث یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جس کے بارے میں فرمادیا ہے کہ اللہ پر بندوں کا حق ہے تو تسلیم کیا جائے گا کہ وہ حق ہے۔ لیکن بحث اس حق کی بنیاد پر دعا کرنے میں ہے کہ آیا درست ہے یا غلط؟

جواب یہ ہے کہ جس حق سے سوال کیا گیا ہے اگر وہ اجابت کا سبب ہے تو سوال صحیح ہے۔ مثلاً: اس حق کی بنیاد پر سوال کیا جائے جو اس نے سائلوں اور عابد بندوں کا اپنے ذمہ ٹھہرالیا ہے۔ یہ مسئلہ واضح ہے البتہ غور طلب بات یہ ہے کہ دوسروں کے حق کی بنا پر سوال کرنا کیسا ہے؟ تو اگر چہ ان لوگوں کا اللہ پر اس کے وعدہ کے مطابق حق ہے کہ انہیں عذاب میں مبتلا نہ کرے اجر و ثواب دے اور درجے بلند کرے، مگر کسی دوسرے کو ان کے حق کی بنا پر کیا استحقاق ہے کہ اس کی بھی دعا قبول ہو جائے؟ کیونکہ ان حضرات کو جو کچھ بھی استحقاق ہوا ہے ان کے ایمان واطاعت کی بنا پر ہوا ہے اور یہ بات سائل کو حاصل نہیں، ان کی بزرگی اس کی اجابتِ دعا کا ذریعہ کیسے بن سکتی ہے؟ اگر کہا جائے کہ ان کی شفاعت ودعا سبب ہے تو یقیناً یہ صحیح ہے بشرطیکہ وہ صاحبِ حق اس کے لئے شفاعت و دعا کریں، لیکن اگر نہ کریں تو پھر کوئی سبب بھی باقی نہیں رہتا۔

① التوسل والوسيلة، ص: ٦١-٦٢



حدیثِ أعمی سے توسل بالذات ثابت نہیں ہوتا

عن عثمان بن حنیف، أن رجلاً ضریر البصر أتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ادع اللہ أن یعافینی، قال: إن شئتَ دعوتُ وإن شئتَ صبرتَ فھو خیر لک، قال: فادعہ، قال فأمرہ أن یتوضأ فیحسن وضوءہ ویدعو بھذا الدعاء اللھم إنی أسألک وأتوجہ إلیک بنبیک محمدٍ نبیِّ الرحمۃ، إنی توجھت بک إلی ربّی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی، اللھم فشفّعہ فی. ① (حسن)

ترجمہ: عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہتا ہے: کہ اللہ سے دعا کریں وہ مجھے عافیت دے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو چاہتا ہے تو میں تیرے لئے دعا کر دیتا ہوں اور اگر تو صبر کرے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے تو اس نے کہا: کہ آپ دعا کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر کے یہ دعائیہ کلمات کہہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت کیساتھ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے نبی میں آپ کی دعا کے ساتھ اپنے رب کیطرف متوجہ ہوں اپنے اس کام کی حاجت میں تا کہ میرا یہ کام پورا ہو جائے، اے اللہ اپنے نبی کی سفارش میرے بارے میں قبول کر۔

اس حدیث کی ایک توجیہ تو وہی ہے جو کہ علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے یہاں پر إنی أسألک بنبیک، مضاف محذوف ہے، یعنی بدعاء نبیک وشفاعتہ، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اور علاوہ ازیں اس حدیث سے توسل بالذات کا استدلال غلط اور بے بنیاد ہے۔ بلکہ یہ توسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ہے نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے کیونکہ اس نابینا شخص نے آپ سے التجا کی تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میری بینائی کے لئے دعا فرمائیں۔ جیسا کہ خود نفس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے: إن شئت صبرت وإن شئت دعوت لک، تو آپ کے اس اختیار کے بعد اس نابینا نے کہا، بل ادعہ، بلکہ دعا فرمایئے، تو یہ سب چیزیں اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ یہ توسل آپ کی دعا سے تھا نہ کہ آپ کی ذات سے۔ چنانچہ آپ نے اس نابینا کو وضوء کرنے کا حکم دے کر دعا کرنے کا طریقہ سکھایا۔ تو اس نابینا نے جب آپ کے سکھائے ہوئے طریقہ کے مطابق دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے اس نابینا کی بینائی واپس کر دی۔ تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا، یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء یہ روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بیان میں لائے ہیں۔ جیسے امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کر کے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

① رواہ الترمذی، أبواب الدعوات، باب ۱۱۹، حسنہ الترمذی وصححہ واللفظ لہ/ ابن ماجہ، کتاب إقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ / الطبرانی فی المعجم الصغیر ج ۱ ص ۳۰۶، الرقم: ۵۰۸.

وحديث الأعمى الذي رواه الترمذي والنسائي هو من القسم الثاني من التوسل بدعائه، فإن الأعمى قد طلب من النبي صلى الله عليه وسلم أن يدعو له بأن يرد الله عليه بصره. فقال له: إن شئت صبرت وإن شئت دعوت لك، فقال: بل ادعه، فأمره أن يتوضأ ويصلي ركعتين ويقول: اللهم إني أسالك بنبيك نبي الرحمة يا محمد يا رسول الله إني أتوجه بك إلى ربي في حاجتي هذه ليقضيها، اللهم فشفعه فيّ، فهذا توسل بدعاء النبي صلى الله عليه وسلم وشفاعته ودعاله النبي صلى الله عليه وسلم ولهذا قال: "فشفعه فيّ، فسأل الله أن يقبل شفاعة رسوله فيه وهو دعاؤه. وهذا الحديث ذكره العلماء في معجزات النبي صلى الله عليه وسلم ودعائه المستجاب. وما أظهر الله ببركة دعائه من الخوارق والإبراء من العاهات. فإنه صلى الله عليه وسلم ببركة دعائه لهذا الأعمى أعاد الله عليه بصره. وهذا الحديث حديث الأعمى قد رواه المصنفون في دلائل النبوة كالبيهقي وغيره .①

رہی حدیثِ اعمٰی (نابینا آدمی کی حدیث وواقعہ) جسے ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے تو یہ وسیلہ کی دوسری قسم میں داخل ہے یعنی اس میں رسول اللہ ﷺ کی دعا سے توسل ہے (نہ کہ آپ کی ذات سے) کیونکہ نابینا شخص نے آپ سے التجا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی بینائی کے لئے دعا فرمائیں۔اس پر آپ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو صبر کرلے اور چاہے تو میں تیرے لئے دعا کروں۔ اس نے عرض کی بلکہ دعا فرمایئے۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ اور یوں کہہ "الٰہی میں تیرے نبی محمد ﷺ موصوف بالرحمۃ کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے محمد، اے رسول اللہ، میں آپ کے واسطہ سے اپنے رب کی طرف ضرورت میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ حاجت پوری فرمادے، اے اللہ، اپنے رسول کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔ تو یہ آپ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہنا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا کی، اسی لئے تلقین فرمائی۔ میرے حق میں آپ کی سفارش قبول فرما۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ اپنے رسول کی سفارش یعنی (دعا) اس بارے میں قبول فرما۔ یہ حدیث علماء نے رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں ذکر کی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے طرح طرح کے خرق عادات امور ظاہر کئے، مصائب دور کئے اور کس طرح آپ کی دعا کی برکت سے اس نابینا کی آنکھیں روشن ہوگئیں اس حدیث کو مؤلفین حدیث مثلاً امام بیہقی [illegible]



ان ضعیف احادیث (روایات) کا ذکر جن سے اہل بدعت نے وسیلہ بذوات الأشخاص پر دلیل پکڑی ہے

جو حضرات وسیلہ بذوات الاشخاص کے قائل ہیں تو انہوں نے اپنے اس نظریہ کے ثبوت کے لئے بہت سی احادیث سے دلیل پکڑی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ جن احادیث سے اہل بدعت دلیل پکڑتے ہیں وہ سب کی سب یا تو ضعیف ہیں یا موضوع ایک بھی ایسی حدیث نہیں ہے جس سے وسیلہ بذوات الاشخاص کا ثبوت ہو اور وہ صحیح بھی ہو۔ اور چونکہ یہ مقام تفصیل کا نہیں اس لئے ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ ان احادیثِ ضعیفہ وموضوعہ میں سے صرف چند احادیث کے ذکر پر اکتفا کر کے ان پر محدثین حضرات کی جرح وتضعیف کو بیان کریں گے۔

۱۔ پہلی حدیث جس سے اہل بدعت وسیلہ بذوات الأشخاص کی دلیل پکڑتے ہیں، حسب ذیل ہے۔

عن أنس بن مالك قال: لما ماتت فاطمة بنت أسد بن هاشم أم علي بن أبي طالب دخل عليها رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلس عند رأسها ..... "الله الذي يحيي ويميت وهو حيّ لايموت، اغفر لأمي فاطمة بنت أسد ولقّنها حجتها ووسّع عليها مدخلها بحق نبيك والأنبياء الذين من قبلي فإنك أرحم الراحمين. ①

ترجمہ: انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم جو علی بن ابی طالب کی والدہ ہیں فوت ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سر کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔۔۔۔۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ زندہ ہے، وہ فنا نہیں ہوگا (اے اللہ) میری ماں (چچی) کو معاف فرما اور اس کو اس کی حجت (منکر ونکیر کے سوال کے جواب) تلقین فرما اور اس کی قبر وسیع فرما اپنے نبی کے واسطۂ حرمت و عزت سے اور مجھ سے پہلے نبیوں کے واسطہ سے بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔

مذکورہ روایت باتفاق محدثین ضعیف ہے اور اس کے ضعف کا سبب "روح بن صلاح" نامی راوی ہے، جو منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ چنانچہ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

روح بن صلاح ويقال له ابن سيابة وأظن أنه مصري، ضعيف يكنى أباالحارث. ②

روح بن صلاح جس کو ابن سیابہ بھی کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ مصری ہے اور ضعیف ہے اس کی کنیت ابوالحارث ہے۔

---

① رواه الطبراني في المعجم الكبير ج۲۴ ص ۳۵۱-۳۵۲ باب الفاء، ترجمة فاطمة بنت أسد بن هاشم.
② الكامل في ضعفاء الرجال ج۳ ص ۱۰۰۵

آگے چل کر اسی صفحہ پر امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وفي بعض حديثه نكرة .①

اس کی بعض حدیثوں میں نکارت ہے۔

اور اس روح بن صلاح کے متعلق امام ابن حجر رحمہ اللہ محدثین حضرات کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ذكره يونس في تاريخ الغرباء، فقال: من أهل الموصل قدم مصر و حدث بها. رويت عنه مناكير، ثم ذكر و فاته ونسبه ابن سيابة بن عمرو الحارثي وقال الدارقطني: ضعيف في الحديث، وقال ابن ماكولا: ضعفوه .②

یونس نے اس (روح بن صلاح) کو تاریخ الغرباء میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ: یہ اصلاً اہل موصل میں سے ہے بعد میں مصر آیا اور وہیں حدیث بیان کرنی شروع کی، اور اس سے منکر روایات نقل کی گئی ہیں، پھر اس کی وفات ذکر کی اور اس کا نسب ابن سیابہ بن عمرو الحارثی ذکر کیا۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے یہ حدیث میں ضعیف ہے اور ابن ماکولا فرماتے ہیں: لوگوں (محدثین) نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اس روح بن صلاح کے متعلق محدثین کے اقوال نقل کرنے کے بعد علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ چونکہ یہ منکر الحدیث ہے اس لئے اس کی روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔

فأنت ترى أئمة الجرح قد اتفقت عباراتهم على تضعيف هذا الرجل وبينوا أن السبب روايته المناكير فمثله إذا تفرد بالحديث يكون منكراً لايحتج به .③

آپ نے دیکھا کہ جرح وتعدیل کے ائمہ کی عبارتیں اس شخص کو ضعیف قرار دینے میں متفق ہیں اور انہوں نے اس کا سبب منکر روایتیں بیان کرنا ذکر کیا ہے، تو اس قسم کا راوی جب منفرد ہو تو وہ منکر کہلاتا ہے اور اس سے حدیث میں حجت نہیں پکڑی جاتی۔

۲۔ دوسری حدیث جس کو توسل بالذات کے لئے پیش کیا جاتا ہے وہ ہے "بحق السائلين" والی حدیث

"عن أبي سعيد الخدري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من خرج من بيته إلى الصلاة فقال : اللهم إني أسألك بحق السائلين عليك

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے گھر سے نماز کی طرف نکلتے ہوئے کہے: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرنے والوں کے حق کا سوال کرتا

---

① الكامل في ضعفاء الرجال ج۳ ص ۱۰۰۵/

② لسان الميزان ج۲ ص ۳٦٦

③ سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، ج ۱ ص ۳۳



وأسألک بحق ممشای هذا فإنی لم أخرج أشراً ولا بطرًا...... أقبل الله علیه بوجهه واستغفر له ألف ملک. ①

ہوں اور اپنے اس راہ میں چلنے کے حق کا سوال کرتا ہوں، کہ میں تکبر اور اتراتے ہوئے نہیں نکلا...... تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اپنے چہرے کے ساتھ اور ایک ہزار فرشتہ اس کیلئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

اس روایت کے ضعیف ہونے کی وجہ دو ضعیف اور مجروح راوی ہیں جو کہ اس روایت میں موجود ہیں، ایک ہے عطیۃ العوفی اور دوسرا فضیل بن مرزوق ہے۔

اب ہم ان دونوں میں سے ہر ایک کی حقیقت حال محدثین حضرات کے آئینہ انصاف سے پیش کریں گے۔

الف۔ عطیة العوفی: محدثین حضرات کے نزدیک یہ شخص ایک ضعیف اور گرا ہوا راوی ہے۔ اس کا پورا نسب یوں ہے: عطیۃ بن سعد أبوالحسن العوفی الکوفی۔

کہتے ہیں کہ یہ عطیۃ العوفی سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کرتے تھے اور پھر جب سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو عطیۃ العوفی کلبی کذاب کی مجلس میں بیٹھ کر اس کے بیان کردہ قصے و کہانیاں سنا کرتا تھا۔ اور کہتے ہیں عطیۃ العوفی کو کلبی کذاب کے قصے و کہانیاں ایسی دلچسپ لگتی تھیں کہ کلبی کی کوئی بات نہیں چھوڑتا تھا خواہ اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہو یا نہ ہو۔ اور پھر عطیۃ العوفی نے سب سے بڑی مصیبت یہ ڈالی کہ اس نے اپنے اس استاد کلبی کو ابوسعید کی کنیت دیدی، تو اس کی اس حرکت نے لوگوں کو اشتباہ میں ڈال دیا کیونکہ جب بھی عطیۃ العوفی کوئی روایت بیان کرتا تھا تو لوگ اس کو کہتے تھے کہ عطیۃ! یہ حدیث تم کو کس نے بتائی تو وہ کہتا تھا: ابوسعید نے۔ تو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاید ابوسعید سے اس کا مقصد ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ ہے جو صحابی ہے، حالانکہ اس کا مقصد اس سے کلبی تھا جس کو خود عطیۃ نے ابوسعید کی کنیت دی تھی۔

چنانچہ امام ابن حبان اس عطیۃ العوفی پر جرح کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔

عطية بن سعد العوفی: کنیته أبوالحسن من أهل الکوفة یروی عن أبی سعید الخدری، روی عنه فراس بن یحیی وفضیل بن مرزوق، سمع من أبی سعید الخدری أحادیث، فلما مات أبوسعید جعل

عطیۃ بن سعد اس کا نام ہے، ابوالحسن اس کی کنیت ہے کوفہ والوں میں اس کا شمار ہوتا ہے، صحابی رسول ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا تھا۔ فراس بن یحیی اور فُضیل بن مرزوق اس کے شاگرد ہیں۔ تو اس نے ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے

① رواه ابن ماجه، کتاب المساجد والجماعات، باب المشی إلی الصلاة/ضعفه الألبانی، الرقم: ۷۷۸.
وابن سنی فی عمل الیوم واللیلة ص ۴۰

يجالس الكلبي ويحضر قصصه فإذا قال الكلبي: قال رسول الله كذا: فيحفظه وكنّاه أباسعيد. ويروي عنه. فإذا قيل له: من حدثك بكذا؟ فيقول: حدثني أبو سعيد. فيتوهمون أنه يريد أبا سعيد الخدري وإنما أراد الكلبي. فلا يحل الإحتجاج به ولا كتابة حديثه إلا على جهة التعجب. ومات عطية سنة سبع وعشرين ومائة. ①

احادیث سنی ہوئی ہیں، جب ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو کلبی (ایک کذاب راوی) کے پاس بیٹھنا شروع کر دیا اور اس کے من گھڑت قصے سنا کرتا تھا، جب کلبی رسول اللہ ﷺ سے کچھ بیان کرتا تو اس کو بھی وہ یاد کر لیتا تھا، عطیہ نے کلبی کی ابوسعید کنیت رکھ کر اس سے روایتیں بیان کرنا شروع کر دیں۔ اگر کوئی عطیہ سے پوچھتا کہ تجھے یہ حدیث کس نے سنائی تو وہ کہتا: مجھے ابوسعید نے حدیث سنائی تو لوگوں کو وہم رہتا کہ شاید اس سے مراد ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ ہیں، جبکہ عطیہ کی مراد کلبی کذاب ہوتا۔ لہٰذا اس کی احادیث سے حجت پکڑنا اور اس کی احادیث لکھنا حلال نہیں سوائے اس کے کہ از روئے تعجب کوئی اس کی روایت بیان کرے۔ عطیہ کی وفات ایک سو ستائیس ہجری (۱۲۷ھ) کو واقع ہوئی۔

اس عطیۃ العوفی کے ضعف کے متعلق امام سفیان الثوری رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اقوال سند کے ساتھ نقل کرتے ہوئے ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

حدثنا ابن حماد حدثني عبدالله بن أحمد عن أبيه قال: كان سفيان الثوري يضعف حديث عطية قال: وسمعت أبي وذكر عطية العوفي قال: هو ضعيف الحديث. ②

ہم کو حماد کے بیٹے نے بیان کیا وہ کہتے ہیں مجھے عبداللہ بن احمد نے اپنے باپ سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ: سفیان ثوری عطیہ کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ عبداللہ بن احمد نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا اور انہوں نے عطیۃ العوفی کا ذکر کیا تو فرمایا وہ حدیث میں ضعیف ہے۔

امام احمد بن حنبل اور امام نسائی رحمہما اللہ اس عطیۃ العوفی پر جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سمعت أبي ذكر عطية العوفي فقال: هو ضعيف الحديث. ③

میں (عبداللہ بن حنبل) نے اپنے باپ سے سنا جو کہ عطیہ العوفی کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ ''وہ حدیث میں ضعیف ہے''

① كتاب المجروحين ج٢ ص ١٧٦

② الكامل في ضعفاء الرجال ج٥ ص ٢٠٠٧/واللفظ له/ كتاب العلل ومعرفة الرجال ج٣ ص١١٨،رقم الترجمة:٤٥٠٢.

③ كتاب الضعفاء والمتروكين ص ٣٠١/كتاب العلل ومعرفة الرجال ج١ ص٥٤٨/ واللفظ له.رقم الترجمة:١٣٠٦.



اوراسی طرح امام جوز جانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

عطية بن سعد العوفي مائل .①

کہ عطیہ بن سعد العوفی ٹیڑھا آدمی تھا۔

ب: فضيل بن مرزوق الأغر

مذکورہ روایت میں ایک اورگرے ہوئے درجہ کا راوی بھی ہے جو کہ مذکور عطیۃ العوفی کے تلامذہ میں سے ہے۔اور وہ ہے فضیل بن مرزوق، جس کو محدثین نے ضعیف راوی قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ اس فضیل بن مرزوق کی تضعیف کے متعلق محدثین حضرات کے اقوال نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ فضیل بن مرزوق شیعہ تھا اور شیعہ ہونے میں معروف تھا۔ ہاں! البتہ گالی گلوچ نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وقال النسائي: ضعيف، وكذا ضعفه عثمان بن سعيد، قلت: وكان معروفاً بالتشيع من غير سبّ. ②

امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ ضعیف ہے، اور اسی طرح عثمان بن سعید نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں: وہ تشیع میں معروف تھا مگر گالی گلوچ نہیں کرتا تھا۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس فضیل بن مرزوق کو منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

فضيل بن مرزوق: من أهل الكوفة يروي عن عطية وذويه، روى عنه العراقيون، منكر الحديث جدًا. كان ممن يخطئ على الثقات ويروي عن عطية الموضوعات. ③

فضیل بن مرزوق کا تعلق کوفہ سے ہے، عطیہ اور اس جیسے لوگوں سے روایت کرتا ہے۔ عراقی لوگ اس سے روایت کرتے ہیں، یہ بہت زیادہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا ہے۔ اور عطیہ العوفی سے موضوع روایات روایت کرتا ہے۔

اور اس فضیل بن مرزوق کی تضعیف کے متعلق امام ابن حبان رحمہ اللہ امام یحیی بن معین رحمہ اللہ کا قول سند کے ساتھ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سمعت الحنبلي يقول: سمعت أحمد بن زهير سئل يحيى بن معين عن فضيل بن مرزوق، فقال: ضعيف. ④

کہ میں نے امام حنبلی سے سنا وہ کہتے تھے: میں نے احمد بن زہیر سے سنا کہ یحیٰ بن معین سے فضیل بن مرزوق کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ضعیف ہے۔

---

① أحوال الرجال ص ٥٢
② ميزان الاعتدال ج٣ ص ٣٦٢
③ كتاب المجروحين ج٢ ص ٢٠٩
④ كتاب المجروحين ج٢ ص ٢٠٩/ واللفظ له/ الموضوعات ج٣ ص ٣٢٦، فهرس الرواة المتكلم فيه.



حدیث مذکور پر جرح کرتے ہوئے علامہ احمد بن حجر آلِ بوطامی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

وأما حديث "اللهم إني أسالك بحق السائلين" فإنه ضعيف. ①	لیکن حدیث (اے اللہ بے شک میں سائلین کے حق سے تجھ سے سوال کرتا ہوں) یہ ضعیف ہے۔

مذکورہ حدیث کی اسناد پر جرح کرتے ہوئے امام الحافظ الہیثمی رحمہ اللہ زوائد ابن ماجہ میں فرماتے ہیں:

هذا إسناد مسلسل بالضعفاء: عطية هو العوفي وفضيل بن مرزوق والفضل بن الموفق كلهم ضعفاء. ②	اس سند میں ضعفاء کی لڑی ہے: عطیۃ وہ العوفی کے لقب سے معروف ہے اور فضیل بن مرزوق اور الفضل بن الموفق، سب کے سب ضعیف ہیں۔

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ کا قول ان کا بیٹا ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فضیل بن مرزوق کے متعلق یوں نقل کرتا ہے۔

نا عبدالرحمن سالت أبي عن فضيل بن مرزوق، فقال: هو صدوق، صالح الحديث، يهم كثيراً يكتب حديثه، قلت: يحتج به؟ قال: لا. ③	عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہ اللہ نے ہمیں بتایا کہ میں نے اپنے باپ سے فضیل بن مرزوق کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا وہ سچا ہے حدیث میں صالح (اچھا) ہے بہت زیادہ وہم کرتا تھا لیکن اس کی حدیثیں لکھی جا سکتی ہیں میں نے پوچھا: کیا اس سے حجت پکڑی جا سکتی ہے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے اقوال فضیل بن مرزوق کے متعلق کچھ مختلف ہیں کبھی تو امام یحییٰ بن معین فضیل بن مرزوق کو صالح الحدیث کہتے ہیں، کبھی اس کو ضعیف بتاتے ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اور کبھی کبھی کہتے ہیں کہ وہ غالی قسم کا شیعہ تھا۔

چنانچہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا قول فضیل بن مرزوق کے متعلق، امام ابن حجر رحمہ اللہ امام عبدالخالق بن منصور رحمہ اللہ کے واسطہ سے یوں نقل کرتے ہیں۔

وقال عبدالخالق بن منصور عن ابن معين: صالح الحديث إلا أنه شديد التشيع. ④	ترجمہ: عبدالخالق بن منصور ابن معین سے نقل کرتے ہیں: کہ وہ (مرزوق) صالح الحدیث ہے مگر اس میں سخت قسم کا تشیع پایا جاتا تھا۔

---

① تطهير الجنان والأركان عن درن الشرك والكفران ص ٦١

② مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه ج ١ ص ١٦٦، كتاب المساجد والجماعات، باب المشي إلى الصلاة.

③ الجرح والتعديل ج٧ ص ٧٥ / وتهذيب التهذيب ج٨ ص ٢٩٩ / معجم أسامي الرواة ج٣ ص ٢١٢، حرف الفاء.

④ تهذيب التهذيب ج٨ ص ٢٩٩

فضیل بن مرزوق کے متعلق امام ابن حجر رحمہ اللہ محدثین کے اقوال یوں نقل کرتے ہیں:

”......قلت: قال مسعود عن الحاکم: لیس هو من شرط الصحیح. وقد عیب علی مسلم إخراجه لحدیثه. قال ابن حبان في الثقات: یخطئ وقال في الضعفاء: کان یخطئ علی الثقات ویروی عن عطیة الموضوعات.①

......میں کہتا ہوں مسعود امام حاکم سے بیان کرتے ہیں: وہ صحیح کی شرط میں سے نہیں ہے۔ اور امام مسلم پر اس سے حدیث بیان کرنے کی وجہ سے عیب لگایا گیا ہے۔ ابن حبان نے الثقات میں کہا ہے: وہ خطأ (بھول) کرتے تھے اور الضعفاء میں کہا: وہ ثقات سے خطأ کرتا تھا اور عطیۃ العوفی سے موضوعات بیان کرتا تھا۔

اور فضیل بن مرزوق کے متعلق الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تقریب التہذیب میں یوں لکھتے ہیں۔

فضیل بن مرزوق الأغرّ بالمعجمة والرّاء الرقّاشي الکوفي أبوعبدالرحمن صدوق یهم ورمي بالتشیع من السابعة مات في حدود سنة ستین .②

فضیل بن مرزوق الاغر (غین اور را) کے ساتھ الرقاشی الکوفی، ابوعبدالرحمٰن سچا ہے اور اس سے وہم ہو جاتا تھا، تشیع کی بدعت اس میں پائی جاتی تھی، ساتویں طبقہ سے تھا۔ ساٹھ ہجری کے قریب فوت ہوا۔

یہ تو ہوئی اس روایت اور اس کے راویوں کی حقیقت حال محدثین حضرات کے آئینہ انصاف میں۔

علاوہ ازیں اس روایت کے الفاظ میں کوئی ایسی حجت نہیں ہے کہ جس سے اُسماء صالحین کے ساتھ وسیلے کا استدلال کیا جائے، کیونکہ سائلوں کا حق اللہ تعالیٰ پر تو یہ ہے کہ وہ ان کی دعاؤں کو قبول کرے اور عابدوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ ان کو اجر وثواب عطاء کرے۔ اور یہ باتفاق اہل علم ایسا حق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کر دیا ہے بغیر کسی کے واجب کرنے کے۔

چنانچہ عطیۃ العوفی پر جرح کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس طرح لکھتے ہیں۔

وهذا الحدیث هو من روایة عطیة العوفي عن أبي سعید وهو ضعیف باجماع أهل العلم. وقدروی من طریق آخر وهو ضعیف أیضاً ولفظه لاحجة فیه، فإن حق السائلین علیه أن یجیبهم وحق العابدین أن یثیبهم وهو حق أحقه الله تعالیٰ علی

یہ حدیث عطیۃ العوفی کی روایات میں سے ہے جو کہ باجماع علماء ضعیف ہے۔ اور یہ روایت ایک اور طریق (سند) سے بھی روایت کی گئی ہے مگر وہ طریق بھی ضعیف ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اس روایت کے الفاظ میں کوئی ایسی حجت نہیں (فریق مخالف کے لئے) کیونکہ اللہ تعالیٰ پر

① تهذیب التهذیب ج ۸ ص ۲۹۹

② تقریب التهذیب ج۲ ص ۱۱۳/کتاب الثقات ج۷ ص ۳۱۶،باب الفاء.



نفسه الكريمة بوعده الصادق باتفاق أهل العلم. ①

سائلوں کا یہ حق ہے کہ ان کی دعا قبول فرمائے اور عابدوں کا یہ حق ہے کہ انہیں اجر عطا کرے۔ اور یہ ایک ایسا حق ہے جسے باتفاق علماء خود اس نے اپنے اوپر واجب کیا ہے۔

۳۔ تیسری حدیث جس کو توسل بالذات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ جس میں عوام الناس کے علاوہ بہت سے خواص بھی پھنس گئے ہیں۔ وہ ہے توبۂ آدم علیہ السلام بوسیلہ محمد ﷺ والی حدیث جس کو بڑے فخر کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس کے معانی کو عجمی زبان میں ترجمہ کر کے اشعار بنا کر موالد و محافل میں بڑے سُر اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جس حدیث پر اہل بدعت نے اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھی ہے وہ ضعیف سے بڑھ کر موضوع ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیں اصل روایت اور اس پر محدثین حضرات کا ردّ عمل۔

عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب أسألك بحق محمد لما غفرت لي. فقال الله: يا آدم وكيف عرفت محمدًا ولم أخلقه؟ قال: يا رب لأنك لما خلقتني بيدك ونفخت فيّ من روحك رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوباً "لا إله إلا الله محمد رسول الله" فعلمت أنك لم تضف إلى اسمك إلاّ أحب الخلق إليك. فقال الله: صدقت يا آدم إنه لأحب الخلق إليّ، أُدعني بحقه فقد غفرت لك ولولا محمد ماخلقتك. ②

جب سیدنا آدم علیہ السلام سے غلطی سرزد ہوگئی تو کہا: اے میرے رب میں تجھ سے محمد ﷺ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے محمد کو کیسے جانا حالانکہ میں نے ابھی اس کو پیدا ہی نہیں کیا؟ آدم علیہ السلام نے کہا کہ جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ عرش کے پائے پر (لا إله إلا الله محمد رسول الله) لکھا ہوا تھا تو مجھے معلوم ہوا کہ آپ اپنے نام کی طرف کسی کی نسبت نہیں کرتے مگر اس کی جو سب سے زیادہ محبوب ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم تو نے سچ کہا بیشک وہ مخلوق میں سے سب سے زیادہ مجھے محبوب ہے، اسی کے واسطہ سے مجھ سے دعا کر۔ تحقیق میں نے تجھے معاف کر دیا اور اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

---

① التوسل والوسيلة ص ۱۰۷۔۱۰۸

② رواه الحاكم في المستدرك ج۲ ص ۶۷۲/كتاب التاريخ، استغفار آدم عليه السلام بحق محمد صلى الله عليه وسلم. يا كتاب تواريخ المتقدمين من الأنبياء والمرسلين /ومن كتاب آيات رسول الله صلى الله عليه وسلم التي هي دلائل النبوة رقم الحديث: ۴۲۲۸/



اس روایت کے وضع و بطلان پر محدثین اور علماء جرح وتعدیل کا اتفاق ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس روایت میں دو نہایت درجہ کے گرے ہوئے راوی موجود ہیں، جو محدثین حضرات کے ہاں قابل قبول نہیں ہیں۔ اور وہ ہیں عبداللہ بن مسلم أبوالحارث الفہری اور عبدالرحمٰن بن زید بن اُسلم۔

اب ملاحظہ فرمائیں ان میں سے ہر ایک کی حقیقت حال اور مذکورہ روایت کی پوزیشن محدثین حضرات کی نظر انصاف میں۔

الف۔ عبدالله بن مسلم أبوالحارث الفهری:

اس عبداللہ بن مسلم الفہری پر جرح کرتے ہوئے مذکورہ روایت کو باطل قرار دیتے ہوئے امام ذہبی اور علامہ ابن حجر رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

عبدالله بن مسلم أبوالحارث الفهری روی عن إسماعيل بن مسلمة بن قعنب عن عبدالرحمن بن زيد بن أسلم خبراً باطلاً، فيه: يا آدم لولا محمد ماخلقتك. ①

ترجمہ: عبداللہ بن مسلم الفہری نے اسماعیل بن مسلمۃ بن قعنب سے اس نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے ایک باطل خبر بیان کی ہے جس میں ہے کہ اے آدم اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

ب۔ عبدالرحمن بن زيد بن أسلم:

مذکورہ روایت کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے جس کے متعلق امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ اخبار (روایات) کو الٹا کر کے بیان کرتا تھا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

كان ممن يقلب الأخبار وهو لا يعلم حتى كثر ذلك فى روايته من رفع المرسل واسناد الموقوف فاستحق الترك. ②

یہ (عبدالرحمٰن) ان میں سے ہے جو اخبار (روایات) کو الٹ دیتے ہیں اور ان کو علم نہیں ہوتا، حتیٰ کہ یہ عمل ان سے کثیر سرزد ہونے لگا جیسے کسی مرسل روایت کو مرفوع بیان کر دینا اور موقوف روایت کو مسند کر کے بیان کرنا تو اسی لئے اس کو چھوڑ دیا گیا۔

---

① میزان الاعتدال ج۲ ص ۵۰۴ / لسان المیزان ج۳ ص ۳۶۰
② کتاب المجروحین ج۲ ص ۵۷

اپنی تحقیق کے مطابق اس پر جرح کرنے کے بعد امام ابن حبان اس عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی تضعیف کے متعلق محدثین حضرات کے اقوال سند کے ساتھ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

أخبرنا عمر و بن محمد قال: حدثنا محمد بن عيسى قال: سمعت محمد بن اسماعيل يذكر عن علي بن عبدالله أنه ضعّف عبدالرحمن بن زيد بن أسلم.①

ہمیں عمرو بن محمد نے خبر دی انہوں نے کہا محمد بن عیسیٰ نے ہمیں بیان کیا، انہوں نے کہا میں نے محمد بن اسماعیل (البخاری) سے سنا وہ علی بن عبداللہ سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا ضعیف ہونا ذکر کرتے تھے۔

اس عبدالرحمٰن بن زید بن اَسلم کی تضعیف کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ان کے بیٹے کے واسطے سے سند کے ساتھ نقل کرتے ہوئے امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ثنا ابن حماد وحدثني عبدالله بن أحمد قال: كان أبي يضعّف عبدالرحمن ابن زيد بن أسلم .②

ہمیں ابن حماد نے بیان کیا وہ کہتے ہیں مجھے عبداللہ بن اَحمد بن حنبل نے بیان کیا وہ کہتے ہیں میرے والد عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کو ضعیف کہتے تھے۔

اور اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم پر جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عبدالرحمن زيد بن أسلم ضعيف مدني .③

کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہے مدینہ کا رہنے والا تھا۔

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کو علم حدیث میں واہی راوی شمار کرتے ہیں، چنانچہ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ کا قول ان کا بیٹا ابن ابی حاتم یوں نقل کرتا ہے۔

ناعبدالرحمن قال: سألت أبي عن عبدالرحمن بن زيد بن أسلم فقال: ليس بقوى الحديث. كان في نفسه صالحاً وفي الحديث واهياً .④

عبدالرحمٰن اپنے باپ ابوحاتم رازی رحمہ اللہ سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ حدیث میں قوی نہیں، بذات خود تو نیک آدمی ہے مگر حدیث میں واہی (کمزور) ہے۔

---

① كتاب التاريخ الكبير ج۵ ص ۱۲۸، باب العين/ كتاب المجروحين ج ۲ ص ۵۸/ كتاب الجرح والتعديل ج ۱ ص ۲۵۹......۲۶۰، حرف العين.

② الكامل في ضعفاء الرجال ج۴ ص ۱۵۸۱ / كتاب الضعفاء الصغير ج۲ ص۴۳۸، باب العين.

③ كتاب الضعفاء والمتروكين ص: ۲۹۶/ معجم أسامي الرواة ج ۲ ص ۴۶۳ حرف العين.

④ الجرح والتعديل ج۵ ص ۲۳۳/ تهذيب التهذيب ج ۶ ص ۱۷۸ حرف العين، الترجمة: ۳۵۸.

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی تضعیف کے متعلق امام عقیلی رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ان کے بیٹے عبداللہ کے واسطہ سے یوں نقل کرتے ہیں۔

حدثنا عبداللہ قال: سمعت أبی، یُضعِّف عبدالرحمن بن زید بن اسلم .①

ہمیں عبداللہ نے بتایا وہ کہتے ہیں میں نے اپنے باپ (احمد بن حنبل) سے سنا وہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کو ضعیف کہتے تھے۔

اور امام عقیلی رحمہ اللہ ایک دوسری سند سے امام بخاری رحمہ اللہ کے واسطہ سے امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کا قول عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی شدت تضعیف کے بارے میں یوں نقل کرتے ہیں۔

حدثنی آدم قال: سمعت البخاری قال: عبدالرحمن بن زید بن اسلم ضعّفه علیّ جدًا.②

مجھے آدم نے بتایا کہ اس نے امام بخاری سے سنا وہ کہتے تھے کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کو امام علی بن مدینی رحمہ اللہ سخت ضعیف قرار دیتے ہیں۔

امام ذہبی زید بن اسلم کے تین بیٹوں بالخصوص عبدالرحمٰن کی تضعیف پر ائمۃ الحدیث کے اقوال سند کے ساتھ یوں نقل کرتے ہیں۔

قال أبویعلی الموصلی: سمعت یحیی بن معین یقول: بنو زید بن اسلم لیسوا بشیء وروی عثمان الدارمی عن یحیی: ضعیف، وقال البخاری: عبدالرحمن ضعّفه علیّ جدًا وقال النسائی: ضعیف.③

أبویعلی الموصلی نے کہا: میں نے یحییٰ بن معین سے سنا وہ کہتے تھے زید بن اسلم کے بیٹے: کچھ بھی نہیں ہیں۔ عثمان الدارمی نے روایت کیا یحییٰ بن معین سے: کہ وہ ضعیف ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ علی بن مدینی رحمہ اللہ عبدالرحمٰن کو سخت ضعیف کہتے ہیں۔ اور امام نسائی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔

یہ بات اچھی طرح یاد رکھیں کہ امام حاکم رحمہ اللہ تصحیح احادیث میں بہت متساہل ہیں۔ اور اس کا یہ تساہل محدثین کے ہاں بہت ہی مشہور و معروف ہے کہ وہ کبھی کبھی ایسی احادیث کی تصحیح کر جاتے ہیں جو بالکل ہی جھوٹی اور موضوع ہوتی ہیں۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ امام حاکم رحمہ اللہ کی تصحیح احادیث کے بارے میں محدثین حضرات کے اقوال یوں نقل کرتے ہیں۔

وأما تصحیح الحاکم لمثل هذا الحدیث وأمثاله

امام حاکم رحمہ اللہ پر اس حدیث (توبۂ آدم بوسیلۂ محمد)

---

① کتاب الضعفاء الکبیر ج۲ ص ۳۳۱

② کتاب الضعفاء الکبیر ج۲ ص ۳۳۲، واللفظ له/ کتاب العلل ومعرفة الرجال ج۳ ص ۲۷۱، رقم الترجمة: ۵۲۰۳.

③ میزان الاعتدال ج۲ ص ۵۶۴



فهذا مما انكره عليه أئمة العلم بالحديث: وقالوا: إن الحاكم يصحِّحُ أحاديث وهي موضوعة مكذوبة عند أهل المعرفة بالحديث.①

اور اس جیسی دوسری احادیث کی تصحیح کی بناء پر ائمہ حدیث نے سخت نکتہ چینی کی ہے اور کہا ہے کہ وہ ایسی حدیثوں کی بھی تصحیح کر دیتے ہیں جو محدثین کے ہاں بالکل جھوٹی اور موضوع ہوتی ہیں۔

چنانچہ جب امام حاکم رحمہ اللہ نے توبۂ آدم والی حدیثِ مذکور کو صحیح الاسناد کہا تو امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کا تعقب کرتے ہوئے حدیث کو موضوع قرار دے کر یوں ارشاد فرمایا۔

قلت: بل موضوع وعبدالرحمن واهٍ.②

میں نے کہا: بلکہ وہ موضوع ہے اور عبدالرحمٰن بن زید واہی (کمزور) ہے۔

﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ﴾ کی تفسیر

مفسرین حضرات کے اقوال سے

سوال: اب جبکہ توبۂ آدم بوسیلۂ محمد ﷺ والی روایت محدثین حضرات اور علماء جرح و تعدیل کے اقوال کے مطابق موضوع اور جھوٹی ثابت ہوئی تو جو آیت توبہ آدم کے متعلق قرآن کریم میں ﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ آئی ہے تو اس کا کیا مقصد ہے؟ اور وہ ''کلمات'' کیا تھے جن کے وسیلہ سے سیدنا آدم علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا و توبہ قبول فرمائی ہے؟

الجواب: سو معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں سورۃ البقرۃ میں ''کلماتِ'' مجمل ہے اور اس اجمال کی تفصیل و بیان سورۃ الأعراف میں ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ کے ساتھ آیا ہے۔

اور یہی وہ کلمات ہیں جن کے وسیلہ سے سیدنا آدم علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی ہے۔

اور کلماتِ کی تفسیر سورۃ الأعراف میں ''رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا ......'' کے ساتھ کرنے پر تقریباً مفسرین کا اتفاق ہے اور اس میں کوئی معتد بہ اختلاف نہیں ہے۔ اب اس پر مفسرین حضرات کے اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

چنانچہ امام ابن جریر الطبری ''کلماتِ'' کی تفسیر میں سیدنا مجاہد کا قول یوں نقل کرتے ہیں۔

عن مجاهد في قوله "فتلقى آدم من ربه كلماتٍ" (فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ) کی تفسیر امام مجاہد رحمہ اللہ

① التوسل والوسيلة ص ٨٥
② تلخيص الذهبي بهامش المستدرك ج٢ ص ٦١٥

قال: قوله: "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا " حتى فرغ منها .①

یہ کرتے ہیں کہ وہ کلمات سورۃ الاعراف کی آیت "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا " آخر تک ہیں۔

سیدنا مجاہد رحمہ اللہ کا قول نقل کرنے کے بعد امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ تاکید کے ساتھ "کلمات" کی تفسیر "رَبَّنَا ظَلَمْنَا ....." سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والذی یدل علیه کتاب الله أن الکلمات التی تلقاهن آدم من ربه هی التی أخبر الله عنه أنه قالها متنصلاً بقیلها إلی ربه معترفًا بذنبه وهو قوله: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ②

کتاب اللہ سے جن کلمات پر دلالت ہوتی ہے وہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے حاصل کئے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی خبر دی ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کرلیا ہے اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا یا رحم نہ کیا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔"

اور اسی طرح علامہ سید محمود آلوسی حنفی رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مشہور قول "کلمات" کی تفسیر میں یوں لکھتے ہیں:

والمروی فی المشهور عن ابن عباس رضی الله عنهما أن هذه الکلمات هی ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ③

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "کلمات" کی مشہور تفسیر "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ" سے مروی ہے۔

اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے "کلماتِ" کی تفسیر "رَبَّنَا ظَلَمْنَا......" کے ساتھ کرنے پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سمیت دوسرے مفسرین کے اقوال یوں نقل کئے ہیں۔

"......فقال ابن عباس والحسن وسعید بن جبیر والضحاک ومجاهد: هی قوله: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ④

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور امام الحسن و سعید بن جبیر و الضحاک اور مجاہد رحمہم اللہ نے کہا کہ (کلمات سے مراد) وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان قولہ: "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ" ہے۔

اور اسی طرح علامہ شنقیطی رحمہ اللہ نے "کلمات" کی تفسیر قولہ: "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا......" کے ساتھ کی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر "أضواء البیان" میں فرماتے ہیں۔

---

① تفسیر الطبری ج ۱ ص ۱۹۳
② تفسیر الطبری ج ۱ ص ۱۹۵
③ روح المعانی ج ۱ ص ۲۳۷
④ تفسیر القرطبی ج ۱ ص ۳۲۴



قوله تعالىٰ: "فتلقى آدم من ربه كلمات" لم يبين هنا ما هذه الكلمات. ولكنه بينها في سورة الأعراف بقوله: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ ①

اللہ تعالیٰ کا فرمان: "فتلقی آدم من ربہ کلمات" میں بیان نہیں ہوا کہ وہ کون سے کلمات ہیں۔ لیکن سورہ الاعراف میں اس کی وضاحت کی ہے کہ وہ کلمات "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا ......" ہیں۔

اوراسی طرح امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ سیدنا الضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ کا قول "رَبَّنَا ظَلَمْنَا " کی تفسیر میں نقل کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔

وقال الضحاک بن مزاحم في قوله: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ هي الكلمات التي تلقاها آدم من ربه. ②

امام الضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا ......" کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہی وہ کلمات ہیں جن کو آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے سیکھا تھا۔

اب ہم اس بحث کو ابو العالیہ رحمہ اللہ کے ایک قول پر ختم کرتے ہیں جس کو امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں لائے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ امام ابو العالیہ رحمہ اللہ کا قول "فتلقی آدم من ربہ کلمات" کی تفسیر میں یوں نقل کرتے ہیں۔

وقال أبو العالية: ﴿ فتلقى آدم من ربه كلماتٍ ﴾ فهو قوله: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا ﴾ ③ (صحيح بخاری)

امام ابو العالیہ رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (فَتَلَقَّى آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا ......" ہے۔

جب قرآن کی تفسیر خود قرآن ہی کرے تو بھلا کسی دوسرے احتمال کی کوئی گنجائش باقی رہ سکتی ہے؟۔ حاشا وکلا

① تفسير أضواء البيان ج ا ص ۷۳-۷۴
② تفسير الطبری ج۸ ص ۱۰۶
وتفسير ابن كثير ج۲ ص ۲۰۶
③ رواه البخاری تعليقاً، كتاب الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وإذ قال ربك للملائكة إني جاعل في الأرض خليفة ﴾



توبۂ آدم والی جھوٹی روایت کے ترجمہ کیئے ہوئے اشعار

توبۂ آدم بوسیلہ محمد ﷺ والی روایت کے وضع و بطلان کو محدثین حضرات اور علماء جرح وتعدیل کے اقوال کی روشنی میں اور "فَتَلَقّٰی آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ" کی تفسیر مفسرین حضرات کے اقوال تو آپ پڑھ چکے۔ اب اس موضوع اور جھوٹی روایت کے متعلق بعض صوفیاء وشعراء نے جو اشعار بنائے ہیں جن کو بہت سے خطباء وواعظین کچھ تو بغیر تحقیق کے بلکہ محض تقلید کی بنیاد پر اور بہت سے حضرات جانتے ہوئے بھی صرف اپنا گلا صاف کرنے کے لئے جمعہ، عیدین اور بڑی بڑی محفلوں میں بڑے مزے اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے ہیں تو وہ بھی اب سن لیں۔

چنانچہ بعض صوفیاء وشعراء حضرات نے توبۂ آدم بوسیلہ محمد ﷺ والی جھوٹی روایت کے متعلق اشعار بنائے ہیں۔ جن میں ذیل کا یہ شعر موجود ہے۔

اگر نام محمد رانیا وردی شفیع آدم نہ آدم یافتی توبہ نہ نوح از غرق نجینا

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ہمارے ایرانی بلوچستان میں ایک عید کے دن میں کسی عیدگاہ میں، میں بیٹھا ہوا تھا اور وہاں بہت سے بڑے بڑے علماء بھی موجود تھے، تو اس دوران ایک بڑا عالم دین تقریر کے لئے اٹھا اور حمد وصلاۃ کے فوراً بعد تقریر کی ابتداء میں کچھ فارسی اشعار (جن میں مذکورہ شعر بھی موجود تھا) بڑے سُر اور مزے کے ساتھ پڑھنے لگا، تو مجھے بڑا تعجب ہوا کہ دیکھو یہ اتنا بڑا مشہور عالم ہوتے ہوئے اس موضوع اور جھوٹی روایت کے ترجمہ کئے ہوئے اشعار کس طرح دلچسپی کے ساتھ پڑھ رہا ہے؟

خیر اس دن تو مجھے اس سے بات کرنے کا موقعہ نہ مل سکا، مگر دوسرے دن میں خود اس عالم کے گھر جا کر اس سے ملا اور پھر بڑے نرم لہجہ میں اس سے کہا کہ مولانا صاحب یہ فارسی کے اشعار جو آپ کل عیدگاہ میں پڑھ رہے تھے، جن میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ و دعا کی قبولیت کا ذکر ہے تو یہ اشعار دو وجہ سے پڑھنے کے قابل نہیں بالخصوص آپ جیسے علماء کے لئے۔

الف۔ ایک تو اس وجہ سے کہ یہ اشعار اس موضوع اور جھوٹی روایت کا ترجمہ ہیں جس کو محدثین اور علماء جرح وتعدیل کے ماہرین وناقدین نے باطل وموضوع قرار دیا ہے۔

ب۔ دوسرا اس لئے کہ یہ روایت قرآن کریم کی آیت کے ساتھ ٹکراتی ہے۔ اور میں اس سے آگے بولنے ہی والا تھا کہ یہ قرآن کی کس آیت کے معارض ومخالف ہے۔ آپ یقین جانئے مجھ سے پہلے خود اس عالم نے کہا کہ ہاں! واقعی یہ روایت جس کے ترجمہ سے یہ اشعار بنائے ہیں "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا ......" آیت سے ٹکراتی ہے، تو میں نے کہا: سبحان اللہ! مولانا صاحب جب آپ خود جانتے بھی ہیں کہ وہ روایت جس کے ترجمہ سے یہ اشعار بنائے گئے ہیں قرآن کی



آیت سے ٹکراتی ہے تو آپ پھر ان اشعار کو عوام الناس کے سامنے اس طرح مزے اور دلچسپی کے ساتھ کیوں پڑھ رہے تھے؟ آپ انصاف سے بتائیے کہ کیا اس طرح کے طرز عمل سے انسان قول رسول اللہ ﷺ "من کذب علیّ متعمّدًا فلیتبوأ مقعده من النار" کا مصداق نہیں بن جاتا؟

چاہئے تو یہ تھا کہ اگر کہیں کوئی جاہل و بے علم شخص یہ اشعار آپ کے سامنے پڑھتا تو آپ اس کو حسب استطاعت منع کر کے روک دیتے۔

تو اس عالم نے کہا، ہاں واقعی ہونا تو ایسے ہی چاہیے تھا مگر کیا کریں اکثر و بیشتر خطباء وواعظین یہ اشعار ترغیب وترہیب کے لئے پڑھتے رہتے ہیں، عموم البلوی ہو چکا ہے، تو میں نے کہا عجیب بات ہے مولانا صاحب اکثریت حقانیت کی دلیل تو نہیں ہوتی، بلکہ اکثریت تو الٹا بطلان کی دلیل ہے۔ اگر ہم اکثریت کی اتباع کریں گے تو اللہ کی قسم گمراہ اور تباہ و برباد ہو کر رہ جائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ ①

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) اگر آپ ان لوگوں کے کہنے پر چلے جو دنیا میں (یا مکہ میں) زیادہ ہیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے، یہ لوگ صرف اپنے خیال پر چلتے ہیں اور کچھ نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

تو چونکہ یہ شخص عالم تھا اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف تھا، اس لئے اس نے اس وقت رجوع کر کے مجھ سے کہا کہ اس کے بعد میں یہ اشعار نہیں پڑھوں گا۔ فجزاه الله خيراً.

① سورة الانعام: ١١٦



آٹھواں باب

شرک کی قباحتوں کا بیان

اس باب میں شرک کی قباحت و برائیوں کا بیان ہوگا کہ شرک اتنی قبیح اور گندی بیماری ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی بھی شخص کا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوسکتا خواہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کا مقرب و معزز بندہ ہی کیوں نہ ہو۔

شرک اللہ تعالیٰ کی ذات سے بغاوت ہے

سیدنا نوح علیہ السلام سے لے کر جناب خاتم الرسل محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے بھی نبی و رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے ان سب کی پہلی اور بنیادی دعوت یہی رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئاً ﴾ ①

ترجمہ: اور جب مقرر کردی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کیلئے جگہ بیت اللہ کی (اور اسے حکم دیا) یہ کہ نہ شریک ٹھہرانا تو میرے ساتھ کسی چیز کو بھی۔

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاعْبُدُواْ اللّهَ وَلاَ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً ﴾ ②

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو مت بناؤ اور ماں باپ سے نیکی کرو۔

اور فرمایا:

﴿ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً ﴾ ③

ترجمہ: وہ مجھ کو پوجتے رہیں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

اور فرمایا:

---

① سورة الحج:٢٦
② سورة النساء:٣٦
③ سورة النور:٥٥



﴿ وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـهٍ غَيْرُهُ ﴾ ①

ترجمہ: اور عاد کی طرف ہم نے ہود علیہ السلام کو (پیغمبر) بنا کر بھیجا اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا (سچا) معبود نہیں ہے۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم نے جتنا زور شرک کی تردید اور اثباتِ توحید پر دیا اتنا زور کسی دوسرے مسئلہ پر نہیں دیا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شرک اللہ تعالیٰ کی ذات سے بغاوت ہے۔ بطورِ مثال: کسی بھی ملک کا بادشاہ اپنے ملک کے نظم و نسق چلانے اور رعایا کے امن و امان کے لئے کچھ نہ کچھ قوانین وضوابط وضع کرتا ہے جو لوگ ان وضع کردہ قوانین وضوابط پر نہیں چلتے وہ مجرم کہلاتے ہیں، اس لئے انہیں حسب جرم مختلف قسم کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ مثلاً کسی کو بیدزنی، کسی کو تھپڑ وتمانچہ، کسی کو مالی جرمانہ اور کسی کو قید وغیرہ کی سزا دی جاتی ہے۔ مگر یہ لوگ صرف مجرم کہلاتے ہیں باغی نہیں کیونکہ وہ بادشاہ کی حکومت و بادشاہت کو تسلیم کر کے اپنے آپ کو اس کی رعایا سمجھتے ہیں، صرف شامتِ نفس کی وجہ سے یہ جرائم ان سے سرزد ہوئے ہیں۔

اس کے برعکس اگر کوئی شخص بادشاہ کے مقابلہ میں بادشاہ ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے، اپنی متوازی حکومت بنا لے، اپنا الگ سکہ جاری کرے، بادشاہ کے اختیارات برتنے لگے تو وہ شخص باغی کہلائے گا، اس کی سزا یقیناً قتل ہے۔

اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی قولی، بدنی اور مالی عبادات میں شریک بنتا ہے یا کسی کو بناتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات اور اختیارات میں دم مارتا ہے، وہ چیز جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں اپنے لئے یا اپنے بنائے ہوئے شریک کے لئے جائز سمجھتا ہے تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کا باغی ہے۔ عبد کے مقام سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ذات سے ٹکر لیتا ہے، اس کی الوہیت و ربوبیت اور مطلق العنان حکومت سے جنگ کا اعلان کرتا ہے۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا مجرم اور گنہگار ہی نہیں بلکہ اس کا مساوی، برابر، حریف، مدمقابل اور باغی ہونے کا مدعی ہے۔

اسی طرح وہ لوگ جو غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کا مقام دیتے ہیں، مثلاً: انبیاء، اولیاء، بزرگوں، شہیدوں، پیروں اور فقیروں کو اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات اور اس کے اختیارات واقتدار کا حامل خیال کرتے ہیں۔ جو چیز اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں جیسے سجدہ، رکوع، طواف، اعتکاف، نذر و نیاز، دعا و پکار، استغاثہ و استعانت اور خوف و رجاء وغیرہ کو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا غیروں کے لئے بجالاتے ہیں تو ایسے لوگ غدار اور اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت و بادشاہت میں فساد و بغاوت پھیلانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مطلق العنان حکومت کے مقابلے میں اپنی متوازی و نقلی حکومتیں کھڑی کر کے معبودِ برحق کے مقابل معبودانِ باطلہ کی فرمانروائی کا اقرار کرتے ہیں۔ زمین و آسمان کے مالک سے نبرد آزما ہوتے ہیں، اس لئے وہ قابل معافی نہیں ہیں۔

① سورة هود: ٥٠



بحث پیاروں اور دشمنوں کی نہیں بلکہ اصل بحث اہلیت و عدم اہلیت کی ہے

مشرک، قبر پرست، اسلاف کے مدفنوں کے مُجاور اور آستانہ پرست کہتے ہیں کہ ہم جن ہستیوں کو سجدہ کرتے ہیں، ان کی قبروں کے ارد گرد اعتکاف وطواف کرتے ہیں، ان کے لئے نذر ونیاز دیتے ہیں، اپنی مصائب ومشکلات میں ان کو پکارتے ہیں اور ان سے استغاثہ واستعانت کرتے ہیں تو اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک وصالح، ولی وبزرگ اور پیارے بندے ہوتے ہیں اور ہم یہ سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں سے ہی کرتے ہیں اس کے دشمنوں سے تو نہیں کرتے؟

سبحان اللہ! کیا عجب فلسفہ ہے آستانہ پرستوں کا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں جانی، خالق اَرض وسماء، عرش وکرسی، لوح وقلم، جن وانس اور بر وبحر کی حقیقت نہیں پہچانی۔

﴿ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴾ ①

ترجمہ: اور ان مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسے کہ اسکی قدر کا حق تھا بے شک اللہ تعالیٰ تو طاقت والا زبردست ہے۔

یہاں پر بحث پیاروں اور دشمنوں کی نہیں بلکہ اصل بحث اس مقام پر اہلیت اور عدم اہلیت کی ہے کہ جس ہستی کو جو مقام دیا جا رہا ہے تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا وہ ہستی اس مقام کی اہل ہے بھی کہ نہیں؟ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے مثلاً: ایک شخص ہے اسے اپنے باپ، بیٹے، بھائی اور بھتیجے وغیرہ رشتے داروں سے پیار اور محبت ہے اور وہ چاہتا ہے کہ انہیں میرے گھر میں خوب عزت اور احترام ملے اور یہ کہ میری بیوی ان کی ساتھ انتہائی ادب اور عزت واحترام کا سلوک کرے اور انکی خوب خدمت کرے۔ اور بیوی کے اس حسن سلوک پر وہ اس سے خوش اور راضی ہوتا ہے جبکہ بیوی کی طرف سے اس سلسلے میں کوتاہی پر اس سے ناراض ہو جاتا ہے، لیکن اگر بیوی اپنے خاوند کے ان مذکورہ رشتے داروں کی خدمت، ادب اور عزت واحترام کے معاملے میں ایک قدم آگے بڑھ جائے اور ان میں سے کسی کو اپنا شوہر کے حقِ زوجیت میں شریک کرلے یا کرنا چاہے تو ذرا انصاف سے بتایئے کیا شوہر اپنے بیوی کی اس حرکت پر راضی ہو جائے گا؟ جواب لازماً نفی ہی میں ہوگا، بلکہ خاوند اپنی تلوار سے ایسی غدارہ بیوی کی گردن اڑا دے گا۔ اب اگر بیوی جواب میں کہے کہ میاں صاحب یہ سب کچھ میں نے آپ کی اس انتہائی قریبی رشتہ دار یا دوست کی خدمت، ادب اور عزت واحترام کے جذبہ سے کیا ہے اور اس سے مقصود محض آپ کی رضا اور خوشنودی تھا۔ انصاف سے بتایئے کہ کیا شوہر اس دلیل کو قبول کرے گا اور کیا کوئی صاحب عقل وخرد اس دلیل کو صحیح اور درست مان سکتا ہے؟ قطعاً نہیں کیونکہ یہ بات نہ شرعاً صحیح ودرست ہے اور نہ عقلاً اور نہ ہی اخلاقاً تو جب ایک شوہر اپنے خصوصی حق، حقِ زوجیت میں اپنے کسے انتہائی قریبی عزیز کی شرکت برداشت نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی حق، حقِ الوہیت میں اپنے کسی انتہائی پیارے بندے کی شرکت کیسے برداشت کرسکتا ہے؟ فاعتبروا یااولی الابصار.

① سورة الحج: ۷۴



شرک باطل اور خرفات کی ٹوکری ہے

شرک باطل اور خرافات کا گڑھ ہے کیونکہ ہر وہ شخص جو کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا ستاروں، جنوں، انسانوں، اشباح وارواح وغیرہ کو مافوق الأسباب مؤثر مانتا ہے تو اس کی عقل ہر باطل وخرافات کو قبول کرنے کے لئے تیار و مستعد ہو جاتی ہے اور ایسا شخص ہر مکار و دجال کی تصدیق کے لئے آمدہ باش ہو جاتا ہے اور یہیں سے شرک کاہنوں، عرّافوں، جادوگروں اور نجومیوں وغیرہ کا ذریعہ معاش بن کر لوگوں میں مروج ہو جاتا ہے۔

شرک ظلم عظیم ہے

اگرچہ دنیا میں جرائم، حق تلفی، ناانصافی، زیادتیاں اور ظلم بہت ہیں مگر شرک سے بڑھ کر اور کوئی ظلم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کو ظلم عظیم کہا ہے۔

چنانچہ سیدنا لقمان حکیم رحمہ اللہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ ①

ترجمہ: بیٹا اللہ تعالیٰ کا شریک کسی کو مت بنانا، کیوں کہ شرک بڑا (سخت) گناہ ہے۔

اس آیت کی تفسیر خود رسول اکرم ﷺ سے یوں آئی ہے:

عن عبداللہ قال لما نزلت هذه الآية ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ شق ذلك على أصحاب النبي ﷺ وقالوا أينا لم يلبس إيمانه بظلم؟ فقال رسول الله ﷺ: إنه ليس بذلك ألا تسمعون إلى قول لقمان ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ ②

(صحیح بخاری)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا جب (سورۂ انعام کی) یہ آیت اتری: ''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ایمان کو گناہ سے آلودہ نہیں کیا'' تو یہ چیز اصحابِ رسول ﷺ پر بہت گراں گذری اور انہوں نے کہا: بھلا ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے ایمان کو گناہ کے ساتھ آلودہ نہ کیا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس آیت میں ظلم سے گناہ مراد نہیں ہے (بلکہ شرک مراد ہے) کیا تم نے لقمان کا قول نہیں سنا ''بے شک شرک بڑا ظلم ہے''

ایک بات اچھی طرح یاد رکھیں کہ دنیا میں بہت سے جرائم، معاصی اور گناہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں شرک کے سوا کسی بھی جرم اور معصیت کو ظلم عظیم نہیں کہا۔ اور اگر ظلم عظیم کہا تو صرف شرک ہی کو کہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شرک سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ظلم ہے ہی نہیں اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک صرف ظلم ہی نہیں

---

① سورة لقمان: ١٣

② رواه البخاري، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب إثم من أشرك بالله وعقوبته في الدنيا والآخرة / واللفظ له / أحمد، رقم: ٣٤٢٤ مسند عبدالله بن مسعود.



بلکہ ظلمات ہے۔اب ہم شرک کے ظلمات میں سے کچھ ظلم قارئین کے سامنے بطور نمونہ پیش کریں گے۔

الف: شرک، حقیقت کے لئے ظلم ہے:

کیونکہ حقائق میں سے سب سے بڑی حقیقت اللہ تعالیٰ کی توحید ووحدانیت (لا إلہ إلا اللہ) ہے۔ جس کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو إلہ ومعبود نہ مانا جائے اور اس کے حکم کے سوا کسی دوسرے کے حکم کو تسلیم نہ کیا جائے۔ مگر مشرک ہی وہ شخص ہے جو کہ اس حقیقتِ حقہ سے منحرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو اپنا إلہ ومعبود، حاجت روا ومشکل کشا مانتا ہے، ان کیلئے طواف واعتکاف کرتا ہے، ان کے نام کی نذر ونیاز دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا دوسروں کے حکم کا متلاشی رہتا ہے، تو شرک اس کھلی حقیقت کے ساتھ ظلم ہے۔

ب- شرک، خود نفس مشرک کے لئے ظلم ہے:

وجہ اس کی یہ ہے کہ مشرک نے اپنے نفس کو اپنے یا اپنے سے بھی کم درجے والی مخلوق کا غلام بنا دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آزاد پیدا کیا ہے۔ تو مشرک نے اپنے نفس کی قدر ومنزلت نہیں جانی اور اس کو اپنے جیسی مخلوق کے سامنے جھکا کر ذلیل کر دیا۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ①

بیشک تم جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح (اللہ کے) بندے ہیں، اچھا ان کو پکارو اگر سچے ہو تو وہ تمہارا مطلب پورا کریں۔

ج- شرک، معبودِ باطل کے لئے بھی ظلم ہے:

کیونکہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتا ہے تو یہ مشرک اس مخلوق (معبود باطل) کے حق میں ظالم ہے کیونکہ اس نے اس مخلوق کو وہ مقام دیا ہے جو اس کا حق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن معبودانِ باطلہ اپنے عابدوں کے بدترین دشمن بن جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ﴾ ②

ترجمہ: اور جب (قیامت کے دن) لوگ اکٹھے کئے جائیں گے وہ تو (معبودانِ باطلہ اللہ کی قدرت سے زندہ ہوکر) ان کے دشمن بن جائیں گے اور وہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔

شرک، خود انسانیت کی توہین ہے

یہ بات اچھی طرح یاد رکھیں کہ شرک میں دوسری قباحتوں کے علاوہ ایک قباحت یہ بھی ہے کہ اس میں خود ذات انسان کی

① سورۃ الأعراف: ۱۹۴ ② سورۃ الأحقاف: ۶

توہین ہے اور یہ شرک انسان کی کرامت و شرافت کے لئے ایک ذلت آمیز دھبہ ہے۔ جس سے انسان اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین میں مکرّم و معزز بنا کر خلیفہ بنایا ہے۔ علم و کمال دے کر اپنی بہت سی مخلوقات پر اس کو فضیلت دے دی اور اس کائنات کی ساری مخلوقات کو انسان کے لئے مسخر کر کے اس کائنات کی عنان حکومت و سیادت انسان کے ہاتھ میں و یدی، مگر انسان (مشرک) اپنے نفس کی اس عظیم الشان قدر و منزلت سے غافل و جاہل ہو کر اس مسخر کی ہوئی کائنات (جس کی قیادت و سیادت خود انسان کے ہاتھ دی تھی) کے بعض عناصر کو اپنا الٰہ و معبود بنا کر ان کے لئے جھکتا ہے، اپنے آپ کو ان کے لئے ذلیل کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ذلت و رسوائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کروڑوں، اربوں بلکہ بے شمار انسان ہندوستان میں ایسی گائے کی عبادت کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ جب تک زندہ ہے تو انسان کی خدمت کرتی رہے۔ آخر میں انسان اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھاتا ہے۔ مگر دیکھو انسان کو جو ایسی عاجز و حقیر مخلوق کے سامنے اپنی گردن جھکاتا ہے اور اس سے بڑھ کر ذلت، حقارت، رسوائی و اہانت اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان (مشرک) اپنے خالق، رازق اور اپنے اس پالنے والے رب العالمین (جو علم و قدرت اور احاطہ کے لحاظ سے اس کے ساتھ ہے) کو جو اس کی بات ہر وقت سنتا اور اس کو ہر وقت دیکھتا ہے اور اس کے حالات سے ہر وقت باخبر رہتا ہے، ایسی ذات کو چھوڑ کر نہایت تضرع، عاجزی اور ذلت کے ساتھ قبروں کی بوسیدہ اور سڑی ہوئی ہڈیوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اپنے وجود پر کیڑوں کے حملوں اور غارت گری کے بچاؤ سے عاجز ہیں ایسے عاجز و بے بس ہیں کہ قبر میں ان کی ہڈیوں کے دبوچنے پر کیڑے آپس میں لڑتے ہیں اور یہ اپنے وجود پر کیڑوں کے حملوں اور ان کی غارت گری سے اپنے آپ کو بچانے سے بھی قاصر ہیں۔

کبھی دیکھو تو "لاہور" کی طرف متوجہ ہو کر علی ہجویری کو پکارتا ہے تو کبھی سیہون کی طرف رخ کر کے عثمان مروندی کو صدق دل سے پکارتا ہے اور کبھی پاکپتن کی طرف متوجہ ہو کر فرید الدین کو پکارتا ہے اور کبھی:

بگرد اب بلاء افتادہ کشتی مدد کن یا معین الدین چشتی

کا نعرہ بلند کر کے معین الدین چشتی اجمیری کو صدق دل سے پکارتا ہے، کہاں تک گنتا رہوں؟!!

خلاصہ یہ کہ رات دن انسان (مشرک) ایسے اموات (مردوں) کے پیچھے لگ کر ان کو پکار رہا ہے جن کو اپنے ہی حال کا پتہ نہیں۔ اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ٥ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴾ ①

ترجمہ: اور جن معبودوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود (دوسرے کے) پیدا کئے ہوئے ہیں۔ (یہ) مُردے ہیں ان میں (آدمی کی طرح) جان بھی نہیں ہے اور ان کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب زندہ ہوں گے۔

① سورۃ النحل : ۲۰-۲۱



شرک عمل نافع کو معطل کردیتا ھے

شرک کی جملہ برائیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شرک عمل صالح کو معطل کر دیتا ہے کیونکہ شرک اپنے اتباع کو واسطوں، وسیلوں اور شفعاء کے اعتماد کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لئے مشرک لوگ انہی وسطاء وشفعاء پر اعتماد کر کے عمل صالح چھوڑ دیتے ہیں اور ذنوب ومعاصی کے ارتکاب پر جری ہو جاتے ہیں، بلکہ گناہوں کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے اس اعتماد پر کہ یہ ہمارے پیر و بزرگ، ولی وشہید اور وہ سب اشخاص جن کے بارے ہمارا (قبر پرست ومشرکوں کا) اعتماد ہے سو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش ضرور بالضرور کریں گے خواہ کچھ بھی ہو تو اس اعتقاد کی بنیاد پر شرک عمل صالح کو معطل کر کے ذنوب ومعاصی کی جرأت پیدا کر دیتا ہے کیونکہ جب مشرک کا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ میری سفارش ہر حالت میں ہونی ہے تو وہ نہ عمل صالح کے لئے کوشاں ہوگا اور نہ ہی ذنوب و معاصی سے رکے گا۔

بس مشرک کا اعتماد انہی وسطاء وشُفعاء پر ہی ہوتا ہے۔ اور یہی اعتقاد قبل از سلام مشرکین عرب کا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کا قول وعمل اس طرح نقل کرتا ہے۔

﴿ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ ①

ترجمہ: اور یہ (مشرک) اللہ تعالیٰ کے سوا اُن کو پوجتے ہیں جو نہ ان کا نقصان کر سکتے ہیں نہ فائدہ اور کہتے ہیں کہ اللہ کے پاس یہ ہمارے سفارشی ہوں گے (اے پیغمبر) کہہ دے کیا تم اللہ کو وہ بات بتلاتے ہو جس کو وہ نہ آسمانوں میں پہچانتا ہے نہ زمین میں۔ وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

اب بطورِ مثال نصاری کو دیکھو رات، دن ذنوب ومعاصی اور فواحش ومنکرات میں ایسے منہمک ہیں کہ ان جرائم کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے بالخصوص زنا اور شراب نوشی کو۔ یہ افعال قبیحہ جتنے عیسائیت میں عام ہیں کسی دوسرے مذہب ونظریہ میں اتنے عام نہیں ہیں۔ تو نصاری اتنے مختلف الأنواع ذنوب ومعاصی اور فواحش ومنکرات کا ارتکاب کرتے ہوئے معمولی سی جھجک تک بھی محسوس نہیں کرتے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان (نصاریٰ) کا اعتقاد ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بقول ان کے جب پھانسی پر چڑھائے گئے تو اس وقت وہ اپنی امت کے گناہوں کا کفارہ ہو کر چڑھے۔ جب ان کا اعتقاد ہی یہ ہوگا کہ گناہوں کا کفارہ پہلے سے ہو چکا ہے تو بھلا وہ گناہوں سے کیسے رکیں گے؟

اور اسی طرح بعض نام نہاد مسلمان (قبر پرست) فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کے تارک ہیں اور ذنوب ومعاصی

---

① سورة یونس : ١٨

اورمحرمات کے مرتکب ہیں، جیسے زنا کاری، چرس، بھنگ اور شراب نوشی، جوا، ڈاکہ زنی اور رشوت اور حرام خوری وغیرہ انہی جرائم و آثام کی نالیوں میں رات دن بھٹک رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوکر حساب وکتاب اور پکڑ ومواخذہ کا کوئی فکر ہی نہیں کیونکہ ان قبر پرستوں کا اعتماد اپنے ان پیروں، بزرگوں اور اولیاء وصالحین کی شفاعت پر ہوتا ہے جن کے ناموں کی نذر و نیاز دیتے، ان کی قبروں کے طواف واعتکاف کرتے، ان کے لئے جانور ذبح کرتے اور ان کے لئے سجدہ ورکوع کرتے ہیں۔

بس انہی وسطاء وشفعاء پر اعتماد کرتے ہوئے نہ عمل صالح کے لئے قدم بڑھاتے ہیں اور نہ ہی گناہوں سے پیچھے ہٹتے ہیں، اس خوش فہمی پر کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا مرید کیسے جہنم میں جائے گا؟ حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کے نام پر سینہ کوبی کرنے اور سبیل قائم کرنے والا میدان محشر میں کبھی بھی پریشان نہیں ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ داتا کا عاشق قیامت کے دن ان کی سفارش سے کبھی بھی محروم نہیں ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ جو علی (رضی اللہ عنہ) مشکل کشا کا دامن پکڑے گا اس کا بیڑا پار ہے۔

اور کوئی محمد رسول اللہ ﷺ کی شفاعت وسفارش پر اعتماد کرکے ''محمد ہے تو کیا غم ہے'' کا نعرہ لگاتا ہے۔ حالانکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرکے یوں ارشاد فرمایا تھا۔

''...... یا فاطمة بنت محمد سلینی من مالی ما شئت لا أغنی عنک من اللہ شیئاً. ① (صحیح بخاری)

ترجمہ: اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ مجھ سے میرے مال میں سے جو کچھ لینا چاہتی ہو وہ مانگ لو، کل قیامت کو میں تجھے کچھ فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔

لوگو! یہ بات اچھی طرح یاد رکھو کہ محض محبت و دوستی سبب نجات نہیں ہے بلکہ عذاب الٰہی سے نجات دینے والی چیز صرف اور صرف توحید وایمان اور اِتباع واطاعت ہے۔ بطور مثال: اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے محبت تو رکھتا ہو مگر وہ آپ ﷺ پر ایمان لاکر آپ ﷺ کی اتباع نہ کرتا ہو تو صرف اس محبت کی وجہ سے وہ شخص عذاب الٰہی سے نجات نہیں پاسکے گا، دیکھو ابوطالب رسول اللہ ﷺ سے کتنی اور کیسی محبت رکھتا تھا، ساری عمر آپ ﷺ کی خدمت کی، مشرکین کی ایذاء وتکالیف کو آپ ﷺ سے ہٹاتا تھا مگر اس محبت ودوستی نے ابوطالب کو عذاب الٰہی سے نجات نہ دی۔ چنانچہ اسکی طرف اشارہ کرکے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

ولا ینتفع بشفاعته إلا أهل التوحید المؤمنون دون أهل الشرک، ولو کان المشرک مُحِبًا له، معظمًا له لم تنقذه شفاعته من النار، وإنما ینجیه من النار

ترجمہ: اور آپ ﷺ کی شفاعت سے صرف اہل توحید مومن ہی نفع پائیں گے، مشرکین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ پائے گا اگرچہ وہ آپ سے کتنی ہی الفت رکھتے ہوں اور آپ کا کتنا ہی

① رواہ البخاری کتاب التفسیر القرآن سورہ الشعراء باب ''وانذر عشیرتک الاقربین''



التوحيد والإيمان به. ولهذا لما كان أبو طالب وغيره يحبونه ولم يقروا بالتوحيد الذى جاء به لم يمكن أن يخرجوا من النار بشفاعته ولا بغيرها .①

احترام کرتے ہوں، آپ کی شفاعت انہیں ہرگز جہنم سے نہیں بچا سکے گی۔ البتہ جو چیز انہیں دوزخ سے بچا سکتی ہے وہ توحیدِ باری تعالیٰ اور آپ ﷺ پر ایمان لانا ہے اسی بنا پر ابوطالب اور دیگر وہ لوگ (مشرکین) جو رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنے والے تھے آپ (ﷺ) کی شفاعت یا کسی اور ذریعہ سے نجات نہیں پا سکیں گے کیونکہ وہ آپ کے لائے ہوئے عقیدہ توحید کے منکر تھے۔

شرک: خوف وھراس اور عدم اطمینان کا سبب ھے

چونکہ ضلالت وگمراہی اور باطل طریقے بہت ہوتے ہیں جیسا کہ بدعات وخرافات ہیں، قبر پرستی وبت پرستی ہے، زندہ و مردہ پیروں کی پوجا پاٹ ہے۔ یہ سارے کے سارے باطل وگمراہی کے طریقے ہیں۔ پس جس شخص کی عقل، بدعات وخرافات کو قبول کرتی ہے اور ہر باطل کی تصدیق کے لئے تیار ہو جاتی ہے تو وہ شخص مختلف ومتعدد طریقوں اور اشیاء سے ہمیشہ خائف ومرعوب رہتا ہے۔

کبھی حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے ڈرتا ہے تو کبھی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ سے ڈرتا ہے کہ مبادا اگر میں نے ان کے نام کی گیارہویں شریف ادا نہ کی تو وہ ناراض ہو کر مجھے مالی، جانی یا کوئی نہ کوئی دوسرا نقصان ضرور دیں گے۔

کبھی خوبصورت اور پکی بنی ہوئی قبر دیکھ کر اس سے ڈرنے لگتا ہے کہ کہیں کوئی ولی وبزرگ کی قبر نہ ہو جو قابلِ تعظیم ہو۔ اور پھر ڈر کے مارے اس کا طواف شروع کر دیتا ہے حالانکہ نہ تو وہ اس قبر کی تاریخ جانتا ہے اور نہ ہی اس صاحب قبر کو اور نہ ہی اس شخص کو جانتا ہے جس نے اس قبر کو پکا بنایا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات تحقیق کرنے سے یہ منکشف ہوا کہ اس قبر میں کچھ بھی نہیں نہ ولی نہ غیر ولی، حتیٰ کہ بعض ایسی قبور کہ جن کے اصحاب کو لوگ ولی وبزرگ سمجھ کر پوجا پاٹ کرتے تھے مگر وہاں سے گدھوں اور کتوں کے جثے نکلے ہیں۔ جس کو ثقات ومعتمدین نے بیان کیا ہے، جن کا ذکر مقام کی تنگی کی وجہ سے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مشرک ہمیشہ جہات مختلفہ اور طرق متعددہ سے خائف ومرعوب رہتا ہے کیونکہ اس کا اعتماد ایسے متعدد آلہہ ومعبودین پر ہوتا ہے جو کہ خود اپنے وجود کے نفع ونقصان سے بھی عاجز ہیں۔ اس لئے مشرک بغیر کسی ظاہری سبب کے ہمیشہ بُرے خیالات وبد شگونی، رعب ودہشت، خوف وہراس اور قلق واضطراب میں رہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

① التوسل والوسيلة ص: ۱۴

﴿ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا ﴾ ①

ترجمہ: اب ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اس کو جس کے (شریک ہونے کی) اس نے کوئی سند (دلیل) نہیں اتاری۔

شرک: ہمیشہ جہنم میں رہنے کا سبب ہے

حقیقت میں شرک انسان کی دنیا وآخرت کی تباہی وبربادی کا سبب ہے۔ دنیا کی اس لئے کہ مشرک دنیا میں ہمیشہ خوف و ہراس اور قلق واضطراب میں رہتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اور آخرت کی اس لئے کہ مشرک قیامت کے دن جہنم کے دائمی و سرمدی عذاب میں رہے گا اور جہنم سے کبھی نہیں نکلے گا۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴾ ②

ترجمہ: کیونکہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے تو اللہ تعالیٰ جنت کو اس پر حرام کر چکا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں (یعنی مشرکوں) کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں یہ فیصلہ کر دیا کہ مشرک کسی صورت میں بھی جنت میں نہیں جاسکے گا اور وہ ہمیشہ جہنم میں ہی مقید رہے گا۔

شرک: اُمت کے لئے سببِ تفریق ہے

اسلام دینِ فطرت ہے، یعنی لوگ اللہ کی توحید ووحدانیت پر ہی پیدا کئے گئے ہیں۔ مقصد یہ کہ سب مل کر اکھٹے ہو کر اللہ واحد کی عبادت کریں اور یہی چیز سببِ اتفاق واتحادِ اُمت ہے اور اس کے برخلاف شرک ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴾ ③

ترجمہ: اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ (یعنی) ان لوگوں میں جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی اور کئی گروہ ہو گئے اور پھر ہر گروہ اپنے جھوٹے اعتقاد پر پھولا ہوا (خوش) ہے۔

شرک ہی سبب اختلاف وافتراقِ امت ہے کیونکہ جب لوگ دینِ فطرت کو چھوڑ کر شرک کو اختیار کریں گے تو ان میں

---

① سورۃ آل عمران: ۱۵۱
② سورۃ المائدہ: ۷۲
③ سورۃ الروم: ۳۱-۳۲

تحزب وگروہ بندی ضرور آئے گی جس کی وجہ سے ہر حزب و پارٹی اپنے آپ کو مدعی حق و ہدایت جان کر اپنے مخالف کو باطل و بے بنیاد اور نری گمراہی پر سمجھنے لگتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں آپس میں قتل و غارت گری کا مسئلہ پیش آ جاتا ہے اور یہ یقینی چیز ہے کیونکہ ہر حزب و پارٹی اپنے مقابلہ میں کسی دوسرے کے وجود کو برداشت نہیں کرتی۔ جیسے یہود و نصاریٰ اور مجوس وغیرہ۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَى عَلَى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴾ ①

اور یہود کہتے ہیں نصاریٰ کا دین کچھ نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں یہود کا دین کچھ نہیں حالانکہ دونوں فرقے اللہ کی کتاب (یہود تورات اور نصاریٰ انجیل) پڑھتے رہتے ہیں۔ جاہل لوگ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کا جھگڑا قیامت کے دن چکا دے گا۔

مشرک کی بخشش کسی صورت میں بھی نہیں ہوسکتی

مشرک کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ شرک کی حالت میں اس کی بخشش و معافی کبھی اور کسی بھی صورت میں نہیں ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا ﴾ ②

بے شک اللہ شرک کو تو بخشنے والا نہیں اور شرک کے سوا (جو گناہ ہیں) جس کو چاہے بخش دے (اور جس کو چاہے نہ بخشے، بلکہ عذاب دے) اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اس نے بڑا گناہ باندھا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا اٹل اور قطعی قانون و دستور (لفظ ''إنّ'' کے ساتھ جو کہ تحقیق کے معنی کے لئے ہوتا ہے) نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا کہ مشرک کی بخشش کسی صورت میں بھی نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ وہ شرک سے توبہ نہ کر لے۔ اور شرک کے علاوہ دوسرے گناہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں داخل ہیں جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے کوئی مناسب سزا دے دے۔ لیکن سزا ملنے پر جہنم سے ضرور نکلے گا۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔

---

① سورۃ البقرۃ: ۱۱۳
② سورۃ النساء: ۴۸

عن انس بن مالک قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: قال اللہ تبارک وتعالیٰ :یاابن آدم إنک ما دعوتنی ورجوتنی غفرت لک علی ماکان فیک ولا أبالی یا ابن آدم لو بلغت ذنوبک عنان السماء ثم استغفرتنی غفرت لک ولاأبالی یا ابن آدم إنک لو اتیتنی بقراب الأرض خطایا ثم لقیتنی لا تشرک بی شیئا لأتیتک بقرابها المغفرة.① (حسن)

ترجمہ:انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:اے آدم کے بیٹے تو جب تک مجھے پکارتا رہیگا اور مجھ سے امیدِ مغفرت رکھتا رہیگا میں تجھے بخشتا رہونگا تو کسی کام میں ہو اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔اے آدم کے بیٹے اگر پہنچ جائے گناہ تیرے آسمان کے کناروں تک پھر بخشش مانگے تو مجھ سے،تو بھی بخش دونگا تجھ کو اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔اے آدم کے بیٹے اگر تو زمین بھر گناہ لیکر مجھ سے ملے کہ شریک نہ کیا ہو تو نے میرے ساتھ کسی کو تو میں اتنی ہی بخشش لیکر تیرے آگے آؤنگا۔

اور اسی مضمون کی ایک حدیث یوں آئی ہے:

عن أبی ذر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أتانی آتٍ من ربی فأخبرنی أوقال: بشّرنی أنه من مات من أمتی لایشرک باللہ شیئاً دخل الجنة، قلت وإن زنی وإن سرق قال: وإن زنی وإن سرق.
② (صحیح بخاری)

ترجمہ: سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا (فرشتہ) آیا اور اس نے مجھے خبر دی یا یہ کہا کہ مجھے خوشخبری دی کہ میری امت میں سے جو اس حال پر فوت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کیا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور اگرچہ اس نے چوری کی ہو،تو آپ ﷺ نے کہا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور اگرچہ اس نے چوری کی ہو۔

اور شرک کے عدم معافی کی ایک اور روایت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے۔

مذکورہ آیت اور احادیث سے جس طرح کافر ومشرک کے قطعی ویقینی طور پر ہمیشہ جہنم میں رہنے کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح

① رواہ الترمذی، کتاب الدعوات، باب فضل التوبة والاستغفار واللفظ له، رقم الحدیث: ۳۵۴۰/ حسنه الترمذی ،وصححه الألبانی. /مسند احمد ، مسند ابی ذر/صحیح ابن حبان ،کتاب الایمان ،ذکر الأخبار بان اللہ قد یغفر بتفضله لمن لم یشرک به شیئا جمیع الذنوب التی کانت بینه وبینه.الرقم: ۲۲۶، مسند ابی ذر.

② رواہ البخاری ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الجنائز ومن کان آخر کلامه لا إله إلا اللہ.واللفظ له/ صحیح ابن حبان، کتاب الایمان ، ذکر الاخبار عن ایجاب الجنة لمن حلت به وهو لایجعل مع اللہ ندا .الرقم:۲۱۳



شرک وکفر سے بچنے والے دوسرے عام گنہگاروں کے آخرالأمر میں جنت میں جانے کا ثبوت ملتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کافر ومشرک کے علاوہ جو بھی گنہگار بندے بعض گناہوں کے سبب جہنم میں داخل ہوں گے خواہ وہ کتنی ہی مدت جہنم میں عذاب جھیلتے رہیں مگر آخرالأمر جہنم سے ضرور نکلیں گے۔ کیونکہ بعض روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ اہل قبلہ کے گنہگار مسلمان قیامت کے دن جب کفار ومشرکین کے ساتھ جہنم میں اکٹھے ہوں گے تو کافر ومشرک لوگ ان گنہگار مسلمانوں سے کہیں گے کہ تمہارے اسلام کا کیا فائدہ ہوا؟ تم مسلمان تھے تمہیں تو جنت میں جانا چاہئیے تھا، تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور اپنے فضل وکرم سے ان گنہگار مسلمانوں کو جہنم سے نکال لے گا۔ تو اس وقت کفار ومشرکین اسلام کی تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو آج انہی مسلمانوں کی طرح جہنم سے نکل جاتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِيْنَ.①

ترجمہ: بہت بار کافر یہ آرزو کریں گے کہ کاش وہ (دنیا میں) مسلمان ہوتے۔

اس آیت کی تفسیر میں بہت سی مرفوع احادیث اور آثار آئے ہیں۔ ہم طوالت سے بچتے ہوئے صرف ایک مرفوع روایت پر اکتفاء کرتے ہیں۔

عن أبي موسىٰ رضي الله عنه مرفوعاً: إذا اجتمع أهل النار في النار ومعهم ما شاء الله من أهل القبلة. قال الكفار للمسلمين: ألم تكونوا مسلمين؟ قالوا: بلىٰ. قالوا فما أغنى عنكم إسلامكم وقد صرتم معنا في النار، قالوا: كانت لنا ذنوب فأخذنا بها. فسمع الله ماقالوا، فأمر بمن كان في النار من أهل القبلة أن يخرجوا فاخرجوا فلما رأى ذلك مَن بقي من الكفار في النار قالوا: ياليتنا كنا مسلمين. ② (صحيح)

ترجمہ: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب آگ (جہنم) والے آگ میں اکٹھے ہوں گے تو ان کے ساتھ اہل قبلہ کے گنہگار مسلمان بھی ہوں گے۔ کفار مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہیں گے کیا آپ مسلمان نہیں تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں! تو جہنم والے (کفار) کہیں گے کہ تمہیں تمہارے اسلام نے کیا فائدہ دیا؟ تم تو ہمارے ساتھ آ ملے ہو، تو مسلمان کہیں گے ہمارے کچھ گناہ تھے جس کی بناء پر ہماری پکڑ ہوئی ہے تو یہ ساری گفتگو اللہ رب العالمین سنے گا تو آگ والوں کے متعلق حکم دے گا کہ جو بھی ان میں اہل قبلہ مسلمان ہیں ان کو

① سورة الحجر : ۲

② رواه الطبراني في المعجم الكبير / بحواله جامع المسانيد والسنن ج۱۴ ص ۲۵۲ رقم الحديث (۱۲۴۲۱) مسند أبي موسى / والمعجم الأوسط ۶/ ۹۰ عن أبي سعيد الخدري، الرقم: ۸۱۱۰/ الحاكم في المستدرك ج۲ ص ۲۴۲، كتاب التفسير وقال صحيح الاسناد وقال الذهبي في التلخيص: صحيح، التلخيص بهامش المستدرك ج۲ ص ۲۴۲/ كتاب السنة ج۲ ص ۴۰۵......۴۰۶ الرقم: ۸۴۳/ وقال الألباني تعليقاً على كتاب السنة: صحيح.



نکال دیا جائے تو وہ سارے آگ سے نکال دیئے جائیں گے۔
جب یہ مسلمانوں کا معاملہ جہنم والے کفار دیکھیں گے تو حسرت
کرتے ہوئے کہیں گے اے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔

شرک کی قباحت کا انداز

شرک ایسی مہلک مرض اور مُضر بیماری ہے کہ اگر بالفرض والمحال اس کا صدور اللہ رب العزت کے برگزیدہ اور معزز ترین بندوں انبیاء کرام علیہم السلام سے ہو جائے (العیاذ باللہ) تو دوسروں کی طرح ان کے اعمال بھی تباہ و برباد اور ضائع ہو جائیں گے اور ان کو اپنے کمائے ہوئے سرمایۂ اعمال سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

اس بات میں اگرچہ علماء کا کچھ اختلاف ہے کہ کتنے انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ اور اس اختلاف کی بنیاد کچھ اشخاص کی نبوت وعدم نبوت ہے کہ کیا وہ نبی ہیں یا صرف ولی ہیں جیسے سیدنا عزیر علیہ السلام سیدنا لقمان اور تُبّع وغیرہ۔ خیر یہ اختلاف اپنی جگہ پر ہم اس میں جانا نہیں چاہتے کیونکہ نہ یہ ہماری بحث ہے اور نہ ہی بحث کے بعد ہم اس میں فیصلہ کرنے کے اہل ہیں۔ مزید اگر کسی کو اس بارے میں تحقیق کا کوئی شوق ہے تو تفسیر ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہما جیسی تفاسیر میں مراجعت کرے۔

باقی جو متفقہ طور پر نبی ورسول ہیں جن کا نام قرآن کریم میں آیا ہے وہ پچیس ہیں اور ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) آدم علیہ السلام (۲) نوح علیہ السلام (۳) ادریس علیہ السلام (۴) ہود علیہ السلام (۵) صالح علیہ السلام (۶) ابراہیم علیہ السلام (۷) اسماعیل علیہ السلام (۸) اسحٰق علیہ السلام (۹) یعقوب علیہ السلام (۱۰) یوسف علیہ السلام (۱۱) موسیٰ علیہ السلام (۱۲) ہارون علیہ السلام (۱۳) لوط علیہ السلام (۱۴) شعیب علیہ السلام (۱۵) ایوب علیہ السلام (۱۶) ذوالکفل علیہ السلام (۱۷) داؤد علیہ السلام (۱۸) سلیمان علیہ السلام (۱۹) الیاس علیہ السلام (۲۰) الیسع علیہ السلام (۲۱) یونس علیہ السلام (۲۲) زکریا علیہ السلام (۲۳) یحییٰ علیہ السلام (۲۴) عیسیٰ علیہ السلام (۲۵) اور محمد علیہ السلام۔

اور ان پر بہت سے علماء کرام نے کتابیں بھی لکھی ہیں۔ جیسے کتاب ''قصص الانبیاء'' امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اور کتاب ''النبوۃ والأنبیاء'' علامہ صابونی کی۔ ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ علامہ صابونی نے ان پچیس انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی ایک نظم میں یوں لائے ہیں۔

"فی (تلک حجتنا) منهم ثمانیه — من بعد عشر ویبقی سبعة وهموا
ادریس، هود، شعیب، صالح و کذا — ذوالکفل، آدم بالمختار قدختموا"①

---

① النبوۃ والأنبیاء ص ۱۳

خلاصہ یہ کہ پچیس انبیاء علیہم السلام کا نام قرآن کریم میں تصریح کے ساتھ آیا ہے جب کہ باقی دوسرے انبیاء کا ذکر الأنبیاء و الرسل اور النبیین والمرسلین وغیرہ کے ضمن میں آیا ہے اور پھر ان پچیس میں سے اٹھارہ انبیاء کرام کے اسماء گرامی سورہ الانعام کے ایک ہی مقام پر یوں بیان کیے گئے ہیں۔

﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحاً هَدَيْنَا مِن قَبْلُ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطاً وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴾ ①

ترجمہ: یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراھیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلے میں دی تھی، ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا، بڑا علم والا ہے، اور ہم نے ان کو اسحٰق دیا اور یعقوب، ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور ان کی اولاد میں سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں اور (نیز) زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو سب نیک لوگوں میں سے تھے اور نیز اسمٰعیل کو اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو ہر ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی۔

ان اکابر انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی کے بیان کے بعد دوسروں کا تذکرہ اجمالاً اس طرح کیا ہے۔

﴿ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾ ②

ترجمہ: اور نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہ راست کی ہدایت کی۔

الغرض: ان اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا نام لے کر باقی انبیاء کرام کا "وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ......" میں اجمالاً ذکر کر کے گویا تمام انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اور پھر آگے اللہ تعالیٰ ان انبیاء علیہم السلام کے متعلق یوں ارشاد فرماتا ہے۔

﴿ ذَلِكَ هُدَى اللّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَوْ أَشْرَكُواْ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُواْ يَعْمَلُونَ ﴾ ③

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کو سوجھائے (عطا کرے) اور اگر وہ لوگ (انبیاء کی جماعت) شرک کرتے تو ان کا کیا کرایا (سب) اکارت (باطل) ہو جاتا۔

---

① سورة الأنعام: ۸۳-۸۶
② سورة الأنعام: ۸۷
③ سورة الانعام: ۸۸

مسلمانو! یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ شرک کا صدور انبیاء علیہم السلام سے ممکن ہی نہیں بلکہ محال و ممتنع ہے اور یہ مسئلہ تمام اہل اسلام کے ہاں ایک متفقہ اور مسلمہ مسئلہ ہے۔

اس لئے مذکورہ آیت سے کوئی یہ ہرگز نہ سمجھے کہ شاید شرک کا صدور انبیاء علیہم السلام سے (العیاذ باللہ) ممکن ہے، حاشا وکلا۔ آیت کا مقصد یہ ہرگز نہیں، بلکہ آیت سے شرک کی قباحت بیان کرنا مقصود ہے۔ بالخصوص جبکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق شرک کو شرط کے ساتھ معلّق کر دیا، جیسا کہ یہاں ''لَوْ'' شرطیۃ کے ساتھ معلق کیا گیا ہے۔

اور کلمہ (لــــو ـ) انتفاء ثانی بسبب انتفاء اول کے لئے آتا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ''ان کے اعمال ضائع نہیں ہوئے کیونکہ انہوں نے شرک نہیں کیا تھا۔

فـائدہ : یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ شرط کے لئے وقوع ضروری نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شرط کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ واقع بھی ہو جائے۔ بلکہ بہت سی ایسی شرطیں ہیں جن کا وقوع محال و ممتنع ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿ قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ﴾ ①

ترجمہ: (اے پیغمبران کافروں سے) کہہ دے اگر بالفرض اللہ کی اولاد ہوتی (بیٹا یا بیٹی) تو سب سے پہلے میں اس کی پوجا کرتا۔

اور اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ لَوْ أَرَدْنَا أَن نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنَاهُ مِن لَّدُنَّا ﴾ ②

ترجمہ: اگر ہم کو دل بہلاوا منظور ہوتا (بیوی یا اولاد) تو ہم اپنے پاس سے اس کو بنا سکتے تھے۔ (اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے۔)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ رحمٰن کے لئے وَلَدْ کا ہونا محال و ممتنع ہے اور اسی طرح اس کے لئے اتخاذ لہو بھی محال و ممتنع ہے مگر اس کے باوجود شرط کا استعمال ہوا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وقوع شرط ضروری نہیں ہے۔

چنانچہ ''وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ'' آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهذا شرط والشرط لايقتضي جوازالوقوع . ③

ترجمہ: یہ جملہ محلِّ شرط ہے اور شرط کے لئے یہ ضروری نہیں کہ واقع بھی ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جیسے ہم نے پہلے کہا تھا کہ آیت سے شرک کی قباحت و برائی بیان کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ امام ابن کثیرؒ

ـ چنانچہ نُحاۃ کا یہ مشہور و معروف مقولہ ہے کہ ''لو غُرِسَ ''لَوْ'' وسُقِيَ بِمَاءِ ''إِنْ'' لَنَبَتَ ''فَلَرُبَّمَا''

① سورة الزخرف : ٨١

② سورة الأنبياء : ١٧

③ تفسير ابن كثير ج٢ ص ١٥٥



اسی صفحہ پر لکھتے ہیں۔

تشدید لأمر الشرک وتغلیظ لشانه وتعظیم لملابسته. ①

ترجمہ: یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ امرِ شرک کس قدر سخت ہے اور اس کی برائی کی اہمیت کتنی زبردست ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شرک کا صدور انبیاء علیہم السلام سے محال و ممتنع ہے مگر اس محال و امتناع کے باوجود پھر بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر بالفرض والمحال اس فعلِ قبیح و شنیع کا صدور ان برگزیدہ ہستیوں (یعنی انبیاء علیہم السلام) سے بھی ہوتا تو دوسروں کی طرح ان کے اعمال بھی بالکل ضائع ہو جاتے اور ان کو کوئی نیکی کا کام مفید نہ ہوتا۔ (العیاذ باللہ)

اس سے آپ نے بخوبی اندازہ لگایا ہوگا کہ شرک کتنی بُری، گندی اور لاعلاج مرض ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی بھی شخص کا کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہو سکتا خواہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا ہی معزز و مقرّب کیوں نہ ہو۔

خطاب کا رخ خاتم الرسل ﷺ کی طرف صرف قباحتِ شرک کی وجہ سے ہوا

اوپر والے بیان سے واضح ہو چکا ہے کہ شرک کا صدور انبیاء علیہم السلام سے محال و ممتنع ہے مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ خطاب کا رخ امام الأنبیاء والرسل محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف پھیرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: اے میرے پیارے رسول شرک اتنی گندی بیماری اور بری مرض ہے کہ اگر بالفرض والمحال آپ (محمد ﷺ) سے بھی یہ فعل قبیح و شنیع (العیاذ باللہ) سرزد ہو جائے تو دوسروں کی طرح آپ ﷺ کے بھی اعمال ضائع ہو کر رہ جائیں گے اور کوئی بھی نیکی کا کام آپ ﷺ کو فائدہ نہیں دے سکے گا۔

چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ②

ترجمہ: اور تیری طرف اور تجھ سے پہلے جو (پیغمبر) گذر گئے ان کی طرف (بھی) یہ حکم بھیجا جا چکا ہے (ہر ایک پیغمبر علیہ السلام سے ہم نے کہہ دیا ہے) اگر تو نے (اللہ کے ساتھ) شرک کیا تو تیرا کیا کرایا (سب) اکارت ہو جائیگا اور آپ خسارہ اٹھانے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔

آیت کا واضح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول محمد رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ: اے میرے رسول محمد ﷺ آپ اور آپ سے پہلے جتنے بھی نبی و رسول ہو گزرے ہیں سب کی طرف اس بات کی وحی کر دی گئی ہے، کہ

① تفسیر ابن کثیر ۱۵۵/۲
② سورة الزمر: ۶۵



اگر بالفرض والمحال آپ (محمد ﷺ) شرک کریں تو دوسروں کی طرح آپ کا بھی کمایا ہوا سرمایۂ اعمال صالحہ ضائع ہو جائے گا اور آپ محمد ﷺ نقصان میں پڑ جائیں گے۔

اللہ اکبر! کتنی قباحت ہے شرک کی کہ اللہ تعالیٰ اشرف الخلوقات محمد رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ یہ فعل اتنا قبیح وشنیع ہے کہ اگر آپ ﷺ سے اس کا صدور ہو جائے تو آپ ﷺ کی بھی لحاظ داری نہیں کی جائے گی حالانکہ انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص خاتم الرسل ﷺ سے شرک کا صدور تو دور کی بات ہے بلکہ اس کا خیال وتصور بھی محال وناممکن ہے۔ان خطابات سے صرف اور صرف شرک کی قباحت، برائی اور گنداپن واضح کرنا مقصود ہے تاکہ لوگ اس سے بچ جائیں جیسا کہ اس سے پہلے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول اس بارے میں گذر چکا ہے۔

عام طور پر عوام الناس اور کم علم والے لوگ مشرک اور پیٹ پرور پیروں، قبروں کے مجاور وتعویذ فروش مولویوں اور موروثی گدی نشین خلیفوں کے کثرتِ اعمال سے دھوکہ کھا کر کہتے ہیں۔ کہ دیکھو یہ پیرو بزرگ رات دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ ہر وقت ان کے دسترخوان بچھے ہوئے ہیں، مہمانوں کے ہاتھ خود دھوتے ہیں۔ان کی تہجد واشراق کی نمازیں کبھی قضاء نہیں ہوتیں۔ ہر سال حج وعمرہ کو جاتے ہیں، دینی مدرسے چلا رہے ہیں فقیروں، مسکینوں، یتیموں، بیواؤں کو کھانا کھلاتے ہیں اور تصنیف وتالیف میں لگے ہوئے ہیں۔

اللہ اکبر! اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اعمال انسان کی نجات وکامیابی کے لئے بہترین سرمایہ ہیں۔مگر ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ اعمال انسان کی نجات کا سبب اس وقت بن سکتے ہیں جب انسان کے پاس ایسا صحیح ایمان ہو کہ جس میں شرک کا شائبہ بھی نہ ہو۔اور ایمان کے بغیر یہ سارے کے سارے اعمال تباہ وبرباد ہیں۔

آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ قبولیت کے لحاظ سے نبی کا ہر عمل مقبول الٰہی ہوتا ہے اور وزن کے اعتبار سے نبی کا عمل امت کیلئے مثال اور نمونہ ہوتا ہے اور انتہائی اخلاص پر قائم ہوتا ہے مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سارے انبیاء ورسل علیہم السلام کو بطورِ عموم اور خاتم الرسل ﷺ کو خصوصیت کے ساتھ مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ کہ شرک اتنا مہلک اور تباہ کن مرض ہے کہ آپ (انبیاء ورسل علیہم السلام) حضرات کے اعمال کی کثرت اور مقبولیت کے باوجود اگر بالفرض والمحال آپ سے بھی شرک سرزد ہو جائے تو آپ حضرات کے یہ سارے کے سارے اعمال اکارت وضائع ہو کر رہ جائیں گے۔

تو معلوم ہوا کہ کثرت اعمال بغیر صحیح عقیدہ وایمان کے بے کار ہے۔



نواں باب

مشرک پیشواؤں اور ان کے پیروکاروں کا بیان

اس باب میں مشرک پیشواؤں اوران کے پیچھے لگنے والوں کا بیان ہوگا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ کافر ومشرک لوگ دو قسم کے ہیں۔

۱- پہلی قسم کے وہ ہیں جو کفر وشرک کے داعی وسرغنہ ہیں، جیسے کافر ومشرک حاکم، قومی سرمایہ دار ولیڈر، پیٹ پرور پیر ومولوی اور دوسرے مذہبی وسیاسی پیشوا ومقتدئی وغیرہ، جو کہ رات دن کفر وشرک کے داعی بنے ہوئے ہیں۔ جن کو متبوع کہتے ہیں۔

۲- دوسری قسم، جو کفر وشرک کے دُعاۃ وسرغنوں کے پیچھے چلنے والے جیسے رعایا، سادہ لوح عوام اور مرید ومعتقد وغیرہ جن کو تابع کہتے ہیں جو کہ دوسروں کی تقلید کے سوا خود تو کچھ بھی نہیں جانتے بلکہ محض داعیان کفر کے جھنڈے اٹھائے ہوئے ان کی چاپلوسی کرتے ہیں، ان کے گن گاتے اوران کی صوابدید پر عمل کرکے ہر خیر وشر میں انہی کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔

دنیا میں اگرچہ ہرایک دوسرے کے محب ومحبوب، ساتھی وجانثار، یار ومددگار اور ایک دوسرے پر فریفتہ وِدلدادہ ہیں مگر قیامت کے دن جب فریقین (تابعین ومتبوعین) جہنم کے اسفل السافلین (سب سے نیچے) طبقے میں جل رہے ہوں گے تو باہم جھگڑتے ہوئے ایک دوسرے پر لعنت کے دونگڑے برسائیں گے اور ایک دوسرے سے اعلان برأت وبیزاری کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے:

﴿ الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴾ ①

ترجمہ: اس دن تو جانی دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے مگر جو پرہیزگار ہیں۔

قرآن کریم نے ان مشرک تابعین ومتبوعین کا قیامت کے دن آپس میں جھگڑا وجدال، لعن وطعن، مذمت وملامت اور برأت وبیزاری کا کئی جگہ پر ذکر کیا ہے جن میں سے کچھ ہم نے اس باب میں صرف بطورِ نمونہ قلم بند کیئے ہیں۔

---

① سورة الزخرف : ٦٧



پیشواؤں اور ان کے پیروکاروں کا ایک دوسرے سے اعلان برآءت

روز قیامت جب ائمہ مضلین اور ان کے پیروکار ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے سے اعلان برائت کریں گے، اللہ تعالیٰ نے اس منظر اور کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴾ ①

ترجمہ: اور جب بیزار ہو جائیں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان سے جنہوں نے پیروی کی تھی اور (آنکھوں سے) عذاب دیکھ لیں گے اور آپس کے تعلق (اور محبت کے رشتے) کٹ جائیں گے۔ اور جو ماننے والے ہیں وہ کہیں گے کاش ایک بار اور ہم دنیا میں جاتے اور ہم ان سے الگ ہوتے جیسے (آج کے دن) یہ ہم سے الگ ہوئے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ان کو دکھلائے گا حسرتیں بنا کر اور ان کو دوزخ سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ رشید رضا رحمہ اللہ اور علامہ مراغی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

وبيّن في هاتين الآيتين تفصيل حال التابعين والمتبوعين في ذلك وأورد بصيغة الماضي تمثيلاً لحال الفريقين في ذلك اليوم الذي ينكشف فيه الغطاء ويرى الناس فيه العذاب بأعينهم ويعرفون أسبابه من العقائد الباطلة والأعمال السيئة في أنفسهم وكان الأمر قدوقع والبلاء قدنزل، ورأى الرؤس المضلون الذين اتُّبِعُوا أن أغواء هم للناس الذين اتَّبَعُوا رأيهم وقلّدوا دينهم، قد ضاعف عذابهم وحملهم مثل

ترجمہ: ان دو آیتوں میں تابعین اور متبوعین کی تفصیلی حالت بیان کی ہے اور فریقین کی حالت کے پیش نظر صیغہ فعل ماضی کا استعمال کیا ہے کہ اس دن ان کی کیا حالت ہوگی جس دن پردہ کھل جائے گا اور لوگ اس دن عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور اس کا سبب ان کے ذہنوں کے مطابق باطل عقائد اور اعمالِ سیئہ کو ہی گردانیں گے۔ یہ ایک حکم تھا جو واقع ہو چکا ہے اور مصیبت تھی جو نازل ہو چکی۔

اور ائمہ مضلین ورؤساء جن کی پوجا کی جاتی اور پیچھے لگا جاتا تھا خیال کریں گے کہ اپنے پیروکاروں اور مقلدین کو گمراہ

① سورة البقرة : ١٦٦-١٦٧



أوزار الـذيـن أضـلوهـم فوق أوزارهـم فتبر أوا منهم وتنصلوا من ضلالتهم .①

کرنے کی وجہ سے ان کا عذاب دوگنا ہوگیا ہے۔ ان لوگوں کے عذاب کے بنسبت جنہیں انہوں نے گمراہ کیا تھا تو یہ لوگ اپنی پیروی کرنے والوں سے برأت کا اظہار کردیں گے اور ان کی گمراہی سے بھی اعلان بیزاری کردینگے۔

اور پھر آگے چل کر علامہ رشید رضا رحمہ اللہ اور علامہ مراغی رحمہ اللہ "وتقطعت بهم الأسباب" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

أي الـروابـط التي كانت بينهم وبين التابعين وإنما كان ينفعهم في لوأنهم آثر و ابه الحق على الرياسة والـجـاه والمنافع التي يستفيدها الرئيس باستهواء المرؤس وإخضاعـه له وحمله على اتباعه، أما وقد صـدر عـن نـفـوس تـرتـعـد من رؤية العذاب الذي أشـرفـت عـليـه بما جنت واقترفت بعد ما تقطعت الـروابـط والـصـلات بينـهـا وبـيـن الـمـتـبـوعـين واصـطـلـمـت فـلا مـنفعة للمبتدئ تركت فيحمد تـركها ولا هداية للمبتدأ منه ترجى فيحمد أثرها. والأسباب جمـع سبب وهو في أصل اللغة الحبل الـذي يـصـعدبه النخل وامثاله من الشجر ثم غلب كل مايتوصل به إلى مقصد من المقاصد المعنوية. ②

ترجمہ: اسباب سے مراد وہ روابط وتعلقات ہیں جو تابعین و متبوعین کے درمیان ہوتے ہیں ان روابط کا فائدہ تو صرف دنیا میں ہی ظاہر ہوتا ہے اگر وہ حق کو ریاست، شان وشوکت اوران منافع پر ترجیح دیں جن سے رئیس استفادہ کرتا ہے اپنی رعیت کو مدہوش اوراپنے تابع کرکے۔

خبردار! بعض نفوس سے ایسی باتیں صادر ہوتی ہیں کہ ان کی وجہ سے نفس عذاب دیکھنے سے کانپ اٹھتا ہے۔ تو ان روابط وصلہ کے ختم ہونے کے بعد جو کہ ان نفوس (تابعین) اوران کے متبوعین کے درمیان ہوا کرتے تھے اور (روابط) کے ختم ہونے کے بعد مبتدئ (ابتداء کرنے والے) کو اس کے ترک پر کوئی فائدہ نہیں جس کی مدح کی جائے اور نہ ہی اس کی ہدایت کی امید ہے کہ جس کے اثر کی تعریف کی جائے۔

اسباب، سبب کی جمع ہے اور سبب اہل لغت کے اعتبار سے اس رسّی کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ کھجور یا اس جیسے درخت پر چڑھا جائے پھر اس لفظ کا استعمال غالب آگیا ہر اس چیز پر جسکے ذریعے معنوی مقاصد میں سے کسی مقصد تک پہنچا جاسکے

① تفسير المنار ج٢ ص ٧٨/ واللفظ له/ تفسير المراغي ج٢ ص ٣٠
② تفسير المنارج ٢ ص ٧٩ – واللفظ له/ تـفـسير الـمـراغـي ج٢ ص ٣٠/أيسـر الـتـفـاسـير ج ١ ص ١٤٢/ تيسير الكريم الرحمن ج ١ ص١٩٧.



اور ''لو أن لنا كرة''کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ رشید رضا رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

أى نتمنى لو أن لنا رجعة إلى الدنيا لنتبرأ من إتباع هؤلاء المضلين ونتنصل من رياستهم أولنتبع سبيل الحق ونأخذ بالتوحيد الخالص ونهتدى بكتاب الله وسنة رسوله .①

ترجمہ: یعنی ہماری یہ چاہت ہوگی کہ ہم دوبارہ دنیا میں لوٹائے جائیں اور ان گمراہ کرنے والے رؤساء سے مکمل برآءت کا اظہار کردیں اور ان کی سرداری سے اعلان بیزاری کریں تاکہ ہم حق والے راستہ کی پیروی کریں اور خالص توحید کو اپنائیں اور کتاب اللہ اور سنت رسول کو اپنا ہادی و راہنما مانیں۔

"إذتبرأ الذين" کا ''إذ'' اصل میں اوپر والے ''إذيرون العذاب'' کے ''إذ'' سے بدل واقع ہے۔ اور اسی عذاب کی مزید وضاحت کررہا ہے کہ آج جن کو یہ مشرک لوگ (پیروکار) اللہ تعالیٰ کا شریک و سہیم اور ہمسر ٹھہراتے ہیں اور جن سے اس طرح محبت کررہے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کی جاتی ہے۔ مگر جب عذاب آخرت ان کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوگا تو یہ متبوعین اپنے ان جانثاروں اور عزیز پیروکاروں سے صاف صاف اظہارِ برآءت کردیں گے اور اس عذابِ الٰہی سے بچانے میں ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے جو ان کے سر پر آ کھڑا ہوگا۔

''الاسباب'' سَبَبٌ کی جمع ہے جس کے اصل معنی رسّی کے ہیں، پھر یہیں سے اس کے اندر تعلق و توسل اور اسباب و وسائل کا مفہوم پیدا ہوا۔ اور پھر مزید وسعت پا کر کسی شئے کے متعلقات و اطراف کے لئے بھی اس کا استعمال ہونے لگا۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں اسباب السماء کی ترکیب استعمال ہوئی ہے ''بهم'' کی ضمیر ''الذين اتبعوا'' کی طرف لوٹ رہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ان مشرکین نے جن لوگوں کو شریک و شفیع سمجھ کر ان کے ساتھ تعلقات محبت و ارادت اور وابستگی قائم کررکھی ہے ایک دن ان کے تعلقات کے تمام تار و پود بکھر جائیں گے اور یہ سب ایک دوسرے پر لعنتیں بھیجیں گے۔ ''لو أن لنا'' متبوعین کے بعد یہ تابعین کا ردِ عمل بیان ہورہا ہے کہ جب پیروکار دیکھیں گے کہ جن کو انہوں نے دنیا میں الوہیت کا درجہ دیا اور زندگی بھر جن کو اپنی تمام محبتوں اور نیازمندیوں کا سزاوار جانا وہ اس سب سے مشکل وقت میں اس طرح اظہار بیزاری کررہے ہیں تو وہ بھی نہایت حسرت و افسوس کے انداز میں کہیں گے کہ کاش ہمیں ایک بار پھر دنیا میں جانا نصیب ہو، ہم بھی ان سے اسی طرح اظہارِ بیزاری کریں جس طرح انہوں نے ہم سے اظہارِ بیزاری کیا ہے۔ مگر ان کی یہ حسرت، حسرت ہی رہے گی جس عذاب میں وہ پڑ چکے ہوں گے اس سے انہیں نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

---

① تفسير المنار ج ٢ ص ٨٠



قائد و عوام میں سے ہر ایک کا دوسرے پر لعنت کے دونگڑے برسانا

آخرت میں جب ایک گروہ (تابعین) کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو وہ جہنم میں اپنے قائدین اور پیشواؤں کو دیکھیں گے۔ تو انہیں دیکھتے ہی ان پر لعنت کے دونگڑے برسانا شروع کر دیں گے کہ تمہاری وجہ سے آج ہم جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں۔ جواب میں یہ قائدین اور پیشوا بھی اپنے ان پیروکاروں پر لعنت کی بوچھاڑ شروع کر دیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس عبرتناک منظر کو اپنے کلام پاک میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿قَالَ ادْخُلُواْ فِيٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالإِنسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا حَتَّى إِذَا ادَّارَكُواْ فِيهَا جَمِيعاً قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لأُولاَهُمْ رَبَّنَا هَؤُلاء أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَاباً ضِعْفاً مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَكِن لاَّ تَعْلَمُونَ ۝ وَقَالَتْ أُولاَهُمْ لأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُواْ الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ﴾ ①

ترجمہ: (قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے) فرمائے گا تم بھی ان امتوں کیساتھ جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں کی گذر چکی ہیں دوزخ میں جاؤ۔ جب ایک امت دوزخ میں جائے گی تو (اپنے جیسے دوسری) پر لعنت کرے گی۔ یہاں تک کہ جب سب کے سب دوزخ میں اکٹھے ہوں گے تو ان کی پچھلی امت اگلی امت کے لئے کہے گی اے ہمارے رب انہی لوگوں نے (یعنی اگلوں نے) ہم کو گمراہ کیا تو اُن کو دوزخ کا دُوگنا عذاب کر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم سب کو دوگنا عذاب ہوگا مگر تم نہیں جانتے۔ اور اگلی امت پچھلی سے کہے گی کہ تم کچھ ہم سے اچھے نہیں رہے، اب کیئے کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو (یہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یا اگلی امت کہے گی)۔

"لَعَنَتْ أختها"، کی تفسیر کرتے ہوئے امام قرطبی لکھتے ہیں۔

أى التى سبقتها إلى النار وهو أختها فى الدين والملة. ②

ترجمہ: جو جماعت پہلے سے جہنم میں پہنچ چکی تھی وہ بعد میں آنے والی جماعت میں سے ہی تھی یعنی انہیں کے طور طریقہ پر (دین وملت پر) چلنے والی تھی۔

اور آگے چل کر امام قرطبی "قالت أخراهم لأولهم" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

① سورة الأعراف: ۳۸ - ۳۹

② تفسير القرطبى ج۷ ص ۲۰۴/ واللفظ له/ التفسير الواضح ج۸ ص ۵۵.



أی أخراهم دخولاً وهم الأتباع لأولاهم وهم القادة.①

یعنی بعد میں داخل ہونے والی جماعت اور یہ پہلی جماعت کے اتباع (پیروی کرنے والے) ہیں اور وہ قیادت کرنے والے (متبوعین) ہیں۔

اور "قالت أخراهم لأولهم" کی تفسیر کرتے ہوئے امام فخر الدین الرازی اور علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"قالت أخراهم" منزلة وهم الأتباع والسفلة، "لأولهم" منزلة وهم القادة والرؤساء.②

ترجمہ: "اخری" سے مراد کم درجے والی جماعت ہے، اور یہ پیروکار اور معاشرہ کے نچلے درجے کے لوگ ہیں "اولی" سے مراد اونچے درجہ والی جماعت ہے اور یہ قائدین اور سردار قسم کے لوگ ہیں۔

"فما كان لكم علينا من فضل" کی تفسیر کرتے ہوئے امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

أی قد كفرتم وفعلتم كما فعلنا فليس تستحقون تخفيفاً من العذاب.③

ترجمہ: یعنی تم نے کفر کیا اور وہی کام کئے جو ہم کرتے تھے لہذا تم عذاب میں تخفیف کے مستحق نہیں ہو۔

علامہ رشید رضا رحمہ اللہ "أولى" اور "أخرى" کی تفسیر کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔

وحمل الأولى على الرؤساء المتبوعين والأئمة المضلين. والأخرى على اتباعهم المقلدين لهم أظهر في المعنى من حملها على المتقدمين و المتاخرين في الزمن أوفي دخول النار على أن شأن مبتدع الضلالة أن يكون متقدماً في الزمن تقدماً ما على من اتبعه فيها ولوفي عصره وهذا هو الموافق لما في الآيات الأخرى، كقوله: "ولوترى إذا الظلمون موقوفون عندربهم يرجع بعضهم إلى بعض القول يقول الذين استضعفوا للذين استكبروا لولا أنتم لكنا مؤمنين......" القول إلى آخر الحوار ومثله ماتقدم في سورة البقرة في

ترجمہ: آیت کریمہ میں لفظ "اولیٰ" کو رؤساء اور متبوعین پر محمول کرنا اور لفظ "اخری" کو ان رؤساء و متبوعین کے پیروکار اور مقلدوں پر محمول کرنا متقدمین اور متاخرین باعتبار زمانہ پر محمول کرنے کی بنسبت زیادہ واضح اور ظاہر ہے، یا پھر "اولیٰ" سے مراد وہ گروہ ہے جو جہنم میں پہلے داخل ہوگا اس بنیاد پر کہ ضلالت و گمراہی کو ایجاد کرنے والے اور اسے پھیلانے والے زمانہ کے اعتبار سے ان لوگوں سے مقدم ہوتے ہیں جو اس ضلالت و گمراہی میں ان کی پیروی کرتے ہیں اگر چہ زمانہ دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے اور یہ مفہوم قرآن کی دوسری آیات کے موافق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) کاش تو (وہ منظر) دیکھے جب یہ ظالم

① تفسير القرطبي ج۷ ص ۲۰۵
② تفسير روح المعاني ج۸ ص ۱۱۶ / واللفظ له / مفاتيح الغيب ج۱۴ ص ۷۸
③ تفسير القرطبي ج۷ ص ۲۰۵



سیاق متخذی الأنداد من دون الله وجعلهم وسطاء عند الله أوطاعتهم فی أمر الدین بغیر وحی من الله وتبرؤ التابعین من المتبوعین. ①

(قیامت کے دن) اپنے مالک کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے ایک کی بات ایک کاٹ رہا ہوگا کمزور لوگ زور والوں (سرداروں) سے کہیں گے کہ اگر تم (دنیا میں) نہ ہوتے تو ضرور ہم ایمان والے ہوتے۔اس بات کے جیسی بات سورۃ البقرۃ میں، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انداد مقرر کرنے اور انہیں عنداللہ وسیلہ بنانے اور دینی امور میں وحی الٰہی کی بجائے ان کی پیروی کرنے اور پیروکاروں کے اپنے پیشواؤں اور لیڈروں سے اعلان برأت کرنے کے سیاق میں گذر چکی ہے۔

"ربنا هؤلاء أضلونا" کی تفسیر کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

فالمعنی: أن الأتباع یقولون إن المتقدمین أضلونا واعلم أن هذا الإضلال یقع من المتقدمین للمتأخرین علی وجهین.

ترجمہ: معنی یہ ہے کہ تابعین کہیں گے ہمیں ہمارے پہلوں (مقتدمین) نے گمراہ کیا ہے اور یہ معلوم ہونا چاہیے کہ متقدمین کا متاخرین کو گمراہ کرنا دو طرح سے ہے۔

أحدهما: بالدعوة إلی الباطل وتزیینه فی أعینهم والسعی فی إخفاء الدلائل المبطلة لذلک الأباطیل.

ایک طریقہ یہ ہے کہ باطل کی طرف دعوت دینا اور اسے لوگوں کی نظروں میں مزین کر دینا اور ان اباطیل کے باطل دلائل کو مخفی کرنے کی کوشش کرنا۔

والوجه الثانی: بأن یکون المتأخرون معظّمین لأولئک المتقدمین، فیقلدونهم فی تلک الأباطیل والأضالیل التی لفّقوها ویتأسون بهم فیصیر ذلک تشبیهاً بإقدام أولئک المتقدمین علی الإضلال. ②

اور دوسری وجہ (طریقہ) یہ کہ متاخرین (تابعین) پہلے لوگوں کی تعظیم کریں اور ان (متقدمین) کی باطل اور گمراہ کرنے والی أشیاء میں تقلید کریں جنہیں انہوں نے مزین کر کے پیش کیا اور ان کی مکمل اقتداء کریں، اس طرح ان متاخرین کا یہ عمل ہو بہو مشابہ ہو جائے گا متقدمین کی ضلالتوں وگمراہی کی راہ اختیار کرنے کے۔

مذکورہ آیتوں میں دو ظرف مذکور ہیں اور وہ ہیں "فی أمم" اور "فی النار" ہر ایک ظرف کا مقصد الگ الگ ہے۔

① تفسیر المنار ج۸ ص ۳۱۴

② مفاتیح الغیب ج ۱۴ ص ۷۸



پہلے ظرف سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ تمہارے ساتھی کون لوگ ہوں گے؟ اس لئے فرمایا جاؤ ان لوگوں کے شریکِ حال بنو جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے شیطان کی پیروی کر کے گمراہ ہوئے۔

دوسرے ظرف سے مقام و مستقر کا پتہ دینا مراد ہے کہ تم سب کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا، گویا ساتھی بھی بدترین، جگہ بھی بدترین۔

"اذار کوا......" اصل میں "تدارکوا" ہے۔ عربی میں الفاظ کی ہیئت میں بعض اوقات اس طرح کی تبدیلی ہو جاتی ہے خاص طور پر صرفی قوانین کے مطابق۔ تدارک القوم: تلاحقوا، ای لحق أخراهم أولاهم. تدارک القوم کے معنی ہیں قوم کے پچھلے اگلوں سے جا ملے۔

"قالت أخرٰهم لأولٰهم" میں "لِ" "فِي" کے معنیٰ میں ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ پچھلے اپنے اگلوں کے بارے میں کہیں گے۔

"ضِعْف" کا معنیٰ دوگنا کا بھی ہے اور اگر قرینہ موجود ہو تو اس سے زیادہ کے لئے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

تابعین اور متبوعین کے جہنم میں داخل ہونے کی حالت کا بیان ہو رہا ہے۔ دنیا میں تو یہ لوگ ایک دوسرے کے تابع و متبوع، لیڈر و عوام، پیر و مرید، امام و مقتدی، حاکم و رعایا اور ساتھی و مددگار بنے رہے، ایک دوسرے کے گن گاتے اور جھنڈے اٹھائے پھرتے رہے۔ سلامیاں اور سلوٹ پیش کرتے رہے۔ لیکن وہاں جہنم میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوتے ہی ہر گروہ دوسرے پر لعنت کے دونگڑے برسائے گا۔ تابعین متبوعین سے کہیں گے تم پر اللہ کی پھٹکار ہو تم ہی نے ہمارا بیڑا غرق کیا۔

اس پر متبوعین کہیں گے کہ تم خود بدنصیب و شامت زدہ تھے کہ ہماری راہ چلے، اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟

یہ صورتِ حال تو اس وقت کی بیان ہو رہی ہے جب بالکل ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے۔ اسکے بعد جب سب اکٹھے ہو کر سلاسل و اغلال میں جکڑے ہوئے جہنم کے اسفل السافلین (نیچے والے) طبقے میں جلتے ہوں گے تو اس وقت تابعین اپنے متبوعین کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کریں گے کہ اے ہمارے رب! ہم انہی کے ہاتھوں گمراہ ہوئے تھے اس لئے آپ ان کو دوگنا عذاب دیں۔ چنانچہ ارشاد ہوگا "لِكُلٍّ ضِعْفٌ" (تم میں سے ہر ایک کیلئے دوگنا عذاب ہے مگر تم نہیں جانتے۔) حسرت، افسوس، واویلا اور بیزاری کا ذرا اندازہ لگائیں کہ دنیا میں اگر کتاب وسنت کا کوئی موحد و متبع سنت ان گمراہ کرنے والے لیڈروں، پیروں اور حاکموں وغیرہ کے خلاف آواز اٹھائے جو کہ اللہ و رسول کے راستہ سے ہٹ کر شیطان کے راستوں کے لئے داعی بنے ہوئے ہیں تو ان کے جانثار دلدادہ اور تابعین اپنے ان پیشواؤں، لیڈروں اور متبوعین کے خلاف بولنے والوں کی زبان کاٹنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں مگر جہنم میں اپنے انہی پیروں، مقتداؤں اور متبوعین کے عذاب کے دوگنا ہونے کی درخواست واستغاثہ کریں گے۔

دگنا عذاب: بہکانے والوں کو دوگنا عذاب یوں ہوگا کہ ایک تو اپنے اعمالِ بد کا اور دوسرا لوگوں کو بہکانے کا۔ اور بہکنے والوں کو ایک تو بہکاوے میں آجانے اور اللہ و رسول کی نصیحت نہ سننے کا اور دوسرا اپنی بداعمالیوں کا۔



أئمہ سلف ان آیات کے مصداق کسی بھی صورت میں نہیں بن سکتے

مسلمانو! یہ بات خوب ذہن نشین کرلو کہ ان أئمہ مضلین (گمراہ کرنے والے قائدو پیشوا) جن کا عذاب قیامت کے دن دوگنا ہو جائے گا، ان سے مقصود کفر وشرک کے وہ داعی ہیں جو خود بھی کافر ومشرک تھے اور اس کفر وشرک کے داعی بن کر دوسروں کے لئے بھی وبالِ جان بن چکے تھے۔ ان کی فہرست میں أئمہ سلف ہرگز نہیں آسکتے، جیسے أئمہ اربعہ رحمہم اللہ کہ جن کی طرف اہل سنت کے ایک جم غفیر کی نسبت ہے اور اسی طرح امام جعفر صادق رحمہ اللہ اور امام زید بن علی رحمہ اللہ کہ جن کی طرف شیعوں کی نسبت ہے، کیونکہ یہ أئمہ سلف کئی وجوہ سے اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات کے مصداق نہیں بن سکتے۔ جیسے مثلاً:

۱۔ ان آیتوں سے وہ کافر ومشرک مراد ہیں جو کفر وشرک کے داعی بنے ہوئے تھے اور أئمہ سلف تو ہدایت پر گامزن ہو کر کتاب وسنت کے داعی تھے۔

۲۔ ان آیتوں کے مصداق بننے والے متبوعین بغیر کسی سند ودلیل کے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتے تھے۔ اور أئمہ سلف تو کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر ان سے احکام شرعیہ کو استنباط کرتے تھے تا کہ لوگوں کے لئے سمجھ وفقہ کا دروازہ کھولیں۔

۳۔ اور ان آیتوں کے مصداق متبوعین اور أئمہ سلف میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ ان آیتوں کے مصداق متبوعین اپنی سیادت وسرداری اور قیادت واقتدار کی خاطر رات دن لوگوں کو اپنے پیچھے چلنے کی دعوت میں لگے رہتے تھے اور أئمہ سلف شدت وسختی کے ساتھ لوگوں کو اپنی تقلید سے منع کر کے کتاب وسنت کی اتباع کا حکم دیا کرتے تھے۔ باقی یہ الگ بات ہے کہ اگر کہیں کوئی مقلد تقلید میں غلو کر کے کتاب وسنت کے مقابلہ میں أئمہ سلف میں سے کسی کے قول پر جما رہے تو وہ خود مجرم ہے، أئمہ اس سے بری ہیں۔ چنانچہ مضاعفتِ عذاب کے عنوان میں علامہ رشید رضا رحمہ اللہ اس طرح لکھتے ہیں۔

ویعلم منه بالتفصیل أن کل دعاة التقلید الأعمی من هؤلاء المضلین الذین یضاعف لهم العذاب. وإن أئمة الهدیٰ من علماء السلف لیسوا منهم لأنهم کانوا یستنبطون الأحکام من الکتاب والسنة لیفتحوا للناس أبواب الفهم والفقه فیهما مع نهیهم عن تقلیدهم وأمرهم بعرض کلامهم علی الکتاب والسنة وأخذما وافقهما ورد ما عداه ومنهم الأئمة الأربعة الذین تنتمي إلیهم طوائف السنة وأئمة العترة الذین تنتمي إلیهم الشیعة کالإمامین جعفر الصادق وزید بن علی رضی الله عنهم أجمعین، لم یبح أحد من هؤلاء الأئمة التقلید. ①

ترجمہ: اس سے بالتفصیل معلوم ہوا کہ اندھی تقلید کے داعی انہی گمراہ کرنے والوں میں سے ہوں گے جن کو دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ اور ہدایت کے امام علماء سلف ان میں سے نہیں ہیں کیونکہ یہ تو احکام کتاب وسنت سے ہی مستنبط کرتے ہیں تا کہ لوگوں کے لئے فقہ وسمجھ کا دروازہ کھولیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی تقلید سے بھی روکتے رہے ہیں اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہماری کلام کتاب وسنت پر پیش کرو اگر موافق آئے تو قبول کرلو ورنہ رد کردو۔ انہی ائمہ سلف میں سے ائمہ اربعہ بھی ہیں جن کی طرف اہل سنت کے کئی گروہ منسوب ہیں۔ اور ائمہ (ائمہ اہل بیت) بھی جن کی طرف شیعہ منسوب ہیں جیسے امام جعفر الصادق اور زید بن علی رضی اللہ عنہم۔ ان اماموں میں سے کسی نے بھی تقلید کو جائز قرار نہیں دیا۔

① تفسیر المنار ۸/۴۱۵



اگر ہم ہدایت پر ہوتے تو تمہیں بھی اس کا راستہ دکھادیتے

میدان محشر میں جب گمراہ پیشواؤں اوران کے پیروکاروں کا آمنا سامنا ہوگا تو پیروکار اپنے ان رؤساء و پیشواؤں سے کہیں گے کہ ہم نے دنیا میں تمہاری پیروی کی تھی، کیا آج تم ہمیں عذاب سے نجات دلاؤ گے؟ یہ رؤساء و پیشوا جواب میں اپنی گمراہی کا اقرار کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہیں گے کہ جب ہم خود ہی گمراہ تھے تو تمہیں کیسے ہدایت دیتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَبَرَزُواْ لِلَّهِ جَمِيعاً فَقَالَ الضُّعَفَاء لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُواْ إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعاً فَهَلْ أَنتُم مُّغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّهِ مِن شَيْءٍ قَالُواْ لَوْ هَدَانَا اللّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ سَوَاء عَلَيْنَا أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِن مَّحِيصٍ﴾ ①

ترجمہ: اور (قیامت کے دن) سب لوگ (اپنی قبروں سے نکل کر) اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو جو (دنیا میں) کمزور (غریب) تھے وہ بڑے آدمیوں سے کہیں گے (یعنی: مرید اپنے مرشدوں سے کہیں گے) ہم تو تمہارے تابعدار تھے تو کیا اللہ کے عذاب سے تم (اس وقت) کچھ ہمارے کام آسکتے ہو (یعنی: اس کے عذاب کو کچھ ہٹا سکتے ہو) وہ کہیں گے اگر اللہ ہم کو دنیا میں راہ پر لگاتا (ایمان کی توفیق دیتا) تو ہم بھی تم کو (سیدھی) راہ بتاتے۔ اب ہم روئیں پیٹیں یا صبر کریں دونوں برابر ہیں، ہمارے لئے (عذاب سے) کوئی چھٹکارہ نہیں۔

"فقال الضعفؤا للذين استكبرو" کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ مراغی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"أى فقال الأتباع لقادتهم وسادتهم الذين استكبروا عن عبادة الله وحده وعز اتباع الرسل: إنا كنا تابعين لكم تأمروننا فنأتمر وتنهوننا فننتهي. ②

ترجمہ: یعنی تابعین اپنے پیشواؤں وسرداروں سے کہیں گے جنہوں نے اکیلے اللہ کی عبادت اور رسولوں کی اتباع کرنے سے تکبر کیا، بے شک ہم تو تمہارے پیروکار تھے جس کا تم حکم کرتے تھے ہم اسی کو مان لیتے تھے اور جس سے تم روکتے ہم رک جاتے تھے۔

اوراسی طرح "فقال الضعفؤا للذين استكبروا" کی تفسیر کرتے ہوئے امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

---

① سورة ابراهيم، آية رقم: ٢١

② تفسير المراغي ج٢٣ ص ١٤٤/واللفظ له /التفسير الواضح ج١٣ ص ٦٩.



"الضعفآء: الاتباع والعوام و"الذین استکبروا" هم السادة والکبراء .①

ترجمہ: آیت میں "الضعفاء" سے مراد پیروکار اور عوام الناس ہیں اور "الذین استکبروا" (متکبرین) سے مراد سردار اور رؤساء ہیں۔

''بروز'' کے اصل معنیٰ پردہ کی اوٹ سے باہر آنے کے ہیں۔ یہاں اس لفظ کے استعمال میں اللہ تعالیٰ کے کلام کی ایک عجیب قسم کی بلاغت ہے کہ ایک وقت آئے گا جب وہ سارے لوگ جو اس دنیا میں اپنے مزعومہ شرکاء، شفعاء اور آلھہ کو اوٹ اور ڈھال بنائے ہوئے ہیں اور وہ لوگ بھی جو سرپرست اور ڈھال بنے ہوئے ہیں سب اللہ واحد کے حضور حاضر ہوں گے اور وہاں کوئی کسی کا سرپرست، ساتھی، حمیم اور مددگار نہ ہوگا۔ تو اس وقت چھوٹے، دبے ہوئے اور تابعین اپنے رؤساء، لیڈروں اور متبوعین کو کہیں گے کہ دنیا میں ہم آپ لوگوں کے پیچھے چلتے رہے ہیں جو کچھ آپ لوگوں نے حکم دیا ہم نے اس کی تعمیل کی جس کے نتیجہ میں یہ عذاب ہمارا مقدر بنا ہے۔ تو کیا آپ اس عذاب سے ہمارا کچھ بوجھ ہلکا کریں گے؟

"قالوا لو هدٰنا الله......" یہاں سے رؤساء، لیڈروں اور متبوعین کا جواب شروع ہو رہا ہے۔ جواب کا ماحاصل یہ ہے کہ رؤساء، لیڈر اور متبوعین اپنے پیروکاروں، دلدادوں اور تابعین کو یہ جواب دیں گے کہ ہم جو کچھ خود تھے وہی ہم نے تم کو بھی بنا دیا۔ اگر ہم خود ہدایت پر ہوتے تو تمہیں بھی اس کی راہ دکھاتے۔ اب شکوہ وشکایت کا وقت گذر چکا۔ اب تو نتائج بھگتنے کا وقت ہے اور یہ ایسے اٹل نتائج آچکے ہیں کہ خواہ چیخیں، چلائیں یا صبر وتحمل کریں نہ یہ عذاب ٹلنے والا ہے اور نہ ہی ہمارے لئے کوئی راہِ فرار باقی رہی ہے۔

تابع و متبوع میں سے ہر ایک کا دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرا کر ملامت کرنا

گمراہ پیشوا اور ان کے پیروکار روزِ قیامت جب اپنے اوپر عذابِ اِلٰہی مسلط ہوتا ہوا دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو اپنی گمراہی کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا

ترجمہ: اور (مکہ کے) کافر کہتے ہیں ہم تو اس قرآن کو کبھی نہیں مانتے اور نہ ان کتابوں کو جو قرآن سے پہلے کی ہیں (توریت، انجیل اور زبور وغیرہ) اور (اے پیغمبر) کاش تو (وہ منظر) دیکھے جب یہ ظالم (قیامت کے دن) اپنے مالک کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، ایک کی بات ایک کاٹ رہا ہوگا۔

① مفاتیح الغیب ۱۹/ ۱۱۰/ واللفظ له/تیسیر الکریم الرحمن ج۴ص ۱۳۵۔

﴿أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ○ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ①

کمزور لوگ زور والوں (سرداروں) سے کہیں گے کہ تم اگر (دنیا میں) نہ ہوتے تو ضرور ہم ایمان دار ہوتے۔ زوروالے (بڑے آدمی، سردار) لوگ کمزوروں کو جواب دیں گے (واہ یہ اچھا ٹھہرا) کیا ہم نے تم کو ہدایت کی بات آنے کے بعد (زبردستی) اس سے روکا (بات یہ ہے کہ) تم خود ہی قصوروار تھے۔ اور کمزور لوگ زوروالوں سے کہیں گے (تم نے زبردستی تو نہیں کی) مگر رات دن فریب کرتے رہتے تھے، تم ہی تو ہم سے کہتے تھے اللہ کو نہ مانو اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے رہو۔ اور جب یہ (کمزور اور زور آور دونوں فرقے) عذاب کو دیکھ لیں گے تو دل ہی دل میں (یا کھلم کھلا) شرمندہ ہوں گے۔ اور کافروں کی گردنوں میں ہم طوق پہنائیں گے جیسا (دنیا میں) کرتے رہے ویسا ہی ان کو بدلہ ملے گا۔

"يقول الذين استضعفوا للذين استكبروا" کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ مراغی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أى يقول الأتباع للذين استكبروا فى الدنيا واستتبعوهم فى الغىّ والضلال: لولا أنتم أيها السادة صددتمونا عن الهدى لكنامؤمنين بماجاء به الرسول. ②

ترجمہ: یعنی پیروکار دنیا میں تکبر کرنے اور بڑا بننے والوں سے کہیں گے کہ جنہوں نے گمراہی وضلالت کی طرف ان کو آمادہ کیا ہوگا، اگر اے سردارو! تم ہمیں ہدایت سے نہ روکتے تو ہم بھی رسول کی شریعت پر ایمان لانے والے ہوتے۔

اور "قال الذين استكبروا للذين استضعفوا" کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ مراغی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں۔

أى قال الذين استكبروا فى الدنيا وصاروا رؤساء فى الكفر والضلالة للذين استضعفوا فكانوا أتباعاً لأهل الضلال منهم: أنحن منعناكم من اتباع الحق بعد أن جاءكم من عندالله؟ بل أنتم منعتم أنفسكم

ترجمہ: یعنی دنیا میں تکبر کرنیوالے جو کہ کفر وضلالت اور گمراہی میں سردار بن چکے ہیں وہ کمزوروں اور اہل ضلالت کے پیروکاروں سے کہیں گے: کیا ہم نے تمہیں حق کی پیروی سے روکا تھا جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس آ گیا

① سورة سبا: ۳۱، ۳۲، ۳۳

② تفسير المراغى ج ۲۲ ص ۸۵/واللفظ له/ التفسير الواضح ج ۲۲ ص ۵۱.

حظها باجرامكم وإيثاركم الكفر على الإيمان.①

تھا؟ بلکہ خود تم نے اپنے آپ کو اپنے جرم اور کفر کو ایمان پر ترجیح دینے کے سبب حق سے روکا۔

اور "لو لا أنتم لكنا مؤمنين" کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أی لو لا أنتم تصدونا لكنا اتبعنا الرسل وآمنا بما جاؤنا به، فقال لهم القادة والسادة وهم الذين استكبروا.②

ترجمہ: یعنی اگر تم ہمیں نہ روکتے تو ہم رسولوں کی پیروی کرتے اور جو شریعت وہ لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لاتے تو ان کو قائدین و سرداران جواب دیں گے اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے تکبر کیا ہوگا۔

وقال الذين استضعفوا للذين استكبروا" کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ مراغی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أی وقال الأتباع للرؤساء فی الضلال صدنا مكركم بنا وخداعكم فی الليل والنهار حين كنتم تأمروننا أن نكفر بالله ونجعل له أمثالاً وأشباهاً فی العبادة، وإجمال ذلك ما صدنا إلامكركم أيها الرؤساء بالليل والنهار حتى أزلتمونا عن عبادة الله فأنتم كنتم تغروننا وتمنعوننا وتجبروننا إننا على الهدى وإنا على شيء وكل ذلك باطل كذب.③

ترجمہ: تابعین (پیروکار) گمراہی کے سرداروں سے کہیں گے: ہمیں تمہارے مکر و فریب اور صبح و شام کے دھوکے نے روکا، جب تم ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کا حکم دیتے اور اس کی عبادت میں اس جیسے معبود بنانے کا حکم دیتے۔ خلاصہ یہ کہ اے سردارو! ہمیں تمہارے صبح و شام کے مکر ہی نے حق سے روکا یہاں تک کہ تم نے ہم کو اللہ کی عبادت سے ہٹا دیا اور تم ہی لوگوں نے ہم کو دھوکہ دیا اور حق سے روکا اور ہمیں مجبور کیا کہ ہم ہی حق و ہدایت پر ہیں اور ہم ہی کسی شی پر ہیں۔ تو یہ سب باطل اور جھوٹ کا پلندا تھا۔

" أنحن صددناكم عن الهدى بعد إذجاء كم" کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

أی نحن ما فعلنا بكم أكثر من أنا دعوناكم فاتبعتمونا من غير دليل ولا برهان وخالفتم الأدلة والبراهين والحجج التی جاءت بها الرسل

ترجمہ: ہم نے تو صرف یہ کیا کہ تمہیں دعوت دی سو تم نے قبول کر لی بغیر دلیل و برہان کے اور تم نے قطعی دلائل و براہین اور حجج کی مخالفت کی جس کو رسول لے کر آئے تھے تو اس مخالفت کا

① تفسیر المراغی ج۲۲ ص ۸۵
② تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۳۹
③ تفسیر المراغی ج۲۲ ص ۸۶



لشھوتکم واختیار کم لذلک .① سبب تمہاری شہوت وخواہشات ہی تو ہے۔

مذکورہ آیات کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ وہ مشرک تابعین (پیروکار) اور متبوعین اللہ تعالیٰ کے سامنے میدان محشر میں آپس میں ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرا کر ملامت کریں گے۔ جیسا کہ مفسرین حضرات کے مذکورہ تفصیلی بیان سے واضح ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ آج تو یہ لیڈر و پیروکار دونوں قرآن وسنت اور قیامت ومعاد کی مخالفت پر متفق ہیں۔ لیڈر، پیشوا اور متبوعین تو مخالفت کے لئے پیش پیش ہیں جبکہ عوام، اور پیروکاران کی تائید کرتے ہوئے ان کے جھنڈے اٹھائے پھر رہے ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حضور ان سب کی پیشی ہوگی تو یہ عوام اور پیروکار رؤساء اور لیڈروں کو اپنی گمراہی کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے اور لیڈر وسربراہ تابعدار اور پیروکاروں کو ملامت کریں گے کہ تم اپنی شامت زدگی کے خود ذمہ دار ہو، حق واضح ہو جانے کے بعد تم نے حق کی بجائے ہماری پیروی کیوں کی؟

مقصد یہ ہے کہ آج رؤسا اور لیڈر عوام وپیروکاروں کو یہ باور کرا رہے ہیں کہ وہ ان کی صوابدید پر اعتماد کریں، خیر وشر کی ذمہ داری ان پر ہے اور عوام وتابعین آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چل رہے ہیں، اگر کوئی خطرہ پیش آیا تو ان کے لیڈر و پیشوا اس سے ان کو بچالیں گے، لیکن جب اصل مرحلہ سامنے آئے گا تب معلوم ہوگا کہ ہر ایک اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔ کوئی دوسرا کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہیں بنے گا۔

"یقول الذین استضعفوا......" سے مراد وہ غرباء، پیروکار، عوام اور تابعین ہیں جو اپنی غربت اور کم مائیگی اور بے بسی کے سبب سے رؤساء، سرمایہ داروں اور لیڈروں کے زیردست اور آلہ کار بنے رہے۔

"قال الذین استکبروا......" سے ان کے وہ پیٹ پرور پیر، سرمایہ دار، لیڈر وسردار مراد ہیں، جنہوں نے اپنی ذات کو ہی حق وباطل کا معیار بنا کر لوگوں کو اپنے پیچھے چلایا۔ یہاں تک کہ اللہ ورسول کی مخالفت کے لئے بھی ان کو استعمال کیا۔ فرمایا کہ اس دن غرباء، عوام اور پیروکار اپنے لیڈروں، سرداروں اور متبوعین کو الزام لگائیں گے کہ یہ تم ہو کہ تمہاری بدولت ہم اس بدبختی سے دوچار ہوئے، تم نے ہماری راہ اگر نہ ماری ہوتی تو ہم ضرور ایمان لانے والوں میں سے ہوتے۔

مطلب یہ ہے کہ حق تو ہم سے مخفی نہیں رہا تھا اور ہمارے اندر اسے اختیار کرنے کا جذبہ بھی ابھرتا تھا لیکن تمہارا دباؤ ہمارے اس جذبے کو دبا دیتا تھا اور ہم اپنی خواہش ومرضی کے خلاف ایمان کی سعادت سے محروم رہ گئے۔ اور بالآخر اس انجام کو پہنچے۔ تو اس پر لیڈر ورؤساء اپنے تابعین وپیروکاروں کو جھٹ جواب دیں گے کہ تمہارا الزام بالکل غلط وبے بنیاد ہے کہ تم کو ہم نے اللہ کی راہ سے روکا ہے بلکہ مجرم تم آپ خود ہو کہ واضح ہدایت آجانے کے بعد بھی تم ہمارے تابعدار و پیروکار بنے رہے۔

---

① تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ۵۳۹



مطلب یہ ہے کہ حق نہ تو ہم پر مخفی تھا نہ تم پر، کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حجت تمام کردی تھی۔ یہ بات نہ ہوتی تو تب کسی حد تک ہم کو الزام دینے میں تم حق بجانب تھے مگر جب تم نے پورے دن کی روشنی میں ٹھوکر کھائی تو ہم کو مجرم ٹھہرانے کے بجائے اپنے سر پیٹو۔ کہ ہم بھی مجرم ہیں اور ہماری ہی طرح تم بھی مجرم ہو۔ کفار کی یہ بات تو قیامت کے دن ہوگی مگر قرآن نے سچی بات ہونے کی حیثیت سے اسے ایسے نقل کیا ہے گویا کہ بات ہو چکی ہے۔ اور اس میں ہر دور کے عوام کے لئے ایک درسِ عبرت ہے کہ حق وہدایت کے معاملہ میں کوئی شخص محض و مجرد اس عذر پر عند اللہ بریٔ الذمہ نہیں ہوسکتا کہ اس کو دوسروں نے گمراہ کیا۔ بلکہ حق کی جستجو و تلاش ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے اور اس کے واضح ہونے کے بعد اس کی پیروی واتباع اس پر فرض ولازم ہے۔ اس کے بغیر کوئی عند اللہ بریٔ نہیں ہوسکتا۔

﴿ وقال الذین استضعفوا للذین استکبروا...... ﴾ عوام، پیروکار، دلدادہ اور تابعدار اپنے رؤساء اور لیڈروں کے جواب میں کہیں گے کہ یہ تمہاری رات دن کی سازشیں تھیں کہ ہم حق کی پیروی سے محروم رہے۔ تم نے رسول ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت سے برگشتہ کرنے کے لئے پروپیگنڈہ مہم چلا رکھی تھی اور ہمیں تم یہ سمجھاتے اور سکھاتے تھے کہ ہم برابر کفر و شرک پر جمے رہیں۔

عوام کے اس جواب سے یہ بات نکلی کہ ان کو اس امر کا تو اعتراف ہوگا کہ حق ان پر واضح تھا، لیکن وہ اس وجہ سے اس کی پیروی نہ کر سکے کہ ان کے لیڈروں کی رات دن کی سازشوں نے انہیں اس کی پیروی سے محروم رکھا۔

"وأسرّوا الندامة......" ندامت ایک قلبی و باطنی کیفیت ہے اس وجہ سے اس کے لئے "أسرّ" استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ سے مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس سوال و جواب کے بعد وہ دیکھیں گے کہ سامنے عذاب کھڑا ہے تو وہ بدبختی و شامت زدگی پر پشیمان ہوں گے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا یہ عذر مسموع (قابلِ قبول) ہی نہیں ہوگا کہ وہ اپنے لیڈروں اور رؤساء کی سازشوں کے سبب سے حق کی پیروی سے محروم رہے بلکہ ان کو لازماً عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ان کی پشیمانی کی وجہ یہ ہوگی کہ اس وقت ان کے سامنے یہ بات بالکل کھل کر آجائے گی کہ فی الواقع انہوں نے بالکل اپنے ضمیر کے خلاف اپنے رؤساء اور لیڈروں کی پیروی کی۔ جو آدمی اپنے ضمیر کے خلاف کسی باطل کی پیروی کرتا ہے جب اس کا نتیجہ اس کے سامنے آتا ہے تو اس کو صرف نتیجہ کی تلخی ہی سے سابقہ نہیں پڑتا بلکہ اپنے ضمیر کی لعنت سے بھی اس کو دوچار ہونا پڑتا ہے اور یہ چیز اس کی مصیبت کو دوگنا کردیتی ہے۔



کاش! ہم اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کرتے

کفار، مشرکین اور دیگروہ لوگ جو آج دنیا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت یعنی کتاب وسنت سے اعراض اور روگردانی اختیار کیئے ہوئے ہیں اور شرک وکفر کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ جب روزِ آخرت اپنے انجام بدکو دیکھیں گے تو بے ساختہ کہہ اٹھیں گے کاش! ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ۝ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ۝ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴾ ①

ترجمہ: جس دن ان کے منہ (کباب کی طرح) آگ میں پلٹائے جائیں گے (یا اوندھے منہ آگ میں ڈالے جائیں گے اس وقت) کہیں گے کاش ہم نے (دنیا میں) اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی۔ اور (وہاں) کہیں گے مالک ہمارے (ہم سے غلطی ہوئی) ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہنا مانا (ان کی تقلید کی) انہوں نے ہی ہم کو گمراہ کردیا۔ اے ہمارے رب اُن (سرداروں اور بڑوں) کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی پھٹکار کر۔

"یوم تُقلّب وجوھھم فی النار......" کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أی يُسحبون فی النار علی وجوههم وتلوی وجوههم علی جهنم يقولون وهم كذلك يتمنون أن لو كانوا فی الدار الدنيا ممن أطاع الله وأطاع الرسول. ②

ترجمہ: یعنی یہ لوگ جہنم میں منہ کے بل ڈالے جائیں گے اور ان کے چہرے جہنم میں الٹ پلٹ کیئے جائیں گے۔ اور اسی حالت میں تمنا کرتے ہوئے کہیں گے کاش ہم دنیا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں میں سے ہوتے۔

سادتنا وکبرآءنا" کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ امام طاؤس رحمہ اللہ کا قول یوں نقل کرتے ہیں۔

وقال طاؤس: سادتنا يعنی الأشراف وكبرآءنا

ترجمہ: سیدنا امام طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "سادۃ" سے

---

① سورة الأحزاب، آیات رقم: ۶۶، ۶۷، ۶۸

② تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ۵۱۹/واللفظ له/ أيسر التفاسير ج۴ ص۲۹۶.



یعنی العلماء. رواه ابن ابی حاتم، أی اتبعنا السادة وهم الأمراء والکبراء من المشیخة وخالفنا الرسل واعتقدنا أن عندهم شیئاً وأنهم علی شیء فإذاهم لیسوا علی شیء.①

مراد قومی سردار و لیڈر ہیں۔ اور ''کبراء'' سے مراد علماء ہیں۔ اور ابن أبی حاتم نے روایت کیا کہ اس وقت وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے علماء کی پیروی کی اور انبیاء و رسل کی مخالفت کی اور یہ سمجھا کہ ہمارے بڑوں کے پاس حق ہے اور وہ راہ راست پر ہیں مگر آج ثابت ہوا کہ درحقیقت وہ کچھ بھی نہ تھے۔

" تقلب" کے معنی الٹنے پلٹنے کے ہیں۔ جیسے گوشت کو جب آگ پر بھونتے ہیں تو اس کو کبھی ایک جانب سے بھونتے ہیں کبھی دوسری جانب سے۔ فرمایا حق کو چھوڑ کر باطل کی پیروی کرنے والوں کی اسی طرح دُرگت بننے والی ہے۔ یہ جہنم کی آگ میں اپنے چہروں کے بل اس طرح گھسیٹے جائیں گے کہ دونوں طرف سے ان کے چہرے بھی بُھن جائیں گے۔ چہرے کا ذکر خاص طور پر اس وجہ سے فرمایا کہ اعتراف حق سے اعراض و استکبار کی رعونت کا سب سے زیادہ نمایاں مظہر وہی ہوتا ہے۔ جب اس کا حشر یہ ہوگا تو دوسرے اعضاء جو اس کے تابع ہیں، کا کیا حشر ہوگا؟

"یوم تقلب وجوههم......" سے پہلے چونکہ قیامت کا ذکر تھا اس لئے فرمایا: کہ آج جس قیامت کا یہ کافر و مشرک استہزاء و مذاق اڑا رہے ہیں، جب اس کی حقیقت ان کے لئے بے نقاب ہوگی تب گمراہ کیے ہوئے لوگ نہایت حسرت کے ساتھ یہ تمنا کریں گے کہ اے کاش! ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی اور اپنے پیروں، لیڈروں، بڑوں اور سرداروں کے چکمے میں آکر اپنے لئے یہ شامت مول نہ لی ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن عوام اور پیروکار کھلم کھلا اپنی گمراہی کی ساری ذمہ داری اپنے رؤساء، بڑوں اور لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں پر ڈالیں گے کہ ہم نے ان کی بات مانی، ان کے نقش قدم پر چلے اور انہوں نے صحیح راہ سے ہم کو بھٹکایا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کریں گے کہ اے ہمارے رب! چونکہ یہی لوگ ہماری گمراہی کا باعث ہوئے ہیں اس لئے تو ان کو ہمارے مقابلے میں دوگنا عذاب دے اور جو لعنت ان کے سبب ہم پر ہوئی ہے اس سے کہیں زیادہ لعنت ان پر کر۔

یہاں صرف ان لوگوں کی درخواست کا حوالہ ہے، ان کی اس درخواست کا جواب اللہ تعالیٰ نے سورۃ الأعراف کی آیت: ۳۸ "لِكُلٍّ ضِعْفٌ" میں دیا ہے کہ استحقاق عذاب کے لحاظ سے تم اور تمہارے پیشوا اور لیڈر دونوں ہی دگنے عذاب کے مستحق ہو۔

یہاں "سادتنا و کبراء نا" کے دو لفظ آئے ہیں۔

① تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ۵۱۹



سادة: سے مراد تو ظاہر ہے کہ لیڈر، سردار اور حاکم ہیں۔اور

کبراء: سے مراد ان کے خاندانی و مذہبی راہنما و پیشوا ہیں۔

قرآن کا مقصد یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی بھی آنکھیں بند کر کے اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کو حق و باطل میں امتیاز کے لئے وحی کے ساتھ ساتھ عقل وفطرت کی صلاحیتیں عطا فرمائیں ہیں اس لئے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ وحی کے ساتھ ساتھ عقل وفطرت کی کسوٹی سے کام لے۔اور جو اس سے کام لے گا تو اگر کہیں وہ ٹھوکر بھی کھائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کا سہارا دے اور معاف فرما دے۔لیکن حق کی وضاحت کے باوجود جو شخص آنکھیں بند کر کے اپنی باگ ڈور دوسروں کے ہاتھ میں پکڑا دے تو اس کا حشر وہی ہوگا جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔

یہ تمھاری لائی ہوئی شامت ھے

میدان محشر میں جب گمراہ پیشواؤں اور ان کے پیروکاروں کا آمنا سامنا ہوگا تو پیروکار اپنی گمراہی کی ذمہ داری اپنے پیشواؤں پر ڈالتے ہوئے کہیں گے یہ تمہاری لائی ہوئی شامت ہے۔ان کے پیشوا اپنا دفاع کرتے ہوئے انتہائی شدت اور سختی کے ساتھ ان کی بات درمیان میں ہی کاٹ دیں گے اور انہیں ہی خود اپنی گمراہی کا ذمہ دار قرار دیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ مِن دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ ۝ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ۝ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ۝ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۝ قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ بَلْ كُنتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ ۝ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّا لَذَائِقُونَ ۝ فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ۝ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴾ [1]

ترجمہ: اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا یہ پوجتے تھے (بت اور شیطان وغیرہ سب کو) اکٹھا کرو، پھر ان کو دوزخ کا راستہ بتلاؤ۔اور ذرا ان کو ٹھہراؤ تو ان سے کچھ پوچھنا ہے۔تمہیں کیا ہوا ہے۔ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ (وہ کچھ جواب نہ دیں گے) بلکہ آج (کے دن) گردن جھکائے کھڑے ہوں گے۔اور ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہیں گے تم ہی تو ہمارے دائیں (بہکانے کیلئے) چلے آتے تھے۔وہ کہیں گے (واہ) تم خود ایمان دار نہ تھے۔ اور ہمارا کچھ زور تو تم پر تھا ہی نہیں، بلکہ تم خود شریر لوگ تھے۔ خیر اب تو ہمارے مالک کا فرمودہ (فرمان) ہم پر پورا ہوا۔ہم (سب) کو (عذاب کا مزہ) چکھنا ہوگا۔ہم خود گمراہ تھے اس

---

[1] سورة الصافات : ۲۲......إلى ۳۴



لئے تم کو بھی گمراہ کیا۔ غرض اُس دن یہ ہوگا کہ وہ سب عذاب میں شریک ہوں گے۔ ہم گنہگاروں (مشرکوں) کے ساتھ ایسا ہی (برتاؤ) کرتے ہیں۔ (ان کو ایسی ہی سزا ملے گی۔)

"تأتوننا عن اليمين" کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ مفسرین حضرات کے اقوال یوں نقل کرتے ہیں۔

"قال الضحاک عن ابن عباس: يقولون: كنتم تقهروننا بالقدرة منكم علينا لأنا كنا أذِلّاء وكنتم أعِزّاء. وقال مجاهد: يعني عن الحق والكفار تقوله للشياطين، وقال قتادة: قالت الإنس للجن إنكم كنتم تأتوننا عن اليمين. قال من قبل الخير فتنهونا عنه وتبطئونا عنه وقال السدی: تأتوننا من قبل الحق وتزينوا لنا الباطل وتصدونا عن الحق.①

ترجمہ: سیدنا ضحاک رحمہ اللہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ دبے ہوئے لوگ اپنے بڑوں اور سرداروں سے کہیں گے کہ تم ہمیں اپنے زور و طاقت سے دباتے تھے کیونکہ ہم کمزور، کم حیثیت تھے اور تمہیں ہم پر ترجیح تھی اور سیدنا مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی تم ہمیں دبا کر حق سے باطل کی طرف پھیر دیتے تھے یہ کافروں کا مقولہ ہوگا جو وہ شیطانوں سے کہیں گے، سیدنا قتادہؒ کا بیان ہے کہ انسان یہ بات جنّات سے کہیں گے کہ تم ہمیں بھلائی سے روک کر برائی پر آمادہ کرتے تھے۔ سدی کا قول ہے: گناہ کو مزین و خوبصورت اور نیکی کو بُرا اور بدصورت بنا کر ہم کو دکھاتے تھے۔

قالوا بل لم تكونوا مؤمنين......" کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

تقول القادة من الجن والإنس للأتباع ما الأمر كما تزعمون بل كانت قلوبكم منكرة للإيمان قابلة للكفر والعصيان.②

ترجمہ: جنّات اور انسانوں میں سے جتنے بھی سردار، ذی شرف اور بڑے لوگ تھے ان کمزوروں کو جواب دیں گے کہ معاملہ ایسا نہیں جیسا کہ تم لوگ گمان کرتے ہو بلکہ تم خود ہی ایسے تھے کہ تمہارے دل ایمان سے بھاگ کر کفر و عصیان کی طرف دوڑتے تھے۔

"بل كنتم قوماً طاغين......" کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أی بل كان فيكم طغيان ومجاوزة للحق فلهذا

ترجمہ: سردار و لیڈر لوگ اپنے تابعداروں سے کہیں گے کہ

① تفسیر ابن کثیر ج۴ ص ۵
② تفسیر ابن کثیر ج۴ ص ۵



استجبتم لنا وتركتم الحق الذي جاء تكم به الأنبياء وأقاموا لكم الحجج على صحة ماجاء وكم به فخالفتموه.①

چونکہ تم طبعًا برائی وسرکشی کی طرف مائل تھے اور حق سے متجاوز تھے اس لئے تم نے ہمارا کہا مان لیا۔ اور اس حق کو چھوڑا جس کو انبیاء تمہارے پاس لے کر آئے اور اپنی نبوت کی صحت کے لئے تمہارے لئے حجتیں قائم کر دیں تو تم نے ان کی مخالفت کر دی۔

" اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا...... " سے مراد مشرکین ہیں کیونکہ

اولاً: تو اس لئے کہ سب سے بڑا ظلم شرک ہی ہے۔ اور یہاں پر ایک دوسرا قرینہ اور بھی ہے کہ اس میں ایک اشارہ خاص طور پر ائمہ شرک کی طرف ہے کیونکہ جب پیروی کرنے والے اپنے رؤساء اور متبوعین کو ملامت کرنا شروع کریں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا تھا، تو اس پر لیڈر ورؤساء کہیں گے کہ نہیں تم خود ہی مؤمن نہیں تھے۔

ثانیاً: پھر بعد میں متبوعین اپنے تابعین (پیروکاروں) سے کہیں گے چلو اگر ہم نے تم کو گمراہ کیا تھا تو ہم کہاں ہدایت پر تھے، ہم بھی تو گمراہ تھے۔ سو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی گمراہی کفر وشرک کی گمراہی تھی۔

لفظ " أزواج " یہاں ہم مشربوں، اتباع، دلدادہ لوگوں اور پیروکاروں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

وما كانوا يعبدون...... " سے مراد ان کے وہ شرکاء ومعبودین ہیں جن کی وہ دنیا میں پرستش کرتے تھے۔ اور پھر قیامت کے دن ان سب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان سب کو اکھٹا کر کے جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ اور پھر تابعین ومتبوعین کی ذلت ورسوائی اور بے بسی کی تصویر بیان کر کے ارشاد الٰہی ہوگا کہ اچھا: ذرا کچھ دیر کیلئے ان سب کو روکو، ان سے ایک بات پوچھ لی جائے اور وہ بات یہ ہے کہ " مالكم لا تناصرون " کیا وجہ ہے آج تم لوگ ایک دوسرے کی مدد نہیں کر رہے۔ دنیا میں تم لوگ ایک دوسرے کے جھنڈے اٹھائے پھرتے رہے لیکن آج نہ پیر ولیڈر اپنے پیروکاروں کی مدد کر رہے ہیں اور نہ ہی مرید وتابع اپنے پیشواؤں اور لیڈروں کی۔ نہ معبود عابدوں کے لئے کچھ کرتے نظر آ رہے ہیں اور نہ عابد معبودوں کی رضا جوئی کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں آخر ہر ایک پر نفسا نفسی کی حالت کیوں طاری ہے جب کہ ایک دوسرے کے لئے اصلی فدائیت وجانثاری کا وقت تو اب آیا ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت تو ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔

قالوا انكم كنتم تأتوننا عن اليمين، قالوا بل لم تكونوا مؤمنين......

---

① تفسیر ابن کثیر ۵/۴



یہاں پر پہلے "قالوا" کے قائل عوام، پیروکار اور تابعین ہیں اور دوسرے کے قائل ان کے پیر ولیڈر اور متبوعین ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ اس دن عوام، پیروکار اور تابعین اپنے پیشواؤں لیڈروں اور متبوعین سے کہیں گے کہ یہ آپ ہی لوگوں کی لائی ہوئی شامت ہے، آپ ہی لوگ دائیں اور بائیں سے ہر وقت ہم کو گھیرے رہتے تھے کہ ہم اللہ اور رسول کی بات نہ سنیں اگر آپ لوگ ہماری راہ میں اڑنگے نہ ڈالتے تو ہم ضرور ایمان لانے والے بنتے۔ پیشوا ولیڈر اور متبوعین ان کی بات کاٹ کر فوراً ان کو جواب دیں گے کہ تمہارا یہ الزام بالکل غلط، جھوٹ اور بے بنیاد ہے تم لوگ خود ہی ایمان لانے والے نہیں تھے۔

قرآن کریم میں اہل نار (دوزخ والوں) کے باہمی سوال وجواب کے سلسلے میں یہ بلیغ اسلوب جگہ جگہ استعمال ہوا ہے کہ متکلم کی بات شروع ہوتے ہی مخاطب اس کو کاٹ کر جواب دینے کی کوشش کرتا ہے تا کہ وہ اس کے لگائے ہوئے الزام سے اپنے آپ کو بچا لے۔ یہاں بھی وہی اسلوب استعمال ہوا ہے کہ عوام، پیروکار اور تابعین جونہی اپنے لیڈروں، مذھبی پیشواؤں اور متبوعین کو ملامت کرنا چاہیں گے اور ان کی زبان سے یہ کلمہ نکلے گا کہ آپ ہی لوگ ہمارے پاس آتے تھے داہنے سے..... تو ان کے پیشوا، لیڈر، مذھبی پیشوا اور متبوعین سمجھ جائیں گے کہ یہ لوگ کہنا چاہتے ہیں کہ تم ہی لوگ ہمارے دائیں، بائیں سے آ آ کر ہمیں اللہ و رسول کی بات سننے سے روکتے رہے ہو۔ چنانچہ جونہی ان کی زبان سے لفظ "عن الیمین" نکلے گا تو لیڈر، مذھبی پیشوا اور متبوعین فوراً سبقت کر کے ان کی بات کو بیچ سے کاٹ دیں گے اور اپنا دفاع شروع کر دیں گے۔

ان کی اس مداخلت اور قطع کلامی کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن کریم نے بات "عن الیمین" ہی پر ختم کر دی ہے تا کہ اسلوب ہی سے یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ آج جو لوگ آنکھ بند کر کے اپنے پیروں، لیڈروں، سرداروں، مذھبی پیشواؤں اور متبوعین کی پیروی کر رہے ہیں ایک دن آئے گا کہ ان کے پیر، لیڈر سردار، مذھبی پیشوا اور متبوعین ان کو پوری بات بھی نہیں کہنے دیں گے بلکہ بیچ ہی سے ان کی بات کاٹ کر اپنی برأت کا اظہار شروع کر دیں گے۔

تم پر اللہ کی مار و پھٹکار ہو

قیامت کے دن جب کفر و شرک کے پیشواؤں اور لیڈروں کو جہنم کے تنگ مکانوں میں پھینک دیا جائے گا اور پھر ان کے پیروکاروں کو انہی کے ساتھ اس تنگ مکان میں ڈالنے کے لئے لایا جائے گا تو یہ پیشوا اپنے ان پیروکاروں کو آتے ہوئے دیکھ کر کہیں گے کہ ان پر اللہ کی پھٹکار ہو، ہم پہلے ہی تنگی مکان سے پریشان ہیں، اوپر سے یہ آ گئے ہیں، یہ پیروکار یہ سب کچھ سن کر غصہ میں آ جائیں گے اور کہیں گے کہ تم پر اللہ کی پھٹکار ہو، ظالمو! ہمارے جہنم میں داخلے کا سبب تم ہی تو ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ هَٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا ترجمہ: یہ ایک فوج ہے جو تمہارے ساتھ (دوزخ میں) دھنسنے

النَّارِ ۝ قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَباً بِكُمْ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ قَالُوا رَبَّنَا مَن قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَزِدْهُ عَذَاباً ضِعْفاً فِي النَّارِ ۝ وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالاً كُنَّا نَعُدُّهُم مِّنَ الْأَشْرَارِ ۝ أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيّاً أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ ۝ إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ﴾ ①

والی ہے۔کوئی خوش آمدیدان کیلئے نہیں ہے بیشک یہ بھی دوزخ میں جانے والے ہیں (تابعدار لوگ) کہیں گے بلکہ تم ہی ہو جن کیلئے کوئی خوش آمدید نہیں ہے تم ہی تو یہ بلا ہمارے سامنے لائے اب (دونوں کے لئے دوزخ) برا ٹھکانا ہے۔ دعا کریں گے مالک ہمارے! جو شخص ہمارے آگے یہ (بلا) لایا اس کو (دوزخ میں سے ہم سے) زیادہ دوگنا عذاب کر۔ اور (دوزخی آپس میں) کہیں گے کیا بات ہے وہ لوگ جن کو ہم دنیا میں بُروں میں شمار کرتے تھے (یہاں دوزخ میں) ہم کو نظر نہیں آتے۔کیا ہمارا ہنسنا ان کو (ناحق) مسخرہ بنانا تھا یا ہماری آنکھیں ان سے چوک گئیں۔یہ دوزخیوں کا آپس میں جھگڑنا (بالکل) سچ ہے۔(جو ایک دن ضرور ہوگا۔)

مذکورہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا إخبار من الله تعالىٰ عن قيل أهل النار بعضهم لبعض، كما قال تعالىٰ: كلما دخلت أمة لعنت أختها، يعني بدل السلام يتلاعنون ويتكاذبون ويكفر بعضهم ببعض فتقول الطائفة التي تدخل قبل الأخرى إذا أقبلت التي بعد ها مع الخزنة من الزبانية: هذا فوج مقتحم" أي داخل "لامرحباً بهم إنهم صالوا النار" أي لأنهم من أهل جهنم. ②

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینا ہے جہنمیوں کے جھگڑے وتنازع اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے کے بارے میں۔جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے "كلما دخلت أمة لعنت أختها" ہر گروہ دوسرے پر بجائے سلام کے لعنت بھیجے گا۔ایک دوسرے کو جھٹلائے گا اور ایک دوسرے پر الزام لگائے گا ایک جماعت جو پہلے جہنم میں جا چکی ہے وہ دوسری جماعت کو داروغہ جہنم کے ساتھ آتی ہوئی دیکھ کر کہے گی کہ یہ گروہ جو تمہارے ساتھ ہے انہیں مرحبا نہ ہو اس لئے کہ یہ بھی جہنمی گروہ ہے۔

دنیا میں جب حق وباطل کی ٹکر ہوتی ہے تو جہاں باطل کے پیروکار، دلدادہ اور جھنڈے اٹھانے والے ہوتے ہیں وہاں پر

① سورة ص : ۵۹...... ۶۴.
② تفسير ابن كثير ج۴ ص ۴۲.

حق کے حامی، جانثار اور پرچار کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی مسلّم ہے کہ جس طرح مسلمان کفار و مشرکین سے عداوت رکھتے ہیں تو اہل باطل بھی مسلمانوں سے کئی گنا عداوت رکھتے ہیں اور اپنے اعتقاد و خیال میں مسلمانوں کو جہنم کا مستحق سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کفار کے دونوں فریق (تابع و متبوع) جب جہنم میں جا کر ایک دوسرے کو ملامت و لعن و طعن کریں گے تو ان کے اندر سے یہ سوال پیدا ہوگا کہ شامت نفس کی وجہ سے ہمارا بیڑا تو غرق ہوگیا۔ بھلا ان لوگوں کا کیا حال ہوا جن کو دنیا میں ہم گمراہ اور جہنمی سمجھ کر ان کا مذاق اڑاتے رہے کیا وہ جنت میں چلے گئے یا یہاں جہنم میں کہیں موجود ہیں اور ہم کو نظر نہیں آتے۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ ان کفار کا ٹھٹھا اور مذاق اڑائے ہوئے مسلمانوں کو جنت کے عالی منازل میں دکھائے گا تو مسلمان جنت کے عالی منازل ہی سے کفار سے مخاطب ہو کر کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہم سے جنت کا وعدہ کیا تھا وہ تو پُورا کیا۔ کیا تم سے جو رب نے وعدہ کیا تھا وہ بھی پورا کیا ہے؟ تو کفار کہیں گے کہ بالکل ہمارے رب نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا۔

"وقالوا مالنا لانری رجالاً......" اس "رجالا" سے وہ سچے اور پکے مسلمان مراد ہیں، جن کا کفار دنیا میں مذاق اڑاتے تھے۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

هذا إخبار عن الكفار فى النار أنهم يفتقدون رجالاً كانوا يعتقدون أنهم على الضلالة وهم المؤمنون فى زعمهم قالوا مالنا لانراهم معنا فى النار؟

ترجمہ: یہ ان کافروں کے متعلق خبر ہے جو جہنم میں کچھ لوگوں (مؤمنوں) کو نہ پائیں گے جنہیں یہ کافر گمراہی پر خیال کرتے تھے حالانکہ وہ فی الواقع مؤمن ہیں۔ تو آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ وہ (مؤمن) ہمیں ہمارے ساتھ جہنم میں نظر کیوں نہیں آ رہے ہیں؟

قال مجاهد: هذا قول أبى جهلٍ يقول مالى لا أرى بلالاً وعمارًا وصهيباً وفلاناً وفلاناً وهذا ضرب مثلٍ وإلا فكل الكفار هذا حالهم يعتقدون أن المؤمنين يدخلون النار. فلماّ دخل الكفّار النار افتقدوهم فلم يجدوهم. فقالوا: (مالنا نرى رجالاً كنا نعدهم من الأشرار؟ اتخذناهم سخريا) أى فى الدار الدنيا (أم زاغت عنهم الأبصار) يسئلون أنفسهم بالمحال يقولون أو لعلهم معنا فى جهنم ولكن لم يقع بصرنا عليهم، فعند ذلك يعرفون أنهم فى الدرجات العاليات وهو قوله عزوجل:

سیدنا مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ قول ابوجہل کا ہے جو وہ بلال، عمار اور صہیب رضی اللہ عنہم وغیرہ کے متعلق کہے گا کہ وہ تو یہاں نظر نہیں آتے؟ یہ ابوجہل کا قول بطور مثال ہے ورنہ سب کافر مؤمنوں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انہوں (مؤمنوں) نے ہی جہنم میں جانا ہے۔ پھر جب کافر آگ میں چلے جائیں گے تو ان مؤمنوں کو ڈھونڈیں گے۔ جب نہ پاسکیں گے تو: "کہیں گے کیا بات ہے وہ لوگ جن کو ہم (دنیا میں) بُروں میں شمار کرتے تھے (یہاں دوزخ میں) ہم کو نظر



”ونادی أصحاب الجنة أصحاب النار أن قد وجدنا ماوعدنا ربّنا حقًّا فهل وجدتم ماوعدربکم حقًّا قالوا نعم فأذّن مؤذّنٌ بینهم أن لعنة اللہ علی الظّٰلمین .①

نہیں آتے کیا ہمارا ان پر ہنسا انہیں (دنیا میں) مسخرہ بنانا تھا یا ہماری آنکھیں ان سے چوک گئی ہیں۔کیا ہماری ہی غلطی تھی کہ ہم انہیں دنیا میں خاطر میں نہ لاتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے؟ لیکن نہیں ہمارا یہ معاملہ ان کے ساتھ درست تھا وہ ہوں گے تو یہیں جہنم میں ہی لیکن کسی ایسی طرف ہیں کہ ہماری نگاہ ان پر نہیں پڑتی۔اسی وقت اہل بہشت کی جانب سے آواز آئے گی کہ ”اہل دوزخ! ادھر دیکھو، ہم نے تو اپنے رب کے وعدے کو حق پایا، تم اپنی کہو! کیا اللہ کے وعدے سچے نکلے؟“ یہ جواب دیں گے (یعنی کفار) کہ ہاں بالکل سچے نکلے۔اسی وقت ایک منادی لگانے والا ندا لگائے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔

اس ”وقالوا مالنالا نری رجالاً“ کی تفسیر کرتے ہوئے سیدنا شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وہاں دیکھیں گے کہ سب جان پہچان والے لوگ ادنیٰ و اعلیٰ دوزخ میں جانے کے واسطے جمع ہوئے ہیں، مگر جن مسلمانوں کو پہچانتے تھے اور سب سے زیادہ برا جان کر مذاق اڑایا کرتے تھے وہ اس جگہ نظر نہیں آتے، تو حیران ہو کر کہیں گے کہ کیا ہم نے غلطی سے ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا تھا وہ اس قابل نہ تھے کہ آج دوزخ کے نزدیک رہیں، یا اسی جگہ کہیں ہیں پر ہماری آنکھیں چوک گئیں، ہمارے دیکھنے میں نہیں آتے۔“②

مذکورہ آیات سے پہلے جو لفظ ”طاغین“ آیا ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ کفر کے سرغنوں اور لیڈروں کا بیان ہے۔

اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان سرغنوں اور لیڈروں کے پیروکاروں اور تابعین کی بھیڑ بھی ان کے سامنے لائی جائے گی اور ان کو خبر دی جائے گی کہ یہ لوگ بھی تمہارے ساتھ ہی جہنم میں پڑنے والے ہیں۔وہ فوراً کہیں گے کہ یہ دفع ہوں، پہلے ہی جگہ تنگ ہے اوپر سے یہ بھی یہاں جہنم میں پڑنے والے بنے۔

قالوا بل أنتم...... “ میں ”قالوا“ کا قائل عوام، پیروکار اور تابعین ہیں۔مقصد یہ ہے کہ سرداروں اور متبوعین کی یہ لعن طعن اور تلخ کلامی کو سن کر پیروکار اور تابعین غصہ سے دانت پیس پیس کر جواب دیں گے کہ یہ تم ہو! تم پر اللہ کی مار ہو، تم ہی ہو جنہوں

① تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۲

② موضح الفرقان ص ۵۹۲-۵۹۳ واللفظ لہ / موضح القرآن ص ۳۶۶



نے ہمارے لئے اس عذاب کا سامان کیا۔ اس فقرے میں مبتدأ " أنتم" کے اعادے اور دونوں مبتداؤں کے بیچ میں جملہ معترضہ پر نگاہ رہے۔ ایک ایک لفظ سے غصہ ابل رہا ہے۔

"فبئس القرار" بطور حسرت ان کی زبان سے نکلے گا کہ: کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے جس کا تم نے ہمارے لئے سامان کیا؟

قالوا ربنا من قدم" اس دوسرے "قالوا" کا قائل بھی پیروکار اور تابعین ہیں مطلب یہ ہے کہ پیروکار اور تابعین اپنے رؤساء اور لیڈروں کے جھگڑے کو بے سود پا کر اب اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر درخواست کریں گے کہ اے ہمارے رب! جو لوگ ہمارے لئے اس عذاب کا باعث بنے اور ہمیں گمراہ کر کے اس منزل تک لائے ان کو جہنم میں دوگنا عذاب دیجیو۔

ان آیتوں کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر عثمانی الموسوم بہ موضح الفرقان میں لکھتے ہیں۔

"یہ گفتگو دوزخیوں کی آپس میں ہوگی جس وقت فرشتے ان کو یکے بعد دیگرے لالا کر دوزخ کے کنارے پر جمع کریں گے (ان میں) پہلا گروہ سرداروں کا ہوگا۔ بعدہ ان کے مقلدین واتباع کی جماعت آئے گی۔ اس کو دور سے آتے ہوئے دیکھ کر پہلے لوگ کہیں گے کہ لو! یہ ایک اور فوج دھنستی اور کھچتی ہوئی تمہارے ساتھ دوزخ میں گرنے کے لئے چلی آرہی ہے۔ خدا کی ماران پر۔ یہ بھی یہیں آکر مرنے کو تھے۔ خدا کرے ان کو کہیں کشادہ جگہ نہ ملے۔ اس پر وہ جواب دیں گے کہ کم بختو! تم ہی پر خدا کی مار ہو۔ خدا تم کو ہی کہیں آرام کی جگہ نہ دے۔ تم ہی تھے جن کے اِغواو اِضلال کی ہدایت کی بدولت آج ہم کو یہ مصیبت پیش آئی ہے۔ اب بتاؤ کہاں جائیں جو کچھ ہے یہی جگہ ٹھہرنے کی ہے جس طرح ہو یہاں ہی سب مرو کھپو" ①

هذا فوج مقتحم معكم......" کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقوله: "هذا فوج مقتحم معكم" يعني تعالىٰ ذكره بقوله هذا فوج هذا فرقة وجماعة مقتحمة معكم أيها الطاغون النار وذلك دخول أمة من الأمم الكافرة بعد أمة. لامرحباً بهم وهذا خبر من الله عن قيل الطاغين الذين كانوا قد دخلوا النار قبل هذا الفوج المقتحم للفوج المقتحم فيها عليهم لامرحباً بهم ②

ترجمہ: "هذا فوج مقتحم معكم" سے اللہ جل کی مراد یہ ہے کہ یہ گروہ اور جماعت تمہارے ہی ساتھ اے باغیو آگ میں داخل ہوگی اور یہ دخول پہلی کافرامتوں کے داخل ہونے کے بعد ہوگا "لامرحبابهم" اور یہ اللہ تعالیٰ باغیوں کے قول کی خبر دے رہا ہے جو کہ اس (بعد والی) فوج سے پہلے آگ میں داخل ہو چکے ہوں گے اس فوج سے کہیں گے جن پر یہ داخل ہوئے ہیں کہ تم پر خوش آمدید نہ ہو۔

---

① موضح الفرقان ص ۵۹۲

② تفسیر ابن جریر الطبری: ج۲۳ ص ۱۱۵



کیا آج آپ لوگ اس عذاب میں سے کچھ ہمارا بوجھ ہلکا کریں گے؟

گمراہ پیشواؤں کے پیروکار جب جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے تو یہ لوگ اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ ہم نے دنیا میں تمہاری پیروی کی جس کے نتیجہ میں آج ہم مبتلائے عذاب ہیں۔ کیا ہمارے عذاب کا کچھ حصہ تم اپنے ذمہ لے کر ہم سے عذاب ہلکا کرسکو گے؟ یہ پیشوا، لیڈر اور رؤساء جواب میں کہیں گے کہ ہم تو خود ہی مبتلائے عذاب ہیں بھلا تمہارا عذاب کیسے ہلکا کرسکتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِذْ يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ○ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ○ وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ ○ قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَى قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴾ ①

ترجمہ: (اے پیغمبر وہ وقت یاد کر) جب دوزخی ایک دوسرے سے دوزخ میں جھگڑیں گے غریب آدمی بڑے آدمیوں سے کہیں گے ہم تو تمہارے تابعدار تھے کیا تم آگ کا کوئی حصہ ہم پر سے ہٹا سکتے ہو؟ بڑے آدمی کہیں گے (تم اور) ہم سب آگ میں پڑے ہوئے ہیں (تو اب ہٹائیں کیا) اللہ تو بندوں کا (جو فیصلہ کرنا تھا) وہ فیصلہ کرچکا۔ اور جو لوگ دوزخ میں ہوں گے وہ دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے تم ہی اپنے مالک سے عرض کرو ایک دن تو بھلا ہم پر سے کچھ عذاب ہلکا کردے۔ وہ جواب دیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر (حق تعالیٰ) کی نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے وہ کہیں گے کیوں نہیں (آئے تو تھے۔) تب داروغے کہیں گے (ایسا ہے) تو تم (خود) دعا کرو اور کافروں کی دعا اس دن بیکار ہوگی۔

"وإذ يتحاجون في النار......" کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يقول تعالىٰ ذكره لنبيه محمد صلى الله عليه وسلم: وأنذرهم يوم الآزفة إذا القلوب لدى الحناجر كظمين ...... وإذ يتحاجون في النار

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتے ہیں: ان لوگوں کو قیامت کی تکلیف سے ڈرا، جب ڈر وخوف کی وجہ سے دل گھٹ کر گلوں کے پاس آجائیں گے اور جب دوزخی ایک

① سورة المؤمن: ۴۷-۵۰

یقول...... وإذ یتخاصمون فی النار وعنی بذلک إذیتخاصم الذین أمر رسول الله صلی الله علیه وسلم بانذارهم من مشرکی قومه فی النار فیقول الضعفؤا منهم وهم المتبعون علی الشرک بالله إنا کنا لکم تبعاً تقول لرؤسائهم فی الدنیا تبعاً علی الکفر بالله، فهل أنتم مغنون الیوم عنا نصیباً من النار یعنون حظاً فتخففونه عنا فقد کنا نسارع فی محبتکم فی الدنیا ومن قبلکم أتینا لو لا أنتم لکنا فی الدنیا مؤمنین فلم یصبنا الیوم هذا البلاء . ①

دوسرے سے دوزخ میں جھگڑیں گے۔ اور جب ایک دوسرے سے آپ ﷺ کی قوم کے مشرکین جن کو آگ سے ڈرانے کا حکم نبی ﷺ کو دیا گیا وہ جھگڑا کریں گے تو ان میں سے کمزور کہیں گے جو کہ اللہ کے ساتھ شرک پر کاربند تھے، بے شک ہم تو تمہارے پیچھے چلنے والے تھے، کمزور لوگ اپنے رؤساء لیڈروں سے یہ کہیں گے جن کی انہوں نے گمراہی پر ہونے کے باوجود پیروی کی تھی۔ ہم دنیا میں تمہارے پیروکار تھے تو کیا آج ہم سے ہمارے حصہ کی آگ میں کفایت کرو گے (یعنی ہمارے حصہ کی آگ) ہم سے ہلکی کر دو جب کہ ہم تو دنیا میں تمہاری محبت میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور تمہاری طرف ہی ہم متوجہ ہوتے تھے، اگر تم نہ ہوتے تو ہم دنیا میں مؤمن ہوتے اور ہمیں یہ تکلیف ومصیبت بھی نہ پہنچتی۔

اور ”وإذیتحاجون فی النار......“ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ مراغی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

أی واذکر أیها الرسول لقومک وقت حجاج أهل النار وتخاصمهم وهم فی النار فیقول الأتباع للقادة السادة: إنا أطعناکم فیما دعوتمونا إلیه فی الدنیا من الکفر والضلال فتکبر تم علی الناس بنا. ②

ترجمہ: اے رسول اپنی قوم کو وہ وقت یاد دلاؤ جب آگ والے آپس میں تکرار و جھگڑا کر رہے ہوں گے تو پیروکار اپنے آقاؤں وسرداروں سے کہیں گے ہم تو تمہاری اطاعت میں شرک وکفر میں پڑے ہوئے تھے کیوں کہ تم نے ہی ہمیں اس شرک وکفر کا حکم دیا تھا تو تم نے لوگوں پر ہمارے ساتھ مل کر تکبر وزیادتی کی۔

اوپر والی ان دونوں آیتوں سے یہ بات بیان کرنا مقصود ہے کہ دنیا میں جو لوگ اپنے رؤساء، سردار اور لیڈروں کے خوف و ڈر سے حق کے اعتراف واعلان کی جرأت نہیں کر رہے ہیں ایک دن آئے گا جب یہ رؤساء ولیڈر اور ان کے تابعدار و پیروکار دونوں جہنم میں ہوں گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور ایک دوسرے سے نفرت کا اظہار کریں گے۔ پیروکار اور کمزور لوگ بڑوں

① تفسیر ابن جریر الطبری: ج۲۴ ص ۴۷-۴۸/واللفظ له/ التفسیر الواضح ج۲۴ ص ۳۹/تیسیر الکریم الرحمن ج۶ ص ۵۳۴
② تفسیر المراغی ج ۲۴ ص ۷۸

اور لیڈروں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم آنکھ بند کر کے آپ لوگوں کے پیروکار بنے رہے تو کیا آج آپ لوگ اس عذاب جہنم میں سے کچھ اپنے سر لیتے ہو جو ہمارے حصہ میں آیا ہے؟ تو ان کے جواب میں رؤساء ولیڈر کہیں گے کہ اب شکوہ وشکایت کا وقت گذر چکا ہے اب تو ہمیں اور تمہیں دونوں کو اسی عذاب میں رہنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بالکل عدل وانصاف کے ساتھ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا۔

مطلب یہ ہے کہ یہ عذر کسی کے لئے کچھ بھی نافع نہیں ہوگا کہ وہ دوسروں کے دباؤ میں تھا اس وجہ سے باطل کا پیروکار بنا رہا۔ اپنے نفس کی ذمہ داری ہر شخص پر خود ہے یہ ذمہ داری وہ دوسروں پر ڈال کر سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے ہر شخص خواہ وہ کتنا ہی دبا ہوا ہو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے حق کا اعلان کرے اور یہ اعتماد رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا اور اگر اس راہ میں اس کی موت بھی آئی تو یہ موت اس کی شہادت کی موت ہوگی یہاں پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ کفر وشرک اور فسق وفجور کے ان رؤساء و لیڈروں کے لئے قرآن کریم نے لفظ "استکبروا......" استعمال فرمایا ہے جس کا معنیٰ ہے وہ جو بڑے بنے رہے یا وہ جو بڑائی کے گھمنڈ میں رہے۔ یہ لفظ "استکبروا" ظالمانہ اور فاسقانہ قیادت کی تعبیر کے لئے سب سے زیادہ موزوں ومعنیٰ خیز لفظ ہے۔ اس کائنات میں بڑائی صرف اور صرف اللہ کے لئے ہے اس وجہ سے ہر وہ قیادت جو اللہ کے راستہ سے ہٹانے والی ہے وہ استکبار پر مبنی ہے اور اس کا انجام بالآخر جہنم ہے اس قیادت کے مدّعیوں کے لئے بھی اور اس کے پیروکاروں کے لئے بھی۔

پیروکاروں کا اپنے گمراہ کن پیشواؤں کو اپنے قدموں تلے روندنے کی درخواست کرنا

گمراہ کن رؤساء اور لیڈروں کے پیروکار کافر اور مشرک لوگ جب جہنم میں مبتلائے عذاب ہوں گے تو اپنے ان رؤساء اور لیڈروں (جو ان کی گمراہی کا سبب تھے)، پر انتہائی غضبناک ہوں گے، چنانچہ اسی غصہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ اے اللہ ہمارے ان رؤساء اور لیڈران کو ہمارے سامنے ڈال دے تاکہ ہم انہیں اپنے قدموں تلے روند کر اپنے کلیجے ٹھنڈے کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِيْنَ ﴾ ①

ترجمہ: اور (قیامت کے دن) یہ کافر کہیں گے مالک ہمارے (ایک نظر) ہم کو ان شیطانوں اور آدمیوں کو دکھلا دے جنہوں نے ہم کو دنیا میں گمراہ کیا تھا ہم آج انکو اپنے پاؤں تلے ڈال دیں (مسلیں یا کھنڈ یلیں یا رگڑیں) تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں۔

① سورة حمٓ السجدة : ۲۹



اس آیت کی تفسیر میں علامہ مراغی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أي وقال الكافرون وهم يتقلبون في العذاب: ربنا أرنا شياطين الإنس والجن الذين أوقعونا في الضلال ندسهم تحت أقدامنا انتقاماً منهم ومهانة لهم. ①

ترجمہ: کافر جب جہنم میں لوٹ پوٹ ہو رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ سے کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں ذرا ان انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دکھلا جنھوں نے ہمیں دنیا میں گمراہی میں ڈالا تا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں تلے روندیں جس سے ہمارے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہو اور وہ ذلیل و رسوا ہوں۔

یہاں پر بھی "الذین کفروا" اگر چہ لفظ عام ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ اس سے مراد وہ عوام، پیروکار اور تابعین ہیں جو اپنے رؤساء سرداروں، بڑوں، مذھبی پیشواؤں اور لیڈروں کے بہکانے سے گمراہ ہوئے کہ جنھوں نے نہ تو خود قرآن وحدیث کی طرف توجہ کی اور نہ ہی دوسروں کو جہاں تک ان کا بس چلا اس کی طرف متوجہ ہونے دیا۔

اس لئے فرمایا کہ جو عوام، پیروکار اور تابعین آج آنکھیں بند کر کے نہایت وفاداری کے ساتھ اپنے رؤساء، سرداروں اور لیڈروں کی پیروی کر رہے ہیں جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے رؤساء، سرداروں اور لیڈروں نے ان کو کس گھاٹ میں لا کر اتارا ہے تو وہ غصہ سے دانت پیسیں گے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ اے ہمارے رب جن جنوں اور انسانوں نے ہم کو تیرے راستہ سے ہٹا کر یہ تباہ کن راہ دکھائی ہے ایک نظر تو ان کو ہمیں دکھاوے تا کہ ہم ان کو اپنے قدموں کے نیچے روند کر ان کے استکبار و غرور اور ان کی سرداری و لیڈری کا مزہ ان کو چکھا دیں اور ان کو ذلیل و رسواء کر کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیں۔

معبودین کا اپنے عابدوں کی عبادت سے اظہار لاعلمی

قیامت کے دن معبودان باطلہ اپنی عبادت کرنے والوں کی عبادت سے اظہار لاعلمی کریں گے جس کے نتیجے میں ان کے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے معبودین اور ان کے عابدین کے درمیان اس بحث ومناقشہ کو بایں الفاظ میں ذکر فرمایا:

﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعاً ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ

ترجمہ: اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے (یعنی قیامت کے دن) پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے تم اور جن کو تم

① تفسير المراغي، ج۲۴ ص ۱۲۶



شُرَكَآؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ۝ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ۝ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴾ ①

نے اللہ کا شریک بنایا تھا اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ پھر ان کے درمیان ہم بگاڑ پیدا کر دیں گے اور جن کو انہوں نے (اللہ کا) شریک بنایا تھا وہ اپنے پوجنے والوں سے کہنے لگیں گے (تم جھوٹے ہو) تم ہم کو نہیں پوجتے تھے، ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے، ہمیں تمہاری عبادت کی مطلق خبر نہ تھی۔ اس جگہ پر ہر شخص جانچ لے گا جو (عمل) اس نے آگے بھیجا اور (سب لوگ) اپنے سچے مالک اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جتنی باتیں جھوٹ باندھتے تھے وہ سب ہوا ہو جائیں گی۔

فائدہ جلیلہ

ایک بات اچھی طرح سے یاد رکھو۔ کہ ہر غیر اللہ کا عابد مشرک ہے اور اگر اسی شرک پر ہی مرا ہے تو اس کا ٹھکانہ ہمیشہ جہنم ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں کہ ہر معبود بھی کافر و مشرک ہو کر جہنم میں جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے مقرب بندے اور برگزیدہ ہستیاں ہیں کہ دنیا میں جن کی مشرک لوگ عبادت کرتے ہیں اور وہ حضرات ان مشرک لوگوں کی عبادت پر ناراض ہیں جس میں ملائکہ بھی ہیں کہ جن کی مشرک لوگ عبادت کرتے ہیں جن کی تفصیل باب اصنام میں پہلے گزر چکی ہے، یا سیدنا عزیر و سیدنا عیسیٰ علیہما السلام کہ یہود و نصاریٰ جن کی عبادت کرتے ہیں، یا سیدنا علی بن ابی طالب و سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کے اہل بیت کہ دنیا میں جن کی روافض عبادت کر رہے ہیں اور اسی طرح اسلام کے دامن میں ہزاروں اور لاکھوں ایسے ائمہ ہدیٰ اور اولیاء اللہ گزرے ہیں کہ جنہوں نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت اور اس کے دین کی خدمت میں گزاری، مگر ان کے مرنے کے بعد ان کے لابس ثیاب الزور (جھوٹے کپڑے پہننے والے) محبین و متبعین نے دنیا میں ان کی عبادت شروع کر دی تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان مقرب بندوں اور برگزیدہ ہستیوں کو مشرکین کی اس عبادت کی وجہ سے (جو کہ ان مقرب بندوں اور برگزیدہ ہستیوں کی مرضی کے خلاف ہو رہی ہو) جہنم میں ہرگز نہیں ڈالے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہ مقرب بندے اور برگزیدہ ہستیاں۔

① سورۃ یونس : ۲۸......۳۰

﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ﴾ ① البتہ بے شک جن کیلئے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی ٹھہر چکی ہے وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے۔

والی آیت کے مصداق بن کر جہنم سے نہایت ہی دور رہیں گے۔ اس لئے آپ حضرات ان اور ان جیسی آیات کی تفسیر میں مفسرین حضرات کے کلام اور عبارات میں یا خود ہماری تعبیرات میں جب بھی کہیں الفاظ تابع ومتبوع، مرید ومرشد، عوام ولیڈر، مقتدی ومقتداء اور پیروکار وپیشوا دیکھیں جیسا کہ گذشتہ آیات کی تفسیر وتوضیح میں گذرے ہیں۔ تو ان متبوعین، مرشدین، لیڈر، مقتداء اور پیشواؤں سے ائمہ مضلین اور کفر وشرک کے داعی مقصود ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اور ائمہ ہدی ہرگز داخل نہیں ہیں۔

خواہ ان کے متبعین صحیح ہوں یا غلط جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس لئے "قال شركاؤهم" سے بہت سے مفسرین نے شرکاء سے ملائکہ، مسیح اور عزیر مراد لئے ہیں۔ اب مفسرین حضرات کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

والمراد بالشركاء هنا الملائكة وقيل الشياطين وقيل الأصنام وإن الله سبحانه ينطقها في هذا الوقت. وقيل المسيح وعزير. والظاهر أنه كل معبود للمشركين كائناً ما كان. ②

:شرکاء سے یہاں مراد فرشتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ شیاطین مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں بت مراد ہیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو بلوائے گا۔ اور بعض نے کہا کہ مسیح اور عزیر مراد ہیں۔ لیکن امر ظاہر یہ ہے کہ مشرکین کے معبود مراد ہیں خواہ کوئی بھی ہوں۔

ان معبودین سے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اللہ تعالیٰ کے مقرب ومعزز بندے مراد ہیں اور اس غفلت سے عدم رضا مقصود ہے کیونکہ اللہ کے مقرب بندے اپنی عبادت پر کبھی راضی نہیں ہوتے اور اس کے برعکس شیاطین اپنی عبادت پر راضی ہوتے ہیں اور یہ بھی امکان ہے کہ ان معبودین سے شیاطین مراد ہیں اور عدم رضا سے مقصود عدم اجبار واکراہ ہے۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

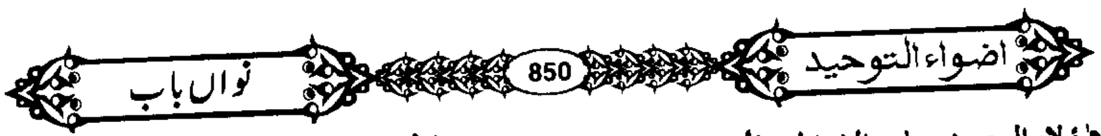
والقائل لهذا الكلام هم المعبودون، قالوا لمن عبدهم من المشركين إنا كنا عن عبادتكم لنا لغافلين والمراد بالغفلة هنا عدم الرضا بما فعله المشركون من العبادة لهم. وفي هذا دليل على أن

ترجمہ: اس کلام کے قائل وہ معبودین ہی ہیں جو اپنی عبادت کرنے والے مشرکوں سے کہیں گے، ہم تو اس بات سے غافل تھے کہ تم نے ہماری عبادت کی ہے۔ اور یہاں غفلت سے مراد عدم رضا ہے یعنی: تم نے جو ہماری عبادت کی ہے ہم

---

① سورۃ الأنبیا: ۱۰۱

② تفسیر فتح القدیر ج۲ ص ۴۳۹ واللفظ له / تفسیر القرطبی ج۸ ص ۳۳۳ / روح المعانی ج۶ ص۱۰۷۔



هؤلاء المعبودين غير الشياطين لأنهم يرضون بما فعله المشركون من عبادتهم، ويمكن أن يكونوا من الشياطين، ويحمل هذا الجحد منهم على أنهم لم يجبروهم على عبادتهم ولا أكرهوهم عليها .①

اس پر راضی نہیں ہیں اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ یہ معبودین شیطانوں کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں کیونکہ شیطان تو اپنی عبادت پر جو مشرک کرتے ہیں خوش ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے اس سے شیطان ہی مراد ہوں تو اس جحد و انکار کو عدم اجبار پر محمول کریں گے کہ انہوں نے مشرکین کو اپنی عبادت پر مجبور نہیں کیا ہوگا۔

"ویوم نحشرهم جمیعاً" میں " جمیعاً " کی تاکید اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ مشرکین (پیروکار) کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان کے ان شریکوں، مزعومہ شفیعوں اور معبودوں کو بھی جمع کرے گا۔ جن کو انہوں نے اللہ کی الوہیت میں شریک و سہیم ٹھہرا کر ان کی عبادت کی اور ان کو اپنا سفارشی سمجھا۔

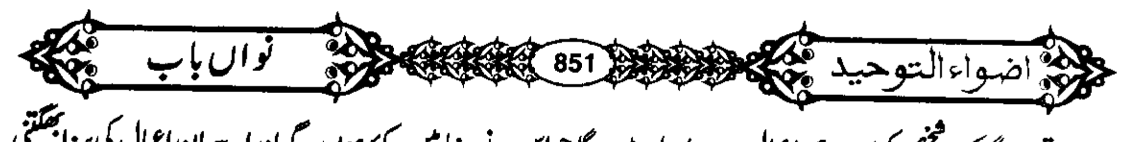
"مکانکم" سے پہلے، امکثوا" یا قفوا" یا ان کے ہم معنیٰ کوئی فعل محذوف ہے جس کی وجہ سے "مکانکم" منصوب ہے، جس کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ۔ جب کسی فوری اور واجب التعمیل حکم کا موقعہ ہو تو عرب ظرف یا مفعول سے پہلے فعل کو حذف کر دیتے ہیں تا کہ مخاطب کی ساری توجہ اور دھیان اصل بات پر مرکوز ہو جائے۔

"فزیلنا" یہ اس "مکانکم" کے روکنے کے مقصد کی تفصیل ہے۔ تزیُل کے معنیٰ تفریق و جدائی اور پھوٹ ڈالنے کے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن مشرکین (تابعین) اور ان کے معبودین (متبوعین) میں پھوٹ ڈال دی جائے گی اور معبودین اپنے عابدوں سے اس دن اظہار برأت بھی کریں گے اور اللہ کی قسم کھا کر یہ بھی ان کو بتائیں گے کہ ہمیں تو اصلاً کوئی خبر ہی نہیں کہ دنیا میں تم ہماری عبادت کرتے رہے۔

"وقال شرکاؤهم" یہاں سے مشرکین کے مزعومہ شریکوں و معبودوں اور آلھہ کا اعلان برأت ہے جبکہ انہیں تو یہ امید ہوگی کہ ساری زندگی جن کی عبادت کی ہے اور جن کیلئے دنیا میں نذریں، نیازیں اور قربانیاں پیش کیں آج وہ ہمارے کام آئیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر ہاتھ ڈالا تو یہ ہستیاں ہم کو چھڑا لیں گی مگر ہوگا یہ کہ قبل اس کے یہ پیروکار اور تابعین اپنی زبان کھولیں وہ متبوعین اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہیں گے کہ ہمیں تو خبر بھی نہیں کہ کچھ احمق لوگ ہماری عبادت کرتے رہے ہیں۔

"هنالک تبلوا" بَلاَ یَبْلُو کے معنیٰ تجربہ کرنے، جانچنے، آزمانے اور چکھنے کے ہیں۔ یعنی مشرکین تو اس امید میں ہیں کہ اگر قیامت ہوئی تو خواہ ان کے اعمال کچھ بھی ہوں، ان کے شرکاء و معبودین ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا ہی لیں گے۔ مگر

① تفسیر فتح القدیر ج ۲ ص ۴۴۰



وہاں پر تو یہ ہوگا کہ ہر شخص کو اپنے ہی اعمال سے واسطہ پڑے گا جو اس نے دنیا میں کئے ہوں گے اور اسے ان اعمال کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

"وردّو الیٰ اللہ مولاھم الحق" یعنی یہ مشرک لوگ تو توقع لئے بیٹھے ہیں کہ قیامت ہوئی تو ان کے معبود وہاں پر ان کا خیر مقدم کریں گے لیکن وہاں ہوگا یہ کہ ان کی ساری دیوی، دیویاں، معبود جو انہوں نے اللہ پر افتراء کرتے ہوئے گھڑ رکھے ہیں سب غائب ہو جائیں گے اور سب کی روبکاری اللہ واحد کے حضور میں ہوگی جو ان کا اور سب کا حقیقی مولیٰ ہے اور مولائے حق کا لفظ یہاں ان کے ان فرضی ونقلی معبودوں کے مقابل میں استعمال ہوا ہے۔ جنہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہوئے گھڑ رکھا ہے۔ یعنی ان کے متعلق بالکل جھوٹ کا دعویٰ کیا گیا کہ اللہ نے ان کو اپنا شریک بنایا ہے اور وہ ان کے شفیع وسفارشی ہوں گے۔



دسواں باب

توحید باری تعالیٰ کیلئے

عقلی دلائل

اس باب میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ثبوت دلائل عقلیہ وفطریہ سے پیش کیا جائے گا۔ حقیقت میں اس کائنات کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر واضح اور بیّن ثبوت ہے۔ ایک نہیں دو نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں اور بے شمار ایسے دلائل موجود ہیں جو کہ اس کائنات کے موجد و مربّی کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ ہم اپنی ناقص سمجھ و فہم کے مطابق ان بے شمار ادلہ میں سے صرف بطور نمونہ کے کچھ یہاں پر ذکر کریں گے۔

فطرت کی گواھی

رب العالمین کے وجود اور اس کی وحدانیت کا تصور فطرتِ انسانیت میں موجود ہے، جب سے فطرت کا انشاء ہوا ہے۔ اور نفوس انسانیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت موجود ہے، جب سے نفوس کا ایجاد ہوا ہے۔ اگر انسان ضد وعناد کو چھوڑ کر غور وخوض کرے تو ایک ایسی ذات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے جس نے اس کائنات کو پیدا فرمایا اور اسے عدم سے وجود میں لایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام انسانوں سے اپنی ربوبیت کا اقرار کر رکھا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِيٓ آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا۟ بَلَىٰ شَهِدْنَآ أَن تَقُولُوا۟ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ﴾ ①

ترجمہ: اور (اے پیغمبر وہ وقت یاد کرو) جب تیرے مالک نے آدم علیہ السلام کی اولاد سے (اور اسی طرح خود آدم سے) ان کی پشت سے اُن کی اولاد نکالی اور خود ان کو ان پر گواہ کیا۔ (ان سے فرمایا) کیا میں تمہارا مالک نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا بیشک (تو ہی ہمارا مالک ہے) ہم اس بات کے گواہ ہیں۔ کہ کہیں تم قیامت کے دن یوں کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے (کہ تو ہمارا مالک ہے) بے خبر تھے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں۔

---

① سورة الأعراف : ۱۷۲



ثم أشهدهم على أنفسهم بما ركب فيهم من دلائل وحدانيته وعجائب خلقه وغرائب صنعته .①

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں (یعنی ذریت آدم کو) ان کے نفوس پر گواہ بنایا بسبب اسکے کہ اس نے ان میں اپنی وحدانیت، عجائبات تخلیق اور اپنی کاریگری کے انوکھے پن کے دلائل جمع کردیے تھے۔

چنانچہ ایک اعرابی محض اپنی فطرتِ سلیمہ سے استدلال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کا اقرار واعتراف کرتا ہے:

البعرة تدل على البعير وأثر الأقدام يدل على المسير، فسماء ذات أبراج و أرض ذات فجاج كيف لاتدلان على اللطيف الخبير .②

ترجمہ: گوبر دلالت کرتا ہے اونٹ پر اور قدموں کے نشانات دلالت کرتے ہیں جانے والے (یعنی مسافر) پر تو کیا برجوں والا آسمان اور راہوں والی زمین یہ دونوں دلالت نہیں کرتے لطیف وخبیر پر؟

حقیقت تو یہ ہے کہ نفوس انسانیت کو ضد وعناد اور کبر وغرور خواہ کتنا ہی اندھا کردے اور شرک وکفر کتنا ہی اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی وحدانیت کے اقرار سے دور کردے مگر پھر بھی انسان کیلئے اللہ تعالیٰ کی ولایت والوہیت کا اقرار کرنے اور اس سے استغاثہ واستعانت طلب کرنے کے سوا کوئی سہارا نہیں ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ کسی انتہاء درجہ کی مصیبت میں پھنس جاتا ہے یا کسی تکلیف دہ غموم وھموم کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُوراً ﴾ ③

ترجمہ: اور جب سمندر میں تم آفت میں گرفتار ہوتے ہو (طوفان آتا ہے یا ڈوبنے کا ڈر ہوتا ہے) تو اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارا کرتے تھے سب بھول (گم) جاتے ہیں۔ پھر جب وہ تم کو خشکی میں بچا لاتا ہے تو (اللہ سے) پھر (منہ موڑ) بیٹھتے ہو۔ اور آدمی بڑا ناشکرا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انسان کی تخلیق تو اپنے رب کی ربوبیت والوہیت اور اسلام کی معرفت پر ہوئی مگر بعد میں اپنے ماں باپ کے فعل وعمل کی وجہ سے توحید سے ہٹ کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

......أن أباهريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

① مفاتيح الغيب ج ١٥ ص ٥٣
② سورة الإسراء والأهداف التي ترمي إليها. ص: ٢١-٢٢
③ سورة الإسراء : ٦٧



صلی اللہ علیہ وسلم: ما من مولودٍ إلا یولد علی الفطرة، فأبواہ یھوّدانِہ أوینصرانہ أویمجسانہ .①
(صحیح بخاری ومسلم)

فرمایا: ہر بچہ صرف فطرتِ اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے، پس بعد میں اس کے والدین اس کو یہودی بنالیتے ہیں یا نصرانی (عیسائی) یا مجوسی (آتش پرست)۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس فطرت کے ساتھ انسان کو اپنے خالق کی طرف توجہ دلائی ہے بغیر کسی احتجاج وفلسفہ کے بشرطیکہ انسان اس پردہ عناد کو ہٹائے جس نے اس کو اپنے رب کی معرفت واقرار سے روک رکھا ہے بالخصوص خوشی وشادمانی کے موقعہ پر، چنانچہ اسی فطرت وجبلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفاً فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ ②

ترجمہ: (اے پیغمبر) تو ایک طرف کا ہو کر اپنا منہ دین پر قائم رکھ، اس دین پر جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بناوٹ بدل نہیں سکتی، یہی سچا، ٹھیک دین ہے۔ (جو فطرت کے موافق ہے) مگر اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں سمجھتے۔

تعاقب اللیل والنهار

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے دلائل میں سے ایک دلیل رات دن کا وجود اور ان کا ایک دوسرے کے ساتھ تعاقب ہے جو کہ اس کائنات میں مخلوقات کے مصالح ومنافع سے متعلق ووابستہ ہیں۔ کیونکہ اگر زندگی ہمیشہ ہی رات ہوتی یا دن ہوتا تو دنیا کا یہ بے مثال نظام مستقیم نہ رہتا بلکہ درہم برہم ہو جاتا اور وہ فوائد ومنافع حاصل نہ ہوتے جو رات دن کے تعاقب سے حاصل ہو رہے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون ہے جو رات کے اندھیرے کو مٹا کر دن کی ضوء وروشنائی کو لایا ہے؟ تا کہ لوگ دیکھ کر اپنی زندگی کے کاروبار میں لگ جائیں، کون ہے وہ ہستی جس نے رات اور دن کے اس حیرت انگیز نظام، کہ جس سے کائنات کا نظام مرتبط اور وابستہ ہے، کو ایجاد ومقرر فرمایا ہے؟

اس لئے عقلِ سلیم بالیقین اس بات کا اقرار کرنے پر مجبور ہے کہ دن اور رات کے اس نظام کے پیچھے ایک مدبر وحکیم کا ہاتھ ہے جو کہ اپنی حکمت کے مطابق یہ حیرت انگیز نظام چلاتا ہے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

① رواہ البخاری کتاب الجنائز، باب إذ أسلم الصبی فمات، ھل یصلی علیہ وھل یعرض علی الصبی الإسلام / مسلم کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة وحکم موت أطفال الکفار وأطفال المسلمین / البیھقی فی شعب الایمان، باب القول فیمن یکون مؤمنا بإیمان غیرہ ، رقم الحدیث: ٥٨.

② سورة الروم : ٣٠

﴿ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلاً مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلاً ﴾ ①

ترجمہ: ہم نے رات اور دن کو اپنی قدرت کی نشانیاں بنائی ہیں، رات کی نشانی کو تو ہم نے بے نور کردیا ہے اور دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے تا کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرسکو اور اس لئے بھی کہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کرسکو اور ہر چیز کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان فرمادیا ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمعنى: أنه تعالىٰ جعلهما دليلين للخلق على مصالح الدين والدنيا. أما في الدين فلأن كل واحد منهما مضاد للآخر مغاير له مع كونهما متعاقبين على الدوام من أقوى الدلائل على أنهما غير موجودين لذاتهما بل لابدلهما من فاعل يدبر هما ويقدرهما بالمقادير المخصوصة.

ترجمہ: معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (دن اور رات) کو اپنی مخلوق کے لئے دین ودنیا کی مصلحتوں پر دلیل بنایا ہے۔ دین میں دلیل اس حیثیت سے ہے کہ ہر ایک دوسرے کی ضد اور مخالف ہے باوجود اس کے کہ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے پیچھے پیچھے آتے ہیں، ان کا یہ عمل اس بات کی بہت قوی ومضبوط دلیل ہے کہ یہ خود اپنے آپ نہیں بن گئے بلکہ ان کو بنانے، تدبیر کرنے اور مخصوص اندازے پر مقرر کرنے والا کوئی اور ہے۔

وأما في الدنيا. فلأن مصالح الدنيا لاتتم إلاباللیل والنهار، فلولا الليل لما حصل السكون والراحة. ولولا النهار لما حصل الكسب والتصرف في وجوه المعاش. ②

دنیوی دلیل اس لحاظ سے ہے کہ دنیاوی کام ومصلحتیں رات، دن کے ساتھ ہی پوری ہوتی ہیں، اگر رات نہ ہوتی تو سکون و راحت بھی حاصل نہ ہوتا۔ اور اگر دن نہ ہوتا تو کمائی کرنا اور امور زندگانی سرانجام دینا ممکن نہ ہوتا۔

چنانچہ اپنی وحدانیت کے ثبوت کے ضمن میں اللہ تعالیٰ لیل ونہار کے فوائد ومنافع بیان کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتا ہے:

﴿ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَداً إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَـٰهٌ غَيْرُ اللهِ يَأْتِيكُم بِضِيَاءٍ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ

ترجمہ: (اے پیغمبر ان لوگوں سے پوچھ) بھلا بتاؤ تو سہی اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ قیامت تک تم پر رات کئے رہے (کبھی سورج نہ نکلے) برابر اندھیرا رہے تو اللہ کے سوا دوسرا کون معبود

① سورۃ الإسراء: ۱۲
② مفاتیح الغیب ج۲۰ ص ۱۶۵



سَرۡمَداً إِلَى يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ مَنۡ إِلَهٌ غَيۡرُ اللَّهِ يَأۡتِيكُم بِلَيۡلٍ تَسۡكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبۡصِرُونَ ۝ وَمِن رَّحۡمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيۡلَ وَالنَّهَارَ لِتَسۡكُنُوا فِيهِ وَلِتَبۡتَغُوا مِن فَضۡلِهِ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُونَ ﴾ ①

(اللہ) ہے جو تم پر روشنی لے کر آئے (دن نکالے) کیا تم (دل لگا کر یہ بات) نہیں سنتے۔ (اے پیغمبران لوگوں) سے پوچھ) بھلا بتلاؤ تو سہی اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ قیامت تک تم پر دن کئے رہے (رات نہ آئے، سورج نہ ڈوبے) تو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا کون معبود ہے جو تم پر رات لے کر آئے جس میں تم آرام کرو۔ کیا تم (ایسی کھلی بات بھی) نہیں دیکھتے۔ اور اسی (اللہ) کی مہربانی ہے کہ رات تمہارے آرام کے لئے بنائی اور دن اس لئے بنایا کہ اس کا فضل (روٹی، رزق) ڈھونڈ و اور اس کا شکر کرو۔

تعدد، الوهیت کے منافی هے

قرآن کریم خصم کے ساتھ تنزّل کا طریقہ اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ثبوت یوں پیش کرتا ہے۔

﴿ قُل لَّوۡ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذاً لَّابۡتَغَوۡا إِلَى ذِي الۡعَرۡشِ سَبِيلاً ﴾ ②

ترجمہ: (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ دے اگر اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسے یہ لوگ کہتے ہیں تب تو عرش کے مالک تک ضرور کوئی راستہ ڈھونڈ نکالتے۔

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دو طرح سے استدلال کیا گیا ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعدد آلہہ کا وجود اگر فرض کیا جائے تو مفروضہ آلہہ (فرضی معبود) دو حال سے خالی نہیں بایں طور کہ مفروضہ آلھہ اللہ تعالیٰ کے مساوی ہونگے یا نہیں؟

الف: اگر مفروضہ آلھہ اللہ تعالیٰ کے مساوی نہیں ہیں تو مساوی نہ ہونے کی صورت میں وہ (مفروضہ آلھہ) اللہ تعالیٰ کے قرب وتقرب کا طریقہ تلاش کرتے ہیں اور اس صورت میں وہ اِلٰہ و معبود نہیں ہوسکتے کیونکہ جو کسی دوسرے کے تقرب کا محتاج ہو اس میں اِلٰہ ہونے کی صلاحیت نہیں رہتی۔

ب: اور اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مساوی آلھہ کا وجود فرض کیا جائے تو بادشاہت پر اختلاف، جھگڑے اور ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا جو کہ فسادِ عالم کا سبب بنتا۔

① سورة القصص : ۷۱....۷۳ ② سورة الإسراء : ۴۲

اور جب یہ بات ہمارے مشاہدہ میں آ چکی ہے کہ عالم کے نظام میں کوئی فساد نہیں ہے بلکہ نظامِ عالم ایک حکمت کے ماتحت ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے تو یہ وحدانیت اور عدم تعدد کی دلیل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ﴾ ①

ترجمہ: اگر آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے الٰہ بھی ہوتے تو دونوں (آسمان اور زمین) برباد ہو جاتے۔

اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وجود آلہۃ متساویہ کی صورت میں اختلاف و تنازع کے ساتھ ایک دوسرے پر چڑھائی کا مسئلہ بھی ہوتا ہے جس سے فسادِ عالم کا ہونا یقینی ہے۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ②

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور اِلٰہ ہے (اگر ایسا ہوتا) تو ہر الٰہ اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو لے کر چل دیتا، اور (لڑکر) ایک دوسرے پر غالب آتا (جیسے بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے) جو باتیں اللہ کی نسبت یہ بتاتے ہیں وہ ان سے پاک ہے۔

اس آیت کے تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أی لو قدر تعدد الآلهة لانفرد كل منهم بما خلق فما كان ينتظم الوجود و المشاهد أن الوجود منتظم متسق كل من العالم العلوی والسفلی مرتبط بعضه ببعض فی غاية الكمال "ماترى فی خلق الرحمٰن من تفاوت" ثم لكان كل منهم يطلب قهر الآخر وخلافه فيعلو بعضهم على بعض و المتكلمون ذكروا هذا المعنى وعبروا عنه بدليل التمانع وهو أنه لو فرض صانعان فصاعدًا فاراد واحد تحريك جسم والآخر أراد سكونه، فإن لم يحصل مراد كل واحد منهما كانا عاجزين

ترجمہ: اگر مان لیا جائے کہ کئی ایک الٰہ ہیں تو ہر ایک اپنی مخلوق کو لیکر الگ ہو جاتا جس وجہ سے موجودات میں نظام قائم نہ رہ سکتا حالانکہ کائنات کا انتظام مکمل ہے۔ عالم علوی اور عالم سفلی، آسمان و زمین وغیرہ کمال ربط کے ساتھ اپنے اپنے مقررہ کام میں مشغول ہیں دستور سے ایک انچ اِدھر اُدھر نہیں ہوتے۔ پس معلوم ہوا کہ ان سب کا خالق مالک، الٰہ ایک ہی ہے نہ کہ متعدد متفرق۔ کئی ایک اور متعدد الٰہ مان لینے کی صورت میں یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر ایک دوسرے کو پست و مغلوب کرنا اور خود کو غالب کرنا چاہے گا۔ اگر غالب آ گیا تو مغلوب الٰہ نہ رہا اگر غالب نہ آیا تو وہ خود الٰہ نہ ہوا۔ پس یہ

① سورة الأنبياء : ٢٢
② سورة المؤمنون: ٩١



والواجب لایکون عاجزًا ویمتنع اجتماع مرادیهما للتضاد، وما جاء هذا المحال إلا من فرض التعدد فیکون محالاً. فاما إن حصل مراد أحدهما دون الآخر کان الغالب هو الواجب والآخر المغلوب ممکناً لأنه لایلیق بصفة الواجب أن یکون مقهورًا ①

دونوں دلیلیں بتلا رہی ہیں کہ اللہ ایک ہی ہے۔ متکلمین کی اصطلاح میں اس دلیل کو دلیل تمانع کہتے ہیں۔ جس کی تقریر یہ ہے کہ اگر دو یا اس سے زیادہ اللہ مانے جائیں پھر ان میں سے ایک کسی جسم کی حرکت کا ارادہ کرے اور دوسرا اسی جسم کے سکون کا ارادہ کرے اب اگر دونوں کی مراد حاصل نہ ہو، تو دونوں ہی عاجز ٹھہرے اور جب عاجز ٹھہرے تو اس صورت میں اللہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ واجب عاجز نہیں ہوتا اور یہ بھی ناممکن ہے کہ دونوں کی مراد پوری ہو کیونکہ اجتماع الضدین محال ہے لہذا تعدد آلھۃ بھی محال ہے۔ اب رہی تیسری صورت یعنی یہ کہ ایک کی چاہت پوری ہو ایک کی نہ ہو تو جس کی پوری ہوئی وہی غالب ثابت ہوا، لہذا وہی واجب الوجود ہے اور جس کی پوری نہ ہوئی وہ مغلوب ثابت ہوا لہذا یہ ممکن ہے کیونکہ واجب کی یہ صفت نہیں کہ وہ مغلوب ہو۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ یوں لکھتے ہیں:

والمعنی لا نفرد علی ذلک کل واحد من الآلهة بخلقه الذی خلقه واستبد به ولرأیتم ملک کل واحد متمیزاً عن ملک الآخر ولغلب بعضهم علی بعض کما ترون حال ملوک الدنیا، ممالکهم متمیزة وهم متغالبون وحیث لم تروا أثرا التمایز فی الممالک والتغالب فاعلموا أنه إلٰه واحد، بیده ملکوت کل شیء②

ترجمہ: تو معنٰی یہ ہوگا کہ ہر اللہ اپنی خلقت کے لئے استقلال چاہے گا اور اسی کے ذریعے وہ اپنے آپ کو مزید مضبوط کرنے کی کوشش کرے گا اور تم دیکھتے ہو کہ ہر ایک کی بادشاہت دوسرے سے جدا ہوتی ہے اور تعدد آلھۃ کی صورت میں بعض ان میں سے دوسرے پر غالب آئے گا جیسا کہ تم دنیا کے بادشاہوں کا حال دیکھتے ہو ان کی بادشاہتیں الگ الگ ہیں اور ایک دوسرے پر غالب آنا چاہتے ہیں۔ جس بادشاہت میں یہ جداگانہ تأثر اور ایک دوسرے پر غالب آنے کا تصور نہیں وہ ایک اکیلا معبود (اللہ رب العالمین) ہے اسی کے ہاتھ میں ہر شئی کی حکومت ہے۔

---

① تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ۲۵۴
② مفاتیح الغیب ج۲۳ ص ۱۱۸



اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر عقلی فیصلہ

مشرکین اوائل کا شرک عام طور پر ہمیشہ خوشی وشادمانی کے وقت ہوتا تھا جیسا کہ ہم اس سے پہلے کئی بار کہہ چکے ہیں باقی رہا شدت وسختی کے اوقات میں تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان اوقات میں وہ (مشرکین) ہر ماسوی اللہ سے اپنا تعلق ختم کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور صرف اسی ہی کو پکارتے تھے اور یہی اللہ کی وحدانیت کا ثبوت ہے؛ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ اللہ کے سوا جن ہستیوں کے ساتھ ہماری وابستگی ہے وہ ان سخت اور نامساعد حالات میں ہمارے کام نہیں آسکتے۔ چنانچہ جس طرح قرآن کریم نے ان کے شرکیہ افعال واقوال نقل کئے ہیں اسی طرح ان کے شرک کے حالات واوقات بیان کیے ہیں۔ اب ذرا ان کے شرک کے اوقات پر ایک عبوری نظر ڈالیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴾ ①

ترجمہ: پھر یہ (مشرک) لوگ جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں دین کو اسی کیلئے خالص کرتے ہوئے، پھر جب اللہ تعالیٰ (اپنے فضل سے) ان کو بچا کر خشکی میں لاتا ہے تو خشکی میں آتے ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ﴾ ②

ترجمہ: اور جب (سمندر میں) سائبانوں کی طرح ان کو (پانی کی) موج ڈھانک لیتی ہے (اور ڈوبنے کا ڈر ہوتا ہے) تو اس وقت اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں دین کو اسی کیلئے خالص کرتے ہوئے پھر جب وہ ان کو بچا کر خشکی میں لے آتا ہے تو ان میں سے بعض تو انصاف پر قائم رہتے ہیں۔

تو ان اور ان جیسی دیگر آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکین اوائل اس بات کے قائل ومعترف تھے کہ ان کے مزعومہ آلھہ ومعبودین مصائب ومشکلات اور پریشان کن حالات واوقات میں ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتے جس سے ان کی عجز و کمزوری ظاہر ہوتی ہے اور پھر عقل سلیم یہ فیصلہ کرتی ہے کہ جو عاجز وکمزور ہوتا ہے وہ الٰہ ومعبود نہیں بن سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ثبوت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مشرکین عرب دوسرے معبودوں کے علاوہ ملائکہ اور یہود عزیر

---

① سورة العنكبوت : ٦٥
② سورة لقمان : ٣٢

اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مقرب بندوں کی الوہیت کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: یہ تو خود اعمال صالحہ کے ذریعے میرا قرب وتقرب تلاش کرتے ہیں، اور میری رحمت کو چاہتے ہیں، اور میرے عذاب سے ہمہ وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو وہ الہ ومعبود کیسے بن سکیں گے؟ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا﴾ ①

ترجمہ: (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ دیں کہ اللہ کے سوا تم جن کو (اللہ کا شریک) سمجھتے ہو وہ تو اتنا بھی اختیار نہیں رکھتے کہ کوئی تکلیف تمہاری دور کردیں یا اس کو سرکا دیں (کسی اور پر ڈال دیں) جن لوگوں کو یہ مشرک (اللہ کا شریک سمجھ کر) پکارتے ہیں (مثلاً سیدنا عیسیٰ علیہ السلام یا فرشتے) وہ تو خود اپنے رب کی طرف ذریعہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اور اس کی مہربانی کی امید رکھتے ہیں (جیسے دوسرے بندے رکھتے ہیں) اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں (بلکہ مقرب لوگوں کو اور زیادہ ڈر ہے) اس لئے کہ تیرے مالک کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے۔

خلقِ زوجین

خلق زوجین: یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا وجود اللہ تعالیٰ (مُوجِد) کے بغیر متصور نہیں ہوسکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ساری کائنات جس میں زوجین پائے جاتے ہیں ایک طبیعت کی ہے اور اعضاء واحدہ کے ساتھ وجود میں آئی ہے اور وہ بھی ایک ہی ترکیب کے ساتھ۔ تو پھر تخلیق زوجین میں فصل وتفریق کرنا بایں طور کہ ایک کو مذکر اور دوسرے کو مؤنث بنانا یہ محتاج ہے ایک قدرت کاملہ عجیبہ کی طرف جو کہ ان کو ایک حکمت کے تحت بنائے۔

اب بتائیے کون ہے وہ ذات جس نے اس متحد الطبیعت کائنات میں زوجین کو اس کیفیت زوجیت میں پیدا کیا۔ تو عقل سلیم کے لئے اس کے سوا اور کوئی گنجائش نہیں کہ وہ اس تخلیق عجیب کو اس رب العالمین کی طرف منسوب کرے جو کہ علیم بکل شی اور قدیر علی کل شی ہے چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ﴾ ②

اور اسی نے (ہر جانور کے) جوڑے (نر اور مادہ) بنائے۔

---

① سورۃ الإسراء: ۵۷ ② سورۃ النجم: ۴۵



اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴾ ①

ترجمہ: پاک ہے وہ اللہ جس نے قسم قسم کی سب چیزیں بنائیں کچھ تو ان میں سے اگتی ہیں اور کچھ خود ان میں سے پیدا ہوتی ہیں (مرد اور عورت) اور کچھ ایسے ہیں جن کو وہ نہیں جانتے۔

خلق زوجین پر کافی بحث کے بعد علامہ الدکتور محمد علی النمر یوں لکھتے ہیں:

إن خلق الزوجين أمر لا يتأتى إلا لله وحده، ذلك أن الكائنات التي فيها زوجان هي من طبيعة واحدة وقد وجدت بأعضاء واحدة وعلى تركيب واحد، فالفصل بينهما بجعل هذا ذكرًا وهذه أنثى يحتاج إلى قدرة عجيبة تفعل ذلك لحكمة تواكب خلقهما على هذه الكيفية ولا يسوغ في العقل أبدًا أن ينسب هذا الخلق إلى غير الله ②

ترجمہ: زوجین کا پیدا کرنا یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھی سرانجام نہیں دے سکتا۔ وہ اس لئے کہ یہ کائنات جس میں جوڑے جوڑے رہتے ہیں تو ان کا اصل عنصر ایک طبیعت یا ایک شئی ہے اور اس کا وجود بھی ایک جیسے اعضاء پر ہے اور اس کی ترکیب بھی ایک ہی ہے۔ اب اس میں سے کسی ایک کو مذکر اور دوسرے کو مؤنث بنانا اس میں عجیب قدرت کا ہی کمال ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی حکمت دائمہ کے تحت ہے، اسی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ نے مذکر و مؤنث کو اپنی کیفیت پر پیدا کیا ہے۔ عقل میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ تخلیق کی اس کیفیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی جائے۔

کشتیوں کا سمندر میں چلنا

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی ادلہ میں سے ایک دلیل کشتیوں کا سمندروں کی سطح پر چلنا ہے۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴾ ③

ترجمہ: (لوگو) تمہارا مالک وہ ہے جو سمندر میں تمہارے لئے جہاز چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل طلب کرو (تجارت کے ذریعے) بے شک وہ تم پر مہربان ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ حیات متکررہ کے مناظر میں سے ایک منظر کی طرف اذہان واعیہ کو متوجہ کرنا چاہتا ہے اور وہ ہے تیرتی ہوئی کشتیوں کا سمندر کی سطح پر جریان، (چلنا) جو کہ لوگوں کے منافع وفوائد والے سامان سے لدی ہوئی ہیں۔

① سورة يٰس : ٣٦
② سورة الإسراء والأهداف التي ترمي إليها ص ٦٨-٦٩/
③ سورة الإسراء : ٦٦

آپ غور کریں کہ یہ نقطہ بسیطہ (کشتیاں) کس طرح ایک بہترین انداز میں سمندر کی پہاڑوں جیسی بلند موجوں اور لہروں میں چلتی ہیں کہ ان بلند و بالا موجوں اور لہروں کو دیکھ کر تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ موجیں ان کشتیوں کو اس طرح نگل جائیں گی کہ ان کا نام ونشان تک بھی باقی نہ رہے گا۔

اب بتاؤ کون ہے وہ ہستی جس نے ان کشتیوں کے توازن کو برقرار رکھ کر ان کی حفاظت کی ہے؟

اور کون ہے وہ ذات جس نے پانی جیسی لطیف چیز پر ان کشتیوں کے چلنے کو آسان بنایا ہے؟ لازماً ماننا پڑے گا کہ یہ اس قادر مطلق اور خالق بے مثل کا کام ہے جس نے ہر چیز کو اپنی چاہت کے مطابق پیدا کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ﴾ ①
ترجمہ: اور اس نے ہر چیز کو بنایا پھر ایک اندازے سے اس کو درست کیا۔

اور پھر اخیر میں آیت کو رحمت کے ساتھ ختم کرنا سیاق کے لئے بہترین مناسبت رکھتا ہے، کیونکہ وہ حالات وظروف جو کہ کشتیوں کو احاطہ میں لیئے ہوئے ہیں وہ تو اس بات کے مقتضی ہیں کہ یہ کشتیاں سمندر میں ہی ڈوب کر تباہ و برباد ہو جائیں اگر رحمت الٰہی شامل حال نہ ہو۔ اس لئے فرمایا:

﴿ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴾ ②
ترجمہ: بے شک وہ تم پر مہربان ہے۔

پریشان کن حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا

جب انسان سخت اور مشکل حالات واوقات سے دوچار ہو جاتا ہے تو اس وقت انسان اپنا تعلق ہر ماسوی اللہ سے فطری صورت میں منقطع کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنسَانُ كَفُورًا ③

ترجمہ: اور جب سمندر میں تم آفت میں گرفتار ہوتے ہو (طوفان آتا ہے یا ڈوبنے کا ڈر ہوتا ہے) تو اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو سب کو بھول جاتے ہو پھر جب وہ تم کو خشکی میں بچا لاتا ہے تو (اس سے) منہ موڑ لیتے ہو اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔

اور "ضل من تدعون إلا إياه" کے ساتھ تعبیر کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مشرکینِ اُوائل جب سخت اور انتہا درجہ

① سورة الفرقان: ٢
② سورة الفرقان: ٦
③ سورة الإسراء: ٦٧



کے مصائب ومشکلات سے دوچار ہوتے تھے تو اس وقت وہ اپنا تعلق ہر مخلوق سے منقطع کر لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے لئے کوئی سہارا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے وہ (مشرکین) اس وقت عصیب اور نامساعد حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ تو کیا یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایک کافی وشافی دلیل نہیں ہے؟

جو لوگ مصائب و مشکلات کے وقت خالصتاً اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور اس کی وحدانیت کا ایک طرح سے اقرار واعتراف کرتے ہیں لیکن امن واطمنان کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے تعلق جوڑ لیتے ہیں کیا انہیں یہ ڈر نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں پھر سے مصائب ومشکلات میں مبتلا کردے جن سے اس نے انہیں نجات دی تھی؟ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِباً ثُمَّ لاَ تَجِدُواْ لَكُمْ وَكِيلاً ﴾ ①

ترجمہ: کیا تم کو اس کا ڈر نہیں کہ وہ (اگر چاہے) خشکی کے کنارے تم کو دھنسا دے یا آندھی سے تم پر پتھراؤ کرے (یا اولے برسائے) پھر (اس کے عذاب سے) بچانے والا کسی کو تم نہ پاؤ گے۔

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لاَ تَجِدُواْ لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعاً ﴾ ②

ترجمہ: کیا تم کو یہ ڈر بھی نہیں رہا کہ اللہ تعالیٰ تم کو دوبارہ سمندر میں لے جائے پھر ہوا کا ایک جھکڑ بھیجے اور تمہاری ناشکری کی سزا میں تم کو ڈبو دے اور تم کو کوئی (حمایتی) نہ ملے جو اس بات کو ہم سے پوچھے (ہم پر دعویٰ کرے)۔

طریق ھدایت

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ادلہ میں سے ایک خوبصورت اور بہترین دلیل مخلوقات کی ہدایت ہے اور وہ اس طرح کہ جو شخص عقل سلیم وانصاف سے اس کائنات پر نظر ڈالے گا اور اس کے مظاہر کو علمی ڈھانچے میں تحلیل کرکے تولے گا اور اس کے مشاہدات کو عقل وفراست کے میزان میں جانچے گا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے سب سے چھوٹے ذرے سے لے کر بڑے سے بڑے اجرام تک اور چھوٹی مخفی ترین مخلوق سے لے کر ضخیم اور ظاہر مخلوق تک کو عدم سے وجود میں لا کر انہیں وہ

---

① سورة الإسراء : ٦٨
② سورة الإسراء : ٦٩



ہدایت عطا کی ہے کہ بڑے بڑے مفکر وفلسفی، ڈاکٹر وحکیم، مجتہد وفقیہ اور ولی ورسول حیران ہو کر رہ جاتے ہیں۔

چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرعون کے جواب میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر فرماتا ہے۔

﴿قَالَ فَمَن رَّبُّكُمَا يَا مُوسَى ٥ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىٓ أَعْطَى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى﴾ ①

ترجمہ: فرعون نے کہا موسیٰ علیہ السلام تمہارا مالک کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہمارا مالک وہ ہے جس نے ہر چیز کو ایک خاص صورت دی (جو اس کے مناسب ہے) پھر اس کو زندگی بسر کرنے کا رستہ بتلایا۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أعطى كل شيء الشكل الذى يطابق منفعته ومصلحته ②

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو وہ شکل عطا فرمائی جو اس کے نفع اور مصلحت کے مطابق ہے۔

اس طریق ہدایت کی مزید وضاحت کے لئے نمونے کے طور پر کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا مسئلہ کچھ اور واضح ہو جائے۔

الف۔ ہدایتِ ربانی کے طرق متعددہ میں سے ایک سمندر میں سانپوں کی طویل وعریض سیر وتفریح ہے۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دکتور عبدالعزیز کامل لکھتے ہیں:

ثعبان الماء الذى إذا اكتمل نموه نشط وتسرك مجرى النهر إلى أعماق البحر فى رحلة طويلة قاطعاً آلاف الأميال قاصدًا مكاناً واحدًا. وهو الأعماق السحيقة فى جزر الهند الغربية إلى الجنوب. والجنوب الشرقى من برمودة وهناك تلتقى الثعابين التى خرجت من أوروبا، وأفريقيا بالثعابين التى خرجت من أمريكا والى عمق يقرب من آلاف الأمتار، تضع الإناث بيضها فى الماء ويتم إخصابها فى ماء المحيط وبعد ذلك تخرج

ترجمہ: سمندری سانپ اپنی نشوونما مکمل ہونے کے بعد سمندر کی گہرائیوں کی طرف ایک انتہائی طویل سفر پر گامزن ہو جاتے ہیں، ہزاروں میل کا یہ طویل سفر ایک مخصوص مقام کی طرف ہوتا ہے جو کہ ہندوستان کے مغرب سے جنوب تک اور برمودہ کے جنوب مشرق کے سمندری جزیروں کی انتہائی گہرائی پر مشتمل ہے۔ یورپ، افریقہ اور امریکہ سے آنیوالے یہ سب سانپ انہیں مقامات کی گہرائی میں باہم ملتے ہیں یہ سمندری گہرائی ہزاروں میٹر سے بھی بڑھکر ہوتی ہے، اور اسی گہرائی میں مادائیں انڈے دیتیں ہیں اور اسی گہرائی میں یہ انڈے

① سورة طٰه: ۴۹، ۵۰
② مفاتيح الغيب، ج۲۲ ص ۶۶



الصغار من البيض مخلوقات صلبة شفافة كأنها خيوط صغيرة لها عيون بارزة ملايين وملايين من هذه البرقات الصغيرة ثم تسبح البرقات جميعاً متجهةً إلى الشمال حتى تصل إلى جزائر برمودة ومن هنايبدأ الافتراق وتتخذ كل مجموعة طريقها إلى مواطن آبائها .①

اپنی تکمیل کے تمام مراحل طے کرتے ہیں اور یہی پر ہی ان انڈوں سے چھوٹے چھوٹے بچے نکلتے ہیں اور انتہائی مضبوط اور شفاف ہوتے ہیں، انتہائی چھوٹے پن کی وجہ سے یہ بچے باریک دھاگوں کے مانند ہوتے ہیں ان پر ان کی آنکھیں بھی ظاہر ہوتی ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کئی ملین باریک تاریں ہیں جو سمندر کی گہرائی میں تیر رہی ہیں پھر یہ تمام بچے شمال کی طرف چل پڑتے ہیں یہاں تک کہ برمودہ کے جزیرے تک جا پہنچتے ہیں، یہاں پہنچ کر ان میں جدائی کا عمل شروع ہوتا ہے، چنانچہ یہ بڑے بڑے جتھوں کی شکل میں اپنے اپنے آبائی وطن کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں۔

اپنے ایمان سے پوچھ کر بتایئے کون ہے وہ ہستی جس نے ان باریک و دقیق مخلوقات کو اپنے ان مواطن کی معرفت کی قدرت عطا کی کہ جنہیں اس سے پہلے کبھی انہوں نے دیکھا ہی نہیں؟

کون ہے وہ ذات جس نے ان سانپوں کو اپنے اس طویل و عریض سفر کے دوران دریا کی ان عمیق و گہرائیوں کی طرف متوجہ کیا جن میں انہوں نے اپنے بچے جنم دیئے اور پھر ان بچوں کو بن دیکھے اپنے آبائی مواطن میں لایا ہے؟

اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ سب کچھ کرنے والی وہی ایک ذات ہے، کہ " أعطیٰ کلّ شيءٍ خلقه ثم هدی" جس کی صفت ہے۔

ب: قراد (چیچڑی) بغیر کسی آلہ کے پینتالیس میل کے فاصلے سے اونٹ کے چلنے کی آواز سنتا ہے۔

ج۔ بندر سونگھ کر معلوم کر لیتا ہے کہ کھانے میں کوئی مضر چیز یا زہر تو نہیں اور پھر زہر کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے ایک بوٹی سے کام لیتا ہے۔

د۔ اونٹ دس میل کے فاصلے سے پانی کی موجودگی محسوس کر لیتا ہے۔

ھ۔ عقاب اور شاہین اپنی آنکھوں سے دور دراز تک کے علاقے کا بالکل صحیح معائنہ بآسانی کر لیتا ہے۔

و۔ ہد ہد چونچ کے ذریعے معلوم کر لیتا ہے کہ پانی زمین میں کتنی گہرائی پر واقع ہے۔

---

① الإسلام والعصر ص: ۲٦-۲۷



ز- ہرن ساٹھ میل فی گھنٹہ اور چیتا ۷۰/۸۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا ہے۔

ح- فلائی بوٹ جو ایک قسم کی مکھی ہے چار سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑتی ہے۔

ط- شیشے کی بوتل میں بند مچھر انسان کی بو سونگھ کر مچلنے لگتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے ویت نام کے جنگلات میں امریکی فوج چھپے ہوئے گوریلہ چھاپہ ماروں کو معلوم کر کے اپنی حفاظت کا بندوبست کرتے تھے ①

اب بتاؤ کون ہے وہ ہستی جس نے ان مخلوقات کو یہ مختلف نوعیت کی قدرت و طاقت دے رکھی ہے؟ کیا ان مخلوقات کو یہ مختلف الانواع قدرت و طاقت اندھی مصادفت نے دی ہے یا مردہ اور بے حس مادہ نے؟

خلق حیات

رب العالمین کی وحدانیت کے ادلہ میں سے ایک بہترین دلیل زندگی والی مخلوقات میں ایجادِ حیات ہے۔ اور وہ اس طرح کہ ہر وہ عنصر جس سے حیات کی ترکیب ہوتی ہے وہ عنصر معلوم و معروف ہے اور اس کی نسبتیں بھی معروف ہیں۔ اور ہر وہ شرط جس کی طرف حیات و زندگی کی احتیاج ہے ان کا تو فرد وجود بھی ممکن ہے مگر اس سب کچھ کے باوجود علم کیمیا یا سائنس مادہ میں ایجادِ حیات سے عاجز ہے۔

دنیا کے سارے سائنس دان و فلسفی ڈاکٹر و حکیم اور ماہر حیاتیات نے اس حیات کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے بڑی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اخیر میں سب نے اپنے عجز و بے بسی کا اقرار کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے کہ وہ چیز جس کو حیات، جان یا زندگی کہتے ہیں سائنس و علم کیمیا اس کی ایجاد سے عاجز ہے۔ چنانچہ روس نے اس میدان میں بڑے زور و شور سے اپنے گھوڑے دوڑائے مگر بڑی ذلت کے ساتھ ہار گیا۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے الشیخ سعید حوی لکھتے ہیں۔

ولقد حاولت روسيا أن تبرهن على إمكان نشأة لحياة كيماوية، فكلفت "أوبارين" رئيس المعهد الكيماوي في الاتحاد السوفيتي وطلبت منه أن يتفرغ للبحث في أمر واحد وهو مدى إمكان الحياة عن طريق التفاعل الكيماوي وبعد عمل متواصل، قارب عشرين عاماً أعلن حوالي ١٩٦٢م

ترجمہ: روسیوں نے کوشش کی کہ کیمیائی حیات پر کوئی دلیل ڈھونڈ سکیں، اس کے لئے انہوں نے ''اوبارین'' کو مقرر کیا جو سودیت یونین میں کیمیائی ادارہ کا رئیس تھا اور اس سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ صرف ایک ہی مسئلہ پر اپنی تحقیق مرکوز کرے اور وہ کام تھا کیمیائی ترکیب سے زندگی (حیات) کی موجودگی۔

① تلخیص ''دہریت سے اسلام تک'' ص ۸۰



من انتهائه من دراسة هذا البحث، وأعلن عن النتيجة في تقرير رسمي أذاعته وكالات الأنباء في العالم إذ ذاك وهو أن العلم الكيماوي عاجز عن ايجاد الحياة في المخبر، والعلم لاشأن له إلا بالمادة المحسّة①

تقریباً بیس سال مسلسل محنت کے بعد اندازاً ۱۹۶۲ء میں اس نے تحقیق سے فراغت کا اعلان کیا اور نتیجہ کا اعلان باقاعدہ رسمی طور پر اس وقت کے عالمی رپورٹروں نے کیا۔ نتیجہ یہ تھا کہ علم کیمیا لیبارٹریوں میں حیات کی موجودگی بتانے سے عاجز ہے اور اس حیات کے علم کا تعلق تو صرف ظاہری مادہ محسوسہ کے ساتھ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حیات وزندگی ایک عجیب راز ہے کسی بھی ہستی کو یہ طاقت وقدرت نہیں ہے کہ اس سرِ عجیب کا ادراک کر کے اسے پیدا کر سکے سوائے اس رب العالمین کے جو کہ قدرتِ باہرہ اور علم وسیع کا مالک ہے، جو کہ اس حیات کے باریک دقائق وتفاصیل کو جانتا ہے۔ جسم کے اندر جو خلایا موجود ہیں وہ ایسے اسرارِ عجیبہ پر مشتمل ہیں کہ جن کی حقیقت وماہیت کا احاطہ انسان نہیں کر سکتا خواہ وہ کتنے ہی علم وکمال کا مالک بن جائے، کیونکہ یہ اس کی طاقت وقدرت سے باہر کی چیز ہے۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ . الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ﴾ ②

ترجمہ: بڑی برکت والا ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں (سارے جہاں کی) بادشاہت ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے جس نے موت اور زندگی (دونوں) کو اس لئے پیدا کیا کہ تم کو آزما کر دیکھے کہ کون تم میں اچھے کام کرتا ہے (اور کون برے) اور وہ زبردست بخشنے والا ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴾ ③

ترجمہ: اور وہی مارتا اور زندگی بخشتا ہے۔

---

① الله جل جلاله ص ۵۷
② سورة الملك: ۱، ۲
③ سورة النجم: ۴۴



کائنات کا حیرت انگیز نظام

اگر ہم اس کائنات کے ظواہر پر اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر محکم نظام وقوانین باہرہ رکھے ہوئے ہیں مثلاً: سورج، چاند، ستارے اور عناصر اربعہ وغیرہ پر نظر عمیق ڈالیں تو ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم یہ یقین کرلیں کہ اس ترتیب دیئے ہوئے متناسق نظامِ کائنات کے پیچھے ایک ذات ہے کہ جس نے یہ حکمت سے بھرا ہوا نظام رکھا ہے کہ جس میں کبھی کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

اس دقیق نظام کو ہم تعاقب لیل ونہار، دورانِ شمس وقمر اور سیرِ کواکب ونجوم سے موسوم کرسکتے ہیں۔

علماءِ فلکیات نے اس شمس وقمر اور کواکب ونجوم کے حساب وتخمینہ کے بارہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ڈاکٹر عبدالعزیز کامل علماءِ فلکیات کی معلومات کا جائزہ یوں پیش کرتے ہیں۔

ویقدر علماء الفلک أن الکون یتألف من خمسمائة ملیون من مجامیع النجوم مضروباً هذا العدد فی ٥٠٠ ملیون وفی کل مجموعة منها یوجد مائة ملیار من النجوم أو أکثر أو أقل ویقدرون انه أکبر مجموعة من النجوم وهی التی نرا ها فی اللیل کخیوط بیضاء دقیقة تضم حیزًا مداه مائة ألف سنة ضوئیة، ونحن سکان الأرض نبعد عن مرکز هذه المجموعة بمقدار ثلاثین ألف سنة ضوئیة وهذه المجموعة جزء من مجموعة کبیرة تتألف من سبع عشرة مجموعة وقطر هذه المجموعة الکبیرة (ذات السبع عشرة) ملیوناً من السنین الضوئیة ①

ترجمہ: علماءِ فلکیات نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ یہ کائنات ۵۰۰ ملین ستاروں کے مجموعہ پر مشتمل ہے۔ اس تعداد کو ۵۰۰ ملین میں ضرب دیا گیا ہے اور ان میں سے ہر مجموعہ میں سو ارب ستارے ہیں اس سے کم یا زیادہ بھی ہوسکتے ہیں۔ اور ان کا اندازہ ہے کہ یہ ستاروں کا سب سے بڑا مجموعہ ہے جسے ہم رات کو دیکھتے ہیں جو باریک، سفید دھاگوں کی طرح ہوتے ہیں اور انہوں نے ایک لاکھ نوری سال کی مسافت کے برابر جگہ گھیری ہوئی ہے۔ اور ہم اہل زمین اس مجموعہ کے مرکز سے تیس ہزار نوری سال کے برابر دور ہیں۔ اور یہ مجموعہ ایک بہت بڑے مجموعہ کا ایک جزء ہے جو کہ اس جیسے سترہ مجموعوں سے بنتا ہے۔ اور اس ایک بڑے مجموعہ کا قطر (۱۷ مجموعات میں سے) ایک ملین نوری سال ہے۔

غور کریں کہ یہ کثیر التعداد کواکب ونجوم اس فضاء میں کس سرعتِ ھائلہ کے ساتھ چکر کاٹ رہے ہیں اور گھوم رہے ہیں اور اس سے ان کے نظم ونسق میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا کر متصادم ہوتے ہیں۔ اب ایک نظر

① الإسلام والعصر ص ١٦، ١٧

ڈالئے دنیا کے حکام اوران کے وضع شدہ ضوابط وقوانین پر، ہر علاقے اور ممالک کے حکام اپنی مملکت کے نظم ونسق چلانے کے لئے کچھ نہ کچھ ضوابط وقوانین وضع کرتے ہیں۔ بطور مثال ٹریفک کو لے لیں۔ کوئی بھی ڈرائیور سرکاری اجازت اوراس سے حاصل شدہ لائسنس کے بغیر گاڑی نہیں چلاسکتا اور آمدورفت کے راستے بھی متعین کیے جاتے ہیں اور حادثات کی روک تھام کے لئے حسب گنجائش سڑکوں اور راستوں کو مرمت بھی کیا جاتا ہے اتنے انتظام کے باوجود اب ٹریفک یا ریلوں کے حادثات کو بھی دیکھئے جب کہ گاڑیوں کو چلانے والے بہترین ڈرائیور بھی موجود ہیں اور ٹریفک کنٹرولر وغیرہ بھی، سب کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کہیں کوئی حادثہ نہ ہونے پائے مگر پھر بھی روزانہ گاڑیوں، بسوں، کاروں اور ریل گاڑیوں وغیرہ کے تصادم وحادثات کثرت کے ساتھ ہوتے رہتے ہیں۔

دوسری طرف نظر دوڑایئے ان کروڑوں، اربوں اور بے شمار ستاروں کی طرف جو کہ اس عظیم الشان کرۂ فضاء میں بجلی کی طرح گھوم رہے ہیں۔ نہ کوئی سگنل دینے والا نظر آتا ہے نہ کوئی ٹریفک والا اور نہ ہی ان میں کوئی ڈرائیور دکھائی دیتا ہے مگر پھر بھی یہ نظام ایک بہترین نظم ونسق کے ساتھ چل رہا ہے۔

کیا یہ عظیم الشان نظام بغیر کسی منصوبے اور مقصد کے عمل اور وجود میں آ گیا ہے؟ کیا یہ حیرت انگیز نظام اپنا خالق آپ ہے یا اس کا خالق ومنتظم اندھی طبیعت یا بہری مادہ ہے؟ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴾ ①

ترجمہ: کیا وہ آپ ہی آپ (بغیر کسی بنانے والے کے) بن گئے ہیں یا انہوں نے خود کو (اپنے آپ) بنالیا ہے۔

چنانچہ اس بارے میں ڈاکٹر محمد علی النمر اس طرح لکھتے ہیں:

وهذه النجوم والكواكب تسبح في الفضاء بسرعة هائلة دون أن يختل نظامها ودون أن يصطدم بعضها ببعض، فمن الذي أوجدها بهذه الصورة التي بهرت عقول المفكرين وشغلت اهتمام الباحثين. ومن الذي أعطاها وضعها في الوجود وسيّرها بهذه الدقة البالغة الإحكام مع أنها مختلفة في أحجامها وأشكالها وأنواعها وأبعادها وانوارها،

ترجمہ: اور یہ ستارے اور سیارے جو بغیر کسی خلل کے تیزی سے فضا میں دوڑتے ہیں اور ان میں آپس میں ٹکراؤ بھی نہیں ہوتا۔ تو کون ہے وہ ذات جس نے ان کو اس صورت اور طریقہ پر پیدا کیا۔ جس سے مفکرین کی عقلیں دنگ رہ گئیں اور تحقیق کرنے والوں کی ہمتیں مشغول ہوگئیں۔ اور کس ذات نے ان کو یہ وجود عطا فرمایا اور انہیں اس انتہائی باریکی سے چلایا ہے۔ باوجود کہ ان کا حجم اوران کی شکلیں مختلف ہیں

① سورة الطور: ٣٥



فهل يعزى هذا الخلق المنظم إلى المصادفة العمياء أو الخبطة العشواء①

اوران کی اقسام اور موٹائی اور روشنی بھی مختلف ہے۔تو کیا اس منظم مخلوق کی نسبت کسی اندھی طبیعت یا اندھی مادہ کی طرف کی جاسکتی ہے؟

عقل سلیم اس بات پر مجبور ہو جاتی ہے کہ اس حیرت انگیز نظام کی نسبت اس قادر و قیوم، مدبر و حکیم اور سمیع و بصیر ذات کی طرف کرے جو کہ

﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيراً ﴾ ②

ترجمہ: اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر۔

کی صفت کے ساتھ متصف ہے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

﴿ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴾ ③

ترجمہ: نہ تو سورج سے یہ ہو سکتا ہے کہ چاند کو پکڑ پائے (دونوں ایک منزل میں آ جائیں) اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے (کہ وقت پر دن نہ نکلے رات ہی رہے) اور سب ایک ایک گھیرے میں تیر رہے ہیں۔

اب ہم اللہ تعالیٰ کے اس دقیق نظام کے بارے میں ایک متخصص و محقق سائنسدان سیسل بائس ماہان کا نظریہ پیش کرتے ہیں جسے صاحب کتاب ''خدا موجود ہے'' کے واسطہ سے مفتی مختار الدین صاحب لائے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''جب ہم آسمان پر نظر دوڑاتے ہیں تو لاتعداد ستاروں کو ایک نظام میں منسلک دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کسی ایک رات، کسی ایک موسم کسی ایک سال نہیں۔ بلکہ ان گنت صدیوں سے فضائے بسیط میں معلق یہ گیندیں ایک معیّن مدار پر گردش کرتی چلی جارہی ہیں وہ اپنے مداروں پر ایسے نظم کے ساتھ آتی جاتی ہیں کہ ان کے گہن کا صدیوں پیشتر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کیا قدرت کے یہ کہکشانی وجود فضا میں بے مقصد ہی گھومتے پھر رہے ہیں۔ اگر یہ کسی ضابطے کے پابند نہ ہوتے تو انسان سمندروں کو عبور کرنے کے لئے انہیں کیوں رہنما تسلیم کرتا۔ انسان خدا کے وجود کا اقرار کرے یا نہ کرے مگر وہ اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہے کہ کواکب بہر حال ایک لگے بندھے ضابطے کے پابند ہیں اور فضا میں یونہی آوارہ و سرگردان نہیں۔ اسی وجہ سے ان پر کسی حد تک اعتماد بھی کیا جاسکتا ہے۔''④

سیسل بائس ماہان کا نظریہ سننے کے بعد اب ایک اور سائنسدان مارلن میکس کریدرا کا نظریہ بھی سن لیں جو کہ ماہر عضویات ہے۔

① سورۃ الإسراء والأهداف التي ترمي إليها ص ۷۱-۷۲
② سورۃ الفرقان: ۲/
③ سورۃ یٰسٓ: ۴۰
④ دہریت سے اسلام تک ص ۹۹



چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''جہاں تک وجود باری کے شواہد کا تعلق ہے اس کا سب سے پہلا ثبوت نظام کائنات ہی میں ملتا ہے۔ایک ایسی کائنات جس میں مختلف فطری قوتیں پوری باضابطگی سے مصروف عمل ہیں اور ہر چیز میں ایسا نظم وضبط اور ایسی باقاعدگی ہے کہ اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ نظم وضبط کسی ناظم کے بغیر بھی ممکن ہوسکتا ہے۔ یہ باضابطگی اس درجہ ہے کہ سیاروں کی نقل وحرکت اور یہی نہیں بلکہ اب تو انسان کے خلاء میں پھینکے ہوئے مصنوعی سیاروں تک کے بارے میں پیشگی بتانا ممکن ہوگیا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔ ایسی باضابطگی ردّعمل میں جوہری اور برقی اثرات کے تعامل میں پائی جاتی ہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ طبعی تغیّرات کے فارمولے اور ضابطے حساب کی رو سے متعین کرنا ممکن ہے انسانی فہم اور مشاہدہ کی رو سے اس نوعیت کا نظم وضبط ایک ناظم وکارفرما ذہن کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جہاں کہیں کسی کام کے پس پردہ کوئی منصوبہ اور اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے والی کوئی طاقت موجود نہ ہو، ہمارا مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ وہاں نظم وضبط کی بجائے انتشار اور افراتفری رونما ہوگی۔''①

مخلوقات میں امتیاز

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کاملہ کے ادلہ میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے ہر فردِ مخلوق کو ایک دوسرے سے امتیاز دے کر پیدا کیا ہے بطور مثال انسان کو لے لیں۔

انسان کی خلقت اعضاء وجوارح بالکل یکساں ہیں مگر قدرت نے ہر فرد انسان کی ہیئت وشکل اور صوت وآواز میں ایک ایسا امتیاز رکھا ہوا ہے کہ گورا انسان گوروں، کالا کالوں، سفید سفیدوں اور سرخ سرخ رنگوں میں بغیر کسی جھجک کے پہچانا جاتا ہے۔ مردوں کی شکل وشباہت اور صوت وآواز عورتوں سے جدا ہے اور عورتوں کی مردوں سے الگ اور پھر مردوں میں سے ہر فرد کی شکل و ہیئت اور صوت وآواز دوسرے فرد کی شکل وہیئت وصوت وآواز سے مختلف ہے اور اسی طرح عورتوں میں سے ہر عورت کی شکل و ہیئت اور صوت وآواز دوسری سے مختلف۔

اگرچہ عام طور پر باپ بیٹے کا اور بیٹا، باپ کا اور بھائی بھائی کا مشابہ ہوتا ہے مگر پھر بھی قدرت نے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی ایسا امتیاز ضرور رکھا ہوا ہے کہ جس سے یہ پہچانا جاسکے کہ یہ باپ ہے بیٹا نہیں اور یہ بڑا بھائی ہے چھوٹا نہیں اور اسی طرح ماں، بیٹی اور بہن، بھانجی وغیرہ میں کتنی ہی مشابہت ہوجائے، مگر پھر بھی ان میں سے ہر ایک کی شکل وہیئت اور صوت وآواز میں اتنا امتیاز ضرور ہے کہ جس سے وہ پہچانی جاسکے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہر فرد انسان میں اس امتیاز کو رکھنے میں کیا حکمت ہے؟ چنانچہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس میں ایک نہیں بلکہ بے شمار حکمتیں موجود ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بطور مثال جب کوئی خاوند اپنے گھر میں آئے گا تو

① خدا موجود ہے ص ۷۵، بحوالہ ''دہریت سے اسلام تک'' ص:۱۰۱

وہ آتے ہی اپنی بی بی کی شکل وہیئت دیکھتے ہی اور اس کی صوت وآواز کو سنتے ہی فوراً اس کو پہچان سکے کہ یہ میری بیوی ہے، میری ماں بہن، بیٹی، بھانجی، بھتیجی یا کوئی اور اجنبیہ عورت نہیں ہے اور اسی طرح وہ بیوی اپنے خاوند کی شکل وہیئت کو دیکھتے اور اس کی صوت و آواز کو سنتے ہی فوراً پہچان سکے گی کہ یہ میرا خاوند ہے، میرا باپ، بیٹا، بھتیجا، بھانجا، بھائی یا کوئی اور اجنبی آدمی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ رات کی تاریکی میں بھی خاوند اپنی بیوی کی آواز کو سن کر ہزاروں عورتوں کے وسط سے پہچان سکتا ہے کہ میری بیوی کونسی ہے اور اسی طرح بیوی بھی لاکھوں آدمیوں کے بیچ سے اپنے خاوند کی آواز کو رات کی تاریکی میں سن کر پہچان سکتی ہے کہ میرا خاوند کون سا ہے اور اگر لوگوں میں یہ امتیاز نہ ہوتا تو اندازہ لگائیں کہ عدم امتیاز کی صورت میں کتنے مفاسد وخرابیاں واقع ہو جاتیں۔

اب بتاؤ کون ہے وہ ہستی جس نے متحد خلقت اور متحد اعضاء و جوارح والے انسان میں ایسا امتیاز رکھا ہے کہ جس میں ہر فرد انسان دوسرے سے پہچانا جاتا ہے؟ کیا یہ اندھی مصادفت کا کام ہے یا بہرے مادہ کا؟ یا اس علیم وخبیر اور قادر وحکیم کا کام ہے کہ جس کا ہر فعل حکمت سے بھرا ہوا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالَمِيْنَ ﴾ ①

ترجمہ: اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا الگ الگ ہونا۔ بیشک ان باتوں میں علم والوں کے لئے (اس کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ پوری بسط وتفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں:

فجميع أهل الأرض بل أهل الدنيا منذ خلق الله آدم إلى قيام الساعة كلٌّ له عينان وحاجبان وأنف وجبين وفم وخدان وليس يشبه واحد منهم الآخر بل الأبدان مفارقة بشيءٍ من السمت أو الهيئة أو الكلام ظاهراً كان أو خفياً يظهر عند التأمل كل وجهٍ منهم أسلوبٌ بذاته وهيئته لاتشبه أخرى ولو توافق جماعة في صفة من جمال أو قبحٍ لابد من فارق بين كل واحد منهم وبين الآخر ②

ترجمہ: پس ساری روئے زمین بلکہ ساری دنیا کے آدمی جمع ہو جائیں ایک کنبے قبیلے کے ایک ملک اور ایک زبان کے ہوں لیکن ناممکن ہے کہ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی اختلاف نہ ہو۔ حالانکہ اعضائے بدن کے اعتبار سے کلی موافقت ہے سب کی دو آنکھیں۔ دو پلکیں، ایک ناک، ایک پیشانی، ایک منہ اور دو رخسار ہیں۔ مگر ہر ایک دوسرے سے الگ ہے۔ کوئی نہ کوئی ہیئت، عادت، خصلت، کلام، بات چیت اور طرز ادا ایسی ضرور ہوگی کہ جس میں ایک، دوسرے سے ممتاز ہو جائے۔ گو وہ

① سورة الروم: ۲۲

② تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ۴۳۰

بعض مرتبہ پوشیدہ سی یا ہلکی سی چیز ہی ہو گو خوبصورتی اور
بدصورتی میں کئی ایک یکساں نظر آئیں لیکن جب غور کیا جائے
تو ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز کرنے والا کوئی نہ کوئی وصف
ضرور نظر آئے گا۔

اور اسی طرح ایک عبوری نظر ان حیوانات مواشی اور طیور و پرندوں پر ڈالیں جو کہ گھروں میں مانوس اور لوگوں کی ملکیت میں رہتے ہیں جیسے بھیڑ، بکرا، اونٹ، گائے، اور گدھے وغیرہ تو ان میں خواہ کتنا ہی قرب و مشابہت ہو جائے مگر پھر بھی ان میں سے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی امتیاز ضرور ہے جس سے وہ دوسرے سے ممتاز ہو سکے۔ اور ان حیوانات کے اس پیدائشی امتیاز میں جو حکمتیں مضمر ہیں وہ کسی پر مخفی و پوشیدہ نہیں ہیں کیونکہ اگر ان حیوانات، مواشی اور طیور و پرندوں میں یہ پیدائشی امتیاز نہ ہوتا تو ہر شخص دوسرے کے اموال پر قبضہ جمالیتا اور دنیا کا یہ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

ایک خوبصورت مثال

منازل العرفان والے نے رسالہ حمیدیہ کے حوالے سے موحد اور مادہ پرست کی ایک عجیب و غریب مثال بیان کی ہے۔

ہم اس مثال کو مفتی مختار الدین صاحب کے حوالے سے نقل کرتے ہیں چنانچہ علامہ آفندی اپنے رسالہ حمیدیہ میں لکھتے ہیں:

''کہ اہل اسلام اور مادہ پرستوں کی مثال ان دو شخصوں کی سی ہے جو کسی نہایت رفیع الشان محل میں داخل ہوئے جس میں مختلف قسم کے کمرے اور متعدد نشست گاہیں ہیں اور ہر کمرے میں اعلیٰ درجہ کے تخت اور عمدہ قسم کے قالین اور فرش بچھے ہوئے ہیں اور طرح طرح کے ساز و سامان سے آراستہ ہیں۔ ہر چیز اس میں قرینہ کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کمروں کے سامنے سیر گاہیں اور قسم قسم کے سبز اور شاداب چمن بھی ہیں۔ درمیان میں حوض ہیں اور نہریں بھی بہہ رہی ہیں۔ غرض یہ دونوں شخص اس میں داخل ہوئے۔ اب ان میں سے ایک شخص نے دیکھ کر کہا کہ گو میں نے اس کے بنانے والے کو نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کی پوری حقیقت اور کنہ سے واقف ہوں اور نہ ہی اس محل کی صنعتوں کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس کا بنانے والا کوئی بہت ہی بڑا مدبر، اختیار والا اور حکمتوں کی رعایت کرنے والا ہے۔ گو میں اس کی حکمتوں کو اپنی عقلِ نارسا کی وجہ سے پوری طرح نہ سمجھ سکا۔ لیکن اس کے مدبر اور حکیم ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور جو کچھ بھی اس نے بنایا ہے وہ ضرور حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے اس کے برعکس دوسرا شخص چاروں طرف دیکھنے لگا۔ گویا وہ کسی گتھی کو سلجھانے کی فکر کر رہا ہے کہ اچانک اس کی نظر ایک پہاڑ پر پڑی جس میں کچھ چشمے بھی جاری نظر آئے۔ کچھ سوچ کر (بڑے مدبرانہ انداز میں) کہنے لگا نہیں۔ یہ بات نہیں جو تم کہہ رہے ہو کہ یہ مکان کسی بڑے صناع و کاریگر نے

بنایا ہے۔ بلکہ ان سب کی یہ علت معلوم ہوتی ہے کہ قدیم زمانہ میں اسی پہاڑ کی طرف سے ایک ہوا چلا کرتی تھی۔ پس وہ ہوا اسی طرح ہزاروں، لاکھوں سال چلتی رہی اور اس کی وجہ سے مختلف مقامات سے پتھر اور مٹی حرکت کر کے اپنے طبعی اور مادی تقاضہ کی وجہ سے ایک جگہ جمع ہو گئے اور سالہا سال ان پر بارش ہوتی رہی حتیٰ کہ ایک طویل عرصہ اور مدت دراز کے بعد اس تدریجی اور اتفاقی اجتماع سے ارتقائی طور پر یہ محل خود بخود تیار ہو گیا۔ اسی طرح اتفاقاً یہ پتھر اور اینٹیں خود بخود ایک دوسرے پر جمتی رہیں اور جب بلند ہو گئیں تو دیواریں بن گئیں اور اتفاق یہ کہ ان کے درمیان کشادگی ہوتی رہیں تو کمروں کی شکل ہو گئی۔ پھر اتفاقاً یہ کہ جب دیواریں بلند ہو گئیں تو کچھ شہتیر اور لمبی لمبی لکڑیاں، کڑیوں کی شکل میں ان دیواروں پر آ کر جم گئیں پھر اتفاقاً ان پر کچھ تختے اڑ کر آ پڑے پھر وہ اپنے طبعی تقاضہ سے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو گئے۔ پھر ایک ہوا چلی تو اتفاق سے مٹی ان تختوں پر پڑ کر جم گئی اور اس طرح اس محل کی چھت مکمل ہو گئی۔ پھر اتفاق یہ ہوا کہ وہ پانی جو پہاڑی چشموں سے بہہ رہا تھا اس کا رخ محل کی طرف ہو گیا۔ جس کی بدولت یہ حوض اور نہریں محل میں بن گئیں۔ اور رہا یہ اس محل میں زیب و زینت اور آراستگی کے اسباب، عمدہ عمدہ قالین اور مرصّع تخت کہاں سے آئے۔ سو اصل میں اس کا سبب یہ ہے کہ کسی زمانہ میں ایک قافلہ اس پہاڑ پر آ کر اُترا اور اتفاقاً اپنا سامان بھول کر چلا گیا۔ ہوائیں تو چلتی رہی ہیں تو ہواؤں نے رفتہ رفتہ یہ سامان اس محل میں لا ڈالا اور یہ سامان تدریجی طور پر اپنے مادہ اور طبعی تقاضہ سے مرتب ہو گیا اور ہر جگہ اس طرح سے سلیقہ سے رکھا ہوا نظر آ رہا ہے۔ ①

اب ذرا غور فرمائیے۔ بخت و اتفاق اور مادہ و طبیعت کے تقاضوں پر ایمان لانے والوں کی عقل کا اندازہ لگائیے۔ کہ ان کی کہانی عقل و دانش سے کس قدر بعید ہے بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والا انسان بھی مادہ اور خاک کی حرکتوں کے قائل فلسفی کے اس فلسفے کو سن کر ہنسے گا اور سمجھ جائے گا کہ ایسے شخص کا ٹھکانہ تو پاگل خانہ ہے اور جس چیز کو یہ شخص فلسفیانہ تحقیقات سمجھ رہا ہے، وہ بے ہودہ بکواس اور خرافات ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے عقل کے دشمن میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ وہ دلائل اور حقائق کو سن سکے یا ان کو سمجھ سکے۔ ان چیزوں کا سمجھنا اور پہچاننا تو عقل والوں کا کام ہے۔

جیسا کہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ ②

ترجمہ: (بے شک) جو شخص عقل رکھتا ہے یا کان لگا کر دل سے سنتا ہے اس کیلئے تو ان (قصوں) میں (پوری) نصیحت ہے۔

یوم الأحد ۲۸ صفر ۱۴۱۵ھ بمطابق ۱۹۹۴ء اختتام پذیر ہوا، کتبہ/ أبو عبد الصبور عبد الغفور دامنی۔

---

① رسالہ حمیدیہ، بحوالہ دہریت سے اسلام تک ص ۴۵-۴۶

② سورۃ ق: ۳۷



مصادر ومراجع

الف : القرآن الكريم

ب : كتب التفسير

(١) جامع البيان عن تأويل آی القرآن .للإمام أبی جعفر محمد بن جرير بن يزيد الطبری (٢٢٤-٣١٠ھ)

(٢) الجامع لأحكام القرآن .للإمام أبی عبدالله محمد بن أحمد القرطبی (٦٧١ھ)

(٣) تفسير القرآن العظيم المعروف ب"تفسير ابن ابی حاتم" للإمام عبدالرحمن بن أبی حاتم الرازی(٣٢٧)

(٤) البحر المحيط للإمام أبی عبدالله محمد بن يوسف بن علی بن حيان الأندلسی (٦٥٤-٧٥٤ھ)

(٥) تفسير غرائب القرآن ورغائب الفرقان للإمام الحسن بن محمدبن الحسين النيسابوری.

(٦) تفسير القرآن العظيم. للإمام أبی الفداء اسماعيل بن عمر بن كثيرالدمشقی. (٧٠١-٧٧٤ھ)

(٧) مفاتيح الغيب المعروف ب"التفسير الكبير" للإمام فخر الدين محمد بن عمر الرازی(٦٠٦ھ)

(٨) تفسير النسائی للإمام ابی عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علی النسائی (٢١٤-٣٢٧ھ)

(٩) تفسير أبی السعود للإمام أبی السعود محمد بن محمد العمادی (٩٥١ھ)

(١٠) تفسير معالم التنزيل .للإمام ابی محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوی. (٥١٦ھ)

(١١) الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل وعيون الأقاويل فی وجوه التأويل للإمام أبی القاسم جار الله محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی (٥٣٨ھ)

(١٢) تفسير الخازن للإمام علاء الدين علی بن محمد بن ابراهيم البغدادی.(٧٢٥ھ)

(١٣) تفسير الثعالبی الموسوم ب(جواهر الحسان فی تفسير القرآن) للإمام عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف

(١٤) تفسير روح المعانی للإمام أبی الفضل شهاب الدين محمودالشكری الألوسی البغدادی (١٢٧٣-١٣٤٢ھ)

(١٥) تفسير المراغی للشيخ أحمد مصطفی المراغی . معاصر

(١٦) أضواء البيان فی إيضاح القرآن بالقرآن للشيخ محمد الأمين بن محمد المختار الشنقيطی المتوفی (١٣٩٣ھ)

(١٧) تفسير المدارک للإمام ابی البركات عبدالله بن احمد النسفی (٧١٠ھ)

(١٨) أيسر التفاسير للشيخ أبی بكر جابر الجزائری.معاصر

(١٩) صفوة التفاسير للشيخ محمد علی الصابونی.معاصر.

(۲۰) تفسیر موضح القرآن للشیخ عبد القادر بن أحمد العمروف ب "شاه ولی الله" الدهلوی. (۱۲۳۰ھ)

(۲۱) تفسیر المنار للشیخ محمد رشید رضا (۱۳۵۳ھ)

(۲۲) الفوز الکبیر للإمام أحمد المعروف بشاه ولی الله بن عبد الرحیم الدهلوی (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ)

(۲۳) تفسیر موضح الفرقان للشیخ شبیر أحمد العثمانی. (۱۲۶۸ھ)

(۲۴) التفسیر المظهری للشیخ القاضی محمد ثناء الله پانی پتی العثمانی (۱۲۲۵ھ)

(۲۵) تفسیر البیضاوی المسمیٰ "انوار التنزیل وأسرار التأویل" للإمام ناصر الدین أبی سعید عبد الله بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی (۶۷۵ھ وقیل ۶۸۵ھ وقیل ۶۹۲ھ)

(۲۶) فتح القدیر الجامع بین فنی الروایة والدرایة من علم التفسیر للإمام محمد بن علی بن محمد الشوکانی (۱۲۵۵ھ)

(۲۷) حاشیة الجلالین المسمی (جامع البیان فی تفسیر القرآن للشیخ معین صفی

(۲۸) زبدة التفسیر للشیخ محمد سلیمان عبدالله الأشقر. معاصر

(۲۹) التفسیر الواضح للدکتور محمد محمود حجازی.

(۳۰) الإتقان فی علوم القرآن للإمام جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد أبی بکر السیوطی (۹۱۱ھ)

(۳۱) سورة الإسراء والأهداف التی ترمی إلیها للدکتور محمد علی النمر. معاصر

ج: کتب الحدیث

(۳۲) صحیح البخاری للإمام ابی عبدالله محمد بن اسماعیل بن ابراهیم بن المغیرة البخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ)

(۳۳) صحیح مسلم للإمام أبی الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری (۲۰۶-۲۶۱ھ)

(۳۴) صحیح ابن خزیمة. للإمام أبی بکر محمد بن اسحاق بن خزیمة. السلمی. (۲۲۳-۳۱۱ھ)

(۳۵) صحیح ابن حبان. للامام ابی حاتم محمد بن حبان بن احمدبن حبان البستی التمیمی. (۲۸۰-۳۵۴ھ)

(۳۶) سنن أبی داؤد. للإمام أبی داؤد سلیمان بن الأشعث السجستانی البستی (۲۰۲-۲۷۵ھ)

(۳۷) سنن الترمذی. للإمام ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة الترمذی. (۲۰۹-۲۷۹ھ)

(۳۸) سنن النسائی. للإمام أبی عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی النسائی. (۲۱۵-۳۰۳ھ)

(۳۹) سنن ابن ماجة. للإمام أبی عبدالله محمد بن یزید القزوینی. (۲۰۷-۲۷۵ھ)

(۴۰) مسند احمد. للإمام أبی عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشیبانی. (۱۶۴-۲۴۱ھ)
(۴۱) مسند ابی عوانة للإمام أبی عوانة یعقوب بن إسحاق الإسفرائنی (۳۱۶ھ)
(۴۲) مسند البزار للإمام ابی بکر أحمد بن عمروبن عبدالخالق العتکی (۲۲۹ھ)
(۴۳) مسند أبی یعلی للإمام أبی یعلی أحمد بن علی الموصلی. (۲۱۰-۳۰۷ھ)
(۴۴) مسند أبی داؤد الطیالسی للإمام سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی (۲۰۴ھ)
(۴۵) مسند الحمیدی للإمام أبی بکر عبدالله بن الزبیر الحمیدی (۲۱۹ھ)
(۴۶) مسند ابن الجعد للإمام علی بن الجعد بن عبید أبی الحسن الجوهری (۱۳۴-۲۳۰ھ)
(۴۷) المعجم الکبیر للإمام أبی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی (۲۶۰-۳۶۰ھ)
(۴۸) المعجم الأوسط = = = = = = =
(۴۹) المعجم الصغیر = = = = = = =
(۵۰) الموطأ للإمام دار الهجرة مالک بن أنس الإصبحی. (۹۳، أو ۹۵-۱۷۹ھ)
(۵۱) المصنف لعبدالرزاق للإمام أبی بکر عبد الرزاق بن همام الصنعانی (۱۲۶-۲۱۱ھ)
(۵۲) المصنف لابن أبی شیبة للإمام عبدالله بن محمد بن أبی شیبة العبسی (۲۳۵ھ)
(۵۳) شرح السنة للإمام أبی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی (۴۳۶-۵۱۶ھ)
(۵۴) سنن الدارمی للإمام أبی محمد عبدالله بن عبدالرحمن الدارمی (۱۸۱-۲۵۵ھ)
(۵۵) السنن الکبریٰ للإمام أبی بکر أحمد بن حسین البیهقی (۳۸۴-۴۵۸ھ)
(۵۶) الجامع لشعب الإیمان = = = = =
(۵۷) دلائل النبوة = = = = = = =
(۵۸) معرفة السنن والآثار = = = = = =
(۵۹) الترغیب والترهیب للإمام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (۶۵۶ھ)
(۶۰) مشکل الآثار للإمام أبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی (۳۲۱ھ)
(۶۱) الادب المفرد للإمام أبی عبدالله محمد بن اسماعیل بن ابراهیم بن المغیرة البخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ)
(۶۲) تصحیفات المحدثین للإمام أبی أحمد الحسن بن عبدالله بن سعید العسکری (۳۸۲ھ)



(۶۳) الفردوس للإمام أبی شجاع شیرویه بن شهردار الدیلمی (۴۴۵-۵۴۹ھ)

(۶۴) المنتقیٰ من أخبار المصطفیٰ للإمام مجد الدین أبی البرکات عبدالسلام بن عبدالله بن تیمیه الحرانی (۵۹۰-۶۵۳ھ)

(۶۵) فتح الباری بشرح صحیح البخاری للإمام شهاب الدین أحمد بن علی بن محمد بن حجر العسقلانی (۷۷۳-۸۵۲ھ)

(۶۶) عمدة القاری بشرح صحیح البخاری للإمام بدر الدین أبی محمد محمود بن أحمد بن موسیٰ العینی (۸۵۵ھ)

(۶۷) مختصر سنن أبی داؤد للإمام عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (۶۵۶ھ)

(۶۸) المستدرک علی الصحیحین للإمام أبی عبدالله محمد بن عبدالله بن حمویه الحاکم (۳۲۱-۴۰۵ھ)

(۶۹) الجوهر النقی علی البیهقی للإمام علاء الدین بن علی بن عثمان الشهیربابن الترکمانی (۸۴۵ھ)

(۷۰) السنة للإمام أبی بکر عمروبن أبی عاصم الضحاک بن مخلد الشیبانی (۲۸۷ھ)

(۷۱) سنن سعید بن منصور للإمام سعید بن منصور(۲۵۷ھ)

(۷۲) تلخیص الذهبی بهامش المستدرک للإمام شمس الدین أبی عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی (۶۷۳ھ-۷۴۸ھ)

(۷۳) نیل الأوطار شرح منتقی الأخبارللإمام محمد بن علی بن محمد الشوکانی (۱۲۵۰ھ)

(۷۴) سنن الدارقطنی للإمام علی بن عمر الدار قطنی.(۳۸۵ھ)

(۷۵) المنهل العذب المورود شرح سنن أبی داؤد للشیخ محمود محمد خطاب السبکی .

(۷۶) شرح الزرقانی علی الموطا للإمام محمد بن عبدالباقی بن یوسف (۱۱۲۲ھ)

(۷۷) مصفی شرح الموطا للإمام أحمد بن عبدالرحیم المعروف بشاه ولی الله الدهلوی (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ)

(۷۸) العرف الشذی للشیخ محمد انورالشاه بن معظم الشاه الکشمیری(۱۲۹۲ھ-۱۳۵۲ھ)

(۷۸) مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه للإمام ......

(۷۹) شرح الطیبی للإمام شرف الدین حسین بن محمد بن عبدالله الطیبی (۷۴۳ھ)

(۸۰) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للإمام نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمی (۸۰۷ھ)

(۸۱) صحیح الجامع الصغیر وزیادته للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (۱۴۲۰ھ)

(۸۲) إرواء الغليل = = = = = = = =
(۸۳) سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة = = =
(۸۴) عون المعبود شرح سنن أبي داؤد للعلامة أبي الطيب محمد شمس الحق العظيم آبادی (۱۳۲۹ھ)
(۸۵) فيض الباری للشيخ محمد انور بن معظم الشاه الكشميری (۱۲۹۲-۱۳۵۲ھ)
(۸۶) حاشية مسند الحميدی للشيخ حبيب الرحمن الأعظمی. معاصر

ھ: كتب العقيدة والاديان

(۸۷) الملل والنحل للإمام أبي الفتح محمد بن عبد الكريم ابی بكر الشهرستانی (۴۷۹-۵۴۸ھ)
(۸۸) الفرق بين الفرق للإمام عبد القاهر بن طاهر بن محمد البغدادی الإسفرائينی (۴۲۹ھ)
(۸۹) شرح العقيدة الطحاوية للإمام أبي الحسن علی بن علی المعروف بابن أبي العز الحنفی (۷۹۲ھ)
(۹۰) اقتضاء الصراط المستقيم للإمام أبي العباس أحمد بن عبدالحليم بن عبدالسلام بن عبدالله ابن تيمية الحرانی (۶۶۱ھ-۷۲۸ھ)
(۹۱) الوصية الكبری = = = = = = = = =
(۹۲) العبودية = = = = = = = = = =
(۹۳) الواسطة بين الحق والخلق = = = = = = =
(۹۴) التوسل والوسيلة = = = = = = = =
(۹۵) الزيارة (الجامع الفريد) = = = = = = =
(۹۶) تلبيس إبليس للإمام أبي الفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد المعروف بابن الجوزی (۵۰۸-۵۹۷ھ)
(۹۷) الباعث علی إنكار البدع والحوادث للإمام ابی محمد عبدالرحمن بن اسمعيل المعروف بأبی شامة (۵۹۹-۶۶۵ھ)
(۹۸) كتاب البدع والنهي عنهاللإمام أبي عبدالله محمد بن وضّاح (۱۹۹-۲۸۷ھ)
(۹۹) إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أبي بكر المعروف بإبن قيم الجوزية (۶۹۱-۷۵۱ھ)
(۱۰۰) القصيدة النونية = = = = = = = =
(۱۰۱) كشف الستور من مكائد الشيطان لأهل القبور = = = = =
(۱۰۲) مدارج السالكين = = = = = = = =

(١٠٣) غاية الأماني في الرد على النبهاني للإمام السيد محمود الألوسي البغدادي (١٢٧٣-١٣٤٢ھ)
(١٠٤) عقيدة الفرقة الناجية أهل السنة والجماعة للشيخ محمد بن عبد الوهاب (١١١٥ھ-١٢٠٦ھ)
(١٠٥) ارشاد الطالبين للشيخ القاضي محمد ثناء الله پاني پتي (١٢٢٥ھ)
(١٠٦) الفتح الرباني للإمام عبدالقادر جيلاني جمع وترتيب الشيخ عفيف الدين بن مبارك .
(١٠٧) السنن والمبتدعات للشيخ محمد عبدالسلام خضر الشقيري.
(١٠٨) البلاغ المبين للإمام أحمد المعروف بشاه ولي الله بن عبدالرحيم الدهلوي. (١١١٤ھ-١١٧٦ھ)
(١٠٩) تفهيمات الٰهية = = = = = = = = =
(١١٠) الفقه الأكبر للإمام أبي حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي(٨٠-١٥٠ھ)
(١١١) حدائق بخشش لأحمد رضا خان بن نقي على بن رضا على بن كاظم على (١٣٤٠ھ)
(١١٢) الأمن والعلیٰ = = = = = = =
(١١٣) تحفة الهند للشيخ عبيد الله هندی.
(١١٤) الدين الخالص للشيخ نواب صديق حسن خان القنّوجي (١٢٤٨-١٣٠٧ھ)
(١١٥) فتح المجيد للشيخ عبدالرحمن بن حسن بن محمد بن عبدالوهاب آل الشيخ (١٢٨٤ھ)
(١١٦) قرة عيون الموحدين = = = = = = = =
(١١٧) تيسير العزيز الحميد للشيخ سليمان بن عبد الله آل الشيخ (١٢٠٠-١٢٣٣ھ)
(١١٨) كليات إمدادية للشيخ إمداد الله بن محمد أمين مهاجر مكی (١٢٣٣-١٣١٧ھ)
(١١٩) البدعة للدكتور عزت على عطية .معاصر
(١٢٠) حاشية تطهير الاعتقاد عن أدران الإلحاد للإمام محمد بن اسمعيل الأمير اليمني الصنعاني (١١٨٢ھ)
(١٢١) شرح الصدور بتحريم رفع القبور للإمام محمد بن على بن محمد الشوكاني (١٢٥٠ھ)
(١٢٢) حاشية تطهير الجنان والأركان عن درن الشرك والكفران للشيخ أحمد بن حجر آل بوطامي .معاصر
(١٢٣) الزواجر عن اقتراب الكبائر للإمام أحمد بن حجر الهيتمي
(١٢٤) تحذير الساجد من إتخاذ القبور مساجدللشيخ محمد ناصر الدين الألباني.(١٤٢٠ھ)
(١٢٥) الله جل جلاله للشيخ سعيد حوى.



(١٢٦) صراط مستقيم للشيخ السيد أحمد شهيد (١٧٨٦-١٨٣١ء)

(١٢٧) الاسلام والعصر للشيخ عبدالعزيز كامل. معاصر.

(١٢٨) مسدس حالى للشيخ شمس العلماء الطاف حسين حالى.

(١٢٩) آئينه عمليات للصوفى عزيز الرحمن پانى پتى (١٣٨٠ھ)

(١٣٠) شريعت وتصوف للشيخ محمد مسيح الله.

(١٣١) دهريت سے اسلام تک لمفتى مختار الدين. معاصر.

(١٣٢) الفواكه العِذاب فى الرد على من لم يحكّم السنة والكتاب للشيخ حمد بن ناصر الحنبلى

(١٣٣) مقدمة كتاب التوحيد للشيخ عبدالغنى جاجروى.

(١٣٤) القول البديع فى الصلاة على الحبيب الشفيع للإمام شمس الدين محمد بن عبدالرحمن السخاوى (٨٣١-٩٠٢ھ)

(١٣٥) مختصر العلو للإمام الذهبى اختصار وتحقيق الشيخ محمد ناصر الدين البانى. (١٤٢٠ھ)

(١٣٦) هجر المبتدع للشيخ بكر أبى زيد (١٤٢٩ھ)

(١٣٧) مذاهب عالم للشيخ أحمد بن عبدالله المسدوسى. معاصر

(١٣٨) مذاهب عالم كا تقابلى مطالعه للشيخ چودهرى غلام رسول. معاصر

(١٣٩) كيف نفهم التوحيد للشيخ محمد أحمد باشميل. معاصر.

(١٤٠) حاشية إغاثة اللهفان للشيخ محمد حامد الفقى

(١٤١) حاشية قرة عيون الموحدين = = =

(١٤٢) أوضح الإشارة فى الرد على من أجاز الممنوع من الزيارة للشيخ أحمد بن يحيى النجمى. معاصر.

(١٤٣) الفكر الصوفى للشيخ عبدالرحمن بن عبدالخالق. معاصر.

(١٤٤) جواهر المعانى لعلى حرازم الافريقى

(١٤٥) تذكرة الرشيد للشيخ محمد عاشق الهى ميرٹهى

(١٤٦) گلدسته توحيد للشيخ محمد سرفراز خان صفدر. معاصر

(١٤٧) قبرپرستى للشيخ الحافظ صلاح الدين يوسف. معاصر



(۱۴۸) رسالة انوار الصوفية ،شائع کردہ ناظم حزب النعمان لاہور .(۱۹۲۹ء)

(۱۴۹) دلائل الخیرات لأبی عبداللہ محمد بن سلیمان الجزولی (۸۷۰ھ)

(۱۵۰) قصیدة البردة لأبی عبداللہ محمد بن حسن البوصیری

د : کتب الفقہ والفتاویٰ

(۱۵۱) المجموع شرح المہذب للإمام أبی زکریا محی الدین بن شرف النووی(۶۷۶ھ)

(۱۵۲) مجموع فتاویٰ ابن تیمیة للإمام أبی العباس أحمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام الحرانی(۶۶۱ھ-۷۲۸ھ)

(۱۵۳) تنویر الأبصار للإمام محمد بن عبداللہ التمرتاشی (۱۰۰۴ھ)

(۱۵۴) الدر المختار للإمام محمد بن علی بن محمد الملقب ب علاؤالدین الحصفکی(۱۰۸۸ھ)

(۱۵۵) رد المحتار للشیخ محمد أمین بن عمر بن عبدالعزیز المعروف بابن عابدین الدمشقی (۱۲۵۲ھ)

(۱۵۶) الہدایة للإمام برہان الدین علی بن أبی بکر المرغینانی (۵۹۳ھ)

(۱۵۷) البحر الرائق شرح کنز الدقائق للإمام زین بن ابراہیم بن محمد الشہیر بابن نجیم (۹۲۶-۹۷۰ھ)

(۱۵۸) فتاویٰ البزازیة للإمام محمد بن محمد بن شہاب (۸۲۷ھ)

(۱۵۹) حجة اللہ البالغة للشیخ أحمد المعروف بشاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم الدہلوی.(۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ)

(۱۶۰) مجموع فتاویٰ ورسائل فضیلة الشیخ محمد بن صالح العثیمین للشیخ فہدبن ناصر بن ابراہیم السلیمانی .معاصر

(۱۶۱) شرح المناسک لملا علی بن سلطان محمد القاری (۱۰۱۴ھ)

(۱۶۲) نہج البلاغة للشریف رضی الدین محمد بن حسن الاستراباذی (۶۸۸ھ)

و : کتب التراجم والرجال

(۱۶۳) التاریخ الکبیر للإمام ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن ا لمغیرة البخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ)

(۱۶۴) کتاب الضعفاء الصغیر = = = = = = = = =

(۱۶۵) الکامل فی ضعاء الرجال للإمام أبی أحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی(۲۷۷ھ-۳۶۵ھ)

(۱۶۶) میزان الإعتدال فی نقد الرجال للإمام شمس الدین أبی عبداللہ محمد بن أحمد الذہبی (۶۷۳-۷۴۸ھ)

(۱۶۷) سیر أعلام النبلاء = = = = = = = = =

(۱۶۸) کتاب الجرح والتعدیل= = = = = = = =

(۱۶۹) کتاب الثقات للإمام أبی حاتم محمد بن حبان بن أحمد بن حبان التمیمی البستی (۲۸۰ھ- ۳۵۴ھ)
(۱۷۰) کتاب المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین = = = =
(۱۷۱) کتاب الضعفاء والمتروکین للإمام أبی عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی النسائی. (۲۱۵-۳۰۳ھ)
(۱۷۲) لسان المیزان للإمام الحافظ أحمد بن حجر العسقلانی (۷۷۳-۸۵۲ھ)
(۱۷۳) تهذیب التهذیب = = = = = = =
(۱۷۴) تقریب التهذیب = = = = = = =
(۱۷۵) الجرح والتعدیل للإمام عبدالرحمن بن ابی حاتم محمد بن ادریس التمیمی الحنظلی الرازی (۳۲۷ھ)
(۱۷۶) تهذیب الکمال للإمام جمال الدین أبی الحجاج یوسف بن عبد الرحمن بن یوسف بن علی المزی (۷۴۲ھ)
(۱۷۷) أحوال الرجال للإمام أبی اسحاق ابراهیم بن یعقوب الجوزجانی (۲۵۹ھ)
(۱۷۸) کتاب الضعفاء الکبیر للإمام أبی جعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ العقیلی (۳۲۲ھ)
(۱۷۹) کتاب العلل ومعرفة الرجال للإمام أبی عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشیبانی (۱۶۴-۲۴۱ھ)
(۱۸۰) الإکمال للإمام أبی نصر علی بن هبة الله بن جعفر المعروف بابن ماکولا (۴۷۵،أو،۴۸۷ھ)
(۱۸۱) الموضوعات للإمام أبی الفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد المعروف بابن الجوزی
(۵۰۸ھ-۵۹۷ھ) (وقیل تاریخ وفاته غیر ماذکروالله اعلم)
(۱۸۲) معجم أسامی الرواة للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (۱۴۲۰ھ)

ص : کتب التاریخ والسیر والبلدان

(۱۸۳) الطبقات الکبریٰ للإمام أبی عبدالله محمد بن سعدبن منیع البصری (۱۶۸-۲۳۰ھ)
(۱۸۴) تاریخ الأمم والملوک للإمام أبی جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری (۳۱۰ھ)
(۱۸۵) تاریخ بغداد للإمام أبی بکر أحمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی (۳۹۲-۴۶۳ھ)
(۱۸۶) الکامل فی التاریخ للإمام عزالدین أبی الحسن علی بن أبی بکر محمد بن محمد المعروف (بابن الأثیر (۵۵۵-۶۳۰ھ)
(۱۸۷) مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر للإمام محمد بن مکرم المعروف بابن منظورالافریقی (۶۳۰-۷۱۱ھ)
(۱۸۸) کتاب البدء والتاریخ للإمام أبی زید أحمد بن سهل البلخی (۳۲۲ھ)
(۱۸۹) تاریخ الإسلام (التاریخ الکبیر) للإمام شمس الدین أبی عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی (۶۷۳-۷۴۸ھ)



(۱۹۰) البداية والنهاية للإمام أبى الفداء اسماعيل بن عمر بن كثير الدمشقى (۷۰۱-۷۷۴ھ)

(۱۹۱) السيرة النبوية = = = = = = = =

(۱۹۲) سيرة إبن هشام للإمام أبى محمد عبدالملک بن هشام بن أيوب الحميرى ۲۱۸ وقيل ۲۱۳ھ)

(۱۹۳) عيون الأثرفى فنون المغازى والسير للإمام أبى الفتح محمد بن محمد بن محمد بن عبدالله بن محمد المعروف بابن سيد الناس (۶۷۱-۷۳۴ھ)

(۱۹۴) جوامع السيرة للإمام أبى محمد على بن أحمد بن حزم الأندلسى (۳۸۴-۴۵۶ھ)

(۱۹۵) السيرة الحلبية للإمام على بن برهان الدين الحلبى (۹۷۵-۱۰۴۴ھ)

(۱۹۶) فتوح البلدان للإمام أبى العباس أحمد بن يحيٰ بن جابر البلاذرى (۲۷۹ھ)

(۱۹۷) شذرات الذهب فى أخبار من ذهب للإمام أبى الفلاح عبدالحى بن العماد الحنبلى (۱۰۸۹ھ)

(۱۹۸) معجم البلدان للإمام شهاب الدين أبى عبدالله ياقوت بن عبدالله الحموى (۶۲۶ھ)

(۱۹۹) أخبار مكة للإمام أبى الوليد محمد بن عبدالله بن أحمد الازرقى (۲۱۲ قيل ۲۲۳ھ)

(۲۰۰) الفهرست للإمام أبى الفرج محمد بن أبى يعقوب اسحاق المعروف بإبن النديم (۳۸۰ھ)

(۲۰۱) الأعلاق النفيسة للإمام أبى على أحمد بن عمر (۲۹۰ھ)

۲۰۲) حاشية سيرة ابن هشام (نخبة من العلماء)

(۲۰۳) كتاب الوافى الوفيات للشيخ صلاح الدين خليل بن ايبک الصفدى (۷۶۴ھ)

ی : كتب اللغة والبلاغة

(۲۰۴) لسان العرب للإمام أبى الفضل محمد بن مكرم المعروف بإبن منظور الأفريقى (۶۳۰-۷۱۱ھ)

(۲۰۵) معجم مقاييس اللغة للإمام أبى الحسين أحمد بن فارس بن زكريا (۳۹۵ھ)

(۲۰۶) المطول للإمام مسعود بن عمر التفتازانى (۷۸۱ھ)

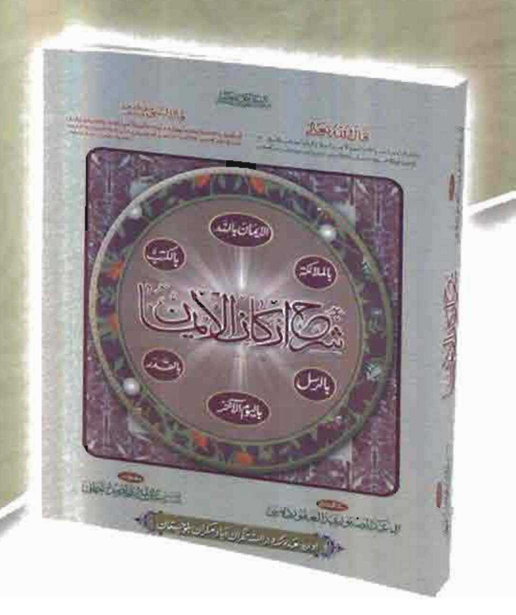
(۲۰۷) شرح المواقف للإمام السيد الشريف على بن محمد بن على الجرجانى (۷۴۰-۸۱۶ھ)

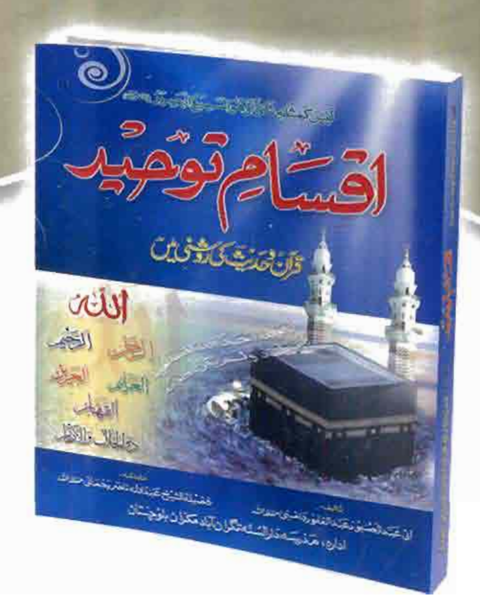
(۲۰۸) التعريفات = = = = = = = = =

(۲۰۹) المصباح المنير فى غريب الشرح الكبير للإمام أحمد بن محمد بن على الفيومى (۷۷۰ھ)

(۲۱۰) محيط المحيط للمعلم بطرس البستانى.

(۲۱۱) المنجد للمستشرق لويس معلوف.





مؤلف کی تألیفات

شرح ارکان الایمان	اردو	مطبوع
شیر کا تھپڑ	اردو	مطبوع
أضواء التوحید	اردو	مطبوع
دور سعد بن أبي وقاص في الفتوحات الاسلامیة	عربي	مخطوطہ
غزوات الرسول ﷺ	عربي	مخطوطہ
کشف الصدر في شرح أسماء اهل بدر	عربي	مطبوع
مجمع المعلومات	عربي	مخطوطہ
عظمة الرسول ﷺ	عربي	مخطوطہ
أحسن القصص	اردو	زیرِ طبع
اصدق القصص	اردو	زیرِ طبع
تحفہ اور ماڑہ	اردو	زیرِ طبع
اقسام توحید (ربوبیت، الوہیت، اسماء وصفات)	اردو	مطبوع
فضائل الجہاد	اردو	مخطوطہ
تاریخ الأنبیاء والرسل علیہم السلام	عربي	مخطوطہ
المختصر في أنباء من غبر	عربي	زیرِ تألیف
صلاة الرسول ﷺ	فارسی	زیرِ تألیف
خودنوشت عبد الغفور	اردو	مخطوطہ